# تحفۃ المنعم
اردو شرح
# صحیح مسلم


تالیف

حضرت مولانا فضل محمد صاحب یوسفزئی دامت برکاتہم

أستاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی


جلد اول

مقدمہ و کتاب الایمان


مکتبہ أویس القرنی

کراچی - پاکستان

# تحفۃ المنعم

شرح اردو

# صحیح مسلم

جلد اول

مقدمہ و کتاب الایمان

تالیف

حضرت مولانا فضل محمد صاحب یوسف زئی دامت برکاتہم

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ اویس القرنی

کراچی - پاکستان

نام کتاب: تحفۃ المنعم شرح صحیح مسلم جلد ۱

مصنف : مولانا فضل محمد صاحب یوسف زئی دامت برکاتہم

ضخامت : ۷۲۰ صفحات

طبع : دوم

سن طباعت: شوال ۱۴۳۳ھ بمطابق ستمبر ۲۰۱۲ء

ناشر : مکتبہ اویس القرنی
کراچی۔ پاکستان

فون : 03122022255

ای میل : moa.pk@hotmail.com

ویب سائٹ: http://www.moa.com.co

# فہرست مضامین

| مضامین | صفحہ نمبر |
|---|---|

نَضَّرَ اللهُ اِمْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا۔

(الحدیث طبرانی)

# انتساب

میں اپنی اس محنت شاقہ کو اپنی مادر علمی اور عالمی مرکز علمی

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کی طرف منسوب کرتا ہوں

## جس کے سایۂ عاطفت میں

بندہ نے محدث العصر حضرت اقدس حضرت مولانا محمد یوسف البنوری رحمہ اللہ

اور جلیل القدر مدرس حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ سے

احادیث مقدسہ کی سند حاصل کی۔

فضل محمد یوسف زئی

روزِ محشر ہر کسے باخویش دارد توشہ

من نیز حاضر میشوم "تشریح" مسلم در بغل

وَمِنْ مَذْهَبِیْ حُبُّ النَّبِیِّ وَكَلَامِهٖ

وَلِلنَّاسِ فِیْمَا يَعْشَقُوْنَ مَذَاهِبُ

بعد ۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ منگل ۱۴ فروری ۲۰۱۲ء

# عرض حال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمدلله العلي الواحدالاحدالصمد الذی لم یلدولم یولد ولم یکن له کفواً احد، القادرالقهار الجبار الستار الحنان المنان الملك الديان ملهم الحديث ومنزل القرآن، والصلوٰة والسلام الاتمان الاكملان على سيدالانس والجان افصح بنى عدنان واشجع بنى قحطان صاحب الجمل الاحمر والسيف المشهر نبى الرحمة ورسوالملاحم محمدسيدالبشرالذی شق له القمر صلى الله عليه وعلى آله واصحابه الميامين الغرر۔

امابعد: فان اصدق الحديث كتاب الله وخيرالهدى هدى محمدصلى الله عليه وسلم وشرالامورمحدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة فى النار۔

قال الله جل جلاله وعم نواله ﴿وَاَمَّابِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ صدق الله العظيم۔

صحیح مسلم شریف کی ابتدائی مباحث میں جانے سے پہلے میں قارئین کرام کے سامنے اپنے تعلیمی سفر سے متعلق چند مختصر معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں امید ہے کہ اس آپ بیتی میں کچھ فائدہ ہوگا۔

میرا نام فضل محمد یوسف زئی ہے اور میرے والد صاحب کا نام نور محمد ہے۔ ہمارا سلسلۂ نسب افغانستان کے مشہور شہر قندھار کے ایک نامور شخص یوسف بابا قندھاری سے جاملتا ہے اسی وجہ سے ہمارا خاندان یوسف زئی کہلاتا ہے، محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب ہندوستان کے راجاؤں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا تو ان کے ساتھ قندھار سے چند بڑے بزرگ بھی آئے تھے ان میں سے ایک بزرگ کا نام پیر "مدے بابا" تھا یہ بڑے بزرگ اور صاحب کرامت مجاہد تھے صوبہ سرحد میں مردان کے پاس درگئی کے علاقہ میں ایک جگہ کا نام "جالالا" ہے اسی مقام پر "مدے بابا" کا مشہور مزار ہے۔ مدے بابا کے نام کی طرف نسبت کی وجہ سے ہمارا قومی نام مدے خیل ہے پاکستان کے ضلع بٹگرام، تحصیل الائی ہمارا علاقہ ہے، الائی میں "راشنگ" کے نام سے ایک گاؤں مشہور ہے، بندہ عاجز اسی گاؤں میں غالباً ۱۹۵۰ء میں پیدا ہوا ہے اب ہم صدیوں سے پاکستان میں رہتے ہیں، افغانستان کا سلسلہ قصۂ پارینہ ہوکر رہ گیا ہے۔ میں نے دوسری کلاس تک سکول پڑھا ہے اور جوانی کی عمر تک میں نے کسی مدرسہ میں دینی سبق کا آغاز نہیں کیا تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ کا مجھ پر کرم اور احسان ہوا تو ۲۲ فروری ۱۹۶۸ء میں بندہ نے ہری پور ہزارہ صوبہ سرحد کے ایک مدرسہ میں درجہ اولیٰ میں داخلہ لیا اس مدرسہ کا نام "مدرسہ ربانیہ" ہے جو ہری پور ریلوے اسٹیشن کے پاس واقع ہے، اس وقت میری

داڑھی کے چند بال ٹھوڑی پر ظاہر ہوئے تھے۔ درجہ اولیٰ کا یہ سال میں نے نہایت خوشگواری کے ساتھ اس مدرسہ میں مکمل کیا پھر درجہ ثانیہ پڑھنے کے لئے میں نے مدرسہ ''انوار القرآن'' ایبٹ آباد کیہال میں داخلہ لیا اور دوسرا تعلیمی سال وہاں پر گذارا، درجہ ثالثہ پڑھنے کے لئے میں پھر اپنے پرانے مدرسے میں آیا اور مدرسہ ربانیہ ہری پور میں درجہ ثالثہ مکمل کیا پھر میں کراچی آیا اور ۱۹۷۱ء اور ۱۹۷۲ء دو سال میں نے دار العلوم کراچی کورنگی میں گذارے اس وقت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولنٰا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ حیات تھے بندہ نے ان کے مواعظ حسنہ سے بہت کچھ حاصل کیا ان دو سالوں میں میرا درجہ رابعہ اور درجہ خامسہ مکمل ہوا، ھدایہ اول میں نے مولانا اکبر علی رحمہ اللہ سے پڑھا درجہ خامسہ کے بعد کچھ اضافی فنون اور فنون کی خصوصی کتب پڑھنے کے لئے میں نے گجرانوالہ کے مدرسہ اشرف العلوم میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۳ء کا سال وہاں گذارا، مولنا جلال الخالق رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے وہاں پر پڑھا۔ ۱۹۷۴ء میں میں نے درجہ سادسہ پڑھنے کی غرض سے جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ میں داخلہ لیا اس وقت حضرت العلامہ محدث کبیر حضرت مولانا عبد الحق حیات تھے میں فارغ اوقات میں انکے ترمذی کے درس میں کبھی کبھی بیٹھتا تھا مجھے اس سے بہت فائدہ ہوا اور حضرت میرے استاذ بھی ہوئے، لیکن میں وہاں بیمار رہا اور تین مہینے گذار کر وہاں سے ایبٹ آباد اپر کیہال جا کر مدرسہ عزیزیہ میں داخلہ لیا اور درجہ سادسہ وہاں مکمل کیا مولنا عزیز الرحمان صاحب کو بانی میرے استاد تھے۔ ۱۹۷۵ء میں مزید علوم پڑھنے کی غرض سے میں نے مدرسہ مظہر العلوم مینگورہ سوات میں داخلہ لیا اس وقت اس مدرسہ کے مہتمم حضرت الاستاذ حضرت مولنٰا فضل محمد سواتی نور اللہ مرقدہ حیات تھے اضافی فنون میں مطول، خیالی، دیوان متنبی وغیرہ کتابوں میں میرا، ۱۹۷۵ء کا سال مکمل ہو گیا ۱۹۷۶ء کا سال میرا درجہ سابعہ کا سال تھا جو میں نے اسی مدرسہ میں گذارا حضرت مولنا فضل محمد رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے اسی مدرسہ میں مشکوٰۃ شریف جلد اول اور جلد ثانی مکمل پڑھی ہدایہ اخرین بھی ان سے پڑھا اور فن ادب میں دیوان متنبی بھی ان سے پڑھی، میرے تعلیمی سفر میں میری زندگی کا یہ وہ حصہ ہے جس میں میرے رب نے مجھے حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض سے فن حدیث اور فن ادب دونوں سے وافر حصہ عطا فرمایا۔ الحمد للہ حمدا کثیرا۔

پھر ۱۹۷۷ء میں دورۂ حدیث پڑھنے کے لئے حضرت مولانا فضل محمد رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت سے میں نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں دورۂ حدیث میں داخلہ لیا داخلہ امتحان مفتی ولی حسن رحمہ اللہ نے لیا اس وقت محدث العصر شاہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کے امین محدث العصر عاشق رسول حضرت مولانا السید محمد یوسف البنوری حیات تھے اور یہ ان کی زندگی کا آخری سال تھا، بخاری شریف کے دونوں حصے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھے لیکن سہ ماہی امتحان کے موقع پر حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ ان کی ملاقات کے لئے جب کراچی تشریف لائے تو حضرت بنوریؒ نے نہایت اصرار کے ساتھ حضرت الاستاذ کو بنوری ٹاؤن میں پڑھانے کے لئے روکا، چنانچہ بخاری جلد ثانی میں نے حضرت مولانا فضل محمد صاحب سواتی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی۔ جامع ترمذی مکمل میں نے مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ سے

پڑھی، ابوداؤد شریف میں نے حضرت مولانا معاذ الرحمٰن صاحب پشاوریؒ سے پڑھی اور طحاوی شریف حضرت مولانا مصباح اللہ شاہ صاحب سے پڑھی، مسلم شریف جلد اول میں نے حضرت مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی اور جلد ثانی حضرت مولانا بدیع الزمان رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔ اس طرح ۱۹۷۷ء کا یہ مبارک سال مکمل ہوا اور بندۂ عاجز نے اسی جامعہ میں اپنے دس سالہ تعلیمی سفر کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا حضرت بنوریؒ کی زندگی کا یہ آخری سال تھا اور آخری دورۂ حدیث تھا۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں یہاں اجازت حدیث اور سلسلۂ سند بھی درج کروں کیونکہ محدثین عظام کے ہاں سلسلۂ سند اور اجازت حدیث معروف ضابطہ اور قابل اعتماد سلسلہ ہے بلکہ دین کا ایک حصہ ہے عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں۔

"الاسناد من الدین، ولو لا الاسناد لقال من شاء ما شاء" ۔ (رواہ مسلم)

چنانچہ میرے بڑے اساتذہ میں سے حضرت اقدس حضرت مولانا سید محمد یوسف البنوری اور حضرت اقدس حضرت مولانا فضل محمد سواتی اور حضرت اقدس حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی اور حضرت اقدس حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہم اللہ ہیں۔

یہ میرے ایسے اساتذہ ہیں جو براہ راست شیخ الاسلام حضرت اقدس حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اس طرح بندہ کو صرف ایک واسطہ سے حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل ہو جاتا ہے یا شاہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے اور یا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلۂ سند وابستہ ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے اپنے احباب کے ہمراہ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے دارالحدیث میں عظیم اسلامی قائد حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ سے بخاری شریف کا ایک سبق پڑھا ہے اس سے بھی سند عالی درجہ تک جا پہنچتی ہے کیونکہ مفتی صاحب نے مدرسہ شاہی مرادآباد کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہوی سے دورۂ حدیث پڑھا وہ براہ راست حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی کے شاگرد ہیں۔ سند کی یہ ساری برکتیں اپنی جگہ باعث برکت ہیں لیکن اس کے علاوہ برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے بنوری ٹاؤن کے دارالحدیث میں ہمیں جو دو سندیں عطا فرمائی ہیں میں اس کو بھی یہاں نقل کرتا ہوں جس کے بارے میں حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا کہ میری سندوں میں سے یہ دو سندیں سب سے مختصر اور عالی ہیں۔

## سند حدیث

۱۔ فضل محمد بن نور محمد یوسف زئی عن برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا عن والدہ مولانا محمد یحییٰ عن مولانا رشید احمد الجنجوھی عن مولانا الشاہ عبدالغنی عن الشاہ محمد اسحاق عن الشاہ عبدالعزیز عن الشاہ ولی اللہ رحمھم اللہ ۔

۲۔ فضل محمد بن نور محمد یوسف زئی عن شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا عن مولانا خلیل احمد السھارنفوری

عن الشیخ عبدالقیوم بُڈھانوی عن الشاہ محمداسحاق عن الشاہ عبدالعزیز عن الشاہ ولی اللہ رحمھم اللہ ۔

۳۔ فضل محمد بن نورمحمد یوسف زئی عن محدث العصر مولاناسیدمحمدیوسف البنوری عن شیخ الاسلام سیدحسین احمدالمدنی والشاہ محمدانورشاہ الکشمیری عن شیخ الھند محمودحسن عن حجۃ الاسلام محمدقاسم النانوتوی عن الشاہ عبدالغنی عن الشاہ اسحاق عن الشاہ عبدالعزیز عن الشاہ ولی اللہ رحمھم اللہ ۔

٤۔ فضل محمد بن نور محمد یوسف زئی عن محدث العصر مولاناسیدمحمدیوسف البنوری عن الشیخۃ امۃ اللہ عن ابیھا الشاہ عبدالغنی عن الشاہ محمداسحاق عن الشاہ عبدالعزیز عن الشاہ ولی اللہ رحمھم اللہ۔

۵۔ فضل محمد بن نورمحمدیوسف زئی عن فقیہ العصر الولی الکامل مولانافضل محمدسواتی عن شیخ الاسلام سیدحسین احمدالمدنی عن امام الھند شیخ الھند محمود حسن الدیوبندی عن حجۃ الاسلام محمد قاسم النانوتوی وفقیہ النفس رشیداحمدالجنجوھی عن الشاہ عبدالغنی عن الشاہ اسحاق عن الشاہ عبدالعزیز عن الشاہ ولی اللہ رحمھم اللہ

**ان پانچ اسناد کا سلسلہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تک پہنچتا ہے اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سند کا یہ سلسلہ شاہ ولی اللہ سے آگے جا کر امام مسلم تک پہنچایا جائے تو لیجئے ۔ ''عناقید'' کی عربی عبارت میں ملاحظہ کریں**

یرویہ مسند الھند الشاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم عن شیخہ ابی الطاھرالمدنی عن والدہ الشیخ ابراھیم الکردی عن الشیخ سلطان بن احمد المزاحی قال اخبرنااحمدالسبکی عن نجم الدین الغیطی عن الزین زکریاعن ابی الفضل الحافظ ابن حجرالعسقلانی عن الصلاح ابی عمروالمقدسی عن علی بن احمدبن البخاری عن المؤید بن محمدالطوسی عن ابی عبداللہ الفراوی عن عبدالغافر الفارسی عن ابی احمد محمدبن عیسی الجلودی عن ابی اسحاق ابراھیم بن محمدعن مؤلف الکتاب مسلم بن الحجاج القشیری رحمۃ اللہ علیہ ۔

سند نمبر۴ میں امۃ اللہ سے مراد ایک خاتون ہیں جو شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ کی صاحبزادی ہیں یہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئی اوران کی عمر۱۰۰ سال سے اوپر تھی حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے غالباً ۲۶ سال کی عمر میں ان سے مدینہ طیبہ میں پڑھا اورحدیث کی سند لی یہ انتہائی عالی سند ہے اور باعث تعجب بھی ہے کہ ایک پردہ نشین خاتون کتنی بڑی مُحَدِّثہ تھیں کہ محدث العصر حضرت بنوری رحمہ اللہ ان کے شاگرد بنے۔

رحم اللہ ھؤلاء الاماثل الامجادرحمۃ واسعۃ وجعل قبورھم روضات من ریاض الجنۃ ۔

# فراغت وتدریس

۱۹۷۷ء میں جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن سے فراغت کے بعد میں نے ایک سال ایک گمنام مدرسہ میں تدریس کی اور پھر جامعہ حمادیہ شاہ فیصل کالونی کراچی میں آٹھ سال مسلسل تدریس کے فرائض انجام دیئے جہاں مجھے طحاوی اور ترمذی جلد ثانی پڑھانے کا موقع بھی ملا، پھر مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ نے میرا تقرر جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کی شاخ مدرسہ عربیہ اسلامیہ ملیر میں کیا اور میں نے جامعہ حمادیہ چھوڑ کر ملیر میں دو سال تک ابتدائی درجات میں تدریس کے فرائض انجام دیئے پھر مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ کی نوازش اور فرمائش سے مرکز علوم جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں میرا تبادلہ ہوا، چنانچہ بروز جمعرات ۱۹ شوال ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۵ مئی ۱۹۸۹ء میں بندہ نے اس مقدس درسگاہ میں تدریس کا آغاز کیا اسی سال بندہ کو پڑھانے کے لئے مشکوۃ شریف جلد اول ملی آٹھ سال تک میں نے مشکوۃ شریف جلد اول پڑھائی اور پھر تقریباً اتنے ہی عرصہ تک مشکوۃ جلد ثانی پڑھانے کا موقع ملا، اس کے بعد مورخہ ۷ اشوال ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۲ دسمبر ۲۰۰۲ء میں جامعہ کے انتظامیہ نے مجھے دورۂ حدیث میں پڑھانے کے لئے مسلم شریف جلد ثانی دیدی تین سال تک میں نے صحیح مسلم جلد ثانی پڑھائی پھر ۱۴۲۶ھ میں مجھے جامعہ کی طرف سے پڑھانے کے لئے مسلم شریف جلد اول مل گئی جو تا حال چھ سال سے الحمد للہ میں پڑھا رہا ہوں اور اپنی آپ بیتی کے یہ ٹوٹے پھوٹے کلمات اس وقت ۲۲ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ رات کے دو بجے لکھ رہا ہوں۔

جیسا کہ پہلے لکھا گیا کہ صحیح مسلم شریف جلد اول میں نے ایک محقق عالم، ادیب اور صاحب قلم حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ سے پڑھی ہے ان کی سند کا سلسلہ اس طرح ہے

مولانا محمد ادریس عن شیخه العلامة شبیر احمد العثمانی عن شیخه شیخ الهند محمود حسن الدیوبندی عن شیخه قاسم النانوتوی عن شیخه الشاه عبدالغنی عن شیخه الشاه محمد اسحاق عن شیخه الشاه عبدالعزیز عن والده الشاه ولی الله الدهلوی رحمهم الله۔

مسلم شریف جلد اول اور جلد ثانی پڑھانے سے پہلے ایک طویل عرصہ تک میں نے مشکوۃ شریف مکمل پڑھائی اور پھر "توضیحات اردو شرح مشکوۃ" کے نام سے آٹھ جلدوں پر مشتمل ایک شرح لکھی جب نو سال کے عرصہ میں اس شرح سے میں فارغ ہوا تو میں نے ارادہ کیا کہ آئندہ کسی تحریر میں مزید مشقت نہیں اٹھاؤں گا اور صرف تدریس میں آرام کی زندگی گذاروں گا کچھ احباب کبھی کبھی کہنے لگتے کہ آپ مسلم پر کام شروع کریں یہ سن کر میں دل ودماغ میں بوجھ محسوس کرتا تھا اور ان سے کہتا تھا کہ میرے سامنے اس بات کا تذکرہ بھی نہ کریں میں اس کا سوچ بھی نہیں سکتا اب مجھے کچھ آرام کرنے دیں۔ ادھر لاہور میں پروفیسر اسرار احمد صاحب کے نام سے میرا ایک دوست ہے جن کو میں نے اب تک دیکھا نہیں مگر فون پر رابطہ رہتا ہے وہ بڑا معلوماتی علم دوست

آدمی ہیں ان کی جانب سے تو بڑا ہی اصرار ہے کو ملا مگر میں نے انکار کیا اور بات کو سنی ان سنی کر دی کچھ عرصہ بعد اللہ تعالی نے میرے دل میں مسلم شریف کی شرح کے لئے ایسا جذبہ پیدا فرمایا کہ میں مزید ایک لمحہ کے لئے صبر نہ کر سکا اور جمعہ کے دن ۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ بمطابق ۲۵ فروری ۲۰۱۱ء کو قلم ہاتھ میں لیا اور شرح پر کام شروع کیا مجھے شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا وہ جملہ بھی یاد آ گیا جب آپ سے ایک مرید نے کہا کہ حضرت آپ آرام کریں تو جواب میں فرمایا کہ آرام قبر میں کروں گا، بہر حال میں نے اس شرح کا نام "تحفة المنعم اردو شرح صحیح مسلم" رکھدیا ہے اللہ تعالی قبول فرمائے، اس مشکل ترین اور باعث مشقت کام کے کرنے میں مجھے تین وجوہات سے حوصلہ ملا ایک وجہ یہ کہ چھ سال سے پڑھاتے ہوئے مسلم کے دروس کا ایک مہذب مرتب مجموعہ مجھے ملا، دوسری وجہ یہ کہ اس سے پہلے میں نے مشکوۃ شریف کی جو اردو شرح توضیحات لکھی ہے اس میں احادیث مقدسہ کے تمام ابواب پر الحمد للہ اچھا کام ہوا ہے وہ اگر چہ مشکوۃ شریف کی شرح ہے لیکن مضامین اور مسائل کے اعتبار سے صحاح ستہ کی ہر کتاب کے لئے اس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے چنانچہ میں نے بھی شرح مسلم میں اس سے استفادہ کیا ہے مجھے حوصلہ دلانے کے لئے تیسری بڑی وجہ یہ بنی کہ صحیح مسلم پر عربی میں تو بہت عمدہ کام ہوا ہے لیکن اردو میں اب تک اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی ہے اگر کچھ کام ہوا بھی ہے تو وہ یا تو انتہائی مختصر ہے کہ اس میں صرف اشارات ہیں یا انتہائی طویل ہے اور ساتھ ساتھ باعث خدشات ہے اس لئے میں نے ضرورت محسوس کی کہ اختصار مخل اور اور تطویل ممل کے درمیان اعتدال کے ساتھ کسی تعصب اور بغض وعناد کے بغیر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مقدسہ کی خدمت ہو جائے جو میرے لئے توشۂ آخرت بن جائے کسی نے خوب کہا ۔

وذالك في ذات الاله وان يشاء　　　يبارك على اوصال شلو ممزع

میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجھ میں بہت کمزوریاں ہیں لیکن میں انشاء اللہ ان کمزوریوں سے صحیح مسلم کی اس شرح کو دور رکھنے کی مقدور بھر کوشش کروں گا آگے مدد و نصرت اور توفیق دینے والا اللہ جل جلالہ ہے۔

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر　　　میں نے تو در گذر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

## اس شرح سے متعلق کچھ باتیں

۱۳۹۷ھ بمطابق ۱۹۷۷ء کا سال تھا کہ میں نے جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں دورۂ حدیث میں داخلہ لیا اس وقت دورۂ حدیث میں صحیح مسلم شریف جلد اول حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ پڑھاتے تھے وہ ایک محقق عالم تھے وہ حشو اور تطویل سے خالی نہایت جچے تلے الفاظ میں درس دیا کرتے تھے اور پھر اپنے ہی الفاظ کا امتحان میں لحاظ رکھا کرتے تھے وہ امتحانی نمبرات دینے میں بہت سخت تھے سو (۱۰۰) نمبرات میں وہ اکثر طلبہ کو بیس اور چالیس کے درمیان نمبر دیا کرتے تھے مجھے

انہوں نے سہ ماہی امتحان میں ۶۳ نمبر دیئے تھے جو ایک کرامت سے کم بات نہیں تھی، وہ درس میں زیادہ تر علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح ''فتح الملہم'' شرح مسلم مدنظر رکھتے تھے علامہ عثمانی ان کے استاد بھی تھے، جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں طویل فقہی مباحث نہیں چھیڑے جاتے ہیں حضرتؒ کی عادت بھی ایسی ہی تھی تاہم میرے پاس حضرت کے درس کی لکھی ہوئی کوئی کاپی نہیں ہے چند مقامات میں نے قلمبند کئے تھے جو نہ ہونے کے برابر ہیں اس لئے میں نے جب مسلم شریف پڑھانا شروع کیا تو مختلف شروحات سے استفادہ کر کے ایک مسودہ تیار کیا۔ علامہ نووی کی شرح تو کتاب کے ساتھ لگی ہوئی ہے مگر میں نے ان سے کم ہی استفادہ کیا ہے محمد بن خلیفہ وشتانی متوفی ۸۲۸ھ کی شرح ''الآبی'' سے میں نے کئی مقامات میں استفادہ کیا ہے میں نے فتح الملہم سے بھی استفادہ کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک مسلم شریف کا مقدمہ ہے تو اس پر کئی علماء نے کتابیں لکھی ہیں مثلاً فیض المنعم ہے، نعمت المنعم ہے، مقدمہ مسلم ہے، درس مسلم ہے، ان کتابوں سے میں نے مقدمہ مسلم میں بھرپور استفادہ کیا لیکن اس کے بعد کتاب الایمان سے لیکر صحیح مسلم کے اختتام تک میں نے ان تحقیقات کو پیش نظر رکھا ہے جو توضیحات شرح مشکوۃ میں مختلف شروحات سے میں نے جمع کیا ہے تاہم مسلم شریف کا اپنا خصوصی انداز ہے جس میں ترجمۃ الباب کی تطبیق ہے احادیث کا تسلسل ہے اصل اور متابع کا بیان ہے سخت شروط کے پیش نظر قلتِ احادیث ہے، جس کی وجہ سے اختلاف فقہاء کا فی کم سامنے آتا ہے۔

اکابر علماء دیو بند کا عمومی طریقہ بھی یہی رہا ہے کہ بخاری اور مسلم میں حدیث کے فن اور اصطلاحات اور ان دونوں کتابوں کی خصوصی ترتیب اور ترجیحی خصوصیات سے زیادہ بحث ہوتی ہے، رجال اور سلسلۂ سند پر خصوصی نگاہ رکھی جاتی ہے اس لئے فقہی اختلافات کو طول دینا بے جا تکلف سمجھا جاتا ہے ان وجوہات کی بنیاد پر توضیحات وغیرہ کے تمام فقہی مباحث لانے کی شرح مسلم میں گنجائش نہیں ہو رہی بس ''الاھم فـالاھم'' کو دیکھنا ہوگا اور قناعت سے کام لینا ہوگا، البتہ چھ سال سے مسلم شریف کو جو میں نے پڑھایا ہے اس سے جو مجموعہ تیار ہو گیا ہے اس سے بھی میں استفادہ کروں گا، اگر چہ مسلم شریف کی شرح میں سند اور اس کے لطائف اسماء الرجال اور اس پر بحث کرنے کی طرف خصوصی توجہ دی جاتی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ بحث احادیث مقدسہ کی تحقیق اور توضیح و تشریح سے ہٹ کر ایک الگ بحث ہے جس کا فہم حدیث سے تعلق نہیں ہے اسی طرح کسی ترکیب یا کسی لغت کے پڑھنے کے مختلف احتمالات سے بحث کرنے میں بھی اصل مقصد سے آدمی دور ہو جاتا ہے لہٰذا میں ان چیزوں میں پڑ کر شرح کو طول دینے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اسی طرح کسی راوی کی پیدائش اور وفات سے متعلق بحث کرنا میرے لئے بہت مشکل ہوگا ہاں اگر کہیں ان چیزوں کی فنی ضرورت پیش آئے گی تو اس سے صرف نظر نہیں کیا جائیگا۔ میں اس شرح میں یہ طرز اختیار کروں گا کہ پہلے مسلم شریف کی مکمل حدیث نقل کروں گا پھر آسان اور واضح ترجمہ کیا جائے گا اور پھر تشریح کے نام سے شرح ہوگی اور حدیث کا مطلب بیان کیا جائے گا اگر حدیث سے متعلق فقہی بحث ہوگی تو مذاہب اربعہ کی روشنی میں بحث کروں گا اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ پہلے مذاہب اربعہ کو لیا جائے گا کہ زیر بحث حدیث میں کتنے مذاہب ہیں مثلاً مالکیہ، حنابلہ، شوافع

اور احناف کے مسالک کا تذکرہ ہوگا پھر ہر مسلک کے دلائل کا بیان ہوگا اور پھر احناف کی دلیل کو ترجیح دینی ہوگی اور باقی دلائل کو اس کے صحیح محمل پر حمل کیا جائے گا۔

میں نے اس شرح میں ایک خالص مدرس کے لئے وہ مواد اکٹھا کیا ہے کہ وہ تدریس سے متعلقہ تمام عمومی امور کو ایک جگہ موجود پائیگا خصوصاً کتاب کو شروع کرتے وقت کوئی بھی مدرس ہو وہ اس شرح کے ابتدائی مباحث میں وہ سب کچھ پائے گا جس کی ان کو ضرورت ہوگی۔ میں اس شرح میں اس بات کا پورا خیال رکھوں گا کہ یہ نہ اتنا طویل ہو کہ طلبہ اکتا جائیں اور نہ اتنا مختصر ہو کہ طلبہ تشنہ لب رہ جائیں بلکہ معتدل ہو اور متوسط ہو۔ میں نے اس شرح میں انداز بیان اس طرح رکھا ہے کہ ہر پڑھنے والا اسکو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ میں نے اس شرح میں جمہور امت کا مسلک اختیار کیا ہے کسی کے شاذ قول یا کسی کے تفرد پر اعتماد نہیں کیا ہے میں نے مسلم شریف کی اس شرح میں ہر باب اور ہر کتاب کی ابتداء میں پورے باب اور پوری کتاب سے متعلق اس طرح کلام کیا ہے جو پورے باب اور کتاب کے لئے کافی شافی ہو جائے گا۔ میں نے اس شرح میں جس طرح مسلم جلد اول میں تحقیق وتشریح کی ہے اسی طرح مسلم جلد ثانی میں بھی تحقیق وتشریح کروں گا ایسا نہیں کیا کہ جلد اول اور ابتدا میں خوب تفصیل ہو اور جلد ثانی میں تعطیل ہو بلکہ جلد ثانی میں تفصیل انشاء اللہ جلد اول سے کم نہیں ہوگی۔ میں نے اس شرح میں اس کا زیادہ خیال رکھا ہے کہ مشکل لغات کے معانی کی وضاحت ہو جائے اور مجمل عبارت کی تفصیل اور مطلب بیان ہو جائے، بہر حال میں نے ایک مدرس کی حیثیت سے اس شرح کو اس انداز سے مرتب کیا ہے کہ انشاء اللہ ایک مدرس بلکہ ایک طالب علم صحیح مسلم کے کسی مقام میں کسی الجھن کا شکار نہیں ہوگا بلکہ ہر مقام کو سمجھنے کے حوالہ سے اس کو آسان سے آسان تر پائے گا باقی تمام علوم کا احاطہ کوئی انسان نہیں کر سکتا ہے وفوق کل ذی علم علیم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔

# مراجع کتب

اس شرح میں جن کتب سے استفادہ کے لئے میں نے رجوع کیا ہے ان میں سرفہرست درج ذیل کتب ہیں

۱۔ کتاب اللہ ۲۔ صحاح ستہ اوران کی مشہور شروحات مثلاً

۱۔ فتح الباری۔ ۲۔ عمدة القاری۔ ۳۔ فیض الباری۔ ۴۔ معارف السنن للشیخ البنوری المتوفی ۱۳۹۷ھ۔

۵۔ مرقات لملاعلی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ۔ ۶۔ شرح الطیبی۔ ۷۔ لمعات التنقیح۔ ۸۔ المنهاج للشیخ النووی متوفی ۶۷۶ھ۔ ۹۔ ظفرالمحصلین مولانامحمدحنیف گنگوہیؒ۔

۱۰۔ اکمال المعلم فوائد مسلم للقاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ۔ ۱۱۔ اکمال الاکمال المعلم لمحمدبن خلیفة الوشتانی المعروف الابی المالکی المتوفی ۸۹۵ھ۔

۱۲۔ فتح الملهم للشیخ شبیراحمد العثمانی المتوفی ۱۳۶۹ھ۔ ۱۳۔ شرح مسلم۔

۱۴۔ تعلیم المتعلم زرنوخیؒ ۔ ۱۵۔ توضیحات شرح مشکوة للشیخ فضل محمد یوسف زئی۔

ان شروحات سے میں نے تحفة المنعم شرح صحیح مسلم میں استفادہ کیا ہے خاص کرتوضیحات سے اور فتح الملهم اور نووی اور الابی سے بنیادی فائدہ اٹھایا ہے۔ باقی مقدمہ مسلم میں مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا۔

۱۔ نعمت المنعم۔ ۲۔ فیض المنعم۔ ۳۔ عمدة المفهم۔ ۴۔ شرح مقدمہ مسلم۔ ۵۔ دروس مسلم۔

اس کے علاوہ دیگر علمی منابع سے بھی میں نے بھرپور استفادہ کیا ہے جو کچھ مجھ سے ہوسکا میں نے کوتاہی نہیں کی ۔

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر  میں نے تو درگذر نہ کی جو مجھ سے ہوسکا

اب اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ کریم بادشاہ اس محنت کو قبولیت عامہ اور خاصہ سے نوازدے۔

آمین یارب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی نبیہ الکریم ورسولہ العظیم

وعلی الہ واصحابہ اجمعین

کتبہٗ : فضل محمد بن نور محمد یوسف زئی

استاذ جامعة العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق یکم مارچ ۲۰۱۱ء

## بطور تمہید چند مباحث

مسلم شریف کے مقدمہ میں جانے سے پہلے بطور تمہید چند مباحث کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تا کہ میدان علم اور فن حدیث میں اُترنے والے معلّم اور متعلّم کی بصیرت میں اضافہ ہوجائے تو سب سے پہلے مدارس ومساجد اور طلبہ ومدرسین کا پس منظر ملاحظہ فرمائیں۔

## علماء وطلباء اور مدارس کا ثبوت

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے اہل مکہ کے لئے دو دعائیں مانگی تھیں، ایک دعا کا تعلق کھانے پینے اور مادیات سے تھا اور دوسری دعاء کا تعلق روحانیات سے تھا، رزق اور مادیات کی دعا اس طرح مانگی تھی:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ﴾ (سورۃ بقرۃ:۱۲۶)

یعنی اہل مکہ میں سے جو اللہ تعالیٰ اور حشر ونشر پر ایمان لائے ان کو دنیا کے پھلوں سے روزی عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ چونکہ رب العالمین ہے اس لئے فرمایا کہ روزی مسلمانوں کے ساتھ ساتھ کافروں کو بھی دوں گا البتہ کفر وشرک کی سزا آخرت میں دوں گا۔ روحانیات کی دعا اس طرح مانگی تھی۔

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ (سورۃ البقرۃ:۱۲۹)

اس دعا میں ایک شان والے رسول کی درخواست تھی کہ اے رب! ایسا رسول بھیج جو انہی قریش میں سے ہو اور سرزمین مکہ سے ہو، یعنی انہی کے خاندان کا ایک فرد ہو، فرشتہ اور جنات میں سے نہ ہو نیز اسی علاقے کا ہو، باہر سے نہ آیا ہو، یہ دعا درحقیقت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا چنانچہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دعائے ابراہیم اور بشارت عیسیٰ اور والدہ آمنہ کے خواب کے نتیجہ کے طور پر آیا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی اس دعا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار وظائف اور ذمہ داریوں کا بھی ذکر فرمایا تھا کہ اس رسول کی پہلی ذمہ داری یہ ہوگی کہ وہ تیری آیتوں کو پڑھ پڑھ کر اہل مکہ کو سنائے گا، دوسری ذمہ داری یہ کہ وہ ان کو تیری کتاب کی تعلیم دے گا، تیسری یہ کہ ان کو حکمت ودانائی اور احادیث کی تعلیم دے گا، چوتھی ذمہ داری یہ کہ وہ ان کا تزکیہ نفس فرمائے گا۔ ان چار فرائض نبوت میں جو دوسری قسم ﴿ویعلمھم الکتاب﴾ کی ذمہ داری ہے اس سے منصوصی طور پر علماء وطلباء اور نظام تعلیم

ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ "یُعَلِّمُ" میں معلم آ گیا خواہ وہ قاری ہو، حفظ و ناظرہ کا استاد ہو یا درس نظامی کا مدرس ہو یا شیخ الحدیث ہو، معلم میں سب آ گئے بشرطیکہ وہ دینی مدارس میں پڑھا رہا ہو، اسکول کالج میں نہیں کیونکہ شریعت نے انگریزی تعلیم کی ترغیب نہیں دی ہے۔

"یعلمہ" کے کلمہ میں لفظ "ھم" ہے، اس لفظ سے طلباء ثابت ہو گئے، کیونکہ علم پڑھانے والا مدرس ہوا اور جن کو وہ پڑھا رہا ہے وہ ان کے طالب علم ہوئے تو دو چیزیں یعنی مدرس اور طالب علم قرآن کی صریح آیت سے ثابت ہوئے۔ تو اب اگر کوئی کہے کہ یہ مولوی اور طلباء کدھر سے آ گئے ہیں؟ تو ان کو جواب دینا چاہیے کہ جس وقت سے لوح محفوظ اور آسمان اول سے یہ آیت آئی ہے، اسی وقت سے علماء وطلباء آئے ہیں، اس آیت میں تیسری چیز "الکتاب" ہے کہ معلم طالب علم کو کیا پڑھائے گا، ان کا نظام تعلیم کیا ہوگا؟ تو بتا دیا کہ "الکتاب" یعنی قرآن کریم ان کا نظام تعلیم ہوگا، خواہ اجمال سے پڑھائے یا تفصیلات میں جائے، اس لفظ سے مسلمانوں کے نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کا تعین ہو گیا۔ اب اگر کوئی کہہ دے کہ مدارس دینیہ میں یہ تعلیم کہاں سے آئی؟ تو ان کو جواب ملے گا کہ جب سے آسمان سے یہ آیت آئی ہے اسی وقت سے دینی مدارس کی یہ تعلیم اور یہ نصاب آیا ہے، یہ تین چیزیں تو قرآن کریم کی نص اور واضح آیت سے ثابت ہیں، اب یہ معلم اور استاد جب طلبہ کو پڑھائے گا تو ایک طرف استاد بیٹھے گا، سامنے طالب علم ہوگا اور بیچ میں دینی تعلیم کی کتاب ہوگی، اس بیٹھنے کے لئے جگہ چاہیے لہذا وہ جگہ یا مسجد ہوگی یا مدرسہ ہوگا، لہٰذا اقتضاء النص کے طور پر اس آیت سے مسجد اور مدرسہ ثابت ہو گیا، اب اگر کوئی پوچھے کہ یہ مدارس کہاں سے آئے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب سے یہ آیت اتری ہے اسی وقت سے مدارس آئے ہیں، لہٰذا معلم، متعلم، نظام تعلیم اور مدارس سب نص قرآنی سے ثابت ہیں اور مستند ہیں، اس میں کسی کو کسی قسم کا شبہ نہیں ہونا چاہیے یہ ماڈرن لوگ خود بتائیں کہ یہ کتنے مستند ہیں۔

## مدارس کا تاریخی پس منظر

مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دار ارقم بن ابی ارقم میں مدرسہ قائم فرمایا، جو نو وارد یا مقامی صحابہ دین اسلام کے متعلق سیکھنا چاہتے تھے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس خفیہ مدرسہ میں جاتے تھے۔ حضرت عمر فاروق بھی یہیں پر آ کر مسلمان ہوئے تھے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور مسجد نبوی میں "صفہ" کے نام سے ایک مدرسہ قائم فرمایا جس میں کبھی اسی اور کبھی کم یا زیادہ طالب علم ہوتے تھے۔

یہ طلبہ جہاں علم حدیث اور مسائل سیکھتے تھے وہیں پر "قطعہ منتظرہ" کے طور پر جہاد کے لئے بھی تیار رہتے تھے اور ضرورت پڑنے پر میدان جنگ میں نکلتے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ انہیں طلباء میں سے ایک تھے۔

پھر جب اسلام جزیرۂ عرب سے باہر نکلا اور شام فتح ہوا تو جامع دمشق میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ایک مدرسہ قائم کیا، جس میں سینکڑوں صحابہ کرام اور تابعین دین کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور چونکہ دمشق افریقہ اور مغربی ممالک کے لئے دروازہ

تھا تو یہی لوگ آگے چل کر میدان جہاد میں حصہ لیتے تھے۔
پھر جب مصر فتح ہوا تو وہاں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مساجد اور مدارس کی بنیاد ڈال دی، کچھ تغیر اور تبدیلی کے بعد جامع ازہر کو اسی علمی سفر کا تاریخی ثبوت حاصل ہے۔
پھر جب فارس اور عراق فتح ہوئے تو جامع کوفہ میں ایک مدرسہ قائم کیا گیا، جو مدرسہ عبداللہ بن مسعود کے نام سے مشہور ہوا، جس میں ہزاروں طلبہ صحابہ کرام اور تابعین علوم سیکھتے تھے، کہتے ہیں یہ ایک فوجی چھاؤنی بھی تھی اور مدرسہ بھی تھا، جس میں کبھی کبھی تیس ہزار تابعین اور صحابہ کرام ہوتے تھے، یہ مدرسہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں تھا اور کوفہ چونکہ مشرقی ممالک کے لئے دروازہ تھا، لہٰذا یہیں سے پڑھ کر طلبہ آگے جاتے تھے اور میدان جہاد میں حصہ لیتے تھے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کے شاگرد اسود اور علقمہ رحمۃ اللہ علیہما نے اس مدرسہ کو سنبھالا پھر ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نگرانی کی اور پھر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس کا اہتمام سنبھالا اور اس کے بعد آپ کے شاگردوں نے اسے چلایا۔
کوفہ کے بعد وسط ایشیا اور برصغیر مدارسِ اسلامیہ سے بھر گیا، سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ نے جب ہندوستان فتح کیا تو ہزاروں مدارس ان علاقوں میں قائم کیے، مغل بادشاہوں نے بڑھ چڑھ کر مدارس کے قیام میں حصہ لیا حتیٰ کہ عورتوں نے بھی مدارس بنائے اور چلائے دہلی کے اندر مدرسۃ النساء میں ایک ہزار عورتوں نے حفظ قرآن مکمل کیا پھر سلطنت عثمانیہ نے مدارس کا سرکاری طور پر اہتمام کیا اور ہر طرف دینی مدارس کا دور دورہ شروع ہو گیا۔

## ترقی کے بعد زوال

چونکہ یہ مدارس حکومت کی سرپرستی میں چلتے تھے لہٰذا جب اسلامی خلافت کمزور پڑ گئی اور سلطنت عثمانیہ زوال پذیر ہوگئی، تو مدارس بھی گھٹ گئے اور جب خلافت بالکل ختم ہوگئی اور انگریز برصغیر پر قابض ہوگیا تو تقریباً مدارس کا وجود ختم ہوگیا، عرب حکمرانوں نے اسکول و کالج کے ساتھ اسلامی مدارس کو جوڑ دیا اور آزاد مدرسے ختم ہوگئے اس لئے آزاد علماء کا پیدا ہونا بھی ختم ہوگیا۔ اسی مایوسی کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کو علمی درسگاہ مدرسہ عالیہ اسلامیہ دیوبند کے نام سے قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور آپ نے ایک آزاد اسلامی مدرسہ قائم فرمایا اور لکھا کہ جب تک یہ مدرسہ عام مسلمانوں کے چندوں سے چلے گا تو یہ ترقی کرتا رہے گا، چنانچہ الحمد للہ آج تک یہ مدرسہ کسی شخص یا حکومت کے احسان کے نیچے دبا ہوا نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے آزاد علماء پیدا ہو رہے ہیں، جو حق کا خوب اعلان کرتے ہیں، عرب کو یہ چیز میسر نہیں، دیوبند کے طرز پر الحمد للہ اب ہزاروں مدرسے ہندوستان، پاکستان، افغانستان، بنگلہ دیش اور دیگر ممالک میں قائم ہوگئے، اب انگریز ظالم پھر پریشان ہوگیا کہ یہ مدارس کیوں چل رہے ہیں؟ حالانکہ اس ظالم نے پہلے خود ان مدارس اور مساجد میں علماء کو محدود کر کے رکھا اور معاشرہ

میں علماء کے لئے کوئی جگہ نہیں چھوڑی، تا کہ یہ علماء ان مساجد و مدارس میں بھوکے مرجائیں، مگر اللہ تعالیٰ نے انہی مدارس میں علمائے کرام کو ترقی عطا فرمائی، اب یہ ظالم انگریز علماء کو مساجد و مدارس سے بھی نکالنا چاہتا ہے۔ مگر ان شاء اللہ جس طرح انگریز ذلیل وخوار ہو کر برصغیر اور پھر افریقی ممالک سے نکل کر بھاگ گیا ہے اور اب لندن و برطانیہ تک محدود ہو کر رہ گیا ہے یہ اس سے زیادہ محدود ہو جائے گا اور دینی مدارس ترقی کرتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

## ۱۔ صحة النية في العلم

قال الله تعالى ﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (سورة البينة ۵)

"اور ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ خالص اللہ کی عبادت کریں۔"

یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ دین اسلام کا کوئی عمل صحیح نیت کے بغیر مقبول نہیں، ہر نیک عمل پر ثواب اس وقت مرتب ہوتا ہے جبکہ اس میں نیت خالص اللہ کی رضا کی ہو، اور یہ بات بھی واضح ہے کہ جو عمل اچھی نیت کیساتھ ہو وہ پائیدار ہوتا ہے، خواہ چھوٹا عمل ہی کیوں نہ ہو اور جس عمل میں اخلاص نہ ہو وہ پائیدار نہیں ہوتا، اگرچہ وہ بڑا عمل ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے نیک ارادے سے صفا مروہ کے درمیان ایک دوڑ لگائی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا کہ قیامت تک کے آنے والے حاجیوں پر لازم قرار دے دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے منیٰ میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے شیطان کو کنکریاں ماری تھیں، اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو تمام حاجیوں پر واجب کر دیا، یہ اخلاص کی علامت اور نتیجہ ہے لہٰذا علم دین شروع کرنے سے پہلے نیت کو خالص رکھنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "انما الاعمال بالنیات" کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

تعلیم المتعلم میں ایک حدیث مذکور ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت سارے اعمال ایسے ہیں جو ظاہری شکل سے دنیاوی لگتے ہیں، مگر اچھی نیت کی وجہ سے وہ آخرت کے اعمال بن جاتے ہیں اور بہت سارے اعمال ایسے ہیں جو ظاہری صورت میں آخرت کے اعمال دکھائی دیتے ہیں مگر بری نیت کی وجہ سے وہ دنیوی عمل ہو کر رہ جاتے ہیں۔ صحیح نیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک طالب علم یہ نیت کرے کہ میں یہ علم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اور دین اسلام کی اشاعت وترقی کے لئے پڑھتا ہوں۔

سلف صالحین کے زمانے میں نیت کی خرابی کا خطرہ زیادہ ہوتا تھا اس لئے کہ اس وقت دنیاوی مناصب اور دنیا کے عہدے سب علم دین کی وجہ سے ملتے تھے، جو آدمی زیادہ بڑا عالم ہوتا تھا وہ حکومت کے زیادہ بڑے منصب پر فائز ہوتا تھا۔ خلیفہ ہونا، وزیر، گورنر اور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) بننا اسی علم دین سے وابستہ تھا، تو نیتوں میں فتور آنے کا امکان زیادہ تھا، چنانچہ مدرسہ نظامیہ کے

نام سے بغداد میں ایک مدرسہ تھا، جو وقت کے بادشاہ نے سرکاری طور پر قائم کیا تھا، جس میں امام غزالی رحمہ اللہ بھی طالب علم تھے، بادشاہ وقت بھیس بدل کر آئے اور ہر طالب علم سے پوچھا کہ سچ بتاؤ علم پڑھنے سے تمہارا مقصود کیا ہے؟ ہر ایک نے اپنا مقصود بتایا، کسی نے کہا علم پڑھ کر وزیر بنوں گا، کسی نے کہا گورنر بنوں گا، کسی نے کہا قاضی اور جج بنوں گا۔ الغرض ہر ایک نے دنیوی مناصب میں سے کسی نہ کسی منصب کا ذکر کیا، بادشاہ نے اپنے وزیر سے کہا میں تو چاہتا ہوں کہ اس مدرسے کو تالا لگا کر بند کردوں کیونکہ یہاں تو سب دنیوی غرض لے کر پڑھنے آئے ہیں پھر آخر میں بادشاہ نے ایک طالب علم سے پوچھا کہ بتاؤ اس علم پڑھنے سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ اس نے کہا میں "نیابة عن رسول الله" اس دین کی خدمت کروں گا، بادشاہ نے وزیر سے کہا بس اب مدرسہ جاری رہے گا، کیونکہ اگر ایک طالب علم بھی اس اچھی نیت کی بنیاد پر پڑھ رہا ہے، تو ہمارا سال بھر کا خرچ ضائع نہیں جائے گا، یہ طالب غزالی تھے، جو بعد میں امام غزالیؒ کے نام سے مشہور رہے، جس پر سال بھر کا خرچہ کرنا واقعی مناسب تھا۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ پہلے زمانے میں نیتوں میں خرابی کا امکان زیادہ تھا، آج کل تو علوم دینیہ پڑھنے والوں کی نیتیں خود بخود درست ہو جاتی ہیں، کیونکہ اس علم کے ساتھ حکومتی سطح پر کوئی منصب وابستہ نہیں ہے، بلکہ جو جتنا زیادہ پڑھے گا اتنا ہی زیادہ حکومت کے مناصب سے دور ہوتا جائے گا، آج کل اگر کوئی طالب علم اپنی نیت خراب رکھتا ہے، تو وہ صرف امامت وخطابت کی امید پر یا اپنے والد کی جگہ اہتمام یا نظامت وامامت یا دیگر معمولی سے کاموں کی وجہ سے نیت خراب کرے گا، جس میں دو تین ہزار تنخواہ کے سوا کچھ نہیں اور مشقت بہت ہے، اگر یہی طالب علم دین اسلام کی خدمت کا ارادہ دل میں رکھے تو اللہ تعالیٰ یہ حقیر دنیا بھی اس کو عطا کرے گا اور دین کے لئے بھی اسے قبول فرمادے گا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے سچ فرمایا۔

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِلْمَعَادِ فَازَ بِفَضْلٍ مِنَ الرَّشَادِ

فَيَا لِلْخُسْرَانِ طَالِبِيهِ لِنَيْلِ فَضْلٍ مِنَ الْعِبَادِ

"جس نے آخرت کے لئے علم پڑھا وہ ہدایت ورہنمائی میں خوب کامیاب ہوا، اور وہ طلبہ کتنے ہی خسارے میں پڑ گئے جو بندوں سے حصول مال کے لئے علم پڑھتے ہوں۔"

خلاصہ یہ ہے کہ طالب علم کو چاہئے کہ وہ خوب سوچ کر یہ دیکھے کہ ان کی یہ بڑی محنت کہیں حقیر وذلیل دنیا کی بھینٹ تو نہیں چڑھ رہی ہے۔ "انما الاعمال بالنیات" کی حدیث سب کو معلوم ہے کہ ہجرت جیسا عظیم عمل نیت کی خرابی سے کس طرح خراب ہوا۔ طالب علم کو یہ بھی چاہیے کہ وہ کسی کے سامنے اپنی عزت نفس کو پامال نہ کرے اور بے جا لالچ اور حرص سے اپنی علمی سفر کو تباہ نہ کرے بلکہ عزت وعظمت اور سنجیدگی اور وقار اور استغناء سے وقت گزارے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے "عظموا عمائمکم ووسعوا اکمامکم" یعنی اپنی پگڑیاں بڑی رکھو اور کرتوں کی آستین کھلی رکھو، یہ اس لئے فرمایا تا کہ طالب

علم اور عالم عوام الناس میں باوقار معلوم ہوں نہ کہ محتاج اور لالچی وحقیر، اسی طرح صحت نیت کے لئے ضروری ہے کہ طالب علم اس نیئے علم حاصل نہ کرے کہ میں لوگوں کے ہاں مرجع بن جاؤں گا، سب لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف موڑ دوں گا یا علامۃ الدھر اور فقیہ العصر کے نام سے مشہور ہو جاؤں گا، یہ سب تباہی کی چیزیں ہیں، نیت صحیح رکھے گا تو دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں گی۔

## ۲۔ جهد العلم

کسی بھی علم کے لئے اس میں محنت بنیادی حیثیت رکھتی ہے، اگر کوئی طالب علم بہت اچھی نیت رکھتا ہے مگر محنت نہیں کرتا ہے، تو وہ حصول علم کے مقصد کو نہیں پا سکتا، گویا مقصود تک پہنچنے کے لئے جس طرح صحیح نیت کی ضرورت ہے اسی طرح صحیح محنت کی بھی ضرورت ہے صرف محنت بغیر نیت کے یا صرف صحیح نیت بغیر محنت کے دونوں صورتیں ناکامی کی ہیں، اس لئے ہر طالب پر لازم ہے کہ وہ صحیح نیت کے ساتھ ساتھ بھرپور محنت کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿اِنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾

کہ میں کسی کا عمل اور محنت ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت ہو۔

اسی طرح احادیث مقدسہ میں بھی محنت ومشقت کی بڑی ترغیب اور فضیلت موجود ہے، قرآن کریم کی ایک اور آیت ہے

﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ ایک اور جگہ ارشاد ہے ﴿یٰیَحْیٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ﴾

اسی طرح اس امت کے حکماء اور عقلاء اور علماء نے فرمایا ہے کہ ''مَنْ طَلَبَ شَیْئًا وَجَدَّ وَجَدَ، وَمَنْ قَرَعَ الْبَابَ وَلَجَّ وَلَجَ'' یعنی جو شخص محنت کرتا ہے وہ اپنا مقصود پالیتا ہے۔ اس جملہ کو اس طرح مختصر بھی پڑھا جا سکتا ہے ''مَنْ جَدَّ وَجَدَ، وَمَنْ قَرَعَ الْبَابَ وَلَجَ'' یہ بھی حکماء نے لکھا ہے ''بِقَدْرِ مَا تَتَعَنّٰى تَنَالُ مَا تَتَمَنّٰى'' یعنی جتنی محنت ہوگی اسی قدر مقصود حاصل ہوگا۔ بعض حکماء نے لکھا ہے ''اِتَّخِذِ اللَّیْلَ جَمَلًا تُدْرِكْ بِهٖ اَمَلًا'' یعنی پوری رات محنت کرو مقصود پالو گے، کسی شاعر نے کہا ۔

اَلْجَدُّ یُدْنِیْ كُلَّ اَمْرٍ شَاسِعٍ وَالْجَدُّ یَفْتَحُ كُلَّ بَابٍ مُغْلَقٍ

''یعنی محنت ہر مشکل اور بعید کام کو قریب کرتی ہے اور ہر بند دروازے کو کھول دیتی ہے''۔

بعض نے یہ شعر کہا ہے ۔

تَمَنَّیْتَ اَنْ تُمْسِیْ فَقِیْهًا مُنَاظِرًا بِغَیْرِ عَنَاءٍ وَالْجُنُوْنُ فُنُوْنُ

وَلَیْسَ اِكْتِسَابُ الْمَالِ دُوْنَ مَشَقَّةٍ تَحَمَّلْتَهَا فَالْعِلْمُ كَیْفَ یَكُوْنُ

''یعنی کمال کے حصول کی تمنا بغیر محنت کے پاگل پن ہے اگر مال بغیر محنت حاصل نہیں ہو سکتا تو علم کیسے حاصل ہوگا؟''۔

طالب علم کا رات بھر جاگنا کامیابی کے لئے بہت ضروری ہے، یعنی رات کے اکثر حصے سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

بِقَدْرِ الْكَدِّ تُكْتَسَبُ الْمَعَالِيْ ... وَمَنْ طَلَبَ الْعُلٰى سَهِرَ اللَّيَالِيْ

تَرُوْمُ الْعِزَّ ثُمَّ تَنَامُ لَيْلًا ... يَغُوْصُ الْبَحْرَ مَنْ طَلَبَ اللَّآلِيْ

وَمَنْ رَامَ الْعُلٰى مِنْ غَيْرِ كَدٍّ ... أَضَاعَ الْعُمْرَ فِيْ طَلَبِ الْمُحَالِ

''یعنی محنت کے حساب سے بلندی ملتی ہے اور اس کے لئے راتوں کو جاگنا پڑتا ہے، تم مقام بھی حاصل کرنا چاہتے ہو اور پھر راتوں کو سوتے بھی ہو، حالانکہ موتی تلاش کرنے والا سمندر میں غوطے لگاتا ہے، جو شخص بغیر محنت کے مقام چاہتا ہے، وہ فضول وقت ضائع کرتا ہے۔''

محنت کے میدان میں یہ بھی ضروری ہے کہ طالب علم درس میں حاضری دے، غور سے سنے اور رات کو خوب مطالعہ کرے۔ گویا کہ مطالعہ واجب ہے، درس کی حاضری فرض ہے اور غور سے سننا سنت ہے۔ پھر جو کچھ پڑھا اس کا بار بار تکرار کرے، علماء نے لکھا ہے کہ ''اَلسَّبَقُ حَرْفٌ وَالتَّكْرَارُ اَلْفٌ'' اسی طرح محنت کے لئے ضروری ہے کہ آدمی ہاتھ سے لکھے اور پھر صرف لکھنے اور فوٹو کاپی کرنے پر اکتفا نہ کرے بلکہ یاد کرے، علماء نے لکھا ہے کہ ''اَلْعِلْمُ صَيْدٌ وَالْكِتَابَةُ قَيْدٌ''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اِسْتَعِنْ بِيَمِيْنِكَ''۔

بعض علماء نے لکھا: ''مَا كُتِبَ قَرَّ وَمَا حُفِظَ فَرَّ'' یعنی صرف حافظہ پر اعتماد نہ کرو بلکہ لکھ کر یاد کرو، تاکہ مکمل حفاظت ہو جائے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ لکھنا اور تکرار کر کے یاد کرنا جس طرح ضروری ہے، اسی طرح اپنے لکھے پڑھے کا سمجھنا اور اس کی حقیقت تک پہنچنا بھی ضروری ہے۔ صرف رٹنے رٹانے سے فائدہ نہیں ہوگا، کسی نے کہا ہے

''حِفْظُ حَرْفَيْنِ خَيْرٌ مِنْ سِمَاعِ وِقْرَيْنِ وَفَهْمُ حَرْفَيْنِ خَيْرٌ مِنْ حِفْظِ وِقْرَيْنِ''۔

یعنی دو بنڈل علم سننے سے دو حرف یاد کرنا زیادہ بہتر ہے اور دو بنڈل یاد کرنے سے دو حرف کا سمجھنا زیادہ بہتر ہے۔

علمی محنت یہ بھی ہے کہ علمی مجلس میں آپس میں علمی مباحثہ اور مناظرہ ہو، اس سے علم پختہ ہو جاتا ہے، کسی نے کہا ہے ''مُطَارَحَةُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ تَكْرَارِ شَهْرٍ'' علمی محنت یہ بھی ہے کہ طالب ہر بڑے چھوٹے استاذ سے بغیر شرم و عار کے معلوم کیا کرے، کسی نے کہا:

تَعَلَّمْ يَا فَتٰى وَالْجَهْلُ عَارٌ ... وَلَا يَرْضٰى بِهٖ إِلَّا الْحِمَارُ

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''اَلْعِلْمُ عِزٌّ لَا ذُلَّ فِيْهِ وَيَحْصُلُ بِالذُّلِّ لَا بِعِزِّهٖ'' آپ نے یہ بھی فرمایا:

''اَلْعِلْمُ لَا يُعْطِيْكَ بَعْضَهٗ حَتّٰى تُعْطِيَهٗ كُلَّكَ''

آپ نے یہ بھی فرمایا جب کسی نے پوچھا:

"بِمَ اَدْرَکْتَ الْعِلْمَ؟قَالَ : مَا اِسْتَنْکَفْتُ مِنَ الْاِسْتِفَادَۃِ وَمَا بَخِلْتُ بِالْاِفَادَۃِ"۔
علمی محنت میں یہ بھی آتا ہے کہ آدمی اپنی محنت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، کیونکہ کسی نعمت پر شکر ادا کرنا اس نعمت میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اِنَّمَا اَدْرَکْتُ الْعِلْمَ بِالْحَمْدِ وَالشُّکْرِ" علمی محنت کے لئے ضروری ہے کہ طالب علم کاہلی سستی اور کسل سے بچتا رہے۔

قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ : اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ مَعَالِیَ الْاُمُوْرِ وَیَکْرَہُ سَفْسَافَھَا۔
یعنی اللہ تعالیٰ ہمت والے کاموں کو پسند کرتا ہے اور گھٹیا کاموں کو ناپسند کرتا ہے۔
وَقَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ لِاَبِیْ یُوْسُفَ اِیَّاکَ وَالْکَسَلَ فَاِنَّہٗ شُوْمٌ وَآفَۃٌ۔
کسی نے خوب فرمایا ہے:

دَعِیْ نَفْسِی التَّکَاسُلَ وَ التَّوَانِیْ ۔۔۔ وَاِلَّا فَاثْبُتِیْ دَارَ الْھَوَانِ
فَلَمْ اَرَ لِلْکُسَالٰی الْحَظَّ یُعْطٰی ۔۔۔ سِوٰی نَدَمٍ وَحِرْمَانِ الْاَمَانِیْ

علمی محنت کا حصہ یہ بھی ہے کہ ماہر فن استاد کو تلاش کیا جائے اور پھر جم کر اسی کے پاس پڑھے، یہ نہیں کہ آج ادھر کل ادھر۔ اور شیطان اس کو ورغلاتا رہے، کہ وہاں بہتر ہے، وہاں بہتر ہے، ایسے گھومنے والے طالب علم کو ورغلانے والے شیطان کا نام "ثَمَّ الْخَیْر" ہے کہ وہاں بہتر ہے، وہاں بہتر ہے۔
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: "ثَبَتُّ عِنْدَ حَمَّادٍ فَنَبَتُّ" آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حصول علم کے لئے یکسوئی ضروری ہے، پوچھا گیا کہ یکسوئی کیسے آئے گی؟ فرمایا سارے تعلقات ختم یا کم سے کم کردو، کسی نے سچ کہا "مَنْ فَرَّ فَقَدْ غَرَّ" اسی طرح ایک استاد کے پاس اور ایک مدرسہ میں مختلف حالات اور مصائب پر صبر کرے کیونکہ عقلاء نے لکھا ہے: "خَزَائِنُ الْمِنَنِ عَلٰی قَنَاطِرِ الْمِحَنِ"۔
کسی نے حصول مطلوب اور حصول علم کے لئے چھ اشیاء کو شرط قرار دیا ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے:

اَلَا لَا تَنَالُ الْعِلْمَ اِلَّا بِسِتَّۃٍ ۔۔۔ سَاُنْبِیْکَ عَنْ مَجْمُوْعِھَا بِبَیَانٍ
ذَکَاءٌ وَ حِرْصٌ وَاصْطِبَارٌ وَبُلْغَۃٌ ۔۔۔ وَاِرْشَادُ اُسْتَاذٍ وَطُوْلُ زَمَانٍ

شیخ الاسلام علامہ سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے طلبہ کو ایک دفعہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طالب کا مزاج جس فن سے زیادہ مناسبت رکھتا ہو، اس کو اسی میں کمال پیدا کرنا چاہیے، پھر فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ تمام فنون میں کمال پیدا کرلو، تو تمام فنون کے کمال سے محروم رہ جاتے ہو اور پھر کہتے ہو معاشرہ ہماری قدر نہیں کرتا، تم ایک فن میں کمال حاصل کرو پھر دیکھو کہ معاشرہ کس طرح

تم کو ہاتھوں ہاتھ لے کر سر پر اٹھاتا ہے۔

اس لئے بعض عقلاء نے کہا کہ "کمال" چار حروف پر مشتمل ہے اور اسی کمال کے اندر مال ہے، یعنی کاف کو ہٹاؤ تو مال رہ جاتا ہے۔ محنت کا حصہ یہ بھی ہے کہ اگر ایک ہزار مرتبہ کوئی مسئلہ سنا ہوا ہے اور پھر سننے کا موقع ملے تو غور سے سنے ورنہ ناقدری ہوگی بہر حال علم کمال ہے اور عمل جمال ہے جیم ہٹادو نیچے مال ہے۔

## ۳. ادب العلم

یہ بات یاد رکھیں کہ علم بغیر ادب اور بغیر تعظیم کے حاصل نہیں ہوسکتا اور اگر کسی کو ذہن وحافظہ کے زور پر حاصل ہو بھی گیا، تو وہ علم بار آور اور بابرکت نہیں ہوتا، اسی لئے کسی نے کہا ہے:

"مَاوَصَلَ مَنْ وَصَلَ اِلَّا بِالْحُرْمَةِ وَمَاسَقَطَ مَنْ سَقَطَ اِلَّا بِتَرْكِ الْحُرْمَةِ"۔

استاد کا احترام اور تعظیم علم کے آداب میں داخل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

اَنَاعَبْدُ مَنْ عَلَّمَنِیْ حَرْفًا وَاحِدًا اِنْ شَاءَ بَاعَ وَاِنْ شَاءَ اَعْتَقَ وَاِنْ شَاءَ اِسْتَرَقَّ۔

اسی لئے کہا گیا ہے کہ:

رَأَیْتُ اَحَقَّ الْحَقِّ حَقَّ الْمُعَلِّمِ   وَاَوْجَبَهُ حِفْظًا عَلٰی کُلِّ مُسْلِمِ

لَقَدْ حَقَّ اَنْ یُّهْدٰی اِلَیْهِ کَرَامَةً   لِتَعْلِیْمِ حَرْفٍ وَاحِدٍ اَلْفُ دِرْهَمِ

استاد کا ادب یہ بھی ہے کہ ان سے آگے نہ چلے، ان کی خاص جگہ پر نہ بیٹھے، ان کی اولاد کی قدر کرے اور استاد کیساتھ زیادہ باتیں نہ کرے اور قلبی محبت رکھے۔

آداب علم میں کتاب کا ادب بھی شامل ہے پس طالب علم کو چاہیے کہ وہ کسی کتاب کو بغیر وضو کے نہ پڑھے۔ امام شمس الائمہ حلوانی رحمہ اللہ نے فرمایا: "اِنَّمَا نِلْتُ الْعِلْمَ بِالتَّعْظِیْمِ فَاِنِّیْ مَااَخَذْتُ الْکَاغَذَ اِلَّا بِالطَّهَارَةِ۔"

کیونکہ علم نور ہے اور وضو بھی نور ہے تو نور سے نور میں اضافہ ہوتا ہے، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے متعلق منقول ہے کہ کبھی کوئی اردو رسالہ بھی بغیر وضو کے نہیں چھوا۔

ادب کتاب یہ بھی ہے کہ اس پر سر نہ رکھے، نہ اسے تکیہ بنائے، نہ اسے زمین پر رکھے اور نہ کتاب کے اوپر کوئی سامان رکھے، کہتے ہیں کہ ایک طالب علم نے کتاب پر سیاہی کی دوات رکھی تھی، تو استاد نے فارسی میں کہا "برنیائی" یعنی کوئی پھل حاصل نہیں کرسکوگے۔

کتاب کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اس پر لکھ کر خراب نہ کرے، ادب العلم میں یہ بھی ہے کہ اپنے ساتھیوں کا احترام کرے، اپنی درسگاہ اور بیٹھنے کی جگہ کا احترام کرے، مدرسہ کا احترام کرے اور مدرسہ سے قلبی تعلق اور قلبی محبت رکھے، علماء نے لکھا ہے کہ استاد کے

احترام سے درس وتدریس اور علم میں برکت آتی ہے اور والدین کے احترام سے عمر اور رزق میں برکت آتی ہے۔

## ۴۔ العمل بالعلم

علم حاصل کرنے کا مقصد اس پر عمل کرنا ہے، کیونکہ بغیر علم کے عمل کا حال ایسا ہوگا جیسا ایک عارف کا مقولہ ہے کہ "عِلْمٌ بِلَا عَمَلٍ كَشَجَرٍ بِلَا ثَمَرٍ" اور کسی نے کہا ہے:

فَسَادٌ كَبِيْرٌ عَالِمٌ مُتَهَتِّكٌ    وَاَكْبَرُ مِنْهُ جَاهِلٌ مُتَنَسِّكٌ

یعنی حدود شریعت کو پامال کرنے والا عالم بہت بڑا فتنہ ہے، لیکن عبادت گزار جاہل اس سے بھی بڑا فتنہ ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے: "هَتَفَ الْعِلْمُ بِالْعَمَلِ اِنْ اَجَابَ وَاِلَّا فَارْتَحَلَ" کہ علم پہلے آکر عمل کو پکارتا ہے، اگر عمل آگیا تو ٹھیک ورنہ علم کوچ کر کے چلا جائے گا۔ ایک روایت میں آیا ہے "مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَالَمْ يَعْلَمْ" ان آثار وروایات کو دیکھ کر ہر طالب علم پر لازم ہے کہ وہ اپنے علم پر عمل کرے۔ ورنہ بے عمل علم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح پناہ مانگی ہے: "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ"۔

صاحب تعلیم المتعلم نے کسی کی روایت نقل کی ہے کہ جو طالب علم زمانہ طالب علمی میں تقویٰ اختیار نہیں کرتا ہے (اور معصیت میں لگا رہتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کو تین مصیبتوں میں سے کسی ایک میں مبتلا کرتا ہے:

۱۔ یا جوانی میں موت آجائے گی۔

۲۔ یا اس کو دیہاتوں اور غیر آباد جگہوں میں ڈال دیتا ہے۔

۳۔ اور یا اس کو کسی حاکم اور گورنر وزیر کا چپراسی اور خادم بنا دیتا ہے۔ یہ روایت کسی تجربہ کار اللہ والے کا قول ہے، علماء نے کہا کہ طالب علم کی پرہیزگاری کے لئے یہ چیز لازم ہے کہ وہ کم کھائے، کم سوئے، کم بولے، بازار کا کھانا نہ کھائے، قبلہ کی طرف بغیر ضرورت پیٹھ نہ کرے، فتنہ پرداز اہل معاصی کے پاس نہ بیٹھے اور ترک سنن سے اجتناب کرے، کیونکہ جو شخص مستحب میں سستی کرتا ہے اس سے سنت چھینی جاتی ہے اور جو سنن میں سستی کرتا ہے وہ واجبات سے محروم ہو جاتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے استاد سے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو استاد نے نسخہ بتا دیا فرمایا۔

شَكَوْتُ اِلٰى وَكِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِيْ    فَاَوْصَانِيْ اِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِيْ

فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِنَ الْاِلٰهِ    وَنُوْرُ اللّٰهِ لَا يُعْطٰى لِعَاصِيْ

حافظہ کی قوت کے لئے سب سے عمدہ نسخہ قرآن کریم کی تلاوت ہے مگر دیکھ کر تلاوت ہو، زیادہ مسواک کرنا، شہد پینا اور گوند یعنی

شکر کے ساتھ چیز کھانا، نہار منہ کشمش اور منقی کھانا۔

حافظ کو نقصان دینے والی چیزیں بہت ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

زیادہ گناہ کرنا، دنیا کا غم کرنا، زیادہ تعلقات رکھنا اور ہروہ چیز کھانا جو بلغم پیدا کرتی ہو، ہرا دھنیا کھانا، ترش سیب کھانا، سولی پر لٹکائے ہوئے مردے کو دیکھنا، قبروں کی تختیوں کو پڑھنا اور زندہ جوئیں زمین پر پھینکنے وغیرہ سے حافظ کا نقصان ہوتا ہے۔

یہ چند آداب تھے، یہ دو دن کا درس ہوتا ہے، میں نے کچھ تفصیل سے اس لئے لکھ دیا کہ یہ طلباء کے لئے مفید تر ہے، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ (اکثر باتیں تعلیم المتعلم میں موجود ہیں)۔

## تدوین حدیث کے مختلف ادوار

## پہلی صدی میں حدیث پر کام

۹۱ھ کے قرب وجوار میں بصرہ میں سب سے آخر میں صحابی رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، اس وقت عالم دنیا پر ان کے علاوہ صرف پانچ صحابہ موجود تھے۔ ۹۹ھ میں خلیفہ عادل وصالح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ نے محسوس کیا کہ صحابہ کرام دنیا سے اٹھ کر چلے گئے ہیں اور کبار تابعین بھی جارہے ہیں اس لئے ان کو خوف ہوا کہ کہیں احادیث مبارکہ کا مقدس علم ان کیساتھ قبروں میں نہ چلا جائے۔ دوسری طرف خوارج وروافض اور قدریہ کے ہر قسم کے فتنے سر اٹھارہے تھے، اس نازک موقع پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے احادیث مقدسہ کو جمع کرنے اور اسے لکھنے کے لئے ایک سرکاری فرمان کے ذریعہ علمائے کرام کے نام ایک خط جاری کیا چنانچہ مدینہ منورہ کے قاضی ابوبکر بن حزم رحمہ اللہ کے نام آپ نے لکھا:

اُنْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاكْتُبْهُ فَإِنِّيْ خِفْتُ دُرُوْسَ الْعِلْمِ وَذِهَابَ الْعُلَمَاءِ۔ (بخاری)

''یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث مل جائے اسے لکھ لو، کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے اٹھنے کا خوف لاحق ہوگیا ہے۔''

اس قسم کا ایک خط خلیفہ عادل نے امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے نام بھی لکھا اور امام شعبی رحمہ اللہ کو بھی لکھا تھا، ابن حزم رحمہ اللہ نے احادیث کو جمع کیا، امام شعبیؒ نے بھی اکٹھا کیا اور امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ نے بھی جمع کر کے ابواب کے انداز سے اکٹھا کیا، لہٰذا ہر ایک کو اول مدون کے نام سے یاد کیا جاسکتا ہے، اس میں کوئی تعارض نہیں ہے، تینوں حضرات اس ابتدائی مرحلے میں کسی نہ کسی طریقے سے شریک ہوئے ہیں۔ احادیث مقدسہ کی جمع وتدوین کی یہ پہلی صدی ہے، گویا جامع قرآن امیر المؤمنین عمر اول، عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوئے اور جامع احادیث امیر المؤمنین عمر ثانی، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ہوئے، یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ احادیث کی کتابت وتدوین دیر سے ہوئی، اگر دور اول میں سب احادیث لکھی جاتیں تو سب میں قطعیت

آجاتی اور قرآن کی طرح ایک کلمہ کو ضعیف کہنے یا انکار کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا، جب احادیث میں ظنیت آگئی تو امت اس خطرے سے بچ گئی اور بحث میں وسعت پیدا ہوگئی۔

## دوسری صدی کی تصنیفات

دوسری صدی میں پہلی تصنیف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ (ولادت ۸۰ھ المتوفی ۱۵۰ھ) کتاب الآثار ہے جو جامع کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مدرسہ میں بیٹھ کر چالیس ہزار احادیث وآثار سے انتخاب کر کے آپ نے تصنیف فرمائی اور فقہی ابواب کے طرز پر مستند احادیث وآثار پر مشتمل کتاب ترتیب دی، یاد رہے کہ فقہی ابواب اور سنن کے طرز پر یہ اسلام میں پہلی تصنیف ہے، امام دار الہجرۃ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مؤطا میں بھی اس کتاب سے استفادہ کیا ہے" کذا قال السیوطی فی تبییض الصحیفۃ" نیز امام محمد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الآثار میں زیادہ تر روایات اسی سے لی ہیں پھر اسی صدی میں امام مالک رحمہ اللہ نے موطا امام مالک تصنیف فرمائی، یہ احادیث وآثار اہل مدینہ اور ان کے فتاوی پر مشتمل عظیم ذخیرہ ہے، امام ابوزرعہ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی طلاق کی قسم کھائے کہ مؤطا مالک صحیح ذخیرہ ہے تو وہ حانث نہیں ہوگا۔

اسی صدی میں حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کی تصنیف جامع سفیان ثوری ہے، جو آپ نے ۱۹۰ھ میں تالیف کی ہے، اسی صدی میں ابن مروزی کی کتاب الزھد والرقاق ہے جو ۱۸۱ھ کے قرب وجوار میں تصنیف ہوئی ہے، اسی صدی کی تصنیف موطا امام محمد المتوفی ۱۸۹ھ کی ہے جو موطا مالک سے ماخوذ ہے اسی صدی میں مسند ابوداؤد طیالسی وجود میں آئی ہے اور اسی میں مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ اور مسند حمیدی کی تصنیف عمل میں آئی ہے۔

## تیسری صدی کی تصنیفات

اس صدی میں علم الحدیث اور فن حدیث پر بہت بڑا کام ہوا، فن حدیث کا انتخاب واختصار ہوا اور جرح وتعدیل کا بہت بڑا میدان قائم ہوا اور صحاح ستہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کی کتابیں منظر عام پر آگئیں، سنن دارمی، کتاب الدعاء لابن ابی الدنیا، مسند حارث بن ابی اسامہ، مسند بزار، مسند ابی یعلی موصلی، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابی عوانہ اور امام طبرانی کی معجم کبیر، معجم صغیر، معجم اوسط اپنی شان کے ساتھ وجود میں آگئیں، گویا یہ حدیث اور محدثین کی صدی تھی۔

## چوتھی صدی کی تصنیفات

چوتھی صدی کی تصنیفات میں کتاب صحیح ابن حبان، سنن دارقطنی اور مستدرک حاکم ہیں۔

## پانچویں صدی کی تصنیفات

اس صدی میں حدیث کی مشہور کتاب سنن بیہقی وجود میں آئی ہے اور امام بیہقی ہی کی دوسری تصنیف معرفۃ السنن والآثار ہے حمیدی کی کتاب "الجمع بین الصحیحین" بھی اسی صدی کی تصنیف ہے۔

# مراتب کتب الحدیث

یعنی وہ رتبہ اور طبقہ جس سے ہر کتاب کا مقام متعین کر دیا گیا ہو، یہ بھی کل پانچ طبقات ہیں۔

## پہلا طبقہ

اس طبقہ میں وہ کتابیں داخل ہیں جن کے متعلق ہم آنکھیں بند کر کے کہیں گے "ھذا صحیح" اور مخالف سے دلیل مانگیں گے کہ کیوں صحیح نہیں ہے؟ اس طبقہ میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطا مالک، صحیح ابن حبان اور صحیح ابی عوانہ ہیں۔

## دوسرا طبقہ

دوسرا طبقہ وہ ہے کہ ہم ان کو صحیح تو نہیں کہہ سکتے ہیں کہ یہ قابل استدلال اور صالح للاحتجاج ہیں کیونکہ احتجاج حسان سے بھی کیا جا سکتا ہے اس طبقہ میں ابوداؤد، ترمذی اور نسائی شامل ہیں۔

## تیسرا طبقہ

وہ ہے کہ ہم نہ اسے صحیح کہیں گے اور نہ غلط بلکہ غور کریں گے کہ کس درجہ کی احادیث ہیں، اس میں مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، ابن ماجہ اور زوائد المسند شامل ہیں یعنی امام احمد رحمہ اللہ کے بیٹے نے مسند احمد پر جو اضافہ کیا ہے وہ زوائد المسند ہے۔

## چوتھا طبقہ

یہ وہ طبقہ ہے جو اول طبقہ کے بالکل برعکس ہے یعنی ہم آنکھ بند کر کے کہہ سکتے ہیں کہ ضعیف ہے، اس طبقہ میں مسند فردوس دیلمی ہے اور حکیم ترمذی کی نوادر الاصول ہے، یہ وعظ کی کتابیں ہیں، اسی طرح تفسیری روایات وحکایات بھی اسی میں داخل ہیں۔

## پانچواں طبقہ

اس طبقہ میں وہ کتب شامل ہیں جو احادیث موضوعہ کے مجموعے ہیں جو اہل بدعت واہواء نے گھڑلی ہیں ان گھڑی ہوئی روایات سے احادیث کو پاک کرنے کے لئے موضوعات کی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جیسے الموضوعات الکبیر، اللآلی المصنوعة في الاحادیث الموضعة وغیرہ وغیرہ۔

# شرائط اخذ حدیث

امام حازمی رحمہ اللہ نے شروط الائمہ میں لکھا ہے کہ رواۃ اور راویوں کے پانچ طبقات ہیں، ان سے احادیث لینے کا ہر محدث کا اپنا اپنا انداز ہے، جس نے شرائط میں سختی کی اس کی کتاب کی شان بڑھ گئی۔ وہ طبقات یہ ہیں۔

۱۔ کثیر الضبط و الاتقان و کثیر الملازمة بالشیخ ۔
یعنی ذہین بھی ہو، حافظہ بھی قوی ہو اور اپنے استاد کے ساتھ طویل عرصے تک رہا ہو۔

۲۔ کثیر الضبط و الاتقان و قلیل الملازمة بالشیخ ۔

۳۔ قلیل الضبط و الاتقان و کثیر الملازمة بالشیخ ۔

٤۔ قلیل الضبط و الاتقان و قلیل الملازمة بالشیخ ۔

۵۔ الضعفاء و المجهولین ۔

امام بخاری طبقہ اولیٰ کی احادیث بالاستیعاب لیتے ہیں اور طبقہ ثانیہ سے کبھی کبھی تعلیقاً لیتے ہیں۔ امام مسلم طبقہ اولیٰ وثانیہ سے بالاستیعاب لیتے ہیں اور طبقہ ثالثہ سے کبھی کبھی لیتے ہیں۔ امام ابوداؤد تین طبقات سے بالاستیعاب اور چوتھے طبقے سے کبھی کبھی لیتے ہیں۔ امام ترمذی چاروں طبقات سے بالاستیعاب لیتے ہیں اور کبھی کبھی پانچویں طبقہ سے بھی لیتے ہیں۔ امام ابن ماجہ پانچوں طبقات سے لیتے ہیں اور لے کر خاموشی سے گزر جاتے ہیں۔

## حدیث کی تعریف

الحدیث ضد القدیم، کے مفہوم میں ہے، حدث یحدث نصر ینصر سے لغت میں بات کرنے کے معنی میں آتا ہے نیز ''حادثہ'' کسی نئے واقعے کے پیش آنے کو بھی کہتے ہیں، اور ''تحادث و تحدث'' گفتگو کے معنی میں آتا ہے، احدث احداثا، نیا کام پیدا کرنا، التحدیث دوسرے تک بات پہنچانا اور روایت کرنا، کہا جاتا ہے ''رجل حدیث الملوك'' یعنی بادشاہوں کی مجالس میں باتیں اور قصے بیان کرنے والا ''حدثان الدهر ای وقائعه، حداثة السن'' یعنی نوعمر بہرحال حدیث کے لغوی معنی میں ایجاد اور ضد قدیم کا مفہوم پڑا ہوا ہے، حدیث کی جمع احادیث ہے۔ علماء نے فرمایا کہ لفظ حدیث قرآن کریم کی آیت ﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ سے لیا گیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک دفعہ قصہ سناتے ہوئے فرمایا ''حَدَّثَنِي تَمِيمٌ الدَّارِي'' مجھے تمیم داری نے بیان کیا ہے۔ اس لغوی تحقیق کے بعد حدیث کی اصطلاحی تعریف سے متعلق پہلے یہ سمجھ لیں کہ حدیث کے دو فن اور دو علوم ہیں، دونوں کی الگ الگ تعریف، موضوع اور غرض وغایت ہیں۔ ایک علم الحدیث روایۃ ہے اور دوسرا علم الحدیث درایۃ ہے، لوگوں کو دونوں کی تعریف وغرض میں شبہ لاحق ہو جاتا ہے اور دونوں کی تعریفیں خلط ملط ہو جاتی ہیں، اس لئے الگ الگ تعریفات ملاحظہ ہوں۔

## علم الحدیث روایۃً کی تعریف

" ھُوَ عِلْمٌ مُشْتَمِلٌ عَلٰی مَا اُضِیْفَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَوَاءٌ کَانَ فِعْلًا اَوْ قَوْلًا اَوْ تَقْرِیْرًا اَوْ صِفَۃً "
صفت کا مطلب یہ ہے کہ صحابی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کر کے کہا کہ آپ اس طرح حسین تھے، احسن اخلاق کے مالک تھے، اس تعریف کے اعتبار سے علم حدیث کا موضوع یہ ہے۔

**موضوعہ** : ذَاتُ الرَّسُوْلِ مِنْ حَیْثُ اَنَّہٗ رَسُوْلٌ ۔

حیثیت رسول کے لفظ سے فن طب سے امتیاز آ گیا کیونکہ وہاں ذات انسان سے بحث ہوتی ہے۔

**غرضہ** : علم الحدیث روایۃً کی دو غرض خاص ہیں اور ایک غرض عام ہے۔

غرض خاص نمبر ایک یہ ہے کہ " اَلْاِحْتِرَازُ عَنِ الْخَطَاءِ فِیْمَا اُضِیْفَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "۔

اور غرض خاص نمبر دو اس طرح ہے " مَعْلُوْمِیَّۃُ کَیْفِیَّۃِ الْاِقْتِدَاءِ بِالرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "۔

اور غرض عام اس طرح ہے " ھُوَ الْفَوْزُ وَالسَّعَادَۃُ فِی الدَّارَیْنِ "۔

تعریف میں " مَا اُضِیْفَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ " کے لفظ کا مطلب یہ ہے کہ جو اقوال و افعال اور جو احادیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں اس پر مشتمل علم کا نام علم حدیث ہے۔

## علم الحدیث درایۃً کی تعریف

علم حدیث درایۃً کی تعریف اس طرح ہے :

" ھُوَ عِلْمٌ یُعْرَفُ بِہٖ اَحْوَالُ الْمَتْنِ وَالسَّنَدِ صِحَّۃً وَحُسْنًا وَاِتِّصَالًا "۔

**موضوعہ** : " اَحْوَالُ الرَّاوِیْ وَالْمَرْوِیْ وَقِیْلَ اَحْوَالُ الْمَتْنِ وَالسَّنَدِ "۔

اس فن کو اصول الحدیث کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس کے لئے بھی دو غرض خاص اور ایک عام ہے۔

**غرضہ** : غرض خاص نمبر ایک " تَمْیِیْزُ الْمَقْبُوْلِ مِنَ الْمَرْدُوْدِ " اور غرض خاص نمبر دو " تَمْیِیْزُ الضَّعِیْفِ مِنْ غَیْرِ الضَّعِیْفِ "۔

اور غرض عام " اَلْفَوْزُ وَالسَّعَادَۃُ فِی الدَّارَیْنِ " ہے۔

## حدیث، خبر، اثر اور سنت میں فرق

حدیث اور سنت میں ترادف ہے دونوں ایک ہی چیز ہیں اور حدیث و خبر کے متعلق علماء کی دو رائے ہیں:

اول یہ کہ ان دونوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے، یعنی ہر حدیث خبر ہے مگر ہر خبر حدیث ہونا ضروری نہیں ہے۔ لہذا حدیث

وہ ہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو، تو اس سے موقوف روایت خارج ہوگئی اور خبر وہ ہے جو موقوف اور مرفوع دونوں پر صادق آتی ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر خبر حدیث نہیں بلکہ صرف مرفوع خبر حدیث ہے اور ہر حدیث خبر ہے۔ بعض علماء کے ہاں موقوف اور مرفوع دونوں پر حدیث کا اطلاق ہوتا ہے تو پھر ان کے ہاں ان دونوں میں ترادف ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ حدیث وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اور جو غیر سے منقول ہو وہ خبر ہے تو اس صورت میں تباین کی نسبت ہوگی۔ اثر کا اطلاق عام طور پر اقوال صحابہ اور اقوال تابعین پر ہوتا ہے لہٰذا اثر حدیث کا مباین ہے، لیکن کبھی اس کا اطلاق حدیث مرفوع پر بھی ہوتا ہے جیسے ادعیۂ ماثورہ، پھر دونوں میں ترادف ہوگا۔

## أنبأنا، اخبرنا اور حدثنا میں فرق

اس سلسلے میں علماء کے دو طبقے ہیں، ایک طبقہ مثلاً امام مالک، ابن شہاب زہری، جمہور کوفیین، علماء متقدمین اور علماء مغاربہ رحمہم اللہ کا ہے ان حضرات کا خیال ہے کہ جس طرح ان الفاظ میں لغت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، اسی طرح اصطلاح میں بھی کوئی فرق نہیں ہے، مگر بعض دوسرے علماء مثلاً امام شافعی، امام اوزاعی اور جمہور مشارقہ رحمہم اللہ کے ہاں ان الفاظ میں فرق ہے اور وہ اس طرح کہ جب شیخ پڑھ رہا ہو اور تلمیذ سن رہا ہو، یا کئی تلامذہ سن رہے ہوں، تو جب بعد میں شاگرد بیان کر رہا ہو تو وہ کہے گا حدثنا فلان اور اگر اکیلا ہے تو کہے گا حدثني فلان، اور جب شاگرد پڑھ رہا ہو اور استاد سن رہا ہو تو بعد میں شاگرد أنبأنا اور أخبرنا کے الفاظ استعمال کرے گا۔ امام بخاری پہلے طبقے کیساتھ ہیں جبکہ امام مسلم دوسرے طبقے کا ساتھ دیتے ہیں۔

ان الفاظ کے رسم الخط کا بھی خیال کرنا چاہیے کیونکہ محدثین اس میں اختصار کرکے ''ثنا'' لکھتے ہیں یہ حدثنا کا مخفف ہے یا ''انا'' کہتے ہیں یہ اخبرنا وغیرہ کا مخفف ہے۔

بعض جگہوں میں محدثین ''ح'' کا لفظ لکھتے ہیں یہ تحویل سند کی طرف اشارہ ہے اس کو ''ح قال وحدثنا'' پڑھنا چاہیے۔

''متفق علیہ'' اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو بخاری ومسلم دونوں نے ایک الفاظ اور ایک ہی صحابی سے نقل کیا ہو، اگر صحابی الگ الگ ہیں تو اگرچہ مضمون و الفاظ ایک ہیں وہ حدیث متفق علیہ نہیں ہوگی۔

## چند اصطلاحی الفاظ

اسی طرح محدثین کے ہاں چند اصطلاحی الفاظ شیخ الحدیث کے رتبہ ومقام کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔

### ۱۔ مسند

یہ لفظ اس شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جو حدیث کو سند کے طور پر بیان کرتا ہو۔

### ۲۔ محدث

یہ لفظ اس شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جو احادیث کا قابل ذکر ذخیرہ جانتا ہو اور متن حدیث کے ساتھ ساتھ بطور جرح و تعدیل رواۃ کا علم بھی رکھتا ہو۔

۳۔ حافظ

اس شیخ الحدیث کو کہا جاتا ہے جس کو متن اور سند کے ساتھ ایک لاکھ احادیث یاد ہوں۔

٤۔ حجة

اس شیخ الحدیث کو کہتے ہیں جن کو متن وسند کے ساتھ تین لاکھ احادیث ازبر یاد ہوں۔

۵۔ حاکم

یہ اس شخص کے لئے اعزازی ڈگری ہے جس کو تمام ذخیرہ احادیث یاد ہو۔

کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سات لاکھ احادیث کے حافظ تھے اسی طرح امام ابوزرعہ رحمہ اللہ سات لاکھ کے حافظ تھے۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تین تین لاکھ احادیث کے حافظ تھے۔ اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ پانچ لاکھ احادیث کے حافظ تھے۔

## علم حدیث اور محدثین کی فضیلت

سب سے بڑی فضیلت تو خود یہ ہے کہ ایک شیخ الحدیث گھنٹوں گھنٹوں تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر روزانہ درود کا ورد کرتا رہتا ہے، یہ بہت بڑی برکت ہے اس کے ساتھ ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محدثین کو خاص ڈگری بھی عطا فرمائی ہے۔ فرمایا:

اللھم ارحم خلفائی قلنا یارسول اللہ ومن خلفائک؟ قال الذین یاتون من بعدی یروون احادیثی ویعلمونها الناس۔ (ترمذی، مشکوۃ ص ۳۵)

قال علیہ الصلوۃ والسلام نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فحفظها ووعاها وأداها فرب حامل فقه غیر فقیه ورب حامل فقه الی من هو افقه منه۔ (طبرانی اوسط مجمع الزوائد)

اسی دعا کی برکت سے محدثین عظام کے چہرے تروتازہ اور روشن و بابرکت ہوتے ہیں، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اطہر سے اس محدث کے سینہ تک گویا ایک اتصالی زنجیر ہے جس سے ان پر برکات کا نہ ختم ہونے والا نزول رہتا ہے کسی نے کہا:

اصحاب الحدیث هم اهل النبی وان لم یصحبوا نفسه انفاسه صحبوا

و من عادتی حب النبی و کلامه وللناس فیما یعشقون مذاهب

ما ہر چہ خواندایم فراموش کردہ ایم الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

# حدیث کی اقسام وتعریفات

حدیث دوقسم پر ہے۔ (۱) متواتر (۲) خبرواحد

خبرمتواتر وہ ہے کہ اس کے راوی اتنے کثیر ہوں کہ عقلاً ان کا کذب وجھوٹ پر جمع ہونا محال ہو(یعنی مختلف ممالک میں رہتے ہوں، ایک دوسرے کو نہ دیکھا ہو اور بات ایک ہی نقل کرتے ہوں) اوران کا علم حسن پر منتہی ہوتا ہو(یعنی کہتا ہو کہ میں نے سنا ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور یہ عمل کیا،عقل سے بات نہ کرتا ہو) خبرمتواتر علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے نیز اس میں کسی خاص تعداد کی قید نہیں ہے۔

## تواتر کی قسمیں

۱۔ تواتر طبقہ : جیسے نقل قرآن کریم، کہ امت کے ایک طبقہ نے دوسرے طبقہ کو دیا ہے،اس میں انفرادی راوی نہیں ہوتے ہیں۔

۲۔ تواتر اسنادی : یہ وہ تواتر ہے جو اوپر متواتر کی تعریف میں بیان ہو چکا ہے۔

۳۔ تواتر عملی : جیسے مسواک کا عمل کہ اس میں اخبار اگرچہ آحاد ہیں،مگر امت کے عمل نے اس کو متواتر بنادیا ہے۔

۴۔ تواتر قدر مشترک : کہ فرداً فرداً اخبار آحاد ہیں،مگر مجموعی طور پر جو قدر مشترک سامنے آتی ہے وہ متواتر ہے، جیسے معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا شجاعتِ علی رضی اللہ عنہ یا جود حاتم طائی۔

خبر متواتر کے مقابلے میں خبر واحد ہے، پھر خبر واحد مختلف اعتبارات سے پانچ بڑی قسموں پر منقسم ہے۔

## خبرواحد کی پہلی تقسیم

خبر واحد اپنے منتہائے سند کے اعتبار سے تین قسم پر ہے:(۱) مرفوع (۲) موقوف (۳) مقطوع۔

**مرفوع** : وہ حدیث ہے جس کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہو اور وہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہو، وہ مرفوع کہلاتی ہے۔

**موقوف** : یہ وہ حدیث ہے، جو صرف صحابی تک جاکر پہنچتی ہے جیسے:قال ابن عباس رضي الله عنهما ،قال ابن عمر رضي الله عنهما۔

**مقطوع** : یہ وہ ہے جو تابعی تک جاکر پہنچتی ہے جیسے:قال الاعمش رحمة الله عليه، قال سعيدبن المسيب رحمة الله عليه، یہ مقطوع کہلاتی ہے۔

## خبر واحد کی دوسری تقسیم

خبر واحد تعداد رواۃ کے اعتبار سے تین قسم پر ہے: ۱۔مشہور ۲۔عزیز ۳۔غریب۔

خبر مشہور وہ ہوتی ہے کہ تین اور تین سے زیادہ راوی اس کو بیان کریں، مگر حد تواتر تک نہ پہنچے، اگر کسی طبقہ میں راویوں کی تعداد دو تک گر جائے تو پھر وہ حدیث عزیز کہلاتی ہے، کہ ایک نے دوسرے کو کچھ مضبوط، قوی اور عزیز بنا دیا اور اگر کسی طبقہ میں راویوں کی تعداد ایک تک نیچے آگئی تو پھر حدیث غریب کہلاتی ہے، یعنی اوپرا، نا آشنا کہ اکیلا ہے کوئی اس کو نہیں جانتا۔ اب اگر پوری سند میں ایک ایک راوی ہے، تو یہ غریب مطلق اور فرد مطلق ہے اور اگر صرف ایک جگہ ایک راوی ہے، باقی سند میں ایک سے زیادہ ہیں تو اس کو غریب نسبی اور فرد نسبی کہتے ہیں۔ حدیث میں اقلیت حاکم ہوتی ہے اکثریت پر یعنی حکم جانب قلیل پر لگتا ہے، کثیر پر نہیں۔

## خبر واحد کی تیسری تقسیم

خبر واحد اپنے راویوں کی صفات کے اعتبار سے سولہ اقسام پر ہے۔

۱۔صحیح لذاتہ ۲۔صحیح لغیرہ ۳۔حسن لذاتہ ٤۔حسن لغیرہ ۵۔ضعیف ٦۔موضوع ۷۔متروک ۸۔شاذ ۹۔محفوظ ۱۰۔منکر ۱۱۔معروف ۱۲۔معلل ۱۳۔مضطرب ۱٤۔مقلوب ۱۵۔مصحف ۱٦۔مدرج

**صحیح لذاتہ**: وہ ہے جس کے تمام راوی کامل الضبط، عادل ہوں، اس کی سند متصل ہو اور علت وشذوذ سے محفوظ ہو۔ اگر راوی کے صرف ضبط میں نقص آگیا ہو، باقی صفات مکمل ہوں، لیکن اس نقصان کو تعدد طرق نے پورا کیا ہو، تو یہ صحیح لغیرہ ہے۔

**حسن لذاتہ**: وہ ہے کہ جس میں ضبط راوی میں نقصان آگیا ہو، باقی صفات صحیح کی موجود ہوں، صحیح لغیرہ اور حسن لذاتہ ایک ہی چیز ہے، صحیح لغیرہ کو صرف تعدد طرق نے بلند کر دیا ہے۔

**ضعیف**: وہ ہے جس میں صحیح اور حسن کی اعلی صفات نہ ہوں۔

**حسن لغیرہ**: بعینہ ضعیف ہے لیکن تعدد طرق یا قبولیت کے کسی قرینے نے اس کو بلند کیا ہو۔ صحیح لغیرہ اور حسن لغیرہ کی مختصر تعریف یوں ہے کہ صحیح لغیرہ بعینہ حسن لذاتہ ہے صرف تعدد طرق نے اس کو صحیح لغیرہ بنا دیا اور حسن لغیرہ بعینہ ضعیف ہے صرف تعدد طرق نے اس کو حسن لغیرہ بنا دیا ہے۔

یاد رہے کہ صفات قبولیت چار ہیں: عدالت، ضبط، اتصال سند، علت وشذوذ سے خالی ہونا۔

عدالت اس ملکہ کا نام ہے جو انسان کو ارتکاب کبائر اور اصرار علی الصغائر سے بچائے۔ ضبط واتقان یا حفظ دو طرح پر ہوتا ہے۔ اول حفظ وضبط بالصدر کہ جس سے جس طرح سنا ہے، ادائیگی حدیث کے وقت تک اسی طرح محفوظ ہے۔ دوم حفظ بالکتابۃ کہ لکھنے سے

ایسا محفوظ کرلیا جائے کہ وقت ادائیگی تک کسی دخل اندازی کا خطرہ نہ رہے۔

**موضوع** : وہ حدیث ہے جس کے راوی پر حدیث نبوی میں عمداً جھوٹ بولنے کا طعن ثابت ہو جائے، اس شخص کی تمام مرویات ناقابل اعتبار ہو جاتی ہیں، خواہ یہ توبہ کیوں نہ کرلے، ایسے راوی کو وضاع، روایت کو موضوع اور اس عمل کو وضع کہتے ہیں۔

**متروک** : وہ حدیث ہے جس کے راوی پر کذب کی تہمت ہو، یا وہ روایت قواعد شرعیہ کے خلاف ہو۔

**شاذ** : وہ ہے جس کا راوی خود ثقہ ہے، لیکن وہ اوثق کے خلاف بیان کرتا ہے، اس کا مقابل محفوظ ہے۔

**منکر** : وہ حدیث ہے کہ ضعیف راوی ثقہ کی مخالفت کرتا ہے، اس کا مقابل معروف ہے۔

**معلل** : وہ ہے کہ جس میں علتِ قادحہ خفیہ ہو، یہ عیب ماہرین حدیث معلوم کر سکتے ہیں۔

**مضطرب** : وہ حدیث ہے جس کے متن یا سند میں ایسا اختلاف ہو کہ جس میں تطبیق دینا مشکل ہو۔

**مقلوب** : وہ حدیث ہے جس کے متن یا سند میں بھولے سے تقدیم وتاخیر ہوئی ہو۔

**مصحف** : وہ روایت ہے جس کے نقطوں میں یا حرکات سکنات میں تغیر آگیا ہو، اگرچہ صورت خطی بحال ہو۔

**مدرج** : وہ ہے جس میں کہیں پر راوی نے اپنا کلام داخل کیا ہو۔

## خبر واحد کی چوتھی تقسیم

خبر واحد سقوط وعدم سقوط راوی کے اعتبار سے سات قسم پر ہے :

۱۔ متصل ۲۔ مسند ۳۔ منقطع ٤۔ معلق ٥۔ معضل ٦۔ مرسل ۷۔ مدلس

**متصل** : وہ حدیث ہے کہ اس کی سند میں مکمل راوی مذکور ہوں۔

**مسند** : وہ حدیث ہے جس کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو۔

**منقطع** : وہ حدیث ہوتی ہے کہ جس کی سند متصل نہ ہو، بلکہ کہیں نہ کہیں سے راوی گرا ہو۔

**معلق** : وہ ہے جس کے شروع سے راوی گرا ہو۔ (امام بخاری نے اپنی کتاب میں تعلیقات سے بہت کام لیا ہے)

**معضل** : وہ روایت ہے جس میں درمیان سند سے مسلسل دو یا زیادہ راوی گرے ہوں۔

**مرسل** : وہ ہے جس کے آخر سے راوی گرا ہو۔

**مدلس** : وہ روایت ہے جس میں راوی اپنے استاد کے نام کو چھپا کر روایت کی نسبت کسی اور شیخ کی طرف کرتا ہے۔ یہ عمل تدلیس ہے روایت مدلس (فتح اللام) ہے اور یہ عمل کرنے والا مدلس (بکسر اللام) ہے۔

## خبر واحد کی پانچویں تقسیم

صیغہ اداء کے اعتبار سے خبر واحد دو قسم پر ہے۔ ۱۔ معنعن ۲۔ مسلسل

**معنعن**: وہ حدیث ہے جس میں راوی عن فلان عن فلان کا لفظ استعمال کرتا ہو۔

**مسلسل**: وہ حدیث ہے جس میں راوی نے ایک طرز پر صیغے استعمال کئے ہوں جیسے پوری سند "سمعت فلانا قال سمعت فلانا" یا "حدثنا فلان قال حدثنا فلان" یہ مسلسل بالقول ہے اور دوسرا مسلسل بالفعل ہوتا ہے۔ یعنی مسلسل بالتشبیك کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کا ہاتھ پکڑا پھر راوی نے بھی ایسا ہی کیا، کبھی مسلسل بتحریك الشفتین ہوتا ہے اور کبھی مسلسل بالمصافحہ ہوتا ہے۔

## اقسام کتب الحدیث

تکمیل فائدہ کی غرض سے اقسام کتب حدیث سے متعلق پہلے یہ شعر یاد رکھ لیں:

جامع و مسانید و معاجم بنگر رسائل، سنن، اجزاء، واربعین بفکر

یعنی جامع، مسند، معجم، رسائل، اجزاء اور اربعین سات قسم کی کتب حدیث کو سوچ کر دیکھو۔

۱۔ جامع: وہ کتاب ہے جس میں آٹھ اصناف علوم جمع ہوں، جس کو کسی نے اس شعر میں اکٹھا کیا ہے۔

سیر آداب و تفسیر و عقائد فتن اشراط و احکام و مناقب

بخاری اور ترمذی جامع ہے کہ یہ سب علوم ان میں درج ہیں، مسلم میں تفسیر بہت کم ہے وہ جامع نہیں۔

۲۔ **مسند**: وہ کتاب ہے جس میں صحابہ کے ناموں کی ترتیب یا رتبوں پر احادیث جمع کی گئی ہوں جیسے مسند احمد اور مسند دارمی۔

۳۔ **معجم**: وہ کتاب ہے جس میں ناموں کے حروف کی ترتیب یا رتبوں کی ترتیب سے اپنے شیوخ کی احادیث جمع کی گئی ہوں۔ جیسے معجم طبرانی، معجم کبیر، معجم صغیر، معجم اوسط وغیرہ۔

۴۔ **سنن**: وہ کتب ہیں جس میں احکام کی احادیث فقہ کے ابواب کی ترتیب پر ہوں، جیسے سنن ترمذی وغیرہ۔

۵۔ **جزء**: وہ ہے جو ایک ہی شیخ کی مرویات پر مشتمل ہو یا ایک ہی موضوع سے وابستہ ہو جیسے جزء رفع الیدین للبخاری۔

۶۔ **مستدرکات**: وہ کتب ہیں جس کے مؤلف نے کسی محدث کی کتاب کی احادیث کا استدراک کیا ہو، جو اس سے کسی وجہ سے رہ گئی ہوں اور ان کی شرائط کے مطابق ہوں جیسے مستدرك حاکم علی الصحیحین۔

۷۔ علل: ۸۔ شمائل: ۹۔ اربعینات:

## مسالک محدثین

۱۔ امام بخاری ایک قول میں شافعی ایک میں حنبلی ایک میں مجتہد تھے، آخر قول راجح ہے۔

۲۔ امام مسلم مقلد محض نہیں تھے البتہ شوافع کی طرف مائل تھے، بعض نے مالکی کہا ہے۔

۳۔ امام ابوداؤد حنبلی مسلک سے وابستہ تھے۔ ۴۔ امام ترمذی کو بعض نے شافعی بتایا ہے۔

۵۔ امام ابن ماجہ شافعی یا حنبلی یا آزاد مائل باہل حجاز تھے۔ ۶۔ امام نسائی عام خیال ہے کہ شافعی تھے۔

۷۔ امام طحاوی پہلے شافعی تھے پھر پکے حنفی بن گئے۔

## حجیّت حدیث

منکرین حدیث کا مقصد درحقیقت یہ ہے کہ دین اسلام کو جڑ سے اکھیڑ کر ختم کیا جائے اور اس پر کسی کا اعتماد وبھروسہ باقی نہ رہ جائے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے احادیث کے انکار کا فتنہ کھڑا کردیا، کیونکہ احادیث کے بغیر قرآن عظیم خود بخود معطل ہوکر رہ جاتا ہے یہ لوگ قرآن کریم کی آڑ میں پورے دین کو یکسر ختم کرنے کی سازش میں لگے ہوئے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ علمائے کرام قرآن وحدیث سے حجیت حدیث کو ثابت ومستحکم کریں اور پھر منکرین حدیث کے شبہات کا سنجیدگی سے جائزہ لے لیں چنانچہ یہاں بھی حجیت حدیث پر مختصر کلام ملاحظہ ہو:

قرآن عظیم کی متعدد آیتوں سے حدیث کا حجت ہونا اور اسکا واجب العمل ہونا ثابت اور مسلم ہے علامہ شاہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "احادیث کے بغیر قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا"۔ علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ "قرآن کریم احادیث کی تائید وتوثیق کے لئے اترا ہے اور قرآن پر ایمان نہیں لایا جاسکتا، جب تک کہ احادیث پر ایمان نہ ہو" فرمایا کہ آیت ﴿انك علی صراط مستقیم﴾ اسی تائید میں آئی ہے ﴿انك علی الحق المبین﴾ اسی توثیق کا حصہ ہے ﴿وارسلناك للناس رسولا﴾ وغیرہ آیات اس کی بین دلیل اور واضح ثبوت ہیں۔

### دلائل

۱۔ ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ﴾ (نحل: ٤٤)

اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی آیتوں کا مبین یعنی بیان کرنے والا کہا گیا اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کریں گے وہ احادیث ہیں۔

۲۔ ﴿وَمَآ اٰتٰىکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (حشر: ۷)

اس آیت میں ہر اس چیز کو واجب العمل اور واجب الاخذ قرار دیا گیا، جو پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے بیان کی، اور جس سے

روکا ہے وہ واجب الاحتراز قرار دی اور یہ سب احادیث کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔

۳۔ ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (نور : ٦٣)

اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر کو واجب الاطاعت قرار دیا گیا ہے اور مخالفت پر وعید کا بیان ہے، تو امر رسول یہی احادیث ہیں۔

٤۔ ﴿ويحل لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ (اعراف : ١٥٧)

اس آیت میں احادیث کے وسیع فیصلوں کا ذکر ہے۔

٥۔ ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ﴾ (نساء : ١٠٥)

اس آیت میں "بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ" نے احادیث کے ذخیرہ کو بیان کیا ہے۔

٦۔ ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ (قیامۃ : ١٩)

اس بیان سے مراد احادیث ہیں، کیونکہ قرآن کا بیان اگر قرآن ہی سے مراد لیا جائے، تو پھر بعد میں آنے والی آیت کا بیان ایک اور آیت سے ہوگا، جس سے تسلسل لازم آئے گا۔

۷۔ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (نساء ٦٤)

اس آیت میں اطاعت رسول کا مطلب ان کی احادیث اور فرامین مبارکہ کی اطاعت ہے۔

۸۔ ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (آل عمران : ١٦٤)

اس آیت میں تعلیم کتاب کا ذکر ہے اور یہ بغیر احادیث کے ممکن ہی نہیں، اسی طرح تزکیہ نفوس بغیر احادیث کے کیسے ہو سکتا ہے؟ نیز "الحکمۃ" دانائی کی باتوں کی تعلیم خود احادیث ہیں۔

۹۔ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (نساء : ٦٥)

اس آیت میں تحکیم، حکم دینا، فیصلہ سنانا بغیر احادیث کے کیسے ممکن ہے؟ "مما قضیت" کا کلمہ بتا رہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سنایا ہوا فیصلہ ماننا ہر مسلمان پر فرض ہے، یہ فیصلہ اور یہ جھگڑے کا نمٹانا سب احادیث ہی ہیں تو لہٰذا قرآن کے ساتھ ساتھ احادیث کا ماننا خود قرآن کا حکم ہے، اب اگر کوئی آدمی انکار کرتا ہے تو وہ خود گمراہ ہونا چاہتا ہے تو گمراہ ہوتا پھرے۔

در فیض محمد وا ہے آئے جس کا جی چاہے — نہ آئے آتش دوزخ میں جائے جس کا جی چاہے
مریضان گناہ کو دو خبر فیض محمد کی — بلا قیمت دوا ملتی ہے آئے جس کا جی چاہے

# منکرین حدیث کے شبہات اور ان کے جوابات

## ۱۔ پہلا شبہ

یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ احکامات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ساتھ خاص تھے، بعد میں تبدیلی آگئی۔

**جواب** : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لوگوں کے لئے خاتم النبیین ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد احکامات کی تبدیلی کا عقیدہ نبوت کا انکار ہے، اس نظریہ سے تو یہود ونصاریٰ کی طرح دین اسلام مسخ ہو جائے گا۔

## ۲۔ دوسرا شبہ

یہ ہے کہ قرآن سمجھنے کے لئے احادیث کی ضرورت نہیں، کیونکہ ﴿ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر﴾ نے سب کو آسان کر دیا۔

**جواب** : یہاں ذکر سے نصائح اور واقعات سابقہ ولاحقہ مراد ہیں، شرعی احکام اور دقیق تحقیقات کو "یسر" نہیں کہا، نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل لسان تھے، نزول قرآن کے عینی گواہ تھے، وہ کئی مسائل اور کئی مطالب خود نہ سمجھ سکے، بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لحظہ بہ لحظہ رجوع فرماتے تھے، تو آج اس جہالت مرکبہ کے دور میں کون خود سمجھ سکتا ہے؟ میں پوچھتا ہوں کیا تعداد رکعات اور اوقات نماز اور اس کی کیفیات تم بغیر احادیث کے سمجھ سکتے ہو؟ زکوٰۃ کی مقدار اس کے انواع واقسام اور نصاب کی تکمیل کے اوقات تم قرآن سے پیش کر سکتے ہو؟ حج کے اعمال وافعال اور اوقات ومقامات کا تعین تم قرآن سے بتا سکتے ہو؟ یہ تو سراسر باطل نظریہ ہے اور دین کا انکار ہے۔ دین اسلام کے تمام احکام ان کی حیثیات وکیفیات اور ترتیب وتفصیلات کے ساتھ صرف قرآن سے کون سمجھ سکتا ہے؟ بلی حرام ہے، شیر حرام ہے، گدھا حرام ہے، بھیڑیا حرام ہے، ریچھ حرام ہے، گدھ حرام ہے، اور کبوتر حلال ہے، مرغی حلال ہے، ہرن حلال ہے۔ یہ تفصیلات قرآن میں کہاں ہیں؟ چلو پھر یہ بتاؤ کہ تمہارا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایک ساتھ قرآن کریم میں کہاں ہے؟ نیز یہ بتاؤ یہ قرآن حجت ہے، اللہ کا کلام ہے، اس پر عمل کرو، یہ کس نے بتایا؟ آخر کسی حدیث اور فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سے اس کی خبر ہوئی پھر احادیث کا انکار کیسے؟

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

اسی لئے تو امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا "الکتاب احوج الی السنۃ من السنۃ الی الکتاب" یعنی کتاب اللہ اپنے سمجھنے میں سنت وحدیث کی طرف زیادہ محتاج ہے، بنسبت سنت کے، کتاب اللہ کی طرف، امام مکحول رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

## ۳۔ تیسرا شبہ

یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث لکھنے سے منع فرمایا تھا، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ :

لاتکتبوا عنی (شیئاسوی القرآن) ومن کتب عنی غیرالقرآن فلیمحہ۔ (رواہ مسلم ج ۲ ص ۴۱۴)

**جواب** : اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں عارضی طور پر منع فرمایا تھا، تاکہ قرآن وحدیث میں اختلاط والتباس نہ آئے، نیز احادیث بطون اوراق کی بجائے صدور رجال میں محفوظ ہو جائیں، جب صحابہ کرام نے قرآن وحدیث میں فصاحت وبلاغت اور طرز بیان میں خوب امتیاز پیدا کرلیا اور اختلاط والتباس کا خوف نہ رہا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث لکھنے کی اجازت دیدی اور یہ عارضی ممانعت ختم ہوگئی۔

**دوسرا جواب** : یہ ہے کہ تمام صحیح احادیث کے مقابلے میں اس حدیث کو چھوڑنا پڑے گا، یہ روایت اجازت کتابت کی تمام روایات کا مقابلہ نہیں کرسکتی، بلکہ اس حدیث کا محمل وہی عارضی ممانعت تھی جو ختم ہوگئی۔

تیسرا جواب : علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ لکھنے کی یہ ممانعت قرآن وحدیث کو ایک ہی صحیفہ اور ایک ہی جگہ لکھنے کی تھی، الگ الگ نہیں۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۱۸۵)

## ۴۔ چوتھا شبہ

یہ ہے کہ حدیث حجت نہیں صرف قرآن حجت ہے، کیونکہ احادیث تابعین کے دور میں لکھی گئی ہیں، اتنے طویل عرصہ تک اس کی حفاظت کیسے ہوسکتی ہے؟

**جواب** : یہ دعویٰ غلط ہے کہ کتابت حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھی، بلکہ عہد نبویؐ میں صحابہ کرامؓ کے کئی نوشتے اور کئی صحیفے موجود تھے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے لکھے گئے تھے، ملاحظہ ہوں:

### ۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا صحیفہ

انہوں نے احادیث نبویہ پر ایک جامع صحیفہ لکھا، جس کا نام آپ نے ''الصادقۃ'' رکھا تھا، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے مجھ سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کسی نے نقل نہیں کیں، سوائے عبداللہ بن عمروؓ کے کیونکہ وہ لکھتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا بیان ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جو کچھ سنتا وہ لکھتا تھا، مجھ سے ایک دفعہ قریش نے کہا کہ تم جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے ہو وہ لکھ دیتے ہو، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں، کبھی غضب میں اور کبھی خوشی میں بات کرتے ہیں، میں ان کے کہنے پر لکھنے سے رک گیا اور پھر میں نے اس کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی سے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ فرمایا کہ ''لکھو اس رب کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا''۔ (جواہر الاصول فی مصطلح احادیث الرسول ص ۶۰ ومسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس صحیفہ سے متعلق محبت کے طور پر فرمایا کرتے تھے۔

مَا يُرَغِّبُنِي فِي الْحَيٰوةِ اِلَّا الصَّادِقَةُ وَالْوَهْطُ، اَمَّا الصَّادِقَةُ فَصَحِيفَةٌ كَتَبْتُهَا عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاَمَّا الْوَهْطُ فَاَرْضٌ تَصَدَّقَ بِهَا عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ۔

''یعنی مجھے زندگی سے محبت دو وجہ سے ہے ایک صادقہ کی وجہ سے، دوسرا وہط کی وجہ سے، صادقہ تو احادیث کا وہ مجموعہ ہے جو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھا تھا اور وہط وہ وقفی زمین ہے جو میرے باپ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے وقف کر رکھی ہے (اس کی نگرانی سے مجھے خوشی ہوتی ہے)۔

## ۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صحیفہ :

بخاری شریف کتاب العلم میں ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ حضرات کے پاس کوئی (خصوصی) کتاب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کتاب اللہ اور کسی مسلمان کو عطا شدہ فہم اور جو اس صحیفے میں ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ میں نے کہا اس صحیفے میں کیا ہے؟ فرمایا کہ دیت کے احکام ہیں، قیدیوں کی رہائی کے مسائل ہیں اور یہ کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔

## ۳۔ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کا صحیفہ

سنن نسائی ج ۲ ص ۲۵۱ میں ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے نام ایک مکتوب ارسال فرمایا، جس میں فرائض، سنن اور دیات کے مسائل درج تھے، آپ نے یہ مکتوب عمرو بن حزمؓ کے ہاتھ پر ارسال فرمایا تھا اور انہوں نے اہل یمن کے سامنے اسے پڑھ کر سنایا تھا، عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کا گورنر مقرر فرمایا تھا، جبکہ ان کی عمر سترہ برس کی تھی۔

## ۴۔ صحیفۂ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات سے متعلق ایک تحریر لکھوائی تھی، مگر ابھی اسے گورنروں کے نام روانہ نہیں کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا، تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس سے استفادہ کیا، آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے خوب استفادہ کیا، یہاں تک، کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی انتقال ہو گیا اور وہ نوشتہ محفوظ رہا۔

## ۵۔ صحیفۂ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

حافظ ابو عمرو ''جامع بیان العلم'' ج ۱، ص ۷۲ میں متصل سند کے ساتھ حضرت معن سے روایت کرتے ہیں، کہ حضرت عبداللہ بن

مسعود رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمن نے ایک نوشتہ دکھایا اور حلفیہ بیان کیا، کہ یہ نوشتہ میرے والد عبداللہ بن مسعودؓ کے اپنے ہاتھوں کا لکھا ہوا ہے۔

## ۶۔ صحیفۂ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

حافظ ابن عبدالبر نے بیان العلم میں ابن وہب اور حسن بن عمرو کے طریقے سے ایک روایت نقل کی ہے، کہ حضرت ابوہریرہؓ کی خدمت میں ایک حدیث کا تذکرہ کیا گیا، تو آپ نے اس سے لاعلمی کا اظہار کیا، میں نے کہا کہ حضرت آپ ہی سے تو میں نے وہ حدیث سنی تھی، فرمایا اگر تم نے مجھ سے سنی ہے تو وہ میرے پاس تحریری شکل میں ضرور موجود ہوگی۔ چنانچہ میرا ہاتھ پکڑ کر آپ مجھے اپنے گھر لے گئے اور مجھے احادیث نبویہ کے بہت سارے نوشتے دکھائے اور وہ حدیث بھی مل گئی۔

## ۷۔ صحیفۂ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم آپ سے بہت سی باتیں سن لیتے ہیں کیا ہم انہیں لکھ لیا کریں؟ آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں لکھ لیا کرو۔ (تدریب الراوی ص ۲۷۶)

## ۸۔ صحیفۂ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھی احادیث مقدسہ کا ایک نوشتہ تھا، جس میں احادیث مرقوم تھیں، اس کا تذکرہ امام بخاری نے تاریخ کبیر ج ۴ ص ۱۸۶ پر کیا ہے، ترمذی میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔

## ۹۔ صحیفۂ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ

جلیل القدر صحابی حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا، جس میں بہت سی احادیث درج تھیں، اس صحیفہ کا تذکرہ ابوداؤد شریف کی احادیث تشہد میں آیا ہے۔

## ۱۰۔ صحیفۂ ابوشاہ یمنی

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہؓ کی ایک طویل حدیث نقل کی ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے کا تذکرہ ہے۔ اس بیان کے آخر میں حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ یمن سے ایک آدمی آیا تھا، جس کا نام ابوشاہ تھا، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ خطبہ مجھ لکھ کر دے دیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: ''اکتبوا لابی شاہ'' یعنی ابوشاہ کے لئے خطبہ کے یہ مسائل لکھ دو۔

## ۱۱۔ عام صحابہ رضی اللہ عنہم کے نوشتے

مسند دارمی میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد لکھنے میں مشغول تھے، کہ اتنے میں آپ سے دریافت کیا گیا کہ ان دو شہروں میں سے پہلے کونسا فتح ہوگا قسطنطنیہ یا روم؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ ہرقل کا شہر۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد حدیث لکھنے کے لئے ایک فرد نہیں، بلکہ ایک جماعت جیھا کرتی تھی۔ اسی طرح حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا مجموعہ احادیث لکھا ہوا تھا۔ کنز العمال میں ایک روایت ہے ''اکتب ولا حرج'' حدیث لکھو کوئی حرج نہیں۔ مجمع الزوائد میں ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ یارسول اللہ! میں بہت زیادہ بھولتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''استعن بیمینک'' یعنی دائیں ہاتھ سے لکھ کر اپنی مدد کرو۔

یہ تمام واقعات وروایات اس بات کی دلیل ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے مبارک عہد میں کتابت حدیث تھی، البتہ قرآن کریم کے ساتھ ملا کر ایک جگہ لکھنے کی ممانعت وقتی تھی۔ صحابہ کے دور سے متصل خیر القرون کے دور میں تابعین نے احادیث کے ذخیرے مختلف بلاد میں جمع کردیئے۔ چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ نے مدینہ منورہ میں موطا مالک لکھ دی۔ ابن جریج ؒ نے مکہ مکرمہ میں حدیث کا ذخیرہ لکھا، امام اوزاعی رحمہ اللہ نے شام کی سرزمین پر احادیث کا ذخیرہ لکھ ڈالا۔ حماد بن سلمہ ؒ نے بصرہ میں علم حدیث میں تصنیف لکھ دی۔ معمر نے یمن میں کتاب لکھ دی اور سفیان ثوری رحمہ اللہ نے کوفہ میں ایک تصنیف تیار کی۔ امام بخاری ؒ نے بخارا میں، امام مسلم رحمہ اللہ نے نیشاپور میں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے ازبکستان میں، امام ابوداؤد ؒ نے سجستان میں اور دیگر محدثین نے اپنے اپنے بلاد میں احادیث کے ڈھیر لگا دیئے۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ نے مغازی پر کام کیا۔ ہشیم نے واسط میں احادیث لکھنے کا کام کیا۔ لیث اور ابن لہیعہ نے مصر میں کتابیں لکھ دیں۔ پھر عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے کتاب لکھ دی اور قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ نے کتاب لکھ دی۔ اس طرح علم الحدیث کا ایک خزانہ اکٹھا ہو گیا۔ کتابت حدیث کے اس اہتمام وانتظام کے بعد بھی جو شخص شک وشبہ کرتا ہے تو وہ درحقیقت احادیث سے قلبی نفرت رکھتا ہے اور قلبی عداوت کا کون علاج کر سکتا ہے یہ سچ ہے:

فَعَیْنُ الرِّضَا عَنْ کُلِّ عَیْبٍ کَلِیْلَۃٌ　　وَلٰکِنَّ عَیْنَ السُّخْطِ تُبْدِی الْمَسَاوِیَا

## فقہاء کرام کا مقام

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے اپنی آخری کتاب قرآن کریم اپنے آخری نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی اور اس کتاب محکم کی حفاظت کی ذمہ داری علماء امت پر نہیں ڈالی، بلکہ حفاظت کی یہ ذمہ داری خود اپنے ذمہ لے لی۔ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے محکم ومحفوظ اور غیر محرف، غیر منسوخ بنادیا، قواعد اسلامیہ اور شرائع دینیہ کے ثبوت کے لئے اس کتاب کی حیثیت

''متن'' کی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مقدسہ کی حیثیت اس کی شرح کی ہے۔

ان دونوں سے مستنبط و مستخرج اسلامی فقہ ان دونوں کے لئے دفعات اور دستور کی حیثیت رکھتا ہے، علم وفہم اور معرفت وفراست کی نگاہ سے اگر دیکھا جائے تو جس طرح متنِ قرآن کے لئے شرح احادیث کی ضرورت ہے، اسی طرح ان دونوں کے دقیق ارشادات اور گہرے اشارات سے استفادہ کے لئے فقہ اسلامی کی واضح دفعات کی بھی ضرورت ہے۔

اگر قرآن عظیم کے ''متن'' سے احادیث کی شرح کو الگ کیا گیا، تو یہ قانون بلا دستور و دفعات رہ جائیگا، پھر ہر خواہش پرست اس متن وشرح سے اپنی مرضی کے مطابق دفعات بنانے کی کوشش کریگا اور خواہش نفس کی تاریکیوں میں غوطے کھاتا پھریگا۔

مثلاً قرآن وحدیث میں بڑے پیمانے پر اوامر ونواہی موجود ہیں، اب ہر امر اور ہر نہی کو اس کے اپنے اپنے مقام پر رکھ کر عمل کرنے کے لئے امت کے سامنے پیش کرنا کتنا مشکل کام ہے، مثلاً ایک ہی صیغہ امر کے ساتھ جب اللہ تعالیٰ ایک حکم دیتا ہے، وہ فرض ہوجاتا ہے اور اسی طرح صیغۂ امر کے ساتھ دوسرا حکم دیتا ہے تو وہ مباح یا مستحب یا سنت اور واجب سمجھا جاتا ہے مثلاً ﴿اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ﴾ بھی امر ہے، مسلمان اس حکم کو فرض سمجھتے ہیں اور ﴿واذا حللتم فاصطادوا﴾ میں ''فاصطادوا'' کے امر کو نہ فرض سمجھتے ہیں اور نہ واجب سمجھتے ہیں، یہی صورت حال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا بھی ہے، اب امر اور نہی کی اس حیثیت کا تعین آخر کس نے کیا ہے، یا کون کریگا؟ مجبوری کا یہی وہ مقام ہے جس نے امت کے علماء کرام اور عوام کو ائمہ اربعہ کی تقلید پر مجبور کردیا ہے۔

اسی طرح احادیث مقدسہ کے ارشادات کو لیجئے کہ بعض دفعہ ایک ہی مسئلہ سے متعلق مختلف اور متضاد چند ارشادات سامنے آتے ہیں، ان ارشادات کو اپنے اپنے مقام پر رکھنے اور تطبیق دینے کا کام آخر کس نے کیا یا کون کریگا؟ دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں نشر اور ابلاغ کے ذرائع نہ ہونے کے برابر تھے، اس وقت مثلاً کسی صحابی نے ایک حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سن لیا اور جا کر کسی صحراء اور دیہات یا دور دراز کسی علاقہ میں بیٹھ کر سالہا سال تک اس پر عمل کرتا رہا، پیچھے وہ حکم یا منسوخ ہوگیا یا اس میں نئی وحی کے ذریعہ سے کچھ تبدیلی آگئی، مگر وہ صحابی اس پر عمل کرتے رہے، بعد میں جب ذرائع ابلاغ نے انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب کردیا اور تمام احادیث ایک جگہ جمع ہوگئیں تو اس میں ناسخ ومنسوخ کا مسئلہ کھڑا ہوگیا تقدیم حکم اور تاخیر حکم کا قضیہ پیدا ہوگیا، حکم کی تخصیص وتعمیم اور خصوصیات وعمومات کا مسئلہ پیش آگیا۔ آخر اس کا حل کیا ہوگا اور اس مشکل کو کون حل کریگا؟ یہاں بھی مجبوری کا وہ مقام پیدا ہوگیا جس نے علماء کرام کو تقلید پر مجبور کردیا۔ الحمد للہ! اساطین امت اور مجتہدین ملت نے امت کو اس مشکل سے نکالا، دن رات کی محنتوں سے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خصوصی تعلق کی وجہ سے اور اس کی خصوصی نصرت ومدد سے، انہوں نے امت کی اس مشکل کو حل کردیا اور عمل کرنے کے لئے امت کے سامنے شریعت کے شاہراہ اعظم کے ہر خطرناک موڑ پر تنبیہ کے لئے واضح کتبہ آویزاں کردیا تاکہ کوئی بھی گزرنے والا ہر خطرہ سے محفوظ رہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر اہل علم

نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ "ان لامذهبية قنطرة الالحاد "یعنی عدم تقلید گمراہی کی طرف جانے کے لئے پل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مجتہدین کو فطری صلاحیتوں سے نوازا تھا، اور ان کو احادیث مقدسہ کا سب سے زیادہ سمجھنے والا بنایا تھا، وہ احادیث کو اپنے اپنے مقام پر رکھنے اور پرکھنے میں سب سے زیادہ ماہر تھے۔ امام ترمذی کسی حدیث کے مطلب کو اس وقت تک بیان نہیں فرماتے، جب تک اس پر فقہاء کرام کے سمجھنے سمجھانے اور عملی فیصلہ کی مہر نہیں لگ جاتی، ترمذی میں ایک مقام پر وہ فرماتے ہیں۔

وكذالك قال الفقهاء وهم اعلم بمعاني الحديث ۔ (ترمذی، جلد اول ۱۹۳)

ترجمہ: یعنی فقہاء نے اسی طرح کہا ہے اور وہ حدیث کو سب سے زیادہ سمجھنے والے ہیں۔

مشہور محدث اور مشہور امام جرح وتعدیل حضرت اعمش رحمہ اللہ کھلے الفاظ میں فقہاء کرام کو صرف بزرگی کے اعتبار سے نہیں بلکہ علمی مقام اور امت کے لئے اتھارٹی کی حیثیت سے ان شاندار الفاظ میں یاد کرتے ہیں:

"ايها الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصيادلة" (فضائل ابی حنیفہ ۱۰۲)

اے امت کے مجتہدین فقہاء کرام! تم امت کے طبیب ہو اور ہم تو صرف جڑی بوٹیاں رکھنے والے پنساری ہیں۔

یعنی ہم صرف احادیث کو محفوظ رکھتے ہیں اور ان احادیث پر عمل کرنے کے لئے نسخے تم تیار کرتے ہو۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فقہاء کرام احادیث کو نہیں سمجھتے تھے، یہ ان لوگوں کی بہت بڑی غلطی ہے، فقہ تو خود احادیث سے مستنبط قواعد وضوابط کا نام ہے، پہلے حدیث دل ودماغ میں آتی ہے، پھر فقہ آتی ہے بعض لوگ خوش ہو جاتے ہیں کہ ہم حدیث کی طرف منسوب ہیں لہٰذا ہم اہل حدیث ہیں اور ہمارے سوا سب نااہل حدیث ہیں، حالانکہ خیر القرون کے دور کے بعد جب یہ طبقہ پیدا ہوا تو ان کا تعارف تمام کتابوں میں اہل ظواہر سے کیا گیا، اہل حدیث کا لفظ تو برصغیر پر انگریز کے قبضہ کے بعد ایک سمجھوتہ کے تحت ایک طبقہ کے لئے متعارف ہوا، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی نام کی کتاب میں سب تاریخی حقائق موجود ہیں، جو نہ جھٹلائے جاسکتے ہیں اور نہ چھپائے جاسکتے ہیں کیونکہ وہ تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔

ترمذی شریف میں امام ترمذی اہل حدیث سے محدثین کی جماعت مراد لیتے ہیں، جن میں مجتہدین فقہاء بھی ہیں اور عام محدثین بھی ہیں کسی خاص طبقہ کا نام مراد نہیں ہے۔

چنانچہ ایک مقام پر وہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور علی بن مدینی رحمہ اللہ کو اہل حدیث کے نام سے یوں یاد کرتے ہیں:

عبدالرحمن بن زيد بن اسلم ضعيف في الحديث ضعفه احمد بن حنبل وعلي بن المديني وغيرهما من اهل الحديث ۔ (ترمذی جلد اول ۱۳۸)

بہر حال کوئی شخص اہل حدیث ہو جاتا ہے، یا سلفی بنتا ہے یا غرباء اہل حدیث میں رہتا ہے، یا مقلد بنا رہتا ہے، یا غیر مقلد

ہو جاتا ہے، وہ اپنے لئے اپنا راستہ خود متعین کرتا ہے اور وہ اپنے مستقبل کی نجات اور کامیابی پانا کا کمی کا بہتر سوچ سکتا ہے، اس میں کوئی کسی کو مجبور نہیں کرسکتا ہے۔ لیکن عرض اتنا کرنا ہے کہ کم از کم اس اختلاف رائے کو خود میں شرعی حدود اور اسلامی سرحدیں پامال تو نہ کریں اور امت کے مقتداء اور اکابر فقہاء کو تنقید کا نشانہ تو نہ بنائیں، تعجب اور افسوس تو اس پر ہے کہ ایک عام آزاد خیال آدمی اٹھتا ہے اور تقلید کرنے یا نہ کرنے کی آڑ میں بلا روک ٹوک فقہاء کرام اور مجتہدین اسلام بلکہ صحابہ کرام تک کو تنقید وتغلیط کا نشانہ بناتا ہے ائمہ اربعہ کے استنباطی اجتہاد کو دین اسلام سے الگ دین قرار دیتا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیس رکعات تراویح کی ترویج کے فیصلے کو بدعت کہتا ہے، بیک وقت تین طلاق واقع ہونے کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دور کے عام صحابہ کے اجماعی فیصلے کو مسترد کرتا ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں جمعہ کی اذان میں ایک اور اذان دینے کے اجماعی فیصلہ کو ان حضرات کی غلطی قرار دیتا ہے تقلید کو شرک کہہ کر بڑے بڑے علماء اور فقہاء کو گمراہ قرار دیتا ہے مسجد نبوی میں بیٹھ کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قبر کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ "لا نقلد احدا ولو ابابکر" "ہم کسی کی تقلید نہیں کریں گے خواہ ابوبکر ہی کیوں نہ ہو، اگر یہ حضرات ان بے جا تجاوزات سے باز آجائیں تو محض علمی اختلاف تو ہر زمانہ میں ہوتے ہیں اور اس کو برداشت کیا جاتا رہا ہے۔

آخر ذاتی تنقید اور ذاتی برائی کرنے سے کیا حاصل ہوگا؟ ہاں برائی کرنے والا گنہگار ہوگا اور دونوں جہانوں میں شرمسار ہوگا خصوصاً ایسے اولیاء صوفیاء اور فقہاء پر تنقید کرنا جو کئی صدیاں قبل ان شاء اللہ جنت میں اپنے خیمے گاڑ چکے ہیں۔

چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است　　　سخن شناس نۂ دلبرا خطا این جاست

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون﴾ میں بڑے علماء کو علم میں مرجع خلائق بنا کر مخلوق خدا کو ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیدیا گیا ہے جو ایک قسم کی تقلید ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو علم کا منبع قرار دیکر فرمایا کہ جب تک یہ بحر ذخار تم میں موجود ہو تم ہم سے مسئلہ نہ پوچھو "لا تسئلونا و هذا الحبر فیکم"۔ (ابوداؤد جلد ۱ ص ۳۶۱)

یہ بھی تقلید کا حصہ ہے کہ سب سے بڑے عالم ہی کی طرف رجوع کیا کرو اور یہ فیصلہ صحابی کا ہے۔

فہم وعرفان کے درجہ اجتہاد واستنباط کا اظہار جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا اور کہا کہ "اجتهد برأیی" تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سوال پوچھنے والوں کے جواب میں واضح اعلان فرمایا کہ ہمارے پاس کتاب اللہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ فہم اور ایک صحیفے کے سوا کچھ نہیں اور نہ کوئی خصوصی حکم ہے، سوچنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ یہ عطا شدہ فہم جس کا ذکر

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا، استنباط واجتہاد کے علاوہ آخر کیا چیز تھی؟ علامہ باقلانی رحمہ اللہ نے اعجاز القرآن میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان نقل کیا ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں سے فرمایا ہے کہ اگر تم لوگوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی واضح حکم نہیں ملتا ہے تو پھر عقل وفہم سے مدد لو، یہ سب کچھ اشارات اس مرحلہ کے جواز اور ثبوت کی طرف ہیں، جو اجتہاد و مجتہدین کے ساتھ خاص ہیں اور وہی حضرات استنباط واجتہاد میں مرجع خلائق بن گئے ہیں اور ''فاعتبروا یااولی الابصار'' آیت ان حضرات کی بھرپور تائید کرتی ہے۔

الغرض پوری امت اور چوٹی کے علماء وفقہاء کسی اندھے اور تاریک کنوئیں میں نہیں گرے ہیں بلکہ اجتہاد وتقلید کا یہ مستند طور پر قدیم زمانہ سے چلا آیا ہے۔ جو لوگ تقلید کو شرک کہتے ہیں وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن قیم اور امام غزالی ومزنی اور ابن قدامہ وزفر اور شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے علم کے پہاڑوں اور دین اسلام کے ستونوں پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ ان لوگوں کو اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔

## امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مقام

امام ابوحنیفہؒ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۵۰ھ میں بغداد میں آپ کا انتقال ہوا۔ (فضائل ابی حنیفہ ص ۳۸)

جس دن آپ کا انتقال ہوا اسی دن امام شافعی رحمہ اللہ پیدا ہوئے ہیں اور جس دن امام شافعیؒ کا انتقال ہوا اسی دن امام مسلم پیدا ہوئے، امام ابوحنیفہؒ فقہاء اربعہ میں عمر کے لحاظ سے سب سے بڑے ہیں اور علم کے اعتبار سے بھی سب سے بڑے ہیں امام مالکؒ کی پیدائش ۹۵ھ میں ہوئی جب کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی ہے اور آپ کی وفات ۱۵۰ھ میں رجب کے مہینہ میں بغداد میں ہوئی اور مقبرۂ خیزران میں دفن ہوئے۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہ کی ملاقات ہوئی ہے اور علمی تبادلہ بھی ہوا ہے، آپ کا پورا نام نعمان بن ثابت ہے آپ اصلاً افغانستان کے ہیں آباء واجداد نے عراق کی طرف ہجرت کی آپ کوفہ میں پیدا ہوئے امام شافعی اور امام احمد بن حنبل آپ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ چنانچہ امام ابویوسفؒ اور امام محمد دونوں امام شافعیؒ کے استاد ہیں اور امام شافعی امام احمد بن حنبل کے استاد ہیں علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے ہدایہ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ امام محمدؒ کا امام شافعیؒ کی والدہ سے نکاح ہوا تھا جب وہ بیوہ ہوگئی تھیں (مقدمہ الہدایہ) اس طرح ہر لحاظ سے امام ابوحنیفہؒ امام اعظم کے لقب کے مستحق ہیں، چنانچہ امام مزنیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ''الناس عیال علی ابی حنیفة فی الفقه''۔ (فضائل ابی حنیفہ ص ۸۷)

امام ابوحنیفہ کی زندگی ایسی عبادت میں گذری ہے، جس کا انسان تصور کرکے حیران رہ جاتا ہے، اسی طرح آپ کا علمی مقام اتنا اونچا ہے کہ سوچنے والا سوچ کر حیران رہ جاتا ہے، لیکن جس طرح دنیا میں انسانوں کا دستور ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی ان کی زبانوں سے محفوظ نہیں رہتا، بلکہ لوگوں کی زبانوں سے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی شان میں بھی گستاخی ہوتی رہی ہے

ایک ستم رسیدہ شاعر کہتا ہے۔

قِیْلَ اِنَّ الْاِلٰہَ ذُوْ وَلَدٍ　　قِیْلَ اِنَّ الرَّسُوْلَ قَدْ کَھَنَا

مَا نَجَی اللّٰہُ وَ الرَّسُوْلُ مَعًا　　مِنْ لِسَانِ الْوَرٰی فَکَیْفَ اَنَا

یعنی کچھ لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ہے، تو کسی نے کہا کہ رسول غیب کی خبریں دیتا ہے۔

تو لوگوں کی زبان سے نہ اللہ تعالیٰ بچ گئے اور نہ رسول بچ گئے، لہٰذا میں کیسے بچ سکتا ہوں۔

اس ضابطہ کے پیش نظر امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ بھی بڑی بے وفائی کی گئی، محدثین کرام امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کے نام تو خوشی سے ادب کے ساتھ اپنی کتابوں میں روایت حوالہ سے یا سند و مسئلہ کے حوالہ سے نظر نہیں آئینگے چنانچہ وکیع بن جراحؒ نے بالکل بجا فرمایا:

عَنْ اِسْمَاعِیْلَ بْنِ مُجَاھِدٍ قَالَ سَمِعْتُ وَکِیْعَ بْنَ الْجَرَّاحِ یَقُوْلُ سَمِعْتُ مِسْعَرَبْنَ کِدَامٍ یَقُوْلُ حَسَدَ اَھْلُ التَّبِیْرِ النُّعْمَانَ بْنَ ثَابِتٍ ۔(فضائل ابی حنیفۃ لابن ابی العوام ص ۸٤)

یعنی اسماعیل بن مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے وکیع بن الجراح سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے مسعر بن کدام سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ اہل تاریخ نے ابوحنیفہ کے ساتھ اس کے علم و فہم کی وجہ سے حسد کیا تو ان پر طعن کیا۔

امام ابوحنیفہؒ کی زندگی کا یہ پہلو آپ کی رفعت شان کی طرف اشارہ کرتا ہے، کیونکہ جس درخت میں پھل زیادہ ہو اس پر پتھر زیادہ پڑتے ہیں۔ اور اشراف کے ساتھ یہ معاملہ قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے، کہ ایک وقت اگر ان کے حق میں کمزور بات کہی گئی ہے، تو دوسرے وقت میں عمدہ بات آگئی ہے شاعر نے خوب کہا۔

ھَجَوْتُ زُھَیْرًا ثُمَّ اِنِّیْ مَدَحْتُہٗ　　وَلَازَالَتِ الْاَشْرَافُ تُھْجٰی وَتُمْدَحُ

تو لیجئے! امام ابوحنیفہؒ کی عالی شان میں امت کے اکابر علماء، اور اصحاب جرح و تعدیل کے ماہر معیاری محدثین نے کس طرح پیارے کلمات ارشاد فرمائے ہیں، صرف عربی عبارات ملاحظہ ہوں:

## ثَنَاءُ الْعُلَمَاءِ عَلٰی اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ

۱۔ قَالَ مِسْعَرُبْنُ کِدَامٍ رَحِمَ اللّٰہُ اَبَاحَنِیْفَۃَ اِنْ کَانَ لَفَقِیْھًا عَالِمًا ۔(فتح الملہم ص۱۸۸)

۲۔ قَالَ الْاَعْمَشُ اُرَاہُ یُوْرَکُ لَہٗ فِیْ عِلْمِہٖ وَلَمَّا خَرَجَ الْاَعْمَشُ لِلْحَجِّ قَالَ لِعَلِیِّ بْنِ مُسْھِرٍ اِذْھَبْ اِلٰی اَبِیْ حَنِیْفَۃَ حَتّٰی یَکْتُبَ لَنَا الْمَنَاسِکَ ۔(ص ۱۸۸)

۳۔ قَالَ ابْنُ دَاوُدَ سَمِعْتُ اَبَادَاوُدَ يَقُوْلُ رَحِمَ اللّٰهُ مَالِكًا كَانَ "اِمَامًا" رَحِمَ اللّٰهُ الشَّافِعِيَّ كَانَ اِمَامًا رَحِمَ اللّٰهُ اَبَاحَنِيْفَةَ كَانَ اِمَامًا ۔ (فتح الملہم، ج ۱ ص ۱۸۹)

۴۔ وَلَمَّا اُخْبِرَ بِمَوْتِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ قَالَ شُعْبَةُ بْنُ الْحَجَّاجِ لَقَدْ ذَهَبَ مَعَهُ فِقْهُ اَهْلِ الْكُوْفَةِ ۔ (ج ۱ ص ۱۸۹)

۵۔ وَلَمَّا سُئِلَ يَحْيٰى بْنُ مَعِيْنٍ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ فَقَالَ ثِقَةٌ مَاسَمِعْتُ اَحَدًا ضَعَّفَهُ هٰذَا شُعْبَةُ بْنُ الْحَجَّاجِ يَكْتُبُ اِلَيْهِ اَنْ يُّحَدِّثَ وَيَاْمُرُهُ وَشُعْبَةُ شُعْبَةُ ۔ (ج ۱ ص ۱۸۹)

۶۔ وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِيْنِيِّ ثِقَةٌ لَابَاْسَ بِهِ ، كَمَا فِيْ جَامِعِ بَيَانِ الْعِلْمِ لِابْنِ عَبْدِالْبَرِّ ۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۱۸۹)

۷۔ وَقَالَ الْحَسَنُ بْنُ مَالِكٍ سَمِعْتُ اَبَايُوْسُفَ يَقُوْلُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ اَكْثَرُ مُتَابَعَةً لِاَبِيْ حَنِيْفَةَ مِنِّيْ ۔ (ج ۱ ص ۱۸۹)

۸۔ قَالَ الْحَسَنُ بْنُ صَالِحٍ كَانَ نُعْمَانُ بْنُ ثَابِتٍ فَهِمًا عَالِمًا مُتَثَبِّتًا فِيْ عِلْمِهِ اِذَا صَحَّ عِنْدَهُ الْخَبَرُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَعْدُ اِلٰى غَيْرِهِ ۔ (ج ۱ ص ۱۸۹)

۹۔ وَقَالَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ اَوَّلُ مَنْ اَقْعَدَنِيْ لِلْحَدِيْثِ بِالْكُوْفَةِ اَبُوْحَنِيْفَةَ اَقْعَدَنِيْ فِي الْجَامِعِ ۔ (ج ۱ ص ۱۸۹)

۱۰۔ قَالَ سَعِيْدُ بْنُ اَبِيْ عَرُوْبَةَ كَانَ اَبُوْحَنِيْفَةَ عَالِمَ الْعِرَاقِ ۔ (ج ۱ ص ۱۸۹)

۱۱۔ قَالَ يَحْيٰى بْنُ مَعِيْنٍ وَكَانَ يَحْيٰى بْنُ سَعِيْدِ الْقَطَّانُ يَذْهَبُ فِي الْفَتْوٰى مَذْهَبَ الْكُوْفِيِّيْنَ وَكَانَ يَقُوْلُ لَانُكَذِّبُ اللّٰهَ رُبَّمَا ذَهَبْنَا اِلَى الشَّيْءِ مِنْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ فَقُلْنَا بِهِ ۔ (ج ۱ ص ۱۸۹)

۱۲۔ قَالَ حُجْرُ بْنُ عَبْدِالْجَبَّارِ قِيْلَ لِلْقَاسِمِ بْنِ مَعْنٍ اَنْتَ ابْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنْ غِلْمَانِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ؟ فَقَالَ مَاجَلَسَ النَّاسُ اَنْفَعَ مِنْ مُجَالَسَةِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ ۔ (ج ۱ ص ۱۹۰)

۱۳۔ وَقَالَ زُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ لِرَجُلٍ اِنَّ ذِهَابَكَ اِلٰى اَبِيْ حَنِيْفَةَ يَوْمًا اَنْفَعُ لَكَ مِنْ مَجِيْئِكَ اِلَيَّ شَهْرًا ۔ (ج ۱ ص ۱۹۰)

۱۴۔ قِيْلَ لِابْنِ جُرَيْجٍ مَاتَ اَبُوْحَنِيْفَةَ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَقَدْ ذَهَبَ مَعَهُ عِلْمٌ كَثِيْرٌ ۔ (ج ۱ ص ۱۹۰)

۱۵۔ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْخٍ وَكَانَ اَبُوْحَنِيْفَةَ حَلِيْمًا وَرِعًا سَخِيًّا ۔ (ج ۱ ص ۱۹۰)

۱۶۔ قَالَ يَحْيٰى بْنُ مَعِيْنٍ مَارَاَيْتُ مِثْلَ وَكِيْعِ بْنِ الْجَرَّاحِ وَكَانَ يُفْتِيْ بِرَاْيِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ ۔ (ج ۱ ص ۱۹۰)

۱۷۔ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ كَانَ اَبُوْحَنِيْفَةَ وَقَوْلُهُ مُسَلَّمًا لَهُ فِيْهِ وَقَالَ مَنْ اَرَادَ الْفِقْهَ فَهُوَ عِيَالُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ ۔ (ج ۱ ص ۱۹۰)

۱۸۔ قِيْلَ لِاَبِيْ حَنِيْفَةَ تُخَالِفُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ خَالَفَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْرَمَنَا اللّٰهُ وَبِهِ هَدَانَا وَبِهِ اسْتَنْقَذَنَا مِنَ النَّارِ ۔ (فضائل ابی حنیفۃ ص ۱۸۳)

۱۹ ۔ قَالَ صَالِحُ بْنُ الْحَسَنِ الْعَابِدُ حَسَدَتِ الْعَرَبُ اَبَاحَنِيْفَةَ لِاَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مِنْهُمْ ۔ (فضائل ابی حنیفہ ص ۴۳)

۲۰ ۔ قَالَ فَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ اَبُوْحَنِيْفَةَ حَسَنُ الْوَجْهِ حَسَنُ اللِّحْيَةِ وَالثِّيَابِ (ص ۴۵) ۔

۲۱ ۔ قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ كَانَ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَخْتِمُ الْقُرْاٰنَ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ فِيْ رَكْعَةٍ فِيْ وِتْرِهٖ ۔ (ص ۵۷)

۲۲ ۔ قَالَ اَبُوْسِنَانٍ كُنَّا نَخْتَلِفُ اِلٰى عَمْرِوبْنِ مُرَّةَ فَكَانَ اَبُوْحَنِيْفَةَ يُصَلِّي الْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ بِطُهُوْرٍ وَاحِدٍ ۔ (ص ۸۵)

۲۳ ۔ قَالَ اَحْمَدُ بْنُ حَرْبٍ النَّيْسَابُوْرِيُّ كَانَ اَبُوْحَنِيْفَةَ فِي الْفُقَهَاءِ كَالْخَلِيْفَةِ فِي الْاُمَرَاءِ ۔ (ص ۸۵)

۲۴ ۔ قَالَ ابْنُ شُبْرُمَةَ عَجَزَتِ النِّسَاءُ اَنْ يَلِدْنَ مِثْلَ النُّعْمَانِ ۔ (ص ۸۹)

۲۵ ۔ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ لَاتَقُوْلُوْا رَاْيَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا تَفْسِيْرُ الْحَدِيْثِ ۔ (ص ۱۰۱)

۲۶ ۔ قَالَ وَكِيْعُ بْنُ الْجَرَّاحِ سَمِعْتُ اَبَاحَنِيْفَةَ يَقُوْلُ الْبَوْلُ فِي الْمَسْجِدِ اَحْسَنُ مِنْ بَعْضِ الْقِيَاسِ ۔

(فضائل ابی حنیفہ لابن ابی العوام ص ۱۵۹)

۲۷ ۔ قَالَ اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ لَقِيْتُ مَالِكًا فِي الْمَدِيْنَةِ فَقُلْتُ لَهٗ اِنِّيْ اَرَاكَ تَمْسَحُ الْعَرَقَ عَنْ جَبِيْنِكَ؟ قَالَ جَلَسْتُ مَعَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اِنَّهٗ لَفَقِيْهٌ وَقَالَ مَالِكٌ رَاَيْتُ رَجُلًا لَوْ كَلَّمْتَهٗ فِيْ هٰذِهِ السَّارِيَةِ يَجْعَلُهَا ذَهَبًا لَقَامَ بِحُجَّتِهٖ ۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۱۹۴)

۲۸ ۔ كَانَ ابْنُ الْمُبَارَكِ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ يَذْكُرُ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ كُلَّ خَيْرٍ وَيُزَكِّيْهِ وَيُقَرِّظُهٗ يُثْنِيْ عَلَيْهِ ۔ (فتح الملہم ص ۱۸۹)

۲۹ ۔ طَعَنَ رَجُلٌ فِيْ مَجْلِسِ ابْنِ الْمُبَارَكِ فِيْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ فَقَالَ لَهٗ اُسْكُتْ وَاللّٰهِ لَوْ رَاَيْتَ اَبَاحَنِيْفَةَ لَرَاَيْتَ عَقْلًا وَنُبْلًا ۔ (ص ۱۹۰)

۳۰ ۔ قَالَ الْحَسَنُ الرَّبِيْعُ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ الْمُبَارَكِ يَمْدَحُ اَبَاحَنِيْفَةَ وَيَقُوْلُ

رَاَيْتُ اَبَا حَنِيْفَةَ كُلَّ يَوْمٍ　　يَزِيْدُ نَبَاهَةً وَيَزِيْدُ خَيْرًا

وَيَاْتِيْ بِالصَّوَابِ وَيَصْطَفِيْهِ　　اِذَا قَالَ اَهْلُ الْجَوْرِ جَوْرًا

رَاَيْتُ اَبَا حَنِيْفَةَ حِيْنَ يُؤْتٰى　　وَيُطْلَبُ عِلْمُهٗ بَحْرًا غَزِيْرًا

اِذَا مَا الْمُشْكِلَاتُ تَدَافَعَتْهَا　　رِجَالُ الْعِلْمِ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا

۳۱ ۔ وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَمْدَحُ اَبَاحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقِيْلَ الْاَبْيَاتُ لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ

لَقَدْ زَانَ الْبِلَادَ وَمَنْ عَلَيْهَا　　اِمَامُ الْمُسْلِمِيْنَ اَبُوْحَنِيْفَه

بِآيَاتٍ وَ آثَارٍ وَ فِقْهٍ كَآيَاتِ الزَّبُوْرِ عَلَى الصَّحِيْفَه

فَلَا بِالْمَشْرِقَيْنِ لَهُ نَظِيْرٌ وَلَا بِالْمَغْرِبَيْنِ وَلَا بِكُوْفَه

پہلے شعر میں ''زان'' کا لفظ زینت سے نہیں بلکہ وزن سے ہے یعنی ابوحنیفہ دنیا و مافیہا پر بھاری ہیں۔

یہ اقوال اور یہ اشعار صرف مدح و تعریف نہیں، بلکہ یہ بڑے بڑے علماء و محدثین اور اصحاب الجرح والتعدیل اکابرین اور فقہاء کرام کے توثیقی کلمات ہیں، جس سے روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ میدان فقہ کے ساتھ ساتھ حدیث کے بھی مشہور امام تھے آپ نے جرح و تعدیل میں کئی کذابین پر جرح کی ہے، جن میں جابر جعفی سرفہرست ہے، آپ کے شاگردوں کی ایک لمبی فہرست ہے جو حدیث کے امام گذرے ہیں اور جن سے صحاح ستہ کے مصنفین نے بالواسطہ یا بلا واسطہ استفادہ کیا ہے۔

مثلاً مصنف عبدالرزاق عبداللہ بن مبارک نے مکی بن ابراہیم فضیل بن عیاض، مسعر بن کدام، امام محمد اور امام ابو یوسف وغیرہم اس کے علاوہ امام ابوحنیفہؒ سے آثار اور مسندات کے نام سے آپ کے شاگردوں نے احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ اکٹھا کیا ہے ان مخطوطوں پر عصر حاضر کے علماء میں سے شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمہ اللہ کے خلیفہ اور جید عالم دین حضرت مولانا شیخ عبدالحفیظ مکی صاحب دامت برکاتھم نے بڑا کام کیا ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ سے جن حضرات نے بلا واسطہ احادیث کی روایت نقل کی ہے، وہ یا آثار کے نام سے ہے یا المسند کے نام سے ہے جو آثار کے نام سے ہیں وہ کل چھ کتابیں ہیں۔

۱۔ الآثار لزفر۔ یہ مجموعہ امام زفر بن ھذیل المتوفی ۱۵۸ھ کا ہے۔

۲۔ الآثار لابی یوسف۔ یہ مجموعہ امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم المتوفی ۱۸۲ھ کا ہے۔

۳۔ الآثار لمحمد۔ یہ مجموعہ امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ کا ہے۔

۴۔ الآثار للحسن۔ یہ مجموعہ حسن بن زیاد اللؤلؤی المتوفی ۲۰۴ھ کا ہے۔

۵۔ الآثار لحفص بن غیاث۔ یہ مجموعہ حفص بن غیاث نخعی المتوفی ۱۹۴ھ کا ہے۔

۶۔ الآثار لمحمد بن خالد۔ یہ مجموعہ محمد بن خالد وھبی المتوفی قبل ۱۹۰ھ کا ہے۔

اس کے علاوہ تین مسانید ہیں جو بلا واسطہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی گئی ہیں۔

۱۔ مسند الخوارزمی۔ یہ خوارزمی کی مسند کا وہ نسخہ ہے جس کی روایت عمرو بن عمرو کے طریق سے ہے۔

۲۔ مسند حماد۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کے صاحبزادے حماد کی مسند ہے، جو انہوں نے اپنے ابا جان سے روایت کی ہے۔

۳۔ مسند الخوارزمی۔ یہ بھی خوارزمی کی مسند ہے جو ایک دوسرے طریق سے انہوں نے جمع کیا ہے۔

اس کے علاوہ الرسائل الثلاث الحدیثیة کے نام سے بھی ایک کتاب شائع ہوئی ہے، جس میں امام ابوحنیفہؒ سے بلا واسطہ

روایات کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ (مسند امام اعظم لحسین بن خسرو ص ۳)

## امام ابوحنیفہؒ سے بالواسطہ جن علماء ومحدثین نے روایت لی ہیں اس کے مجموعے

یہ مجموعے ۲۰ مسندات پر مشتمل ہیں تفصیل کے لئے علامہ حسین بن محمد بن خسرو بلخی متوفی ۵۲۲ھ کی مسند کا مطالعہ کیجئے؟ جو دو جلدوں پر مشتمل ہے اور مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ نے شائع کیا ہے اس وقت میرے ہاتھ میں تین مسندات کے نسخے ہیں۔

۱۔ مسند امام اعظم عبداللہ بن محمد حارثی متوفی ۳۴۰ھ۔

۲۔ مسند امام اعظم حسین بن محمد بن خسرو متوفی ۵۲۲ھ۔

۳۔ مسند ابن ابی العوام متوفی ۳۳۵ھ۔

شیخ عبدالحق محدث دھلویؒ نے سفرالسعادۃ میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے تین سو تابعین سے علم حاصل کیا ہے اور آپ کے حدیث کے کل اساتذہ چار ہزار تھے۔ حسن بن زیاد کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہؒ چار ہزار حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔

(بحوالہ مناقب امام اعظم شیخ موفق بن احمد مکی، ج ا ص ۹۶)

خلاصہ کلام یہ کہ جس شخص کے پاس احادیث کا اتنا بڑا ذخیرہ ہو، زمانے کے بڑے بڑے علماء ان کی توثیق وتعریف کریں، بڑے بڑے فقہاء ومحدثین ان کے شاگرد ہوں دنیا میں کل مسلمانوں میں سے دوتہائی مسلمان ان کے مقلد ہوں، تیرہ صدیوں سے ان کے مقلد صراط مستقیم پر قائم ہوں، کچھ بدعات اگر نظر آتی ہیں تو یہ ان کے طریق کے چھوڑنے کا نتیجہ ہے ورنہ آپ امام ابوحنیفہؒ کے کسی مقلد کو قادیانی، آغاخانی، رافضی، منکر حدیث، ذکری، بہائی وغیرہ نہیں پائیں گے، جس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ فقہاء اربعہ حق کے واضح شاہراہ پر گذرے ہیں۔ بہرحال ایسے شخص، اتنے بڑے عالم مجتہد وفقیہ اور محدث کو حدیث سے نابلد کہنا اور ان پر طعن کرنا یا تو حسد ہے، یا عداوت ہے یا جہالت ہے، امام ابوحنیفہؒ نے اپنے بارے میں لوگوں کی ناانصافی اور حسد سے متعلق دوشعروں میں خوب فیصلہ فرمایا ہے، فرماتے ہیں۔

اِنْ یَحْسُدُوْنِیْ فَاِنِّیْ غَیْرُ لَائِمِھِمْ ۔۔۔ قَبْلِیْ مِنَ النَّاسِ اَھْلَ الْفَضْلِ قَدْحَسَدُوْا

فَدَامَ لِیْ وَلَھُمْ مَا بِیْ وَمَابِھِمْ ۔۔۔ وَمَاتَ اَکْثَرُ نَاغَیْظًا بِمَایَجِدُوْا

(مسند ابن ابی العوام ص ۷۷)

قَالَ الْاِمَامُ اَبُوْدَاؤُدَ: رَحِمَ اللّٰہُ مَالِکًا کَانَ اِمَامًا، رَحِمَ اللّٰہُ الشَّافِعِیَّ کَانَ اِمَامًا، رَحِمَ اللّٰہُ اَبَاحَنِیْفَۃَ کَانَ اِمَامًا۔

(فتح الملھم ج ۱ ص ۱۸۹)

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی نَبِیِّہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ یَااَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

# امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

آپ کی کنیت ابوالحسین ہے اور لقب عساکر الدین، والد کا نام "حجاج" ہے اور دادا کا نام ورد ہے، سلسلہ نسب اس طرح ہے:
مسلم بن الحجاج بن ورد بن کوشاد، القشیری، النیشاپوری الخراسانی رحمہ اللہ "القشیر" عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ کا سلسلہ نسب اسی قبیلہ سے جاملتا ہے اس لئے اسی کی طرف منسوب ہیں، مگر عجم کی خمیر نے ایسا غلبہ حاصل کرلیا، جس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ، امام مسلم عجمی ہیں، کچھ علماء کا خیال ہے کہ قشیری نسبت ولاء ہے جس طرح امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ جعفی لگا ہے، جو نسبت ولاء ہے۔

## مولد و مسکن

امام مسلم رحمہ اللہ خراسان کے مشہور شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے، یہ شہر مشہد اور ہرات کے درمیان، ایران میں واقع ہے۔ یاقوت حموی نے معجم البلدان حرف شین میں اس شہر کی تعریف میں یہ شاندار کلمات لکھے ہیں "معدن الفضلاء و منبع العلماء" اور پھر لکھا ہے کہ نیشاپور سے اتنے علماء اور ائمہ علم نکلے ہیں، جن کا شمار نہیں ہوسکتا۔

علامہ تاج الدین سبکی رقم طراز ہیں کہ نیشاپور اتنا بڑا شہر تھا کہ عظمت شان میں بغداد اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتا ہے، اہل تاریخ نے اس کو ام البلاد کے نام سے یاد کیا ہے، لیکن چنگیز خان کے ہنگامہ ظلم سے یہ شہر تباہ ہوگیا، نیشاپور کو شاہ فارس خسرو کے وزیر شاہ پور بن اردشیر نے آباد کیا تھا۔ فارسی میں "نہ" شہر کو کہتے ہیں تو نیشاپور کا مطلب یہ ہوا کہ شاہ پور کا آباد کیا ہوا شہر شاہ پور وزیر کو خسرو نے وزارت سے فارغ کیا تھا کہتے ہیں کہ اس صدمہ سے اس نے آہ بھری یا وہ مرگیا چنانچہ شاعر نے کہا

شنیدم کہ شاہ پور دم در کشید چوں خسرو بنامش قلم درکشید

نیشاپور کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس میں اسلام کا سب سے بڑا مدرسہ "بیہقیہ" قائم ہوا جس سے بڑے بڑے علماء فارغ ہوئے، اس کے بعد مدرسہ نظامیہ بغداد میں قائم ہوا، جس سے امام غزالی رحمہ اللہ فارغ ہوئے۔

## سنہ پیدائش

امام مسلم کی تاریخ پیدائش میں کچھ اختلاف ہے بعض نے ۲۰۲ھ اور بعض نے ۲۰۴ھ اور بعض نے ۲۰۶ھ تاریخ پیدائش قرار دیا ہے۔
ان تینوں اقوال سے متعلق شاہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ نے ایک عمدہ قطعہ تحریر فرمایا ہے، فرماتے ہیں۔

كَانَ الْعَسَاكِرُ حَافِظًا وَمُحَدِّثًا جَمَعَ الصَّحِيحَ مُكَمَّلَ التَّحْرِيرِ

مِيلَادُهُ دُرٌ (۲۰۴) وَقِيلَ بَرٌ (۲۰۲) بَدْرٌ (۲۰۶) اِرْنِي (۲۶۱) وَفَاتُ وَدَانٌ (۵۵) بِالتَّبْشِيرِ

ابن اثیر رحمہ اللہ نے ۲۰۶ھ کو راجح قرار دیا ہے، امام مسلم نے چودہ سال کی عمر میں ۲۱۸ھ میں حدیث کا سماع شروع کیا تھا۔ آپ نے اپنے ہی شہر نیشاپور میں بڑے بڑے محدثین اور شیوخ الحدیث سے استفادہ کیا مثلاً اسحاق بن راہویہ، محمد بن یحیٰی ذہلی جیسے جبال العلم سے آپ نے پڑھا، امام بخاری رحمہ اللہ سے اسی نیشاپور میں کمال علم حاصل کیا، نیشاپور اور خراسان کے بڑے بڑے فضلاء سے آپ نے بھرپور علم حاصل کیا اور پھر علاقے سے باہر رحلات سعیدہ کا آغاز کیا۔

## علم حدیث کے سماع کے لئے اسفار اور مشہور اساتذہ

جیسا کہ لکھا گیا ہے کہ نیشاپور میں امام مسلمؒ نے امام بخاری، اسحاق بن راہویہ اور محمد بن یحیٰی ذہلی سے علم حدیث کا بڑا ذخیرہ حاصل کیا، پھر امام مسلم رحمہ اللہ نے حصول حدیث کے لئے عراق کا سفر کیا اور وہاں امام احمد بن حنبل جیسے علم کے پہاڑ سے حدیث کا درس لیا، عبداللہ بن مسلمہ قعنبی سے بھی عراق میں حدیث پڑھ لی۔

پھر امام مسلم رحمہ اللہ نے حجاز مقدس کا سفر کیا اور وہاں سعید بن منصور رحمہ اللہ سے حدیث میں کمال حاصل کیا، پھر آپ مصر گئے اور وہاں حرملہ بن یحیٰی رحمہ اللہ اور عمر بن سواد رحمہ اللہ سے علم پڑھا، پھر احمد بن سلمہ رحمہ اللہ کی رفاقت میں بصرہ اور بلخ کا سفر کیا اور وہاں کے محدثین سے علم پڑھا، آپ نے جن شیوخ سے پڑھا ہے اور ان کا نام مسلم میں درج کیا ہے ان کی تعداد دوسو گیارہ (۲۱۱) ہے جو آپ کے مشہور شیوخ الحدیث ہیں، وفات سے دو سال قبل آپ کا آخری سفر پھر بغداد کی طرف ہوا، اس آخری سفر میں امام مسلم نے محمد بن مہران رحمہ اللہ اور ابو غسان مسمعی رحمہ اللہ سے حدیث پڑھ لی۔ آپ نے اپنے مشہور و معروف استاذ عبدالرحمٰن دارمی رحمہ اللہ سے اسی آخری سفر میں حدیث کا سماع کیا، صحاح ستہ میں "دارمی" انہیں کی تصنیف ہے خلاصہ یہ کہ

شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو — چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے

## امام مسلم کے مشہور تلامذہ

آپ کے تلامذہ کثیر بھی ہیں اور مشہور بھی ہیں مثلاً امام ترمذی رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں، کتاب الصوم میں امام ترمذی نے اپنے استاذ امام مسلم سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث بھی جامع ترمذی میں نقل فرمائی ہے الفاظ یہ ہیں "اَحْصُوْا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ" شیخ ابو عوانہ رحمہ اللہ صاحب مسند ابو عوانہ آپ کے شاگرد ہیں، وقت کے امام ابو حاتم رازی آپ کے شاگرد ہیں ابوبکر بن خزیمہ رحمہ اللہ صاحب صحیح ابن خزیمہ آپ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، مسلم شریف کے راوی ابراہیم بن محمد بن سفیان رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں اور آپ کے رفیق سفر احمد بن سلمہ رحمہ اللہ آپ کے خاص تلامذہ میں سے ہیں۔ یہ چند تلامذہ امام مسلم کے ایسے شاگرد ہیں جو علم و معرفت اور عزت اور عظمت کے اعتبار سے امام مسلم کے پائے کے لوگ ہیں۔

## امام مسلم کا زہد وتقویٰ

ایک عالم وفاضل اور محدث کبیر ہونا خود تقوی کا بڑا مقام ہے، لیکن امام مسلم نے اس کے باوجود اپنی زندگی کے ایسے عجیب نمونے چھوڑے ہیں جو پوری امت کے لئے باعث عبرت ہیں، کہتے ہیں کہ آپ نے زندگی بھر کبھی کسی کی غیبت نہیں کی نہ کسی کو مارا اور نہ کسی کو گالی دی، نہایت پاکیزہ اخلاق کے مالک، انسان دوست اور انصاف پسند انسان تھے، اپنے اساتذہ کا بے حد احترام کرتے تھے اور ان سے عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ خلق قرآن کے مسئلہ میں جب محمد بن یحییٰ ذہلی رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا، تو شیخ ذہلی رحمہ اللہ نے اپنے طلبہ کے سامنے یہ اعلان کیا:

الامن كان يقول بقول البخاري في مسئلة اللفظ بالقرآن فليعزل مجلسنا ۔ (البدایۃ والنهایۃ ج ۱۱ ص ۳۴)

اس پر امام مسلم رحمہ اللہ اپنے استاذ امام بخاری کی محبت میں کھڑے ہوگئے اور ذہلی کی مجلس چھوڑ کر ان کے مسموعات کا مسودہ ان کو واپس کیا اور امام بخاری رحمہ اللہ کے پاس چلے آئے۔

ایک دفعہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنے استاذ امام بخاری رحمہ اللہ کی محبت وعقیدت میں فرمایا:

دَعْنِي اُقَبِّلُ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ يَا اُسْتَاذَ الْاَسْتَاذِيْنَ وَيَاسَيِّدَ الْمُحَدِّثِيْنَ وَطَبِيْبَ الْحَدِيْثِ فِي عِلَلِهِ ۔

یہ سب کچھ آپ کے علم وعمل اور زہد وتقوی کا نتیجہ تھا۔

## امام مسلم رحمہ اللہ کے فضل وکمال کا اعتراف

اللہ تعالی نے امام مسلم رحمہ اللہ کو کمال درجہ ذہن وحافظہ عطا فرمایا تھا اس وجہ سے آپ کے تلامذہ اور عوام الناس کے علاوہ آپ کے اساتذہ نے کھلے الفاظ میں آپ کے فضل وکمال کا اعتراف کیا چنانچہ......

۱۔ آپ کے استاذ اسحٰق بن راہویہ رحمہ اللہ نے آپ کے بارے میں فرمایا "اَیُّ رَجُلٍ یَکُوْنُ هٰذَا ؟" خدا جانے یہ آدمی کتنا بڑا آدمی بنے گا۔ (فتح الملہم ص ۲۷۹)

۲۔ احمد بن سلمہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ ابوزرعہ رحمہ اللہ اور ابوحاتم رازی رحمہ اللہ امام مسلم رحمہ اللہ کو احادیث صحیحہ کی معرفت میں ان کے ہمعصر مشائخ اور محدثین پر ترجیح دیتے تھے۔

۳۔ ابوعمر حمدان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے شیخ ابن عقدہؒ سے پوچھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ حافظ تر ہیں یا امام مسلم رحمہ اللہ؟ انہوں نے کہا کہ بھائی دونوں عالم ہیں، یہ بات چھوڑ دو۔ میرے اصرار پر آپ نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اہل شام کے محدثین سے حدیث لینے میں کبھی کبھی غلطی کر جاتے ہیں کہ نام وکنیت میں فرق نہیں کر پاتے لیکن امام مسلم رحمہ اللہ سے اس میں کبھی کوئی غلطی نہیں ہوئی ہے۔

۴۔ امام مسلم رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد محمد بن بشار رحمہ اللہ اور حافظ ابو قریش رحمہ اللہ نے کہا کہ دنیا میں حدیث کے حفاظ چار ہیں:

ا۔سمرقند میں امام دارمی ۲۔شام میں ابوزرعہ ۳۔بخارا میں امام بخاری ۴۔اور نیشاپور میں امام مسلم ہیں۔

شیخ اسحاق کوسج رحمہ اللہ نے امام مسلم کو مخاطب کر کے فرمایا:

''لَنْ نُعْدِمَ الْخَيْرَ مَاأَبْقَاكَ اللّٰهُ لِلْمُسْلِمِيْنَ''۔

جب تک اللہ تعالیٰ آپ کو مسلمانوں کے لئے باقی رکھے گا ہم خیر اور بھلائی کو گم نہیں کریں گے۔(فتح الملہم: ج۱ص۲۸۹)

## تصانیف

امام مسلم رحمہ اللہ کی ۱۸سے زیادہ تصانیف ہیں مگر آپ کی زندہ وتابندہ مایہ ناز تصنیف ''المسند الصحیح لمسلم'' ہے دیگر تصانیف کے نام یہ ہیں:

① المسند الکبیر ② الجامع ③ الکنی والاسماء ④ الافراد والوحدان ⑤ الاقران ⑥ مشائخ الثوری ⑦ تسمیۃ شیخ مالک وسفیان وشعبۃ ⑧ کتاب المخضرمین ⑨ کتاب اولاد الصحابۃ ⑩ اوھام المحدثین ⑪ الطبقات ⑫ افراد الشامیین ⑬ التمیز ⑭ العلل ⑮ سؤالات احمد بن حنبل ⑯ کتاب حدیث عمرو بن شعیب ⑰ کتاب الانتفاع باُھُبِ السباع۔

## صحیح مسلم کا مقام ومرتبہ

امام مسلم رحمہ اللہ کا اپنا بیان ہے کہ انہوں نے تین لاکھ مسموع احادیث میں سے انتخاب کر کے صحیح مسلم تیار کی ہے، جس کا نام ''المسند الصحیح لمسلم'' ہے جس کو ''الجامع الصحیح لمسلم'' بھی کہتے ہیں۔ آپ نے یہ کتاب پندرہ یا سولہ سال میں تصنیف فرمائی ہے۔ صحیحین میں فضیلت کے اعتبار سے ترتیب اس طرح ہے کہ جمہور علماء اور محدثین کے نزدیک کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری کا مقام ہے، پھر صحیح مسلم کا درجہ ہے، لیکن علمائے مغاربہ کا دعویٰ یہ ہے کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح مسلم کا مقام ہے اور پھر بخاری کا درجہ ہے، یہ قول شاذ ہے اور اس کا فیصلہ موازنہ اور محاکمہ بعد میں آرہا ہے۔

## مسلم شریف کی تصنیف کی وجہ

پہلی وجہ یہ ہے کہ ذخیرۂ احادیث میں سب سے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ نے

''الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ''

کے نام سے احادیث پر مشتمل ایک کتاب مرتب فرمائی، اس کے بعد امام مسلم رحمہ اللہ کو احادیث صحیحہ کے جمع کرنے کا شوق پیدا ہوا امام بخاری رحمہ اللہ کے پیش نظر چونکہ احادیث سے استنباط اور فقہی مسائل کا استخراج تھا، اس لئے مجبوراً آپ کو اشتات جمع کرنا پڑا، اس وجہ سے احادیث کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کے فتوے اور فیصلے بھی اس کتاب میں آگئے، جس سے کتاب منتشر ہوگئی اور ٹکڑوں میں بٹ گئی، لیکن امام مسلم رحمہ اللہ کا مقصد استنباط واستخراج نہیں تھا، بلکہ صرف صحیح احادیث کا جمع کرنا مقصود تھا، اس لئے آپ کو حسن ترتیب اور تمام اسناد اور متونِ صحیحہ کے جمع کرنے کا خوب موقع ملا، اس لئے آپ نے بھرپور انداز سے فائدہ اٹھایا، جس سے آنے والی نسل کو احادیث تلاش کرنے میں بہت سہولت فراہم ہوگئی۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء

دوسری وجہ یہ کہ امام مسلم کے شاگرد اور رفیق سفر احمد بن سلمہ نے آپ سے ایک مختصر مگر جامع کتاب کی تصنیف کرنے کی درخواست کی تھی، جو صحیح احادیث پر مشتمل ہو، آپ نے صحیح مسلم لکھ دی۔

## طرز تالیف اور اہتمام تصنیف

امام مسلم رحمہ اللہ نے کسی حدیث کی صحت میں صرف اپنی تحقیق اور اپنے حافظہ پر اکتفا کیا اور قناعت نہیں کی، بلکہ جس حدیث کو مشائخ حدیث اور کبار محدثین نے صحیح قرار دیا، اس کو قبول کیا، خود امام مسلم کا اس کتاب مسلم کے صفحہ ۱۷۴ پر یہ بیان ہے کہ میں نے ہر صحیح حدیث کو اپنی کتاب میں درج نہیں کیا ہے، بلکہ میں نے اس صحیح حدیث کو یہاں درج کیا ہے، جس پر شیوخ الحدیث کا اتفاق ہو چکا ہے۔

امام مسلم نے شیوخ الحدیث سے چار بزرگ مراد لیے ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں (۱) احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۲) عثمان بن ابی شیبہ رحمہ اللہ (۳) یحییٰ بن معین رحمہ اللہ (۴) سعید بن منصور رحمہ اللہ۔ مگر علامہ عثمانیؒ نے احمد بن حنبل، ابوزرعہ، ابوحاتم اور یحیٰ بن معین مراد لیا ہے۔ (فتح الملہم)

خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے تین لاکھ احادیث سے مکررات کے ساتھ بارہ ہزار احادیث صحیحہ کا انتخاب کر کے صحیح مسلم کو مرتب فرمایا، جب ان بارہ ہزار احادیث سے مکررات کو الگ کریں گے، تو چار ہزار احادیث صحیحہ غیر مکررہ کا مجموعہ رہ جائے گا۔

(کذا قال ابن صلاح)

بعض علماء کی یہ رائے زیادہ اچھی لگتی ہے، کہ صحیح مسلم میں مکررات کی تعداد آٹھ ہزار ہے اور مکررات کے سقوط کے بعد تعداد چار ہزار ہے، جب یہ مجموعہ پندرہ سال کے طویل عرصہ میں بڑی محنتوں کے بعد تیار ہوگیا، تو امام مسلم نے اسکو وقت کے امام شیخ کبیر ابوزرعہ رحمہ اللہ کے سامنے تصحیح کی غرض سے پیش کیا، شیخ ابوزرعہ رحمہ اللہ نے جن روایات کو معلل قرار دیا امام مسلمؒ نے اس کو اپنی کتاب سے خارج کر دیا اس طرح صحیح مسلم نہایت صحت کے ساتھ وجود میں آگئی اس موقع پر امام مسلم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آئندہ دوسو سال تک جب محدثین حدیث لکھیں گے تو وہ اس کتاب سے استفادہ کریں گے۔

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

آج بارہ سو سال تک مدارس اور علماء و محدثین اس کتاب پر انحصار کر رہے ہیں اور اس کو معیار قرار دے رہے ہیں۔

صحیحین نے جس احتیاط سے احادیث کو جمع کیا ہے اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں، بلکہ محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ ان دونوں کتابوں میں جو کچھ احادیث ہیں وہ مرفوع اور متصل اور صحیح ہیں، اور جو شخص ان کتابوں کے معاملہ میں شک اور تردد کریگا وہ مبتدع اور ضال ہوگا اور مسلمانوں کے راستے سے الگ ہوگا۔ (فتح الملہم: ج ۱ص۳۰۰)

قال الشاه ولي الله في حجة الله البالغة: "وأما الصحيحان فقد اتفق على ان جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع وإنهما متواتران إلى مُصَنِّفِيهِمَا وانه كل من يهوّن أمرهما فهو مبتدع متبع غير سبيل المسلمين ۔(فتح الملہم: ج ۱ص ۳۰۰)

احمد سعید چتروڑگڑھی اور ان کے پیروکاروں کو سوچنا چاہئے کہ وہ بدعتی بن رہے ہیں، کیونکہ اس نے صحیح بخاری کی احادیث کے خلاف ایک غلیظ کتاب لکھی ہے، جس میں بعض عبارات موجب کفر ہیں۔

## تراجم ابواب

امام مسلم رحمہ اللہ نے جس انداز سے احادیث کو ایک موضوع سے متعلق اکٹھا فرمایا ہے، اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پہلے عنوان کو ذہن میں رکھا تھا اور پھر احادیث کو جمع فرمایا تھا لیکن نہ معلوم کس وجہ سے آپ نے اپنے ہاتھ سے عنوانات قائم نہیں کیے، یہ ایسی کمی رہ گئی ہے جو اب تک پوری نہ ہو سکی اور نہ آئندہ امید کی جا سکتی ہے، مسلم شریف کے حاشیہ پر جو عنوانات نظر آرہے ہیں یہ امام نووی رحمہ اللہ نے لگائے ہیں، امام نووی عنوانات لگانے میں طبعی طور پر طوالت پسند تھے، اس لئے ریاض الصالحین اور مسلم شریف دونوں کے عنوانات معیاری نہیں ہیں، نیز آپ نے عنوانات لگاتے وقت اپنے مسلکی نقطہ نظر کو بھی مدنظر رکھا ہے، جس سے ان عنوانات کی افادیت بہت کم رہ گئی ہے، اسی وجہ سے شارح مسلم علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والانصاف انه لم يترجم الى اليوم بمايليق بشان هذاالمصنف الجليل ولعل الله ان يوفق عبداً من عباده لمايؤدي حقه وبيده التوفيق۔ (فتح الملہم: ج ۱ص ۲۲۸)

یعنی انصاف یہ ہے کہ اس عظیم الشان کتاب کی شان کے مطابق آج تک عنوانات قائم نہ ہو سکے، شاید آئندہ اللہ تعالیٰ اس کام کے لئے اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو توفیق دیدے، جو اس کتاب کا حق ادا کرے، توفیق اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

## صحاح ستہ کا مصداق

صحاح ستہ میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد اور سنن نسائی پانچوں کتابیں بالاتفاق داخل ہیں، اب چھٹی کتاب میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے موطا مالک کو مانا ہے، بعض علماء نے مسند دارمی کو رکھا ہے، بعض علماء نے ابن ماجہ کو صحاح ستہ کی

چھٹی کتاب تسلیم کیا ہے،یہی قول زیادہ مشہور اور قابل قبول ہے، طحاوی کی بازگشت بھی کبھی کبھی سنی جاتی ہے، لیکن میدان مقابلہ میں یہ کتاب نظر نہیں آتی ،صحاح ستہ کے اطلاق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بخاری اور مسلم دونوں نے اخراج حدیث کے لئے اپنی اپنی شرائط کا التزام تو کیا ہے، لیکن انہوں نے یہ التزام کبھی بھی نہیں کیا ہے کہ دنیا میں جتنی صحیح حدیثیں ہیں وہ سب انہوں نے اپنی تصنیفات میں سمیٹ کر جمع کر دی ہیں، بلکہ ان دونوں نے خود واضح الفاظ میں یہ اعلان کیا ہے کہ ہم نے تمام صحیح احادیث کا اپنی کتابوں میں اندراج نہیں کیا ہے، بلکہ بے شمار صحیح احادیث ایسی بھی ہیں جو ان کتابوں سے باہر دوسری کتابوں میں ہیں، للہذا عرب وعجم کے بعض سطحی نظر رکھنے والے شکی قسم کے لوگوں کا یہ وسوسہ غلط ہے، کہ صحیح حدیث وہی ہوگی جو بخاری اور مسلم میں موجود ہوگی، ورنہ صحیح نہیں ہوگی۔ابو علی نیشاپوری نے جب صحیح مسلم کا مسودہ تصحیح کے لئے ابوزرعہ رحمہ اللہ پر پیش کیا تو انھوں نے فرمایا کہ امام مسلم نے یہ کتاب لکھ کر اہل بدعت کے لئے اہل سنت کے خلاف دلیل فراہم کر دی، اہل بدعت کہیں گے کہ جو حدیث مسلم میں نہیں وہ صحیح نہیں ہے،شاگرد نے نیشاپور پہنچ کر امام مسلم کو بتا دیا تو امام مسلم نے کہا کہ میں نے کب کہا ہے کہ میں نے تمام صحیح احادیث کو اپنی کتاب میں درج کیا ہے،امام مسلم نے اس طرح جملہ صحیح کے مسلم ج۱ ص۱۷۴ پر بھی لکھ دیا ہے۔

## صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا تقابل

علامہ جزائری فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری کی فوقیت صحیح مسلم پر ایک ثابت شدہ حقیقت ہے ، بڑے بڑے علماء اور اصحاب جرح وتعدیل کے مشہور اکابر کا اس پر اتفاق ہے، کسی نے اس کے خلاف نہیں کیا ہے، البتہ ابوعلی نیشاپوری فرماتے ہیں کہ

''ماتحت ادیم السماء اصح من کتاب مسلم''یعنی آسمان تلے صحیح مسلم سے زیادہ صحیح کتاب نہیں ہے۔ (فتح الملہم ج۱ ص۲۶۸)

حافظ ابن قاسم قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ اسلام میں کسی نے صحیح مسلم کی طرح کوئی کتاب نہیں لکھی ہے۔

(فتح الملہم ج۱ ص۲۶۹)

قاضی عیاض اپنی کتاب ''السماع''میں لکھتے ہیں کہ ابومروان فرماتے تھے، کہ میرے بعض شیوخ صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر فوقیت دیتے تھے،ابن حزم اندلسی کے متعلق بھی یہی لکھا ہے کہ وہ صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دیتے تھے۔

ابوعلی زاغونی کو ایک ثقہ شخص نے خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا، کہ آپ کی نجات کس عمل سے ہوئی؟ تو انہوں نے صحیح مسلم کے چند اجزا کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان اجزا کی برکت سے میری نجات ہوئی۔

شیخ حافظ عبدالرحمٰن نے اس پورے تقابل کا اس طرح دو شعروں میں فیصلہ سنا دیا ہے۔

تَنَازَعَ قَوْمٌ فِی الْبُخَارِیِّ وَ مُسْلِمٍ لَدَیَّ وَقَالُوْا اَیُّ ذَیْنِ یُقَدَّمُ

فَقُلْتُ لَقَدْ فَاقَ الْبُخَارِیُّ صِحَّۃً کَمَا فَاقَ فِیْ حُسْنِ الصِّنَاعَۃِ مُسْلِمٌ

یعنی صحت کے اعتبار سے بخاری اعلیٰ ہے، لیکن حسن ترتیب میں مسلم اعلیٰ ہے، اس شعر پر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ بہت زیادہ غصہ ہو جاتے اور فرماتے کہ امام بخاری نے ترتیب کا ارادہ نہیں کیا، اگر وہ ایسا ارادہ کرتے تو مسلم سے اعلیٰ ترتیب لا سکتے تھے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے صحیح بخاری پر صحیح مسلم کو ترجیح دی ہے، ''بستان المحدثین'' میں آپ لکھتے ہیں کہ امام مسلم جب حدیث نقل کرتے ہیں تو دو دو صحابی پھر دو دو تابعی کی آخر سند تک شرط لگاتے ہیں، تب روایت قبول کرتے ہیں، امام بخاری کے ہاں ایسا نہیں ہے، نیز امام مسلم راویوں میں عدالت کی شرط نہیں بلکہ شہادت کی شرط لگاتے ہیں، جو بہت کڑی شرط ہے۔ بندۂ عاجز کہتا ہے کہ جن حضرات نے دونوں کتابوں میں ترجیح اور تقابل کا جھگڑا کھڑا کر دیا ہے۔ میرے خیال میں اس کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ہر ترجیح دینے والے نے ہر کتاب کی ممتاز حیثیت اور خصوصی کارکردگی کو پیش نظر رکھا ہے، ظاہر ہے ہر کتاب میں کوئی نہ کوئی امتیازی شان تو ہوتی ہے، اس سے کلی طور پر ہر ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا سمجھ میں نہیں آتا۔

بہر حال جمہور علما کے نزدیک صحیح بخاری کی بہت اونچی شان ہے اور بڑا مقام ہے، جو استاذ کئی سال تک بخاری شریف پڑھاتا ہے، تو یہ کتاب پڑھانے والے استاذ کو اپنا عاشق بناتی ہے، اپنا گرویدہ اور دیوانہ بناتی ہے، صحیح مسلم میں اس طرح کی کیفیت نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ محدثین اور اصحاب الجرح والتعدیل نے بخاری و مسلم میں جب متکلم فیہا روایات کو تلاش کیا تو بخاری کے مقابلے میں صحیح مسلم میں اس قسم کی روایات زیادہ نکلی ہیں۔ ایک شعر میں تناسب اس طرح ہے۔

فَدَعَدٌ لِجُعْفِیِّ وَقَافٌ لِمُسْلِمٍ ۔۔۔ وَبَلْ لَهُمَا فَاحْفَظْ وُقِیْتَ مِنَ الرَّدیٰ
(۷۸ ۔ ۱۰۰ ۔ ۳۲)

ابجد کے حساب سے دعد سے ۷۸ کی عدد نکلتی ہے اور قاف سے ایک سو کی عدد نکلتی ہے اور بل سے ۳۲ کی عدد نکلتی ہے۔ اس طرح صحیح مسلم میں متکلم فیہا روایات ۱۳۲ ہیں اور صحیح بخاری میں متکلم فیہا روایات ۱۱۰ ہیں۔

ربیع یمنی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی محبت میں جوش میں آ کر دو شعر لکھ دیے ہیں:

اِنَّ صَحِیْحَ مُسْلِمٍ یَا قَارِیْ ۔۔۔ لَبَحْرُ عِلْمٍ مَالَهُ مُجَارِیْ

سَلْسَالُ مَا سُلْسِلَ مِنْ حَدِیْثِهٖ ۔۔۔ اَلَذُّ مِنْ مُكَرَّرِ الْبُخَارِیْ

قارئین سے گزارش ہے کہ ایک بار پھر شروط الائمہ کو پڑھیں، جو ابتدائی مباحث میں درج ہیں اس سے فرق مراتب کا خوب اندازہ ہو جائے گا۔

## صحیح مسلم کے ناقلین

صحیح مسلم کا مشہور ناقل اور مشہور راوی ابراہیم بن محمد بن سفیان نیشاپوری متوفی ۳۰۸ھ ہیں، دوسرے ناقل احمد بن علی قلانسی ہیں

اور تیسرے ناقل احمد بن سلمہ ہیں جو امام مسلم کا رفیق سفر بھی رہا ہے۔ان ناقلین نے جو کچھ اکٹھا کر کے نقل کیا ہے وہ مکررات کے ساتھ بارہ ہزار حدیثیں ہیں اور مکررات کے حذف کے بعد اس کی تعداد چار ہزار احادیث ہیں، امام مسلم نے تین لاکھ احادیث سے یہ انتخاب کیا ہے اور اپنے شاگردوں کے سامنے سنانے سے رمضان ۲۵۷ھ میں فارغ ہوئے۔ (بحوالہ ظفر المحصلین)

## صحیح مسلم میں مراسیل و منقطع کی تعداد

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں دس مرسل حدیثیں ذکر فرمائی ہیں لیکن اسی کتاب کے دوسرے مقامات میں ان کو متصل نقل کیا ہے اور ارسال ختم کردیا ہے۔صحیح مسلم میں امام مسلم نے چودہ احادیث منقطع ذکر فرمائی ہیں اور تین حدیثیں معلق درج فرمائی ہیں،ایک معلق حدیث باب التیمم میں ہے،دوسری معلق کتاب الحدود میں اور تیسری معلق کتاب البیوع میں ہے۔

## صحیح مسلم میں کتب وابواب کی تعداد

علامہ محمد فواد عبدالباقی فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم میں ۵۴ کتب کے عنوانات لگے ہوئے ہیں اور ۱۳۲۹ عنوانات ابواب کے مذکور ہیں۔

## صحیح مسلم میں امام بخاری سے روایت کیوں نہیں؟

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ امام بخاری رحمہ اللہ کے خصوصی شاگرد ہیں اور آپ کو اپنے استاذ سے غایت درجہ کی عقیدت ومحبت ہے،پھر حیرانی کی بات ہے کہ پوری کتاب میں امام مسلم نے اپنے استاد امام بخاری سے ایک بھی حدیث روایت نہیں کی،اس کی وجہ کیا ہے؟اس سوال کا جواب علامہ ذہبی نے اعلام سیر النبلاء میں اس طرح دیا ہے۔

ثُمَّ اِنَّ مُسْلِمًا لِحِدَّةٍ فِي خُلُقِهٖ اِنْحَرَفَ اَيْضًا عَنِ الْبُخَارِيِ وَلَمْ يَذْكُرْ لَهٗ حَدِيْثًا وَلَا سَمَّاهُ فِي صَحِيْحِهٖ

یعنی پھر امام مسلم اپنی تیز مزاجی کی وجہ سے امام ذہلی کی طرح امام بخاری سے بھی برگشتہ ہو گئے تھے،اس لئے انہوں نے امام بخاری کی کوئی حدیث ذکر نہیں کی اور نہ اپنی کتاب میں کسی جگہ امام بخاری کا تذکرہ کیا ہے۔امام ذہبی نے تعلقات کے خراب ہونے کی وجہ حدیث معنعن بتائی ہے،مگر دیگر علماء فرماتے ہیں کہ شاید اس کے علاوہ کوئی وجہ ہو اور وہ یہ کہ امام مسلم نے شرط لگائی ہے کہ میں وہ حدیث نقل کروں گا جس کے سند پر محدثین کا اجماع ہو اور چونکہ امام بخاری اور محمد بن ذہلی کے درمیان خلق قرآن پر بڑا اختلاف کھڑا ہوا تھا،اس لئے امام مسلم نے دونوں کی حدیثوں کو متنازع سمجھ کر چھوڑ دیا۔واللہ اعلم

## مناولہ،وجادہ،اجازہ کی بحث

علامہ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مناولہ لغت میں عطیہ کے معنی میں ہے اور اصطلاح فن میں اس کی تعریف یہ ہے۔

اعطاء الشیخ الطالب شیئا من مروياته مع اجازته صریحا او کنایة ۔

مناولہ دو قسم پر ہے: ۱ ۔مقرونة بالاجازة الصریحة ۲ ۔ مجردة عن الاجازة

پہلی قسم میں شیخ واضح الفاظ میں کہتے ہیں کہ یہ میری مرویات کی کتاب ہے میری طرف سے تجھے اجازت ہے کہ اس کی روایت کرو۔ دوسری قسم میں شیخ صرف اتنا کہتا ہے کہ یہ میری مسموع روایات ہیں یا میری روایت کردہ احادیث ہیں۔شیخ یہ نہیں کہتا کہ اس کو میری طرف سے روایت کر۔

مناولہ مقرونہ بالاجازة میں آدمی روایت الحدیث کے تمام الفاظ استعمال کرسکتا ہے، البتہ اپنے سامنے سننے پڑھنے کی روایت سے اس کا درجہ کم تر ہے اور مناولہ مجردہ کے بارے میں علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس کی روایت جائز نہیں ہے۔عام علماء اصول اور فقہاء نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الملہم: ج ا ص ۲۱۲)

تحمل حدیث کی اقسام میں سے ایک قسم ''وجادہ'' ہے وجادہ پالینے کے معنی میں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی عالم کو احادیث کا کوئی مجموعہ ملا جو اس کے راوی کے خط کے نمونے پر لکھا ہوا ہو، اس کے سوا کچھ نہ ہو، پانے والے کو لکھنے والے کی طرف سے نہ اجازت ملی، نہ اس نے لکھنے والے سے سنا ہے نہ پڑھا ہے، تو وہ جب وجادہ سے حدیث روایت کرے گا تو کہے گا، کہ مجھے فلاں کے خط سے لکھا ہوا مجموعہ ملا ہے، یا یہ کہے کہ میں نے اس خط کو دیکھ کر پڑھا ہے، اس میں لکھا ہے کہ ''حدثنا فلان عن فلان الخ'' اکثر محدثین اور فقہاء مالکیہ کے نزدیک اس طرح حدیث کا نقل کرنا جائز نہیں ہے، نہ اس پر عمل جائز ہے، لیکن محققین شوافع کہتے ہیں کہ اس طرح حدیث نقل کرنا جائز ہے اور اس پر عمل واجب ہے امام مسلم نے چند روایات کو وجادہ کے طریقہ پر نقل کیا ہے۔

(فتح الملہم: ج ۱ ص ۲۱۶)

تحمل حدیث کی اقسام میں سے ایک قسم ''اجازہ'' ہے اجازہ دو قسم پر ہے۔

ایک قسم یہ ہے کہ جس کو اجازت دی جارہی ہے، وہ عالم ہے اور اس نے کتاب کو دیکھ کر پڑھا، پھر اجازت دینے والے نے ان سے کہا کہ اس کتاب کی سند سے میں تمہیں حدیث کرنے کی اجازت دیتا ہوں، یہ اجازت صحیح ہے، لیکن اگر وہ شخص عالم نہیں ہے تو اس طرح اجازت باطل ہے، امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آج کے زمانے میں تمام احادیث مدوّن ہوکر کتابوں کی شکل میں آگئی ہیں لہٰذا آج اگر کوئی شخص حدیث لاکر بیان کرتا ہے اور وہ حدیث مدون کتابوں میں موجود نہیں ہے تو اس طرح اس شخص کی کوئی حدیث قبول نہیں کی جائے گی۔

## مکاتبہ اور مراسلہ کی بحث

تحمل حدیث کی اقسام میں سے ایک قسم مکاتبہ اور کتابت کی صورت ہے، مثلاً ایک عالم حدیث کی کوئی کتاب کسی اور عالم کے نام

روانہ کرتا ہے اوران سے کہتا ہے کہ مجھے فلاں نے یہ حدیثیں بیان کی ہیں، جب میرا خط تمہیں پہنچ جائے تو آپ میری جانب سے اسی اسناد کے ساتھ یہ حدیثیں بیان کیا کریں۔

اور ''رسالہ'' کی صورت یہ ہے کہ حدیث کے ایک شیخ اپنا قاصد کسی عالم کی طرف روانہ کرتے ہیں اور قاصد سے کہتے ہیں کہ میری طرف سے ان کو بتادو کہ مجھے فلاں بن فلاں نے فلاں بن فلاں سے سند کے ساتھ یہ حدیثیں بیان کی ہیں، جب میرا یہ رسالہ آپ تک پہنچ جائے تو آپ میرے حوالہ سند کے ساتھ روایت کریں۔ (فتح الملہم ج۱ص۲۰۰)

کتاب التقاضی الی التقاضی کی صورتوں کو بھی فقہاء نے اسی قسم کا لکھا ہے۔

تحمل حدیث کے لئے علماء نے پانچ سال کی عمر کی شرط لگائی ہے، بعض نے چار سال کا قول کیا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ تحمل حدیث کے لئے کسی عمر کی شرط نہیں ہے البتہ سن شعور کی ضرورت ہے کہ لڑکا ہوشیار، سمجھدار ہو اس کے قول میں سنجیدگی اور وقار ہو اس کے تمام حواس بیدار ہوں، ایسا لڑکا تحمل حدیث کرسکتا ہے۔ (فتح الملہم ص۲۰۴)

درجات کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ درجہ اس حدیث کا ہے جو بخاری ومسلم دونوں میں ہو، پھر اس کا ہے جو صرف بخاری میں ہو، تیسرا درجہ اس کا ہے جو صرف مسلم میں ہو، چوتھا درجہ اس کا ہے جو بخاری ومسلم کی شرط پر ہو، پھر پانچواں درجہ اس کا ہے جو صرف بخاری کی شرط پر ہو، مگر اس نے درج نہ کیا ہو، چھٹا درجہ اس کا ہے کہ جو صرف مسلم کی شرط پر ہو، مگر اس نے درج نہ کیا ہو، ساتواں درجہ اس حدیث کا ہے جو ان دونوں کی شرط پر نہ ہو۔ (فتح الملہم ص۲۶۵)

## صحیح مسلم کی شروحات

صحیح مسلم کی شان جتنی اونچی ہے، اسی اعتبار سے علماء کرام نے اس کتاب کی تشریحات کا اہتمام کیا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم کی کل شروحات ۱۸ ہیں، لیکن اکثر عربی میں ہیں، حقیقت یہ ہے کہ تاحال اردو زبان میں صحیح مسلم کی قابل ذکر خدمت ابھی باقی ہے۔

۱ ......''المعلم بفوائد کتاب مسلم'' ازمحمد بن علی مازری متوفی ۵۳۶ھ۔

۲ ......''اکمال المعلم بفوائد کتاب مسلم''ازقاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ۔

۳ ......''المفھم لمااشکل من تلخیص کتاب مسلم '' ازاحمد بن عمرقرطبی متوفی ۶۵۶ھ۔

٤ ......''المنھاج شرح مسلم بن الحجاج'' ازیحیی بن شرف الدین نووی متوفی ۶۷۶ھ۔

٥ ......''اکمال اکمال المعلم'' ازمحمدبن خلیفہ وشبتانی أبی متوفی ۸۲۷ھ۔

٦ ......''الدیباج''ازجلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ۔

۷ ......''حاشیہ سندھی'' ازمحمد بن عبدالھاد ٹھٹوی متوفی ۱۱۳۸ھ۔

۸......"فتح الملھم شرح صحیح مسلم" ازشبیراحمد عثمانی کراچوی متوفی

۹......"الحل المفھم"ازمولانارشیداحمد گنگوھی۔

۱۰......"المفھم شرح غریب مسلم" ازعبدالرحمن بن عبدالعلی فارسی متوفی ۵۲۹ھ۔

۱۱......"شرح ابی الفرج" ازعیسی بن مسعودزواوی متوفی ۷۴۳ھ۔

۱۲......"منھاج الابتھاج شرح مسلم بن الحجاج"ازاحمدبن محمدمتوفی ۹۲۳ھ۔

۱۳......شرح علی القاری ھروی حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ۔

۱٤......"شرح زوائد مسلم "ازعمروبن علی بن الملقن متوفی ۸۰۴ھ۔

۱۵...... "السراج الوھاج"نواب صدیق حسن خان متوفی ۱۳۰۷ھ۔

۱٦......"مکمل اکمال الاکمال" ازمحمدبن محمد بن یوسف سنوسی متوفی ۸۹۵ھ۔

۱۷......"معلم ترجمہ اردو مسلم "ازمولانا وحیدالزمان سلفی متوفی ۱۳۳۸ھ۔

۱۸......"شرح صحیح مسلم"ازمولانا غلام رسول سعیدی بریلوی (حیات)

۱۹......"تحفۃ المنعم شرح صحیح مسلم "ازبندہ فضل محمد بن نورمحمدیوسف زئی دیوبندی (حیات)۔

## امام مسلم رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات

امام مسلم رحمہ اللہ کی وفات کا قصہ بھی عجیب ہے، کہتے ہیں کہ عام مجلس میں کسی نے آپ سے ایک حدیث پوچھ لی، اتفاق سے آپ کے ذہن میں حدیث مستحضر نہیں تھی، جب آپ گھر تشریف لے گئے تو حدیث ڈھونڈنے لگے، اس وقت کھجوروں کا ایک ٹوکرہ بھی حاضر کیا گیا، آپ مسئلہ ڈھونڈتے رہے اور ٹوکرہ سے ایک ایک کھجور کھاتے رہے ادھر ٹوکرہ صاف ہوا ادھر حدیث مل گئی، لیکن حدیث میں انہماک کی وجہ سے کھجور کھانے میں اندازہ نہ کرسکے، یہی زیادہ کھانا باعث موت ثابت ہوا، چنانچہ ۲۵ رجب ۲٦۱ھ مطابق ۸۷۵ء اتوار کی شام پیر کی رات ۵۷ سال کی عمر میں امام مسلم اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان للہ و انا الیہ راجعون پیر کے دن آپ کا جنازہ اٹھا اور نیشاپور شہر سے باہر نصیر آباد میں احادیث مقدسہ کا یہ خزانہ دفن کیا گیا لیکن

اَخُو الْعِلْمِ حَیٌّ خَالِدٌ بَعْدَ مَوْتِہٖ ۔۔۔ وَ اَوْ صَالُہٗ تَحْتَ التُّرَابِ رَمِیْمٌ

وَ قَدْ فَارَقَ النَّاسُ الْاَحِبَّۃَ قَبْلَنَا ۔۔۔ وَاَعْیَا دَ وَاءُ الْمَوْتِ کُلَّ طَبِیْبٍ

اے جانِ من ہر چیز را با اصلِ خود باشد رجوع ۔۔۔ من چوں از خاکیم آخر خاک می باید شدن

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

وصلی اللہ تعالیٰ علی نبیہ الکریم وعلی الہ واصحابہ اجمعین امین یارب العالمین۔

# مقدمہ صحیح مسلم

مقدمہ دوقسم پر ہوتا ہے ایک مقدمہ علیہ ہوتا ہے، دوسرا مقدمہ کتاب ہوتا ہے، مقدمہ علیہ میں مصنف کے ذاتی علوم کو دخل ہوتا ہے اوران کے علمی افکارونکات پر مشتمل ہوتا ہے اورمقدمہ کتاب میں ایسانہیں ہوتا ہے، بلکہ کسی اور عالم کی تحقیق کو مصنف نقل کرتا ہے۔امام مسلم رحمہ اللہ کے اس مقدمہ کوایک زبردست علمی مقدمہ سمجھا جاتا ہے، جو گہرے علمی مباحث پر مشتمل ہے اورامام مسلم کے ذاتی علوم ومعارف اورقواعد واصول کا شاہکار ہے، یہ ایک عجیب علمی گلدستہ ہے، جوصحیح مسلم کی پیشانی پر چمکدار موتی ہے جواس کتاب کی امتیازی شان ہے، چونکہ یہ مقدمہ علیہ ہے، اس لئے امام مسلم رحمہ اللہ نے اس میں فن حدیث کے بہت سارے اصول وقواعد کو جمع فرمایا ہے مثلاً:

۱۔ راویوں کے مراتب کے اعتبار سے ان کی تقسیم فرمائی ہے، کہ کون کس درجہ اور کس مقام کا راوی ہے۔

۲۔ بلاتحقیق بے سروپا، روایتوں کے لینے دینے سے سختی سے منع کیا ہے، اس میں احتیاط کی بڑی تاکید کی ہے۔

۳۔ بے سروپا، من گھڑت روایتوں کی کئی مثالیں بیان فرماکر غفلت کی نیند سے علماء کو جگایا ہے۔

۴۔ حدیث معنعن پر ایک علمی تحقیقی مقالہ لکھ دیا ہے اوراختلاف کا تذکرہ فرمایا ہے۔

۵۔ دین اسلام اورحدود شرعیہ اورنصوص قطعیہ کا جرأت مندانہ دفاع کیا ہے۔

امام مسلم نے اپنے مقدمہ کوتکلفات سے پاک کرنے کی کوشش کی اورسادہ الفاظ میں مطلب سمجھانے کا ارادہ کیا، لیکن غیراختیاری طور پر یہ مقدمہ تکلفات، تعقیدات، انتشار، عبارات اورضمائر کے تفرق وتشتت اورترکیب کی تقدیم وتاخیر سے بھر گیا، اس لئے علماء نے اس پر خصوصی کتابیں لکھ دیں اوردورہ حدیث کے طلبہ کے لئے ابتدائی درجات کے طلبہ کی طرح ترکیب کا اہتمام کیا اورخوب علمی بازار گرم ہوگیا، کیونکہ یہ مقدمہ علیہ تھا اس میں ایسا ہی ہونا تھا۔دوسرا مقدمہ کتاب ہوتا ہے، اس میں مصنف اپنی کتاب کی ابتدا میں کسی اورمصنف کے کلام کو بعینہٖ نقل کرتا ہے اورکہتا ہے کہ یہ میری کتاب کا مقدمہ ہے، جیسے امام دارمی اورابن ماجہ نے اپنی کتابوں کی ابتدا میں ایسا ہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ بہرحال بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ مقدمہ صحیح مسلم کا جزء ہے، بعض فرماتے ہیں کہ یہ مقدمہ مستقل کتاب ہے، صحیح مسلم کا جزء نہیں ہے، کچھ علما فرماتے ہیں کہ یہ مقدمہ من وجہ جزء ہے اورمن وجہ جزء نہیں ہے، ہر طرف دلائل اوراشارات موجود ہیں تفصیل کا موقع نہیں ہے اوراس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو جہانوں کے پالنہار ہیں اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَعَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ اَمَّا بَعْدُ:

اور اللہ تعالیٰ بے پایاں رحمتیں نازل فرمائیں (حضرت) محمد (ستودہ صفات) پر، جو سب نبیوں کے ختم پر ہیں اور تمام نبیوں اور رسولوں پر۔

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی بحث

سلفاً و خلفاً یہ طریقہ جاری ہے کہ جب علمائے کرام کتاب کی تصنیف کرتے ہیں، یا کتاب شروع کرتے ہیں، تو اتباع قرآن وحدیث اور سلف صالحین کی ترتیب کے مطابق ابتداء میں بسم اللہ اور الحمد للہ ضرور لکھتے ہیں اور پڑھتے ہیں۔ مؤلف کتاب نے بھی ایسا ہی کیا اس کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ فرامین واحادیث ہیں جو مختلف الفاظ سے تسمیہ وتحمید کے بارے میں وارد ہیں۔ چنانچہ بعض روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

كل امر ذي بال لم يبدأ ببسم الله الرحمن الرحيم فهو ابتر ۔ (حطیب فی الجامع)

اور بعض روایات میں اس طرح ہے کہ:

كل امر ذي بال لا يبدأ فيه بالحمد لله فهو اجذم ۔ (ابوداؤد ونسائی)

بعض روایات میں مندرجہ بالا روایت کے آخری الفاظ "فهو اقطع" آئے ہیں جیسا کہ مشکوۃ میں یہ روایت ہے۔ (مشکوۃ ص ۲۷۲)

بعض روایات میں بسم اللہ اور الحمد للہ کی جگہ ذکر اللہ کے الفاظ بھی آئے ہیں جیسا کہ علامہ رہاویؒ نے اربعینات میں لکھا ہے۔

اب یہاں علماء کے ہاں ایک بحث چلی ہے کہ ابتدا تو "كون الشيء اولا" کا نام ہے اور اول تو ایک ہی چیز ہو سکتی ہے، لہٰذا اگر بسم اللہ سے ابتدا ہو گی تو الحمد للہ سے نہیں ہوگی اور اگر الحمد للہ سے ابتدا ہوگی، تو بسم اللہ سے نہیں ہو سکے گی، گویا دونوں روایتوں میں تعارض ہے پھر اسی فرضی تعارض کو دور کرنے کے لئے شارحین لکھتے ہیں کہ ابتدا کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ابتداء حقیقی (۲) ابتداء اضافی (۳) ابتداء عرفی

پھر یہ حضرات بسم اللہ کے لئے ابتدا حقیقی مان کر جان چھڑاتے ہیں اور الحمد للہ کے لئے ابتداء اضافی یا عرفی مانتے ہیں، تاکہ تعارض دور ہو جائے۔ پھر اعتراض کرتے ہیں کہ ابتداء حقیقی کو بسم اللہ کے ساتھ کیوں خاص کیا الحمد للہ کے ساتھ کیوں نہ کیا؟ تو جواب دیتے ہیں کہ بسم اللہ میں اللہ تعالیٰ کا اسم ذاتی موجود ہے اور حمد کا تعلق صفات سے ہے اور ذات صفات پر مقدم ہوتی ہے۔ یا یہ

جواب دیتے ہیں کہ کتاب اللہ کی ترتیب میں اور سلف صالحین کی کتابوں میں بسم اللہ مقدم تھی، اس لئے اس طرز کو اختیار کیا گیا، تاکہ سلف کی اقتداء ہو جائے۔

بعض حضرات جمع بین الروایات کا طریقہ اس طرح اپناتے ہیں کہ بسم اللہ سے ذکر اللہ مراد ہے، الحمد للہ سے بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر مراد ہے اور بعض روایات میں ذکر اللہ کا لفظ آیا بھی ہے۔ تو اس عمومی مفہوم کے تحت خواہ بسم اللہ پہلے ہو، خواہ الحمد للہ پہلے ہو، تعارض نہیں آئے گا، کیونکہ ذکر اللہ کا مقصد تسمیہ وتحمید دونوں سے حاصل ہو جاتا ہے، اسی توجیہ کے پس منظر میں جب دیکھا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک خطوط میں کبھی صرف حمد پر اکتفا فرمایا ہے اور بعض مصنفین نے صرف بسم اللہ پر اکتفا کر کے حمد کو ترک کیا ہے۔

بعض حضرات یہ جواب بھی دیتے ہیں کہ ابتدا باللسان سے بھی حدیث کا مفہوم ومقصود پورا ہو جاتا ہے لہٰذا اگر کوئی مصنف اپنی کتاب کی ابتدا میں تسمیہ وحمد میں سے کچھ بھی نہیں لکھتا ہے، مگر زبان سے پڑھتا ہے تو یہ بھی کافی ہو جاتا ہے۔

## حضرت شاہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ کی تحقیق

اوپر مذکورہ تمام توجیہات کے علاوہ حضرت علامہ سید شاہ انور شاہ رحمہ اللہ کی تحقیق الگ ہے۔ ہمیں بخاری شریف پڑھاتے ہوئے محدث العصر اور شاہ صاحب کے علوم کے امین سید محمد یوسف البنوری رحمہ اللہ نے بتایا کہ حضرت شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ: اصحاب فنون علماء نے تسمیہ وتحمید کی روایتوں میں جو تعارض بنایا ہے، یہ درحقیقت غیر اہل فن نے فن حدیث میں بے جا مداخلت کی ہے، حقیقت میں یہاں دو الگ الگ حدیثیں نہیں ہیں کہ ان میں تعارض کا احتمال آجائے۔ یہاں ایک ہی حدیث ہے، جس میں دو مقاصد کو بیان کیا گیا ہے، یعنی جب بھی کوئی شخص قابل احترام اور مہتم بالشان چیز کی ابتدا کرتا ہے تو اس کو چاہئے کہ بسم اللہ یا الحمد للہ سے ابتدا کرے۔

تو اصل مقصود ابتدا کرنے میں تبرک حاصل کرنا ہے، اب یہ برکت تسمیہ سے حاصل کی جائے یا تحمید سے حاصل کرے، حدیث کے مقصود اور مطلوب پر عمل ہو جاتا ہے۔ یہاں دو حدیثیں نہیں کہ تعارض آجائے، بلکہ ایک حدیث کے دو مطالب ہیں کہ برکت کے لئے ابتدا میں تسمیہ وتحمید میں سے کوئی نہ کوئی ہونا چاہیے، ورنہ وہ کام اقطع، دم بریدہ، بے برکت ہو کر رہ جائے گا۔ اسی عموم کی طرف اس روایت میں اشارہ کیا گیا ہے، جس میں صرف ذکر اللہ کا لفظ آیا ہے۔

## ایک عام توجیہ

بعض علماء نے کتابوں کے خطبوں کی ترتیب میں پہلے بسم اللہ پھر الحمد للہ پھر رسولوں کا تذکرہ اور پھر صحابہ کا ذکر اور پھر مقاصد کتاب سے پہلے اپنی تصنیف کردہ کتاب کے تذکرہ سے متعلق ایک عام قاعدہ بیان کیا ہے، جس سے خطبۂ کتاب میں ہر چیز کی ترتیب

آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہر مصنف جو کتاب کی تصنیف کرنے لگتا ہے تو گویا یہ مصنف موجودات میں ایک نئے موجود کا اضافہ کرتا ہے۔ لہٰذا وہ ترتیب کے ساتھ تمام موجودات کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ موجودات میں سب سے قدیم اور اول موجود واجب تعالیٰ کا وجوبی وجود ہے، اس کا حق ادا کرنے کے لئے ہر مصنف بسم اللہ کا تذکرہ کرتا ہے، دوسرے نمبر پر موجودات میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا وجود ہے، اس کے لئے الحمد للہ سے تذکرہ کرتا ہے، پھر خالق ومخلوق کے درمیان فائدہ واستفادہ کے لئے رسولوں کا وجود ضروری ہے، کیونکہ خالق غایت تقدس میں ہے اور مخلوق غایت تدنس میں ہے، استفادہ ممکن نہیں تو رسول رسالت کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ سے ہدایت لیتا ہے اور عالی انسان کی حیثیت سے عام انسانوں تک پہنچاتا ہے۔ لہٰذا مصنف اپنی کتاب میں وجود رسول کے حق ادا کرنے کے لئے بطور شکر درود وسلام لاتا ہے، چوتھے نمبر پر رسول کے آل واصحاب کا وجود ہے لہٰذا ان کا تذکرہ بھی کرتا ہے اور اس کے بعد پانچویں نمبر پر اپنی کتاب کا تذکرہ کرتا ہے، تاکہ تمام موجودات کا درجہ بدرجہ حق ادا ہو جائے۔ یہی طریقہ امام مسلمؒ نے بھی اپنایا ہے، اور سب ایسا ہی کرتے ہیں۔

## بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں تین ناموں کی تخصیص کیوں؟

اب یہ ایک الگ بحث ہے کہ بسم اللہ میں ایک اسم ذاتی اور دو اسماء صفاتی کی تخصیص اللہ تعالیٰ کے ۹۹ ناموں میں سے کیوں کی گئی؟ تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ لفظ اللہ تو اسم ذاتی لواجب الوجود تھا، اس کا ذکر سب سے پہلے ضروری اور بدیہی تھا، یہی اسم اعظم ہے جو قرآن میں (۲۳۶۲) بار مکرر آیا ہے اور جب تک یہ نام کسی کی زبان پر ہوگا، قیامت نہیں آئے گی۔ اس کے بعد اسماء صفات میں سے رحمٰن اور رحیم کو ذکر کیا کیونکہ صفات میں سے یہ دو نام سب سے زیادہ عام اور ہمہ گیر تھے، کیونکہ یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں، یعنی بے حد مہربان اور نہایت رحم والا اور دونوں کا تعلق دو جہانوں سے ہے، یعنی عالم دنیا اور عالم آخرت۔ پھر ''رحمت'' رقۃ القلب کو کہتے ہیں اس لحاظ سے ان الفاظ کا اطلاق ابتداءً اللہ تعالیٰ پر نہیں ہوسکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم کی ترکیب سے پاک ہے۔ اسی لئے علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر بعض الفاظ کا اطلاق مبدأ اور ابتدا کے اعتبار سے نہیں ہوسکتا مگر غایت اور نتیجہ کے اعتبار سے ہو جاتا ہے لہٰذا رقۃ القلب کا نتیجہ افاضہ خیر اور شفقت ومہربانی ہوتا ہے اس اعتبار سے رحمت کا اطلاق اللہ کی ذات پر جائز ہے۔

اب یہ بات رہ گئی کہ رحمٰن کو رحیم پر کیوں مقدم کیا، تو علماء کا کہنا ہے کہ رحمٰن کا تعلق دنیا وآخرت دونوں سے ہے نیز اس کی رحمانیت مسلم غیر مسلم انسان اور حیوان تمام کائنات کو شامل ہے، اس لئے اس وسعت کی وجہ سے اس کو رحیم پر مقدم کیا، اسی لئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رحمٰن میں رحیم کے مقابلہ میں حروف زیادہ ہیں اور ''کثرۃ المبانی تدل علی کثرۃ المعانی'' قاعدہ ہے لہٰذا اس کو مقدم کیا، بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ رحمٰن کا تعلق چونکہ براہ راست دنیا سے ہے اور رحیم کا تعلق آخرت سے ہے اور دنیا مقدم ہے اس لئے اس کو مقدم کیا چنانچہ بعض ادعیہ ماثورہ میں ''یا رحمن الدنیا و رحیم الآخرۃ'' کے الفاظ بھی آئے ہیں، گویا رحمٰن کا تعلق

ربوبیت عامہ سے ہے اور رحیم کا تعلق ربوبیت خاصہ سے ہے، ربوبیت عامہ جیسے مخلوقات کو کھلانا پلانا، وجود دینا، نعمتوں سے مالا مال کرنا، ہواؤں، دریاؤں چاند ستاروں سورج اور دیگر نعمتوں سے لطف اندوز کرنا اور ہر ایک کے دائرہ علم میں اس کو زندگی گزارنے کا شعور دینا خواہ وہ انسان ہو، یا حیوان ہو، مسلمان ہو یا کافر ہو، یہ ربوبیت عامہ ہے، لیکن رحیم کا تعلق ربوبیت خاصہ سے ہے، یعنی عالم آخرت میں صرف فرمانبردار اور وفادار مسلمانوں پر مہربان ہونا اور نافرمان کفار کو سزا دینا، رب العالمین کے لفظ میں ربوبیت عامہ وخاصہ دونوں کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں امور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں بہر حال ان وجوہات اور نکات کی وجہ سے یہ تقدیم و تاخیر ہے۔

## بسم اللہ کا متعلق کیا ہے؟

چونکہ بسم اللہ کے شروع میں باحروف جارہ میں سے ہے اور حرف جر کلام عرب میں کسی اور کلمہ سے وابستہ رہتا ہے، لہٰذا علماء نے بسم اللہ کے متعلق کو بیان کیا ہے۔ علماء نحاۃ میں سے بصریین نے اس کے متعلق محذوف کو فعل قرار دیا ہے مثلاً

ابتدأ بسم اللہ الرحمن الرحیم

بصریین کا خیال ہے کہ فعل کو مقدر ماننے سے جملہ فعلیہ بن جائے گا، جو زیادہ بہتر ہے۔ نحاۃ کوفیین نے اس کے متعلق کو شبہ فعل اسم فاعل، اسم صفت وغیرہ ہونا راجح قرار دیا ہے لہٰذا ان کے ہاں یہ جملہ فعلیہ کے بجائے شبہ جملہ اسمیہ بنے گا۔

پھر نحاۃ کے درمیان اس پر بھی کلام ہے کہ اس مقدر کو بسم اللہ سے مقدم مانا جائے، مثلاً "اقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم" یا اس مقدر کو بسم اللہ سے مؤخر مانا جائے مثلاً "بسم اللہ الرحمن الرحیم اقرأ" دونوں طرف نحاۃ گئے ہیں اور الگ الگ نکات کی وجہ سے اپنے اپنے مذہب کو ترجیح دی ہے، پسند اپنی اپنی، خیال اپنا اپنا، تاہم لفظ "ابتدأ" کے مقدم ہونے کو راجح خیال کیا گیا ہے۔ (کشاف)

پھر یہاں باجارہ اور لفظ اللہ کے درمیان اسم کے لفظ کو دو وجہ سے بڑھایا ہے، اول یہ کہ اگر باجارہ لفظ اللہ پر داخل ہو جائے تو باللہ قسم کے ساتھ التباس آجائے گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اسم بڑھانے میں ادب اور عاجزی کی طرف اشارہ کیا ہے، کہ ذات باری تعالیٰ تو بہت اونچی ہے، اگر اس کے نام سے ابتدا ہو جائے تو یہ بھی بڑی غنیمت ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

علماء نے لکھا ہے کہ آدمی جس کام کو شروع کرتا ہے اس کی مناسبت سے مقدر فعل نکالنا ہوگا، مثلاً پڑھنے لگتا ہے تو "اقرأ بسم اللہ" کہے یا کھاتا پیتا ہے تو "اکل واشرب بسم اللہ" کہے یا کوئی اور کام کرتا ہے تو اس کی مناسبت سے فعل مقدر نکالا جائے پھر با کے الف کو بڑھا کر اوپر کی طرف نکال دیا ہے تاکہ با کے الف کے حذف پر نشانی باقی رہے، یہ با استعانت کے لئے بھی ہے، الصاق کے لئے بھی ہے۔

## بسم اللہ کی فضیلت

طفل غنچہ کی چمن میں آج ابتدا ہے　　جس طرف دیکھو اُدھر اللہ ہی اللہ ہے

بسم اللہ کی سب سے بڑی فضیلت تو یہی ہے کہ قرآن عظیم میں بار باراس کو دہرایا گیا ہے، ہر سورت کی پیشانی پراس کی خوش نما مہر ثبت ہے، گویا بسم اللہ ایک سرکاری مہر اور نشان ہے، جس چیز پر یہ نشان ہوگا، اس میں برکت ہوگی اور شیطان اس کے قریب نہیں آئے گا۔ صاحب تفسیر کبیر نے ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ! جب تم وضو بنانے لگو تو بسم اللہ پڑھا کرو جب تک وضو سے فارغ نہیں ہو گے فرشتے تیرے لئے نیکیاں لکھیں گے۔ جب اپنی بیوی سے ہمبستری کرو تو پہلے بسم اللہ پڑھا کرو، تو غسل جنابت تک فرشتے تیرے لئے نیکیاں لکھیں گے اس جماع کے نتیجہ میں اگر بچہ ہوا تو اس کے اور اس کی اولاد کے سانس لینے کی مقدار نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اے ابو ہریرہ! جب تم سواری پر سوار ہونے لگو تو بسم اللہ اور الحمد للہ پڑھا کرو ہر قدم پر ایک نیکی لکھی جائے گی، اور جب تم کشتی پر سوار ہونے لگو تو بسم اللہ اور الحمد للہ پڑھو جب تک کشتی سے باہر نہیں آؤ گے برابر نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اسی طرح تفسیر کبیر نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان جب لباس اتار دیتا ہے تو اس کی شرمگاہ اور شیاطین کی نظروں کے درمیان پردہ صرف یہ ہے کہ انسان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے۔　(تفسیر کبیر: ج ا ص ۱۷۱)

## حکایت نمبر ا

تفسیر کبیر میں ایک قصہ لکھا ہے کہ قیصر روم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط لکھا کہ میرے سر میں ہمیشہ درد رہتا ہے، آپ مجھے کوئی دوا بھجوادیں۔ امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک ٹوپی روانہ فرمائی کہ اس کو پہنا کرو، قیصر روم جب اس ٹوپی کو سر پر رکھتا تو سر کا درد ختم ہو جاتا مگر جب ٹوپی سر سے ہٹا دیتا تو درد پھر شروع ہو جاتا تھا، شاہ روم کو اس پر تعجب ہوا اس نے ٹوپی کو کھولا اور تو اس میں کاغذ کا ایک ٹکڑا ملا جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا تھا۔　(تفسیر کبیر: ج ا ص ۱۷۱)

## حکایت نمبر ۲

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے فارس کے مجوسیوں نے کہا کہ آپ اسلام کی حقانیت کا دعویٰ کرتے ہیں لہٰذا آپ ہمیں اس پر کوئی کراماتی نشانی بتادیں، تا کہ ہم بھی اسلام قبول کریں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگ زہر قاتل لاؤ، وہ لوگ زہر قاتل کا ایک پیالہ لے آئے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے پیالہ لے کر اس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لیا اور سارا زہر پی لیا اور ٹھیک ٹھاک کھڑے ہو گئے۔ مجوسیوں نے کہا یہ دین واقعی سچا دین ہے۔　(تفسیر کبیر: ج ا ص ۱۷۲)

## حکایت نمبر ۳

کہتے ہیں کہ فرعون نے دعویٰ الوہیت سے پہلے ایک مکان بنوایا تھا اور اس کے باہر والے دروازہ پر بسم اللہ لکھوایا تھا۔ جب فرعون نے ربوبیت کا دعویٰ کیا اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آکر ان کو وحدانیت کی دعوت دی اور فرعون نے انکار کیا تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے اللہ! میں نے اس شخص کو بار بار دعوت دی ہے لیکن اس میں خیر و بھلائی کی کوئی چیز ہی نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! تم شاید اس شخص کی ہلاکت چاہتے ہو کیونکہ تم اس کے کفر کو دیکھتے ہو لیکن میں اس کے دروازے پر اس کی لکھی ہوئی بسم اللہ کو دیکھتا ہوں۔ (تفسیر کبیر: ج اص ۱۶۸)

## حکایت نمبر ۴

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک قبرستان پر گزر ہوا آپ نے دیکھا کہ ایک مردے پر قبر میں عذاب کے فرشتے مسلط ہیں اور اس کو سخت عذاب ہو رہا ہے، آپ آگے چلے گئے اور کچھ دیر کے بعد واپس آئے، آپ نے دیکھا کہ اس مردے کے پاس قبر میں رحمت کے فرشتے ہر قسم کی نعمتوں کے ساتھ موجود ہیں، اور وہ نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہت تعجب ہوا۔ آپ نے نماز پڑھ کر اللہ سے دعا مانگی کہ اصل حقیقت کھول دے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیج کر بتا دیا کہ اے عیسیٰ! یہ شخص گناہ گار تھا، جب مر گیا تو اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب قبر میں مبتلا ہو گیا، مرتے وقت اس نے حاملہ بیوی چھوڑی تھی جس کا بعد میں بچہ پیدا ہوا، اس عورت نے اس بچے کو پالا جب بچہ بڑا ہو گیا تو اس کی ماں نے اسے معلم کے پاس بھیج دیا، معلم نے اس سے کہا پڑھ بیٹا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، بچے نے پڑھ لیا تو مجھے حیا آئی کہ میں اس شخص کو زمین کے نیچے عذاب دے رہا ہوں اور اس کا بیٹا زمین کے اوپر میرا نام لے رہا ہے۔ (یعنی معصوم زبان سے کہتا ہے کہ اللہ بڑا مہربان ہے اور بے حد رحم کرنے والا ہے وہ تو مجھے بے حد مہربان کہے اور میں اس کے باپ کو عذاب میں رکھوں، یہ نہیں ہوگا)۔

بسم اللہ کے بے شمار فوائد اور بے حساب برکات ہیں، بس ہمیں چاہیے کہ ہم جب تک زندہ رہیں تو قدم قدم پر کہیں بسم اللہ جب موت آئے تو کہیں بسم اللہ، جب قبر میں سوال ہو تو کہیں بسم اللہ، جب میدان حشر میں آئیں تو کہیں بسم اللہ، جب نامۂ اعمال دیا جائے تو کہیں بسم اللہ، جب وزن اعمال ہو تو کہیں بسم اللہ، جب پل صراط پر ہوں تو کہیں بسم اللہ، جب جنت میں داخل ہوں تو کہیں بسم اللہ، جب اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو تو کہیں بسم اللہ۔

لقد بسملت لیلی غداۃ لقیتها     فیا حبذا ذاك الحبیب المبسمل

جب صبح کو میری ملاقات لیلیٰ سے ہوئی تو اس نے بسم اللہ کہہ کر ملاقات کی واہ! واہ! بسم اللہ کہنے والا یہ محبوب کیا ہی اچھا تھا۔

## لفظ اللہ جل جلالہ

جس طرح ذات باری تعالیٰ میں عارفین کی معرفتیں حیران ہیں اور نعرہ زن ہیں کہ "ماعرفناك حق معرفتك" اسی طرح لفظ اللہ کی تحقیق وتدقیق میں علماء وعقلاء کی عقلیں حیران ہیں کہ آیا یہ لفظ عبرانی یا سریانی ہے یا عربی ہے؟ بعض علماء مثلاً ابوزید بلخی کا خیال ہے کہ یہ لفظ یا عبرانی ہے، یا سریانی ہے، کیونکہ اہل کتاب اس کو "لاھا" بولتے ہیں اور عبرانی وسریانی کی یہی خصوصیت ہے کہ اس میں الف بڑھایا جاتا ہے، جس طرح "بسم الاھا رحمیا مرحیا" بسم اللہ میں پڑھتے ہیں، عرب نے آخری الف کو حذف کیا تو اللہ رہ گیا یہ تو ان حضرات کا خیال ہے، جو اس لفظ کو عجمی مانتے ہیں، لیکن حق یہ ہے کہ یہ لفظ عربی ہے، کلام اللہ عربی ہے کلام الرسول عربی ہے کلام اہل الجنۃ عربی ہے، کیونکہ باقی جتنے اسماء حسنیٰ ہیں اسماء صفات میں سے ہیں تو صفت کے لئے موصوف اور نعت کے لئے منعوت کا پایا جانا ضروری ہے جو عربی لغت کی خصوصیت ہے۔

یہاں علماء نے یہ بحث بھی اٹھائی ہے کہ یہ لفظ اگر عربی ہے، تو پھر یہ علم ہے یا اسم صفت ہے، جامد ہے یا مشتق ہے، تو راجح یہی ہے کہ یہ جامد ہے، مشتق نہیں، اسم علم ہے صفت نہیں، اسی قول کو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ امام محمد رحمہ اللہ امام غزالی رحمہ اللہ اور ائمہ نحاۃ میں سے سیبویہ، خلیل ابن احمد، زجاج مبرد اور ابن کیسان نے اختیار کیا ہے۔ جن حضرات نے اس لفظ کو مشتق مانا ہے وہ اس کو باب فتح یفتح اله یاله بمعنی عبادت وبندگی لیتے ہیں، مالوہ ای معبود اور اللہ معبود ہے یا باب سمع یسمع سے اله یاله بمعنی تحیر ودھشت لیتے ہیں کیونکہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے دہشت زدہ ہے اور اس کی ذات میں حیران ہے۔

سعدی بابا رحمہ اللہ نے فرمایا:

اے برتر از خیال و قیاس و گمان وہم — وز ہر چہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم

دفتر تمام گشت وبہ پایاں رسید عمر — ما ہم چناں در اول وصف تو ماندہ ایم

کسی نے کہا:

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا — بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

بعض نے کہا یہ اصل میں ولاہ تھا واو کو ہمزہ سے تبدیل کیا تو الاہ ہوگیا جیسے وشاح اشاح ہے۔

صاحب کشاف نے کہا کہ یہ اصل میں "الاہ" تھا ابتداء سے ہمزہ کو حذف کردیا گیا اور اس کے عوض میں الف لام لایا گیا تو اللہ ہوگیا۔ بہرحال اللہ حاجت روا اور مشکل کشا کو کہتے ہیں چنانچہ سیبویہ کی طرف منسوب ہے:

معنی الـه گفت سیبویـه — یـولـهـون فـی حـوائـجـهـم لـدیـه

یعنی کائنات کا ذرہ ذرہ ہر وقت ہر حاجت میں اس کے سامنے گڑگڑاتا ہے اور وہ کسی وقت کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں۔

# اس مبارک اسم کی خصوصیات

اس مبارک نام کے چند لفظی خصوصیات یہ ہیں:

ا۔ یہ نام صرف اللہ ہی کا ہے مخلوق میں سے کسی کا نام نہ ہوا ہے اور نہ جائز ہے۔

۲۔ اس نام کی طرف دیگر اسماء تو منسوب ہوتے ہیں، جیسے کتاب اللہ، ناقۃ اللہ، ارض اللہ، بیت اللہ، مگر یہ کسی کی طرف منسوب نہیں ہوتا ہے۔

۳۔ حرف ندا کے حذف کے موقع پر اس کے آخر میں میم مشدد بڑھا کر اَللّٰھُمَّ کہنا درست ہے۔

۴۔ لفظ اللہ کے ساتھ الف لام تعریف یا حرف ندا کا آنا جائز ہے، دیگر اسماء ایسے نہیں جیسے یا اللہ۔

۵۔ قسم واللہ باللہ تاللہ کے ساتھ خاص ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَعَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو جہانوں کے پالنہار ہیں اور اچھا انجام پرہیز گاروں کے لئے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بے پایاں رحمتیں نازل فرمائیں (حضرت) محمد (ستودہ صفات) پر، جو سب نبیوں کے ختم پر ہیں اور تمام نبیوں اور رسولوں پر۔

## تشریح

''الحمدللہ'' امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے شروع کیا، ایک تو اللہ تعالیٰ کے انعام واحسان کا شکر ادا کرنے کے لیے جو اس کی کتاب کی تالیف کی طرز ہے، دوسرا اس حدیث کی وجہ سے جس میں کسی اچھے کام کی ابتداء میں حمد وثنا کا حکم دیا گیا ہے اور شاعر نے اس طرح کہا ہے:

حمدتُ حمدا حامدا وحمیدا رعایۃ شکرہ دھرا مدیدا

''حمد'' مدح سے ثناء اور تعریف کے معنی میں ہے، اس میں الف لام استغراق کے لئے بھی ہوسکتا ہے یعنی حمد وثناء کا ہر ہر فرد اللہ ہی کے لئے ہے۔ اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ تعریف تو مخلوق کی بھی ہوتی ہے، تو یہ اختصاص کس طرح؟ اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا جس چیز کی بھی تعریف ہوتی ہے وہ اللہ ہی کی تعریف ہے، کیونکہ اصل میں کائنات کے ہر کمال وجمال کا خالق ومالک اللہ ہے، یہی وجہ ہے کہ عارفین کہتے ہیں کہ جب کسی اچھی آواز یا اچھی صورت یا اچھے کمال پر کسی کی تعریف کرو، تو کہو وہ اللہ کتنا بڑا ہے، جس نے اس مخلوق کو یہ اچھی آواز اور خوبصورت شکل اور اعلیٰ کمال عطا کیا ہے۔

الف لام جنس کے لئے بھی ہوسکتا ہے، یعنی جنس حمد اور حقیقتِ حمد وثناء اللہ کے لئے ہے، جو افراد کے ضمن میں ہے۔ کیونکہ جنس کی

حقیقت بھی افراد کے ضمن میں ہوتی ہے، تو نتیجہ وہی نکلا کہ حمد کے تمام افراد اللہ کے لئے ہیں۔ الف لام عہد خارجی کے لئے بھی لیا جا سکتا ہے، پھر اس سے اللہ تعالیٰ کے وہ محامد وصفات مراد ہوں گے، جو کسی مخلوق کے لئے کسی صورت میں جائز نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص صفات صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں، اس صورت میں الحمد للہ کے اختصاص پر کوئی اعتراض نہیں آئے گا، کیونکہ یہ صفات غیر اللہ میں آ ہی نہیں سکتی ہیں۔

الحمد هو الثناء باللسان على الجميل الاختياري على جهة التعظيم۔

یہ حمد کی اصطلاحی تعریف ہے اس میں لسان سے مراد آلہ تعبیر ہے، تو اب یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنی تعریف کی ہے وہاں لسان وزبان کہاں ہے؟ نیز کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی تعریف میں لگا ہوا ہے وہاں زبان کہاں ہے، تو جواب ہو گیا کہ ہر چیز کی زبان سے مراد آلہ تعبیر ہے جو اس کے مناسب حال ہو۔

وفي كل شيء له آية تدل على انه واحد

جمیل اختیاری سے وہ جمال نکل گیا جو اختیار میں نہ ہو، جیسے موتی کی چمک دمک ہے، کہ اس کی تعریف حمد نہیں بلکہ اس کی تعریف کو مدح کہتے ہیں مثلاً مدحت اللؤلؤ على صفائه۔

اسی طرح على جهة التعظيم سے استہزاء کی صورت نکل گئی جیسے کسی ان پڑھ کو کوئی شخص کہتا ہے، علامہ صاحب آ گئے، یہ استہزاء ہے۔

حمد اور شکر میں تھوڑا سا فرق ہے اور وہ یہ کہ حمد کے لئے ضروری ہے کہ زبان سے ہو، مقابلہ میں احسان وانعام ہو یا نہ ہو، لیکن شکر کے لئے مقابلہ میں نعمت واحسان کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔

پھر شکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور زبان کے علاوہ جسم سے بھی ہو سکتا ہے، لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں کے درمیان اس طرح کی نسبت ہے کہ حمد اپنے مورد کے اعتبار سے خاص ہے، مگر متعلق کے اعتبار سے عام ہے اور شکر مورد کے اعتبار سے عام ہے لیکن متعلق کے اعتبار سے خاص ہے۔ مورد سے مراد وارد ہونے کی جگہ یعنی زبان ہے، شکر کی تعریف یہ ہے کہ

فعل ينبئ عن تعظيم المنعم

"رب العالمين" رب یرب نصر ینصر سے تربیت اور پالنے کے معنی میں ہے، امام راغب نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے:

انشاء الشيء حالا فحالا الى حد التمام۔

یعنی رب کا مفہوم یہ ہے جو کسی چیز کو انتہائی کمزور حالت سے لے کر آہستہ آہستہ اس کو درجۂ کمال تک پہنچائے، منافع متوجہ کرے اور مضار کو دور کرے۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳)

"رب" کا لفظ جب مطلق ذکر کیا جائے تو اس کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے، لیکن جب لفظ رب اضافت کے ساتھ استعمال

ہو جائے تو یہ عام ہوتا ہے، کبھی اللہ تعالیٰ پر بولا جاتا ہے اور کبھی اس کا اطلاق غیر اللہ پر ہوتا ہے، قرآن کریم میں دونوں طرح کا استعمال موجود ہے۔ ربوبیت دو قسم پر ہے، ایک ربوبیت عامہ ہے، جیسے انسان حیوان، چرند، پرند، مسلم غیر مسلم سب کو اللہ پالتا ہے، دوسرا ربوبیت خاصہ ہے، جو مسلمان کی ہدایت کے ساتھ خاص ہے۔

''العالمین'' عالمین جمع ہے، اس کا مفرد عالَم ہے، عالَم ماسوی اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ساری کائنات کو کہتے ہیں جیسے عالم دنیا، عالم برزخ، عالم آخرت، عالم ارواح، عالم ناسوت، عالم لاہوت اور عالم ملکوت، سب کو عالمین کا لفظ شامل ہے، انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے، اس لئے اس کے پیش نظر ان کے ساتھ تغلیباً جمع سالم لائی گئی ہے، ورنہ جمع مکسر عالمات کا صیغہ لانا چاہئے تھا۔

''والعاقبة للمتقین'' عاقبت سے آخرت کی زندگی مراد ہے، جو انسان کا آخری انجام ہوتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ آخرت کی یہ زندگی اور یہ آخری انجام تو تمام انسانوں کو ملتا ہے، تو صرف پرہیزگاروں کے ذکر کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عاقبت اور انجام سے اچھا انجام مراد ہے کہ دنیا و آخرت میں اچھا انجام صرف متقین کے لئے ہوتا ہے اوروں کے لئے نہیں ہوتا ہے۔ متقین جمع ہے اس کا مفرد متقی ہے، جو تقوی سے بنا ہے، تقوی کی ایک تعریف یہ ہے کہ آدمی اپنا ظاہر اور اپنا باطن اپنے رب کے ساتھ صاف رکھے۔ دوسری تعریف یہ ہے کہ مثلاً ایک آدمی کانٹوں کی جھاڑی میں گھس جاتا ہے اور اپنے آپ کو کانٹوں سے بچا کر نکلتا ہے۔ یہی تقوی کا تصور ہے کہ اپنی زندگی کے سفر میں ہر قسم کے گناہ سے اپنے آپ کو بچاتا ہے۔

قاضی بیضاوی نے تقوی کی تعریف اس طرح کی ہے ''الصیانة عما یضره فی الآخرة'' یعنی جو چیز آخرت کے لئے نقصان دہ ہو، اس سے اپنے آپ کو بچانا تقویٰ ہے۔

''وصلی اللہ'' علامہ نووی نے لکھا ہے کہ امام مسلم نے جس طرح بسم اللہ اور الحمد للہ کے بعد صلوۃ کو ذکر کیا ہے یہ علماء کرام کی عادت کے مطابق ہے کیونکہ سلف صالحین کا یہی طریقہ ہے کہ حمد کے بعد صلوۃ کو بیان کرتے ہیں ویسے بھی ﴿ورفعنا لك ذكرك﴾ کا تقاضا ہے کہ حمد باری تعالیٰ کے بعد صلوۃ وسلام کا ذکر ہونا چاہیے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ منعم حقیقی ہے، اس کا شکر الحمد للہ سے ہوا تو دوسرے نمبر پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم منعم ہیں ان کا شکر صلوۃ کی صورت میں ادا کرنا چاہئے، تو امام مسلم رحمہ اللہ نے درود لاکر قرآن وحدیث پر بھی عمل کیا اور سلفاً وخلفاً امت کے معمول پر بھی عمل کیا۔ زندگی میں ایک بار درود پڑھنا فرض ہے اور ہر مجلس میں ایک بار درود پڑھنا واجب ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے آنے پر ہر بار درود پڑھنا مستحب ہے، درود کے بے شمار صیغے ہیں، سب سے افضل درود وہی ہے جو درود ابراہیمی ہے۔

اب یہاں ایک سوال علامہ نووی نے اٹھایا ہے کہ امام مسلم نے صلوۃ کے ساتھ سلام کا ذکر نہیں کیا، یہ امام مسلم نے مکروہ کا ارتکاب کیا، عام علماء فرماتے ہیں کہ امام نووی کا اعتراض بے جا ہے ائمہ احناف کے نزدیک صلوۃ کو انفراداً لانا یا سلام کو انفراداً ذکر کرنا دونوں جائز ہے۔

وصلی اللہ کا جملہ لفظاً ماضی ہے، مگر معنیً انشاء بمعنی دعا ہے، شرح وقایہ کے حاشیہ میں یہ اعتراض کسی نے کیا ہے کہ "صلّی" کا لفظ بھی دعا ہے اور دعا کے صلہ میں جب لفظ علی آجائے تو یہ بددعا کے معنی میں ہوجاتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ و مادہ دعا کے ساتھ خاص ہے، مادہ صلوٰۃ میں نہیں چلے گا، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ اکثریہ ہے، قاعدہ کلیہ نہیں ہے، لہٰذا اعتراض صحیح نہیں ہے۔

توحید اور وحدانیت کی گواہی سے فارغ ہو کر مصنف اقرار رسالت اور اثبات رسالت کی شہادت بیان فرمارہے ہیں۔

"محمد" یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ میں سب سے مشہور نام ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سو ناموں کا ہونا مشہور ہے، ان ناموں میں صرف کثرت اسماء کا فلسفہ کارفرما نہیں، بلکہ ہر نام ایک طویل حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے، اور وہ طویل صفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور ذات مبارکہ میں موجود تھیں۔ چنانچہ محمد اسم مفعول کا صیغہ ہے، صفت سے اسمیت کی طرف منقول ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ذات جو ستودۂ کائنات ہے یعنی کائنات کا ذرہ ذرہ اسکا مدح خواں ہے۔

تاریخ اسلام کی کتابوں میں لکھا ہے کہ قریش نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب سے پوچھا کہ آپ نے اپنے پوتے کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیوں رکھا؟ آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ زمین و آسمان والوں کی طرف سے ان کی تعریف و مدح ہو۔ اسی نکتہ کی طرف دربار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس طرح اشارہ فرماتے ہیں:

وضم الالٰہ اسم النبی باسمہ ۔۔۔ اذا قال فی الخمس المؤذن اشهد

فشق لہ من اسمہ لیجلہ ۔۔۔ فذو العرش محمود و هذا محمد

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی کا نام اپنے نام کے ساتھ ملا کر رکھا جب مؤذن پانچ وقت کی اذان میں اشہد کہہ کر نام لیتا ہے۔
یعنی اللہ تعالیٰ نے بطور اعزاز و اکرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے، پس عرش والا محمود ہے اور یہ محمد ہے۔

اس کی طرف قرآن اشارہ کرتا ہے ﴿ورفعنا لك ذكرك﴾۔

اس مبارک نام کو جو شخص زبان پر لاتا ہے، تو دو دفعہ میم پر ہونٹوں کو ملا کر ایک دوسرے کو بوسہ دیتا ہے۔ یہ نام عرب میں بہت کم ملتا تھا، بلکہ سابقہ کتب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات کے پیش نظر بعض لوگوں نے اپنی اولاد کا نام محمد رکھا تھا، تاکہ وہ نبی آخرالزمان بن جائے، مگر پورے عرب میں یہ صرف چھ آدمی تھے جو نہ ہونے کے برابر تھے۔

بہرحال نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں چونکہ صاحب صفات حمیدہ کا مفہوم پڑا تھا، اس لئے قریش نے جب اس مشکل کو محسوس کیا کہ زبان سے جب محمد نام لیا جائے تو صفات حمیدہ کا اقرار لازم آتا ہے اور پھر مذمت کرنے سے واضح تضاد نظر آتا تھا تو انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے مذمم کی مذمت شروع کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے کس طرح مجھ سے قریش کی مذمت ہٹادی ہے اب وہ مذمم کی مذمت کرتے ہیں اور میں تو محمد ہوں۔

"احمد" بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور ناموں میں سے ایک نام ہے، جو صفت سے اسمیت کی طرف منتقل ہوگیا ہے۔

احمد کے معنی سب حامدین سے زیادہ حمد وثنا کرنے والا، یعنی أحمد الحمادین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی تعریف وتوصیف اور حمد وثناء کرنے والے تھے، جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے عمدہ اور سب سے اعلیٰ تعریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہے کسی نے کیا خوب فرمایا:

خدا در انتظار حمد ما نیست　　محمد چشم بر راہ ثنا نیست
خدا مدح آفرین مصطفیٰ بس　　محمد حامد حمد خدا بس
محمد از تو میخواہم خدا را　　خدایا از تو عشق مصطفیٰ را

"خاتم النبین" یہ لفظ "ت" کے فتح کے ساتھ بھی ہے اور کسرہ بھی ہے "مایختم به الشیء" کو کہتے ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے جب نبیوں کا سلسلہ ختم ہوگیا، تو رسولوں کا بطریق اولی ختم ہوگیا، کیونکہ عام کی نفی سے خاص کی نفی لازم ہے، تو اب نہ نبی آئے گا نہ رسول آئے گا، کیونکہ برکات وکمالات نبوت جتنا کسی کو دینا منظور تھا وہ سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا، اب کوئی اور آئے گا تو کیا لائے گا، مثلاً مسیلمہ کذاب اور غلام احمد قادیانی نے نبوت کا جھوٹا دعوی کیا، ہم پوچھتے ہیں کہ غلام احمد کذاب آیا تو کیا لایا، ارکان اسلام پہلے سے موجود ہیں، شریعت کامل ومکمل موجود ہے، یہ جھوٹا آیا تو تشویش وفساد کے سوا کیا لایا؟ یہی معنی ہے کہ تاج وتخت ختم نبوت زندہ باد کہ جتنا کسی کو دینا تھا وہ ختم المرسلین کو دیا گیا، اب کسی اور کے آنے کی گنجائش ہی نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول فرمائیں گے مگر وہ ایک امتی کی حیثیت سے شریعت محمدیہ کی تجدید کے لئے آئیں گے اور یہود ونصاریٰ کو قتل کریں گے۔

"وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین" یہ ماقبل صلوۃ کے جملہ پر عطف ہے اور یہ ذکر عام بعد الخاص ہے قرآن وحدیث اور کلام عرب میں ذکر العام بعد الخاص فصاحت وبلاغت کا حصہ ہے۔

## سوال

اب یہاں ایک اعتراض ہے کہ امام مسلم نے انبیاء کے بعد مرسلین کو کیوں ذکر کیا، اس کی کوئی خاص ضرورت تو نہیں تھی۔

## جواب

اسکا جواب یہ ہے کہ یہ ذکر الخاص بعد العام ہے، رسول خاص ہے نبی عام ہے یہ بھی فصاحت وبلاغت کا حصہ ہے۔
دوسرا جواب یہ ہے کہ سجع کی رعایت کی غرض سے مرسلین کو ذکر کیا ہے اور یہ بھی کلام عرب میں مقصود ومحمود ہوتا ہے۔
امام مسلم نے بیان صلوۃ میں صحابہ اور اہل بیت کا نام نہیں لیا، جو عام دستور کے خلاف ہے شاید خیال نہیں آیا ہوگا اب یہاں رسول اور نبی میں فرق ملاحظہ کریں۔

# رسول اور نبی میں فرق

رسول لغت میں قاصد اور پیغام پہنچانے والے کے معنی میں آتا ہے اور اصطلاح میں رسول کی تعریف اس طرح ہے۔

انسان بعثه الله الى الخلق لتبليغ الاحكام معه كتاب متجدد ۔

یہاں انسان کہہ کر جنات اور ملائکہ سے احتراز کیا کیونکہ انسان بشر کے معنی میں فرشتوں اور جنات کے مقابلہ میں آتا ہے۔
ہدایۃ النحو کی شرح "الھامیہ" میں رسول کی یہی مندرجہ بالا تعریف کر کے قیودات میں لکھا ہے کہ "انسان" کہا "رجل" نہیں کہا تا کہ انسان کا لفظ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی شامل رہے، پھر صاحب الھامیہ نے لکھا ہے کہ عورتوں کو بھی نبی بنایا گیا، جیسے حضرت مریم، حضرت آسیہ اور حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنھن۔
اس اللہ کے بندے نے اس مقام میں دانستہ یا نادانستہ طور پر کئی غلطیوں کا ارتکاب کیا، اول تو اس نے ایک اجماعی عقیدہ اور نصوص قرانیہ کی واضح تصریحات واشارات کے خلاف عورتوں کے لئے نبوت اور رسالت ثابت کرنے کی کوشش کی، دوم انہوں نے حضرت عائشہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہما کے لئے نبوت ثابت کر کے ختم نبوت کے قطعی نصوص کی واضح خلاف ورزی کی، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نہیں تھے، بلکہ آپ کے بعد عائشہ اور فاطمہ بھی نبی بنیں، میں کہتا ہوں کہ "صاحب الھامیہ" نے اپنی ہی ایک بنائی ہوئی تعریف کی ایک قید احترازی کے لئے اتنی بڑی بات کہہ دی، حالانکہ یہ تعریف کوئی آسمانی وحی نہیں ہے اور اس میں اس قید کی حیثیت بھی ایک شخص کی ذہنی نکتہ سنجی ہے۔ نہ یہ حدیث ہے، نہ آیت ہے، نہ کوئی اجماع امت کا فیصلہ ہے، جس کے سامنے ہم مجبور ہوں، الھامیہ چھاپنے والوں پر لازم ہے کہ وہ قرآن وحدیث سے متصادم یہ باتیں آئندہ نکال دیں۔ بہر حال نبی کی تعریف اس طرح ہے۔ انسان بعثه الله الى الخلق لتبليغ الاحكام۔
اب علماء کے ہاں یہ بحث چلی کہ رسول اور نبی میں کیا فرق ہے؟
بعض علماء نے لکھا ہے کہ دونوں میں ترادف ہے کیونکہ قرآن کریم میں رسول اور نبی کا اطلاق بیک وقت ایک ہی ذات پر کیا گیا ہے۔ مثلاً "وكان رسولا نبيا" یا اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں آیا ہے۔ بعض علماء نے رسول اور نبی کی تعریفوں کو دیکھ کر تباین کا قول کیا کہ رسول کے پاس نئی شریعت ہوتی ہے اور نبی نئی شریعت لے کر نہیں آتا ہے، بلکہ سابقہ شریعت کی تجدید کے لئے آتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں سورۂ حج کی آیت ﴿وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبي﴾ میں رسول پر نبی کا عطف ہوا ہے، جو مغایرت کو چاہتا ہے اسی طرح احادیث میں انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی گئی ہے اور رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ بتائی گئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں تغایر وتباین ہے۔

## سوال

رسول کی تعریف پر ایک اعتراض ہے کہ آسمانی صحیفے کل ایک سو ہیں اور بڑی کتابیں کل چار ہیں اور رسول کل تین سو تیرہ ہیں، تو ہر رسول کے پاس کتاب کہاں سے آئے گی؟ نیز اسماعیل علیہ السلام کو قرآن، رسول کے نام سے ذکر کرتا ہے، حالانکہ ان کے پاس کوئی نئی کتاب نہیں تھی۔

## جواب

اس اعتراض کا جواب محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے درس بخاری کے دوران شاہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے حوالہ سے اس طرح دیا تھا کہ شاہ صاحب نے ایک دفعہ مجھے بلا کر نہایت خوشی کے عالم میں مجھ سے فرمایا کہ کتابوں میں مجھے رسول اور نبی کا فرق مل گیا اور وہ اس طرح ہے کہ نبی وہ ہوتا ہے جو مسلمانوں کی طرف بھیجا گیا ہو، معاشرہ میں غیر مسلم بھی ہوں اور مسلم بھی ہوں، مگر رسول وہ ہوتا ہے جو خالص قوم کفار کی طرف بھیجا گیا ہو اور ان کا اس قوم کے ساتھ خوب مقابلہ بھی ہوا ہو۔ لہٰذا حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے جتنے پیغمبر آئے ہیں، وہ انبیاء تھے اور نوح علیہ السلام کے وقت رسولوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور مقابلے ہوئے، چنانچہ آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے کفار کی طرف بھیجے گئے جب آپ آئے تو روئے زمین پر کفر و شرک ہی تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقابلہ کیا اور غلبہ پا لیا۔

أما بعد فانك یرحمك الله

## تشریح

''أما بعد'' کلام کو ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف منتقل کرنے کے لئے فصحاء اور بلغاء ''أما بعد'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں، تاکہ دونوں کلاموں میں فصل آجائے، یہ لفظ قدیم عرب کے خطباء نے بھی استعمال کیا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے۔

قَدْ عَلِمَ الْحَیُّ الْیَمَانِیْنَ اَنَّنِی ۔۔۔ إِذَا قُلْتُ أَمَّا بَعْدُ اَنِّی خَطِیْبُهَا

کتاب کے خطبوں میں أما بعد کا مضاف الیہ عموماً محذوف ہوتا ہے اور أما قائم مقام فعل شرط ہوتا ہے یعنی

"مهمایکن شیء من الاشیاء بعدالحمدلة و البسملة و التصلیة فهو کتابی هذا"

یہ حصر ادعائی ہے جو جائز ہے کہ ایک شخص کہتا ہے میرا دعوی ہے کہ یہ بات اس طرح ہے۔

"بعد" ظروف زمانیہ میں سے ہے اگر اس کا مضاف الیہ مذکور ہو، یا نسیاً منسیاً ہو تو دونوں صورتوں میں یہ معرب ہوتا ہے اور اگر اس کا مضاف الیہ محذوف منوی ہو، تو یہ مبنی علی الضم ہوتا ہے۔ چونکہ یہ کلمہ بہت خفیف ہو کر رہ گیا ہے، اس لئے اس کو أثقل الحرکات ضمہ پر مبنی کیا گیا، تاکہ ضمہ کی وجہ سے اس میں کچھ ثقل آجائے پھر چونکہ ''اما'' معنی شرط کو متضمن ہے، اس لئے بعد میں فاء جزائیہ لایا جاتا ہے، لیکن

جہاں صرف "وبعد" ہے وہاں بھی کبھی فاء جزائیہ لایا جاتا ہے، حالانکہ وہاں فاء جزائیہ لانے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔
بعض شارحین کہتے ہیں کہ فاء تَوَهُّم "اما" کی وجہ سے ذکر کیا گیا ہے، یعنی مصنف کو وہم ہوگیا کہ آیا میں نے "امابعد" لکھا ہے یا "وبعد" لکھا، لہٰذا امابعد کا خیال غالب آیا اور پھر فاجزائیہ کا ذکر کیا گیا۔ یہ وجہ عجیب اور انتہائی کمزور ہے، کیونکہ اس طرح مجموعہ نسیان اگر مصنف ہوگا تو وہ آگے چل کر کیا لکھے گا، جس کو سامنے لکھی ہوئی عبارت میں اس وقت وہم ہوگیا، جبکہ عبارت قلم کی نوک پر تھی، ور حقیقت "وبعد" کے بعد جس نے فاء جزائیہ ذکر کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بعد کا لفظ ظروف زمانیہ میں سے ہے، اس کے ساتھ معاملہ حرف شرط کا کیا گیا ہے، جس طرح قرآن کریم میں ﴿واذلم یهتدوابه فسیقولون هذاافك قدیم﴾ یہاں اذ ظرفیہ ہے جو معنی شرط کو متضمن ہے، لہٰذا فاء لائی گئی، یہی صورت وبعد کی بھی ہے۔
اب یہ ایک الگ بحث ہے کہ سب سے پہلے اما بعد کے الفاظ کس نے استعمال کئے تو یہاں کئی اقوال ہیں، مگر راجح یہ ہے کہ سب سے پہلے اس لفظ کو حضرت داؤد علیہ السلام نے استعمال فرمایا ہے۔ مفسرین نے کہا کہ ﴿واتیناه الحکمة وفصل الخطاب﴾ میں یہ خطاب فاصل اَمابعد کا کلمہ تھا، جو حضرت داؤد علیہ السلام نے استعمال کیا تھا۔
پھر عام خطبوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو استعمال فرمایا اور تاحال استعمال ہوتا ہے، لہٰذا یہ مستحب ہے کہ ہر خطیب اپنے خطبہ میں اس کو استعمال کرے یہ خطیبوں کا شعار ہے۔

فَإِنَّكَ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ بِتَوْفِيْقِ خَالِقِكَ ذَكَرْتَ أَنَّكَ هَمَمْتَ بِالْفَحْصِ عَنْ تَعَرُّفِ جُمْلَةِ الْأَخْبَارِ الْمَأْثُوْرَةِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سُنَنِ الدِّيْنِ وَأَحْكَامِهِ وَمَا كَانَ مِنْهَا فِي الثَّوَابِ وَالْعِقَابِ وَالتَّرْغِيْبِ وَالتَّرْهِيْبِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِنْ صُنُوْفِ الْأَشْيَاءِ بِالْأَسَانِيْدِ الَّتِيْ بِهَا نُقِلَتْ وَتَدَاوَلَهَا أَهْلُ الْعِلْمِ فِيْمَا بَيْنَهُمْ فَأَرَدْتَ أَرْشَدَكَ اللّٰهُ أَنْ تُوَقَّفَ عَلٰى جُمْلَتِهَا مُؤَلَّفَةً مُحْصَاةً وَسَأَلْتَنِيْ أَنْ أُلَخِّصَهَا لَكَ فِي التَّأْلِيْفِ بِلَا تَكْرَارٍ يَكْثُرُ فَإِنَّ ذٰلِكَ زَعَمْتَ مِمَّا يَشْغَلُكَ عَمَّا لَهُ قَصَدْتَ مِنَ التَّفَهُّمِ فِيْهَا وَالْاِسْتِنْبَاطِ مِنْهَا۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد: اللہ تعالیٰ آپ پر مہربانی فرمائیں! آپ نے بتوفیق الٰہی تذکرہ کیا کہ آپ ارادہ کر چکے ہیں ان تمام روایات کو جاننے کیلئے تلاش وجستجو کرنے کا، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دینی احکام وسنن کے سلسلہ میں مروی ہیں اور جو ثواب وعقاب، ترغیب وترہیب یا اس کے علاوہ اور مختلف سلسلوں میں مروی ہیں (آپ یہ سب روایات اُن کی اُن سندوں کے ساتھ (جاننا چاہتے ہیں) جن کے ساتھ وہ نقل کی گئی ہیں اور جو اہل علم کے درمیان متداول ہیں، آپ چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو راہ راست دکھائیں کہ آپ کو ان تمام روایات سے اس طرح واقف کر دیا جائے کہ وہ سب مرتب شدہ اور گن کر جمع کردہ ہوں اور آپ نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں اُن کو آپ کے لئے ایک کتاب میں اس طرح ملخص کردوں کہ اس میں حد سے زیادہ تکرار نہ ہو۔ کیونکہ غیر معمولی تکرار آپ کے خیال میں آپ

کو اس مقصد سے ہٹا سکتی ہے جس کا آپ نے ارادہ کیا ہے یعنی روایات کو سمجھنا اور ان سے احکام مستنبط کرنا۔

## تشریح

''فانک'' امام مسلم کا خطاب اپنے اس شاگرد کو ہے جس نے امام مسلم رحمہ اللہ سے حدیث شریف میں ایک ممتاز قسم کی کتاب لکھنے کی درخواست کی تھی اب یہ شاگرد کون تھا؟ تو صحیح مسلم کے نقل کرنے والے تین احباب ہیں ایک ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان نیشاپوری ہیں دوسرے احمد بن سلمہ ہیں جو امام مسلم کے اکثر اسفار میں رفیق خاص تھے اور تیسرے ناقل شیخ احمد بن علی قلانسی ہیں امام مسلم کا خطاب ابواسحاق ابراہیم بن محمد کو ہے، مشہور یہی ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ خطاب احمد بن سلمہ کو ہے یہ بھی ممکن ہے کیونکہ یہ امام مسلم کے رفیق خاص تھے۔

امام مسلم رحمہ اللہ یہاں ابتداء سے اگلے صفحہ نمبر ۵ تک تین باتوں کو بیان کرنا چاہتے ہیں: (۱) پہلی بات سبب تالیف (۲) دوسری بات طرز تالیف (۳) تیسری بات فائدۂ تالیف، بیان کریں گے۔ چنانچہ امام مسلم نے ابتداء سے لیکر ''ثم ان شاء اللہ'' تک سبب تالیف کو بیان کیا ہے اور وہاں سے ''وبعد'' تک طرز تالیف بیان کیا ہے اور وبعد سے آگے کئی صفحات تک فائدہ تالیف کی بات چلائی ہے جس میں کذابین اور مجروحین اور جارحین کی لمبی بحث چھیڑ دی ہے جو مسلم شریف صفحہ ۲۰ تک طویل ہوتی چلی گئی ہے۔

''هممت'' یہ لفظ نصر ینصر سے قصد وارادہ کے معنی میں ہے ''فحص'' یہ لفظ فتح یفتح سے جستجو تلاش اور کھود کرید کے معنی میں ہے۔

''جملة'' یہ لفظ جمیع کے معنی میں ہے۔ ''الاخبار'' یہ خبر کی جمع ہے اور امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں لفظ خبر اور اخبار، مرفوع حدیث کے لئے استعمال کیا ہے اگرچہ خبر اور حدیث میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے۔ ''صنوف'' یہ صنف کی جمع ہے مراد نوع اور قسم ہے ''بالاسانید'' ''ب'' مع کے معنی میں ہے ای مع الاسانید، یہ سند کی جمع ہے مصنف سے لیکر صحابی تک جو سلسلہ چلتا ہے اسی کا نام سند ہے ''تداول'' ہاتھوں ہاتھ لینے کے معنی میں ہے ''توقف'' یہ مجہول کا صیغہ ہے واقف کرنا اور خبردار کرنے کے معنی میں ہے ''علی جملتها'' یہ بھی جمیعها کے معنی میں ہے ''محصاة'' یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے باب افعال سے احصاء گننے اور اکٹھا کر کے محفوظ کرنے کے معنی میں ہے یعنی مربوط ومحفوظ ومضبوط ہو کہ اس میں غیر ضروری تکرار نہ ہو ''بلا تکرار یکثر'' مطلب یہ کہ قلیل تکرار سے بچنا مشکل ہے مگر زیادہ تکرار نہ ہو ''فیما زعمت'' زعم کا لفظ قول باطل کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے لیکن یہ قول صحیح کے لئے بھی بولا جاتا ہے ضمام بن ثعلبہ نے کہا ''زعم رسولک'' وہ دعویٰ کرنے اور پکی بات کرنے میں استعمال ہوا ہے سیبویہ اپنی کتاب میں اکثر کہتے ہیں ''وزعم الخلیل کذا'' جو دعویٰ کرنے کے معنی میں ہے تو یہاں کتاب میں دعویٰ کرنے اور پکی بات کرنے کے معنی میں ہے ''التفهم'' سمجھنے کے معنی میں ہے۔

وَلِلَّذِيْ سَأَلْتَ أَكْرَمَكَ اللّٰهُ حِيْنَ رَجَعْتُ إِلٰى تَدَبُّرِهِ وَمَا تَؤُوْلُ إِلَيْهِ الْحَالُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ عَاقِبَةٌ مَحْمُوْدَةٌ وَمَنْفَعَةٌ

مَوْجُوْدَةٌ ۔ وَظَنَنْتُ حِيْنَ سَأَلْتَنِيْ تَجَشُّمَ ذٰلِكَ أَنْ لَوْ عُزِمَ لِيْ عَلَيْهِ وَقُضِيَ لِيْ تَمَامُهٗ كَانَ أَوَّلُ مَنْ يُصِيْبُهٗ نَفْعُ ذٰلِكَ إِيَّايَ خَاصَّةً قَبْلَ غَيْرِيْ مِنَ النَّاسِ لِأَسْبَابٍ كَثِيْرَةٍ يَطُوْلُ بِذِكْرِهَا الْوَصْفُ إِلَّا أَنَّ جُمْلَةَ ذٰلِكَ أَنَّ ضَبْطَ الْقَلِيْلِ مِنْ هٰذَا الشَّأْنِ وَإِتْقَانَهٗ أَيْسَرُ عَلَى الْمَرْءِ مِنْ مُعَالَجَةِ الْكَثِيْرِ مِنْهُ ۔ وَلَا سِيَّمَا عِنْدَ مَنْ لَا تَمْيِيْزَ عِنْدَهٗ مِنَ الْعَوَامِّ إِلَّا بِأَنْ يُوَقِّفَهُ التَّمْيِيْزَ غَيْرُهٗ فَإِذَا كَانَ الْأَمْرُ فِيْ هٰذَا كَمَا وَصَفْنَا فَالْقَصْدُ مِنْهُ إِلَى الصَّحِيْحِ الْقَلِيْلِ أَوْلٰى بِهِمْ مِنْ إِزْدِيَادِ السَّقِيْمِ ۔

اوراس بات میں جس کی آپ نے فرمائش کی ہے اللہ آپ کو عزت بخشیں جب میں نے آپ کی فرمائش پر غور کیا اوراس کے نتیجہ کو سوچا تو اگر اللہ نے چاہا اس کا اچھا انجام اور نفع فائدہ ہوگا۔ اور میں نے خیال کیا جب آپ نے مجھ سے اس بھاری کام کے کرنے کی درخواست کی کہ اگر یہ کام مجھ سے بن پڑا، اوراس کا اتمام میرے ذریعہ مقدر ہوا، تو اس کا فائدہ دوسروں سے پہلے خود مجھ کو پہنچے گا، گونا گوں اسباب کی وجہ سے جن کی تفصیل میں طوالت ہے، البتہ بنیادی وجہ یہ ہے کہ تھوڑی روایات کا ضبط کرنا اور پختہ کرنا آدمی کے لئے آسان ہوتا ہے بہت ساری روایات کے استعمال کرنے سے۔ خاص طور پر وہ بات اُن عوام کے لئے ہے جن کو خود روایات میں تمیز نہیں ہے الا یہ کہ کوئی دوسرا شخص ان کو سمجھائے، پس جب صورت حال وہ ہے جو ہم نے بیان کی تو ان کے لئے تھوڑی صحیح روایات کا ارادہ کرنا بہت ساری سقیم وضعیف روایات طلب کرنے سے بہتر ہے۔

## تشریح

''وللذی سألت'' امام مسلمؒ نے یہاں اپنے شاگرد کی درخواست کو معقول اور فائدہ مند سمجھ کر قبول کیا اوراس کی پذیرائی کی چنانچہ یہاں سے اسی فائدہ کو بیان فرمارہے ہیں'' وللذی'' خبر مقدم ہے اور آنے والی عبارت'' عاقبة محمودة'' مبتدا مؤخر ہے۔ درمیان میں پوری عبارت جملہ معترضہ کے طور پر ہے'' ماٰتؤل'' ال یؤول نصر سے مآل نتیجہ اور انجام کے معنی میں ہے۔'' عاقبة محمودة'' یعنی اس کا اچھا انجام نکلے گا کہ پڑھنے والے کو حدیث آسانی سے ملے گی اور صحیح ملے گی'' ومنفعة موجودة'' یعنی نفقد فائدہ ہوگا'' وظننت'' یہ متکلم کا صیغہ ہے گمان وخیال کرنے کے معنی میں ہے'' تجشم ذلك'' یہ سألتنی کے لئے مفعول بہ واقع ہے تجشم باب تفعل سے ہے سخت مشقت اٹھانے کے معنی میں ہے۔'' ان لوعزم لی'' ان مخفف من المثقل بمعنی انه ہے عزم مجہول کا صیغہ ہے یہاں اس کا معنی ارادہ کرنے کا ہے مراد توفیق الٰہی ہے'' وقضی لی'' یہ قضا سے ہے فیصلہ کرنے کے معنی میں ہے اگر یہ عزم لی کے لئے عطف تفسیر ہو جائے تو بہت اچھا ہوگا یعنی اگر اللہ تعالیٰ میرے لئے اس تالیف کے اتمام کا فیصلہ کردے تو سب سے پہلے اس کا فائدہ مجھے پہنچے گا'' لو'' کے بعد عبارت شرط کے درجہ میں ہے اور'' کان اول'' کا جملہ اس کے لئے جزا ہے۔ اور'' ان'' اپنے اسم وخبر سے ملکر پورا جملہ ظننت کے لئے مفعول بہ واقع ہے'' خاصة'' یعنی اس تصنیف وتالیف کا سب سے پہلے فائدہ مجھے پہنچے گا کیونکہ علم کا پہنچانا ثواب ہے جس کے بڑے درجات ہیں

پھر احادیث مقدسہ کا علم ہے جس میں نبی پاک پر کثرت سے درود ہے اور احادیث کے پہنچانے کی بڑی ترغیب ہے اور علم چھپانے کی بڑی وعید ہے، یہی وجہ ہے کہ علماء اور محدثین نے اپنی زندگیاں اس مبارک علم کے اسفار میں صرف کی ہیں انہوں نے کوئی خطہ ایسا نہیں چھوڑا جہاں علم کے باغ نہ لگائے ہوں فتح الملہم میں اس مقام پر بہت ساری تفصیلات مذکور ہیں، بندۂ عاجز کو اس کا تجربہ بھی ہے کہ توضیحات شرح مشکوۃ جو میری تصنیف ہے سب سے زیادہ تدریسی فائدہ مجھے مل رہا ہے۔

"لاسباب كثيرة" اى لوجوه كثيرة یہ لفظ یصیبه سے متعلق ہے اسباب سے علم دین اور علم حدیث کے مختلف فوائد کی طرف اشارہ ہے یہ بات ظاہر ہے کہ علم کی روشنی محدود نہیں بلکہ ہمہ جہت ہے "والفن خير كله" "الوصف" یہ بیان کے معنی میں ہے کہ علم حدیث کے تمام پہلوؤں کا بیان کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ "الا ان جملة ذلك" یہ استثناء ماسبق کلام کے مفہوم سے ہے عبارت اس طرح ہوگی" اى لا اذكر الوجوه كلها الاخلاصتها" یا یہ استثناء منقطع ہے جو لکن کے معنی میں ہے عبارت میں لفظ "جملة" مجمل اور مختصر کے معنی میں ہے یعنی خلاصہ یہ ہے "هذا الشان" اس سے سند کے ساتھ حدیث بیان کرنا مراد ہے "اتقانه" مضبوط کرنے کے معنی ہے "معالجة الكثير" معالجہ استعمال کرنے اور حاصل کرنے کے معنی میں ہے۔ "ولا سيما" سيّ خصوصاً کے معنی میں ہے اور "ما" مبالغہ کے لئے ہے یعنی خاص طور پر جن عوام کے پاس تمیز نہیں ہے شاعر کہتا ہے

الا رب يوم كان منهن صالحا ولا سيما يوماً بدارة جلجل

"الا بان يوقفه" باب تفعیل سے واقف کرانا "غيره" یہ فاعل واقع ہے یوقف فعل کے لئے "السقيم" بیمار روایت سے ضعیف روایت مراد ہے۔

امام مسلمؒ کی ان تعقیدات سے بھرپور کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کے لئے تھوڑی روایات کو پختہ اور مضبوط کرنا آسان ہوتا ہے بہت ساری روایات کے حصول اور استعمال سے آدمی عاجز آجاتا ہے اور بہت ساری روایات کا یاد رکھنا اور ان کی صحت وسقم سے بحث کرنا اور ہر وقت ان سب باتوں کا ذہن میں مستحضر رکھنا مشکل ہوتا ہے اگر ایک بار بحث وتمحیص کر کے روایات کی چھان بین کر کے ایک جامع مجموعہ تیار کر لیا جائے تو وہ مجھ سمیت سب کے لئے مفید ہوگا اور جو لوگ صحیح اور غیر صحیح روایات میں کسی کی راہنمائی کے بغیر امتیاز نہیں کر سکتے ہیں ان کے سامنے ہر طرح کی حدیثوں کا مجموعہ مرتب کر کے رکھنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے، ان کے لئے تو صحیح حدیثوں کا مختصر مجموعہ ہی مفید رہے گا اور وہ صحیح مسلم شریف ہے جو میں تیار کرنا چاہتا ہوں۔

وَاِنَّمَا يُرْجٰى بَعْضُ الْمَنْفَعَةِ فِي الْاِسْتِكْثَارِ مِنْ هٰذَا الشَّأْنِ وَجَمْعِ الْمُكَرَّرَاتِ مِنْهُ لِخَاصَّةٍ مِنَ النَّاسِ مِمَّنْ رُزِقَ فِيْهِ بَعْضَ التَّيَقُّظِ وَالْمَعْرِفَةِ بِاَسْبَابِهٖ وَعِلَلِهٖ فَذٰلِكَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ يَهْجُمُ بِمَا اُوْتِيَ مِنْ ذٰلِكَ عَلَى الْفَائِدَةِ فِي الْاِسْتِكْثَارِ مِنْ جَمْعِهٖ فَاَمَّا عَوَامُّ النَّاسِ الَّذِيْنَ هُمْ بِخِلَافِ مَعَانِي الْخَاصِّ مِنْ اَهْلِ التَّيَقُّظِ وَالْمَعْرِفَةِ فَلَا مَعْنٰى لَهُمْ فِي طَلَبِ

الْحَدِیْثِ الْکَثِیْرِ وَقَدْ عَجَزُوْا عَنْ مَعْرِفَةِ الْقَلِیْلِ۔

اور احادیث کی بہتات میں اور مکررات کو جمع کرنے میں کچھ نفع کی امید صرف ان مخصوص لوگوں کے لئے ہے جنہیں اس فن میں کچھ بیدار مغزی اور احادیث کے علل واسباب کی معرفت نصیب ہے سو یہ شخص اگر اللہ نے چاہا تو جادھمکے گا، خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے، بہت زیادہ حدیثیں جمع کرنے کے فائدے پر رہے عام لوگ جن کی صورت حال بیدار مغز اور علم ومعرفت رکھنے والے خواص سے مختلف ہے تو ان کے لئے بہت زیادہ حدیثیں طلب کرنے کی کوئی معنویت نہیں ہے درآنحالیکہ وہ تھوڑی روایات جاننے سے بھی عاجز ہیں۔

## تشریح

"وانما یرجی" اس عبارت سے امام مسلمؒ ایک اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ اعتراض یہ ہے کہ محدثین نے لاکھوں حدیثیں یاد کر رکھی ہیں امام احمد بن حنبل سات لاکھ احادیث کے حافظ تھے، ابوزرعہ بھی اتنے ہی کے حافظ تھے، امام ابوداؤد پانچ لاکھ احادیث کے حافظ تھے، امام مسلم اور امام بخاری تین، تین لاکھ احادیث کے حافظ تھے، ایک طرف احادیث کا یہ ذخیرہ دیکھو اور دوسری طرف امام مسلم کی قلت احادیث کی ترغیب اور اس کے فوائد بیان کرنا دیکھو یہ تو ایک تضاد وتعارض ہے۔ امام مسلمؒ نے مذکورہ عبارت سے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ زیادہ احادیث جمع کرنا فن حدیث کے شہسواروں کا کام ہے ان کے لئے حدیثوں کا بڑا ذخیرہ جمع کرنا اور یاد رکھنا مفید تھا لیکن جن بیچاروں کے پاس علم کی صلاحیت نہیں ان کے لئے قلیل صحیح احادیث مفید ہیں وہ قلیل کے محفوظ کرنے سے عاجز ہیں اور آپ ان پر مزید بوجھ ڈالنا چاہتے ہیں کہا گیا وہ مقولہ کہ "لایقاس الملوك بالحدادین" "بادشاہوں کو لوہاروں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ امام مسلمؒ نے ماہرین محدثین کے مقابلے میں عوام الناس کا جو لفظ استعمال فرمایا ہے اس سے جہلاء عوام مراد نہیں بلکہ ماہرین محدثین کے مقابلے میں وہ علماء مراد ہیں جن کو فنون میں تو مہارت ہے مگر حدیث میں نہیں ہے "ھذا الشان" اس سے سند کے ساتھ احادیث مراد ہیں "التیقظ" علمی مقام اور علمی بیداری مراد ہے "باسبابه وعلله" "اسباب جمع ہے اس کا مفرد سبب ہے اس سے اسباب طعن فی الحدیث مراد ہیں علل، علۃ کی جمع ہے جس حدیث میں علت موجود ہو اس کو معلول کہتے ہیں ابتدائی مباحث میں حدیث معلل کی بات آگئی ہے۔ اسباب طعن دس ہیں۔ اس سے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ بنیادی طور پر حدیث دو قسم پر ہے ایک حدیث صحیح ہے دوسری حدیث ضعیف ہے حدیث صحیح وہ ہوتی ہے جو اسباب طعن سے پاک ہو، علت وشذوذ سے خالی ہو اس کی سند اول سے آخر تک متصل ہو اور اس کو ایسے راوی نقل کرتے ہوں جو ضبط وعدالت سے متصف ہوں۔ اس قسم کی روایت صحیح لذاتہ کہلاتی ہے یہ اعلیٰ درجہ کی حدیث ہوتی ہے اس کے بعد خفیف الضبط خفیف العدالۃ راویوں کی روایت کردہ حدیث ہوتی ہے یہ درجہ دوم کی حدیث کہلاتی ہے جو متوسط درجہ کی ہوتی ہے اس کے بعد درجہ سوم کی حدیث ہوتی ہے اس کے راوی مستورین متروکین ہوتے ہیں یہ صحیح کے مقابلہ میں ضعیف حدیث کہلاتی ہے آگے تفصیل آرہی ہے۔

# اسباب طعن

اسباب طعن کل دس ہیں پانچ کا تعلق عدالت سے ہے جس سے راوی کی عدالت مجروح ہوتی ہے اور پانچ کا تعلق ضبط و اتقان سے ہے جس سے راوی کا ضبط و اتقان مجروح ہوتا ہے جن اسباب سے عدالت مجروح ہوتی ہے وہ پانچ اسباب طعن یہ ہیں:

(۱) کذب (۲) تہمت کذب (۳) فسق (۴) جہالت (۵) بدعت

اور جس سے ضبط و اتقان مجروح ہوتا ہے وہ پانچ اسباب طعن یہ ہیں:

(۱) کثرت غفلت (۲) کثرتِ غلط (۳) وہم (۴) مخالفت ثقات (۵) سوء حفظ۔

اب یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ حدیث میں اس پوشیدہ علت کو ہم کس طرح معلوم کریں گے تو اس کے کئی طریقے ہیں:

۱۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ تمام احادیث کو تمام طرق پر جمع کرلیا جائے اور دیکھا جائے تو مجموعی احادیث کے انداز سے معلوم ہوجائے گا کہ حدیث معلول کونسی ہے، علی بن المدینی فرماتے ہیں "اذالم تجمع طرقه لم يتبين خطائه"۔ (نعمت المنعم ص ۰۸)

۲۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کثرت مزاولت اور اشتغال بالحدیث ہوتا کہ قدرتی ذوق اور ملکہ پیدا ہوجائے جس سے حدیث کو اس طرح پرکھا جائے جس طرح مقناطیس سے درہم کے کھوٹے اور کھرے کا پتہ چلایا جاتا ہے اسی قدرتی ذوق کو دوسرے الفاظ میں الہام سے یاد کیا گیا ہے۔ (تدریب الراوی)

چنانچہ ابوزرعہ رحمہ اللہ سے ایک عالم نے پوچھا کہ آپ لوگ کس طرح حدیث کی علت کو معلوم کرکے بتاتے ہیں؟

آپ نے جواب میں فرمایا کہ تم ایک حدیث کی علت سے متعلق پہلے مجھ سے پوچھو پھر ابن وارہؒ سے پوچھو پھر ابوحاتمؒ سے پوچھو سب ایک ہی طرز پر جواب دیں گے چنانچہ اس شخص نے مختلف اصحاب الجرح والتعدیل سے پوچھا سب نے ایک ہی طرز پر جواب دیا تو اس شخص نے کہا "اشهد ان هذا العلم الهام" یعنی یہ ایک الہامی طریقہ ہے، ابن رجب حنبلی بھی اسی طرح فرمایا کرتے تھے۔

۳۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک مشہور معتبر راوی ہے ثقہ اور ضابط ہے اس کی نقل کردہ روایت کے خلاف دوسرا مستور غیر مشہور راوی روایت نقل کرتا ہے تو اس غیر مشہور کا طریقہ معلول ہوگا کیونکہ ثقہ کے خلاف ہے۔ بہر حال علت خفیہ معلوم کرنے کا علم ایک دقیق وعمیق فن ہے اس کے لئے مهرة الرجال اصحاب الجرح والتعديل علماء کی ضرورت ہے ہر سطحی عالم کا یہ کام نہیں ہے۔

"يهجم" نصر ينصر سے ہے آگے بڑھنے کے معنی میں ہے۔ "معاني الخاص" "غیر متقدر علماء کے مقابلہ میں خاص مقصود ین محدثین مراد ہیں میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ امام مسلم" عوام الناس "سے بازار میں گھومنے پھرنے والے جہلاء مراد نہیں لے رہے ہیں بلکہ غیر متقدر علماء مراد ہیں جو علماء ہیں مگر فن حدیث میں مہارت نہیں رکھتے ہیں۔

"من اهل التيقظ والمعرفة" یعنی جن کو بیدار مغزی کے ساتھ ساتھ اسباب طعن اور علل الحدیث کی معرفت بھی نصیب ہوگئی ہو اس جملہ سے اور صفحہ ۵ پر ایک جملہ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ امام مسلمؒ نے راویوں کے چار طبقات کا ذکر کیا ہے، تفصیل آرہی ہے۔"وقدعجزوا" یہ جملہ حالیہ ہے یعنی درانحالیکہ وہ قلیل کے سمجھنے اور یاد کرنے سے عاجز ہیں۔

ثُمَّ إِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مُبْتَدِؤُوْنَ فِيْ تَخْرِيْجِ مَاسَأَلْتَ وَتَالِيْفِهِ عَلٰى شَرِيْطَةٍ سَوْفَ أَذْكُرُهَا لَكَ وَهُوَ أَنَّا نَعْمِدُ إِلٰى جُمْلَةِ مَاأُسْنِدَ مِنَ الْأَخْبَارِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَقْسِمُهَا عَلٰى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ وَثَلَاثِ طَبَقَاتٍ مِنَ النَّاسِ عَلٰى غَيْرِ تَكْرَارٍ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَ مَوْضِعٌ لَا يُسْتَغْنٰى فِيْهِ عَنْ تَرْدَادِ حَدِيْثٍ فِيْهِ زِيَادَةُ مَعْنًى أَوْ إِسْنَادٌ يَقَعُ إِلٰى جَنْبِ إِسْنَادٍ لِعِلَّةٍ تَكُوْنُ هُنَاكَ لِأَنَّ الْمَعْنَى الزَّائِدَ فِي الْحَدِيْثِ الْمُحْتَاجَ إِلَيْهِ يَقُوْمُ مَقَامَ حَدِيْثٍ تَامٍّ فَلَا بُدَّ مِنْ إِعَادَةِ الْحَدِيْثِ الَّذِيْ فِيْهِ مَاوَصَفْنَا مِنَ الزِّيَادَةِ أَوْ أَنْ تُفَصَّلَ ذٰلِكَ الْمَعْنٰى مِنْ جُمْلَةِ الْحَدِيْثِ عَلٰى اخْتِصَارِهِ إِذَا أَمْكَنَ وَلٰكِنْ تَفْصِيْلُهُ رُبَّمَا عَسُرَ مِنْ جُمْلَتِهِ فَإِعَادَتُهُ بِهَيْئَتِهِ إِذَا ضَاقَ ذٰلِكَ أَسْلَمُ فَأَمَّا مَا وَجَدْنَا بُدًّا مِنْ إِعَادَتِهِ بِجُمْلَتِهِ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ مِنَّا إِلَيْهِ فَلَا نَتَوَلّٰى فِعْلَهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

فَأَمَّا الْقِسْمُ الْأَوَّلُ: فَإِنَّا نَتَوَخّٰى أَنْ نُقَدِّمَ الْأَخْبَارَ الَّتِيْ هِيَ أَسْلَمُ مِنَ الْعُيُوْبِ مِنْ غَيْرِهَا وَأَنْقٰى مِنْ أَنْ يَكُوْنَ نَاقِلُوْهَا أَهْلَ اسْتِقَامَةٍ فِي الْحَدِيْثِ وَإِتْقَانٍ لِمَا نَقَلُوْا لَمْ يُوْجَدْ فِيْ رِوَايَتِهِمْ اخْتِلَافٌ شَدِيْدٌ وَلَا تَخْلِيْطٌ فَاحِشٌ كَمَا قَدْ عُثِرَ فِيْهِ عَلٰى كَثِيْرٍ مِنَ الْمُحَدِّثِيْنَ وَبَانَ ذٰلِكَ فِيْ حَدِيْثِهِمْ۔

اب ہم بمشیت ایزدی آپ کی مطلوبہ احادیث کی تخریج وتالیف شروع کرتے ہیں، ایک شرط کا التزام کرتے ہوئے جس کا آگے تذکرہ کروں گا اور وہ شرط یہ ہے کہ ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث کے معتد بہ حصہ کا جائزہ لیں گے اور ان کو تین قسموں میں اور ان کے راویوں کو تین طبقوں میں تقسیم کریں گے (اور یہ کام) تکرار سے بچتے ہوئے کریں گے مگر یہ کہ کوئی ایسی جگہ آجائے جہاں کسی ایسی حدیث کی تکرار ناگزیر ہو، جس میں کوئی زائد مضمون ہے یا کوئی ایسی سند آئے جو دوسری سند کے پہلو میں واقع ہو کسی خاص وجہ سے جو وہاں پائی جاتی ہو (تو تکرار گوارہ کی گئی ہے) کیونکہ حدیث میں جو زائد مضمون ہے جس کی احتیاج ہے وہ مستقل حدیث کا حکم رکھتا ہے اس لئے اس حدیث کو دوبارہ لانا ضروری ہوتا ہے جس میں وہ زائد مضمون ہوتا ہے جس کا ہم نے تذکرہ کیا ہے یا یہ ضروری ہوتا ہے کہ اختصار کے لئے ہم اس زائد مضمون کو لمبی حدیث سے جدا کریں اگر ایسا کرنا ممکن ہو مگر کبھی لمبی حدیث سے اس مضمون کا علیحدہ کرنا دشوار ہوتا ہے تو ایسی صورت میں پوری حدیث بعینہ مکرر لانا ہی زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ رہی وہ جگہ جہاں ساری حدیث مکرر لائے بغیر کام چل سکتا ہے بایں وجہ کہ ہم کو ساری حدیث (مکرر لانے) کی ضرورت

نہیں ہے تو وہاں ہم ان شاء اللہ تکرار کی ذمہ داری قبول نہیں کریں گے۔

رہی پہلی قسم : تو ہم ارادہ کرتے ہیں کہ سب سے پہلے اُن حدیثوں کو درج کریں، جو بہ نسبت اور روایات کے عیوب سے زیادہ محفوظ اور پاک ہیں بایں وجہ کہ ان کے راوی حدیثوں کو درستگی کے ساتھ بیان کرنے والے ہیں اور جن روایات کو نقل کرتے ہیں ان کو اچھی طرح یاد رکھنے والے ہیں، اُن کی روایتوں میں بہت زیادہ مخالفت اور حد سے زیادہ خلط ملط نہیں پایا جاتا ہے، جیسا کہ بہت سے حدیث بیان کرنے والوں میں اس بات کا پتہ چلا ہے اور ان کی مرویات میں یہ بات ظاہر ہوگئی ہے۔

## درجہ اول کے راوی

### تشریح

''ثم انا ان شاء اللہ'' راویوں کی صفات کے اعتبار سے امام مسلمؒ نے احادیث کو تین طبقات پر تقسیم کیا ہے کتاب کے صفحہ ۵ تک امام مسلم نے یہی تذکرہ کیا ہے گویا اس صفحہ ۵ تک امام مسلمؒ نے اپنی کتاب کا تعارف بیان کیا ہے جس کو سبب تالیف کے بعد طرز تالیف کہا جا سکتا ہے۔

### پہلا طبقہ

صفات کے اعتبار سے جو رُوات حافظ و متقن اور اہل صدق و استقامت ہوں نہ ان کی روایات میں اختلاف شدید ہو اور نہ تخلیط فاحش ہو یہ درجۂ اعلیٰ کے راوی ہیں اور ان کی روایت کردہ احادیث قسم اول کی احادیث ہیں جنہیں امام مسلمؒ نے من وعن قبول کیا ہے۔

### دوسرا طبقہ

امام مسلم کے نزدیک رواۃ کا دوسرا طبقہ وہ ہے کہ ان میں حفظ و اتقان ہو مگر طبقہ اولیٰ سے کچھ کم ہو یہ مستورون یعنی متوسطون فی الحفظ و الاتقان کا طبقہ ہے۔ امام مسلمؒ نے ان کی احادیث درجہ ثانیہ میں لی ہیں جو بطور متابع وشاہد و تائید ہیں گویا پہلا طبقہ تام الضبط راویوں کا ہے اور دوسرا طبقہ خفیف الضبط راویوں کا ہے۔

### تیسرا طبقہ

امام مسلم کے نزدیک رواۃ کا تیسرا طبقہ وہ ہے جو ضعفاء اور متروکین کا طبقہ ہے جن کے ضعف پر سارے محدثین متفق ہو چکے ہوں یا اکثریت نے ان کو ضعیف کہا ہو۔ امام مسلم فرماتے ہیں کہ ایسے راویوں کی احادیث کو میں ہرگز نہیں لوں گا اور نہ ان کی طرف التفات کروں گا۔

## کیا چوتھا طبقہ بھی ہے؟

امام مسلم رحمہ اللہ کے مجموعی کلام اور خاص کر صفحہ نمبر ۵ کی عبارت "عند الاکثر" اور عبارت "من الغالب" سے چوتھے طبقے کا اشارہ ملتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ امام مسلم نے ان طبقات کا بیان اپنی کتاب صحیح مسلم میں کیا ہے یا کسی اور تصنیف کی طرف اشارہ ہے اور اگر مسلم میں اس کا ذکر کیا ہے تو کس ترتیب سے بیان کیا ہے تو اس میں علماء کی مختلف آراء ہیں: ابو عبداللہ حاکم نیشاپوریؒ اور امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ امام مسلمؒ نے یہ وعدہ صحیح مسلم کے لئے نہیں کیا ہے بلکہ کسی اور تصنیف کی طرف اشارہ ہے مگر اس میں شروع کرنے سے پہلے قضاء وقدر نے امام مسلمؒ کو اٹھالیا اور یہ وعدہ پورا نہ ہوسکا۔ لہٰذا صحیح مسلم میں صرف طبقہ اولیٰ کی احادیث مذکور ہیں اور بس، قاضی عیاض مالکیؒ اس رائے کے شدید مخالف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ لوگوں نے ان حضرات کی رائے سن لی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام مسلمؒ نے یہ وعدہ اپنی کتاب صحیح مسلم کے بارے میں کیا تھا اور آپ نے یہ وعدہ پورا بھی کردیا ہے کیونکہ امام مسلم نے طبقہ اولیٰ کی روایات کو مسلم میں نقل کردیا ہے اور طبقہ ثانیہ کی روایات کو بطور شاہد ومتابع نقل کردیا ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ امام مسلم کو جب طبقہ اولیٰ کے راوی نہیں ملتے ہیں تو آپ دوسرے طبقہ کے راویوں کو طبقہ اولیٰ میں لے آتے ہیں اور پھر چوتھے درجے کے راویوں کو درجہ ثانیہ میں لاکر بطور متابع اور بطور شاہد ذکر کرتے ہیں، قاضی عیاض مزید فرماتے ہیں کہ تقلید محض کرنے کی ضرورت نہیں ہے صحیح مسلم میں غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔ قاضی عیاض نے امام مسلم کی عبارت سے استدلال کیا ہے جو صفحہ نمبر ۵ پر ہے جس کا ذکر میں نے پہلے کردیا ہے یعنی راوی کو اکثر لوگوں نے متہم قرار دیا اور غالب طبقہ نے متہم قرار دیا مگر اقل طبقہ نے اور مغلوب طبقہ نے اس کو قبول کردیا ہے یہی چوتھا طبقہ ہے امام نوویؒ نے بھی قاضی عیاض کی تائید کی ہے، دار قطنی نے صحیح مسلم کی ۱۳۲ روایات پر جو تنقید کی ہے وہ اسی قسم کی روایات ہیں۔ "شریطۃ" یہ شرط اور التزام کے معنی میں ہے "نعمد" ضرب سے قصد کے معنی میں ہے "جملۃ" یا اکثر کے معنی میں ہے "نرداد" لوٹانے کے معنی میں ہے "واسناد یقع" یعنی کوئی ایسی حدیث ہو جس میں زائد معنی ہو اور سابق حدیث پر اضافہ ہو یا کوئی ایسی سند ہو جس میں کوئی علت ہو اور دوسری سند سے وہ علت دور ہوجاتی ہو مثلاً پہلی سند میں عنعنہ ہو اور دوسری میں سماعت ہو تو اس طرح مجبوری میں ہم تکرار کریں گے ورنہ تکرار سے ہم قطعاً احتراز کریں گے۔ امام مسلمؒ نے جو کثرت طرق اور کثرت اسانید کو ذکر کیا ہے ہر جگہ علت کے لئے ذکر نہیں کیا ہے کیونکہ ہر جگہ علت نہیں ہوتی بلکہ احادیث کے ذخیرہ کو جمع کرنے کی غرض سے بھی ایسا کیا ہے کیونکہ اگر ایک متن ہے اور اس کی دس سندیں ہیں تو وہ دس حدیثیں شمار ہوتی ہیں اور جب الفاظ اور راویوں میں تفاوت اور فرق آجائے تو اس کو تکرار بھی نہیں کہا جاسکتا "او ان نفصل" باب تفعیل سے جدا کرنے کے معنی میں ہے یعنی زائد معنی والی عبارت کو ہم لمبی حدیث سے کاٹ کر الگ کردیں گے اگر ایسا ممکن ہوا کیونکہ حدیث کا یہ زائد ٹکڑا بھی پوری حدیث کے قائم مقام ہوتا ہے جبکہ حدیث اپنے مفہوم میں اس ٹکڑے کی طرف محتاج ہو اگرچہ

ایک ٹکڑے کے لانے میں یہ خرابی ہے کہ حدیث میں تخریم آجاتی ہے۔

## کیا تخریم فی الحدیث جائز ہے؟

تخریم الحدیث اور اختصار الحدیث اس عمل کا نام ہے کہ ایک عالم دین حدیث کے ایک حصہ کو نقل کرتا ہے باقی کو چھوڑ دیتا ہے اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا تخریم فی الحدیث جائز ہے یا ناجائز ہے؟

تدریب الراوی میں ہے کہ جو علماء روایت بالمعنی کے قائل نہیں ہیں وہ تخریم الحدیث کو بھی جائز نہیں کہتے، لیکن جو لوگ علماء ہیں عارفین بالحدیث ہیں کہ یہ حدیث کہاں پر ہے اور مضمون ومعنی میں خلل نہیں کرتے ہیں اور مضمون کے جوڑ توڑ پر ان کی نظر ہوتی ہے تو ان کے لئے تخریم الحدیث جائز ہے امام مسلمؒ نے بھی جمہور کا راستہ اپنایا ہے کہ اگر مضمون اور معنی میں خلل اور نقصان نہ ہوتا ہو تو عالم کے لئے تخریم الحدیث جائز ہے لیکن اگر عالم سے بھی مضمون ومعنی میں خلل واقع ہوتا ہو اور معنی میں فساد آتا ہو تو اس طرح کے عالم کے لئے بھی تخریم جائز نہیں ہے۔ ان پڑھ تبلیغیوں کے لئے بھی روایت بالمعنی کرنا صحیح نہیں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تخریم فی الحدیث کے بہت زیادہ حامی ہیں۔

''فلا نتولی'' یعنی پوری حدیث کے اعادہ کرنے سے اگر ہم کسی بھی صورت میں بے نیاز ہو کر چھٹکارا پاسکتے ہیں تو ہم تخریم الحدیث اور اختصار الحدیث کا بیڑا ابھی نہیں اٹھائیں گے اور یہ ذمہ داری سر پر نہیں لیں گے۔ ''فانا نتوخی'' یہ صیغہ باب تفعل سے ہے قصد کرنے کے معنی میں ہے ''من ان یکون'' یہ من تعلیلیہ ہے اور یہ جملہ ماقبل کے لئے علت کے درجہ میں ہے ''انقی'' یہ نقی سے پاکیزہ کے معنی میں ہے ''استقامۃ'' درستگی کے معنی میں ہے ''واتقان'' یہ پختگی کے معنی میں ہے۔ اختلاف شدید اور تخلیط فاحش کے ضمن میں یہ اشارہ ہے کہ قلیل مقدار میں یہ چیزیں معاف ہیں کیونکہ ان سے بچنا مشکل ہے۔

## درجہ دوم کے راوی

فَاِذَا نَحْنُ تَقَصَّيْنَا اَخْبَارَ هٰذَا الصِّنْفِ مِنَ النَّاسِ اَتْبَعْنَاهَا اَخْبَارًا يَقَعُ فِيْ اَسَانِيْدِهَا بَعْضُ مَنْ لَيْسَ بِالْمَوْصُوْفِ بِالْحِفْظِ وَالْاِتْقَانِ كَالصِّنْفِ الْمُقَدَّمِ قَبْلَهُمْ عَلٰى اَنَّهُمْ وَاِنْ كَانُوْا فِيْمَا وَصَفْنَا دُوْنَهُمْ فَاِنَّ اسْمَ السَّتْرِ وَالصِّدْقِ وَتَعَاطِي الْعِلْمِ يَشْمَلُهُمْ كَعَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ وَيَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ زِيَادٍ وَلَيْثِ بْنِ اَبِيْ سُلَيْمٍ وَاَضْرَابِهِمْ مِنْ حُمَّالِ الْاٰثَارِ وَنُقَّالِ الْاَخْبَارِ فَهُمْ وَاِنْ كَانُوْا بِمَا وَصَفْنَا مِنَ الْعِلْمِ وَالسَّتْرِ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ مَعْرُوْفِيْنَ فَغَيْرُهُمْ مِنْ اَقْرَانِهِمْ مِمَّنْ عِنْدَهُمْ مَا ذَكَرْنَا مِنَ الْاِتْقَانِ وَالْاِسْتِقَامَةِ فِي الرِّوَايَةِ يَفْضُلُوْنَهُمْ فِي الْحَالِ وَالْمَرْتَبَةِ لِاَنَّ هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ دَرَجَةٌ رَفِيْعَةٌ وَخَصْلَةٌ سَنِيَّةٌ ۔

پھر جب ہم اس قسم (درجہ اول) کے راویوں کی تمام حدیثیں بیان کر چکیں گے تو اس کے بعد ہم وہ حدیثیں

لائیں گے جن کی سندوں میں بعض ایسے راوی آگئے ہیں جو حفظ واتقان کے ساتھ اس درجہ سے متصف نہیں ہیں جس درجہ سے وہ راوی متصف ہیں جن کا سابق میں ذکر کیا گیا ہے علاوہ ازیں یہ لوگ اگر چہ مذکورہ صفات (حفظ واتقان) میں پہلی قسم کے رُواۃ سے فروتر ہیں مگر مستوریت، صداقت اور علم حدیث کے ساتھ اشتغال کا اُن پر بھی اطلاق ہوتا ہے جیسے عطاء بن السائب، یزید بن زیاد، لیث بن ابی سُلیم اور اُن جیسے دوسرے حاملین حدیث اور ناقلین روایات۔ الغرض یہ حضرات اگر چہ ائمہ حدیث کے نزدیک اُن صفات میں جو ہم نے ذکر کیں یعنی علم حدیث کے ساتھ اشتغال اور مستوریت (عدالت) میں مشہور ہیں مگر اُن کے ہم عصر دوسرے رُواۃ میں سے جو حفظ واتقان اور روایت کی درستگی میں اُس مرتبہ پر ہیں جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ اُن حضرات (عطاء وغیرہ) سے حالت ودَرَجہ میں بڑھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ محدثین کے نزدیک یہ چیز (یعنی حفظ واتقان) ایک بلند رُتبہ اور عظیم الشان امتیاز ہے۔

## تشریح

''فـاذانـحن تقصينا''، تقصّی باب تفعل سے ہے اصل میں قص یقص اور قصص بیان کرنے اور مکمل کرنے کے معنی میں ہے مجرد سے مزید کی طرف لیجانے سے پیچیدگی پیدا ہوگئی تعاقب کا معنی بھی اس میں پڑا ہوا مطلب یہ ہے کہ جب ہم قسم اول کے راویوں کے بیان سے مکمل طور پر فارغ ہو جائیں گے تو اس کے بعد ہم درجہ دوم کے راویوں کی حد بندی میں شروع ہو جائیں گے۔ اب یہاں ایک اعتراض پیدا ہوگیا ہے وہ یہ کہ بظاہر وہم ہوتا ہے کہ امام مسلم نے صحیح اور حسن ساری کی ساری احادیث کو جمع کر دیا ہے حالانکہ امام مسلم نے ایسا نہیں کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہم غلط ہے کیونکہ یہاں امام مسلم نے صرف اتنی بات کہی ہے کہ میں جب تام الضبط راویوں کی روایتوں سے فارغ ہو جاؤں گا تو پھر خفیف الضبط راویوں کی روایتوں کو بیان کروں گا یہ تصریح نہیں ہے کہ ساری کی ساری روایتوں کو جمع کروں گا بلکہ یہ تصریح ہے کہ میں جو کچھ یہاں جمع کروں گا وہ صحیح روایات کا مجموعہ ہوگا۔ چنانچہ مسلم شریف جلد اول ص ۱۷۴ پر یہ تصریح موجود ہے نیز امام ابوزرعہ نے جب خدشہ ظاہر کیا کہ امام مسلم نے صحیح احادیث جمع کرنے کا جو دعوی کیا ہے اس سے اہل باطل کو موقع ملے گا کہ جو حدیث مسلم میں نہیں وہ صحیح نہیں تو سعید بن عمرو نے ابوزرعہ کا خدشہ امام مسلم کے سامنے ظاہر کیا تو امام مسلم نے فرمایا کہ میں نے کب کہا ہے کہ میں نے ساری صحیح احادیث یہاں جمع کر دی ہے خود فرمایا کہ ''ليس كل شئ عندى صحيح وضعته ههنا انما وضعته ههنا مااجمعوا عليه''۔ (مسلم ص ۱۷۴)

معلوم ہوا کہ امام مسلم نے نہ ساری صحیح احادیث جمع کی ہیں اور نہ ساری حسن جمع کی ہیں بلکہ جو جمع کیا ہے وہ صحیح ہے یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ درجہ دوم کے راوی بھی عدالت وصداقت اور علم حدیث سے مناسبت میں درجہ اول کے راویوں کے ہم پلہ ہوتے ہیں صرف حفظ واتقان میں کم تر ہوتے ہیں کیونکہ بڑھاپے کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے تو حافظہ کے کمزور ہونے کی وجہ سے یہ درجہ اول سے درجہ دوم تک نیچے آجاتے ہیں، امام مسلم ان کی روایات شواہد اور متابعات میں لاتے ہیں۔

## ذخیرۂ حدیث میں احادیث کی کل تعداد کیا ہے؟

ہر محدث نے اپنے اپنے انداز کے مطابق پورے ذخیرۂ احادیث کا تتبع کر کے تعداد بتائی ہے کوئی حتمی اور یقینی فیصلہ اب تک نہیں ہو سکا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کل احادیث کی تعداد سات لاکھ بتائی ہے، ابوزرعہ رازی نے بھی سات لاکھ کا قول کیا ہے یا چھ لاکھ بتایا ہے یہ تعداد تکرار کے ساتھ ہے اب بلا تکرار احادیث کی تعداد کیا ہے اس کا تعین بھی دشوار ہے اپنے اپنے علم کی بنیاد پر بتایا گیا ہے امام احمد بن حنبل نے بلا تکرار احادیث کی تعداد سات ہزار بتائی ہے سفیان ثوری، یحییٰ بن سعید القطان اور عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں کہ بلا تکرار احادیث کا مجموعہ چار ہزار ہے ادھر امام مسلم کے متعلق سب نے لکھا ہے کہ صحیح مسلم میں تکرار کے ساتھ بارہ ہزار یا آٹھ ہزار احادیث ہیں اور بلا تکرار صرف مسلم میں چار ہزار کی تعداد ہے، تعیین دشوار ہے۔ اب یہ بات کہ احکام پر مشتمل احادیث کی تعداد کیا ہے؟ تو بعض محدثین کے ہاں نو سو ہیں بعض کے ہاں آٹھ سو ہیں بعض نے گیارہ سو کی تعداد بتائی ہے بعض نے پانچ سو کو کہا ہے۔ بہر حال گنتی کا معیار الگ الگ ہے اس لئے تعداد میں فرق آ گیا ہے۔

(خلاصہ فتح الملہم، مقدمہ نووی، نعمۃ المنعم وغیرہ)

''اسم الستر'' ستر کے سین پر فتحہ ہے پردہ کے معنی میں ہے مراد مستور العیب ہے مستور الحال نہیں کیونکہ مستور الحال کی روایت تو ضعیف ہوتی ہے ''الصدق'' اس سے مراد وہ راوی ہے جو سچا ہو اس پر کذب کی تہمت نہ ہو ''واضرابھم'' یہ ضرب کی جمع ہے ای اشباھھم وامثالھم۔

## راویوں کی درجہ بندی کی پہلی مثال

اَلَاتَرٰی اَنَّکَ اِذَا وَازَنْتَ ھٰؤُلَاءِ الثَّلَاثَةَ الَّذِیْنَ سَمَّیْنَاھُمْ عَطَاءً وَیَزِیْدَ وَلَیْثًا بِمَنْصُوْرِ بْنِ الْمُعْتَمِرِ وَسُلَیْمَانَ الْاَعْمَشِ وَاِسْمَاعِیْلَ بْنِ اَبِیْ خَالِدٍ فِیْ اِتْقَانِ الْحَدِیْثِ وَالْاِسْتِقَامَةِ فِیْهِ وَجَدْتَّھُمْ مُبَایِنِیْنَ لَھُمْ لَایُدَانُوْنَھُمْ لَاشَکَّ عِنْدَ اَھْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِیْثِ فِیْ ذٰلِکَ لِلَّذِیْ اسْتَفَاضَ عِنْدَھُمْ مِنْ صِحَّةِ حِفْظِ مَنْصُوْرٍ وَالْاَعْمَشِ وَاِسْمَاعِیْلَ وَاِتْقَانِھِمْ لِحَدِیْثِھِمْ وَاَنَّھُمْ لَمْ یَعْرِفُوْا مِثْلَ ذٰلِکَ مِنْ عَطَاءٍ وَیَزِیْدَ وَلَیْثٍ۔

دیکھئے! جب آپ ان تینوں حضرات کا جن کا ہم نے تذکرہ کیا ہے یعنی عطا، یزید اور لیث کا منصور بن المعتمر، سلیمان اعمش اور اسماعیل بن ابی خالد سے، حفظ و اتقان اور روایت کی درستگی میں موازنہ کریں گے تو ان کو ان سے بالکل مختلف پائیں گے وہ ان کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ ائمہ حدیث کو اس بارے میں قطعاً کوئی شک نہیں ہے بایں وجہ کہ ان کو بدرجہ شہرت یہ بات معلوم ہے کہ منصور، اعمش اور اسماعیل کو احادیث اچھی طرح یاد تھیں اور وہ اپنی مرویات کو خوب مضبوط کئے ہوئے تھے اور عطاء، یزید اور لیث کے بارے میں یہ بات محدثین کو معلوم نہیں ہے۔

## تشریح

"الاتری انک اذا وازنت ھؤلاء الثلاثۃ"

امام مسلمؒ نے درجہ اول اور درجہ دوم کے راویوں کی حد بندی اور موازنہ اس طرح کیا ہے کہ پہلے درجہ دوم کے تین راویوں کا نام لیا پھر ان کے مقابلے میں درجہ اول کے تین اشخاص کا نام لیا اور پھر فرمایا کہ دیکھو درجہ دوم کے راوی بھی کوئی گئے گذرے لوگ نہیں ہیں لیکن درجہ اول کے راویوں کا مقام ضبط واتقان میں ان سے کہیں اونچا ہے، پہلے درجہ کے راوی تام الضبط والاتقان ہیں اور درجہ دوم کے راوی خفیف الضبط والاتقان ہیں۔ امام مسلم نے عجیب ترتیب رکھی ہے کہ درجہ دوم کے راویوں کا تذکرہ پہلے کیا ہے پھر درجہ اول کے راویوں کو ذکر کیا ہے میں بھی اسی ترتیب سے لکھنا چاہتا ہوں، معلوم نہیں امام مسلم نے ایسا کیوں کیا تو لیجئے

درجہ دوم کے راوی:

درجہ دوم کے راوی : ۱۔ عطاء بن السائب ۲۔ یزید بن ابی زیاد ۳۔ لیث بن ابی سُلیم

درجہ اول کے راوی : ۱۔ منصور بن المعتمر ۲۔ سلیمان الاعمش ۳۔ اسماعیل بن ابی خالد۔

اب دونوں درجوں میں فرق کو دیکھ لیجئے کہ عطاء بن سائب ثقفی کوفی تابعی متوفی ۱۳۶ھ ہیں امام بخاری کے راویوں میں سے ہیں مگر آخر میں حافظ خراب ہوگیا تھا تو درجہ دوم میں آگئے۔ یزید بن ابی زیاد ہاشمی کوفی متوفی ۱۳۶ھ ہیں مسلم اور سُنن کے راوی ہیں ثقہ ہیں مگر آخر عمر میں حافظ خراب ہوگیا تو درجہ دوم میں آگئے۔ لیث بن ابی سُلیم متوفی ۱۴۸ھ ثقہ ہیں مسلم اور سُنن کے معتبر راوی ہیں مگر آخر عمر میں حافظ خراب ہوگیا تو درجہ دوم میں آگئے۔

اب دیکھئے کہ درجہ اول میں منصور بن المعتمر متوفی ۱۳۲ھ ہیں سلیمان اعمش متوفی ۱۴۷ھ ہیں، اسماعیل بن ابی خالد متوفی ۱۴۶ھ ہیں ان دونوں درجوں کے راویوں میں ضبط واتقان میں بڑا فرق ہے لہٰذا ان صفات کی قوت وضعف کی وجہ سے ان کے درجات میں فرق آگیا کیونکہ علم الحدیث کے میدان میں ان صفات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا" وازنت " ترازو میں تولنے اور موازنہ کرنے کے معنی میں ہے یعنی دنیا نے پرکھ کر دیکھا تو دونوں درجوں میں بڑا فرق محسوس کیا۔

## راویوں کی درجہ بندی کی دوسری مثال

وَفِي مِثَالٍ مَجْرَى هٰؤُلَاءِ إِذَا وَازَنْتَ بَيْنَ الْأَقْرَانِ كَابْنِ عَوْنٍ وَأَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيِّ مَعَ عَوْفِ بْنِ أَبِي جَمِيلَةَ وَأَشْعَثَ الْحُمْرَانِيِّ وَهُمَا صَاحِبَا الْحَسَنِ وَابْنِ سِيرِينَ كَمَا أَنَّ ابْنَ عَوْنٍ وَأَيُّوبَ صَاحِبَاهُمَا إِلَّا أَنَّ الْبَوْنَ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ هٰذَيْنِ بَعِيدٌ فِي كَمَالِ الْفَضْلِ وَصِحَّةِ النَّقْلِ وَإِنْ كَانَ عَوْفٌ وَأَشْعَثُ غَيْرَ مَدْفُوعَيْنِ عَنْ صِدْقٍ وَأَمَانَةٍ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَلٰكِنَّ الْحَالَ مَا وَصَفْنَا مِنَ الْمَنْزِلَةِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ۔

علی ہذا القیاس جب آپ ہم عصروں کے درمیان موازنہ کریں گے مثلاً ابن عون اور ایوب سختیانی کا موازنہ کریں گے عوف بن ابی جمیلہ اور اشعث حُمرانی کے ساتھ درآنحالیکہ یہ دونوں حضرت حسن بصری اور حضرت محمد بن سیرین کے تلامذہ ہیں جس طرح ابن عون اور ایوب ان کے شاگرد ہیں مگر ان میں اور ان میں کمال فضیلت اور روایت کی صحت میں بڑا فرق ہے، اگرچہ عوف اور اشعث بھی محدثین کے نزدیک صدق وامانت سے ہٹائے ہوئے نہیں ہیں مگر مقام ورتبہ کی صورتِ حال محدثین کے نزدیک وہی ہے جو ہم نے بیان کی۔

## تشریح

''وفی مثل مجری ھولاء'' یہاں سے امام مسلم رحمہ اللہ ''وانما مثلنا'' تک تام الضبط اور خفیف الضبط راویوں کی درجہ بندی کی ایک اور مثال پیش کرنا چاہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم ہم عصر بلکہ استاذ شریک علماء کے درمیان موازنہ کروگے اور ابن عون اور ایوب سختیانی کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھوگے اور عوف بن ابی جمیلہ اور اشعث حمرانی کو ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھوگے تو اس موازنہ کے بعد معلوم ہوگا کہ فضل وکمال، ضبط واتقان اور رتبہ ومنزلت میں دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق موجود ہے اور ہمیں شریعت نے حکم دیا ہے کہ ہم لوگوں میں ہر ایک کو اپنے اپنے مقام میں اتارا کریں، عوف اور اشعث اگرچہ ساقط الاعتبار نہیں ہیں اور نہ دروازوں پر دھکے کھانے والے لوگ ہیں مگر رتبہ ومنزلت اور فضل وکمال کے اعتبار سے دوسرے درجے کے لوگ ہیں پہلے درجے کے نہیں ہیں لہٰذا ہم نے ان کو دوسرے درجے میں رکھدیا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ جلیل القدر محدث ہیں جنکی عمر ۹۰ سال ہوئی اور وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی، اسی طرح محمد بن سیرین ایک جلیل القدر محدث ہیں ان کی وفات بھی ۱۱۰ھ میں ہوئی، ان دونوں بزرگوں کے چار شاگرد ہیں:

(۱)　عبداللہ بن عون بصری متوفی ۱۵۱ھ بڑے فاضل اور ثقہ راوی ہیں۔

(۲)　ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی بصری متوفی ۱۳۱ھ بڑے ثقہ ثبت اور حجت ہیں۔

(۳)　عوف بن ابی جمیلہ بصری متوفی ۱۴۶ھ ثقہ راوی ہیں۔

(۴)　اشعث بن عبدالملک حُمرانی بصری متوفی ۱۴۲ھ ثقہ اور فقیہ راوی ہیں۔

یہ لوگ اگرچہ ایک استاد کے شاگرد ہیں مگر عبداللہ بن عون اور ایوب سختیانی درجہ اول کے راوی ہیں اور عوف بن ابی جمیلہ اور اشعث حُمرانی دوسرے درجہ کے راوی ہیں۔ درجہ اول کے راوی کامل الضبط والاتقان ہیں تو ان کو اول درجہ مل گیا درجہ ثانی کے راوی خفیف الضبط والاتقان ہیں تو انہیں دوسرا درجہ ملا۔ ''سختیانی'' سختیان کھال کو کہتے ہیں ایوب سختیانی بصرہ میں کھالوں کی خرید وفروخت کا کام کرتے تھے گویا یہ نسبت پیشہ کی طرف ہے، علی بن المدینی کہتے ہیں کہ حسن بصری کے شاگردوں میں ابن عون اور ایوب سختیانی سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے اور ایوب سختیانی ابن عون سے زیادہ اثبت واضبط ہیں۔ عوف بن ابی جمیلہ کو یحیٰی بن معین نے ثقہ

قرار دیا ہے امام احمد نے ان کو صالح کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔اشعث حُمرانی یہ حمران کی طرف منسوب ہے حُمران حضرت عثمانؓ کا آزاد کردہ غلام تھا'' ح '' پر پیش ہے ابن عدی کہتے ہیں کہ اشعث سچے ہیں ان کی حدیث لکھی جاسکتی ہے ''مسحری'' گذرگاہ کو کہتے ہیں نقش قدم مراد ہے ''اقران'' قرن کی جمع ہے ہم عصر لوگ مراد ہیں ''بون'' فرق اور فاصلے کے معنی میں ہے ''مدفوع'' ٹھکرانے اور مسترد کرنے کے معنی میں ہے۔

## ایک اعتراض کا جواب

وَاِنَّمَا مَثَّلْنَا هٰؤُلَاءِ فِي التَّسْمِيَةِ لِيَكُوْنَ تَمْثِيْلُهُمْ سِمَةً يَصْدُرُ عَنْ فَهْمِهَا مَنْ غَبِيَ عَلَيْهِ طَرِيْقُ اَهْلِ الْعِلْمِ فِي تَرْتِيْبِ اَهْلِهِ فِيْهِ فَلَا يُقَصِّرُ بِالرَّجُلِ الْعَالِي الْقَدْرِ عَنْ دَرَجَتِهِ وَلَا يَرْفَعُ مُتَّضِعَ الْقَدْرِ فِي الْعِلْمِ فَوْقَ مَنْزِلَتِهِ وَيُعْطِي كُلَّ ذِيْ حَقٍّ فِيْهِ حَقَّهُ وَيُنْزِلُ مَنْزِلَتَهُ وَقَدْ ذُكِرَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ: اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نُنْزِلَ النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ مَعَ مَانَطَقَ بِهِ الْقُرْآنُ مِنْ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ﴾ (یوسف:۷٦) فَعَلٰى نَحْوِ مَاذَكَرْنَا مِنَ الْوُجُوْهِ نُؤَلِّفُ مَاسَاَلْتَ مِنَ الْاَخْبَارِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اور ہم نے ان حضرات کی نامزد مثالیں صرف اس لئے بیان کی ہیں تاکہ یہ تمثیل نشانی بنے اور اس سے وہ شخص استفادہ کرے جس پر مخفی ہے کہ محدثین کرام رُواۃ حدیث کی درجہ بندی کس طرح کرتے ہیں؟ پس وہ بلند درجے والے کو اس کے درجے سے پست نہ کردے اور علم حدیث میں بے حیثیت راوی کو اس کے مقام سے بلند نہ کردے اور فن حدیث میں جس کا جو حق ہے وہ اس کو دے اور ہر شخص کو اس کے مقام میں اُتارے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ہم لوگوں کو ان کے مرتبوں میں اتاریں قرآن کریم کی تصریح کے ساتھ یعنی باری تعالیٰ کا ارشاد کہ ''اور ہر جاننے والے کے اوپر ایک بڑا جاننے والا ہے''۔الغرض سابق میں ذکر کردہ شرائط کے مطابق ہم آپ کی مطلوبہ احادیث مرفوعہ کو مرتب کریں گے۔

### تشریح

''وانما مثلنا'' یہاں یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ امام مسلم نے کسی راوی کو اعلیٰ بتایا کسی کو ادنیٰ بتایا یہ تو غیبت بھی ہے اور شان مسلم کی حقارت بھی ہے۔اس کا جواب امام مسلم رحمہ اللہ دے رہے ہیں کہ راویوں کی درجہ بندی کرنے میں ان کی توہین وتحقیر مقصود نہیں یہ کشف حقیقت ہے اور دفاع شریعت ہے نہ کہ غیبت بلکہ اس سے طالبین علوم حدیث کی رہنمائی مقصود ہے کہ جس راوی پر جو شان ہے وہی اس کا مقام ہے۔لہٰذا طالبین حدیث کسی شیخ کے درجہ کو نہ کم کریں گے اور نہ زیادہ بڑھائیں گے اور یہی حضرت عائشہؓ کی روایت کا مطلب اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے کہ فرق مراتب ضروری ہے۔فرق مراتب پر امام ترمذی نے ''کتاب

العلل ''لکھی ہے۔ امام مسلم نے ''الطبقات'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے امام نسائی نے ''مراتب الثقات'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ع اگر تو فرق مراتب نہ کنی زندیقی

اب یہاں روایت عائشہ پر ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ حضرت عائشہ کی یہ روایت امام مسلم کی شرائط پر پوری نہیں اترتی، اس کو امام مسلمؒ نے یہاں کیسے ذکر کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام مسلم نے جو شرائط بیان فرمائی ہیں وہ ان کی کتاب صحیح مسلم کے لئے ہیں مقدمہ کے لئے وہ سخت شرائط نہیں ہیں۔ ''سمۃ ''علامت کو کہتے ہیں۔ ''من غبی ''یہ فاعل واقع ہے ''بصدر'' کے لئے ''طریق'' یہ فاعل ہے ''غبی'' کے لئے۔ ''متضع القدر'' اتضاع وضع سے ہے گرے ہوئے شخص کو کہتے ہیں۔

فَأَمَّا مَا كَانَ مِنْهَا عَنْ قَوْمٍ هُمْ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ مُتَّهَمُونَ أَوْ عِنْدَ الْأَكْثَرِ مِنْهُمْ فَلَسْنَا نَتَشَاغَلُ بِتَخْرِيجِ حَدِيثِهِمْ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مِسْوَرٍ أَبِي جَعْفَرٍ الْمَدَائِنِيِّ وَعَمْرِو بْنِ خَالِدٍ وَعَبْدِ الْقُدُّوسِ الشَّامِيِّ وَمُحَمَّدِ بْنِ سَعِيدٍ الْمَصْلُوبِ وَغِيَاثِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ وَسُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرٍو أَبِي دَاوُدَ النَّخَعِيِّ وَأَشْبَاهِهِمْ مِمَّنْ اتُّهِمَ بِوَضْعِ الْأَحَادِيثِ وَتَوْلِيدِ الْأَخْبَارِ۔ وَكَذٰلِكَ: مَنِ الْغَالِبُ عَلَى حَدِيثِهِ الْمُنْكَرُ أَوِ الْغَلَطُ أَمْسَكْنَا أَيْضًا عَنْ حَدِيثِهِمْ وَعَلَامَةُ الْمُنْكَرِ فِي حَدِيثِ الْمُحَدِّثِ إِذَا مَا عُرِضَتْ رِوَايَتُهُ لِلْحَدِيثِ عَلَى رِوَايَةِ غَيْرِهِ مِنْ أَهْلِ الْحِفْظِ وَالرِّضَا خَالَفَتْ رِوَايَتُهُ رِوَايَتَهُمْ أَوْ لَمْ تَكَدْ تُوَافِقُهَا فَإِذَا كَانَ الْأَغْلَبُ مِنْ حَدِيثِهِ كَذٰلِكَ كَانَ مَهْجُورَ الْحَدِيثِ غَيْرَ مَقْبُولِهِ وَلَا مُسْتَعْمَلِهِ۔ فَمِنْ هٰذَا الضَّرْبِ مِنَ الْمُحَدِّثِينَ: عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَرَّرٍ وَيَحْيَى بْنُ أَبِي أُنَيْسَةَ وَالْجَرَّاحُ بْنُ الْمِنْهَالِ أَبُو الْعَطُوفِ وَعَبَّادُ بْنُ كَثِيرٍ وَحُسَيْنُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ ضُمَيْرَةَ وَعُمَرُ بْنُ صُهْبَانَ وَمَنْ نَحَا نَحْوَهُمْ فِي رِوَايَةِ الْمُنْكَرِ مِنَ الْحَدِيثِ فَلَسْنَا نُعَرِّجُ عَلَى حَدِيثِهِمْ وَلَا نَتَشَاغَلُ بِهِ۔

لِأَنَّ حُكْمَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالَّذِي يُعْرَفُ مِنْ مَذْهَبِهِمْ فِي قَبُولِ مَا يَتَفَرَّدُ بِهِ الْمُحَدِّثُ مِنَ الْحَدِيثِ أَنْ يَكُونَ قَدْ شَارَكَ الثِّقَاتِ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالْحِفْظِ فِي بَعْضِ مَا رَوَوْا وَأَمْعَنَ فِي ذٰلِكَ عَلَى الْمُوَافَقَةِ لَهُمْ فَإِذَا وُجِدَ ذٰلِكَ ثُمَّ زَادَ بَعْدَ ذٰلِكَ شَيْئًا لَيْسَ عِنْدَ أَصْحَابِهِ قُبِلَتْ زِيَادَتُهُ فَأَمَّا مَنْ تَرَاهُ يَعْمِدُ لِمِثْلِ الزُّهْرِيِّ فِي جَلَالَتِهِ وَكَثْرَةِ أَصْحَابِهِ الْحُفَّاظِ الْمُتْقِنِينَ لِحَدِيثِهِ وَحَدِيثِ غَيْرِهِ أَوْ لِمِثْلِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ وَحَدِيثُهُمَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مَبْسُوطٌ مُشْتَرَكٌ قَدْ نَقَلَ أَصْحَابُهُمَا عَنْهُمَا حَدِيثَهُمَا عَلَى الِاتِّفَاقِ مِنْهُمْ فِي أَكْثَرِهِ فَيَرْوِي عَنْهُمَا أَوْ عَنْ أَحَدِهِمَا الْعَدَدَ مِنَ الْحَدِيثِ مِمَّا لَا يَعْرِفُهُ أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِهِمَا وَلَيْسَ مِمَّنْ قَدْ شَارَكَهُمْ فِي الصَّحِيحِ مِمَّا عِنْدَهُمْ فَغَيْرُ جَائِزٍ قَبُولُ حَدِيثِ هٰذَا الضَّرْبِ مِنَ النَّاسِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔

وَقَدْ شَرَحْنَا مِنْ مَذْهَبِ الْحَدِيثِ وَأَهْلِهِ بَعْضَ مَا يَتَوَجَّهُ بِهِ مَنْ أَرَادَ سَبِيلَ الْقَوْمِ وَوُفِّقَ لَهَا وَسَنَزِيدُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ

شَرحًا وَاِيضَاحًا فِيْ مَوَاضِعَ مِنَ الْكِتَابِ عِنْدَ ذِكْرِ الْاَخْبَارِ الْمُعَلَّلَةِ اِذَا اَتَيْنَا عَلَيْهَا فِي الْاَمَاكِنِ الَّتِيْ يَلِيْقُ بِهَا الشَّرْحُ وَالْاِيْضَاحُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى ۔

اور رہی وہ حدیثیں جو ایسے راویوں سے مروی ہیں جو تمام محدثین کے نزدیک یا اکثر کے نزدیک (وضع حدیث میں) بدنام ہیں، تو ہم ان کی حدیثوں کی تخریج میں مشغول نہیں ہوں گے۔ جیسے ابو جعفر عبداللہ بن مسور مدائنی، عمرو بن خالد، عبدالقدوس شامی، محمد بن سعید مصلوب، غیاث بن ابراہیم اور ابوداود سلیمان بن عمرو نخعی وغیرہ وہ رُوات جو وضع حدیث اور اخبار سازی کے ساتھ متہم کئے گئے ہیں۔

اسی طرح جس راوی کی مرویات پر منکر یا غلط احادیث کا غلبہ ہے اس کی روایتوں کو بھی درج کرنے سے ہم نے احتراز کیا ہے اور کسی محدث کی مرویات کے منکر ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب اس کی روایت کا مقابلہ دوسرے اہل حفظ ورضا (یاد رکھنے والے پسندیدہ) راویوں کی حدیثوں سے کیا جائے تو اس کی روایت ان کی روایت کے خلاف ہو، یا مشکل سے موافقت پیدا کی جاسکے، الغرض جس شخص کی روایات میں بیشتر ایسی ہی روایات ہیں وہ راوی متروک الحدیث، غیر مقبول الروایہ اور نا قابل احتجاج ہے۔ اس قسم کے راویوں میں عبداللہ بن محرر، یحیٰی بن ابی اُنیسہ، ابو العطوف جراح بن منہال، عباد بن کثیر، ابن ضمیرہ، عمر بن صُہبان اور وہ تمام رُوات ہیں جو منکر روایتیں نقل کرنے میں ان لوگوں کے نقش قدم پر ہیں، ہم ایسے لوگوں کی روایتوں پر اعتماد نہیں کریں گے، اور ان کی تخریج میں مشغول نہیں ہوں گے۔

اس لئے کہ محدثین کا جو فیصلہ اور ان کا جو مذہب مشہور ہے اس حدیث کو قبول کرنے کے سلسلہ میں جس کا راوی متفرد ہے وہ یہ ہے کہ راوی ثقہ حفاظ محدثین کے ساتھ شریک رہا ہو ان کی بعض مرویات میں، اور اُس نے انتہائی جدوجہد کی ہو ان کی موافقت کرنے میں، تو جب کوئی راوی ایسا ثابت ہو جائے پھر وہ کوئی زائد بات بیان کرے جو اس کے ساتھیوں کی روایت میں نہ ہو تو اس کی زیادتی قبول کی جائیگی، رہا وہ راوی جسے آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ امام زہری رحمہ اللہ جیسے محدث کا قصد کرتا ہے یا جو امام زہری کی طرح ہے جلالت شان میں اور شاگردوں کی کثرت میں جو حفاظ حدیث ہیں اور ان کی اور دوسرے محدثین کی روایات کو نہایت درستگی کے ساتھ بیان کرتے ہیں یا وہ حضرت ہشام بن عروہ رحمہ اللہ جیسی شخصیت کا قصد کرتا ہے دراں حالیکہ دونوں کی حدیثیں محدثین کے پاس مفصل موجود ہیں اور دونوں کی حدیثیں مشترک بھی ہے جن میں سے اکثر کو ان کے تلامذہ باہم متفق ہو کر ان سے روایت کرتے ہیں اب وہ راوی ان دونوں حضرات سے یا ان میں سے کسی ایک سے چند ایسی حدیثیں روایت کرتا ہے جن کو ان کے تلامذہ میں سے کوئی نہیں جانتا اور وہ راوی اُن تلامذہ کے ساتھ ان کی صحیح روایات نقل کرنے میں شریک بھی نہیں رہا ہے تو اس قسم کے رُوات کی روایتیں قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم

اور ہم نے فن حدیث اور محدثین کے طریقہ کے سلسلہ کی بعض وہ باتیں واضح کردی ہیں جن کے ذریعہ وہ شخص محدثین کی راہ اختیار کرسکتا ہے جو چاہے اور جسے اس کی توفیق بھی ملی ہو اور ان شاء اللہ ہم اس کی مزید وضاحت کریں گے اسی مقدمہ میں متعدد جگہ، احادیث ضعیفہ کے بیان میں جب ہم وہاں پہنچیں گے جس جگہ تشریح وتوضیح کا موقع ہوگا۔ان شاء اللہ۔

## تشریح

''فاما ما کان منها'' یہاں سے امام مسلمؒ راویوں کے تیسرے طبقے کو بیان فرمارہے ہیں جو ضعفاء متروکین اور وضاعین کا طبقہ ہے۔امام مسلم رحمہ اللہ صاف لفظوں میں کہہ رہے ہیں کہ ہم وضاعین کی روایت کو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔

## چند وضاعین کے نام

امام مسلمؒ نے یہاں چھ وضاعین کے ناموں کا کھل کر اعلان فرمایا ہے جن پر تمام محدثین نے یا اکثر محدثین نے حدیثیں گھڑنے کا الزام لگایا ہے۔علامہ نووی فرماتے ہیں کہ ان سب پر حدیثیں وضع کرنے کا شدید الزام ہے لہٰذا الگ الگ ایک ایک کے وضع کی داستان بیان کرنے کی ضرورت نہیں، وہ چھ نام یہ ہیں۔

۱۔ ابوجعفر عبداللہ بن مسعر مدائنی جو مدائن کی طرف منسوب ہے بڑا کذاب جھوٹا تھا حدیثیں گھڑتا تھا۔(میزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۰۴)

۲۔ عمرو بن خالد واسطی شہر واسط کی طرف منسوب ہے ابن ماجہ کا راوی ہے بڑا کذاب جھوٹا تھا۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۵۸)

۳۔ عبدالقدوس شامی شام کی طرف منسوب ہے۔ابن حبان نے تصریح کی ہے کہ عبدالقدوس کذاب تھا حدیثیں گھڑتا تھا۔

(میزان ج ۲ ص ۶۴۳)

۴۔ محمد بن سعید مصلوب شامی بادشاہ نے اس کو حدیثیں گھڑنے پر سولی پر لٹکا دیا تھا۔احمد بن صالح فرماتے ہیں کہ اس شخص نے چار ہزار حدیثیں گھڑلی تھیں۔

۵۔ غیاث بن ابراہیم کوفی، علامہ جوزجانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں گھڑتا تھا خلیفہ مہدی کے سامنے ''او جناح'' کا اضافہ اسی نے کیا تھا۔ (میزان ج ۲ ص ۳۴۲)

۶۔ سلیمان بن عمرو نخعی جس کی کنیت ابوداود ہے نہایت جھوٹا اور مشہور کذاب تھا۔

ابن حجر فرماتے ہیں کہ اصحاب جرح وتعدیل کے تمام اماموں نے اس کو واضع حدیث قرار دیا ہے۔(میزان ج ۲ ص ۲۱۶)

معلوم ہوجانا چاہئے کہ قصداً حدیث گھڑنا حرام ہے اس پر امت کا اجماع ہوچکا ہے، ہاں ایک فرقہ مبتدعہ کرامیہ کا کہنا ہے کہ ترغیب وترہیب اور تزہید نفس کے خاطر حدیثیں گھڑنا جائز ہے ان کے نقش قدم پر بعض جاہل صوفی بھی چل پڑے ہیں اللہ اپنے دین کی حفاظت فرمائے۔آمین

## حدیث وضع کرنے کے چھ اسباب ہیں

حدیث گھڑنا بہت بڑا جرم ہے آخر ایک مسلمان اتنے بڑے جرم کی جرأت کیوں کرتا ہے؟ تو اس کے چند اسباب اور محرکات ہیں:

۱۔ پہلا سبب یہ ہے کہ وضاعین دین اسلام کو من گھڑت احادیث کی آڑ میں جڑ سے اکھیڑنا چاہتے ہیں گویا یہ دین اسلام کے بدترین بدبخت دشمن ہیں۔

۲۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ یہ بدبخت اپنے مسلک اور خاص مذہب کی تائید وتحسین کے لئے حدیثیں گھڑا کرتے ہیں۔

۳۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ یہ بدبخت اپنے سیاسی مقاصد اور پارٹی بازی کی غرض سے حدیثیں گھڑتے ہیں۔

۴۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ یہ بدبخت دنیوی اغراض ومفادات کی خاطر حدیثیں گھڑتے ہیں۔

۵۔ پانچواں سبب یہ ہے کہ یہ بدبخت بادشاہوں اور امیروں کو خوش کرنے کی غرض سے حدیثیں گھڑتے ہیں۔

۶۔ چھٹا سبب یہ ہے کہ یہ بدبخت شہرت حاصل کرنے اور مقبول عام بننے کی غرض سے حدیثیں گھڑا کرتے ہیں۔

## موضوعی حدیث کی پہچان کا طریقہ

اب یہ بات ضروری ہے کہ کوئی ایسا معیار قائم ہو جس کی وجہ سے ہم پہچان سکیں کہ یہ حدیث موضوعی ہے، علماء حدیث نے چار علامات بیان فرمائی ہیں:

۱۔ خود راوی کسی وقت کسی وجہ سے اقرار کرے کہ ہاں میں نے یہ حدیث گھڑی تھی۔

۲۔ راوی ایسی تاریخ بیان کرے جو اس کی پیدائش یا استاذ کی پیدائش سے مطابقت نہ رکھتی ہو۔

۳۔ بیان کردہ حدیث کا متن کتاب اللہ اور سنت متواترہ سے بالکل مخالف ہو، قیاس اور اجماع کا بھی مخالف ہو۔

۴۔ خود راوی کے اندر کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جو اس کی روایت کے موضوعی ہونے پر دلیل بن جائے۔

## وضاعین کا مأخذ

وضاعین جو احادیث گھڑا کرتے ہیں ان کے پاس وضع کے لئے کچھ مأخذ اور مبدأ اور منشأ ہوتا ہے جس سے استفادہ کرکے اس کی آڑ میں جھوٹی حدیثیں جاری کردیتے ہیں مندرجہ ذیل چار مأخذ ملاحظہ ہوں:

۱۔ یونان، ہندوستان اور عرب کے حکماء کے اقوال لیکر وضاعین اس کو آنحضرت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

۲۔ اہل کتاب یہود ونصاری کی حکیمانہ، ناصحانہ باتوں کو آنحضرت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

۳۔ اپنی طرف سے کوئی عمدہ عبارت گھڑ کر آنحضرت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

۴۔ صحابہ وتابعین اور صوفیاء کی باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

''تولید الاخبار'' تولید پیدا کرنے کے معنی میں ہے مراد حدیث گھڑنا اور اخبار سازی ہے گویا اس نے من گھڑت روایات کے بنانے کا کارخانہ لگا رکھا ہے۔

## منکر الحدیث راویوں کا بیان

''و کذلک من الغالب علی حدیثہ المنکر'' اس عبارت سے امام مسلم ان راویوں کی حیثیت کو بیان کر رہے ہیں جو منکر الحدیث ہیں امام مسلمؒ نے چھ نام گنائے ہیں: (۱) عبداللہ بن محرر (۲) یحییٰ بن ابی انیسہ (۳) جراح بن منہال (۴) عباد بن کثیر (۵) حسین بن عبداللہ بن ضمیرۃ (۶) عمرو بن صہبان وغیرہ۔ امام مسلم فرماتے ہیں کہ ہم ان سے بھی روایت نہیں لیں گے یہاں امام مسلم نے غالب کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس سے پہلے عند الاکثر کا لفظ استعمال کیا ہے۔ قاضی عیاض کے نزدیک ان الفاظ سے امام مسلم نے راویوں کے چوتھے طبقے کا ذکر کیا ہے یعنی جو ''عند الاکثر متہم'' ہیں مگر ''عند الاقل متہم'' نہیں ہیں اسی طرح غالب طبقہ نے ان کو متہم قرار دیا ہے لیکن ایک مغلوب طبقہ ان کو متہم نہیں کہتا، یہی چوتھا طبقہ ہے جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

''وعلامۃ المنکر'' اوپر منکر کا لفظ آیا ہے جس سے امام مسلم رحمہ اللہ منکر کی تعریف اور تحقیق فرما رہے ہیں۔

## حدیث منکر کی تعریف

منکر معروف کی ضد ہے دونوں کا تعارف کتاب کی ابتدائی مباحث میں ہو چکا ہے منکر کی دو تعریفیں ہیں ایک قدیم تعریف ہے اور ایک جدید تعریف ہے۔

جدید تعریف اس طرح ہے کہ ''ایک ضعیف راوی روایت کرنے میں ثقات کی مخالفت کرے'' تو اسکی حدیث منکر کہلائیں گی اور ثقات کی روایت معروف کہلائیں گی۔

منکر کی قدیم تعریف اس طرح ہے کہ ''ایک ضعیف راوی اپنی روایت میں متفرد و منفرد ہو تو اس کی روایت منکر ہوگی اور یہ خود بھی منکر الحدیث ہوگا'' اس تعریف کا مطلب یہ ہوا کہ قدیم زمانہ میں لفظ منکر یا حدیث منکر ''ضعیف حدیث'' کے معنی میں تھا، سنن کی کتابوں میں ان کے مؤلفین نے منکر کی یہی تعریف پیش نظر رکھی ہے، امام مسلمؒ کے نزدیک بھی منکر کی یہی تعریف ہے منکر کی فنی تعریف کو بھی یہ تعریف شامل ہے یعنی کوئی زیادہ فرق نہیں ہے قدیم تعریف عام ہے جدید تعریف خاص ہے۔

### سوال

اصول حدیث وغیرہ کی کتابوں میں اتفاقی طور پر مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ ثقہ راوی کی زیادت معتبر ہے لیکن امام مسلمؒ کے کلام سے معلوم

ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک شرط ہے کہ ثقہ منفرد نہ ہو اور ثقات کی مخالفت نہ کرتا ہو، اگر شرط یہی ہے تو پھر ثقہ کی زیادت کہاں معتبر اور مقبول ہوئی؟

جواب

اس کا جواب امام مسلم نے خود یہ دیا ہے کہ ایک خاص صورت میں ثقہ کی زیادت غیر مقبول ہے اس کے علاوہ زیادت مقبول ہے مذکورہ عبارت میں اس کی تفصیل ہے، یعنی زیادت دو قسم پر ہے (۱) زیادت مقبولہ (۲) زیادت غیر مقبولہ۔ زیادت مقبولہ یہ ہے کہ ایک ثقہ راوی ہے وہ تمام ثقات کی موافقت کرتا ہے تمام حدیثوں میں ان کے ساتھ شراکت رکھتا ہے کبھی مخالفت نہیں کرتا لیکن زندگی میں کبھی ایک آدھ مرتبہ ان ثقات کے خلاف روایت کرتا ہے۔ یہ زیادت مقبولہ ہے اور زیادت مردودہ یہ ہے کہ ایک ثقہ راوی ہے وہ ایک مشہور محدث سے حدیث لیتا ہے اس مشہور محدث کے دیگر بہت سارے شاگرد ہیں یہ شخص ان شاگردوں سے شراکت، موافقت اور میل جول نہیں رکھتا ہے بلکہ مخالفت کرتا ہے وہ جو روایات نقل کرتے ہیں یہ ان میں اس کے ساتھ شریک نہیں ہے اب یہ شخص اس مشہور بزرگ استاذ سے زیادت والی کوئی حدیث نقل کرتا ہے اور باقی شاگردوں میں سے کوئی اسکو نقل نہیں کرتا یہ زیادت مردودہ ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ ایک تو ثقہ کی جانب سے زیادت ہے یہ مقبول ہے دوسرا ثقہ کی مخالفت عن الثقات ہے یہ نامقبول ہے تو نہ مطلقاً ثقہ کی زیادت مقبول ہے اور نہ مطلقاً اس کی زیادت مردود ہے۔

حدیث منکر اور معروف اور حدیث شاذ اور محفوظ یہ الفاظ متقارب ہیں ان کے درمیان معمولی فرق ہے، یہ ایک پیچیدہ بحث ہے کسی نے کچھ واضح کیا ہے کسی نے مبہم چھوڑ دیا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

## زیادت مقبولہ کی مثال

امام مسلم رحمہ اللہ نے ثقہ کی زیادت کو مقبول کہا ہے مگر اس کی کوئی مثال ذکر نہیں کی، لہذا ایک مثال بطور مثال لکھی جاتی ہے حضرت قتادہؒ سے ان کے چار تلامذہ ایک حدیث نقل کرتے ہیں شاگردوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ ابوعوانہ ۲۔ سعید بن ابی عروبہ ۳۔ ہشام دستوائی ۴۔ سلیمان تیمی رحمہم اللہ۔

حضرت قتادہ اپنے استادوں کے واسطہ سے وہ حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے نقل کرتے ہیں اس حدیث کو امام مسلمؒ نے باب التشہد ص ۱۷۴ پر نقل کیا ہے اس حدیث میں قتادہ کے چار شاگردوں میں سے ایک سلیمان تیمی ہیں وہ روایت میں ''واذا قرأ فأنصتوا'' کے الفاظ کا اضافہ کرتے ہیں یہ اضافہ سلیمان تیمی کے دیگر ساتھیوں کی روایت میں نہیں ہے مگر چونکہ سلیمان تیمی اپنے تینوں ساتھیوں کے ساتھ قتادہ کی ساری حدیثوں میں شریک ہیں کسی میں مخالفت نہیں کرتے ہیں تو یہ زیادت مقبول سمجھی جائے گی اور کہا جائے گا کہ سلیمان تیمی نے اپنے استاذ کے کسی جملہ کو ضائع نہیں کیا ہے بلکہ دیگر ساتھیوں کی نسبت اپنے استاذ کی باتوں کا بڑا

اہتمام کیا ہے اس لئے اس جملہ کو نقل کیا ہے۔

## زیادت مردودہ کی مثال

''لان حکم اھل العلم'' امام مسلم رحمہ اللہ نے یہاں سے آخر عبارت تک زیادت مقبولہ اور زیادت غیر مقبولہ کی بحث چلائی ہے زیادت ثقہ سے متعلق میں اس سے پہلے کلام کر چکا ہوں اور مثال بھی لکھ چکا ہوں ''فاما من تراہ'' یہاں سے امام مسلم نے زیادت غیر مقبولہ کی مثال اس طرح دی ہے کہ مثلاً ایک شخص ہے وہ حدیث بیان کرنا چاہتا ہے تو وہ مثلاً مشہور محدث امام زہری کے پاس جاتا ہے یا ہشام بن عروہ کے پاس جاتا ہے اور ان سے روایات لیتا ہے مگر ان روایات میں یہ شخص زہری اور ہشام کے شاگردوں کے ساتھ شریک نہیں ہے بلکہ ان بزرگوں کے سارے شاگرد اس شخص کی کسی روایت کو جانتے تک نہیں ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اس شخص کی روایت کردہ روایات سب منکر ہیں اور یہ شخص منکر الحدیث ہے یہ زیادت مردودہ ہے جو نا قابل التفات ہے۔ ''مھجور الحدیث'' أی متروک الحدیث ایسا راوی منکر الحدیث بھی ہے اس قسم راوی کی تمام روایات غیر مقبول ہو جاتی ہیں۔ ''غیر مقبولہ'' مقبول الروایت نہیں ''ولا مستعملہ'' یعنی نا قابل استعمال اور نا قابل استدلال ہے "نحانحوھم" ای فعل فعلھم ان کے نقش قدم پر چلا ''نعرج'' ''تعریج مڑ کر دیکھنے کو کہتے ہیں یعنی ہم التفات واعتماد نہیں کریں گے'' وامعن'' امعان سے ہے گہرائی میں پہنچنا بہت محنت ومبالغہ کرنا'' بعمد'' ضرب یضرب سے ہے قصد وارادہ کے معنی میں ہے'' مذھب الحدیث ''فن حدیث مراد ہے'' واھلہ'' یعنی الاھل للحدیث وھم المحدثون'' من اراد'' یہ فاعل ہے یتوجہ کے لئے ''ووفق لھا'' یعنی اس کو توفیق بھی دی گئی ہو موفق من اللہ ہو۔

## تصنیف کا ایک اور سبب اور فائدۂ تالیف

امام مسلم نے ابتداء سے اپنے مقدمہ میں تین بڑے امور کو ذہن میں رکھا ہے سب سے پہلے آپ نے سبب تالیف کو بیان کیا ہے پھر آپ نے طرز تالیف کو بیان کیا ہے اور یہاں سے میرے خیال میں مقدمہ کے آخر تک فائدۂ تالیف کو بیان فرما رہے ہیں سبب تالیف سب سے مختصر تھا پھر ''ثم ان ان شاء اللہ'' سے یہاں تک طرز تالیف کی بحث کچھ طویل تھی اور یہاں سے کتاب الایمان تک فائدۂ تالیف بہت طویل بحث پر مشتمل ہے۔

## نام نہاد محدثین پر کلام

وَبَعْدُ ـ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَلَوْلَا الَّذِي رَأَيْنَا مِنْ سُوءِ صَنِيعِ كَثِيرٍ مِمَّنْ نَصَبَ نَفْسَهُ مُحَدِّثًا فِيمَا يَلْزَمُهُمْ مِنْ طَرْحِ الْأَحَادِيثِ الضَّعِيفَةِ وَالرِّوَايَاتِ الْمُنْكَرَةِ وَتَرْكِهِمُ الِاقْتِصَارَ عَلَى الْأَخْبَارِ الصَّحِيحَةِ الْمَشْهُورَةِ مِمَّا نَقَلَهُ الثِّقَاتُ

الْمَعْرُوفُونَ بِالصِّدْقِ وَالْأَمَانَةِ بَعْدَ مَعْرِفَتِهِمْ وَإِقْرَارِهِمْ بِأَلْسِنَتِهِمْ أَنَّ كَثِيرًا مِمَّا يَقْذِفُونَ بِهِ إِلَى الْأَغْبِيَاءِ مِنَ النَّاسِ هُوَ مُسْتَنْكَرٌ وَمَنْقُولٌ عَنْ قَوْمٍ غَيْرِ مَرْضِيِّينَ مِمَّنْ ذَمَّ الرِّوَايَةَ عَنْهُمْ أَئِمَّةُ الْحَدِيثِ مِثْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَشُعْبَةَ بْنِ الْحَجَّاجِ وَسُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ وَيَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْقَطَّانِ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَهْدِيٍّ وَغَيْرِهِمْ مِنَ الْأَئِمَّةِ لَمَا سَهُلَ عَلَيْنَا الِانْتِصَابُ لِمَا سَأَلْتَ مِنَ التَّمْيِيزِ وَالتَّحْصِيلِ وَلَكِنْ مِنْ أَجْلِ مَا أَعْلَمْنَاكَ مِنْ نَشْرِ الْقَوْمِ الْأَخْبَارَ الْمُنْكَرَةَ بِالْأَسَانِيدِ الضِّعَافِ الْمَجْهُولَةِ وَقَذْفِهِمْ بِهَا إِلَى الْعَوَامِّ الَّذِينَ لَا يَعْرِفُونَ عُيُوبَهَا خَفَّ عَلَى قُلُوبِنَا إِجَابَتُكَ إِلَى مَا سَأَلْتَ۔

بعد ازاں، اللہ آپ پر مہربانی فرمائیں، اگر ہم نے ان بہت سے لوگوں کے غلط طریقہ کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا کہ جنہوں نے اپنے آپ کو "محدث" بنا کر پیش کیا ہے اس معاملہ میں جو ان پر لازم تھا یعنی ضعیف حدیثوں اور منکر روایتوں کو چھوڑ دینا اور (ہم نے مشاہدہ نہ کیا ہوتا) ان کے اکتفا نہ کرنے کا ان صحیح اور مشہور حدیثوں پر جن کو معتبر راویوں نے روایت کیا ہے جو صدق و دیانت میں معروف ہیں (اور ان کا یہ عمل) یہ جانتے ہوئے اور زبان سے اقرار کرتے ہوئے کہ بہت سی وہ حدیثیں جو وہ لوگ ناسمجھ عوام کو سمجھے بوجھے بغیر سنا دیتے ہیں وہ منکر روایات ہیں اور ایسے ناپسندیدہ رُواۃ سے مروی ہیں جن سے روایت کرنے کی مذمت کی ہے، امام مالکؒ، شعبہ، ابن عیینہ، یحییٰ بن سعید قطان اور ابن مہدی وغیرہ ائمہ حدیث نے (اگر یہ غلط باتیں ہمارے مشاہدہ میں نہ آتیں) تو ہمارے لئے اس کام کے لئے تیار ہونا آسان نہ ہوتا جس کی آپ نے درخواست کی ہے یعنی صحیح اور ضعیف روایتوں میں امتیاز کرنا اور صحیح روایتوں کو جمع کرنا مگر اس وجہ سے جو ہم نے آپ کو بتائی یعنی محدثین کا پھیلانا ان منکر حدیثوں کو جو ضعیف اور مجہول سندوں سے مروی ہیں اور ان لوگوں کا ان حدیثوں کو ایسے عوام تک پہنچانا جو ان روایات کی خرابیوں سے واقف نہیں ہیں (اس صورت حال کی وجہ سے) ہمارے دل پر آپ کی درخواست قبول کرنے کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

## تشریح

"وبعد یرحمک اللہ" امام مسلمؒ یہاں سے فائدہ تالیف بیان کر رہے ہیں لیکن اس کی حقیقت پر روشنی ڈالنے سے پہلے ایک تاریخی پس منظر پر نظر ڈالنا ضروری ہے دنیا کی یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اصل کے ساتھ نقل چلتی ہے نیز دنیا کا دستور ہے کہ جب کسی چیز کا چلن ہو جاتا ہے تو بہت سارے دھوکہ باز کاروباری مارکیٹ میں آجاتے ہیں اور جب بازار گرم ہو جاتا ہے تو بہت سارے مفاد پرست بیچ میں آکر سارا کام خراب کر دیتے ہیں وہ نقلی مال تیار کرتے ہیں اور اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ سے اتنا پھیلا دیتے ہیں کہ اصل اور نقل کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے اس صورت حال سے صرف دنیوی معاملات دوچار نہیں بلکہ دینی معاملات کے ساتھ بھی یہی صورت حال پیش آتی ہے۔

دور اول میں جب مسلمان جہاد سے فارغ ہوئے اور دنیا پر اسلام کو غلبہ حاصل ہو گیا تو مسلمان احادیث مقدسہ کی خدمت کی

طرف متوجہ ہو گئے اور احادیث کی ہر قسم خدمت کا میدان گرم ہو گیا تفسیر قرآن عظیم کا میدان گرم ہو گیا ملاحم اور مغازی کا میدان گرم ہو گیا لیکن تینوں میدانوں میں مفاد پرستوں کا ٹولہ بھی اتر کر سرگرم ہو گیا، چنانچہ تفسیری روایات میں انہوں نے بُرا حشر کیا، ملاحم اور مغازی کے ساتھ انہوں نے ظلم کیا لیکن ان کا سب سے بڑا حملہ احادیث پر ہوا جہاں انہوں نے بے شمار احادیث گھڑ لیں ان مفاد پرستوں میں کچھ تو بد عقیدہ، بد باطن اور بے دین ملحدین تھے اور کچھ بد عقل بدفہم دیندار تھے اسی دور میں احادیث مقدسہ کے تحفظ کے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے جبال العلم اور اصحاب جرح وتعدیل علماء پیدا فرمائے انہوں نے لاکھوں کی تعداد میں صحیح احادیث کے ساتھ غیر صحیح احادیث یاد کیں اور پھر صحیح اور غیر صحیح میں خوب چھان بین کر کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا انہوں نے من گھڑت احادیث سے صحیح احادیث کو اس طرح الگ کیا جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکالتے ہیں، انہیں اصحاب الجرح والتعدیل میں سے ایک علی بن المدینی ہیں ان کا اتنا رعب و دبدبہ تھا کہ گویا ان کے چلنے سے زمین لرز جاتی تھی یہ امام بخاری کے استاد ہیں، امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے کسی استاد کے سامنے اپنے آپ کو اتنا حقیر اور کم تر خیال نہیں کیا جتنا علی بن المدینی کے سامنے خیال کیا۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اسی تاریخی پس منظر میں صحیح مسلم لکھ دی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

''فلولا الذی'' اس عبارت سے لیکر آگے ''ولکن'' تک ایک جملہ کلام ہے جس میں اسی پس منظر کا بیان اور اسی ماحول کی شکایت ہے ''لکن'' سے آگے ''واعلم'' تک دوسرا جملہ کلام ہے۔ پہلے جملے میں عبارت کے لحاظ سے کچھ پیچیدگی تھی کلام مغلق اور مبہم تھا تو ''لکن'' سے اسی ابہام اور پیچیدگی کی وضاحت کر دی ہے۔ صحیح مسلم کی اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مسلم فرماتے ہیں کہ اگر ان نام نہاد محدثین کی غلط روش اور غلط رویہ نہ ہوتا تو میرے لئے کتاب لکھنا مشکل ہو جاتا لیکن جب ان لوگوں نے پہلے محدث ہونے کا دعویٰ کیا فنِ حدیث کے سمجھنے کا دعویٰ کیا پھر ان پر جو لازم تھا اس کی مخالفت کی اس کو پورا نہیں کیا ان پر یہ لازم تھا کہ ضعیف اور منکر روایات کو بالکل چھوڑ دیتے اور خالص صحیح روایات پر اکتفاء کرتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا حالانکہ ان کو معلوم تھا کہ یہ روایات ضعیف ہیں کبھی کبھی خود اس کا اقرار بھی کرتے ہیں نیز ان نام نہاد محدثین نے جن لوگوں سے روایات لی ہیں ان کی مذمت بھی بڑے بڑے علماء نے کی تھی جن میں مالک بن انس اور شعبہ بن الحجاج قابل ذکر ہیں، اس پس منظر کی وجہ سے میں مجبور ہوا تو آپ کے سوال پر میں نے کتاب لکھ دی۔ اس کتاب میں یہی بڑا فائدہ پیش نظر تھا اور یہ فائدہ حاصل ہو گیا۔

''سوء صنیع'' غلط روش غلط طریقہ غلط کارکردگی ''نصب'' کھڑا کرنے اور سامنے لانے کے معنی میں ہے ''طرح الاحادیث'' چھوڑنے اور پھینکنے کے معنی میں ہے ''ترکھم الاقتصار'' اقتصار اکتفا کے معنی میں ہے ای ترکھم الاکتفاء یہ جملہ سوء صنیع پر عطف ہے ای فلولا سوء صنیعھم وترکھم الاکتفاء ''یقذفون'' ضرب سے پھینکنے کے معنی میں ہے ''الاغبیاء'' غبی کی جمع ہے بمعنی کودن اور کند ذہن ''فلولا'' شرط ہے اور ''لما سھل'' جواب شرط ہے۔

## بَابُ وُجُوْبِ الرِّوَايَةِ عَنِ الثِّقَاتِ وَتَرْكِ الْكَذَّابِيْنَ

## ثقات سے روایت لینا اور کذابین سے نہ لینا واجب ہے

## نام نہاد محدثین پر مزید کلام

وَاعْلَمْ وَفَّقَكَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَّ الْوَاجِبَ عَلٰى كُلِّ اَحَدٍ عَرَفَ التَّمْيِيْزَ بَيْنَ صَحِيْحِ الرِّوَايَاتِ وَسَقِيْمِهَا وَثِقَاتِ النَّاقِلِيْنَ لَهَا مِنَ الْمُتَّهَمِيْنَ اَنْ لَّا يَرْوِيَ مِنْهَا اِلَّا مَا عَرَفَ صِحَّةَ مَخَارِجِهِ وَالسِّتَارَةَ فِيْ نَاقِلِيْهِ وَاَنْ يَّتَّقِيَ مِنْهَا مَا كَانَ مِنْهَا عَنْ اَهْلِ التُّهَمِ وَالْمُعَانِدِيْنَ مِنْ اَهْلِ الْبِدَعِ۔

وَالدَّلِيْلُ عَلٰى اَنَّ الَّذِيْ قُلْنَا مِنْ هٰذَا هُوَ اللَّازِمُ دُوْنَ مَا خَالَفَهُ قَوْلُ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى ذِكْرُهُ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ﴾ (الحجرات:٦) وَقَالَ جَلَّ ثَنَاؤُهُ ﴿مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ﴾ (البقرة:٢٨٢) وَقَالَ ﴿وَاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ (الطلاق:٢) فَدَلَّ بِمَا ذَكَرْنَا مِنْ هٰذِهِ الْاٰيِ اَنَّ خَبَرَ الْفَاسِقِ سَاقِطٌ غَيْرُ مَقْبُوْلٍ وَاَنَّ شَهَادَةَ غَيْرِ الْعَدْلِ مَرْدُوْدَةٌ۔

وَالْخَبَرُ وَاِنْ فَارَقَ مَعْنَاهُ مَعْنَى الشَّهَادَةِ فِيْ بَعْضِ الْوُجُوْهِ فَقَدْ يَجْتَمِعَانِ فِيْ اَعْظَمِ مَعَانِيْهِمَا اِذْ كَانَ خَبَرُ الْفَاسِقِ غَيْرَ مَقْبُوْلٍ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ كَمَا اَنَّ شَهَادَتَهُ مَرْدُوْدَةٌ عِنْدَ جَمِيْعِهِمْ۔

اور آپ یہ بات جان لیں اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں کہ ہر اس شخص پر جو صحیح اور ضعیف روایتوں کے درمیان امتیاز کر سکتا ہے اور حدیث کے ثقہ راویوں کو متہم راویوں سے ممتاز کر سکتا ہے اس پر واجب ہے کہ صرف وہ حدیثیں روایت کرے جن کے رُوات کی درستگی اور ناقلوں کی عدالت جانتا ہے اور جو روایتیں متہم اور معاند گمراہ لوگوں سے مروی ہیں ان سے اجتناب کرے۔

اور اس بات کی دلیل کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہی لازم ہے اور اس کا خلاف جائز نہیں ہے۔ اللہ پاک کا یہ ارشاد ہے (اے ایمان والو! اگر کوئی بدکار آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لاوے تو خوب تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کو نادانی میں کوئی نقصان پہنچا دو، پھر اپنے کئے پر پچھتاؤ) اور اللہ پاک کا یہ ارشاد ہے (ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو) اور یہ ارشاد ہے (اور اپنے میں سے دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنالو) یہ آیتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ فاسق کی خبر ناقابل اعتبار، نامقبول ہے اور یہ کہ غیر عادل کی گواہی مردود ہے۔

اور خبر بعض اعتبارات سے اگرچہ شہادت سے جُداگانہ چیز ہے مگر بنیادی بات میں دونوں متحد ہیں کیونکہ فاسق کی خبر علماء کے نزدیک غیر معتبر ہے، جس طرح اس کی شہادت بالاتفاق مردود ہے۔

## تشریح

''واعلم وفقك الله''اوپر عبارت میں نام نہاد محدثین کی جو مذمت کی گئی تھی یہاں سے امام مسلم رحمہ اللہ اس سلسلہ میں ان پر مزید کلام فرما رہے ہیں کہ ثقات اور کامل الضبط راویوں پر لازم ہے کہ وہ متہم بالکذب اور فرق باطلہ کے ضدی اور بدعتی راویوں کی روایات لینے سے گریز اور اجتناب کریں''والمعاندین''یہ اہل تہمت کے بعد تخصیص بعد التعمیم ہے''من اهل البدع''راوی کی عدالت کو متاثر کرنے والی چار چیزیں ہیں:۱۔کذب ۲۔تہمتِ کذب ۳۔فسق ۴۔بدعت،یہاں امام مسلم نے اهل البدع کا لفظ بولا ہے اس لئے اس پر روشنی ڈالنی چاہئے۔

## بدعت کی تعریف وتفصیل

لغوی اعتبار سے بدعت ہر نو ایجاد چیز پر بولا جاسکتا ہے اور بدعت کی اصطلاحی شرعی تعریف اس طرح ہے:بدعت دین کے اندر ہر اس نئے کام کو کہتے ہیں جو خیر القرون میں نہ ہو اور سلف خلف کی طرح اس کی طرف محتاج ہوں مگر انہوں نے نہ کیا ہو اور آج ایک شخص ثواب کی نیت سے کر رہا ہے۔یہ شرعی بدعت ہے اس میں کوئی حسنہ نہیں یہ بدعت قبیحہ ہی ہے اس تعریف میں قیودات ہیں یعنی اگر سلف خلف کی طرح محتاج نہ ہو تو خلف کے لئے وہ ضرورت ہے نہ کہ بدعت ہے جیسے علم نحو،صرف وغیرہ فنون یا جدید اشیاء کا استعمال یا مدارس مساجد کا طرز نظام یہ ایک ترتیب ہے ثواب کی قید سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سلف بھی خلف کی طرح محتاج تھے مگر انہوں نے حصول ثواب کے لئے نہیں کیا اور آج ایک شخص ثواب کی نیت سے کر رہا ہے جیسے اذان سے پہلے درود ہے جمعہ کے بعد سلام ہے انگوٹھے چومنا ہے تیجہ سوئم،چالیسویں،گیارہویں اور میلاد وغیرہ نو ایجاد اشیاء ہیں سب بدعت کے تحت آتی ہیں۔

علامہ میر سید سند شریف ؒ نے اپنی کتاب التعریفات،ص ۴۷ پر بدعت کی تعریف اس طرح کی ہے:

" البدعة هي الامر المحدث الذي لم يكن عليه الصحابة والتابعون ولم يكن مما اقتضاه الدليل الشرعي "

پھر شرعی اصطلاحی بدعت دو قسم پر ہے:(۱)بدعتِ مُکَفِّرہ (۲)بدعتِ مُفَسِّقہ۔بدعت مکفرہ وہ ہے جس میں کسی شخص نے دین کی ضروریات میں سے کسی ضروری حکم کا انکار کیا ہو جس سے آدمی کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہو جیسے اثنا عشریہ کے روافض،باطنیہ فرقے،قرامطہ،آغا خانی،قادیانی اور بعض خوارج و معتزلہ وغیرہ۔بدعت مفسقہ وہ ہے کہ جس کے ارتکاب سے آدمی فسق کے درجہ تک پہنچ جاتا ہو جیسے تفضیلی شیعہ ہیں یہ بدعت مفسقہ میں مبتلا ہیں بریلوی حضرات میں بھی دونوں قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں کچھ خطرناک عقائد رکھنے والے بدعت مکفرہ کے مرتکب ہوسکتے ہیں۔

## اہل بدعت کی روایت کا حکم

اب اہل بدعت واہواء کی روایت کی کیا حیثیت ہے تو اس میں محدثین کی دو آراء ہیں:بعض محدثین کے نزدیک مطلقاً ہر قسم اہل

بدعت کی روایت مردود ہے لیکن بعض دیگر محدثین کے نزدیک بدعت مفسقہ کے مرتکب اہل بدعت کی روایت مقبول ہے مگر اس میں چند شرائط ہیں:

۱۔ وہ مبتدع ہو جو داعی الی البدعۃ نہ ہو اس کی روایت مقبول ہے۔

۲۔ وہ مبتدع جو اپنے مذہب کی ترویج کے لئے حدیث میں جھوٹ بولنے کو حلال نہ سمجھتا ہو جیسے خطابیہ حلال سمجھتے ہیں۔

۳۔ اس مبتدع کی روایت سے اس کی کسی بدعت کی تائید نہ ہوتی ہو۔

۴۔ وہ روایت جو یہ مبتدع بیان کرتا ہے وہ کسی شرعی دلیل اور متواتر حکم کے خلاف نہ ہو۔

۵۔ وہ مبتدع فسق عملی میں مبتلا نہ ہو بلکہ عادل، ضابط، متقن، خداترس، متقی پرہیزگار ہو اور فسق اعتقادی تاویلی میں مبتلا ہو وہ اپنے خراب عقیدہ کی تاویل کرتا ہو، محدثین نے اسی قسم بدعتی سے روایتیں لی ہیں۔ علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر قدری اور معتزلی ہونے کی وجہ سے اہل بصرہ کی روایات مسترد کردی جائیں اور شیعی ہونے کی وجہ سے اہل کوفہ کی روایتیں مسترد کردی جائیں تو ساری احادیث ساقط الاعتبار ہوجائیں گی، مسلم و بخاری کی روایتوں پر جو جلد باز قسم کے لوگ چوٹ مارتے ہیں کہ فلاں راوی شیعہ ہے وہ اسی قسم کا شیعہ یا معتزلی ہوتا ہے وہ شیعہ اور تھے اور آج کے شیعہ چور ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ لفظ شیعہ پارٹی اور گروہ کے معنی میں ہے دور اوّل میں شیعانِ علی اور شیعانِ معاویہ دو پارٹیاں تھیں اس قسم الفاظ میں بھی سوچنا چاہئے صرف شیعہ کا لفظ سن کر آج کے آوارہ فضول شیعہ کا تصور ذہن میں بٹھانا اور پھر بڑے بڑے محدثین کو شیعہ کہہ کر مسترد کرنا اچھا نہیں ہے۔ اسی تناظر میں امام شافعی فرماتے ہیں

لَوْ كَانَ رِفْضًا حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ اَنِّيْ رَافِضٌ

یعنی حُبِ آل رسول رافضیت نہیں بلکہ سُنیت ہے۔

## مذکورہ مدعا پر قرآن کریم سے دلیل

امام مسلم رحمہ اللہ نے اوپر یہ دعویٰ کیا ہے کہ جو شخص صحیح اور ضعیف روایات میں تمیز کرسکتا ہے اس پر واجب ہے کہ صرف ثقہ راویوں سے روایت نقل کرے اور معاندین متھمین مبتدعین راویوں سے روایت نقل نہ کرے امام مسلمؒ نے اپنے اس مدعا پر قرآن کریم سے تین آیات بطور استشہاد و استدلال پیش کی ہیں اور پھر فرمایا کہ ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ فاسق کی خبر کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور غیر عادل شخص کی شہادت و گواہی مردود ہے۔

### سوال

اب سوال یہ ہے کہ امام مسلمؒ نے اپنے مدعا پر جو پہلی آیت بطور استدلال پیش فرمائی ہے وہ تو صحیح ہے کہ غیر عادل فاسق کی خبر

کا اعتبار نہیں ہے لیکن امام مسلم نے باقی دو آیتوں سے اپنے مدعا پر جو استدلال کیا ہے یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے کیونکہ یہ دونوں آیتیں شہادت اور گواہی سے متعلق ہیں اس سے غیر عادل فاسق کی ''روایت'' کا غیر مقبول ہونا کیسے ثابت کیا ہے؟

## جواب

اس کا جواب امام مسلمؒ نے خود اس عبارت میں دیا ہے اور فرمایا ''والخبر وان فارق معناه معنى الشهادة'' مطلب یہ ہے کہ شہادت اور خبر میں اگر چہ چند وجوہ سے فرق ہے مگر کچھ بنیادی وجوہ سے دونوں مشترک ہیں لہٰذا اس اعتبار سے شہادت والی آیتوں سے روایت اور خبر کے قابل قبول ہونے پر استدلال کرنا صحیح ہے۔ مابہ الافتراق چیزیں یہ ہیں:

(۱) شہادت میں عدد شرط ہے روایت میں شرط نہیں (۲) شہادت میں حُریت شرط ہے خبر و روایت میں شرط نہیں (۳) شہادت میں مشاہدہ اور بصیر ہونا شرط ہے خبر میں شرط نہیں (۴) شہادت میں عموماً مذکر ہونا شرط ہے خبر میں شرط نہیں (۵) شہادت کے لئے عداوت مانع ہے خبر کے لئے مانع نہیں ہے (۶) شہادت میں قرابت مانع ہے خبر میں مانع نہیں ہے۔

ان تمام وجوہ افتراق کے باوجود شہادت اور خبر میں ایک زبردست بنیادی وجہ اشتراک واتحاد بھی موجود ہے اور وہ عدالت اور عادل ہونا ہے وہ اس طرح کہ جس طرح شہادت کے معتبر ہونے کے لئے شاہد کا عادل ہونا ضروری ہے اسی طرح خبر کے معتبر ہونے کے لئے مُخبر کا عادل ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ علماء امت کے نزدیک جس طرح فاسق کی شہادت مردود ہے اسی طرح فاسق کی روایت اور خبر بھی مردود ہے لہٰذا امام مسلم نے شہادت کی ان دو آیتوں سے خبر کے قابل قبول ہونے پر جو استدلال کیا ہے وہ صحیح ہے نیز ایک عقلی دلیل بھی ہے اور قیاس بھی ہے کہ جب دنیوی معاملات میں گواہی کے لئے گواہ کا عادل ہونا شرط ہے تو دینی معاملات یعنی روایت حدیث کے لئے مخبر کا عادل ہونا بطریق اولیٰ شرط ہونا چاہیے۔ ''الستارة'' بمعنی الصیانة یعنی حفاظت اور محفوظ ہونا۔

## مذکورہ مدعا پر سنت سے دلیل

وَدَلَّتِ السُّنَّةُ عَلٰى نَفْيِ رِوَايَةِ الْمُنْكَرِ مِنَ الْاَخْبَارِ كَنَحْوِ دَلَالَةِ الْقُرْآنِ عَلٰى نَفْيِ خَبَرِ الْفَاسِقِ وَهُوَ الْاَثَرُ الْمَشْهُوْرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَدَّثَ عَنِّيْ بِحَدِيْثٍ يُرٰى اَنَّهٗ كَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ۔

اور احادیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ منکر روایتوں کا بیان کرنا جائز نہیں ہے جس طرح قرآن کریم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فاسق کی خبر معتبر نہیں ہے اور وہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے کہ ''جو شخص میری طرف سے کوئی ایسی حدیث بیان کرتا ہے، جس کے متعلق اس کا گمان ہے کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ خود بھی جھوٹوں میں کا ایک جھوٹا ہے''۔

## تشریح

''وَدَلَّتِ السُّنَّۃُ'' یہاں سے امام مسلمؒ اپنے مدعا پر دوسری دلیل لارہے ہیں پہلی دلیل قرآن کریم سے تھی اب دوسری دلیل احادیث سے پیش فرمارہے ہیں۔

اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح قرآن کریم کی آیت سے ثابت ہے کہ فاسق کی خبر غیر مقبول ہے اسی طرح مشہور حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ فاسق کذاب کی روایت مقبول نہیں بلکہ خود کذاب کا ٹھکانا جہنم ہے وہ حدیث یہ ہے:

۱۔ **حَدَّثَنَاهُ** اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ لَيْلٰى عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ ، ح وَحَدَّثَنَاهُ اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ اَيْضاً قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ شُعْبَةَ وَسُفْيَانَ عَنْ حَبِيْبٍ عَنْ مَيْمُوْنِ بْنِ اَبِيْ شَبِيْبٍ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ۔

ہمیں یہ حدیث بیان کی ابن ابی شیبہ نے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بیان کی وکیع نے وہ شعبہ سے وہ حکم (ابن عُتَیبہ) سے وہ ابن ابی لیلی سے اور وہ حضرت سمرہؓ سے روایت کرتے ہیں، ح، (دوسری سند) نیز ہمیں یہ حدیث بیان کی ابن ابی شیبہ نے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بیان کی وکیع نے، وہ شعبہ اور ثوری سے وہ حبیب (بن ابی ثابت) سے، وہ میمون سے اور وہ حضرت مغیرہؓ سے روایت کرتے ہیں دونوں صحابیوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا ارشاد فرمایا ہے۔

## تشریح

مَنْ حَدَّثَ عَنِّيْ بِحَدِيْثٍ يُرٰى اَنَّهٗ كَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث صحیح مسلم صفحہ نمبر ۶ پر پہلے سند کے بغیر نقل فرمادی ہے اور پھر ساتھ ساتھ حدثنا سے اس کی دوسندیں ذکر فرمادی ہیں یہ عجیب طرز ہے کہ حدیث پہلی مذکور ہوئی اور سند بعد میں آگئی بہر حال اس حدیث سے اور اس کے بعد پانچ احادیث سے مسلسل امام مسلم نے اپنے مدعا کو ثابت کیا ہے کہ جھوٹے اور فاسق راوی کی خبر صحیح نہیں ہے۔ ''یری'' یہ صیغہ معلوم اور مجہول دونوں طرح پڑھا جاتا ہے اگر یہ معلوم کا صیغہ پڑھا گیا تو ترجمہ ہوگا کہ وہ شخص جانتا ہے کہ یہ حدیث جھوٹی ہے اور اگر یہ صیغہ مجہول پڑھا گیا تو ترجمہ اس طرح ہوگا کہ اس حدیث کے متعلق اس شخص کا گمان ہے کہ وہ جھوٹی ہے۔ ''الکاذبین'' یہ صیغہ جمع اور تثنیہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے اگر جمع ہے تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ راوی بھی جھوٹوں کی جماعت کا ایک فرد ہے اور اگر تثنیہ پڑھا گیا تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ شخص دو جھوٹوں میں ایک ہے۔ پہلا جھوٹا تو وہ شخص ہے جس نے حدیث گھڑلی ہے اور دوسرا جھوٹا وہ ہے جو اس کو بیان کررہا ہے۔ امام مسلم نے اس مشہور حدیث کو اثر کہا ہے تو جمہور کا مسلک یہی ہے کہ اثر مطلق روایت کو کہتے ہیں خواہ کسی صحابی کا قول ہو یا مرفوع حدیث ہو یہاں امام مسلم نے عن رسول اللہ کہہ کر مرفوع کی طرف اشارہ

کر دیا۔ فقہاء خراسان خبر اور اثر میں فرق کرتے ہیں کہ خبر مرفوع حدیث کو کہتے ہیں اور اثر صحابی کا قول ہوتا ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، ان کے بارے میں علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہ بڑے تابعین میں سے ہیں، عبدالملک بن عمیر فرماتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کو ایک حلقۂ درس میں دیکھا کہ اس میں بہت سارے صحابی بیٹھے ہوئے تھے جو خاموشی سے کان لگا کر ان سے حدیث سنتے تھے جن میں براء بن عازب بھی تھے، ایک ابو لیلیٰ صحابی تھے جن کا نام یسار تھا جنگ صفین میں شہید ہو گئے تھے ایک ابن ابی لیلیٰ وہ ہیں جن کا نام فقہ میں بار بار آتا ہے وہ حدیث میں ضعیف ہیں بہر حال عبدالرحمٰن بن ابی لیلےٰ کا انتقال ۸۳ھ میں ہوا ہے۔

## ''ح'' برائے تحویل

محدثین کی اصطلاح میں حدیث کی سند کے بیان کے دوران ایک طریق سند سے دوسرے طریق سند کی طرف منتقل ہونے کو تحویل کہتے ہیں محدثین یہ تحویل اختصار کے پیش نظر کرتے ہیں کہ کئی سندوں کو اکٹھا کر دیتے ہیں اور پھر حدیث کا متن آخر میں ذکر کر دیتے ہیں اب جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ متن حقیقت میں سب سے پہلی سند کا ہے اس کو ملے گا بعض محدثین کہتے ہیں کہ ان تمام سندوں میں سے جو سند عالی ہوگی یہ متن اس کے ساتھ شمار ہوگا۔ بہر حال صحاح ستہ میں سب سے زیادہ تحویلات امام مسلم کی کتاب صحیح مسلم میں ہیں پھر صحیح بخاری میں کچھ کم ہیں پھر ابوداؤد میں ہیں پھر ترمذی میں سب سے کم ہیں۔ محدثین نے اختصار کے پیش نظر لفظ تحویل کے لئے بطور نشان ''ح'' کا حرف مقرر کیا ہے گویا جہاں ''ح'' کا حرف لکھا ہوا نظر آ گیا تو سمجھ لو کہ سند بدل گئی، کبھی یہ ''ح'' پہلی سند کے آخر میں آتا ہے جس طرح زیر بحث حدیث میں پہلی دفعہ یہ تحویل آ گئی ہے۔ کبھی ''ح'' سند کی ابتداء میں اور کبھی درمیان میں آتا ہے یہ اختصار اسی طرح ہے جس طرح مناطقہ کے ہاں کل انسان حیوان کے لئے مثل ''ا'' ''ب'' بطور اختصار آتا ہے۔ اب یہ ''ح'' کس چیز سے اختصار ہے تو بعض محدثین فرماتے ہیں کہ یہ الحدیث سے مخفف ہے یعنی آخر تک حدیث پڑھ لو بعض کہتے ہیں کہ یہ تحویل کے لفظ سے مخفف ہے، یعنی دوسری سند آ گئی یہ رائے سب سے اچھی ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ اصل میں ''خ'' ہے جو سند آخر کی طرف اشارہ ہے بعض نے کہا یہ الی آخر الحدیث کی طرف اشارہ ہے۔ اب اس کے پڑھنے کے طریقے بھی مختلف ہیں بعض کہتے ہیں اس کو حآ، مد کے ساتھ پڑھنا چاہئے بعض نے کہا حا، بغیر مد کے قصر کے ساتھ پڑھنا چاہئے بعض نے کہا کہ تحویل کا لفظ بول کر پڑھنا چاہئے۔ عام رائج اور مشہور ''ح'' قصر کے ساتھ ہے اور اس کے بعد قال کا لفظ ملانا ہے یعنی ح قال وحدثنا۔

تحویل کے بعد حدثناہ میں ضمیر اثر مشہور کی طرف لوٹ رہی ہے اور قالا میں تثنیہ کی ضمیر دو صحابہ حضرت سمرہ اور حضرت مغیرہؓ کی طرف لوٹ رہی ہے اور یہ طریقہ جائز ہے کہ دو سندوں کے آخر میں ہر صحابی کو تثنیہ کے ساتھ ذکر کیا جائے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنے اس شاندار مقدمہ میں کل ۹۲ روایات کو جمع کیا ہے۔

## بَابُ تَغْلِيظِ الْكَذِبِ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

## حدیث گھڑنے کی وعید شدید

۲۔ **وَحَدَّثَنَا** أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ ، ح : وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ أَنَّهُ سَمِعَ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَخْطُبُ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَكْذِبُوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ يَكْذِبْ عَلَيَّ يَلِجِ النَّارَ ۔

ربعی بن حراش نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خطبہ میں فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر کذب بیانی نہ کرو، کیونکہ جو شخص مجھ پر کذب بیانی کرے گا ،جہنم میں جائے گا۔

### تشریح

ابوبکر بن ابی شیبہ اور عثمان بن ابی شیبہ دونوں بھائی ہیں دونوں مسلم کے استاد ہیں اور بخاری کے بھی استاد ہیں یہ دونوں اپنے دادا ابوشیبہ کی طرف منسوب ہیں ان کا دادا واسط کا قاضی تھا امام مسلم نے اس کو صحیح مسلم شریف کے ص ۷ پر مجروحین کی فہرست میں ذکر کیا ہے، دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث مولٰنا نعمت اللہ نے اپنی تصنیف لطیف نعمت المنعم ص ۷۵ پر لکھا ہے کہ ابوبکر بن ابی شیبہ حدیث کی مشہور کتاب مصنف ابن ابی شیبہ کے مؤلف ہیں۔

''غندر'' دال پر پیش بھی صحیح ہے اور زبر بھی صحیح ہے یہ لقب ہے ان کا نام محمد بن جعفر ہذلی ہے غندر لقب پڑنے کی وجہ یہ ہوئی کہ حجاز سے ابن جریج بصرہ آئے ہوئے تھے اور حسن بصری کی حدیثیں بیان فرمارہے تھے طلبہ نے کچھ اعتراضات کیے شور اٹھا محمد بن جعفر زیادہ شور کررہے تھے تو ابن جریج نے کہا ''اسکت یاغندر'' اہل حجاز شور شغف کرنے والے کو غندر کہتے ہیں بس اسی دن سے یہ لقب پڑ گیا، پچاس سال سے شیخ غندر ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے ۱۹۴ھ میں انتقال ہوا مذکورہ سند میں تحویل کے بعد ان کا نام محمد بن جعفر صراحت کے ساتھ مذکور ہے اس میں شعبہ سے روایت کرنے میں عنعنہ نہیں ہے پہلی سند میں ہے اسی مقصد کے لیے دوسری سند لائی گئی ہے۔

''ربعی بن حراش'' جلیل القدر تابعی ہیں انہوں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک مجھے معلوم نہ ہو جائے کہ میں جنت میں جاؤں گا یا نہیں میں اس وقت تک کبھی نہیں ہنسوں گا چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو موت کے بعد ہنسنے لگے ۱۰۲ھ میں وفات پائی۔

۳۔ **وَحَدَّثَنِي** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ يَعْنِي ابْنَ عُلَيَّةَ عَنْ عَبْدِالْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ إِنَّهُ لَيَمْنَعُنِي أَنْ أُحَدِّثَكُمْ حَدِيثًا كَثِيرًا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ۔

حضرت انس نے فرمایا کہ مجھے بکثرت حدیثیں بیان کرنے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روکتا ہے کہ:

''جو شخص بالقصد مجھ پر جھوٹ باندھے، وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے''۔

## تشریح

یعنی ''ابن عُلَیَّۃَ'' امام مسلم رحمہ اللہ کے استاذ زہیر بن حرب نے اسماعیل کو مطلق ذکر کیا تھا یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ کون ہے تو امام مسلمؒ نے یعنی ابن علیہ سے وضاحت فرمادی کہ اسماعیل عُلَیَّۃَ کے بیٹے ہیں چونکہ استاذ نے کنیت کا ذکر نہیں کیا تھا تو امام مسلم نے جب اس کا ذکر کیا تو یعنی کا لفظ بڑھا دیا کہ یہ لفظ میرا ہے استاذ کا نہیں ہے یہ انتہائی احتیاط اور دیانت ہے امام مسلم کی اپنی کتاب میں عام عادت اسی طرح ہے کبھی ''ھو'' اور کبھی ''یعنی'' کا لفظ بڑھاتے ہیں امام بخاری زیادہ تر ھو کا لفظ استعمال فرماتے ہیں اسماعیل کے باپ کا نام ابراہیم ہے اسماعیل ''ریحانۃ الفقہاء'' کے لقب سے مشہور ہیں بصری ہیں اصلاً کوفی تھے بعض علماء نے لکھا ہے کہ شیخ اسماعیل ماں کی طرف اپنی نسبت پسند نہیں کرتے تھے تو پوری کتاب میں امام مسلم نے اپنی طرف سے وضاحت کی ہے۔ بہر حال کسی راوی کی نسبت یا وصف میں اضافہ کرنا ہو تو اسکو یعنی کے ساتھ یا ھو کے ساتھ نمایاں کرنا چاہئے جس طرح امام مسلم اور امام بخاری نے کیا ہے۔

نوٹ: طالب علم جب عبارت حدیث پڑھتا ہے تو بہ حدثنا لگا کر پڑھتا ہے تو اس کو چاہئے کہ ایک مرتبہ صاحب کتاب تک پوری سند پڑھے پھر بہ حدثنا میں ضمیر اسی سند کی طرف لوٹا کر پڑھے ورنہ بہ کی ضمیر نہ لگائے۔

٤۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْغُبَرِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے، اُسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے''۔

## تشریح

''محمد بن عبید الغبری البصری'' اس حدیث میں امام مسلم کے استاذ کی نسبت کے ساتھ الغبری کا لفظ لگا ہوا ہے غین پر ضمہ ہے اور با پر زبر ہے، یاء پر شد ہے یہ غُبَر کی طرف نسبت ہے بکر بن وائل میں ایک مشہور قبیلہ ہے قبیلے کا دادا شیخ غبر تھا قبیلہ اسی کے نام سے ہے ''ابو عوانہ'' ان کا نام وضاح بن عبد اللہ یشکری ہے۔ ''ابو حصین'' ح پر فتحہ ہے ان کا نام عثمان بن عاصم اسدی کوفی ہے یہ تابعی ہیں ''ابو صالح'' ان کا لقب سمان اور زیات ہے تیل کا کام کرتے تھے، نام ذکوان ہے کوفی ہیں ۱۰۱ھ میں وفات ہوئی ہے ''ابو ھریرۃ'' ابوھریرہ کی کنیت کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ ایک دن آستین میں بلی اٹھائے ہوئے آرہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیا ہے انہوں نے جواب میں کہا ''ھرۃ'' حضرت پاک نے فرمایا ''فانت ابوھریرہ'' بس اس دن

سے یہ کنیت اتنی غالب آگئی کہ اصلی نام پردۂ غیب میں چلا گیا یہ دوس قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے جاہلیت میں ان کا نام عبد شمس تھا اسلام میں ان کا نام کیا تھا؟ اس میں تیس اقوال ہیں سب سے معتمد قول یہ ہے کہ ان کا نام عبدالرحمٰن بن صخر تھا، حضرت ابو ہریرہؓ کی بڑی شان ہے ۵۳۷۴، احادیث ان سے مروی ہیں جبکہ کسی بھی صحابی سے اتنی مقدار میں احادیث مروی نہیں ہیں شاعر نے کہا:۔

مرویات بو ھریرہ کن شمار پنج الف و سہ صد و ہفتاد و چار

آپ مدینہ منورہ میں ۷۸ سال کی عمر میں ۵۹ھ میں فوت ہوئے اور بقیع غرقد میں مدفون ہیں غزدۂ خیبر کے موقع پر ۷ھ میں آپ مسلمان ہوئے پھر رسول کریم کے ساتھ ہی رہے۔

نوٹ : علامہ نووی فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ ابتدائی سند ہے اس لئے میں نے رجال السند پر کچھ کلام کیا ورنہ میرا مقصود یہ نہیں ہے میں بھی کہتا ہوں کہ چونکہ شرح کی ابتدا ہے اس لئے میں نے رجال پر کچھ کلام کیا ورنہ یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔ نیز اس سے شرح کا اصلی مقصد فوت ہو جاتا ہے اور میں قارئین پر اضافی بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا ہوں لہٰذا آئندہ شدید ضرورت کے بغیر میں رجال پر کلام نہیں کروں گا بس امام مسلم کے رُوات ہیں سارے قابل اعتماد اور شان والے بزرگ ہیں اللہ تعالیٰ ان کے ناموں کے تذکرہ کی برکت سے ہمارے علمی کام میں برکت عطا فرمائے۔

اب آیئے اور مذکورہ حدیث جو مختلف سندوں سے امام مسلم نے روایت کی ہے اس کی شان اور اس کا مقام اور اس کا حکم ملاحظہ فرمائیں:

## اس حدیث کی خصوصیت

"من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار"

(۱) اس حدیث کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ متواتر اور اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث ہے۔

(۲) اس حدیث کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کو عشرہ مبشرہ نے نقل کیا ہے اور دیگر جم غفیر صحابہ نے نقل کیا ہے یہاں تک کہ ۸۷ صحابہ کرام سے اس کا نقل کرنا ثابت ہے بعض نے دوسو تک صحابہ کا لکھا ہے۔

اس حدیث میں چند امور تشریح طلب ہیں اہل سنت والجماعت کے نزدیک کذب خلاف واقعہ بات بیان کرنے کو کہتے ہیں خواہ عمداً ہو خواہ سہواً ہو، معتزلہ کہتے ہیں کہ کذب کے لئے قصد و عمد ضروری ہے اگر عمداً نہیں ہے تو وہ کذب نہیں ہوگا۔ اس حدیث میں عمد کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ آنے والی وعید کا تعلق عمد کی صورت سے ہے کیونکہ خطاء کی صورت معاف ہے تاہم علماء نے لکھا ہے کہ جو طالب علم یا عالم خود سمجھتا ہے کہ وہ یقینی طور پر حدیث کی عبارت پڑھنے میں غلطی کرتا ہے اور پھر بھی عبارت پڑھنے کی جرأت کرتا ہے تو وہ حدیث کی اس وعید کے تحت آئے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کذب بیانی کرنا حرام ہے یہ اگرچہ خود ایک گناہ ہے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

پر جھوٹ باندھنا اعظم کبائر میں سے ہے اور مطلقاً حرام ہے خواہ ترغیب وترہیب کے لئے ہو یا دینی احکام کے لئے ہو۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ دین کے فائدہ کے لئے جھوٹ باندھنا جائز ہے تو ان کا یہ خیال باطل ہے کیونکہ اس طرح تمام نو ایجاد بدعات دین میں داخل ہو جائیں گی فرقہ مبتدعہ خطابیہ اور کچھ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ حدیث میں ''عَلَیَّ'' کا لفظ اضرار کے لئے ہے یعنی ضرر اور فساد کی نیت سے جھوٹ باندھنا منع ہے مگر نیک مقصد کے لئے جائز ہے، یہ نظریہ غلط ہے یہاں عَلَیَّ کے لفظ میں عموم ہے۔ ان مبتدعہ ضالہ نے بعض روایات میں وارد ہونے والے ایک جملے ''لیضل به الناس'' سے بھی استدلال کیا ہے کہ دیکھو یہ گمراہی کی نیت سے حرمت کی طرف اشارہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ لیضل به الناس میں لام علت کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ لام عاقبت کے لئے ہے یعنی اس جھوٹ باندھنے کا انجام لوگوں کی گمراہی ہو، یہ اسی طرح ہے جس طرح ایک آیت میں ہے: ﴿فمن اظلم ممن افتری علی اللّٰہ کذبا لیضل الناس بغیر علم﴾ اس میں لام عاقبت کے لئے ہے علت کے لئے نہیں ہے۔

سوال : اب یہاں سوال یہ ہے کہ ''فلیتبوأ'' امر کا صیغہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آدمی اپنے لئے دوزخ میں جگہ بنالے تو یہ حکم تو انسان کے اختیار میں نہیں غیر اختیاری معاملہ میں امر کیسے کیا جارہا ہے؟

جواب : یہ امر انشاء بمعنی خبر ہے یعنی اس شخص نے اپنے لئے ٹھکانہ بنالیا۔

سوال : اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتکب کبیرہ مُخلّد فی النار ہوگا حالانکہ اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار نہیں ہوگا؟

جواب : یہ حکم تشدیداً تغلیظاً تھدیداً زجراً و توبیخاً ہے یا حلال سمجھنے والے کے بارے میں ہے البتہ یہ ایک الگ تحقیق ہے کہ کذب علی النبی کی حیثیت کیا ہے؟ تو امام الحرمین کے والد ابو محمد جوینیؒ کی رائے یہ ہے کہ کذب علی النبی کفر ہے مگر جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اگر کذب علی النبی کو کوئی شخص حلال نہیں سمجھتا تو یہ گناہ کبیرہ ہے کفر نہیں ایسا آدمی فاسق اور ساقط الحدیث ہے کافر نہیں ہے۔

اب یہ بھی ایک الگ بحث ہے کہ کذب علی النبی کے مرتکب کی توبہ مقبول ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ احمد حمیدی اور ابو بکر صیرفی کہتے ہیں کہ واضع الحدیث شخص کی توبہ معتبر ومقبول نہیں ہے مگر جمہور کے نزدیک قول مختار یہ ہے کہ توبہ اگر سچائی کے ساتھ ہو تو مقبول ہے کہ پہلے گناہ پر پشیمان ہو آئندہ اس گناہ سے اجتناب ہو فی الحال سچی توبہ ہو۔ یہ ان چار احادیث کی تشریح وتفصیل ہے جس کا اکثر وبیشتر مواد نعمت المنعم، نصر المنعم، فیض المنعم، نووی، درس مسلم، دروس مسلم، عمدۃ المفھم اور دیگر کتابوں سے لیا گیا ہے۔

ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کے شان ورود میں موضوعات کبیر کے مقدمہ میں طبرانی کے حوالہ سے ایک قصہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت نے عرب کے ایک قبیلہ کی طرف ایک آدمی کو کسی کام پر بھیجا اس نے جا کر کہا کہ مجھے حضور اکرم نے حکم دیا ہے

کہ میں جس طرح چاہوں تمہاری عورتوں میں تصرف کروں، لوگوں نے کہا کہ حضور اکرم کا حکم سر آنکھوں پر قبول ہے مگر ہم معلوم کریں گے، چنانچہ انہوں نے ایک آدمی بھیجا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ہوئی تو آپ بہت غصہ ہوئے اور ایک انصاری صحابی کو بھیجا کہ جا کر اس شخص کو قتل کردو اور پھر آگ میں جلادو جب صحابی وہاں گئے تو وہ شخص پہلے مر چکا تھا اور دفن کیا جا چکا تھا۔ انصاری نے اس کو قبر سے نکالا اور آگ میں جلادیا اور پھر فرمایا کہ آنحضرت نے فرمایا کہ جس شخص نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔ (مقدمہ موضوعات کبیر، ص:۱۰)

۵۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُبَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ رَبِيعَةَ الْوَالِبِيُّ قَالَ أَتَيْتُ الْمَسْجِدَ وَالْمُغِيرَةُ أَمِيرُ الْكُوفَةِ قَالَ فَقَالَ الْمُغِيرَةُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلَى أَحَدٍ فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔

علی بن ربیعہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں پہنچا اور یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب حضرت مغیرہؓ کوفہ کے امیر (گورنر) تھے علی کہتے ہیں کہ حضرت مغیرہؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: مجھ پر جھوٹ ویسا نہیں ہے جیسا اوروں پر، پس جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے، چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

۶۔ وَحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قَيْسٍ الْأَسَدِيُّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ الْأَسَدِيِّ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ وَلَمْ يَذْكُرْ إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلَى أَحَدٍ۔

علی کے دوسرے شاگرد محمد بن قیس کی روایت بھی سعید بن عبید کی روایت کی طرح ہے مگر ان کی روایت میں ان کذبا..... الخ نہیں ہے۔

## تشریح

"لیس ککذب علی احد" یعنی پیغمبر علیہ السلام پر جھوٹ باندھنا عام انسانوں پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں ہے کیونکہ امت کے کسی عالم وفقیہ پر جھوٹ باندھنے سے وہ جھوٹ شریعت کا حصہ نہیں بنتا لیکن پیغمبر اسلام پر جھوٹ باندھنے سے وہ شریعت کا حصہ بن سکتا ہے جس سے عام گمراہی کے پھیلنے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔

## بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْحَدِيثِ بِكُلِّ مَا سَمِعَ

## بلاتحقیق ہر سنی سنائی حدیث بیان کرنے کی ممانعت

۷۔ وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي ، ح : وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ ۔

حفص بن عاصم (تابعی) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ'' آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ جو بات سنے بیان کردے''۔

## تشریح

''عبید اللّٰہ بن معاذ العنبری'' اس سے پہلے حدیث نمبر۴ میں ایک راوی محمد بن عبید کے ساتھ نسبت میں غبری کا لفظ لگا ہوا ہے وہ قبیلہ غُبر کی طرف منسوب ہے جو بکر بن وائل کی شاخ ہے مگر زیر بحث حدیث میں جو راوی ہے یہ بنوعنبر قبیلہ کی طرف منسوب ہے۔ یہاں حدیث نمبر ۷ سے آگے حدیث نمبر۱۲ تک احادیث کا مضمون اور خلاصہ یہ ہے کہ ان احادیث مبارکہ میں کذب بیانی کو ایک سنگین گناہ فرمایا گیا ہے، لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ حدیث بیان کرنے سے پہلے اس حدیث کی صحت کی خوب تحقیق کرلے اور ہر سنی سنائی بات کو آگے نہ بڑھائے گذشتہ زمانے میں جس طرح روایت اور سند کی تحقیق ہوتی تھی آج کل حدیث کی کتابوں کی تحقیق بھی ضروری ہے کیونکہ اب کتابوں میں صحیح کے ساتھ ضعیف بلکہ موضوع حدیثیں بھی لکھی گئیں ہیں تو ہر کتاب کی ہر لکھی ہوئی حدیث آگے بڑھانا مناسب نہیں ہے بلکہ خوب چھان بین کرنی چاہیئے ہاں جو قابل اعتماد کتابیں ہیں ان میں شک نہیں کرنا چاہئے۔

''کفی بالمرء'' اس میں باز ائد ہے یہ لفظ مفعول کی جگہ واقع ہے کذباً تمیز ہے اور ان یحدث بتاویل مصدر کفی کا فاعل ہے۔

''حفص بن عاصم'' یہاں یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ حفص بن عاصم تابعی ہیں اور قال رسول اللّٰہ کہہ رہے ہیں۔ امام مسلم نے ساتھ والی دوسری سند کے ذریعے اس ارسال کو ختم کردیا کیونکہ عن ابی ھریرۃ سے حدیث متصل ہوگئی۔

۸۔ **وَحَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حَفْصٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ ذٰلِكَ۔

اس روایت کے الفاظ بھی وہی ہیں جو نمبر ۷ میں گذرے، فرق صرف یہ ہے کہ وہ روایت مرسل تھی یہ مسند ہے۔

## تشریح

''حفص بن عاصم عن ابی ھریرۃ'' اس اتصال سے حدیث سابق کا ارسال ختم ہوگیا۔

''بمثل ذلك'' محدثین کی عادت ہے کہ وہ پہلی سند کے ساتھ متن حدیث ذکر کردیتے ہیں اور اس کے بعد دیگر سندوں میں متن کا حوالہ دیتے ہیں اس حوالہ کے لئے کبھی مثلہ لفظ لاتے ہیں اور کبھی نحوہ لفظ لگاتے ہیں۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ ان دولفظوں میں کیا فرق ہے؟ تو محدثین فرماتے ہیں کہ جہاں لفظ مثلہ آگیا تو سمجھ لو کہ متن لفظاً و معنًی متحد ہے لیکن اگر نحوہ آگیا تو سمجھ لو کہ متن معنی و مضمون کے اعتبار سے تو متحد ہے لیکن الفاظ میں اتحاد نہیں الفاظ الگ الگ ہیں۔

۹۔ وَحَدَّثَنِیْ یَحْیَی بْنُ یَحْیَی قَالَ اَخْبَرَنَا هُشَیْمٌ عَنْ سُلَیْمَانَ التَّیْمِیِّ عَنْ اَبِیْ عُثْمَانَ النَّهْدِیِّ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ بِحَسْبِ الْمَرْءِ مِنَ الْكَذِبِ اَنْ یُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ جو بات بھی سنے بیان کردے''۔

## تشریح

''بحسب المرء'' باز ائدہ ہے حسب مضاف المرء مضاف الیہ سے مل کر مبتداء اور ان یحدث بتاویل مفرد خبر واقع ہے۔
''بکل ماسمع'' یعنی یہ شخص جب ہر سنی سنائی بات نقل کرے گا تو یقیناً اس میں بہت ساری غلط باتیں بھی آجائیں گی اور یہ ناقل خواہ کذب کا ارادہ نہ بھی کرتا ہو مگر پھر بھی بلا تحقیق وتصدیق غلط بات نقل کرنے کی وجہ سے کاذب شمار ہوگا۔ اس حدیث میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ بلا تحقیق ہر سنی سنائی بات نقل نہ کریں۔

۱۰۔ وَحَدَّثَنِیْ اَبُوالطَّاهِرِ اَحْمَدُبْنُ عَمْرِو بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ قَالَ اَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ قَالَ لِیْ مَالِكٌ اِعْلَمْ اَنَّهٗ لَیْسَ یَسْلَمُ رَجُلٌ حَدَّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ وَلَایَكُوْنُ اِمَامًا اَبَدًا وَهُوَیُحَدِّثُ بِكُلِّ مَاسَمِعَ ۔

عبداللہ بن وہب مصری کہتے ہیں کہ مجھ سے امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تم یہ بات جان لو کہ جو شخص ہر سنی ہوئی حدیث بیان کرتا ہے وہ (جھوٹ سے) بچ نہیں سکتا، اور آدمی کبھی پیشوا نہیں بن سکتا درآنحالیکہ وہ ہر سنی ہوئی حدیث بیان کرتا ہو۔

۱۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنْ اَبِی الْاَحْوَصِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ بِحَسْبِ الْمَرْءِ مِنَ الْكَذِبِ اَنْ یُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ ۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات بیان کردے۔

۱۲۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰی قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ مَهْدِیٍّ یَقُوْلُ لَایَكُوْنُ الرَّجُلُ اِمَامًا یُقْتَدٰی بِهٖ حَتّٰی یُمْسِكَ عَنْ بَعْضِ مَاسَمِعَ ۔

ابن مہدی فرماتے ہیں کہ آدمی کبھی ایسا پیشوا نہیں بن سکتا جس کی پیروی کی جائے تا آنکہ وہ بعض سنی ہوئی حدیثوں کو بیان کرنے سے رُک جائے۔

۱۳۔ وَحَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ یَحْیَی قَالَ اَخْبَرَنَا عُمَرُبْنُ عَلِیِّ بْنِ مُقَدَّمٍ عَنْ سُفْیَانَ بْنِ حُسَیْنٍ قَالَ سَاَلَنِیْ اِیَاسُ بْنُ مُعَاوِیَةَ فَقَالَ اِنِّیْ اَرَاكَ قَدْ كَلِفْتَ بِعِلْمِ الْقُرْاٰنِ فَاقْرَاْ عَلَیَّ سُوْرَةً وَفَسِّرْ حَتّٰی اَنْظُرَ فِیْمَا عَلِمْتَ قَالَ فَفَعَلْتُ فَقَالَ لِیْ اِحْفَظْ عَلَیَّ مَااَقُوْلُ لَكَ اِیَّاكَ وَالشَّنَاعَةَ فِی الْحَدِیْثِ فَاِنَّهٗ قَلَّمَا حَمَلَهَا اَحَدٌ اِلَّا ذَلَّ فِیْ نَفْسِهٖ وَكُذِّبَ فِیْ حَدِیْثِهٖ ۔

سفیان بن حسین کہتے ہیں کہ مجھ سے ایاس بن معاویہ نے کہا کہ میں علم تفسیر کے ساتھ تمہاری دلچسپی دیکھ رہا ہوں، لہٰذا

تم میرے سامنے کوئی سورت پڑھ کر اس کی تفسیر بیان کرو تا کہ میں دیکھوں کہ تم نے کیا پڑھا ہے؟ سفیان کہتے ہیں کہ میں نے حکم کی تعمیل کی تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ: جو بات میں تم سے کہتا ہوں اس کو میری طرف سے خوب محفوظ رکھو اناپ شناپ حدیثیں بیان کرنے سے بچو کیونکہ عام طور پر یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ خود ہی رسوا ہو جاتا ہے اور حدیث کے بارے میں اس کی تکذیب کی جاتی ہے۔

## تشریح

''ایاس بن معاویۃ ''بلا تحقیق بے سروپا حدیثیں بیان کرنا آدمی کو رسوا کر دیتا ہے ایسے محدث سے لوگوں کا اعتماد اٹھ جاتا ہے اور لوگ اس کی بات کی تکذیب کرنے لگتے ہیں۔ بصرہ کے قاضی، شان والے تابعی حضرت قاضی ایاس بن معاویہ متوفی ۱۲۲ھ جن کی ذکاوت، فہم و فراست، تدبر و بصیرت، فصاحت و بلاغت ضرب المثل تھی وہ اپنے ایک شاگرد سفیان بن حسین کو یہی بات سمجھا رہے ہیں اور نصیحت کر رہے ہیں ''کلفت'' سمع سے شوق و محبت اور شغف و عشق کے معنی میں ہے۔ ''بعلم القرآن'' یعنی آپ کو قرآن کی تفسیر کا زیادہ شوق ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ تفسیر میں ضعیف اور کمزور حدیثیں بیان کی جاتی ہیں آپ مجھے اپنی تفسیر بیان کر دیں تا کہ میں صحیح اور غلط کے بارے میں فیصلہ کر سکوں۔

''احفظ علی'' ای عنی یعنی میری طرف سے یہ بات یاد رکھیں ''والشناعۃ'' شناعت فی الحدیث یعنی قابل شناعت و قباحت، باتیں اس سے مراد منکر حدیث کو بیان کرنا ہے جس میں شکوک ہونگے لوگ تقبیح و تشنیع کریں گے جس سے آدمی کا رتبہ گھٹ جاتا ہے تو لوگ ذلیل سمجھیں گے اور جھوٹا مانیں گے۔ خلاصہ یہ کہ قاضی ایاس نے اپنے شاگرد، سفیان بن حسین کو تنبیہ کی ہے کہ لوگ تفسیری روایات میں تساہل برتتے ہیں اور اس میں منکر من گھڑت موضوعی روایات درج کرتے ہیں تم ایسا نہ کرو۔

## لوگوں کی عقلوں سے بالاتر بات نہ کرو

۱۴ـ وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى قَالَا أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ قَالَ مَا أَنْتَ بِمُحَدِّثٍ قَوْمًا حَدِيثًا لَا تَبْلُغُهُ عُقُولُهُمْ إِلَّا كَانَ لِبَعْضِهِمْ فِتْنَةً۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تم جب بھی کسی قوم کے سامنے کوئی ایسی حدیث بیان کرو گے جو ان کی عقل کی رسائی سے باہر ہو تو وہ کچھ لوگوں کے لئے فتنہ بن جائے گی، (لفظی ترجمہ یہ ہے: نہیں ہو تم بیان کرنے والے کسی قوم سے کوئی ایسی حدیث جس تک نہ پہنچیں ان کی عقلیں مگر ہو گی وہ ان میں سے بعض کے لئے فتنہ)۔

## تشریح

''ما انت بمحدث ''یعنی جس قوم کے سامنے تم حدیث بیان کرو گے تو تم پر لازم ہے کہ ان کی عقلوں کے مطابق بات کرو اور

حاضرین مجلس کی استعداد کا خیال رکھو ورنہ ہدایت کے بجائے گمراہی پھیلے گی۔ مطلب یہ کہ بیان اور وعظ میں یا تفسیر وتشریح میں ایسے مضامین بیان کرنے چاہئیں جو لوگوں کی سمجھ وفہم سے بالاتر نہ ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگ اللہ ورسول کی بات جھٹلانے پر نہ اتر آجائیں۔ خلاصہ یہ کہ "کلموا الناس علی قدر عقولھم"۔

## بَابُ النَّهْيِ عَنِ الرِّوَايَةِ عَنِ الضُّعَفَاءِ وَالْاِحْتِيَاطُ فِي تَحَمُّلِهَا

## ضعیف راویوں سے روایت کرنے کی ممانعت

۱۵۔ **وَحَدَّثَنِي** مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيْدُ بْنُ اَبِي اَيُّوْبَ قَالَ حَدَّثَنِي اَبُوْهَانِئٍ عَنْ اَبِي عُثْمَانَ مُسْلِمِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ سَيَكُوْنُ فِي آخِرِ اُمَّتِي اُنَاسٌ يُحَدِّثُوْنَكُمْ مَالَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ فَاِيَّاكُمْ وَاِيَّاهُمْ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "میری امت کے آخری دور میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو تم سے ایسی حدیثیں بیان کریں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے سو تم ان سے بچتے رہنا۔

### تشریح

"یحدثونکم" واعظوں کی ایک بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ لوگوں کو متاثر کرنے کے لئے اور ان سے دنیا کمانے کے لئے نئی نئی حدیثیں سنانے کی کوشش کرتے ہیں کچھ حدیثیں واعظ خود گھڑتے ہیں اور زیادہ تر غیر معتبر کتابوں سے لیکر بیان کرتے ہیں ان لوگوں سے امت کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ امام مسلم ایسے ہی لوگوں سے متعلق وہ حدیثیں پیش فرمارہے ہیں۔

"فایاکم وایاھم" اس جملہ میں واؤ زائد ہے اور ایاھم مفعول بہ واقع ہے ایاکم اسم فعل ہے اور کُمْ فاعل ہے۔ ای اتقوامنھم واحفظوا منھم انفسکم۔ یعنی تم اپنے آپ کو ان سے بچاؤ۔

۱۶۔ **وَحَدَّثَنِي** حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حَرْمَلَةَ بْنِ عِمْرَانَ التُّجِيْبِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي اَبُوْشُرَيْحٍ اَنَّهُ سَمِعَ شَرَاحِيْلَ بْنَ يَزِيْدَ يَقُوْلُ اَخْبَرَنِي مُسْلِمُ بْنُ يَسَارٍ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَاهُرَيْرَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ يَاْتُوْنَكُمْ مِنَ الْاَحَادِيْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ فَاِيَّاكُمْ وَاِيَّاهُمْ لَايُضِلُّوْنَكُمْ وَلَايَفْتِنُوْنَكُمْ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "آخر زمانہ میں مکار جھوٹے پیدا ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے سو تم ان سے بچتے رہنا وہ لوگ تم کو گمراہ نہ کردیں، اور تم کو فتنہ میں مبتلا نہ کردیں۔

تشریح

"دجــــالـــون" یہ مبالغہ کا صیغہ ہے دجل فریب اور دھوکہ کو کہتے ہیں، دجل اس تلبیس ابلیس کو کہتے ہیں جس میں حق و باطل کے درمیان فرق کرنا دشوار ہو جاتا ہو۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین اسلام میں صحیح منشاء کے بغیر محض اپنی رائے سے مسائل کا اختراع کرتے ہیں آخر زمانہ میں فتنوں کا زور ہوگا تو ایسے لوگ نمودار ہو جائیں گے جو عوام الناس سے کہیں گے کہ ہم علماء مشائخ اور بزرگ ہیں اس کے لئے وہ حدیثیں گھڑ کر دھوکہ دیں گے تم ان سے بچنا۔ خلاصہ یہ کہ دین کے معاملہ میں احتیاط کرنی چاہئے اور بدعتیوں کی مجالس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

## حدیثیں گھڑنے میں شیاطین کا بھی ہاتھ ہے

۱۷۔ وَحَدَّثَنِي أَبُو سَعِيدِ الْأَشَجُّ قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ قَالَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنِ الْمُسَيَّبِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبَدَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَتَمَثَّلُ فِي صُورَةِ الرَّجُلِ فَيَأْتِي الْقَوْمَ فَيُحَدِّثُهُمْ بِالْحَدِيثِ مِنَ الْكَذِبِ فَيَتَفَرَّقُونَ فَيَقُولُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ سَمِعْتُ رَجُلًا أَعْرِفُ وَجْهَهُ وَلَا أَدْرِي مَا اسْمُهُ يُحَدِّثُ۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ شیطان انسان کی صورت اختیار کرتا ہے پھر وہ لوگوں کے پاس آتا ہے اور ان کو جھوٹی حدیثیں سناتا ہے پھر جب لوگ منتشر ہوتے ہیں تو ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ایک شخص کو حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے جس کی صورت سے تو میں آشنا ہوں، مگر نام نہیں جانتا (پھر اس شیطان سے سنی ہوئی جھوٹی روایت نقل کرتا ہے)۔

تشریح

"لَيَتَمَثَّلُ" یعنی شیاطین بھی جھوٹی حدیثیں گھڑتے ہیں اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی شخص کی شکل میں آکر اپنے آپ کو بزرگ بتاتا ہے اور پھر لمبا بیان کر کے اس میں جھوٹی حدیثیں سنا دیتا ہے پھر چلا جاتا ہے سننے والے بعد میں کہتے ہیں کہ اس آدمی کی شکل دیکھ کر ہم پہچان لیں گے لیکن نام سے ہم نہیں جانتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیانات کے جن منبروں سے خطیب کا اعلان نہیں ہوتا کہ یہ کون صاحب ہیں یہ خطرناک صورت ہے اسی میں شیاطین گھس آتے ہیں علماء کرام کا طریقہ واضح اور صاف ہے، نام کا اعلان ہوتا ہے تو کوئی شیطان گھسنے کی کوشش نہیں کر سکتا تبلیغی بزرگوں کو بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے۔

## ڈاکٹر منجانا شیطان

۱۸۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ إِنَّ فِي الْبَحْرِ شَيَاطِينَ مَسْجُونَةً أَوْثَقَهَا سُلَيْمَانُ يُوشِكُ أَنْ تَخْرُجَ فَتَقْرَأَ عَلَى النَّاسِ قُرْآنًا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ: سمندر میں مقید کچھ شیاطین ہیں جن کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے قید کیا ہے، قریب ہے کہ وہ نکلیں، پس وہ لوگوں کو قرآن پڑھ کر سنائیں۔

## تشریح

''شیاطین مسجونۃ ''یعنی سمندر میں جنات اور شیاطین قید میں پڑے ہیں۔''یوشک''یعنی قریب ہے کہ اس قید خانہ سے کسی وقت کسی طرح چھوٹ جائیں۔''قرآنا''یعنی لوگوں کو پڑھ پڑھ کر کچھ سنائیں گے۔قرآن کا لغوی معنی جمع کرنا ہے پھر لغوی معنی کے اعتبار سے ہر وہ مجموعہ جو پڑھا جائے وہ قرآن ہے تو قرآن بمعنی مقروء ہے۔اب اس حدیث میں قرآن سے کیا مراد ہے اور حدیث کا مطلب کیا ہے؟ اس کی چار توجیہات ہیں:

پہلی توجیہ: یہ ہے کہ ممکن ہے کہ قرآن کے نام پر پڑھی جانی والی کوئی کتاب مراد ہو جس کو پڑھ کر شیاطین لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے اس لئے کوئی شیطان اپنے شیطانی منصوبے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔

دوسری توجیہ: یہ ہے کہ قرآن سے حقیقی قرآن مراد ہے مطلب یہ ہے کہ یہ شیطان حقیقی قرآن پڑھ کر لوگوں کو اپنا معتقد بنائیں گے اور پھر اس کی غلط تفسیر کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کریں گے یورپ میں اس کام کے لئے لوگ تیار کیے گئے ہیں۔

تیسری توجیہ: یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کے پاس دو صحیفے تھے ایک کا نام ''صادقہ'' تھا یہ صحیح احادیث کا مجموعہ تھا دوسرا صحیفہ یرموکیہ تھا جو جنگ یرموک میں آپ کے ہاتھ لگا تھا جو اسرائیلی روایات کا مجموعہ تھا تو قید سے محبوس شیاطین کا چھوٹ کر آنا پھر قرآن پڑھنا یہ سب بھی اسرائیلیات ہیں جس کی تشریح و توجیہ کے ہم پابند نہیں ہیں۔

چوتھی توجیہ: یہ ہے کہ فتح الملہم، ج۱،ص۳۵۸ میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس طرح کا کوئی واقعہ قیامت کے قریب ظاہر ہو جائے کیونکہ اس وقت ایسے خارق عادات واقعات ہونگے۔

علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آج سے تقریباً بیس سال پہلے اس طرح کا واقعہ دیکھا ہے کہ ایک شیطان ڈاکٹر منجانا کی شکل میں یورپ سے آیا اور اپنے ساتھ قرآن کا نامزد نسخہ لایا جو بہت پرانا تھا وہ شیطان کہتا تھا کہ اصل قرآن یہ ہے حالانکہ پوری دنیا کے قرآنوں سے اس کا نسخہ مختلف تھا وہ قرآن میں تحریف ثابت کرنا چاہتا تھا مگر خائب و خاسر ہو کر لوٹ گیا۔

۱۹۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ وَسَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو الْأَشْعَثِيُّ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ قَالَ سَعِيدٌ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ بْنِ حُجَيْرٍ عَنْ طَاوُسٍ قَالَ جَاءَ هَذَا إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَعْنِي بُشَيْرَ بْنَ كَعْبٍ فَجَعَلَ يُحَدِّثُهُ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ عُدْ لِحَدِيثِ كَذَا وَكَذَا فَعَادَ لَهُ ثُمَّ حَدَّثَهُ فَقَالَ لَهُ عُدْ لِحَدِيثِ كَذَا وَكَذَا فَعَادَ لَهُ فَقَالَ لَهُ مَا أَدْرِي أَعَرَفْتَ حَدِيثِي

كُلَّهُ وَأَنْكَرْتَ هٰذَا؟ أَمْ أَنْكَرْتَ حَدِيثِي كُلَّهُ وَعَرَفْتَ هٰذَا؟ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّا كُنَّا نُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ لَمْ يَكُنْ يُكْذَبُ عَلَيْهِ فَلَمَّا رَكِبَ النَّاسُ الصَّعْبَ وَالذَّلُولَ تَرَكْنَا الْحَدِيثَ عَنْهُ۔

طاؤس کہتے ہیں کہ یہ شخص حضرت ابن عباسؓ (متوفی ۶۸ھ) کے پاس آیا، ہشام کہتے ہیں کہ طاؤس کی مراد بُشیر بن کعب ہے، پس وہ حدیثیں بیان کرنے لگے تو (چند حدیثیں سننے کے بعد) ابن عباس نے ان سے کہا کہ فلاں فلاں حدیثیں دوبارہ سنایئے، چنانچہ انہوں نے وہ دوبارہ سنائیں، پھر وہ ان کے سامنے اور حدیثیں بیان کرنے لگے، تو (چند حدیثوں کے بعد پھر) ابن عباسؓ نے کہا کہ فلاں فلاں حدیثیں دوبارہ بیان کیجئے، چنانچہ انہوں نے وہ دوبارہ بیان کیں، پھر بُشیر نے ابن عباس سے کہا کہ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ نے میری سب حدیثوں کو معتبر سمجھا اور ان چند کے بارے میں آپ کو شبہ ہوا یا میری سب حدیثوں کو غیر معتبر سمجھا اور ان چند کو معتبر جانا؟ تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ''ہمیں حدیثیں بیان کی جاتی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ نہیں بولا جاتا تھا پھر جب لوگ اچھی بُری سواری پر چڑھنے لگے تو ہم نے رسول اللہؐ کی طرف سے بیان کی جانے والی حدیثوں کو قبول کرنا چھوڑ دیا (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حدیثیں بیان کرنا چھوڑ دیا)۔

## تشریح

''ابن عیینۃ'' اس سے سفیان بن عیینہ مراد ہیں ''قال سعید'' اس سے امام مسلم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس روایت کو سعید نے سفیان سے اخبار کے صیغہ سے نقل کیا ہے اور ابن عیینہ کے نام کی تصریح کر کے سفیان کہا ہے جبکہ محمد بن عباد نے ''عن'' کہا ہے اور سفیان کا نام بھی نہیں لیا بلکہ صرف ابن عیینہ کہا ہے ''طاؤس'' طاؤس بن کیسان یمانی انباری جلیل القدر تابعی اور حضرت ابن عباس کے شاگرد ہیں بلند پایہ محدث اور فقیہ ہیں ان کی وفات ۱۰۶ھ میں ہوئی ہے۔ (تکمیل الادب شرح لجۃ العرب ص ۵۷۹)

حضرت طاؤس، بُشیر بن کعب کی آمد اور حضرت ابن عباس کو حدیث سنانے کا قصہ بیان کر رہے ہیں، بُشیر تصغیر کے ساتھ ہے یہ بصری ہیں تابعی ہیں ثقہ راوی ہیں تقریباً حضرت ابن عباس کے ہم عمر ہیں امام مسلم نے ان کا یہاں صرف تذکرہ کیا ہے ان سے حدیث نہیں لی ہے باقی ارباب صحاح نے ان سے روایت لی ہے۔ جب ایک موقع پر یہ حدیثیں سنانے لگے تو حضرت ابن عباسؓ نے ان کی تکثیر حدیث کو پسند نہیں کیا ''ما ادری'' یہ استفہام نہیں بلکہ بُشیر کی طرف سے تعجب ہے کہ بار بار مجھ سے حدیث پڑھواتے ہو معلوم نہیں کیا چاہتے ہو! ''نحدث'' یہ صیغہ مجہول و معروف دونوں طرح پڑھنا جائز ہے یعنی جب اعتماد کا دور تھا تو ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سن کر ہمہ جہت متوجہ ہو جاتے تھے۔

''الصعب'' سرکش غیر سدھایا ہوا گھوڑا ''والذلول'' سدھایا ہوا غیر سرکش رام گھوڑا کو کہتے ہیں مراد اچھی اور بُری سواری ہے اس تشبیہ سے حضرت ابن عباسؓ نے صحیح اور ضعیف احادیث کی نشاندہی فرمائی ہے۔

۲۰۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ قَالَ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ اَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّمَا كُنَّا نَحْفَظُ الْحَدِيثَ وَالْحَدِيثُ يُحْفَظُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَّا اِذَا رَكِبْتُمْ كُلَّ صَعْبٍ وَذَلُوْلٍ فَهَيْهَاتَ۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہم حدیثیں یاد کرلیا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں تو یاد کی ہی جاتی ہیں، مگر جب آپ لوگ ہر اچھی بری سواری پر چڑھنے لگے تو بات بہت دور چلی گئی (یعنی اعتبار جاتا رہا)۔

## تشریح

''ابن طاؤس'' اس روایت میں طاؤس کے بیٹے اپنے والد طاؤس سے روایت کر رہے ہیں، بیٹے کا نام عبداللہ بن طاؤس ہے یہ عالم فاضل اور نیک صالح آدمی تھے ان کا انتقال ۱۳۲ھ میں ہوا۔ (تکمیل الادب شرح مجمع العرب، ص ۵۷۹)

''فھیھات'' یہ اسم فعل ہے ''بَعُدَ'' کے معنی میں ہے یہ لفظ حضرت ابن عباس نے استعمال کیا ہے یعنی معاملہ سنگین ہو کر بہت دور جا نکلا ہے لہٰذا اعتماد ختم ہو گیا ہے ''ای بَعُدَتْ استقامتکم واعتمادُکم''۔

۲۱۔ وَحَدَّثَنِي اَبُوْ اَيُّوْبَ سُلَيْمَانُ بْنُ عُبَيْدِاللّٰهِ الْغَيْلَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَامِرٍ يَعْنِي الْعَقَدِيَّ قَالَ حَدَّثَنَا رَبَاحٌ عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ جَاءَ بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ الْعَدَوِيُّ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَجَعَلَ يُحَدِّثُ وَيَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجَعَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا يَاْذَنُ لِحَدِيْثِهِ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِ فَقَالَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ مَالِيْ لَا اَرَاكَ تَسْمَعُ لِحَدِيْثِيْ ؟ اُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَسْمَعُ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّا كُنَّا مَرَّةً اِذَا سَمِعْنَا رَجُلًا يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِبْتَدَرَتْهُ اَبْصَارُنَا وَاَصْغَيْنَا اِلَيْهِ بِآذَانِنَا فَلَمَّا رَكِبَ النَّاسُ الصَّعْبَةَ وَالذَّلُوْلَ لَمْ نَاْخُذْ مِنَ النَّاسِ اِلَّا مَا نَعْرِفُ ـ

مجاہد کہتے ہیں کہ بشیر عدوی حضرت ابن عباسؓ کے پاس آئے اور حدیثیں بیان کرنے لگے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجاہد نے بیان کیا کہ ابن عباس نے ان کی حدیثوں سے توجہ ہٹالی، اور ان کی طرف سے نگاہ پھیر لی، تو بشیر نے کہا کہ: ابن عباس! کیا بات ہے آپ میری حدیثیں نہیں سنتے؟ میں آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کرتا ہوں اور آپ سن نہیں رہے! حضرت ابن عباس نے جواب دیا کہ ''ایک وقت تھا جب ہم کسی کو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتا ہوا سنتے تو اس کی طرف ہماری نگاہیں اٹھ جاتیں، اور ہم اپنے کان اس کی طرف متوجہ کر دیتے، پھر جب لوگوں نے اچھی بری ہر قسم کی سواریوں پر چڑھنا شروع کر دیا تو اب ہم صرف وہی حدیثیں لیتے ہیں جن کو ہم جانتے ہیں۔

## اکابر سے احادیث کی توثیق

وضع حدیث کا سلسلہ روکنے کے لئے اور صحیح اور معتبر حدیثوں کے جاننے کے لئے صحابۂ کرام کے آخر دور میں تین اہم کام شروع کردیئے گئے تھے (۱) پہلا کام "اسناد" کا شروع کیا گیا کہ کس نے کس سے سنا؟ کیسے سنا؟ کب سنا؟ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ بے احتیاطی کے ساتھ حدیث بیان کرنے کا سلسلہ کم ہوگیا۔ (۲) اس وقت دوسرا بڑا کام راویوں پر تنقید اور روات کا پرکھنا شروع کیا گیا کہ کون سچا ہے کون جھوٹا ہے؟ کون پکا ہے کون کچا ہے؟ کس کا کس سے سماع ہے اور کس سے نہیں ہے؟ اس کا یہ فائدہ ہوا کہ حدیث کے اتصال وانقطاع اور قوت وضعف کا خوب اندازہ ہوگیا۔ (۳) تیسرا بڑا کام اکابر سے توثیق کرنے کا شروع ہوا یعنی صحابہ کرام اور بڑے تابعین اور ائمہ فن سے اپنی مسموعات کی توثیق کرالینا، چنانچہ محدثین نے اس میدان میں بھی کھلے دل سے اکابر کی طرف رجوع کیا ہے ادھر اللہ تعالیٰ اس اُمت میں احادیث کی حفاظت اور پرکھنے کے لئے ایسے جبال العلم اصحاب جرح وتعدیل پیدا فرمائے جنہوں نے اپنی زندگیاں اسی کام کے لئے وقف کر رکھی تھیں تو احادیث کی صحت وسقم معلوم کرنے کا سب سے عمدہ طریقہ یہی رہا کہ فن حدیث کا اکابر کی طرف رجوع کیا جائے جس طرح لوگ اپنا سونا، چاندی پرکھنے کے لئے سنار کی طرف رجوع کرتے ہیں اسی طرح فن حدیث کے اکابر کی طرف رجوع کر کے یہ معلوم کیا جائے کہ کونسی حدیث صحیح ہے اور کونسی غیر صحیح ہے ذیل میں اسی سلسلہ کی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

۲۲۔ **وحَدَّثَنَا** دَاوُدُ بْنُ عَمْرٍو الضَّبِّيُّ قَالَ حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ كَتَبْتُ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَسْأَلُهُ أَنْ يَكْتُبَ لِي كِتَابًا وَيُخْفِي عَنِّي فَقَالَ وَلَدٌ نَاصِحٌ أَنَا أَخْتَارُ لَهُ الْأُمُورَ اخْتِيَارًا وَأُخْفِي عَنْهُ قَالَ فَدَعَا بِقَضَاءِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَجَعَلَ يَكْتُبُ مِنْهُ أَشْيَاءَ وَيَمُرُّ بِهِ الشَّيْءُ فَيَقُولُ وَاللّٰهِ مَا قَضَى بِهٰذَا عَلِيٌّ إِلَّا أَنْ يَكُونَ ضَلَّ۔

طائف کے قاضی، مشہور تابعی عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی مُلیکہ (متوفی ۱۱۷ھ) کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس کو خط لکھا جس میں آنجناب سے درخواست کی کہ مجھے حضرت علیؓ کے فیصلوں کی ایک تحریر لکھ دیں، اور (غیر معتبر باتیں) مجھ سے چھپالیں (یعنی نہ لکھیں) حضرت ابن عباسؓ نے (خط پڑھ کر) فرمایا کہ: خیر خواہ لڑکا ہے (یعنی سمجھدار ہے) میں اس کے لئے اچھی باتیں منتخب کروں گا اور غیر معتبر باتیں نہیں لکھوں گا، راوی نے کہا پھر آنجناب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے منگوائے اور اس میں سے نقل کرنے لگے اور بعض باتیں جب ان کی نگاہ سے گذرتی تو فرماتے کہ بخدا! یہ حضرت علی کا فیصلہ نہیں ہوسکتا، الا یہ کہ وہ گمراہ ہو گئے ہوں، (اور معلوم ہے کہ وہ گمراہ نہیں ہوئے، پس یہ فیصلے ان کے نہیں ہیں بلکہ ان کے نام سے گھڑے گئے ہیں)۔

## تشریح

''ویخفی عنی'' یہ باب افعال سے اخفاء چھپانے کے معنی میں ہے ابن ابی ملیکہ کا مقصد یہ تھا کہ حضرت علی کی طرف جوالحاقی قضایا اور فیصلے لوگوں نے منسوب کر رکھے ہیں وہ نہ لکھیں بلکہ وہ چھپادیں باقی فیصلے لکھدیں حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ابن ابی ملیکہ اچھا بچہ ہے میں اس کے لئے معتبر اور اچھی باتیں لکھدوں گا اور غیر معتبر کو اس سے چھپادوں گا۔

''فدعا بقضاء علیّ'' یعنی حضرت ابن عباسؓ نے حضرت علی کی طرف منسوب تمام قضایا کو منگوالیا اور غور سے دیکھنا شروع کردیا اور لوگوں نے آپ کی طرف جو جھوٹے فیصلے منسوب کئے تھے سب کو مٹادیا اور جو صحیح تھے وہ باقی رکھ کر لکھدیے۔''ویمر بہ الشیٔ'' یعنی بعض عجیب عجیب فیصلے سامنے سے گذرتے تھے''فیقول'' تو ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ اگر علی نے ایسا فیصلہ کیا ہے تو علی تو گمراہ ہوگئے حالانکہ یہ پکی بات ہے کہ علی گمراہ نہیں تھے، لہٰذا ان غلط فیصلوں کی نسبت علی کی طرف غلط ہے اور یہ ان پر جھوٹ ہے اس روایت سے خوب ثابت ہوا کہ اپنی روایات کو توثیق کے لئے اکابر پر پیش کرنا سلف صالحین کا طریقہ ہے۔

۲۳ـ حَدَّثَنَا عَمْرُو النَّاقِدُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ حُجَيْرٍ عَنْ طَاوُسٍ قَالَ أُتِيَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِكِتَابٍ فِيهِ قَضَاءُ عَلِيٍّ فَمَحَاهُ إِلَّا قَدْرَ وَأَشَارَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ بِذِرَاعِهِ ـ

طاؤس العلماء ذکوان بن کیسان یمانی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس (توثیق کے لئے) ایک نوشتہ لایا گیا جس میں حضرت علیؓ کے فیصلے درج تھے۔ابن عباسؓ نے وہ ساری تحریر مٹادی مگر اتنی، اور ابن عیینہ نے اپنے ذراع (کہنی سے بیچ کی انگلی تک کا حصہ) سے اشارہ کیا (یعنی ایک ہاتھ تحریر باقی رکھی باقی مٹادی کیونکہ اتنی ہی صحیح تھی باقی موضوع تھی)۔

## تشریح

''ذراعہ'' قدیم زمانہ میں تحریر لمبائی میں لکھا کرتے تھے اور اس کو گول لپیٹ لیا کرتے تھے اسی کو سجل کہتے ہیں جسے طومار میں لپیٹ کر رکھتے ہیں ذراع کہنی سے لیکر انگلیوں تک کے حصہ پر بولا جاتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ باقی سب کو ابن عباسؓ نے مٹادیا صرف ایک ذراع حصہ باقی چھوڑ دیا''ای الاقدر ذراعہ''۔اس روایت سے بھی اکابر پر حدیث پیش کرنا ثابت ہوا۔

۲۴ـ حَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ لَمَّا أَحْدَثُوا تِلْكَ الْأَشْيَاءَ بَعْدَ عَلِيٍّ قَالَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَيَّ عِلْمٍ أَفْسَدُوا ـ

ابو اسحاق سبیعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد جب لوگوں نے وہ چیزیں (موضوعات) ایجاد کیں تو حضرت علیؓ کے ایک شاگرد نے (جن سے توثیق چاہی گئی تھی) فرمایا کہ: اللہ غارت کرے ان لوگوں کو! کیسا علم ان لوگوں نے بگاڑ دیا۔

## تشریح

''ای علم افسدوا''یعنی کیسا عظیم علم ان بدبختوں نے برباد کیا حضرت علی کے شاگرد کا اشارہ شیعہ اور روافض کی طرف ہے جنہوں نے تھوک کے حساب سے حضرت علی کی طرف غلط باتیں منسوب کیں جو قطعاً باطل ہیں اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ توثیق کے لئے اپنی مسموعات کو اکابر پر پیش کرنا چاہئے۔

۲۵۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْبَكْرٍ يَعْنِي ابْنَ عَيَّاشٍ قَالَ سَمِعْتُ الْمُغِيْرَةَ يَقُوْلُ لَمْ يَكُنْ يَصْدُقُ عَلِيٍّ فِي الْحَدِيْثِ عَنْهُ اِلَّا مِنْ اَصْحَابِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ۔

مغیرہ بن مقسم ضبی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے حدیثیں روایت کرنے میں سچ نہیں بولا کرتے تھے مگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ۔ (من بیان جنس کے لئے یا زائد ہے، نووی)

## تشریح

''یصدق''یہ صیغہ نصر ینصر سے بھی ہے اور باب تفعیل سے بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ اگر نصر سے ہے تو مطلب یہ ہے حضرت ابن مسعود کے شاگردوں کے علاوہ کوئی بھی حضرت علی کی روایتوں میں سچ نہیں کہتے تھے صرف ابن مسعودؓ کے شاگرد حضرت علی سے سچی روایات بیان کرتے ہیں اور اگر یہ صیغہ باب تفعیل سے ہو تو مطلب ہوگا کہ حضرت علی سے روایتوں میں کسی کی تصدیق نہیں کی جاسکتی، صرف ابن مسعود کے شاگردوں کی تصدیق کی جاسکتی ہے کیونکہ وہ حضرت علی پر جھوٹ نہیں بولتے۔ اس روایت سے بھی اکابر سے توثیق احادیث کی بات معلوم ہوگئی اور یہاں پر یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔

## بَابُ بَيَانِ اَنَّ الْاِسْنَادَ مِنَ الدِّيْنِ وَاَنَّ الرِّوَايَةَ لَاتَكُوْنُ اِلَّا عَنِ الثِّقَاتِ

## اسنادِ حدیث اور راویوں پر تنقید کی اہمیت

وضع حدیث کا سلسلہ بند کرنے کے لئے دور اول میں تین اہم کام شروع کئے گئے تھے ان میں ایک بڑا کام اسناد کا تھا توثیق اکابر کی مثالوں سے فارغ ہو کر امام مسلم رحمہ اللہ اسناد حدیث کی اہمیت وضرورت بیان فرمار ہے ہیں اگر چہ عنوان میں نقد رواۃ کا عنوان بھی رکھا ہے لیکن یہاں سے روایت نمبر ۳۵ تک سند حدیث کی اہمیت ہے اور پھر وہاں سے بہت دور تک تنقید رواۃ کی بحث ہے تو لیجئے سند حدیث کی اہمیت کو پڑھئے اور آگے بڑھئے۔ یہاں امام مسلم رحمہ اللہ نے جرح وتعدیل کے چھ اماموں کے اقوال نقل کیے ہیں پہلا قول ابن سیرین کا ہے، دوسرا قول ابوالزناد کا ہے، تیسرا قول سعد بن ابراہیم کا ہے، چوتھا قول عبداللہ بن مبارک کا ہے، پانچواں قول قاسم بن عبیداللہ کا ہے اور چھٹا قول امام مالک اور ان کے رفقاء کا ہے۔ میں ہر قول کو عنوان اور سرخی میں لکھنا چاہتا ہوں تاکہ پوری وضاحت ہو جائے میں عنوان میں لفظ حدیث لکھ کر ساتھ ساتھ نمبر لگاؤں گا اسی طرح نیچے روایت کو

حدیث کہکر نمبر لکھوں گا اگر چہ یہ حدیث نہیں ہے بلکہ ان حضرات کے اقوال ہیں مگر یہ ایک مجبوری ہے تا کہ نمبر لگانے اور اس کے تسلسل میں آسانی ہو کیونکہ مکتبۃ البشری کا تسلسل یہی ہے۔

## اسناد حدیث کے بارے میں ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول

۲۶۔ **حَدَّثَنَا** حَسَنُ بْنُ الرَّبِیعِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ عَنْ أَیُّوبَ وَهِشَامٍ عَنْ مُحَمَّدٍ ح وَقَالَ وَحَدَّثَنَا فُضَیْلٌ عَنْ هِشَامٍ قَالَ وَحَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ حُسَیْنٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِیرِینَ قَالَ إِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِینٌ فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِینَكُمْ۔

ہم سے حسن نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے حماد نے بیان کیا وہ ایوب اور ہشام سے وہ دونوں ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں (دوسری سند) حسن کہتے ہیں کہ ہم سے فضیل نے بیان کیا وہ ہشام سے روایت کرتے ہیں، (تیسری سند) حسن کہتے ہیں کہ ہم سے مخلد نے بیان کیا وہ ہشام سے وہ ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں۔ ابن سیرین نے فرمایا کہ یہ علم (فن حدیث) دین ہے، پس دیکھو کہ کس سے تم اپنا دین حاصل کرتے ہو؟ (یعنی آنکھ بند کر کے ہر کس و ناکس سے حدیث نہ لیا کرو، کیونکہ احادیث محض علم نہیں ہیں، بلکہ دین ہیں پس اگر غلط حدیث قبول کرلو گے تو اپنا دین برباد کرلو گے، پس خوب غور کر لیا کرو کہ حدیث کا راوی معتبر ہے یا نہیں سند صحیح ہے یا نہیں)۔

### تشریح

''ان ھذا العلم'' یہاں علم سے علم الحدیث مراد ہے ابن سیرینؒ کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ احادیث اور اس کی روایت اور سند بیان کرنا دین ہے تو تم دیکھا کرو کہ تم اپنا دین کس سے لیتے ہو؟ آیا وہ آدمی ثقہ ہے؟ یا غیر ثقہ کذابین وضاعین میں سے ہے سند میں اتصال ہے یا نہیں؟۔

## ابن سیرین کا دوسرا قول

۲۷۔ **حَدَّثَنَا** أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِیلُ بْنُ زَكَرِیَّا عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنِ ابْنِ سِیرِینَ قَالَ لَمْ یَكُونُوا یَسْأَلُونَ عَنِ الْإِسْنَادِ فَلَمَّا وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ قَالُوا سَمُّوا لَنَا رِجَالَكُمْ فَیُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ السُّنَّةِ فَیُؤْخَذُ حَدِیثُهُمْ وَیُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ الْبِدَعِ فَلَا یُؤْخَذُ حَدِیثُهُمْ۔

ابن سیرین کہتے ہیں کہ سلف حدیث بیان کرنے والوں سے سند معلوم نہیں کیا کرتے تھے، مگر جب فتنہ رونما ہوا، تو انہوں نے حدیث بیان کرنے والوں سے پوچھنا شروع کیا کہ اپنی سند بیان کرو تاکہ اہل سنت راوی دیکھے جائیں اور ان کی حدیث قبول کی جائے اور فرق باطلہ کے افراد دیکھے جائیں اور ان کی حدیث نہ لی جائے۔

## تشریح

"فلما وقعت الفتنة" یہاں فتنہ سے مراد جنگ صفین کے بعد کے حالات ہیں، ان حالات میں رافضیت شیعیت اور ناصبیت کے فتنے پیدا ہوئے اور جھوٹی روایات گھڑی جانے لگیں تو اس وقت جو صحابہ موجود تھے انہوں نے اسنادِ حدیث کی داغ بیل ڈالی اور راویوں کی جانچ پڑتال شروع کی۔ شارحین کے ایک طبقے کا خیال ہے کہ یہاں فتنہ سے قاتلین عثمان کا فتنہ مراد ہے یہ واضح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اسی دور میں ابن سبا یہودی نے حضرت علی کی طرف کئی غلط باتیں منسوب کیں پھر مختار ثقفی کذاب کا زمانہ آیا اس نے کوفہ میں من گھڑت روایات کو عام کیا، پھر خوارج اور مبتدعہ کا فتنہ شروع ہو گیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اسناد حدیث کا الہام فرمادیا چنانچہ انہوں نے اسناد کو قانونی حیثیت کے طور پر خود حدیث کے برابر قرار دیا اور اس کو ثواب کا ذریعہ بتایا ابن سیرین، طاؤس، ابن مبارک، ابوزناد، سعد بن ابراہیم اور امام مالک رحمہم اللہ نے اسناد حدیث کے لئے زرین اصول وضع کیے بلکہ اسماء الرجال کا ایک بھرپور فن سامنے آ گیا، ایک انگریز "اسپرنگر" لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے صرف اپنے نبی کی ذات نہیں بلکہ اسماء الرجال میں پانچ لاکھ انسانوں کے حالات محفوظ کیے جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی اس کو دیکھ کر یہود نے ایک سو سال بعد اسماء الرجال کا سلسلہ شروع کیا، یہود گاہ گاہ سند بیان کرتے ہیں لیکن متصل سند ان کے پاس نہیں ہے یہ خصوصیت صرف اسلام کو حاصل ہے ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں کہ متصل سند بیان کرنا امت محمدیہ کی خصوصیت ہے کمال یہ کہ مسلمانوں نے طبع شدہ کتابوں میں سلسلہ سند مصنفین تک پہنچا دیا بلکہ مخطوطات میں بھی یہ سلسلہ جاری رکھا۔ (نعمت المنعم بتغیر: ص ۸۹)

## طاؤس بن کیسان رحمہ اللہ کا قول

۲۸۔ **حَدَّثَنَا** إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ قَالَ أَخْبَرَنَا عِيسَى وَهُوَ ابْنُ يُونُسَ قَالَ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى قَالَ لَقِيتُ طَاوُسًا فَقُلْتُ حَدَّثَنِي فُلَانٌ كَيْتَ وَكَيْتَ قَالَ إِنْ كَانَ صَاحِبُكَ مَلِيًّا فَخُذْ عَنْهُ۔

سلیمان بن موسیٰ کی حضرت طاؤس رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی، سلیمان نے ان سے (برائے توثیق) ذکر کیا کہ مجھے فلاں شخص نے یہ یہ حدیثیں بیان کی ہیں، طاؤس نے فرمایا کہ اگر تمہارا استاذ تونگر (یاپہ) ہو تو اس کی روایت لو۔

## تشریح

"الاوزاعی" دمشق کے پاس ایک گاؤں کا نام اوزاع ہے، امام اوزاعی راجح قول کے مطابق اسی گاؤں کی طرف منسوب ہیں زیادہ عرصہ دمشق میں رہے پھر بیروت کی طرف منتقل ہو گئے اور سرحدات اسلامیہ پر مرابط رہے، وہیں انتقال ہوا، شام کے امام تھے مقلد میسر نہیں ہوئے ورنہ اجتہاد میں امام تھے ستر ہزار فتوے ان کے قلم سے جاری ہوئے خود تبع تابعی ہیں لیکن اکثر تابعین کے استاذ رہے ہیں۔ شیخ زہری و قتادہ ان کے شاگرد ہیں بہرحال ان کی امامت و جلالتِ شان پر اجماع منعقد ہے۔ (نووی)

"ملیئا" "ملأ یملأ" سے ہے بھرنے کے معنی میں ہے حضرت طاؤس کی مراد یہ ہے کہ اگر تمہارا استاذ ثقہ ضابط اور متقن اور علم سے بھرا ہوا ہے جس کی دینداری قابل اعتماد ہے تو اس کی حدیث لو ورنہ مت لو۔ بعض نے ملیّا، یاء کے شد کے ساتھ نقل کیا ہے معنی ایک ہے۔

۲۹۔ وَحَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ قَالَ اَخْبَرَنَا مَرْوَانُ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ الدِّمَشْقِيَّ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيزِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسٰى قَالَ قُلْتُ لِطَاؤُسٍ اِنَّ فُلَانًا حَدَّثَنِي بِكَذَا وَكَذَا قَالَ اِنْ كَانَ صَاحِبُكَ مَلِيًّا فَخُذْ عَنْهُ۔

یہ روایت نمبر ۲۸ کی دوسری سند ہے، یہ سعید بن عبدالعزیز کی ہے اور وہ امام اوزاعی کی تھی مضمون دونوں کا ایک ہے۔

## تشریح

"عبدالله بن عبدالرحمن الدارمی" یہ امام مسلم کے مایہ ناز اساتذہ میں سے ہیں مسند دارمی کے مصنف ہیں، دارم ان کے دادا کا نام ہے ان کی طرف نسبت ہے دنیا نے چار حفاظ حدیث پیدا کیے: امام بخاری، امام مسلم، امام دارمی، امام ابوزرعہ، امام دارمی نے ۲۵۵ھ میں وفات پائی ہے۔

## اسنادِ حدیث کے بارے میں ابوزناد رحمہ اللہ کا قول

۳۰۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا الْاَصْمَعِيُّ عَنِ ابْنِ اَبِي الزِّنَادِ عَنْ اَبِيهِ قَالَ اَدْرَكْتُ بِالْمَدِينَةِ مِائَةً كُلُّهُمْ مَأْمُونٌ مَا يُؤْخَذُ عَنْهُمُ الْحَدِيثُ يُقَالُ لَيْسَ مِنْ اَهْلِهِ۔

جلیل القدر تابعی ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان کہتے ہیں کہ: میں نے مدینہ شریف میں ایسے سو حضرات کو پایا ہے جو سب جھوٹ سے محفوظ تھے، مگر ان سے حدیث نہیں لی جاتی تھی، کہا جاتا تھا کہ وہ حدیث کا اہل نہیں ہے (یعنی محض دیندار اور سچا ہونا قبول روایت کے لئے کافی نہیں ہے فن حدیث کی بھرپور صلاحیت ضروری ہے)۔

## تشریح

"الجہضمی" جہاضمہ بصرہ میں ایک محلّہ کا نام ہے اسی کی طرف نسبت جہضمی ہے یہ بڑے متقی پرہیزگار راوی تھے مستعین باللہ نے بصرہ کے گورنر کو حکم دیا کہ نصر بن علی جہضمی کو بصرہ کا قاضی بنادو اس نے ان سے بات کی جہضمی نے کہا کہ میں اپنے رب سے استخارہ لوں گا پھر بتاؤں گا رات کو تہجد کے لئے اُٹھے تو فرمایا:

"اللهم ان كان لي عندك خير فاقبضني اليك"

اے میرے مولا! اگر تیرے پاس میرے لئے کوئی بھلائی ہے تو مجھے اپنی طرف اٹھالے۔

یہ کہہ کر سوگئے تو سوتے رہ گئے لوگوں نے جگایا تو وہ فوت ہو چکے تھے ۲۵۰ھ میں وفات پائی۔ "ابوالزناد" ان کا نام عبداللہ بن ذکوان تھا۔ "اصمعی" مشہور امام لغت ہیں ان کا نام عبدالملک ہے اصمع ان کا دادا تھا ان کی طرف منسوب ہیں۔

"لیس من اھلہ" مطلب یہ ہے کہ ذاتی طور پر کسی کا اچھا اور نیک ہونا اور بات ہے اور اس سے روایت حدیث لینا اور چیز ہے بلکہ روایت حدیث کے لئے ضروری ہے کہ باقاعدہ علم الحدیث حاصل کیا ہو اسکے اصول وقواعد جانتا ہو اور اس کے آداب سے واقف ہو۔ چنانچہ انہیں اکابر کے چند کلمات مبارکہ ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ابن عونؒ فرماتے ہیں: "لاتکتب الحدیث الامن کان معروفاً بالطلب"۔

۲۔ عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں: "لایوخذالعلم الاعن من شھدلہ بطلب الحدیث"۔

۳۔ شعبہ فرماتے ہیں: "خذوا العلم عن المشھورین" علم سے ان کلمات میں علم حدیث مراد ہے۔

۴۔ یحییٰ بن سعید القطان نے عمران عمی کے متعلق فرمایا: "لم یکن بہ بأس ولکنہ لم یکن من اھل الحدیث"۔

۵۔ وکیع بن الجراح وہب بن اسماعیل کے متعلق فرماتے ہیں: "ذلک رجل صالح ولکن للحدیث رجال"۔

یہ تمام اقوال خطیب بغدادی نے اپنی کتاب الکفایۃ میں نقل فرمائے ہیں وہاں ایک عبارت یہ بھی نقل کی ہے:

"مثل الذی یطلب امردینہ بلااسناد کمثل الذی یرتقی السطح بلاسلّم"۔(الکفایۃ)

خلاصہ یہ نکلا کہ "ان لکل مقام مقالا ولکل فن رجالا"۔

ہزار نکتۂ باریک تر زمو اینجاست نہ ہر کہ سر بتر اشد قلندری داند

۳۱۔ **حَدَّثَنِیْ** مُحَمَّدُبْنُ اَبِیْ عُمَرَالْمَکِّیُّ قَالَ حَدَّثَنَاسُفْیَانُ ح: وَحَدَّثَنِیْ اَبُوْبَکْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاھِلِیُّ وَاللَّفْظُ لَہٗ قَالَ سَمِعْتُ سُفْیَانَ بْنَ عُیَیْنَۃَ عَنْ مِسْعَرٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَبْنَ اِبْرَاھِیْمَ یَقُوْلُ لَایُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّاالثِّقَاتُ۔

مسعر نے مدینہ منورہ کے قاضی حضرت سعد بن ابراہیم کو کہتے سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں صرف ثقہ (معتبر) حضرات ہی بیان کریں۔

## اسناد حدیث کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول

۳۲۔ **وَحَدَّثَنِیْ** مُحَمَّدُبْنُ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ قُھْزَاذَ مِنْ اَھْلِ مَرْوَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَانَ ابْنِ عُثْمَانَ یَقُوْلُ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ الْمُبَارَکِ یَقُوْلُ اَلْاِسْنَادُمِنَ الدِّیْنِ وَلَوْلَاالْاِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَاشَاءَ۔

قَالَ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ حَدَّثَنِی الْعَبَّاسُ بْنُ اَبِیْ رِزْمَۃَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰہِ یَقُوْلُ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْقَوَائِمُ یَعْنِی الْاِسْنَادَ۔

وَقَالَ مُحَمَّدٌ سَمِعْتُ اَبَااِسْحَاقَ اِبْرَاھِیْمَ بْنَ عِیْسَی الطَّالَقَانِیَّ قَالَ قُلْتُ لِعَبْدِاللّٰہِ ابْنِ الْمُبَارَکِ یَااَبَاعَبْدِالرَّحْمٰنِ اَلْحَدِیْثُ

الَّذِیْ جَاءَ "اِنَّ مِنَ الْبِرِّ بَعْدَ الْبِرِّ اَنْ تُصَلِّیَ لِاَبَوَیْکَ مَعَ صَلَاتِکَ وَتَصُوْمَ لَهُمَا مَعَ صَوْمِکَ" قَالَ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ یَا اَبَا اِسْحَاقَ عَمَّنْ هٰذَا؟ قَالَ قُلْتُ لَهٗ هٰذَا مِنْ حَدِیْثِ شِهَابِ بْنِ خِرَاشٍ فَقَالَ ثِقَةٌ عَمَّنْ؟ قَالَ قُلْتُ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ دِیْنَارٍ قَالَ ثِقَةٌ، عَمَّنْ؟ قَالَ قُلْتُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا اَبَا اِسْحَاقَ! اِنَّ بَیْنَ الْحَجَّاجِ بْنِ دِیْنَارٍ وَبَیْنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَفَاوِزَ تَنْقَطِعُ فِیْهَا اَعْنَاقُ الْمَطِیِّ وَلٰکِنْ لَیْسَ فِی الصَّدَقَةِ اخْتِلَافٌ۔

وَقَالَ مُحَمَّدٌ سَمِعْتُ عَلِیَّ بْنَ شَقِیْقٍ یَقُوْلُ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ ابْنَ الْمُبَارَکِ یَقُوْلُ عَلٰی رُؤُوْسِ النَّاسِ دَعُوْا حَدِیْثَ عَمْرِو بْنِ ثَابِتٍ فَاِنَّهٗ کَانَ یَسُبُّ السَّلَفَ۔

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ اسناد دین میں سے ہے اگر اسناد نہ ہوتی تو جس کا جو جی چاہتا کہتا۔ امام مسلم فرماتے ہیں: کہ محمد بن عبداللہ بن قہزاذ نے کہا کہ مجھ سے عباس بن ابی رزمہ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن المبارک کو کہتے سنا کہ ہمارے اور لوگوں کے درمیان پائے ہیں وہ اسناد کو مراد لے رہے ہیں اور ابن قہزاذ نے کہ کہ میں نے ابواسحق طالقانی کو کہتے سنا، انہوں نے کہا کہ میں نے ابن المبارک سے دریافت کیا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! یہ حدیث کیسی ہے کہ "نیکی کے بعد نیکی یہ ہے کہ تم اپنی نماز کے ساتھ اپنے والدین کے لئے بھی نماز پڑھو، اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کے لئے بھی روزے رکھو، طالقانی نے کہا: پس ابن المبارک نے دریافت کیا کہ ابواسحق! یہ حدیث کس سے مروی ہے؟ طالقانی نے کہا: میں نے ان سے عرض کیا کہ یہ شہاب بن خراش کی حدیثوں میں سے ہے، پس ابن المبارک نے فرمایا کہ یہ ثقہ ہیں، وہ کس سے روایت کرتے ہیں؟ طالقانی نے کہا: میں نے عرض کیا کہ (وہ) حجاج بن دینار سے (روایت کرتے ہیں) ابن المبارک نے فرمایا یہ (بھی) ثقہ ہیں، وہ کس سے روایت کرتے ہیں؟ طالقانی نے کہا، میں نے عرض کیا کہ (وہ کہتے ہیں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ابن المبارک نے فرمایا کہ ابواسحق! حجاج بن دینار اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تو ایسے بیابان ہیں جن کو پار کرتے ہوئے سواریاں ہلاک ہو جاتی ہیں! مگر صدقہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

محمد بن قہزاد کہتے ہیں کہ میں نے علی بن شقیق کو کہتے سنا کہ میں نے ابن المبارک کو برملا کہتے سنا ہے کہ عمرو بن ثابت کی حدیث کو چھوڑ دو، کیونکہ وہ سلف کو (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو) برا بھلا کہتا تھا۔

## تشریح

''عبدان'' یہ تثنیہ کا صیغہ ہے جو اس شیخ کا نام پڑگیا ہے ان کا اپنا نام عبداللہ بن عثمان ہے اور ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے تو نام اور کنیت میں دو عبد جمع ہو گئے تو تثنیہ عبدان بنا جو ان کا نام بنا جو حقیقت میں لقب ہے۔

''عبداللہ بن المبارک'' اپنے زمانے کے امام رہے ہیں علم وعمل، شجاعت وفصاحت کے نشان تھے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے

خاص شاگرد تھے سال کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا چار مہینہ تجارت میں چار مہینہ گھریلو خدمت میں اور چار مہینہ میدان جہاد میں گذارتے تھے۔ "الاسناد من الدین" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مبارکؒ کسی شخص کے اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ گویا کسی نے اعتراض کیا کہ یہ اسناد کیا "بلا" ہے؟ حدیث تو مختصر سا ٹکڑا ہوتا ہے باقی پوری لائن سند کی ہنکائی جارہی ہے اس کا کیا فائدہ ہے؟ اس کا جواب عبداللہ بن مبارک نے دیا کہ تم غلط سمجھے ہو یہ سند تو حدیث کی حفاظت کے لئے ہے تو جس طرح حدیث میں ثواب ہے اس سند میں بھی ثواب ہے سند نہ ہوتی تو لوگ حدیثوں کا جنازہ نکال لیتے! آج کے دور میں مودودی صاحب نے بھی اسناد حدیث پر رکیک حملے کیے اور اس کو غیر ضروری قرار دیا حالانکہ سند کی مثال اس زنجیر کی ہے جس سے اگر کوئی چیز باندھی جائے وہ محفوظ ہو جاتی ہے گویا جتنی احادیث ہیں اس کو ایک مضبوط زنجیر کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے نہ بھاگ سکتی ہیں نہ گم ہوسکتی ہیں سند نہ ہوتی تو ہر بوالہوس کہتا کہ کیا معلوم کہ یہ حدیث کہاں سے آئی ہے کون لایا ہے؟ نیز سلسلہ سند میں تمام اولیاء اللہ کے نام آتے ہیں ان کے تذکرہ سے محفل میں برکتیں نازل ہوتی ہیں ذرا صدیث کے دارالحدیث کو جھانک کر دیکھو تو سہی۔

بہر حال اسناد کی تعریف یہ ہے کہ "بات کی سند قائل تک پہنچانا" یعنی ہم امام مسلم کے نام سے لے کر حدیث کے قائل صحابی تک باقاعدہ قابل اعتماد واسطوں سے حدیث پہنچا کر نقل کرتے ہیں۔

"مفاوز" مفازۃ کی جمع ہے جنگل اور صحرا کو کہتے ہیں مراد بُعد ہے حجاج بن دینار تبع تابعی ہیں ان کے اور رسول اکرمؐ کے درمیان تابعی اور صحابی کے دو واسطے ہیں اسی کو بُعد اور وسیع جنگل کہا گیا ہے۔

"لیس فی الصدقۃ اختلاف" ایصال ثواب کے مسئلہ میں ایک اختلاف معتزلہ اور اہل سنت والجماعت کے درمیان ہے معتزلہ مطلقاً ایصال ثواب کا انکار کرتے ہیں نصوص کثیرہ واضحہ قویہ کی روشنی میں معتزلہ کا مذہب باطل ہے پھر اہلِ سنت کا آپس میں عبادت مالی اور عبادت بدنی کے ایصال ثواب میں معمولی سا اختلاف ہے شوافع اور مالکیہ کے نزدیک عبادت مالی صدقات وغیرہ کا ایصال ثواب میت تک پہنچتا ہے مگر عبادت بدنی مثل نوافل اور قراءت قرآن وغیرہ کا ثواب نہیں پہنچتا ہے۔ احناف اور حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر قسم عبادات نفلی کا ثواب میت کو پہنچ جاتا ہے۔ امام نووی نے سختی سے اس بات کی تردید کی ہے کہ شوافع ایصال ثواب میں فرق نہیں کرتے ہیں بلکہ شوافع کے ہاں ہر قسم ثواب کا ایصال جائز ہے ثواب میت تک پہنچ جاتا ہے۔ عبداللہ بن مبارک نے اپنے اس کلام میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ایصال ثواب اور میت کی طرف سے صدقہ کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے لیکن جس روایت سے یہ ثابت کیا جاتا ہے جو یہاں مذکور ہے یہ ثابت نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ جب صدقہ اور مالی عبادت کے ایصال ثواب کے شوافع قائل ہیں تو پھر مطلق ایصال ثواب میں اختلاف کا کیا امکان ہے اسی پر قیاس کرلو کہ سب کا ایصال جائز ہے، عبداللہ مبارک نے یہی فرمایا۔

"فانہ کان یسب السلف" عمرو بن ثابت کوفی متوفی ۱۷۲ھ یہ شخص غالی شیعہ اور کٹر رافضی تھا یہ خبیث پانچ صحابہ کے علاوہ

سب کو مرتد کہتا تھا حضرت عثمان کو گالیاں دیتا تھا حضرت علی کو شیخین پر فضیلت دیتا تھا یہ شخص عبداللہ بن مبارک کا ہمعصر تھا جب اس کا انتقال ہوا اور جنازہ حضرت ابن مبارک کی مسجد کے سامنے سے گذرا تو آپ مسجد کے اندر جاکر چھپ گئے اور جنازہ میں شرکت نہیں کی۔ امام ابوداؤد نے اس شخص پر تنقید کی غرض سے استحاضہ کے باب میں اس سے ایک روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ ''رافضی رجل سوء ولکنہ کان صدوقا فی الحدیث''۔ بہرحال صحاح ستہ میں کسی نے اس سے حدیث نہیں لی، اس پر تنقید یہاں وقت سے پہلے ہوگئی ہے کیونکہ مجروحین راویوں کا تذکرہ ابھی شروع نہیں ہوا ہے ابھی تو اتصال سند وغیرہ کی باتیں چل رہی ہیں اور چند بزرگوں کی آراء ابھی آرہی ہیں معلوم نہیں ترتیب میں یہ خلل کیوں آیا ہے۔

## اسناد حدیث کے بارے میں قاسم بن عبید اللہ کا قول

۳۳۔ **وحَدَّثَنِي** أَبُوبَكْرِبْنُ النَّضْرِ بْنِ أَبِي النَّضْرِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو النَّضْرِ هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَقِيلٍ صَاحِبُ بُهَيَّةَ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ الْقَاسِمِ بْنِ عُبَيْدِاللَّهِ وَيَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ فَقَالَ يَحْيَى لِلْقَاسِمِ يَاأَبَامُحَمَّدٍ! إِنَّهُ قَبِيحٌ عَلَى مِثْلِكَ عَظِيمٌ أَنْ تُسْأَلَ عَنْ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ هَذَا الدِّينِ فَلَايُوجَدُ عِنْدَكَ مِنْهُ عِلْمٌ وَلَافَرَجٌ أَوْعِلْمٌ وَلَامَخْرَجٌ فَقَالَ لَهُ الْقَاسِمُ وَعَمَّ ذَاكَ؟ قَالَ لِأَنَّكَ ابْنُ إِمَامَيْ هُدًى ابْنُ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ قَالَ يَقُولُ لَهُ الْقَاسِمُ أَقْبَحُ مِنْ ذَاكَ عِنْدَمَنْ عَقَلَ عَنِ اللَّهِ أَنْ أَقُولَ بِغَيْرِعِلْمٍ أَوْآخُذَ عَنْ غَيْرِثِقَةٍ قَالَ فَسَكَتَ فَمَاأَجَابَهُ۔

(حضرت عائشہؓ کے آزادکردہ اور تمیذہ) بُہیـہ کے (آزادکردہ اور) تلمیذ ابوعقیل کہتے ہیں کہ میں قاسم بن عبیداللہ اور یحییٰ بن سعید قطان کے پاس بیٹھا ہوا تھا یحییٰ نے قاسم سے کہا کہ ابومحمد! آپ جیسے شخص کے لئے یہ بات نہایت نازیبا ہے کہ آپ سے دین کی کوئی بات پوچھی جائے اور آپ کے پاس اس کے متعلق کوئی علم یا کوئی حل نہ ہو: قاسم نے یحییٰ سے پوچھا: کس وجہ سے؟ یحییٰ نے کہا کہ بایں وجہ کہ آپ دین کے دو پیشوا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے فرزند ہیں، ابوعقیل کہتے ہیں کہ قاسم نے یحییٰ کو جواب دیا کہ اس سے زیادہ بُری چیز اس شخص کے نزدیک جس کو اللہ نے دین کا علم دیا ہے یہ بات ہے کہ میں علم کے بغیر کوئی بات کہوں یا غیر معتبر شخص سے علم دین حاصل کروں، ابوعقیل کہتے ہیں کہ یحییٰ یہ سن کر خاموش ہوگئے اور کوئی جواب نہ دیا۔

### تشریح

''صاحب بُھیۃ'' بُھَیّۃ با پر پیش ہے یا پر شد ہے عُلَیَّۃ کے وزن پر ہے یہ ایک خاتون ہیں جو حضرت عائشہ کی شاگردہ ہیں، حضرت عائشہ نے ان کو ''بہیہ'' کے نام سے یاد کیا یہ حضرت عائشہ سے روایت بھی کرتی ہیں۔

''صاحب'' کے لفظ سے ایک راوی عقیل مراد ہے ان کا نام یحییٰ بن متوکل ہے۔ یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی نے ان کو ضعیف

قرار دیا ہے ابوعُقیل عین پر فتحہ ہے یہ بُہَیَّہ کے آزاد کردہ غلام تھے اور ان سے روایت بھی لیتے ہیں، نابینا تھے کوفی تھے۔

**سوال :** جب ابوعُقیل ضعیف ہے تو امام مسلمؒ نے اس سے روایت کیوں لی ہے؟

**جواب :** امام مسلمؒ نے اس سے لی ہوئی روایت کو مقدمہ مسلم میں نقل کیا ہے صحت کی شرط مقدمہ کے لئے نہیں بلکہ صحیح مسلم کے لئے ہے صحیح مسلم کی حیثیت اور ہے اور مقدمہ مسلم کی حیثیت اور ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ابوعُقیل پر جرح مجمل ہے جس کا اعتبار نہیں ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ بطور استشہاد اور بطور تابع ان سے امام مسلم نے روایت لی ہے۔

''یحیی بن سعید'' اس سے یحیی بن سعید قطان مراد ہیں امام جرح وتعدیل ہیں۔

''القاسم'' یہ قاسم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب ہیں۔

''ابن امامی ھدیٰ ابن ابی بکر و عمر'' یعنی آپ ہدایت کے دو اماموں اور میناروں کے بیٹے ہیں یعنی ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کے صاحبزادے ہیں آپ کی بڑی شان ہے۔

**سوال :** یہاں یہ سوال ہے کہ اس روایت میں تصریح کے ساتھ کہا گیا ہے کہ قاسم، ابوبکر وعمر کی اولاد میں سے ہیں اور ساتھ والی روایت میں ابن امامی الھدی سے حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ مراد لئے گئے ہیں یہ واضح تضاد وتعارض ہے اس کا جواب کیا ہے؟

**جواب :** اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی تعارض وتضاد نہیں ہے حضرت قاسم والد کی طرف سے حضرت عمرؓ کے خاندان میں سے ہیں سلسلہ نسب یوں ہے: قاسم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب تو ابن عمر آپ کے حقیقی دادا ہیں اور حضرت عمر فاروق پردادا ہیں ان دونوں کو آنے والی روایت میں ہدایت کے امام کہا گیا ہے، اسی طرح قاسم والدہ کی طرف سے حضرت صدیق اکبر کے خاندان میں سے ہیں سلسلہ نسب یوں ہے: قاسم بن اُمّ عبداللہ بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر۔ تو حضرت ابوبکر صدیق قاسم کی والدہ کی طرف سے جدّ اعلیٰ ہیں اور عمر فاروق والد کی طرف سے جد اعلیٰ ہیں باپ کی طرف سے عمری ہیں اور ماں کی طرف سے صدیقی ہیں۔ یاد رہے قاسم بن محمد بن ابی بکر جو مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں وہ قاسم اور ہیں یہ قاسم اور ہیں۔

حضرت قاسم کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر ثقہ راوی سے روایت لینا علماء کے نزدیک نہایت قبیح ہے کیونکہ اس سے سند حدیث متاثر ہوجاتی ہے، تو عدم علم کا اعتراف کرکے لا اعلم کہنا عنداللہ وعندالناس عیب نہیں ہے لیکن بغیر علم کے علم کا دعویٰ کرنا جہل مرکب ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی عیب ہے اور لوگوں کے نزدیک بھی عیب ہے حضرت قاسم کے دونوں مقولوں سے اسناد حدیث کی اہمیت خوب واضح ہوجاتی ہے۔

''عند من عقل عن اللہ'' یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا کیا ہو وہ بھی یہی کہے گا کہ قوی علم اور مضبوط سند کے بغیر غیر ثقہ راوی سے روایت لینا بہت ہی قبیح ہے۔

۳۴۔ وَحَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ الْحَكَمِ الْعَبْدِيُّ قَالَ سَمِعْتُ سُفْيَانَ يَقُولُ اَخْبَرُونِي عَنْ اَبِي عَقِيلٍ صَاحِبِ بُهَيَّةَ اَنَّ اَبْنَاءً لِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ سَأَلُوهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ فِيهِ عِلْمٌ فَقَالَ لَهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَاللّٰهِ اِنِّي لَاُعْظِمُ اَنْ يَكُونَ مِثْلُكَ وَاَنْتَ ابْنُ اِمَامَيِ الْهُدٰى يَعْنِي عُمَرَ وَابْنَ عُمَرَ تُسْاَلُ عَنْ اَمْرٍ لَيْسَ عِنْدَكَ فِيهِ عِلْمٌ فَقَالَ اَعْظَمُ مِنْ ذٰلِكَ وَاللّٰهِ! عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ مَنْ عَقَلَ عَنِ اللّٰهِ اَنْ اَقُولَ بِغَيْرِ عِلْمٍ اَوْ اُخْبِرَ عَنْ غَيْرِ ثِقَةٍ قَالَ وَشَهِدَهُمَا اَبُو عَقِيلٍ يَحْيَى بْنُ الْمُتَوَكِّلِ حِينَ قَالَا ذٰلِكَ۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ مجھے لوگوں نے بُہَیَّہ کے تلمیذ ابوعقیل سے روایت کرتے ہوئے بتلایا کہ حضرت ابن عمرؓ کے ایک فرزند سے لوگوں نے کوئی بات دریافت کی، ان کے پاس اس سلسلہ میں کوئی علم نہیں تھا تو یحیٰی بن سعید قطان نے ان سے کہا کہ، بخدا! مجھ پر یہ بات بہت شاق گذری کہ آپ جیسے شخص سے، جو دین کے دو پیشواؤں کے صاحبزادے ہیں۔ یحیٰی کی مراد دو پیشواؤں سے حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عمرؓ ہیں۔ کوئی بات دریافت کی جائے اور آپ کے پاس اس سلسلہ میں کوئی علم نہ ہو! قاسم نے جواب دیا کہ بخدا! اس سے زیادہ گراں خدا کے نزدیک اور اس شخص کے نزدیک جسے دین کا علم حاصل ہے یہ بات ہے کہ میں علم کے بغیر کوئی بات کہوں، یا غیر معتبر شخص سے روایت کروں سفیان کہتے ہیں کہ اس گفتگو کے وقت ابوعقیل یحیٰی بن المتوکل ان دونوں کے پاس موجود تھے۔

## اسنادِ حدیث کے بارے میں پانچ ائمہ جرح وتعدیل کا قول

۳۵۔ وَحَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ اَبُو حَفْصٍ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ قَالَ سَاَلْتُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيَّ وَشُعْبَةَ وَمَالِكًا وَابْنَ عُيَيْنَةَ عَنِ الرَّجُلِ لَا يَكُونُ ثَبْتًا فِي الْحَدِيثِ فَيَاْتِينِي الرَّجُلُ فَيَسْاَلُنِي عَنْهُ قَالُوا اَخْبِرْ عَنْهُ اَنَّهُ لَيْسَ بِثَبْتٍ۔

یحیٰی قطانؒ کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری، شعبہ، مالک اور ابن عیینہ رحمہم اللہ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا جو علم حدیث میں ثبت (پختہ) نہیں ہے مثلاً ایک شخص میرے پاس آتا ہے اور اس کے بارے میں دریافت کرتا ہے (کہ وہ کیسا راوی ہے؟) ان سب حضرات نے جواب دیا کہ اس کے بارے میں بتلادو کہ وہ مضبوط راوی نہیں ہے۔

### تشریح

''یحیی بن سعید القطان'' یہاں امام مسلمؒ نے ائمہ جرح وتعدیل کے پانچ بزرگوں کا قول نقل کیا ہے یحیٰی بن سعید قطان نے سوال کیا ہے اور سفیان ثوریؒ، سفیان بن عیینہؒ، شعبہؒ اور امام مالکؒ نے جواب دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص حدیث میں غیر ثقہ ہے غیر متقن غیر ضابط ہے اگر اس سے سند لینے اور حدیث بیان کرنے کا کوئی پوچھ لے تو کیا جواب دینا چاہئے؟ سب نے کہا کہ تم صاف صاف بتادو کہ یہ شخص ثقہ نہیں ہے اس کی سند صحیح نہیں ہے یہ دین کا معاملہ ہے صاف بتانے میں کوئی غیبت

نہیں۔اس روایت کے علاوہ دوسری جگہ امام مالک سے منقول ہے،وہ فرماتے ہیں کہ چار قسم کے لوگوں سے حدیث نہیں لی جائے گی:(۱)اول سفیہ احمق سے (۲)دوم مبتدع صاحب اہوا سے (۳)سوم کذاب سے اگر چہ حضور اکرمؐ پر جھوٹ نہیں بولتا ہو مگر کذاب ہو(۴)چہارم صاحب مناکیر سے روایت نہیں لینی چاہئے وہ اگر چہ صالح ہو شیخ ہو عابد ہو مگر منکر غیر معروف روایات نقل کرتا ہو۔

یہاں تک امام مسلم نے اسناد سے متعلق فن حدیث کے اصولوں کے متعلق اکابر کے اقوال کا ذکر فرمایا اور چوٹی کے ماہرین حدیث سے سند حدیث کے بارے میں مختلف عبارات پیش فرمادیں اب آگے امام مسلم رحمہ اللہ نے مطعونین اور معیوبین راویوں پر تنقید کا سلسلہ شروع فرمایا اور یہ تصنیف کا وہی تیسرا سبب چل رہا ہے جو فائدہ تالیف کے حوالہ سے میں نے پہلے لکھدیا ہے مطلب یہ ہے کہ کذابین،وضاعین راویوں پر تنقید کرنے اور ان کو مسلمانوں کے سامنے ظاہر کرنے میں دین کی حفاظت ہے۔تو صحیح مسلم کی تالیف سے اسلام اور مسلمانوں کو کتنا بڑا فائدہ ہوگا۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے مقدمۂ مسلم میں ۵۱ مجروحین پر جرح نقل کیا ہے،تو لیجئے!ذیل میں مجروح کے نام کے ساتھ جارح کا نام آئے گا اور وجہ جرح بیان کی جائے گی:وباللہ التوفیق

## باب الكشف عن معايب رواة الحديث وقول الائمة فيه

## ناقلین حدیث کے عیوب سے پردہ اٹھانے کا بیان

## جرح کرنا غیبت یا خیر خواہی؟

جرح وتعدیل کا فن عجیب ہے اس میں صاف صاف بتانا پڑتا ہے محدثین کا مزاج بھی اللہ تعالیٰ نے حدیث کے معاملہ میں جلالی بنایا ہے ان کی تنقید کے الفاظ بڑے سخت ہوتے ہیں کبھی یہ حضرات کہتے ہیں دجال من الدجاجلہ تو کبھی کہتے ہیں کذاب وضاع خبیث وغیرہ وغیرہ ادھر فقہاء کرام کا لہجہ انتہائی نرم ہوتا ہے کبھی کہتے ہیں لاباس بہ کبھی کہتے ہیں لایجوز وغیرہ وغیرہ تو محدثین کے ان سخت الفاظ کو دیکھ کر گمان اس طرف جاتا ہے کہ یہ حضرات کہیں غیبت میں تو واقع نہیں ہورہے ہیں،ابھی آنے والے چند اقوال میں بھی ظاہری الفاظ میں ہے کہ ایوب سختیانی صرف عبدالکریم کی غیبت کرتے تھے اور کسی کی نہیں کرتے تھے۔ تو حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات کبھی بھی غیبت نہیں کرتے تھے ہاں دین کی حفاظت اور احادیث کی حمایت میں خیر خواہی کرتے تھے اور کھلے الفاظ میں حقیقت سامنے رکھتے تھے۔علی بن المدینی سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم حدیث کی حفاظت میں ایسے لوگوں پر تنقید کرتے ہیں جنہوں نے دوسو سال پہلے اپنے خیمے جنت میں گاڑ دیے ہیں،گویا وہ فرمارہے ہیں کہ ضعیف راویوں پر جرح کرنا ایک دینی فریضہ ہے غیبت نہیں ہے،امام احمد بن حنبل نے جب کسی راوی پر جرح کیا تو ان سے کہا گیا:

۱۔ يَاشَيْخُ لَاتَغْتَبِ الْعُلَمَاءَ قَالَ وَيْحَكَ هٰذَانَصِيْحَةٌ وَلَيْسَ هٰذَا غِيْبَةً ۔(فیض منعم)

اے شیخ علما کی غیبت نہ کرو! امام احمدؒ نے فرمایا باؤلے! یہ خیر خواہی ہے غیبت نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبل نے جرح سے متعلق ایک مرتبہ فرمایا:

۲۔ اِذَا اَجَابَ الْعَالِمُ تَقِیَّۃً وَالْجَاہِلُ یَجْہَلُ فَاَنّٰی یَتَبَیَّنُ الْحَقُّ۔

یعنی جب عالم لاگ لپیٹ سے کام لے رہا ہے اور جاہل سمجھتا نہیں تو حق کہاں سے ظاہر ہوگا؟۔

عبداللہ بن مبارک نے جب کسی راوی پر طعن کیا تو کسی نے کہا کہ شیخ آپ نے غیبت کی اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

۳۔ اُسْکُتْ اِذَا لَمْ نُبَیِّنْ کَیْفَ یُعْرَفُ الْحَقُّ مِنَ الْبَاطِلِ۔

خاموش رہو جب ہم کھل کر جرح نہیں کریں گے تو صحیح غلط کا پتہ کیسے چلے گا؟

امام ترمذی نے اس سلسلے میں کتاب العلل کی ابتداء میں لکھا ہے:

۴۔ اِنَّہُمْ تَکَلَّمُوْا فِی الرِّجَالِ وَضَعَّفُوْا وَاِنَّمَا حَمَلَہُمْ عَلٰی ذٰلِکَ عِنْدَنَا وَاللّٰہُ اَعْلَمُ اَلنَّصِیْحَۃُ لِلْمُسْلِمِیْنَ لَا یُظَنُّ بِہِمْ اَنَّہُمْ اَرَادُوا الطَّعْنَ عَلَی النَّاسِ وَالْغِیْبَۃَ۔ (کتاب العلل ترمذی)

یعنی ائمہ جرح وتعدیل نے ضعیف راویوں پر کلام کیا ہے اور ان کی تضعیف کی ہے حقیقت اللہ کو معلوم ہے مگر ہمارے خیال میں یہ کام ان حضرات نے مسلمانوں کی خیر خواہی میں کیا ہے ان حضرات کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی ہے کہ ان کا مقصد لوگوں کو مطعون کرنا یا ان کی غیبت کرنا تھا۔

۵۔ یحیٰی بن سعید القطان پر کسی نے اعتراض کیا اور کہا:

"اَمَا تَخْشٰی اَنْ یَّکُوْنَ ہٰؤُلَاءِ خُصَمَاءُکَ عِنْدَ اللّٰہِ؟ فَقَالَ لَاَنْ یَّکُوْنَ ہٰؤُلَاءِ خُصَمَائِیْ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ یَّکُوْنَ خَصْمِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ"۔

## راویوں پر جرح وتنقید کے لئے چند قواعد

چونکہ مجروحین اور جارحین کا سلسلہ شروع ہونے والا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جارحین اور مجروحین کے لئے چند رہنما اصول لکھ دیئے جائیں کیونکہ یہاں ایک بنیادی سوال ہے وہ یہ کہ جارحین بعض دفعہ بعض راویوں پر سخت تنقید کرتے ہیں جس میں بعض دفعہ ایسا لگتا ہے کہ یہ خالص غیبت ہے تو کیا شرعاً یہ جائز ہے کہ ایک عالم دین پر تنقید کی جائے یا اس کی غیبت کی جائے؟ اس سلسلہ میں علامہ نوویؒ اور قاضی عیاضؒ نے چند بنیادی قواعد رکھے ہیں جن میں سے بعض کا تعلق جھوٹے راویوں سے ہے اور بعض کا تعلق روایت سے ہے۔

## پہلا قاعدہ

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ راویوں پر جرح صرف جائز نہیں بلکہ ضروری ہے یہ ممنوع غیبت نہیں ہے بلکہ اللہ و رسول کے دین کی خیر خواہی ہے کیونکہ سلفاً وخلفاً نیک علماء نے الدین النصیحۃ ہی کے پیش نظر تنقید کی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ جرح کرنے والا متقی پرہیزگار ہو، عادل ہو اور مضبوط عالم ہو کسی پر بے جا تنقید نہ کرتا ہو اور نہ ضروری تنقید میں سستی کرنے والا ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ جارح کی معلومات صحیح ہوں اور اس کے قول کا اثر بھی پڑتا ہو اگر ایسا نہ ہو تو پھر ممنوع غیبت ہوگی۔

## دوسرا قاعدہ

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ آیا جارحین کے لئے کوئی عدد متعین ہے یا نہیں تو بعض علماء نے کہا ہے کہ مُعَدِّلین کا متعدد ہونا اور جماعت کا ہونا ضروری ہے لیکن راجح یہ کہ معدلین کے کسی عدد کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت خبر کی طرح ہے کہ ایک عادل عارف ماہر کی خبر کافی ہے ہاں اگر جرح وتعدیل میں تعارض آجائے تو جرح کو راجح قرار دیا جائے گا مگر شرط یہ ہے کہ جرح مفصل ہو مجمل نہ ہو نیز جرح ائمہ اربعہ میں سے کسی پر نہ ہو ان پر جرح مفصل بھی معتبر نہیں ہے۔

## تیسرا قاعدہ

تیسرا قاعدہ جو در حقیقت ایک اشکال بھی ہے وہ یہ ہے کہ جب مجروحین پر جارحین کا یہ طویل سلسلہ محدثین نے قائم کیا ہے تو محدثین ان مجروحین اور ضعفاء سے حدیثیں اپنی کتابوں میں لاتے کیوں ہیں؟ ان کو اپنی کتابوں میں ذکر ہی نہ کرتے تاکہ

؎ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری

اس اشکال کا جواب اور وجوہات علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس طرح بیان کی ہیں:

۱۔ فرمایا کہ ان مجروحین سے یہ ضعیف روایات اس لئے بیان کی گئی ہیں تاکہ ان کو جاننے پہچاننے کے بعد ان پر رد کردیا جائے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان ضعیف روایات کو شواہد ومتابعات وتعلیقات میں ذکر کیا گیا ہے ان کو مستقل ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ان مجروحین کی بعض روایات صحیح تر ہوتی ہیں تو سب کو جمع کر کے ان میں تمیز کیا جائے گا اور رجال جرح وتعدیل کے لئے خدمت حدیث کا بڑا میدان فراہم ہو جائے گا، چنانچہ سفیان ثوری رحمہ اللہ سے کسی نے کہا کہ آپ ابن کلبی سے روایات کیوں لیتے ہو کہ پھر ان پر تنقید کرتے ہو؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ''انا اعرف صدقه من كذبه'' کہ میں ان کی سچی اور جھوٹی روایات کو الگ کرنا جانتا ہوں لہٰذا ذکر کرنے میں حرج نہیں ہے۔

۴۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ ان مجروحین کی روایات کو ترغیب وترہیب فضائل اعمال اور قصص وامثال میں بیان کیا جاتا ہے جن کا تعلق

حلال وحرام اور مسائل واحکام سے نہیں ہوتا ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا:

"اِذَا رَوَيْنَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَالسُّنَنِ وَالْاَحْكَامِ تَشَدَّدْنَا فِي الْاَسَانِيْدِ وَاِذَا رَوَيْنَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ فَضَائِلِ الْاَعْمَالِ تَسَاهَلْنَا فِي الْاَسَانِيْدِ"۔(نعمت المنعم ص ۱۱)

## چوتھا قاعدہ

یہ قاعدہ علامہ نووی نے قاضی عیاض کے حوالہ سے بیان کیا ہے قاضی عیاض نے فرمایا کہ کذب بیانی کرنے والے لوگ دو قسم پر ہیں پہلی قسم وہ لوگ ہیں جو کذب بیانی میں مشہور ہیں یہ کذابین اور وضاعین پانچ مقاصد کے پیش نظر جھوٹ گھڑتے ہیں اور گھڑی ہوئی روایات چلاتے ہیں۔

۱۔ یا تو دین دشمنی اور استخفاف شریعت اور تحریف کی بنیاد پر حدیث وضع کرتے ہیں جیسے ملحدین وزنادقہ کرتے ہیں۔

۲۔ یا عبادت اور نیکی کے ارادہ سے احادیث وضع کرتے ہیں جیسے عُباد وزُہّاد اور غافل صوفیہ۔

۳۔ یا ریاکاری اور نام ونمود کے پیش نظر احادیث وضع کرتے ہیں جیسے فُساق وفجار اور لاابالی قسم کے نام نہاد محدثین۔

۴۔ یا مسلک ومذہب کے تعصب کے لئے احادیث وضع کرتے ہیں جیسے مبتدعہ اور اصحاب مذاہب مختلفہ۔

۵۔ یا خواہشات نفسانیہ اور دنیا بنانے کی غرض سے بادشاہوں اور دنیا داروں کو خوش کرنے کے لئے احادیث وضع کرتے ہیں۔

ان پانچ مقاصد کی تکمیل کے لئے احادیث وضع کرنے کی واردات کے طریقے بھی مختلف ہوتے ہیں:

ایک طریقہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ متن وضع نہیں کرتے بلکہ اس کے لئے سند وضع کرتے ہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ بعض اسنادوں کو اور بعض متون کو الٹ پلٹ کر کے رکھتے ہیں تا کہ ان کا علم چمک جائے۔

تیسرا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جو نہیں سنا ہے اس کے سننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور جن سے ملاقات نہیں ہوئی ہے ان کی ملاقات کا دعویٰ کرتے ہیں۔

چوتھا طریقہ بعض نام نہاد محدثین کا یہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام یا عرب حکماء کا کلام لیکر نبی مکرم ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

قاضی عیاض نے جھوٹ گھڑنے والوں کی دوسری قسم یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ لوگ حدیث نبوی میں تو جھوٹ نہیں بولتے لیکن عوام الناس کے کلام میں جھوٹ بولنے کا ارتکاب کرتے ہیں ان لوگوں کی روایت بھی مقبول نہیں ہے البتہ ان لوگوں کی توبہ مقبول ہے جبکہ پہلی قسم وضاعین کی توبہ بھی مقبول نہیں ہے۔ بہرحال ان تمام قواعد واصول اور پوری تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ راویوں پر جرح وتنقید غیبت نہیں ہے بلکہ دین اسلام کی خیرخواہی اور خدمت ہے۔

## جرح وتعدیل میں ترجیح کس کو ہوتی ہے؟

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ جب جرح اور تعدیل میں تعارض آجائے تو مختار مذہب یہ ہے کہ جرح کو تعدیل پر مقدم مانیں گے محققین اور جمہور علماء کا موقف یہی ہے اس میں اس بات کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ تعدیل کرنے والے مشائخ زیادہ ہیں یا کم ہیں بس جرح کو مقدم رکھنا ہوگا۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اگر تعدیل کرنے والے محدثین جرح کرنے والوں سے زیادہ ہوں تو تعدیل کو راجح قرار دیا جائے گا لیکن پہلا قول صحیح ہے کیونکہ جرح کرنے والا ایسی پوشیدہ حقیقت پر مطلع ہوجاتا ہے جس سے تعدیل کرنے والا بے خبر رہتا ہے۔ (نووی ص ۱۱۶)

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جرح مقدم ہو کیونکہ پاک اور ناپاک چیزوں میں اختلاط کے بعد نظیف طبع انسان اس کے استعمال سے گریز کرتا ہے شریعت کا معاملہ تو اس سے بھی زیادہ نازک ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ فضائل و ترغیب و ترہیب میں بھی ضعیف حدیث کو قبول کرنے کے لئے تین شرطیں ضروری ہیں:

۱۔ ایک شرط یہ ہے کہ وہ حدیث شدید ضعیف نہ ہو یعنی اس میں راوی کذابین میں سے نہ ہوں۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ حدیث عام ضابطۂ شریعت کے ماتحت ہو، یعنی اگر اسمیں ایسے عمل کی فضیلت ہو جو عمل شریعت کے کسی اصل کے ماتحت نہیں ہے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل کرتے ہوئے اس حدیث کے ثابت ہونے کا عقیدہ نہ ہو، تا کہ احتیاط رہے اور حضور اکرم کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہونے پائے۔ دیگر علماء یہ شرط بھی ذکر فرماتے ہیں کہ اس ضعیف روایت کے مقابلے میں کوئی صحیح حدیث موجود نہ ہو۔

### ۱۔ شہر بن حوشب مجروح　　عبداللہ بن عون جارح

۳۶۔ وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّضْرَ يَقُوْلُ سُئِلَ ابْنُ عَوْنٍ عَنْ حَدِيْثٍ لِشَهْرٍ وَهُوَ قَائِمٌ عَلٰى أُسْكُفَّةِ الْبَابِ فَقَالَ إِنَّ شَهْرًا نَزَكُوْهُ إِنَّ شَهْرًا نَزَكُوْهُ قَالَ أَبُو الْحُسَيْنِ مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ رَحِمَهُ اللّٰهُ: يَقُوْلُ: أَخَذَتْهُ أَلْسِنَةُ النَّاسِ تَكَلَّمُوْا فِيْهِ۔

نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ ابن عون سے دریافت کیا گیا شہر بن حوشب کی حدیثوں کے بارے میں درآنحالیکہ ابن عون دروازے کی دہلیز پر کھڑے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ شہر کو لوگوں نے نیزے مارے ہیں، شہر کو لوگوں نے نیزے مارے ہیں، امام مسلم رحمہ اللہ نے فرمایا ابن عون کہہ رہے ہیں کہ لوگوں نے ان کی برائی کی ہے، ان پر عیب لگایا ہے۔

## تشریح

"علی اسکفۃ الباب" اسکفہ دروازہ کی چوکھٹ کو کہتے ہیں یعنی ابن عون دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑے تھے کہ ان سے کسی نے شہر بن حوشب کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا "ان شھرا نزکوہ" یعنی لوگوں نے شہر بن حوشب شامی متوفی ۱۱۲ھ پر طعن کیا کلام کیا اوران پر زبان کھولدی "ای ضربوہ بالنیزک" چھوٹے نیزے کو بطور تصغیر نیزک کہا گیا مراد طعن کرنا ہے۔

بعض علماء نے اس لفظ کو "ترکوہ" پڑھا ہے مگر وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ "ترکوہ" میں شہر بن حوشب متروک الحدیث بن جائیں گے حالانکہ وہ متروک الحدیث نہیں بلکہ بعض اہل جرح کے نزدیک وہ صرف متکلم فیہ ہیں۔ امام بخاری اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ ائمہ حدیث نے شہر بن حوشب کی توثیق کی ہے اوران کی حدیث کا اعتبار کیا ہے، سنن اربعہ میں ان سے حدیثیں لی گئی ہیں اسی لئے امام مسلم نے یہاں وضاحت فرمائی کہ: "اخذتہ السنۃ الناس ،تکلموا فیہ" یعنی معمولی درجہ کے راوی ہیں، کثیر الارسال ہیں، بہر حال زیادہ سے زیادہ شہر بن حوشب عند البعض متکلم فیہ ہیں، باقی جرح وتعدیل میں اگرچہ جرح مقدم ہے لیکن اس کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ جرح مفصل اور مفسر ہو، دوسری شرط یہ کہ جرح مشہور بھی ہو اور کثیر بھی ہو ورنہ معمولی جرح سے تو کوئی محفوظ نہیں ہے یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ ائمہ اربعہ یعنی اصحاب مذاہب فقہاء پر جرح مفصل بھی معتبر نہیں ہے۔

## جرح اور طعن کے الفاظ

راوی پر طعن اور جرح کے مختلف درجات اور مختلف الفاظ ہیں ذیل میں وہ الفاظ لکھے جاتے ہیں:

۱۔ سب سے اعلیٰ درجہ کے طعن کے الفاظ یہ ہیں: کذاب، دجال من الدجاجلہ، وضاع، یہ کسی راوی پر سب سے بڑی بمباری ہے۔

۲۔ دوسرے درجے کا طعن: متھم بالکذب، ساقط ھالک، ذاھب الحدیث، راوی پر یہ بڑا میزائل حملہ ہے۔

۳۔ تیسرے درجے کے طعن کے الفاظ یہ ہیں: مردود الحدیث، واہ، ضعیف جدا، یہ چھوٹا میزائل حملہ ہے۔

۴۔ چوتھے درجے کے طعن کے الفاظ یہ ہیں: منکر الحدیث، مضطرب الحدیث، لایحتج بحدیثہ، یہ کسی بھی راوی پر دستی بم ہے۔

۵۔ پانچویں درجے کا طعن یہ ہے: لیس بالقوی، یکتب حدیثہ للاعتبار، یہ چھوٹا گرنیٹ ہے کسی راوی کے لئے۔

۶۔ چھٹے درجے کے الفاظ یہ ہیں: لین الحدیث، لیس بذاك، اقبل و ادبر، فیہ مقال، لیس بعمدۃ، یہ راوی کیلئے لاٹھی چارج ہے۔

۳۷۔ وَحَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ قَالَ قَالَ شُعْبَةُ وَقَدْ لَقِيتُ شَهْرًا فَلَمْ أَعْتَدَّ بِهِ۔

شبابہ بن سوار کہتے ہیں کہ امام شعبہ نے فرمایا کہ میری شہر بن حوشب سے ملاقات ہوئی ہے میں نے ان کا اعتبار نہیں کیا ہے۔

## ۲۔عباد بن کثیر مجروح عبداللہ بن مبارک جارح

۳۸۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ قُهْزَاذَ مِنْ اَهْلِ مَرْوَ قَالَ اَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ قَالَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ قُلْتُ لِسُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ اِنَّ عَبَّادَ بْنَ كَثِيْرٍ مَنْ تَعْرِفُ حَالَهُ وَاِذَا حَدَّثَ جَاءَ بِاَمْرٍ عَظِيْمٍ فَتَرَى اَنْ اَقُوْلَ لِلنَّاسِ لَا تَاْخُذُوْا عَنْهُ؟ قَالَ سُفْيَانُ بَلٰى قَالَ عَبْدُاللّٰهِ فَكُنْتُ اِذَا كُنْتُ فِي مَجْلِسٍ ذُكِرَ فِيْهِ عَبَّادٌ اَثْنَيْتُ عَلَيْهِ فِي دِيْنِهِ وَاَقُوْلُ لَا تَاْخُذُوْا عَنْهُ ۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ اَبِي قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ اِنْتَهَيْتُ اِلٰى شُعْبَةَ فَقَالَ هٰذَا عَبَّادُ بْنُ كَثِيْرٍ فَاحْذَرُوْهُ ۔

ابن المبارک کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری رحمہ اللہ سے پوچھا کہ عباد بن کثیر وہ شخص ہے جس کا حال آپ کو معلوم ہے اور جب وہ حدیث بیان کرتا ہے تو بلاء ڈھاد یتا ہے! تو کیا آپ کی رائے ہے کہ میں لوگوں سے کہہ دیا کروں کہ اس کی حدیث نہ لو؟ سفیان ثوری نے کہا کہ کیوں نہیں: (یعنی ضرور کہہ دیا کرو) ابن المبارک کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب میں کسی ایسی مجلس میں ہوتا جس میں عباد کا تذکرہ آتا تو میں اس کی دینداری کی تعریف کرتا اور کہہ دیا کرتا کہ اس سے حدیث نہ لو۔

ابن المبارک کہتے ہیں کہ میں امام شعبہ رحمہ اللہ کے پاس گیا پس انہوں نے کہا کہ: یہ عباد بن کثیر ہے اس سے بچتے رہو۔

### تشریح

''من تعرف حالہ'' یعنی آپ ان کے ضعف کو جانتے ہیں۔ (نووی)

یا آپ ان کے زہد و عبادت کو جانتے ہیں۔ (فتح الملہم)

''بامر عظیم'' یعنی واہی تباہی منکر روایات نقل کرتا ہے''اثنیت علیہ'' یعنی اس کے دین وتقویٰ کے بارے میں تعریف کرتا ہوں مگر کہتا ہوں کہ اس سے حدیث مت لو۔ امام مسلم نے صحیح مسلم، ص ۵ پر بھی عباد بن کثیر کو منکر الحدیث قرار دیا ہے یہاں عبداللہ بن مبارک، سفیان ثوری اور شعبہ کے واسطہ سے اس پر جرح کر رہے ہیں یہ نہایت ضعیف متروک الحدیث راوی ہے ثقفی بصری ہے، ایک سو چالیس ۱۴۰ھ کے بعد ان کا انتقال ہوا ہے۔

## ۳۔محمد بن سعید مصلوب مجروح سفیان ثوری جارح

۳۹۔ وَحَدَّثَنِي الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ قَالَ سَاَلْتُ مُعَلَّى الرَّازِيَّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَعِيْدٍ الَّذِي رَوٰى عَنْهُ عَبَّادُ بْنُ كَثِيْرٍ فَاَخْبَرَنِي عَنْ عِيْسَى بْنِ يُوْنُسَ قَالَ كُنْتُ عَلٰى بَابِهِ وَسُفْيَانُ عِنْدَهُ فَلَمَّا خَرَجَ سَاَلْتُهُ عَنْهُ فَاَخْبَرَنِي اَنَّهُ كَذَّابٌ ۔

فضل کہتے ہیں کہ میں نے معلّی رازی سے اس محمد بن سعید (مصلوب) کے بارے میں دریافت کیا جس سے عباد بن

کثیر روایت کرتا ہے تو معلّی نے مجھے بتلایا کہ عیسیٰ بن یونس کہتے ہیں کہ میں اس کے دروازے پر تھا اور سفیان ثوری اس کے پاس تھے پس جب وہ باہر نکلے تو میں نے ان سے محمد بن سعید مصلوب کے بارے میں دریافت کیا، تو انہوں نے مجھے بتلایا کہ وہ بڑا جھوٹا ہے۔

## تشریح

''الذی روی عنہ عباد بن کثیر'' عباد بن کثیر زیادہ تر روایات محمد بن سعید مصلوب سے لیتا تھا اس وجہ سے وہ بھی خراب ہوگیا کیونکہ مرکز خراب تھا جو محمد بن سعید مصلوب تھا یہ شخص شامی اسدی ہے، وقت کے حاکم ابوجعفر نے جھوٹی حدیثوں کی وجہ سے اس کو سُولی پر لٹکا کر پھانسی دیدی تھی اس وجہ سے مصلوب مشہور ہوگیا یہ بڑا جھوٹا کذاب تھا۔ احمد بن صالح فرماتے ہیں کہ اس نے چار ہزار احادیث گھڑ رکھی تھیں ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ اس شخص نے خود اقرار کیا تھا کہ اچھی بات کے لئے سند بنا کر حدیث گھڑی جاسکتی ہے۔ یہ شخص جب عراق آیا تو بہت زیادہ لوگ حدیث سننے کے لئے اس کی طرف متوجہ ہوگئے اس موقع پر سفیان ثوریؒ نے ساتھیوں سے کہا کہ میں خود اس شخص کا امتحان لیتا ہوں تا کہ حقیقت معلوم ہو جائے۔ گھر کے اندر دونوں کی گفتگو تنہائی میں ہوئی نہ معلوم کیا بات ہوئی لیکن جب سفیان ثوری باہر آگئے تو لوگوں سے فرمایا ''الرجل کذاب'' آدمی بڑا جھوٹا ہے۔ ''اخبرنی'' میں ضمیر معلّی رازی کی طرف لوٹتی ہے ''علی بابہ'' مجرور ضمیر محمد بن سعید کی طرف لوٹتی ہیں ''عندہ'' کی ضمیر بھی محمد بن سعید کو راجع ہے۔ ''فلما خرج'' فاعل کی ضمیر سفیان ثوری کی طرف راجع ہے۔

## اعتراض

علامہ عثمانی نے فتح الملہم میں ''الذی روی عنہ عباد بن کثیر'' پر ایک اعتراض کیا ہے وہ یہ کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عباد بن کثیر نے محمد بن سعید مصلوب سے روایت لی ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ عباد بن کثیر کا طبقہ بہت اونچا ہے وہ معلّی رازی کے طبقے کا آدمی ہے اگرچہ خود مجروح ہے لیکن محمد بن سعید مصلوب جو نچلے طبقے کا آدمی ہے اس سے کس طرح روایت لینا ممکن ہے؟ اس کا جواب علامہ عثمانی نے دیا ہے بعض معاصرین شارحین نے بھی دیا ہے مگر وہ ایک معمہ ہے جو میں نہیں سمجھ سکا میرے خیال میں واضح جواب یہ ہے کہ اصل عبارت اس طرح ہے ''الذی روی عن عباد بن کثیر'' تو اب محمد بن سعید مصلوب، محمد بن عباد سے روایت کرنے والے ہوگئے۔

دوسرا جواب علامہ عثمانی نے یہ دیا ہے کہ اکثر نسخوں میں عباد بن کثیر کی عبارت نہیں ہے تو قصہ ختم ہوگیا۔

### ۴۔ صوفیاء مجروحین یحییٰ بن سعید القطان جارح

۴۰۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عَتَّابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَفَّانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْقَطَّانِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَمْ

نَرَ الصّالِحِيْنَ فِي شَيْءٍ اَكْذَبَ مِنْهُمْ فِي الْحَدِيْثِ ـ قَالَ ابْنُ اَبِيْ عَتَّابٍ فَلَقِيْتُ اَنَا مُحَمَّدَ بْنَ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدِ الْقَطَّانِ فَسَاَلْتُهُ عَنْهُ فَقَالَ عَنْ اَبِيْهِ لَمْ تَرَ اَهْلَ الْخَيْرِ فِي شَيْءٍ اَكْذَبَ مِنْهُمْ فِي الْحَدِيْثِ ـ قَالَ مُسْلِمٌ يَقُوْلُ يَجْرِي الْكَذِبُ عَلٰى لِسَانِهِمْ وَلَا يَتَعَمَّدُوْنَ الْكَذِبَ ـ

ابن ابی عتاب کہتے ہیں کہ مجھے عفان بن مسلم نے بتلایا، محمد سے روایت کرتے ہوئے وہ اپنے والد یحییٰ سے روایت کرتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید قطان نے فرمایا کہ: ہم نے نیک لوگوں کو کسی چیز میں اتنا زیادہ جھوٹ بولتے نہیں دیکھا جتنا حدیث (روایت کرنے) میں۔ ابن ابی عتاب کہتے ہیں کہ پھر میری ملاقات محمد سے ہوگئی تو میں نے ان سے ان کے والد کے اس قول کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ: تم نیک لوگوں کو کسی چیز میں اتنا زیادہ جھوٹ بولتے نہیں دیکھو گے جتنا حدیث (روایت کرنے) میں۔ امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ حضرت یحییٰ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ (حدیث میں) جھوٹ ان کی زبان سے نکل جاتا ہے، قصداً وہ جھوٹ نہیں بولتے۔

## تشریح

''لم نر الصالحین'' صوفیا صالحین اور عُبّاد وزُہّاد کی حدیثوں کا محدثین کے نزدیک کچھ زیادہ اعتبار نہیں ہے کیونکہ ان حضرات سے چند وجوہ نادانستہ طور پر احادیث کی روایات میں بے احتیاطی ہو جاتی ہے وہ چند وجوہ یہ ہیں:

(۱) کچھ حضرات تو سب لوگوں کے ساتھ اچھا گمان رکھتے ہیں اس لئے ضعیف راویوں سے بھی حدیثیں لیتے ہیں۔

(۲) کچھ لوگ ترغیب وترہیب وعظ وبیان اور فضائل اعمال میں حدیثیں گھڑنے کو جائز سمجھتے ہیں۔

(۳) کچھ حضرات فضائل اعمال میں ضعیف روایات سے آگے بڑھ کر موضوعات بھی بیان کرنے لگتے ہیں۔

(۴) سب سے اہم بات یہ کہ ان کو فن حدیث میں مہارت نہیں ہوتی ہے اور عبادت کی کثرت کی وجہ سے ان میں غفلت پیدا ہو جاتی ہے لیکن یہ تمام چیزیں حدیث کو ضعیف یا منکر یا موضوع ہونے سے نہیں بچا سکتیں لہٰذا جو حکم ہوگا وہ ان کی روایات پر لگے گا کیونکہ کذب کی تعریف یہ ہے کہ خلاف واقعہ کسی چیز کو بیان کیا جائے چاہے غلطی سے ہو، بھول سے ہو یا قصد وارادہ سے ہو اچھا ارادہ ہو یا بُرا ارادہ ہو، جھوٹ، جھوٹ ہے۔ (فتح الملہم بحوث المنعم فیض المنعم معمولی تغیر)

''یجری علی لسانھم الکذب'' امام مسلم فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کا ارادہ جھوٹ کا نہیں ہوتا مگر اختیار کے بغیر زبانوں پر جھوٹ جاری ہو جاتا ہے، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ کثرت عبادت سے غفلت آتی ہے اور قلت علم سے فضائل میں جھوٹ گھڑتے ہیں گویا ان حضرات نے صوفیوں کے جھوٹ کی ایک قسم تاویل کی ہے مگر حدیث پر اعتماد ختم ہونے کے لئے قصداً جھوٹ ہو یا سہواً ہو سب تباہ کن ہے۔

## ۵۔غالب بن عبید اللہ مجروح خلیفہ بن موسیٰ جارح

۴۱۔ حَدَّثَنِي الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَ أَخْبَرَنِي خَلِيفَةُ ابْنُ مُوسَى قَالَ دَخَلْتُ عَلَى غَالِبِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ فَجَعَلَ يُمْلِي عَلَيَّ حَدَّثَنِي مَكْحُولٌ حَدَّثَنِي مَكْحُولٌ فَأَخَذَهُ الْبَوْلُ فَقَامَ فَنَظَرْتُ فِي الْكُرَّاسَةِ فَإِذَا فِيهَا حَدَّثَنِي أَبَانُ عَنْ أَنَسٍ وَأَبَانُ عَنْ فُلَانٍ فَتَرَكْتُهُ وَقُمْتُ۔

خلیفہ کہتے ہیں کہ میں غالب بن عبید اللہ کے پاس گیا تو وہ مجھے حدیثیں لکھوانے لگا کہ حدثنی مکحول،حدثنی مکحول، (یعنی حضرت مکحول کو اپنا استاذ ظاہر کر کے ان کی سند سے حدیثیں لکھوانے لگا) پس اسے پیشاب کا تقاضہ ہوا، چنانچہ وہ اٹھ گیا تو میں نے اس کی کاپی میں دیکھا تو اس میں ''حدثنی ابانُ عن انس ،حدثنی ابان عن فلان'' تھا(یعنی کتاب میں کچھ تھا اور وہ لکھوا کچھ رہا تھا) چنانچہ میں نے اس کو چھوڑ دیا اور اٹھ گیا۔

## تشریح

''حدثنی مکحول ''غالب بن عبید اللہ جزری عقیلی متوفی ۱۳۵ھ نہایت ضعیف راوی ہیں۔امام بخاری نے ان کو منکر الحدیث قرار دیا ہے،دارقطنی نے متروک الحدیث کہا ہے زیر بحث روایت میں خلیفہ بن موسیٰ نے ان کی فاش غلطی اور تدلیس پکڑ لی کہ وہ حدثنی مکحول کہتے رہے اور کاپی میں حدثنی ابان لکھا تھا چونکہ مکحول بڑے محدث تھے تو غالب بن عبید اللہ نے اپنے استاذ ابان کا نام چھپایا، یہ بدترین تدلیس اور دھوکہ وفراڈ ہے جو حرام ہے اس لئے خلیفہ بن موسیٰ نے اس کو چھوڑ دیا۔

## ۶۔ابوالمقدام ہشام بصری مجروح عفان جارح

قَالَ وَسَمِعْتُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيَّ يَقُولُ رَأَيْتُ فِي كِتَابِ عَفَّانَ حَدِيثَ هِشَامٍ أَبِي الْمِقْدَامِ حَدِيثَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ هِشَامٌ حَدَّثَنِي رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ يَحْيَى بْنُ فُلَانٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قُلْتُ لِعَفَّانَ إِنَّهُمْ يَقُولُونَ هِشَامٌ سَمِعَهُ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ فَقَالَ إِنَّمَا ابْتُلِيَ مِنْ قِبَلِ هَذَا الْحَدِيثِ كَانَ يَقُولُ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ادَّعَى بَعْدُ أَنَّهُ سَمِعَهُ مِنْ مُحَمَّدٍ۔

امام مسلم کہتے ہیں کہ میں نے حسن حلوانی کو یہ کہتے سنا کہ میں نے عفان کی کتاب میں ہشام ابوالمقدام کی حدیث دیکھی ہے عمر بن عبد العزیز کا واقعہ...(اس کی سند اس طرح تھی)قال ھشام،حدثنی رجل یقال لہ یحییٰ بن فلان، عن محمد بن کعب الخ،حلوانی کہتے ہیں کہ میں نے عفان سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ہشام نے یہ حدیث براہ راست محمد بن کعب سے سنی ہے:عفان نے کہا کہ:اسی حدیث کی وجہ سے ہشام مصیبت میں پھنسے ہیں،پہلے وہ کہا کرتے تھے کہ حدثنی یحییٰ عن محمد پھر بعد میں دعویٰ کرنے لگے کہ یہ حدیث انہوں نے

بذاتِ خود محمد بن کعب سے سنی ہے۔

## تشریح

"قال الامام مسلم":

" وسمعت " امام مسلمؒ نے یہاں سے ایک اور مجروح راوی ابوالمقدام کا تذکرہ شروع کیا ہے امام مسلم نے اپنے استاذ حسن حلوانی کے حوالہ سے عفان کی کتاب کی بات چلائی ہے، وہ یہ ہے کہ حلوانی نے کہا کہ عفان کی کتاب میں ایک سند میں نے دیکھی جو ہشام ابوالمقدام کے حوالے سے تھی اس میں عمر بن عبدالعزیز کی لمبی حدیث کا تذکرہ تھا وہاں سند میں یحیٰی بن فلان عن محمد بن کعب کے الفاظ تھے حلوانی نے عفان سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ہشام نے یہ حدیث براہِ راست محمد بن کعب سے سنی ہے اور آپ نے درمیان میں یحیٰی کا واسطہ نقل کیا ہے اس پر عفان نے کہا کہ ہشام تو اسی حدیث کی وجہ سے مصیبت میں پھنس گئے اور متہم ہو گئے پہلے وہ واسطہ سے بیان کرتا تھا پھر بلا واسطہ محمد بن کعب سے بیان کرنا شروع کر دیا۔ بہر حال ابوالمقدام ہشام بن زیاد بصری کی تضعیف امام بخاری اور یحیٰی بن معین دونوں نے کی ہے کہتے ہیں اس کے پاس حفص منقری کی کتاب تھی جس کو حفص نے حسن بصری سے سنا تھا، ہشام بلا واسطہ اس کو حسن بصری سے نقل کرتا تھا جو بدترین تدلیس ہے اس طرح اس شخص نے حسن بصری پر کئی منکر روایات گھڑ رکھی تھیں۔ زیر بحث روایت میں عفان نے اس پر یہ تنقید کی ہے کہ ہشام پہلے محمد بن کعب سے بواسطہ یحیٰی روایت بیان کرتا تھا پھر براہِ راست بیان کرنا شروع کر دیا اس لئے تدلیس کا مرتکب ہو گیا۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس قدر نقصان کسی پر جرح وطعن کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ پہلے اس کو یاد نہ تھا تو واسطہ لایا پھر یاد آ گیا تو بلا واسطہ بیان کیا ہاں اس قسم کی تنقید کئی قرائن کے جمع ہونے کے بعد ائمہ جرح کرتے ہیں تو ہشام کے بارے میں بھی دیگر قرائن جمع ہو گئے تھے تو موردِ طعن ٹھہرا۔

" حدیث عمر بن عبدالعزیز " حدیث کا لفظ اگر منصوب ہے تو یہ بدل ہے حدیث ہشام سے وہ مفعول بہ ہے رأیتُ کے لئے، یا فعل محذوف اعني کے لئے مفعول بہ ہے، یا یہ لفظ مرفوع ہے مبتدا محذوف کے لئے جو ھو ہے۔

## ۷۔ سلیمان بن حجاج مجروح　　عبدان جارح

٤٢۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ قُهْزَاذَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُثْمَانَ بْنِ جَبَلَةَ يَقُوْلُ قُلْتُ لِعَبْدِاللّٰهِ ابْنِ الْمُبَارَكِ مَنْ هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ رَوَيْتَ عَنْهُ حَدِيْثَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو: يَوْمُ الْفِطْرِ يَوْمُ الْجَوَائِزِ قَالَ: سُلَيْمَانُ بْنُ الْحَجَّاجِ، اُنْظُرْ مَا وَضَعْتَ فِيْ يَدِكَ مِنْهُ۔

عبداللہ بن عثمان معروف بہ عبدان کہتے ہیں کہ میں نے ابن المبارک سے پوچھا کہ وہ کون راوی ہے جس سے آپ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی یہ روایت کہ " عید الفطر انعامات پانے کا دن ہے " روایت کرتے

ہیں؟ ابن المبارک نے کہا کہ وہ سلیمان بن حجاج ہے (میں نے کہا کہ) آپ دیکھ لیں کہ آپ نے اپنے ہاتھ میں اس شخص سے کیا چیز دھری ہے۔

## تشریح

''حدیث'' یہ منصوب مفعول بہ ہے رَوَیْتَ فعل کے لئے یا مرفوع ہے هو مبتدا محذوف کی وجہ سے۔''یوم الفطر'' سے پہلے هو مبتدا محذوف ماننا ضروری ہے''قال سلیمان'' قال کا فاعل عبداللہ بن مبارک ہے یہاں بھی سلیمان سے پہلے هو مبتداء محذوف ماننا ضروری ہے ای قال هو سلیمان''انظر ماوضعت'' انظر سے پہلے قال عبدالله بن عثمان نکالنا ضروری ہے، وضعت میں تا خطاب کا ہے مطلب یہ ہے کہ عبداللہ بن عثمان جس کا لقب عبدان ہے اس نے عبداللہ بن مبارک سے کہا کہ حدیث''یوم الفطر یوم الجوائز'' آپ نے کس سے لی ہے؟ عبداللہ بن مبارک نے کہا کہ میں نے جس سے روایت لی ہے وہ سلیمان بن الحجاج ہے اس پر عبدان نے کہا کہ ذرا سوچیں اور غور کریں کہ آپ نے اس سے روایت کر کے کیا چیز اپنے ہاتھ میں دھرلی ہے وہ آدمی تو مجہول الحال ہے کیا اس سے روایت لینا جائز ہے۔

اب یہ مسئلہ رہ گیا کہ اس گفتگو میں آیا سلیمان کی مدح وتوثیق ہے یا تضعیف ہے؟ علامہ نووی وغیرہ نے اس کو مدح پر حمل کیا ہے اور وضعتُ میں ضمیر متکلم مانا ہے مدح کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ذرا دیکھو میں نے تیرے ہاتھ میں اس شخص کی کتنی قیمتی بات رکھدی۔ مگر امام مسلم کی عبارت اور گفتگو اور مجروحین کا تسلسل ببانگ دہل کہہ رہا ہے کہ یہ مدح نہیں بلکہ مذمت ہے عبدان امام مسلم کے ہمعصر ہیں، ۲۲ سال ان سے چھوٹے ہیں مگر کئی استاذوں میں آپ کے ساتھ شریک ہیں آپ کے وطن کے آدمی ہیں اس لئے جرأت کے ساتھ بات کرتے ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ عبدان کی توجہ دلانے پر امام مسلم نے عمل کیا اور یوم الجوائز والی روایت سلیمان بن حجاج کے حوالہ سے کہیں نقل نہیں کی یوم الفطر یوم الجوائز ایک لمبی حدیث ہے جس کو علامہ نووی نے شرح میں ذکر کیا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

## ۸۔ روح بن غُطیف مجروح عبداللہ بن مبارک جارح

قَالَ ابْنُ قُهْزَاذَ وَسَمِعْتُ وَهْبَ بْنَ زَمْعَةَ يَذْكُرُ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِالْمَلِكِ قَالَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ يَعْنِي ابْنَ الْمُبَارَكِ رَأَيْتُ رَوْحَ بْنَ غُطَيْفٍ صَاحِبَ الدَّمِ قَدْرَالدِّرْهَمِ وَجَلَسْتُ إِلَيْهِ مَجْلِسًا فَجَعَلْتُ أَسْتَحْيِي مِنْ أَصْحَابِي أَنْ يَرَوْنِي جَالِسًا مَعَهُ كُرْهَ حَدِيثِهِ۔

ابن قہزاذ کہتے ہیں کہ میں نے وہب سے سنا وہ سفیان سے روایت کرتے ہیں کہ ابن المبارک نے فرمایا کہ میں نے ''بقدر درہم خون'' والے روح بن غطیف کو دیکھا ہے اور اس کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھا ہوں پس میں اپنے تلامذہ

سے شرمانے لگا اس بات سے کہ وہ مجھے اس کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھ لیں، اس کی حدیث کو ناپسند کرنے کی وجہ سے۔

## تشریح

''روح بن غطیف'' روح بن غطیف ثقفی منکر الحدیث ساقط الاعتبار حدیثیں گھڑنے والا راوی ہے یحییٰ بن معین نے اس کو ''واھی الحدیث'' شخص قرار دیا ہے، دارقطنی اور نسائی نے اس کو متروک الحدیث قرار دیا ہے عبداللہ بن مبارک تو ان کی شکل دیکھنے سے بھاگتے ہیں۔ ''صاحب الدم قدر الدرھم'' یعنی اس شخص نے ''تعاد الصلوۃ من الدم قدر الدرھم'' کی حدیث گھڑلی تھی ''قدر الدرھم'' یہ الدم سے بدل ہے اور مجرور ہے قدر الدرھم موضوعی حدیث ہے، قال النووی حدیث باطل لا اصل لہ عند المحدثین۔

## ۹۔ بقیۃ بن الولید مجروح عبداللہ بن مبارک جارح

۴۳۔ وَحَدَّثَنِي ابْنُ قُهْزَاذَ قَالَ سَمِعْتُ وَهْبًا يَقُولُ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْمُبَارَكِ قَالَ بَقِيَّةُ صَدُوقُ اللِّسَانِ وَلَكِنَّهُ يَأْخُذُ عَمَّنْ أَقْبَلَ وَأَدْبَرَ۔

ابن المبارک نے فرمایا کہ بقیہ زبان کے سچے ہیں مگر ہر آنے جانے والے سے روایت لیتے ہیں (یعنی ثقہ غیر ثقہ سب ہی سے روایت کرتے ہیں اس لئے ان کی روایتوں کی تحقیق ضروری ہے)۔

## تشریح

''بقیۃ'' بقیہ بن الولید کلاعی حمصی متوفی ۱۹۷ھ اچھے راوی ہیں امام بخاری تعلیقات بخاری میں ان سے روایت لیتے ہیں صحاح ستہ کی باقی کتابوں میں بھی ان سے روایات مروی ہیں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر بقیہ معروف راویوں سے روایت نقل کرتا ہے تو روایت مقبول ہے اور اگر غیر مشہورین سے روایت کرتا ہے تو اس کی روایت قبول نہ کرو۔ شیخ ابو مسہر فرماتے ہیں: ''احادیث بقیۃ لیست بنقیۃ فکن منھا علی تقیۃ''۔ ابن حجر فرماتے ہیں: صدوق کثیر التدلیس۔ امام مسلم فرماتے ہیں یأخذ عن من اقبل و ادبر ای عن الثقات و غیرہ الثقات۔ آگے صحیح مسلم ص ۱۹ پر بقیہ کا کچھ مزید تذکرہ آئے گا۔

## ۱۰۔ حارث اعور مجروح امام شعبیؒ وغیرہ جارحین

۴۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُغِيرَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي الْحَارِثُ الْأَعْوَرُ الْهَمْدَانِيُّ وَكَانَ كَذَّابًا۔

امام شعبی عامر بن شراحیل نے فرمایا کہ مجھ سے حارث اعور ہمدانی نے حدیث بیان کی اور وہ بڑا جھوٹا تھا۔

## تشریح

''وکان کذابا'' یعنی حارث اعور بڑا جھوٹا تھا آپ کا نام حارث بن عبداللہ ہے اعور تعارف ہے کوئی ہے ہمدان کی طرف نسبت

ہے حضرت علی حضرت ابن مسعود اور حضرت زید بن ثابت سے پڑھا ہے اور یحیٰ بن ابی رباح اور دیگر بڑے بڑے علماء آپ کے شاگرد ہیں اسی وجہ سے آپ کی توثیق اور تضعیف میں اصحاب جرح وتعدیل علماء کا اختلاف رہا ہے چنانچہ امام احمد بن حنبل اور یحیٰ بن معین اور امام نسائی نے آپ کی توثیق کی ہے لیکن علی بن مدینی، سفیان ثوری، امام شعبی اور ابن حبان وغیرہ کثیر تعداد میں رجال فن نے آپ کی سخت تضعیف کی ہے امام مسلم نے مسلسل چھ آثار نقل کر کے حارث اعور پر شدید تنقید کی ہے، ابن حبان فرماتے ہیں ''کان غالیافی التشیع'' شعبی نے کذاب کہا ہے اس لئے ان کا معاملہ خراب ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں:

"وَالْجُمْهُوْرُ عَلٰى تَوْهِيْنِهٖ مَعَ رِوَايَتِهِمْ لِحَدِيْثِهٖ فِي الْاَبْوَابِ"۔ (فیض المنعم)

حارث کے ساتھ اعور کا لفظ تعارف اور مزید وضاحت کے لئے لگایا گیا ہے اس میں توہین وتحقیر مقصود نہیں ہے بلکہ حدیث کے معاملہ میں محدثین وضاحت کی غرض سے اس طرح کے الفاظ ذکر فرماتے ہیں جیسے ''المقبسر، الاعرج، المعلم ای معلم الصبیان'' وغیرہ الفاظ ملتے ہیں حارث اعور نے عبداللہ بن زبیرؓ کے عہد خلافت میں ۶۵ھ میں وفات پائی۔

اب سوال یہ ہے کہ جب محدثین سمجھتے ہیں کہ فلاں راوی ضعیف ہے یا کذاب ہے تو وہ اس سے روایت کیوں لیتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ''ان الکذوب قدیصدق'' جھوٹا آدمی کبھی سچ بھی کہہ دیتا ہے تو اس کی صرف سچی حدیثیں نقل کی جاتی ہیں، دوسری وجہ یہ کہ اس کی تمام احادیث نقل کر کے اہل جرح اس پر کلام کرتے ہیں اگر روایت ظاہر نہیں تو اس پر کلام کیسے ممکن ہوگا؟

۴۵۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوْعَامِرٍ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ بَرَّادٍ الْاَشْعَرِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْاُسَامَةَ عَنْ مُفَضَّلٍ عَنْ مُغِيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ يَقُوْلُ حَدَّثَنِي الْحَارِثُ الْاَعْوَرُ وَهُوَ يَشْهَدُ اَنَّهٗ اَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ۔

امام شعبی نے فرمایا کہ: مجھ سے حارث اعور نے حدیث بیان کی اور امام شعبی گواہی دیتے ہیں کہ حارث جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔

۴۶۔ **وَحَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مُغِيْرَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ قَالَ عَلْقَمَةُ قَرَاْتُ الْقُرْاٰنَ فِي سَنَتَيْنِ فَقَالَ الْحَارِثُ اَلْقُرْاٰنُ هَيِّنٌ اَلْوَحْيُ اَشَدُّ۔

(ایک موقع پر) حضرت علقمہ نے کہا کہ میں نے دو سال میں قرآن پڑھا ہے، اس پر حارث نے کہا کہ قرآن آسان ہے، وحی اس سے زیادہ مشکل ہے۔

## تشریح

'' القرآن هين والوحی اشد '' ابن سبا یہودی نے روافض اور شیعہ کے اندر ایک بات پھیلا رکھی تھی کہ حضور اکرم نے اہل بیت کو اور خاص کر حضرت علیؓ کو کچھ خاص خاص بھید اور راز کی باتیں بتائی ہیں اس مقصد کے لئے ابن سبا یہودی نے کئی حدیثیں

گھڑ لیں اور اپنے پیروکاروں کو یقین دلایا کہ یہ وہی اسرار ہیں مگر ان کو عام نہیں کیا جاسکتا ہے یہ راز میں رہیں گے، حضرت علیؓ نے اپنی ذات سے بار بار وصیت اور وصی ہونے کی جو نفی فرمائی ہے وہ اسی عقیدہ کی تردید کے لئے ہے، حضرت عائشہؓ نے جو فرمایا کہ حضور اکرم کا انتقال میری گود میں ہوا تو آپ نے کہاں وصیت فرمائی ہے؟! یہ قول بھی اسی خاص وصیت اور اسرار کی باتوں کی تردید کے لئے ہے مگر شیعہ روافض نے عبداللہ بن سبا یہودی کی جھوٹی داستان کو اپنا لیا اور آج تک انہوں نے اذان میں ''وصی رسول الله اور خلیفته بلافصل'' کے الفاظ کا اضافہ جاری رکھا، حارث اعور کوفی بھی در حقیقت ''وحی'' کے لفظ سے یہی اسرار اور وصیت مراد لے رہا ہے شیعہ کا دعویٰ ہے کہ ان اسرار کو سمجھنا دشوار ہے لہٰذا یہ اسرار کسی کو بتانا بھی منع ہے حارث اعور یہاں ''الوحی اشد'' سے انہی اسرار کی طرف اشارہ کر رہا ہے بس یہ اسرار ہیں جو آج تک اسرار ہی ہیں۔ اس روایت میں حضرت علقمہ کے واسطے سے حارث اعور پر جرح ہے۔

حارث اعور کے اس کلام سے یہ مطلب بھی لیا جاسکتا ہے کہ اصل قرآن چالیس پارے تھا دس پارے اہل بیت کے پاس ہیں ان میں صرف اہل بیت کے فضائل ہیں جو لوگوں نے قرآن سے نکال دیئے، اب ان کا ملنا اور سیکھنا سکھانا مشکل ہے باقی قرآن کا ملنا آسان ہے۔

٤٧ ۔ وَحَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ يَعْنِي ابْنَ يُونُسَ قَالَ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ الْحَارِثَ قَالَ تَعَلَّمْتُ الْقُرْآنَ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ وَالْوَحْيَ فِي سَنَتَيْنِ أَوْ قَالَ الْوَحْيَ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ وَالْقُرْآنَ فِي سَنَتَيْنِ ۔

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حارث اعور نے کہا کہ: میں نے قرآن تین سال میں سیکھا اور وحی دو سال میں، یا یہ کہا کہ، وحی تین سال میں اور قرآن دو سال میں۔

## تشریح

''والوحی فی سنتین''

**سوال** : یہاں دو متعارض جملے مذکور ہیں پہلے جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مشکل ہے وحی آسان ہے اور دوسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ وحی مشکل ہے قرآن آسان ہے۔

**جواب** : تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ راوی کو شک ہو گیا کہ حارث نے کونسا جملہ بولا تھا اگر راوی کو شک نہیں ہے تو اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ یہاں دوسرا جملہ تمام، روایات سے متفق ہے کہ وحی مشکل ہے قرآن آسان ہے پہلے بھی حارث نے یہی کہا ہے اور یہی ان کے ہاں حقیقت بھی ہے کہ قرآن موجود ہے تو سیکھنا آسان ہے اور وحی جو اسرار ہیں ان کا ملنا مشکل ہے اب رہ گیا پہلا جملہ کہ میں نے قرآن کو تین سالوں میں سیکھا تو وہ سیکھنے سکھانے سمجھنے سمجھانے کے اعتبار سے کہا ہے کہ قرآن ایک ضخیم کتاب ہے اس کے سیکھنے میں زیادہ وقت لگتا ہے اس وجہ سے مشکل ہے ''تعلمت'' کے لفظ سے حارث اعور خود اس حقیقت کی

طرف اشارہ کر رہا ہے کہ بات تعلیم کی ہے۔ بہرحال اعتبارات مختلف ہیں تو تعارض نہیں ہے۔ اس روایت میں حارث اعور پر ابراہیم نخعی نے تنقید کی ہے ساتھ والی روایت میں بھی ابراہیم نخعی نے چوٹ ماری ہے۔

۴۸۔ وَحَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ وَهُوَ ابْنُ يُونُسَ قَالَ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ مَنْصُورٍ وَالْمُغِيرَةِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ الْحَارِثَ اتُّهِمَ۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''حارث مطعون کیا گیا ہے'' (یعنی بدعقیدگی کے ساتھ)۔

۴۹۔ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ حَمْزَةَ الزَّيَّاتِ قَالَ سَمِعَ مُرَّةُ الْهَمْدَانِيُّ مِنَ الْحَارِثِ شَيْئًا فَقَالَ لَهُ اقْعُدْ بِالْبَابِ قَالَ فَدَخَلَ مُرَّةُ وَأَخَذَ سَيْفَهُ قَالَ وَأَحَسَّ الْحَارِثُ بِالشَّرِّ فَذَهَبَ۔

زیات کہتے ہیں کہ مُرّہ ہمدانی نے حارث سے کوئی بات سنی، تو اس سے کہا کہ آپ دروازے پر بیٹھیں حمزہ کہتے ہیں پھر مُرّہ گھر میں گئے اور اپنی تلوار لی حمزہ کہتے ہیں کہ حارث کو خطرہ کی بھنک پڑ گئی، چنانچہ وہ چلا گیا (اور بچ گیا ورنہ اس دن سے حارث کا قصہ پاک تھا کہ مارا جاتا)۔

## تشریح

''واحس الحارث'' یعنی جب شیخ مُرّہ ہمدانی نے حارث اعور سے جھوٹی حدیثیں سنیں تو اس سے کہا کہ آپ کچھ دیر دروازہ پر بیٹھے رہیں میں اندر سے ہوکر آتا ہوں شیخ مُرّہ نے تلوار ہاتھ میں لے لی اور باہر آنے لگے تاکہ حارث کی گردن اڑادیں اور قصہ صاف ہوجائے مگر حارث نے تلوار کی جھنکار سن لی تو بھاگ نکلا، احس یعنی محسوس کیا کہ کوئی مصیبت آرہی ہے۔ محدثین عظام کا انداز الگ ہوتا ہے یہ جلالی لوگ ہیں فقہاء کا انداز الگ ہے وہ جمالی لوگ ہیں۔ اس روایت میں جارح بلکہ جارحیت کرنے والے شیخ مُرّہ ہیں۔

| | |
|---|---|
| ۱۱۔ مغیرہ بن سعید مجروح | ابراہیم نخعی جارح |
| ۱۲۔ ابوعبدالرحیم مجروح | ابراہیم نخعی جارح |

۵۰۔ وَحَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ يَعْنِي ابْنَ مَهْدِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ابْنِ عَوْنٍ قَالَ قَالَ لَنَا إِبْرَاهِيمُ إِيَّاكُمْ وَالْمُغِيرَةَ بْنَ سَعِيدٍ وَأَبَا عَبْدِ الرَّحِيمِ فَإِنَّهُمَا كَذَّابَانِ۔

ابن عون کہتے ہیں کہ ہم سے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تم مغیرہ بن سعید اور ابوعبدالرحیم سے بچتے رہو، کیونکہ وہ دونوں بڑے جھوٹے ہیں۔

## تشریح

''المغيرة بن سعيد'' مغیرہ بن سعید بجلی کوفی بڑا خبیث رافضی کذاب تھا حضرت علی کے بارے میں اس کا عقیدہ تھا کہ حضرت علیؓ

مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر تھے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی توہین کی ابتدا اسی ملعون نے کی تھی آخر میں اس خبیث نے نبوت کا دعویٰ کیا جس کی وجہ سے اُسکو آگ میں جلایا گیا۔ (میزان الاعتدال)

ابراہیم نخعی نے اس پر جرح کی ہے۔

''وابا عبدالرحیم'' ابوعبدالرحیم شقیق ضبی کوفی واعظ، خارجیوں کا بڑا امام تھا ضعیف راوی ہے کوفہ میں وعظ کہتا تھا ابراہیم نخعی نے اس پر جرح کی ہے۔

## ۱۳۔ شقیق ضبی مجروح ابوعبدالرحمٰن سُلمی جارح

۵۱۔وحَدَّثَنِي أَبُو كَامِلِ الْجَحْدَرِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ وَهُوَ ابْنُ زَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ قَالَ كُنَّا نَأْتِي أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيَّ وَنَحْنُ غِلْمَةٌ أَيْفَاعٌ فَكَانَ يَقُولُ لَنَا لَا تُجَالِسُوا الْقُصَّاصَ غَيْرَ أَبِي الْأَحْوَصِ وَإِيَّاكُمْ وَشَقِيقًا قَالَ وَكَانَ شَقِيقٌ هَذَا يَرَى رَأْيَ الْخَوَارِجِ وَلَيْسَ بِأَبِي وَائِلٍ۔

عاصم کہتے ہیں کہ ہم تابعی جلیل حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب سُلمی رحمہ اللہ کے پاس (حدیثیں پڑھنے) جایا کرتے تھے جب کہ ہم نوجوان لڑکے تھے، پس وہ ہم سے فرمایا کرتے تھے کہ واعظوں کے پاس حدیثیں پڑھنے نہ جایا کرو، البتہ حضرت ابوالاحوص عوف بن مالک بن نضلہ کوفی اس سے مستثنیٰ ہیں، اور شقیق سے بچا کرو، عاصم کہتے ہیں کہ یہ شقیق خارجیوں کا عقیدہ رکھتا تھا اور یہ وہ شقیق نہیں ہیں جن کی کنیت ابووائل ہے (بلکہ ان کی مراد ابوعبدالرحیم شقیق ضبی کوفی ہے جس کا ذکر نمبر۱۲ پر گذر چکا ہے)۔

### تشریح

''ابو کامل جحدری'' ان کا نام فُضیل بن حسین ہے بصری ہے، جحدر ایک آدمی کا نام ہے ابوکامل اسی کی طرف منسوب ہیں۔ ''غلمۃ'' غلام کی جمع ہے سبز خط نوعمر نوجوان کو کہتے ہیں ''ایفاع'' یفع کی جمع ہے قریب البلوغ نوعمر لڑکے کو کہتے ہیں۔ ''القصاص'' للقاص کی جمع ہے قصہ گو واعظ کو کہتے ہیں ''شقیقا'' یہ شقیق ضبی کوفی ہے جس کی کنیت ابوعبدالرحیم ہے جو اس سے پہلے روایت نمبر ۵۰ میں مذکور ہے خوارج کا سرغنہ تھا ضعیف ہے''ولیس بابی وائل'' ابووائل شقیق بن سلمہ کی کنیت ہے یہ شقیق حضرت ابن مسعودؓ کے شاگرد خاص ہیں، کبار تابعین میں سے ہیں ثقہ راوی ہیں چونکہ شقیق الضبی کے نام کے ساتھ اس کا التباس ممکن تھا تو شیخ عاصم نے وضاحت کردی کہ ابووائل شقیق اور ہے جو ثقہ ہے اور ابوعبدالرحیم شقیق اور ہے جو کذاب ہے۔ ابوعبدالرحمٰن سلمی نے اس پر تنقید کی ہے۔ محدثین کے نزدیک غافل صوفیوں کی طرح پیشہ ور واعظین کی حدیثوں کا بھی اعتبار نہیں ہے یہ واعظین لوگوں کو رُلانے کے لئے طرح طرح کی حدیثیں بیان کرتے ہیں جو بے سروپا ہوتی ہیں وعظ میں حدیثیں بیان کرنا یہ لوگ اپنا موروثی حق

سمجھتے ہیں اسی لئے غیر معتبر ہو گئے، اس طبقہ کا علم بھی پختہ نہیں ہوتا ہے لہٰذا غیر دانستہ طور پر سب کچھ کہہ جاتے ہیں۔
آج کل تبلیغی حضرات نے وعظ کے اس پیشہ کو خوب ترقی دی ہے میں نے "وعظ و بیان" کتابچے میں اس موضوع پر کافی لکھا ہے۔ (مؤلف)

## ۱۴۔ جابر بن یزید جعفی مجروح — جریر وغیرہ جارحین

۵۲۔ حَدَّثَنَا اَبُوْغَسَّانَ مُحَمَّدُبْنُ عَمْرٍو الرَّازِيُّ قَالَ سَمِعْتُ جَرِيْرًا يَقُوْلُ لَقِيْتُ جَابِرَبْنَ يَزِيْدَ الْجُعْفِيَّ فَلَمْ اَكْتُبْ عَنْهُ كَانَ يُؤْمِنُ بِالرَّجْعَةِ ۔

جریر کہتے ہیں کہ میری جابر جعفی سے ملاقات ہوئی ہے، مگر میں نے اس سے حدیثیں نہیں لکھیں وہ رجعت کا عقیدہ رکھتا تھا۔

### تشریح

''جابر بن یزید'' جابر بن یزید جعفی کوفی متوفی ۱۲۷ھ مشہور ضعیف راوی ہے ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اس سے حدیث لیتے ہیں یہ شخص پہلے ٹھیک تھا پھر شیعہ سبائی ہوگیا چنانچہ بعض ائمۂ حدیث نے سابق احوال کے اعتبار سے اس سے حدیثیں لی ہیں اور دوسرے ائمہ نے اس کے آخری احوال کو دیکھ کر اس پر زبردست جرح کی ہے اور اس کی روایتیں ترک کردی ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس کے متعلق فرمایا ''ما رأیت فیمن لقیت اکذب من جابر الجعفی''۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے یہاں سے مسلسل آٹھ روایات نقل کر کے جابر جعفی کو تقیہ کرنے والا رافضی قرار دیا ہے جو حدیثیں گھڑا کرتا تھا یہ بھرپور جرح ہے۔
''کان یؤمن بالرجعة'' رجعت کا لفظ صرف رجوع کرنے کے معنی میں ایک لفظ نہیں ہے بلکہ یہ ایک نظریہ اور عقیدہ ہے جس کا عقیدہ شیعہ روافض رکھتے ہیں، رجعت کی دو تفسیریں ہیں جو زیر بحث روایات میں خود مذکور ہیں مگر اس کے تین مطلب ہیں جو یہ ہیں۔

### عقیدہ رجعت کا پہلا مطلب

ایمان بالرجعة کا پہلا مطلب یہ ہے کہ روافض کا عقیدہ ہے کہ حضرت علیؓ بادلوں میں بیٹھے ہوئے ہیں اور اپنے پیروکاروں کو ہدایات دے رہے ہیں کہ اگر ان کی اولاد میں سے کوئی شخص جہاد کے لئے نکلے گا تو جب تک حضرت علی بادلوں سے آواز نہیں دیں گے کہ اس کا ساتھ دو ہم اس وقت تک جہاد میں اس شخص کا ساتھ نہیں دیں گے۔ (نووی بتغییر یسیر)

### عقیدہ رجعت کا دوسرا مطلب

عقیدہ رجعت کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ روافض کا عقیدہ ہے کہ آخر زمانہ میں غار ''سرّ من رأی'' سے امام غائب مہدی کا ظہور ہوگا ایمان بالرجعة سے مراد یہی ظہور مہدی ہے۔ ان کے خروج پر حضرت علی آسمان سے آواز دیں گے کہ یہ خلیفہ مہدی ہے اس کی اتباع کرو۔ اس مطلب کے پیش نظر آئندہ روایت میں ''فی الارض'' سے مراد غار سرّ من رأی ہے اور اسی سے امام

غائب کا ظہور ہے یہ شیعوں کا امام مہدی ہے جو غار میں چھپا ہوا ہے اور آخر زمانہ میں نکل آئے گا اہل سنت کے نزدیک امام مہدی غار میں نہیں ہیں بلکہ وہ پیدا ہوں گے پھر آئیں گے اہل سنت میں سے ہونگے۔

## عقیدہ رجعت کا تیسرا مطلب

ایمان بالرجعۃ کا تیسرا مطلب جو قدیم مطلب ہے اور شیعہ کا پرانا عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علی دوبارہ زندہ ہو کر دنیا کی طرف لوٹ کر آئیں گے اس تفسیر کے مطابق آئندہ آنے والی روایت نمبر ۵۸ میں واردشدہ آیت میں لفظ ''الارض'' سے مراد حضرت علی کی قبر ہے کہ وہ دوبارہ قبر سے زندہ ہو کر نکلیں گے اور دنیا میں آئیں گے اور لفظ ابـــــی سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ روافض کا غلط عقیدہ ہے آیت سے اس پر استدلال کرنا تحریف ہے آیت کا صحیح مفہوم روایت ۵۸ کی تشریح میں آجائے گا۔ علماء نے لکھا ہے کہ غالب گمان یہ ہے کہ جابر جعفی کا نظریہ اور عقیدہ اس تیسرے مطلب کے موافق و مطابق تھا کیونکہ اس نے سورت نمل کی آیت نمبر ۸۲ میں ﴿دابۃ الارض﴾ سے مراد حضرت علی کو لیا ہے اور کہا ہے کہ وہ دوبارہ زندہ ہو کر آئیں گے اس تفصیل کی طرف میزان الاعتدال، نعمت المنعم، اور فیض المنعم وغیرہ کتابوں میں اشارات ملتے ہیں۔

بہرحال روایت ۵۲ میں جابر جعفی کو جریر نے تنقید کا نشانہ بنایا ہے روایت ۵۳ میں مسعر بن کدام نے روایت ۵۴ میں سفیان بن عیینہ نے روایت نمبر ۵۵ میں جراح بن ملیح نے روایت نمبر ۵۶ میں زھیر نے روایت نمبر ۵۷ میں سلام بن مطیع نے روایت ۵۸ میں پھر سفیان ثوری نے اور روایت نمبر ۵۹ میں بھی سفیان ثوری نے جابر جعفی پر شدید تنقید کی ہے۔

۵۳۔ **حَدَّثَنَا** حَسَنُ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ قَالَ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ قَالَ حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ يَزِيدَ قَبْلَ أَنْ يُحْدِثَ مَا أَحْدَثَ۔

مسعر کہتے ہیں کہ ہم سے جابر جعفی نے حدیث بیان کی نئی بات ایجاد کرنے سے پہلے (لفظی ترجمہ: اس کے پیدا کرنے سے پہلے اس چیز کو جو اس نے پیدا کی) (یعنی جس زمانہ میں جابر کے عقائد درست تھے، اس زمانہ میں، میں نے جابر سے یہ روایت سنی ہے، پھر مسعر نے اپنے تلامذہ کے سامنے وہ روایت ذکر کی جو یہاں مذکور نہیں ہے، یہاں روایت کا صرف ابتدائی حصہ نقل کیا گیا ہے یہ بتلانے کے لئے کہ اس زمانہ کی روایت معتبر تھی)۔

۵۴۔ **وَحَدَّثَنِي** سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَحْمِلُونَ عَنْ جَابِرٍ قَبْلَ أَنْ يُظْهِرَ مَا أَظْهَرَ فَلَمَّا أَظْهَرَ مَا أَظْهَرَ اتَّهَمَهُ النَّاسُ فِي حَدِيثِهِ وَتَرَكَهُ بَعْضُ النَّاسِ فَقِيلَ لَهُ وَمَا أَظْهَرَ؟ قَالَ الْإِيمَانُ بِالرَّجْعَةِ۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ جب تک جابر جعفی نے اپنی بداعتقادی ظاہر نہیں کی تھی لوگ اس سے حدیثیں لیا کرتے تھے، پھر جب اس نے اپنی بداعتقادی ظاہر کی تو لوگوں نے اس پر اس کی حدیثوں کے بارے میں بدگمانی کی اور بعض لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا، ابن عیینہ سے پوچھا گیا کہ اس نے کیا بداعتقادی ظاہر کی؟ انہوں نے جواب دیا کہ رجعت کا عقیدہ۔

۵۵۔ وَحَدَّثَنِي حَسَنُ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو يَحْيَى الْحِمَّانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ وَأَخُوهُ أَنَّهُمَا سَمِعَا الْجَرَّاحَ بْنَ مَلِيحٍ يَقُولُ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ عِنْدِي سَبْعُونَ أَلْفَ حَدِيثٍ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلِّهَا۔

جراح کہتے ہیں کہ میں نے جابر کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میرے پاس ستر ہزار حدیثیں ہیں جو ابو جعفر محمد باقر رحمہ اللہ سے مروی ہیں اور سب مرفوع ہیں۔

۵۶۔ وَحَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ سَمِعْتُ زُهَيْرًا يَقُولُ قَالَ جَابِرٌ أَوْ سَمِعْتُ جَابِرًا يَقُولُ إِنَّ عِنْدِي لَخَمْسِينَ أَلْفَ حَدِيثٍ مَا حَدَّثْتُ مِنْهَا بِشَيْءٍ قَالَ ثُمَّ حَدَّثَ يَوْمًا بِحَدِيثٍ فَقَالَ هَذَا مِنَ الْخَمْسِينَ أَلْفًا۔

زہیر کہتے ہیں کہ جابر نے کہا یا میں نے جابر کو کہتے ہوئے سنا کہ میرے پاس ایسی پچاس ہزار حدیثیں ہیں جن میں سے ایک بھی میں نے لوگوں سے بیان نہیں کی ہے۔ زہیر کہتے ہیں پھر ایک دن اس نے ایک حدیث بیان کی اور کہنے لگا کہ یہ اُن پچاس ہزار میں سے ہے۔

۵۷۔ وَحَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ خَالِدٍ الْيَشْكُرِيُّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْوَلِيدِ يَقُولُ سَمِعْتُ سَلَّامَ بْنَ أَبِي مُطِيعٍ يَقُولُ سَمِعْتُ جَابِرًا الْجُعْفِيَّ يَقُولُ عِنْدِي خَمْسُونَ أَلْفَ حَدِيثٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

سلام بن ابی مطیع کہتے ہیں کہ میں نے جابر جعفی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میرے پاس ایسی پچاس ہزار حدیثیں ہیں جو سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔

۵۸۔ وَحَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا سَأَلَ جَابِرًا عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّى يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ﴾ (یوسف: ۸۰) قَالَ فَقَالَ جَابِرٌ لَمْ يَجِئْ تَأْوِيلُ هَذِهِ قَالَ سُفْيَانُ وَكَذَبَ فَقُلْنَا وَمَا أَرَادَ بِهَذَا؟ فَقَالَ إِنَّ الرَّافِضَةَ تَقُولُ إِنَّ عَلِيًّا فِي السَّحَابِ فَلَا نَخْرُجُ مَعَ مَنْ يَخْرُجُ مِنْ وَلَدِهِ حَتَّى يُنَادِيَ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ يُرِيدُ عَلِيًّا أَنَّهُ يُنَادِي اُخْرُجُوا مَعَ فُلَانٍ يَقُولُ جَابِرٌ فَذَا تَأْوِيلُ هَذِهِ الْآيَةِ وَكَذَبَ كَانَتْ فِي إِخْوَةِ يُوسُفَ۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے سنا جس نے جابر جعفی سے اس آیت کا مطلب پوچھا تھا:

﴿فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّى يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ﴾ (یوسف: ۸۰)

”یعنی اس وقت تک یہاں سے نہ ہٹوں گا جب تک میرے ابا مجھے اجازت نہ دیں یا اللہ میرے حق میں کوئی فیصلہ

فرمائیں اور وہ بہترین فیصلہ فرمانے والے ہیں"۔

اس آدمی نے کہا کہ مجھے جابر نے جواب دیا کہ ابھی اس آیت کا مصداق ظاہر نہیں ہوا ہے، سفیان کہتے ہیں کہ جابر نے جھوٹ کہا، حمیدی کہتے ہیں کہ ہم نے سفیان سے پوچھا کہ جابر کی غرض کیا تھی؟ سفیان نے بتایا کہ رافضیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی بادلوں میں ہیں اور ان کی اولاد میں سے جو بھی شخص خروج (حکومت وقت سے بغاوت) کرتا ہے ہم اس کے ساتھ اس وقت نکلتے ہیں جب ایک پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے۔ جابر حضرت علیؓ کو مراد لے رہا ہے۔ (یعنی ایسی سے مراد حضرت علی ہیں) وہ پکار کر کہتا ہے کہ فلاں شخص کے ساتھ خروج (بغاوت) کرو جابر کہتا ہے کہ اس آیت کا مطلب یہی ہے اور وہ جھوٹ بکتا ہے، یہ آیت حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے بارے میں ہے۔

## تشریح

"لم یجئ تأویل ھذا" یعنی جابر جعفی نے کہا کہ اب تک اس آیت کی تفسیر وتاویل ظاہر نہیں ہوئی ہے ان کے ذہن میں اس آیت کی یہ تفسیر تھی کہ حضرت علی بادلوں میں بیٹھے ہوئے ہیں ان کی اولاد میں سے جو کوئی کسی حکومت کے خلاف بغاوت کرتا ہے تو ہم روافض ان کا ساتھ نہیں دیتے جب تک ہمارے ابا جان یعنی حضرت علیؓ ہمیں حکم نہیں دیتے کہ ان کے ساتھ مل کر بغاوت کرو حضرت علی کا حکم بصورت اعلان ہوگا جو آسمان سے سنائی دے گا، سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ یہ روافض کا باطل عقیدہ ہے آیت تو حضرت یوسف کے بھائیوں سے متعلق ہے جب کہ بڑے بھائی نے کہا کہ اب میں واپس نہیں جاؤں گا جب تک کہ میرے ابا جان یعقوب علیہ السلام مجھے اعلان کر کے اجازت نہ دیں یا اللہ تعالیٰ کا کوئی فیصلہ صادر نہ ہو جائے۔

"ان الرافضۃ" رافضۃ جمع ہے روافض بھی جمع ہے اس کا مفرد رافض ہے رفض پھینکنے اور چھوڑنے کے معنی میں ہے روافض کو اس لئے روافض کہتے ہیں کہ انہوں نے پنج تن پاک اور چند صحابہ کو لیا باقی سب کو چھوڑ دیا، نیز انہوں نے جب زید بن علی کو مجبور کیا کہ شیخین پر لعنت کریں اور انہوں نے انکار کیا تو انہوں نے ان کو چھوڑ دیا اور ان پر پتھر پھینک کر چلے گئے تو زید بن علی نے کہا کہ "اصحابنا رفضونا" یعنی ہمارے ساتھیوں نے ہمیں چھوڑ دیا، اس وقت سے ان کا نام روافض پڑ گیا جس سے یہ جلتے ہیں اور شیعہ کے لفظ سے خوش ہوتے ہیں جس طرح بریلوی "بدعتی" کے لفظ سے جلتے ہیں بریلوی سے خوش ہوتے ہیں اور دیوبندی "وہابی" کے لفظ سے ناخوش ہوتے ہیں۔

۵۹۔ وَحَدَّثَنَا سَلَمَةُ قَالَ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرًا يُحَدِّثُ بِنَحْوٍ مِنْ ثَلَاثِينَ أَلْفَ حَدِيثٍ مَا أَسْتَحِلُّ أَنْ أَذْكُرَ مِنْهَا شَيْئًا وَأَنَّ لِي كَذَا وَكَذَا۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر جعفی سے تقریباً تیس ہزار ایسی حدیثیں سُنی ہیں جن میں سے ایک کو بھی میں ذکر کرنا جائز نہیں سمجھتا، اگرچہ مجھے دولت کے فلاں فلاں انبار مل جائیں۔

## تشریح

''اذکر منہا شیئا'' سفیان بن عیینہ کا کہنا ہے کہ جابر جعفی کی تیس ہزار من گھڑت روایات ہیں مگر میں ان میں سے ایک حدیث کو بھی بیان کرنا حلال نہیں سمجھتا۔

ان تمام روایات سے جابر جعفی کا کذاب ہونا بھی معلوم ہوا اور خوف خدا سے عاری ہونا بھی معلوم ہوا اور تقیہ کرنے والا ہونا بھی ثابت ہوا جو شیعہ کا مکروہ ترین عقیدہ ہے خلاصہ یہ کہ جابر جعفی ایک بنڈل آدمی تھا۔

## ۱۵۔ حارث بن حَصیرہ مجروح　　　جریر بن عبدالحمید جارح

وَقَالَ مُسْلِمٌ وَسَمِعْتُ اَبَاغَسَّانَ مُحَمَّدَبْنَ عَمْرٍو الرَّازِيَّ قَالَ سَأَلْتُ جَرِيْرَ بْنَ عَبْدِالْحَمِيْدِ فَقُلْتُ الْحَارِثُ بْنُ حَصِيْرَةَ لَقِيْتَهُ ؟ قَالَ نَعَمْ شَيْخٌ طَوِيْلُ السُّكُوْتِ يُصِرُّ عَلٰى اَمْرٍ عَظِيْمٍ ۔

ابو غسان کہتے ہیں کہ میں نے جریر سے دریافت کیا کہ آپ کی حارث سے ملاقات ہوئی ہے، انہوں نے کہا: جی ہاں! وہ خاموش طبع بوڑھا تھا، جو سنگین بات پر اصرار کرتا تھا (یعنی رجعت کا عقیدہ رکھتا تھا)۔

## تشریح

''شیخ ''یعنی بوڑھا شخص تھا'' طویل السکوت ''یعنی بہت خاموش طبع تھا'' یصر ''یعنی ایک عظیم جرم پر شدید اصرار کر رہا تھا اور وہ عقیدہ رجعت تھا۔'' حارث بن حصیرۃ'' یہ کوئی ہے پہلے اچھا راوی تھا پھر جابر جعفی کے عقیدے والا بن گیا کیونکہ یہ اس کا شاگرد تھا تو جب تک اچھا تھا اس وقت تک محدثین نے اس کی روایات لی ہیں، بخاری نے ادب المفرد میں اس سے روایت لی ہے، نسائی نے لی ہے۔ جب خراب ہو گیا تو چھوڑ دیا یہ ضعیف راوی ہے تفضیلی شیعہ ہے۔ تفضیلی اور غالی دو قسم کے شیعہ ہیں: اول قسم وہ ہیں جو حضرت علی کو تمام صحابہ پر فضیلت دیتے ہیں باقی صحابہ کی توہین نہیں کرتے ہیں اور کٹر غالی شیعہ وہ ہیں جو مسئلہ خلافت میں حضرت علی کو شیخین پر مقدم سمجھتے ہیں اور تمام صحابہ کی توہین کرتے ہیں حارث بن حَصیرہ پہلے تفضیلی تھا پھر غالی کٹر رافضی بن گیا۔

## ۱۶۔ دو نا معلوم راوی مجروح　　　ایوب سختیانی جارح

۶۰۔ حَدَّثَنِيْ اَحْمَدُبْنُ اِبْرَاهِيْمَ الدَّوْرَقِيُّ قَالَ حَدَّثَنِيْ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ حَمَّادِبْنِ زَيْدٍ قَالَ وَذَكَرَ اَيُّوْبُ رَجُلًا يَوْمًا فَقَالَ لَمْ يَكُنْ بِمُسْتَقِيْمِ اللِّسَانِ وَذَكَرَ آخَرَ فَقَالَ هُوَ يَزِيْدُ فِي الرَّقْمِ ۔

حماد کہتے ہیں کہ ایوب سختیانی رحمہ اللہ نے ایک دن ایک شخص کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ وہ درست زبان نہیں تھا اور ایک دوسرے شخص کا تذکرہ کیا تو فرمایا وہ قیمت بڑھایا کرتا تھا (یعنی دونوں شخص حدیث شریف کے معاملہ میں قابل اعتماد نہیں تھے)۔

## تشریح

''دورقی'' یہ دورق کی طرف منسوب ہے جو عابد کے معنی میں ہے ای عابدناسك یا دورق بڑی ٹوپی کج کلاہی کو کہتے ہیں بوجہ استعمال اس کی طرف منسوب ہے، تیسرا قول یہ کہ دورق فارس میں ایک شہر کا نام ہے اس کی طرف نسبت ہے۔''یزید فی الرقم'' کسی چیز پر مثلاً قیمت لکھی ہوئی ہوتی ہے اس نمبر اور نشان کو رقم کہتے ہیں''رقم میں اضافہ کرتے تھے'' کا مطلب یہ ہے کہ چیزوں پر لکھی ہوئی قیمت میں اضافہ کرتے تھے گاہکوں کو دھوکا دیتے تھے زائد قیمت وصول کرتے تھے پھر بطور مجاز یہ لفظ حدیثوں میں اپنی طرف سے اضافہ والحاق کرنے اور شاگردوں کو دھوکا دیکر اپنی موضوعات کو چلانے پر بولا گیا۔

"قال ابن الاثیر ثم استعمله المحدثون فیمن یکذب و یزید فی حدیثه"۔ (نہایہ ابن اثیر)

بہرحال ایوب سختیانی نے ایک مجروح راوی کو غیر مستقیم اللسان کہا یعنی کذاب جھوٹا تھا اور دوسرے کو دھوکہ باز کہہ کر تنقید کا نشانہ بنایا۔

## ۱۶۔نامعلوم پڑوسی مجروح ایوب سختیانی جارح

٦١۔ حَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ قَالَ أَيُّوبَ إِنَّ لِيْ جَارًا ثُمَّ ذَكَرَ مِنْ فَضْلِهِ وَلَوْ شَهِدَ عِنْدِيْ عَلَى تَمْرَتَيْنِ مَارَأَيْتُ شَهَادَتَهُ جَائِزَةً۔

ایوب سختیانی نے فرمایا کہ میرا ایک پڑوسی ہے پھر ایوب نے اس کے فضائل بیان کئے۔لیکن اگر وہ میرے سامنے دو کھجوروں کے بارے میں گواہی دے تو بھی میں اس کی گواہی کو معتبر نہیں سمجھوں گا (یعنی دنیا کی اتنی معمولی چیز کے بارے میں بھی میں اس کا اعتبار نہیں کروں گا پھر حدیث شریف جیسے اہم معاملہ میں جو خالص دینی معاملہ ہے میں اس کا کیونکر اعتبار کرسکتا ہوں)۔

## ۱۷۔ابواُمیہ عبدالکریم بصری مجروح ایوب سختیانی جارح

٦٢۔وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَحَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ قَالَ مَعْمَرٌ مَارَأَيْتُ أَيُّوبَ اِغْتَابَ اَحَدًا قَطُّ اِلَّا عَبْدَالْكَرِيْمِ يَعْنِي اَبَا اُمَيَّةَ فَاِنَّهُ ذَكَرَهُ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ كَانَ غَيْرَ ثِقَةٍ لَقَدْ سَأَلَنِيْ عَنْ حَدِيْثٍ لِعِكْرِمَةَ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ۔

معمر کہتے ہیں کہ میں نے ایوب سختیانی کو کبھی کسی کی غیبت کرتے ہوئے نہیں سنا، سوائے عبدالکریم کے، جس کی کنیت ابواُمیہ ہے، ایوب نے اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ اللہ اس کے حال پر رحم کرے وہ ثقہ (معتبر) نہیں ہے، اس نے مجھ سے حضرت عکرمہ کی ایک حدیث پوچھی ہے (یعنی پڑھی ہے) مگر جب بیان کرتا ہے تو سمعتُ عِکرمۃ کہتا ہے۔

## تشریح

''مااغتاب احداً'' راوی کہتے ہیں کہ ایوب سختیانی کبھی بھی کسی کی غیبت نہیں کیا کرتے تھے ہاں صرف عبدالکریم کی غیبت کرتے تھے۔ ''سمعت عکرمۃ'' یعنی پہلے مجھ سے پوچھا کرتے تھے کہ آپ نے عکرمہ سے کوئی حدیث سنی ہو تو مجھے بتادو پھر اس کے بعد خود عکرمہ سے سماعت والی حدیثیں بیان کرنا شروع کردیں۔ ''عبدالکریم'' علامہ نووی نے ایک قاعدہ لکھا ہے کہ اتنی سی بات پر کسی کو کذاب نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ ممکن ہے کہ راوی پہلے بھول چکا ہو اور پھر یاد آگیا تو براہ راست نقل کردیا، ہاں خارجی قرائن کی وجہ سے محدثین بعض راویوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ بہرحال سفیان بن عیینہ، عبدالرحمٰن بن مہدی، یحییٰ بن سعید قطان، احمد بن حنبل جیسے اصحاب جرح وتعدیل نے عبدالکریم کو ضعیف قرار دیا ہے۔ عبدالکریم فقہاء بصرہ کے بڑے فضلاء میں سے تھے (نووی) عبدالکریم ۱۲۶ھ میں وفات پاگئے ہیں۔

## ۱۸۔ ابوداؤد اعمیٰ مجروح شیخ قتادہ جارح

۶۳۔ **حَدَّثَنِی** الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ قَالَ حَدَّثَنِی عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ قَالَ قَدِمَ عَلَيْنَا اَبُوْدَاوٗدَ الْاَعْمٰى فَجَعَلَ يَقُوْلُ حَدَّثَنَا الْبَرَاءُ قَالَ وَحَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ اَرْقَمَ فَذَكَرْنَا ذٰلِكَ لِقَتَادَةَ فَقَالَ كَذَبَ مَاسَمِعَ مِنْهُمْ اِنَّمَا كَانَ ذٰلِكَ سَائِلًا يَتَكَفَّفُ النَّاسَ زَمَنَ طَاعُوْنِ الْجَارِفِ۔

ہمام کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں ابوداؤد اعمیٰ آیا، پس اس نے کہنا شروع کیا حدثنا البراء...... حدثنا زید بن ارقم (یعنی اپنے آپ کو ان صحابہ کا شاگرد بتا کر ان کی سند سے روایتیں بیان کرنے لگا) پس ہم نے اس کا حضرت قتادہ سے تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس نے جھوٹ کہا اس نے ان حضرات سے حدیث نہیں سنی ہے وہ تو طاعون جارف (جھاڑو پھیرو) کے زمانہ میں لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگا کرتا تھا۔

## تشریح

''ابوداؤد الاعمیٰ'' ابوداؤد اعمیٰ القاص الکوفی نہایت ضعیف بلکہ متروک الحدیث راوی ہے ترمذی اور ابن ماجہ کا راوی ہے اس کا نام نفیع بن الحارث ہے۔ ''یتکفف'' یہ کف سے بنا ہے ہتھیلی کو کہتے ہیں یعنی یہ پہلے ہاتھ پھیلا کر لوگوں سے بھیک مانگا کرتا تھا اب محدث بن گیا یہ تو عجیب بات ہے! ابوداؤد کے ضعیف ہونے پر علماء متفق ہیں عمرو بن علی نے اس کو متروک قرار دیا ہے یحییٰ بن معین اور ابوزرعہ نے اس کو لیس بشیٔ کہدیا ہے ابوحاتم نے اس کو منکر الحدیث قرار دیا ہے۔

## طاعون جارف کا بیان اور مصداق

''زمن طاعون الجارف'' لفظ طاعون طعن سے بنا ہے اور طعن حقیقت میں نیزہ مارنے کو کہتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنات آدمی

کے جسم میں خفیہ طور پر نیزہ مارتے ہیں جس کے نتیجہ میں طاعون کی بیماری پیدا ہوجاتی ہے یہی وجہ ہے کہ طاعون سے مرنے والے کو شہید قرار دیا گیا ہے۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ طاعون کیا چیز ہے؟ تو یہ ایک تباہ کن وبائی مرض ہے جو جسم کے حساس مقامات میں پھوڑوں کی شکل میں نمودار ہوتا ہے ان پھوڑوں کے ارد گرد سیاہ حلقے بن جاتے ہیں کبھی سرخ اور کبھی سبز حلقے لگ جاتے ہیں انتہائی درد ہوتا ہے جلن ہوتی ہے اور ورم ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے خفقان قلب پیدا ہوتا ہے اور قے شروع ہوجاتی ہے یہ ایسا وبائی مرض ہے کہ جس علاقے میں پھیل جاتا ہے وہاں سینکڑوں ہزاروں ہلاکتیں ہوجاتی ہیں اسی مناسبت سے اس کو جارف کہتے ہیں جـــــرف نصر ینصر سے کٹنے، گرنے، کاٹنے، ختم ہونے، پھینکنے اور جھاڑو پھیرنے کو کہتے ہیں قرآن میں ہے: ﴿علی جرف هار فانهار فی نار جهنم﴾۔

طاعون جارف کا معنی یہ ہوا کہ ایسا طاعون جس نے لوگوں کا صفایا کردیا، جھاڑو پھیر دیا، اب یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ طاعون جارف کا مصداق کیا ہے جس میں لوگوں کا صفایا ہوگیا، چنانچہ شارحین حدیث علامہ نووی وغیرہ نے لکھا ہے کہ طواعین پانچ گذرے ہیں تو لیجئے تفصیل یہ ہے:

## طواعین کی اقسام اور طاعون جارف کا مصداق

اسلام کی پہلی صدی میں اس قسم کی وبائی بیماریاں بہت آئی ہیں لیکن شیخ قتادہؒ کی پیدائش چونکہ ۶۱ھ میں ہوئی ہے لہٰذا انہوں نے جس طاعون کا ذکر یہاں طاعونِ جارف کے نام سے کیا ہے وہ یقیناً ۶۱ھ کے بعد کوئی طاعون ہے۔ چنانچہ مشہور طواعین پانچ گذرے ہیں اور سب دورِ اسلام میں آئے ہیں۔

### ۱۔ طاعون شیرویہ

یہ طاعون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ۶ھ میں فارس کے شہر مدائن میں واقع ہوا تھا۔

### ۲۔ طاعون عمواس

یہ طاعون ۱۸ھ میں ملک شام کے علاقہ عمواس میں واقع ہوا تھا عمواس ایک بستی کا نام ہے جو رملہ اور بیت المقدس کے درمیان واقع ہے اسی مناسبت سے اس کو طاعون عمواس کہتے ہیں کیونکہ یہ اسی بستی سے شروع ہوا اور پھر عام ہوگیا اس طاعون میں تقریباً پچیس ہزار آدمی لقمۂ اجل بن گئے تھے حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ دونوں اسی طاعون میں شہید ہوگئے تھے۔

### ۳۔ طاعون جارف

طاعون جارف حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عہد خلافت میں ۶۷ھ میں واقع ہوا تھا یہ انتہائی خطرناک اور تباہ کن طاعون تھا، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ تین دن تک اس کی کیفیت ایسی تھی کہ روزانہ ستر ہزار آدمی مرجاتے تھے گویا صرف تین دن میں دو لاکھ دس ہزار

آدمی لقمہ اجل بن گئے اسی طاعون میں حضرت انسؓ کے ۷۳ یا ۸۳ لڑکے فوت ہوگئے تھے اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کے چالیس لڑکے فوت ہوگئے تھے اسی کو طاعون جارف کہتے ہیں غالب گمان یہ ہے کہ حضرت قتادہؒ نے طاعون جارف سے یہی طاعون مراد لیا ہے جو ۶۷ھ میں واقع ہوا ہے حضرت قتادہؒ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے ہیں تو اس طاعون کے وقت ان کی عمر چھ سال ہوگی اور چھ سال کا بچہ اگر ذہین ہو تو وہ پورا نقشہ محفوظ کر سکتا ہے عرب لڑکے تو بڑے ذہین ہوتے ہیں چھ سال کی عمر میں وہ بہت کچھ کر سکتے ہیں پھر حضرت قتادہ تو اتنے ذہین تھے کہ ان کو کمپیوٹر کہنا بے جا نہ ہوگا ایک دفعہ ایک پیالہ کوئی بھیک مانگنے والا چرا کر لے گیا قتادہ چونکہ نابینا تھے تو اس نے اس بھکاری کی آواز محفوظ کر لی تھی دس سال کے بعد جب اس بھیک مانگنے والے کی آواز سن لی تو کہنے لگے کہ پیالہ چرا کر لے جانے والا یہی شخص ہے چنانچہ اس نے چوری کا اقرار کرلیا، ایک بہت بڑے عالم نے مجھے قتادہ کا قصہ سنایا کہ جب یہ پیدا ہوگئے تو پیدائش کے وقت انہوں نے کسی چیز کے گرنے سے ''ٹن'' کی آواز سنی جب بڑے ہوگئے تو اپنی ماں سے پوچھا کہ میری پیدائش کے وقت وہ ''ٹن'' کی آواز کس چیز کی تھی تو والدہ نے کہا کہ بیٹے وہ اوپر سے پلیٹ گر کر نیچے فرش پر لگی تو ''ٹن'' کی آواز آئی، ایسا ذہین بچہ چھ سال کی عمر میں ضبط احوال کر سکتا ہے لہٰذا طاعون جارف سے یہی ۶۷ھ والا طاعون مراد ہے۔ یہ قول علامہ ابن عبدالبر، علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کا ہے بندہ راقم کو بھی یہ پسند ہے۔

دوسرا قول علامہ عبدالغنی مقدسی اور علامہ نووی کا ہے ان کے نزدیک راجح یہ ہے کہ طاعون جارف کا مصداق ۸۷ھ میں واقع ہونے والا طاعون ''فتیات'' ہے جس کا ذکر ابھی آنے والا ہے علامہ نووی فرماتے ہیں ''وھو الاظھر انشاء اللہ'' بہرحال طاعون جارف کا مفہوم سب طاعونوں میں پایا جاتا ہے لہٰذا قتادہ کی زندگی کا کوئی بھی طاعون ''جارف'' قرار دیا جا سکتا ہے۔

حضرت قتادہ کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ طاعون جارف کے زمانہ تک تو ابو داؤد اعمی گلیوں میں گھوم گھوم کر بھیک مانگا کرتا تھا اس کی حیثیت محض ایک گداگر کی تھی پھر اچانک یہ محدث کیسے بنا جو حدثنا فلان و حدثنا فلان کہتا پھرتا ہے؟۔

## ۴۔ طاعون فتیات

یہ طاعون ۸۷ھ میں عبدالملک بن مروان کے دور حکومت میں بصرہ کوفہ اور شام میں واقع ہوا تھا اس کو طاعون فتیات اس وجہ سے کہتے ہیں کہ فتیات فتیۃ کی جمع ہے نوجوان لڑکی کو کہتے ہیں چونکہ اس طاعون میں زیادہ تر نوجوان لڑکیاں نشانہ بنی تھیں اس لئے اس کو طاعون فتیات کہا گیا نیز اس میں اشراف لوگ مارے گئے تھے اس لئے اس کو طاعون اشراف بھی کہتے ہیں۔

علامہ نووی کے نزدیک راجح یہ ہے کہ حضرت قتادہؒ جس طاعون جارف کا تذکرہ کر رہے ہیں وہ یہی طاعون فتیات ہے۔

## ۵۔ طاعون مسلم بن قتیبہ

یہ طاعون رجب ۱۳۱ھ میں واقع ہوا اور مسلسل تین چار ماہ تک رہا روزانہ ایک ایک ہزار جنازے اٹھتے تھے اس طاعون میں

ایوب سختیانی رحمہ اللہ اور دیگر بڑے بڑے شیوخ فوت ہو گئے تھے۔ الغرض مختلف طواعین کا واقع ہونا تاریخ سے ثابت ہے یہ پانچ بڑے اور مشہور ہیں اس لئے ان کا ذکر روشور ہے۔

٦٤۔ وَحَدَّثَنِي حَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَ أَخْبَرَنَا هَمَّامٌ قَالَ دَخَلَ أَبُو دَاوُدَ الْأَعْمَى عَلَى قَتَادَةَ فَلَمَّا قَامَ قَالُوا إِنَّ هَذَا يَزْعُمُ أَنَّهُ لَقِيَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ بَدْرِيًّا فَقَالَ قَتَادَةُ هَذَا كَانَ سَائِلًا قَبْلَ الْجَارِفِ لَا يَعْرِضُ لِشَيْءٍ مِنْ هَذَا وَلَا يَتَكَلَّمُ فِيهِ فَوَاللّٰهِ مَا حَدَّثَنَا الْحَسَنُ عَنْ بَدْرِيٍّ مُشَافَهَةً وَلَا حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ بَدْرِيٍّ مُشَافَهَةً إِلَّا عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ۔

ہمام کہتے ہیں کہ ابوداود اعمی حضرت قتادہ کے پاس آیا، پھر جب وہ اُٹھ کر چلا گیا تو طلبہ نے کہا یہ شخص گمان کرتا ہے کہ اس نے اٹھارہ بدری صحابہ سے ملاقات کی ہے، پس حضرت قتادہ نے فرمایا کہ یہ تو طاعون جارف سے پہلے بھیک مانگا کرتا تھا، فن حدیث سے کوئی سروکار نہیں رکھتا تھا، اور نہ اس فن میں کوئی گفتگو کرتا تھا، پس خدا کی قسم! نہ تو حضرت حسن بصری نے ہمیں کوئی حدیث بذات خود کسی بدری صحابی سے سن کر بیان کی اور نہ حضرت سعید نے ہمیں کوئی حدیث بذات خود کسی بدری صحابی سے سن کر بیان کی، سوائے حضرت سعد بن ابی وقاص کے۔

## تشریح

''عن بدری مشافهة'' حضرت قتادہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حسن بصری اور حضرت سعید بن المسیب دونوں عمر میں بھی اور علم وکمال میں بھی ابوداؤد اعمی سے بہت بڑے ہیں ان حضرات کی تو کسی بدری صحابی سے ملاقات نہیں ہوئی اور نہ بدری صحابہ سے کوئی روایت کرتے ہیں البتہ حضرت سعید بن المسیب کی صرف حضرت سعد بن ابی وقاص بدری صحابی سے ملاقات ہوئی ہے پھر یہ اعمی، دل کا اندھا اور گلیوں میں گھوم پھر کر بھیک مانگنے والا گدا گر کیسے کہتا ہے کہ اٹھارہ بدری صحابہ سے میری ملاقات ہوئی ہے معلوم ہوا کہ پرلے درجے کا جھوٹا ہے۔ ''من هذا'' یعنی فن حدیث میں کسی چیز کی طرف توجہ نہیں کرتا تھا اور نہ اس میں گفتگو کرتا تھا۔

## ۱۹۔ ابوجعفر ہاشمی مجروح رقبہ بن مَسقلہ جارح

٦٥۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ رَقَبَةَ أَنَّ أَبَا جَعْفَرٍ الْهَاشِمِيَّ الْمَدَنِيَّ كَانَ يَضَعُ أَحَادِيثَ كَلَامَ حَقٍّ وَلَيْسَتْ مِنْ أَحَادِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يَرْوِيهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

رقبہ بن مَسقلہ کہتے ہیں کہ ابوجعفر ہاشمی مدنی حدیثیں گھڑا کرتا تھا یعنی صحیح باتوں کو حدیث بنا کر بیان کیا کرتا تھا، حالانکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نہیں ہوتے تھے (مگر) وہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کرتا تھا۔

### تشریح

"المدنی" ابوجعفر ہاشمی وہی عبداللہ بن مسور مدائنی ہے جسکا تذکرہ مسلم شریف کے ابتدائی صفحات میں ہوگیا ہے وہاں ان کے نام کے ساتھ مدائنی لفظ لگا ہوا ہے اور یہاں مدنی لگا ہے تو ان الفاظ میں فرق یہ ہے کہ مدائنی تو مدائن کی طرف منسوب ہے البتہ مدنی مدینہ منورہ کی طرف منسوب ہے اس کے علاوہ جس مدینہ کی طرف جو منسوب ہوتا ہے اس کے ساتھ مدینی لگادیا جاتا ہے تاکہ مدینۃ الرسول کی نسبت میں التباس نہ آئے لیکن علامہ نووی نے امام بخاری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام بخاری فرماتے ہیں کہ جو شخص پہلے مدینہ منورہ میں رہتا تھا اور پھر اس کو چھوڑ کر چلا گیا تو وہ مدنی کہلاتا ہے اور جو مدینہ ہی میں رہتا ہے اس کی نسبت کے ساتھ مدینی لکھا جاتا ہے۔ بہر حال یہ عجیب فرق ہے جو سمجھ سے بالاتر ہے ہم نے جو سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ مدائن کی طرف نسبت مدائنی ہے اور مدینہ منصور وغیرہ کی طرف نسبت مدینی ہے اور مدینۃ الرسول کی طرف نسب مدنی ہے۔ یاد رہے مدائن فارس الگ ہے اور مدائن منصور الگ ہے جس کو منصور بادشاہ بنایا نے تھا اور ایک مدینۃ الرسول ہے یہ نسبتیں اسی لحاظ سے ہے۔ واللہ اعلم

"کلام حق" یہ لفظ منصوب ہے جو "احادیث" مفعول بہ سے بدل ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اچھا، بامطلب اور صحیح کلام ہوتا تھا اور حکمت پر مبنی ہوتا تھا لیکن وہ آنحضرت کی حدیث نہیں ہوتی تھی اور ابوجعفر اس کو حدیث نبوی کی حیثیت سے پیش کرتا تھا تو یہ جھوٹا کذاب تھا۔

## ۲۰۔ عمرو بن عبید مجروح　　　یونس بن عبید جارح

۶۶۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ قَالَ أَبُو إِسْحَاقَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سُفْيَانَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى قَالَ حَدَّثَنَا نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ يُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ كَانَ عَمْرُو بْنُ عُبَيْدٍ يَكْذِبُ فِي الْحَدِيثِ۔

(امام مسلم فرماتے ہیں کہ) ہم سے حسن حلوانی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں نعیم نے بیان کیا (دوسری سند امام مسلم کے تلمیذ اور صحیح مسلم کے راوی) ابواسحق کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن یحییٰ ذہلی نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں نعیم نے بیان کیا۔ نعیم کہتے ہیں کہ ہمیں طیالسی نے بیان کیا، وہ شعبہ سے وہ یونس سے روایت کرتے ہیں یونس کہتے ہیں کہ عمرو بن عبید حدیثیں روایت کرنے میں جھوٹ بولا کرتا تھا۔

### تشریح

"قال ابو اسحاق" امام مسلم کے شاگرد اور مسلم شریف کے راوی کا نام ابواسحاق ابراہیم بن محمد ہے یہاں امام مسلم نے

جوسند بیان کی ہے اس میں ان کے استاد محمد بن یحییٰ ذہلی کا نام آرہا تھا امام مسلم ان کے حوالہ سے کسی روایت کو بیان کرنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ امام بخاری اور محمد بن یحییٰ ذہلی کے درمیان خلق قرآن کا مسئلہ جب متنازع بن گیا تو امام مسلم نے ان سے تعلق توڑ دیا اور ان کی ساری مرویات ان کو واپس کردیں، یہاں محمد بن یحییٰ کا نام آرہا تھا تو امام مسلم نے اپنے شاگرد ابواسحاق کے حوالہ سے یہ روایت نقل کردی اس نے محمد بن یحییٰ ذہلی کا نام لیا اور امام مسلم نے اپنے آپ کو بچالیا عجیب کمال ہے! یہاں یہ کمال بھی دیکھو کہ امام مسلم کے شاگرد ابواسحاق امام مسلم کے ساتھ مساوی بن گئے اور ان کے استاد شریک بھائی بن گئے دونوں کے استاد محمد بن یحییٰ ذہلی ہوگئے۔ ''عمرو بن عبید'' ابوعثمان عمرو بن عبید بصری متوفی ۱۴۳ھ مشہور معتزلی تھا حسن بصری کے مشہور شاگردوں میں سے تھا بڑا زاہد تھا مگر واصل بن عطاء کی تحریک سے معتزلی بن گیا بلکہ داعی الی الاعتزال بن گیا، زاہد ہونے کے باوجود حدیث میں ضعیف تھا بلکہ ان پر کذب بیانی کا الزام بھی ہے تو معاملہ سنگین ہے امام مسلم رحمہ اللہ نے مسلسل چھ روایات میں عمرو بن عبید پر تنقید کو نقل کیا ہے یہاں جارح یونس ہے۔

۶۷۔ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ اَبُوْحَفْصٍ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاذَ بْنَ مُعَاذٍ يَقُوْلُ قُلْتُ لِعَوْفِ بْنِ اَبِي جَمِيْلَةَ اِنَّ عَمْرَو بْنَ عُبَيْدٍ حَدَّثَنَا عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا قَالَ كَذَبَ، وَاللّٰهِ! عَمْرٌو وَلٰكِنَّهُ اَرَادَ اَنْ يَحُوْزَهَا اِلٰى قَوْلِهِ الْخَبِيْثِ۔

معاذ عنبری نے عوف بن ابی جمیلہ سے (جو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے جلیل القدر شاگرد ہیں اور ان کی تمام حدیثوں سے واقف ہیں) کہا کہ عمرو بن عبید نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ عوف نے کہا کہ بخدا عمرو نے جھوٹ کہا البتہ وہ چاہتا ہے کہ اس حدیث کو اپنے گندے عقیدے کے ساتھ جمع کرے۔

## تشریح

''من حمل علینا السلاح'' یہ حدیث امام مسلم نے کتاب الایمان میں نقل کیا ہے حدیث صحیح ہے لیکن عمرو بن عبید ہے چونکہ قدری معتزلی ہے اس لئے وہ اس حدیث سے اپنا غلط عقیدہ ثابت کرنا چاہتا ہے کیونکہ معتزلہ وخوارج کا عقیدہ ہے کہ مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں رہیگا، اہل سنت فرماتے ہیں کہ سزا بھگتنے کے بعد دوزخ سے نجات پائیگا۔ مزید بحث کتاب الایمان میں انشاء اللہ آئے گی۔ یہاں جرح کرنے والے عوف بن ابی جمیلہ ہیں، انہوں نے عمرو بن عبید کو تین وجوہ سے جھوٹا کہا ہے ایک تو یہ کہ عمرو بن عبید نے حسن بصری سے احادیث کا درس نہیں لیا ہے دوسرا یہ کہ اگر یہ حدیث حسن بصری کی مسندات سے ہوتی تو حسن بصری کے خصوصی شاگرد اور ان کے علوم کے امین عوف بن ابی جمیلہ کو اس کا پتہ ہوتا جب ان کو پتہ

نہیں تو عمرو بن عبید کو کیا پتہ چلا؟ معلوم ہوا جھوٹا ہے۔تیسرا یہ کہ عمرو بن عبید اس حدیث کا مفہوم غلط بیان کرتا ہے اور اپنے خاص عقیدہ کے لئے حدیث میں تحریف کرتا ہے لہٰذا خطا کار اور جھوٹا گناہ گار ہے۔''یحوزھا'' حوز جمع کرنے اور تائید حاصل کرنے کے معنی میں ہے۔آنے والی روایت نمبر ۶۸ میں عمرو بن عبید پر جرح کرنے والے ایوب سختیانی ہیں اس میں نفرق کا لفظ ہے جو سمع یسمع سے ہے ڈرنے کے معنی میں ہے اس کے بعد روایت نمبر ۶۹ ہے اس میں بھی جرح کرنے والے ایوب سختیانی ہے،اس کے بعد روایت نمبر ۷۰ میں بھی جرح کرنے والے ایوب سختیانی ہے اس کے بعد روایت نمبر ۷۱ میں عمرو بن عبید پر جرح کرنے والے ابوموسیٰ ہیں تو تین روایات میں ایوب سختیانی نے جرح کی ہے ایک میں یونس نے،ایک میں عوف بن ابی جمیلہ نے اور ایک میں ابوموسیٰ نے جرح کی ہے۔

۶۸۔**وحدثنا** عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ كَانَ رَجُلٌ قَدْ لَزِمَ أَيُّوبَ وَسَمِعَ مِنْهُ فَفَقَدَهُ أَيُّوبُ فَقَالُوا لَهُ يَا أَبَا بَكْرٍ! إِنَّهُ قَدْ لَزِمَ عَمْرَو بْنَ عُبَيْدٍ قَالَ حَمَّادٌ فَبَيْنَا أَنَا يَوْمًا مَعَ أَيُّوبَ وَقَدْ بَكَّرْنَا إِلَى السُّوقِ فَاسْتَقْبَلَهُ الرَّجُلُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ أَيُّوبُ وَسَأَلَهُ ثُمَّ قَالَ لَهُ أَيُّوبُ بَلَغَنِي أَنَّكَ لَزِمْتَ ذَاكَ الرَّجُلَ قَالَ حَمَّادٌ سَمَّاهُ يَعْنِي عَمْرًا؟ قَالَ نَعَمْ يَا أَبَا بَكْرٍ! إِنَّهُ يَجِيئُنَا بِأَشْيَاءَ غَرَائِبَ قَالَ يَقُولُ لَهُ أَيُّوبُ إِنَّمَا نَفِرُّ أَوْ نَفْرَقُ مِنْ تِلْكَ الْغَرَائِبِ۔

حماد کہتے ہیں کہ ایک شخص ایوب سختیانی رحمہ اللہ کا خاص شاگرد تھا اور اس نے حضرت ایوب سے حدیثیں بھی سنی تھیں،ایک دن ایوب نے اس کو غائب پایا تو (اس کے بارے میں طلبہ سے دریافت کیا) طلبہ نے عرض کیا کہ ''ابوبکر! وہ تو عمرو بن عبید کے پاس رہنے لگا ہے۔حماد کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت ایوب کے ساتھ تھا اور ہم سویرے بازار جارہے تھے کہ وہ شخص حضرت ایوب کے سامنے آگیا،ایوب نے اس کو سلام کیا اور خیر خیریت پوچھی، پھر اس سے پوچھا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم اس شخص کے ساتھ رہنے لگے ہو؟ حماد کہتے ہیں کہ ایوب نے اس شخص کا نام لیا تھا یعنی عمرو بن عبید،اس شخص نے جواب دیا کہ جی ہاں،اے ابوبکر! وہ ہم سے عجیب چیزیں بیان کرتا ہے (یعنی نہایت دلچسپ اور عجیب وغریب حدیثیں روایت کرتا ہے) حماد کہتے ہیں کہ اس شخص سے ایوب نے کہا کہ: ہم ایسی عجیب وغریب حدیثوں سے دور بھاگتے ہیں یا یہ فرمایا کہ ڈرتے ہیں۔

۶۹۔**وحدثنی** حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ زَيْدٍ يَعْنِي حَمَّادًا قَالَ قِيلَ لِأَيُّوبَ إِنَّ عَمْرَو بْنَ عُبَيْدٍ رَوَى عَنِ الْحَسَنِ قَالَ لَا يُجْلَدُ السَّكْرَانُ مِنَ النَّبِيذِ فَقَالَ كَذَبَ أَنَا سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُولُ يُجْلَدُ السَّكْرَانُ مِنَ النَّبِيذِ۔

حماد کہتے ہیں کہ ایوب سختیانی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ عمرو بن عبید حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے یہ روایت کرتا ہے کہ جو شخص نبیذ پی کر مست ہو جائے اس کو حد نہ لگائی جائیگی (یہ بات صحیح ہے کیا) ایوب نے کہا کہ وہ جھوٹ کہتا ہے،

میں نے خود حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے سنا ہے کہ ”جس کو نبیذ پینے سے نشہ آجائے اس کو حد لگائی جائے گی۔“

۷۰۔ وَحَدَّثَنِیْ حَجَّاجٌ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَیْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ سَلَّامَ بْنَ اَبِیْ مُطِیْعٍ یَقُوْلُ بَلَغَ اَیُّوْبَ اَنِّیْ آتِیْ عَمْرًوا فَاَقْبَلَ عَلَیَّ یَوْمًا فَقَالَ اَرَاَیْتَ رَجُلًا لَا تَأْمَنُهُ عَلٰی دِیْنِهٖ کَیْفَ تَأْمَنُهُ عَلَی الْحَدِیْثِ؟۔

سلام کہتے ہیں کہ ایوب سختیانی کو یہ خبر پہنچی کہ میں عمرو بن عبید کے پاس جایا کرتا ہوں تو ایک دن میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ بتاؤ! جس شخص کے دین سے تم مطمئن نہیں ہو اس کی حدیثوں پر کیسے اطمینان کر لیتے ہو؟ (یعنی تم عمرو کے مذہب اعتزال کو جب غلط سمجھتے ہو پھر اس بددین سے حدیثیں کیوں لیتے ہو؟)۔

۷۱۔ وَحَدَّثَنِیْ سَلَمَةُ بْنُ شَبِیْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْحُمَیْدِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا مُوْسٰی یَقُوْلُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُبَیْدٍ قَبْلَ اَنْ یُّحْدِثَ۔

ابوموسیٰ اسرائیل بن موسیٰ کہتے ہیں کہ عمرو بن عبید نے ہمیں نئی بات (اعتزال) نکالنے سے پہلے حدیث بیان کی۔

## ۲۱۔ قاضی واسط ابوشیبہ مجروح    امام شعبہ جارح

۷۲۔ حَدَّثَنِیْ عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا اَبِیْ قَالَ کَتَبْتُ اِلٰی شُعْبَةَ اَسْاَلُهٗ عَنْ اَبِیْ شَیْبَةَ قَاضِیْ وَاسِطٍ فَکَتَبَ اِلَیَّ لَا تَکْتُبْ عَنْهُ شَیْئًا وَمَزِّقْ کِتَابِیْ۔

معاذ عنبری کہتے ہیں کہ میں نے امام شعبہ کو خط لکھا اور ابوشیبہ قاضی واسط کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے مجھے جواب لکھا کہ اس سے کوئی حدیث نہ لکھو (یعنی اس کے پاس حدیث پڑھنے نہ جاؤ) اور میرا خط پھاڑ دو۔ (کیونکہ خدانخواستہ میری تحریر قاضی صاحب کے ہاتھ لگ گئی تو وہ میرے درپے آزار ہوں گے)۔

## تشریح

”ابی شیبہ“ ابوشیبہ کا نام ابراہیم بن عثمان ہے کوفی متوفی ۱۶۹ھ یہ قاضی واسط تھے مشہور محدث ابوبکر بن ابی شیبہ، صاحب مصنف ابن ابی شیبہ کے دادا ہیں وہ اپنے اسی دادا کی طرف منسوب ہیں قاضی واسط نہایت ضعیف بلکہ متروک الحدیث راوی ہے اگرچہ ابوداود، ابن ماجہ کا راوی ہے ”مزق کتابی“ یعنی امام شعبہ نے سائل کے جواب میں کہا کہ قاضی واسط سے حدیث مت لو یہ حدیث کے قابل نہیں ہے اور ساتھ یہ کہدیا کہ میرے اس خط کو پھاڑ کر ضائع کردو کیونکہ یہ آدمی قاضی ہے اگر اس کو معلوم ہوا تو شاید میرے خلاف کچھ اقدام کریگا اس لئے ریکارڈ ختم کردو۔

## ۲۲۔ صالح مری مجروح    حماد بن سلمہ وھمام جارحین

۷۳۔ وَحَدَّثَنَا الْحُلْوَانِیُّ قَالَ سَمِعْتُ عَفَّانَ قَالَ حَدَّثْتُ حَمَّادَ بْنَ سَلَمَةَ عَنْ صَالِحٍ الْمُرِّیِّ بِحَدِیْثٍ عَنْ ثَابِتٍ

فَقَالَ كَذَبَ وَحَدَّثْتُ هَمَّامًا عَنْ صَالِحٍ الْمُرِّيِّ بِحَدِيثٍ فَقَالَ كَذَبَ ۔

عفان کہتے ہیں کہ میں نے حماد بن سلمہ کے سامنے (برائے توثیق) صالح مُرّی کی ثابت سے روایت بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ صالح مری نے جھوٹ کہا (اسی طرح) ہمام سے صالح مُرّی کی ایک حدیث بیان کی تو انہوں نے بھی فرمایا کہ اس نے جھوٹ کہا۔

## تشریح

''فقال کذب'' صالح بن بشیر بصری متوفی ۱۷۲ھ نیک صالح آدمی تھے مگر وعظ کہتے تھے اس لئے روایت حدیث میں ضعیف تھے ابوداؤد اور ترمذی میں ان سے روایتیں نقل کی گئی ہیں یہاں کذب کا مطلب وہی ہے جو پہلے گذرا ہے کہ ان صالحین کی زبان پر بے اختیار جھوٹ جاری ہوجاتا تھا ورنہ یہ انتہائی نیک زاہد بزرگ تھے ان کی آواز بہت اچھی تھی جب قرآن پڑھتے تھے تو ان پر رقت طاری ہوجاتی تھی خوف خدا کا مجموعہ تھے ان کی تلاوت اور اچھی آواز کی وجہ سے بعض لوگ موقع پر مر گئے ہیں۔

''مری'' بنومرہ کی ایک عورت نے اس کو آزاد کیا تھا اس لئے مری نسبت عتاقہ ہے۔ (نووی)

## ۲۳۔حسن بن عمارہ مجروح امام شعبہ جارح

۷۴۔ وَحَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ قَالَ لِي شُعْبَةُ ائْتِ جَرِيرَ بْنَ حَازِمٍ فَقُلْ لَهُ لَا يَحِلُّ لَكَ أَنْ تَرْوِيَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُمَارَةَ فَإِنَّهُ يَكْذِبُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ قُلْتُ لِشُعْبَةَ وَكَيْفَ ذَاكَ ؟ فَقَالَ حَدَّثَنَا عَنِ الْحَكَمِ بِأَشْيَاءَ لَمْ أَجِدْ لَهَا أَصْلًا قَالَ قُلْتُ لَهُ بِأَيِّ شَيْءٍ ؟ قَالَ قُلْتُ لِلْحَكَمِ أَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَتْلَى أُحُدٍ ؟ فَقَالَ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ فَقَالَ الْحَسَنُ بْنُ عُمَارَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى عَلَيْهِمْ وَدَفَنَهُمْ قُلْتُ لِلْحَكَمِ مَا تَقُولُ فِي أَوْلَادِ الزِّنَا ؟ قَالَ يُصَلَّى عَلَيْهِمْ قُلْتُ مِنْ حَدِيثِ مَنْ يُرْوَى ؟ قَالَ يُرْوَى عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ فَقَالَ الْحَسَنُ بْنُ عُمَارَةَ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ عَنْ يَحْيَى بْنِ الْجَزَّارِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ ۔

ابوداود طیالسی کہتے ہیں کہ مجھ سے امام شعبہ نے کہا کہ تم جریر بن حازم کے پاس جاؤ اور کہو کہ آپ کے لئے جائز نہیں ہے کہ آپ حسن بن عمارہ سے روایت کریں، کیونکہ وہ جھوٹ بولتا ہے۔ابوداود کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ سے پوچھا کہ آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟ شعبہ نے کہا کہ اس نے ہمیں حکم بن عتیبہ سے چند ایسی حدیثیں بیان کی ہیں کہ میں ان کی کوئی اصلیت نہیں پاتا، ابوداود کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ اس نے کون سی حدیثیں بیان کی ہیں؟ شعبہ نے کہا کہ میں نے حکم سے معلوم کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کے شہداء کی نماز جنازہ پڑھی ہے؟ تو حکم نے کہا کہ نہیں پڑھی ہے، اب حسن بن عمارہ حکم عن مقسم عن ابن عباس کی سند سے بیان کرتا ہے کہ نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی ہے اوران کو دفن کیا ہے (اگر یہ حدیث حکم کے پاس ہوتی تو وہ اس کے خلاف کیسے کہتے ؟) اسی طرح میں نے حکم سے معلوم کیا ہے کہ آپ ولد الزنا کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ توانہوں نے کہا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی میں نے معلوم کیا کہ یہ کس روایت سے ثابت ہے؟ توانہوں نے کہا کہ حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے (یعنی ان کا فتوی ہے ) اب حسن بن عمارہ کہتا ہے کہ ہمیں حکم نے بیان کیا یحیٰی بن جزار سے روایت کرتے ہوئے ،وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ( کہ ولد الزنا کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی ، حالانکہ یہ حسن بصری کا فتوی ہے حضرت علی کا فتوی نہیں ہے )۔

## تشریح

''فانہ یکذب ''حسن بن عمارہ بجلی کوفی متوفی ۱۵۳ھ بغداد کے قاضی تھے روایت حدیث میں نہایت ضعیف بلکہ متروک قرار دیے گئے ہیں مگر تعجب ہے کہ امام بخاری نے صحیح بخاری کی تعلیقات میں ان سے روایت لی ہے امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی ان سے روایت لی ہے ،زیر بحث روایت میں شعبہ نے ان پر کذب بیانی کا حکم لگایا ہے شعبہ نے اپنے اس دعویٰ پر دو دلیلیں پیش کی ہیں پہلی دلیل جو زیر بحث روایت میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ شعبہ نے کہا کہ حسن بن عمارہ بے اصل روایات بیان کرتا ہے کیونکہ میں نے ایک دفعہ شیخ حکم سے پوچھا کہ کیا شہداء اُحد پر آنحضرت نے جنازہ کی نماز پڑھی تھی ؟ تو شیخ حکم نے کہا کہ نہیں پڑھی تھی لیکن جب حسن بن عمارہ نے حدیث بیان کرنا شروع کی تو کہا کہ مجھے حکم نے بیان کیا ،اس نے مقسم کے حوالہ سے حضرت ابن عباس سے روایت بیان کی کہ آنحضرت نے شہداء اُحد پر جنازہ کی نماز پڑھی اوران کو دفن کیا حسن بن عمارہ کی طرف سے حکم پر یہ صریح جھوٹ ہے۔دوسری دلیل یہ کہ شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے حکم سے پوچھا کہ کیا ولد الزنا پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں تو اس نے کہا کہ ہاں پڑھی جائے گی میں نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ حسن بصری سے یہی بات مروی ہے۔اب یہی بات حسن بن عمارہ حکم کے حوالہ سے حضرت علی سے نقل کرتے ہیں جو سراسر جھوٹ ہے کیونکہ حکم سے اس بارے میں کچھ منقول نہیں ہے کہ حضرت علی نے ایسا کہا ہے بلکہ یہ حسن بصری کا فتوی ہے حضرت علی کا فتوی نہیں ہے اس پورے کلام میں یہ احتمال ہے کہ حسن بن عمارہ نے علی سے بھی سنا ہو مگر محدثین کے نزدیک خارجی قرآن سے استدلال کیا جاتا ہے اور حکم لگایا جاتا ہے کہ یہ آدمی جھوٹا ہے۔

### ۲۴۔زیاد بن میمون مجروح — یزید بن ھارون جارح

### ۲۵۔خالد بن محدوج مجروح — یزید بن ھارون جارح

۷۰۔وَحَدَّثَنَا الْحَسَنُ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ سَمِعْتُ يَزِيدَ بْنَ هَارُونَ وَذَكَرَ زِيَادَ بْنَ مَيْمُونٍ فَقَالَ حَلَفْتُ أَلَّا أَرْوِيَ عَنْهُ

شَيْئًا وَلَا عَنْ خَالِدِ بْنِ مَحْدُوجٍ وَقَالَ لَقِيتُ زِيَادَ بْنَ مَيْمُونٍ فَسَأَلْتُهُ عَنْ حَدِيثٍ فَحَدَّثَنِي بِهِ عَنْ بَكْرٍ الْمُزَنِيِّ ثُمَّ عُدْتُ إِلَيْهِ فَحَدَّثَنِي بِهِ عَنْ مُوَرِّقٍ ثُمَّ عُدْتُ إِلَيْهِ فَحَدَّثَنِي بِهِ عَنِ الْحَسَنِ وَكَانَ يَنْسُبُهُمَا إِلَى الْكَذِبِ ، قَالَ الْحُلْوَانِيُّ سَمِعْتُ عَبْدَ الصَّمَدِ وَذَكَرْتُ عِنْدَهُ زِيَادَ بْنَ مَيْمُونٍ فَنَسَبَهُ إِلَى الْكَذِبِ ۔

یزید بن ہارون نے زیاد بن میمون کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ: میں قسم کھاتا ہوں کہ اس سے کوئی روایت نہیں کروں گا اور نہ خالد بن محدوج سے (کوئی روایت کروں گا) اور یزید نے کہا کہ میری زیاد سے ملاقات ہوئی تو میں نے اس سے ایک حدیث پوچھی، پس اس نے وہ حدیث بکر بن عبداللہ مزنی سے روایت کر کے مجھ سے بیان کی پھر میں دوبارہ اس سے ملا تو اس نے وہ حدیث مورِّق بن مُشَمرِج بن عبداللہ ابوالمعتمر عجلی بصری سے روایت کر کے بیان کی، پھر میں تیسری مرتبہ اس سے ملا تو وہی حدیث اس نے حسن بصری سے روایت کر کے سنائی۔ (حلوانی کہتے ہیں) اور یزید ان دونوں (زیاد وخالد) کو جھوٹ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ حسن حلوانی کہتے ہیں کہ میں نے عبدالصمد بن عبدالوارث عنبری تنوری ابوسہل بصری کے سامنے زیاد بن میمون کا تذکرہ کیا تو انہوں نے بھی اس کو جھوٹ کی طرف منسوب کیا۔

## تشریح

''زیادہ بن میمون'' یہ ثقفی بصری کذاب راوی ہے احادیث گھڑا کرتا تھا حضرت انس سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی مگر ان سے روایت گھڑتا تھا آنے والی روایت میں عطارہ والی حدیث اسی کی گھڑی ہوئی ہے حضرت انس سے خالد بن محدوج بھی روایت بیان کرتا ہے یہ بھی نہایت ضعیف اور متروک الحدیث راوی ہے زیادہ بن میمون پر امام مسلم نے جس انداز سے جرح نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ایک ہی حدیث کبھی کسی سے نقل کرتا ہے تو کبھی کسی اور سے نقل کرتا ہے اور اس میں جھوٹ بولتا ہے اس میں یہ احتمال اگرچہ موجود ہے کہ ایک ہی حدیث سب سے سنی ہو مگر خارجی قرائن سے محدثین معلوم کرتے ہیں اور حکم لگاتے ہیں کہ یہ شخص جھوٹا کذاب ہے۔ ''سمعت عبدالصمد'' اس روایت میں عبدالصمد نے زیاد بن میمون پر کذب بیانی کا حکم لگا کر جرح کیا ہے۔

۷۶۔ وَحَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي دَاوُدَ الطَّيَالِسِيِّ قَدْ أَكْثَرْتَ عَنْ عَبَّادِ بْنِ مَنْصُورٍ فَمَا لَكَ لَمْ تَسْمَعْ مِنْهُ حَدِيثَ الْعَطَّارَةِ الَّذِي رَوَى لَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ ؟ فَقَالَ لِي اسْكُتْ فَأَنَا لَقِيتُ زِيَادَ بْنَ مَيْمُونٍ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ مَهْدِيٍّ فَسَأَلْنَاهُ فَقُلْنَا لَهُ هٰذِهِ الْأَحَادِيثُ الَّتِي تَرْوِيهَا عَنْ أَنَسٍ ؟ فَقَالَ أَرَأَيْتُمَا رَجُلًا يُذْنِبُ فَيَتُوبُ أَلَيْسَ يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ ؟ قَالَ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ مَا سَمِعْتُ مِنْ أَنَسٍ مِنْ ذَا قَلِيلًا وَلَا كَثِيرًا إِنْ كَانَ لَا يَعْلَمُ النَّاسُ فَأَنْتُمَا لَا تَعْلَمَانِ أَنِّي لَمْ أَلْقَ أَنَسًا ۔

قَالَ أَبُو دَاوُدَ فَبَلَغَنَا بَعْدُ أَنَّهُ يَرْوِي فَأَتَيْنَاهُ أَنَا وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ أَتُوبُ ثُمَّ كَانَ بَعْدُ يُحَدِّثُ فَتَرَكْنَاهُ ۔

محمود ابن غیلان کہتے ہیں کہ میں نے ابوداود طیالسی سے کہا کہ آپ عباد بن منصور سے بکثرت روایتیں کرتے ہیں، پھر کیا بات ہے کہ آپ نے عطارہ والی روایت جونضر بن شمیل نے ہم سے بیان کی ہے۔ عباد بن منصور سے نہیں سنی؟ (عطارہ (عطرفروش) حولاء بنت تویت کی روایت زیاد بن میمون حضرت انسؓ سے روایت کرتا ہے، اور زیاد سے عباد بن منصور اور ان سے نضر بن شمیل اور ان سے محمود بن غیلان نے سنی ہے ابوداود طیالسی بھی چونکہ عباد بن منصور کے خاص شاگرد ہیں، اس لئے ابن غیلان نے ان سے دریافت کیا کہ آپ عطارہ والی روایت کیوں بیان نہیں کرتے؟ کیا آپ نے یہ روایت عباد سے نہیں سنی؟) طیالسی نے جواب دیا کہ چپکا رہ! (وہ حدیث قابل روایت نہیں ہے) کیونکہ میں نے اور ابن مہدی نے زیاد سے (جو عباد کا استاذ ہے) ملاقات کی ہے، ہم نے اس سے پوچھا کہ یہ حدیثیں جو آپ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں (کیسی ہیں؟ آپ نے خود حضرت انسؓ سے سنی ہیں؟) تو اس نے جواب دیا کہ آپ دونوں حضرات مجھے بتائیں کہ اگر کوئی شخص گناہ کرے، پھر توبہ کرے تو کیا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں فرمائیں گے؟ طیالسی کہتے ہیں کہ ہم نے کہا کہ: ہاں! (قبول فرمائیں گے) زیاد نے کہا کہ میں نے ان حدیثوں میں سے کوئی بھی حضرت انسؓ سے نہیں سنی ہے، نہ تھوڑی نہ زیادہ، اگر دوسرے لوگ یہ بات نہیں جانتے تو کیا آپ حضرات بھی یہ بات نہیں جانتے کہ میری حضرت انس سے ملاقات نہیں ہوئی؟ طیالسی کہتے ہیں کہ پھر ہمیں اطلاع ملی کہ وہ حضرت انسؓ سے روایت کرتا ہے، تو میں اور ابن مہدی دوبارہ اس کے پاس گئے تو اس نے کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں، پھر اس کے بعد بھی وہ حضرت انسؓ سے روایت کیا کرتا تھا، چنانچہ ہم نے اس کو چھوڑ دیا (یعنی اس کو متروک الحدیث قرار دیدیا)۔

## تشریح

''حدیث العطارۃ'' یہ ایک صحابیہ عورت ہے اس کا نام حولاء بنت تویت ہے جو عطارہ سے معروف ہے، حدیث العطارہ ایک طویل حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو تفصیل سے علامہ ابن جوزی نے موضوعات ابن جوزی میں نقل کیا ہے، اصابہ اور لسان المیزان میں بھی اختصار کے ساتھ اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ عورت حضرت عائشہ کے پاس گئی اور اپنے خاوند کے ساتھ اپنے تعلقات کا تذکرہ کیا اس پر حضور اکرمؐ نے شوہر کے حقوق، ازدواجی تعلقات اور شوہر کے فضائل بیان کیے۔ علامہ نووی نے قاضی عیاض کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ ایک طویل حدیث ہے جو صحیح نہیں ہے۔

''فانا لقیت زیاد بن میمون و عبدالرحمن بن مہدی'' اس عبارت میں لقیت فعل فاعل ہے اور زیاد اس کا مفعول بہ ہے اور عبدالرحمن مرفوع ہے جس کا عطف لقیت کی ضمیر متصل پر ہے یہ بھی فاعل واقع ہے اور زیاد مفعول بہ ہے، فصل کی صورت میں ضمیر متصل پر عطف جائز ہے (فتامل)۔

''فانتما لا تعلمان'' یہاں اس عبارت کو سمجھنا ضروری ہے وہ اس طرح کہ یہاں ''لا'' زائدہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ عام

لوگ جاہل ہیں وہ نہیں سمجھتے تم دونوں سمجھتے ہو کہ میں نے انس سے کوئی روایت نہیں لی ہے یا اس عبارت میں ہمزہ استفہام محذوف ہے یعنی ''افانتما لاتعلمان؟'' یعنی اگر دوسرے لوگ نہیں سمجھتے ہیں تو کیا تم بھی نہیں سمجھتے ہو؟ تم تو سمجھتے ہو، یہ استفہام تقریری ہے عبارت صاف ہے اور دوسری صورت زیادہ واضح ہے۔

## ۳۶۔عبدالقدوس شامی مجروح شبابہ بن سوّار جارح

۷۷۔حَدَّثَنَا حَسَنُ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ سَمِعْتُ شَبَابَةَ قَالَ كَانَ عَبْدُالْقُدُّوسِ يُحَدِّثُنَا فَيَقُولُ سُوَيْدُبْنُ عَفَلَةَ قَالَ شَبَابَةُ وَسَمِعْتُ عَبْدَالْقُدُّوسِ يَقُولُ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُتَّخَذَالرَّوْحُ عَرْضاً قَالَ فَقِيلَ لَهُ أَيُّ شَيْءٍ هٰذَا؟ قَالَ يَعْنِي يُتَّخَذُ كُوَّةٌ فِي حَائِطٍ لِيَدْخُلَ عَلَيْهِ الرَّوْحُ۔

شبابہ بن سوار مدائنی کہتے ہیں کہ عبدالقدوس ہم سے حدیث بیان کیا کرتا تھا، تو (سوید بن غفلہ کی جگہ) سوید بن عفلہ (غین کے بجائے عین مہملہ اور فا کے بجائے قاف کے ساتھ) کہا کرتا تھا۔ شبابہ کہتے ہیں کہ میں نے عبدالقدوس کو (یہ حدیث نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یتخذوالروح غرضا۔ یعنی کسی روح (جاندار) کو (نشانہ کی مشق کے وقت) تیروں کا نشانہ بنانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، اس حدیث کو اس طرح) بیان کرتے ہوئے سنا کہ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یتخذالرَّوح (بفتح الراء) عرضا (بالعین المہملہ وسکون الراء)۔ شبابہ کہتے ہیں کہ عبدالقدوس سے پوچھا گیا کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ اس نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ دیوار میں روشندان کھلوا جائے، جس سے ہوا آئے (یعنی ہوا کے لئے دیوار میں عرض (چوڑائی) میں روشندان کھولنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، اگر کسی کو روشندان کھولنا ہو تو لمبائی میں کھولے۔ استغفر اللہ)

### تشریح

عبدالقدوس بن حبیب کلاعی دمشقی شامی کی حدیثوں کے ترک کرنے پر محدثین کا اجماع ہے عبدالقدوس صرف ضعیف نہیں بلکہ مغفل بے عقل بھی تھا کچھ تذکرہ اس کا پہلے بھی ہوا ہے۔ یہاں امام مسلم کا مقصود یہ ہے کہ وہ دنیا کو بتادیں کہ عبدالقدوس تصحیف بھی کرتا تھا، چنانچہ اس نے سوید بن غفلہ کو سوید بن عقلہ پڑھا، یہ تصحیف ہے کہ صورت خطی باقی ہے مگر حرکات اور نقطوں میں غلطی کرگیا یہی تصحیف کی تعریف ہے۔ عبدالقدوس سند اور متن دونوں میں گڑبڑ کرتا تھا مثلاً یہاں سند میں یہ نقصان کیا کہ عقلہ کے بجائے غفلہ بنادیا اور متن میں یہ نقصان کیا کہ رُوح کو رَوح بنادیا اور غـرَضـا کو عـرْضـا بنادیا حالانکہ رُوح سے ذی روح حیوان مراد ہے اور رَوح سے ہوا مراد ہے کہاں سے کہاں چلا گیا! پھر غـرَضـا نشانہ کو کہتے ہیں اور عـرْضـا چوڑائی کو کہتے ہیں دیکھو کیا سے کیا بنادیا! پھر جب ان سے پوچھا گیا کہ اس کا مطلب کیا تو اس نے ایسا گندہ جواب دیا جس کی

طرف کسی کا خیال بھی نہیں جاتا ہے اور ایک جائز کام کو ناجائز بتادیا کہ دیوار میں چوڑائی میں دریچہ بنانا تاکہ اس میں سے ہوا آتی رہے اس کو حضور مکرم نے منع کردیا ہے، استغفر الله من غفلة المغفلین تو سند و متن اور معنی ومفہوم سب میں ناکارہ تھا نہ معلوم یہ کیسا آدمی تھا؟ عالم تو ایسا نہیں ہوتا۔ خیال رہے کہ محدثین کے ہاں ایک دوسرا عبدالقدوس بھی ہے جو عبدالقدوس بن حجاج شامی خولانی حمصی کہلاتے ہیں وہ ثقہ قابل اعتماد راوی ہیں یہاں وہ مراد نہیں ہیں۔

## ۲۷۔ مہدی بن ہلال مجروح حماد بن زید جارح

قَالَ مُسْلِمٌ وَسَمِعْتُ عُبَيْدَاللهِ بْنَ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ حَمَّادَبْنَ زَيْدٍ يَقُولُ لِرَجُلٍ بَعْدَ مَاجَلَسَ مَهْدِيُّ بْنُ هِلَالٍ بِأَيَّامٍ مَاهٰذِهِ الْعَيْنُ الْمَالِحَةُ الَّتِي نَبَعَتْ قِبَلَكُمْ ؟ قَالَ نَعَمْ يَااَبَااِسْمَاعِيلَ !۔

حماد بن زید نے مہدی بن ہلال کی تحدیث شروع کرنے کے چند دن بعد ایک شخص سے کہا کہ یہ کیسا نمکین چشمہ ہے جو تمہاری طرف سے اُبلا ہے؟ (یعنی حدیث شریف کی یہ کیسی نئی فیکٹری تمہاری طرف کھلی ہے؟) اس شخص نے (بطور تائید) کہا کہ، جی ہاں: اے ابو اسماعیل! (ابو اسماعیل حضرت حماد کی کنیت ہے)۔

## تشریح

''جلس مهدى ''یعنی مہدی بن ہلال جب حدیثیں بیان کرنے کے لئے مسند نشین ہوگئے''بایام''یعنی ابھی چند دن ہوئے تھے''العین المالحة ''نمکین چشمہ اور گندے پانی سے مراد من گھڑت روایات ہیں''ابو اسماعیل''یہ حماد بن زید کی کنیت ہے اس آدمی نے حماد کے اعتراض کو درست قرار دیا، مہدی بن ہلال بصری متروک راوی ہے یحیٰ بن معین کہتے ہیں کہ یہ گمراہ شخص تھا قدریہ فرقہ سے اس کا تعلق تھا حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔

## ۲۸۔ ابان بن ابی عیاش مجروح ابو عوانہ جارح

۷۸۔ وَحَدَّثَنَا الْحَسَنُ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ سَمِعْتُ عَفَّانَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَوَانَةَ قَالَ مَا بَلَغَنِيْ عَنِ الْحَسَنِ حَدِيْثٌ اِلَّا اَتَيْتُ بِهٖ اَبَانَ بْنَ اَبِيْ عَيَّاشٍ فَقَرَأَهُ عَلَيَّ ۔

ابو عوانہ وضاح بن عبداللہ یشکری کہتے ہیں کہ مجھے جب بھی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی کوئی حدیث ملی تو میں اس کو ابان بن ابی عیاش کے پاس لایا پس ابان نے وہ حدیثیں مجھے سنائیں۔

۷۹۔ وَحَدَّثَنَا سُوَيْدُبْنُ سَعِيْدٍقَالَ حَدَّثَنَاعَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍقَالَ سَمِعْتُ اَنَاوَحَمْزَةُ الزَّيَّاتُ مِنْ اَبَانَ بْنِ اَبِيْ عَيَّاشٍ نَحْوًا مِنْ اَلْفِ حَدِيْثٍ ، قَالَ عَلِيٌّ فَلَقِيْتُ حَمْزَةَ فَاَخْبَرَنِيْ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ فَعَرَضَ عَلَيْهِ مَاسَمِعَ مِنْ اَبَانَ فَمَاعَرَفَ مِنْهَااِلَّا شَيْئًا يَسِيْرًا خَمْسَةً اَوْ سِتَّةً ۔

علی بن مسہر کہتے ہیں کہ میں نے اور حمزہ زیات نے ابان سے تقریباً ایک ہزار حدیثیں سنیں، علی بن مسہر کہتے ہیں کہ پھر میں حمزہ زیات سے ملا، تو انہوں نے مجھے بتلایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اس نے ابان سے جو حدیثیں سنی تھیں وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے صرف چند کو پہچانا، پانچ یا چھ کو۔

## تشریح

''قال علی'' یعنی علی بن مسہر نے کہا کہ میں حمزہ زیات سے ملا تو اس نے مجھے بتایا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور ابان بن ابی عیاش کی حدیثوں کا پوچھا تو آنخضرت نے صرف پانچ یا چھ حدیثوں کا اقرار فرمایا باقی کو رد کیا۔ اب اصول اور قاعدہ یہ ہے کہ خواب کے ذریعہ سے کوئی حدیث نہ ثابت ہوسکتی ہے نہ رد ہوسکتی ہے اگرچہ علماء نے یہ لکھا ہے کہ نبی کو خواب میں دیکھنا نبی ہی کو دیکھنا ہوتا ہے لہٰذا تصدیق وعدم تصدیق کا اعتبار ہے مگر قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ خواب حجت نہیں ہے بتانے والا بیشک نبی ہے مگر دیکھنے والا تو نبی نہیں ہے اس لئے بہتر جواب یہ ہے کہ محدثین کے ہاں ابان بن ابی عیاش دیگر قرائن کی وجہ سے مخدوش ہے لہٰذا یہ خواب صرف تائید اور اطمینان کے لئے کافی ہے۔ بہر حال ابان بن ابی عیاش بصری متوفی تقریباً ۱۴۰ھ تابعی صغیر ہے اور نہایت ضعیف بلکہ متروک الحدیث راوی ہے ابوداؤد میں اس کی حدیث ہے۔

## ۲۹۔ اسماعیل بن عیاش مجروح — ابواسحاق فزاری جارح

## ۳۰۔ بقیہ بن الولید مجروح — ابواسحاق فزاری جارح

۸۰۔ **حَدَّثَنَا** عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ قَالَ اَخْبَرَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ عَدِيٍّ قَالَ قَالَ لِيْ اَبُوْ اِسْحَاقَ الْفَزَارِيُّ اُكْتُبْ عَنْ بَقِيَّةَ مَارَوٰى عَنِ الْمَعْرُوْفِيْنَ وَلَا تَكْتُبْ عَنْهُ مَارَوٰى عَنْ غَيْرِ الْمَعْرُوْفِيْنَ وَلَا تَكْتُبْ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ بْنِ عَيَّاشٍ مَارَوٰى عَنِ الْمَعْرُوْفِيْنَ وَلَا عَنْ غَيْرِهِمْ۔

ابواسحٰق فزاری نے زکریا سے فرمایا کہ بقیہ بن الولید کی وہ روایتیں لکھو جو وہ معروف اساتذہ سے کرتے ہیں اور وہ روایتیں نہ لکھو جو وہ غیر معروف اساتذہ سے کرتے ہیں اور اسماعیل بن عیاش کی کوئی روایت نہ لکھو خواہ وہ معروف اساتذہ سے روایت کریں یا غیر معروف سے۔

## تشریح

''اسماعیل بن عیاش'' ابواسحاق فزاریؒ نے جو تنقید اسماعیل بن عیاش پر کی ہے اصحاب الجرح علماء اور محدثین نے اس کو قبول نہیں کیا ہے بلکہ صحیح بات وہ ہے جو ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں لکھی ہے کہ ''صدوق فی روایتہ عن اھل بلدہ

وخلط في غيرهم ''یعنی شامی اساتذہ سے روایت میں ٹھیک ٹھاک ہیں شامیوں کے علاوہ اہل حجاز میں خلط ملط کرتے ہیں۔علامہ نووی نے بھی بہت سارے اقوال نقل کیے ہیں جن کا خلاصہ اسی طرح ہے۔

۸۱۔ **وحدثنا** إسحاق بن إبراهيم الحنظلي قال سمعت بعض أصحاب عبد الله قال قال ابن المبارك نعم الرجل بقية لولا أنه كان يكني الأسامي ويسمي الكنى كان دهراً يحدثنا عن أبي سعيد الوحاظي فنظرنا فإذا هو عبد القدوس۔

ابن المبارک فرماتے ہیں کہ بقیہ اچھے آدمی تھے، اگر وہ ناموں کو کنیت سے اور کنیت کو ناموں سے بدلا نہ کرتے، وہ عرصہ تک ہمیں ابوسعید وحاظی سے حدیثیں سناتے رہے پھر جب ہم نے غور کیا تو وہ عبدالقدوس نکلا۔

## تشریح

''ویسمی الکنی'' نام کو کنیت سے اور کنیت کو نام سے تبدیل کرنا ایک قسم کی تدلیس ہے تاکہ راوی کا صحیح تعارف نہ ہو اور ہیر پھیر کا میدان کھلا رہے، یہاں بقیہ پر جرح عبداللہ بن مبارک نے کیا ہے اور کہا ہے کہ بقیہ نام اور کنیت کی تبدیلی کرتے تھے یعنی تدلیس کی ایک قسم میں مبتلا تھے۔

تدلیس کی تین صورتیں مشہور ہیں: ① تدلیس الاسناد ② تدلیس الشیوخ ③ تدلیس التسویۃ

تدلیس الاسناد یہ ہوتی ہے کہ راوی اپنے شیخ کو چھوڑ کر شیخ الشیخ کا حوالہ دیدے اور یہ ظاہر کرے کہ گویا اس نے ان سے سنا ہے۔

تدلیس الشیوخ یہ ہے کہ محدث اپنے شیخ کو غیر معروف کنیت سے یا غیر معروف نام سے ذکر کرے تاکہ لوگ اس کو پہچان نہ سکیں اور انگلی اٹھانے کا موقع نہ ملے مثلاً کنیت اور نام میں جو زیادہ غیر معروف ہو اسی کو ذکر کرے، عبداللہ بن مبارک نے بقیہ پر اسی تدلیس الشیوخ کا الزام لگایا ہے۔

تدلیس التسویۃ یہ ہے کہ محدث اپنے شیخ کو حذف نہ کرے بلکہ حدیث کو عمدہ بنانے کے لئے اوپر کے کسی ضعیف راوی کو حذف کردے اور وہاں ایسا لفظ رکھدے جس میں سماع کا احتمال ہو اور اپنے شیخ سے برابری پیدا ہو جائے۔

بہرحال حدیث معنعن کی بحث میں تدلیس پر ان شاء اللہ کلام آنے والا ہے وہاں تدلیس کی تعریف اور اقسام کا بھرپور بیان ہے جو امام مسلم کی عبارت ممن عرف بالتدليس وشهر به کے تحت آرہا ہے۔

۸۲۔ **وحدثني** أحمد بن يوسف الأزدي قال سمعت عبد الرزاق يقول ما رأيت ابن المبارك يفصح بقوله كذاب إلا لعبد القدوس فإني سمعته يقول له كذاب۔

عبدالرزاق کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک کو کبھی کسی شخص کے بارے میں صاف کذاب (بڑا جھوٹا) کہتے نہیں

سنا، سوائے عبدالقدوس کے، پس میں نے ابن المبارک کو عبدالقدوس کے بارے میں کذاب کہتے ہوئے سنا ہے۔

## ۳۰۔ معلّٰی بن عرفان مجروح ابونعیم جارح

۸۳۔ **وَحَدَّثَنِي** عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ قَالَ سَمِعْتُ اَبَانُعَيْمٍ وَذَكَرَ الْمُعَلّٰى بْنَ عِرْفَانَ فَقَالَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ وَائِلٍ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ بِصِفِّيْنَ فَقَالَ اَبُوْنُعَيْمٍ اَتُرَاهُ بُعِثَ بَعْدَ الْمَوْتِ ؟

ابونعیم فضل بن دکین نے معلّٰی بن عرفان کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ اس نے کہا: بیان کیا ہم سے ابووائل نے کہ جنگ صفین کے موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے، اس پر ابونعیم نے کہا کہ کیا آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ مرنے کے پیچھے زندہ کیے گئے؟۔

### تشریح

''معلی بن عرفان'' یہ متروک الحدیث راوی ہے منکر الحدیث اور غالی شیعہ تھا اور فن تاریخ سے بالکل جاہل آدمی تھا اپنے چچا ابووائل سے روایت کرتا ہے۔ ''بعث بعد الموت'' حضرت ابن مسعود کا انتقال خلافت عثمانی ۳۲ھ میں ہوا ہے اور جنگ صفین حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین ۳۷ھ میں ہوئی ہے اگر جنگ صفین میں حضرت ابن مسعودؓ تشریف لائے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مرنے کے پانچ سال بعد زندہ ہو کر آئے تھے اور یہ صریح غلطی ہے اس جھوٹ کا الزام ابووائل پر نہیں آتا، وہ ثقہ ہے، بلکہ یہ جھوٹ معلّٰی بن عرفان کی گردن پر ہے۔

## ۳۱۔ نامعلوم راوی مجروح عفان بن مسلم جارح

۸۴۔ **حَدَّثَنِي** عَمْرُوبْنُ عَلِيٍّ وَحَسَنُ الْحُلْوَانِيُّ كِلَاهُمَا عَنْ عَفَّانَ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ اِسْمَاعِيْلَ بْنِ عُلَيَّةَ فَحَدَّثَ رَجُلٌ عَنْ رَجُلٍ فَقُلْتُ اِنَّ هٰذَا لَيْسَ بِثَبْتٍ قَالَ فَقَالَ الرَّجُلُ اِغْتَبْتَهُ قَالَ اِسْمَاعِيْلُ مَااغْتَابَهُ وَلٰكِنَّهُ حَكَمَ اَنَّهُ لَيْسَ بِثَبْتٍ۔

عفان کہتے ہیں کہ ہم ابن علیہ کے پاس تھے کہ ایک شخص نے کسی راوی سے روایت کی، تو میں نے کہا کہ وہ (مروی عنہ) ثبت (مضبوط راوی) نہیں ہے: عفان کہتے ہیں کہ اس شخص نے کہا کہ آپ نے اس (مروی عنہ) کی غیبت کی ابن علیہ نے فرمایا کہ انہوں نے غیبت نہیں کی، بلکہ حکم لگایا کہ وہ مضبوط راوی نہیں ہے۔

## ۳۲۔ محمد بن عبدالرحمٰن مجروح امام مالک جارح

## ۳۳۔ ابوالحویرث مجروح امام مالک جارح

۳۴۔شعبہ قرشی ہاشمی مجروح امام مالک جارح

۳۵۔صالح مولی التوأمۃ مجروح امام مالک جارح

۳۶۔حرام بن عثمان مجروح امام مالک جارح

یحیٰ بن معین اور امام شافعیؒ نے فرمایا ''الروایة من حرام حرام'' یہ شخص غالی شیعہ تھا ضعیف ہے اس کا نام حرام بن عثمان انصاری سلمی ہے۔

۳۷۔نامعلوم مجروح امام مالک جارح

۸۵۔وَحَدَّثَنِي أَبُو جَعْفَرٍ الدَّارِمِيُّ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ قَالَ سَأَلْتُ مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الَّذِي يَرْوِي عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ؟ فَقَالَ لَيْسَ بِثِقَةٍ وَسَأَلْتُ مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ عَنْ أَبِي الْحُوَيْرِثِ؟ فَقَالَ لَيْسَ بِثِقَةٍ وَسَأَلْتُهُ عَنْ شُعْبَةَ الَّذِي يَرْوِي عَنْهُ ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ؟ فَقَالَ لَيْسَ بِثِقَةٍ وَسَأَلْتُهُ عَنْ صَالِحٍ مَوْلَى التَّوْأَمَةِ؟ فَقَالَ لَيْسَ بِثِقَةٍ وَسَأَلْتُهُ عَنْ حَرَامِ بْنِ عُثْمَانَ؟ فَقَالَ لَيْسَ بِثِقَةٍ وَسَأَلْتُ مَالِكًا عَنْ هَؤُلَاءِ الْخَمْسَةِ؟ فَقَالَ لَيْسُوا بِثِقَةٍ فِي حَدِيثِهِمْ وَسَأَلْتُهُ عَنْ رَجُلٍ آخَرَ نَسِيتُ اسْمَهُ؟ فَقَالَ هَلْ رَأَيْتَهُ فِي كُتُبِي؟ قُلْتُ لَا قَالَ لَوْ كَانَ ثِقَةً لَرَأَيْتَهُ فِي كُتُبِي۔

بشر بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے محمد بن عبدالرحمٰن کے بارے میں جو سعید بن المسیب سے روایت کرتا ہے دریافت کیا؟ تو امام مالک نے فرمایا کہ وہ ثقہ نہیں ہے، اور میں نے امام مالک سے ابوالحویرث کے بارے میں دریافت کیا؟ تو فرمایا کہ وہ ثقہ نہیں ہے اور میں نے ان سے شعبہ کے بارے میں جن سے ابن ابی ذئب روایت کرتے ہیں دریافت کیا تو فرمایا کہ وہ ثقہ نہیں ہے، اور میں نے ان سے صالح مولی التوأمۃ کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ وہ ثقہ نہیں ہے، اور میں نے ان سے حرام بن عثمان کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ وہ ثقہ نہیں ہے، میں نے امام مالکؒ سے ان پانچوں کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ یہ سب اپنی حدیثوں میں قابل اعتماد نہیں ہیں میں نے ان سے ایک اور شخص جس کا نام میں بھول رہا ہوں دریافت کیا تو فرمایا کہ: تم نے اس کی روایت میری کتابوں میں دیکھی ہے، میں نے کہا نہیں امام مالک نے فرمایا کہ اگر وہ ثقہ ہوتا تو تم اس کو میری کتابوں میں ضرور دیکھتے۔

۳۸۔شرحبیل بن سعد مجروح امام مسلم خود جارح

۸۶۔وَحَدَّثَنِي الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ شُرَحْبِيلَ بْنِ سَعْدٍ وَكَانَ مُتَّهَمًا۔

حجاج کہتے ہیں کہ ہم سے ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی، شرحبیل بن سعد سے روایت کرتے ہوئے اور وہ متہم تھے۔

## تشریح

''شرحبیل بن سعد'' شرحبیل بن سعد مدنی متوفی ۱۲۳ھ صدوق ہیں۔
بخاری نے ادب المفرد میں اور ابوداؤد وابن ماجہ نے اپنی سنن میں ان سے روایت لی ہے تقریباً سو سال عمر پائی تھی، آخر میں حافظ خراب ہوگیا اس لئے بعض محدثین نے ان پر جرح کیا پہلے یہ ثقہ اور مغازی کے امام تھے۔

## ۳۹۔ عبداللہ بن محرر مجروح عبداللہ بن مبارک جارح

۸۷۔ وَحَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ قُهْزَادَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا اِسْحَاقَ الطَّالِقَانِیَّ یَقُوْلُ سَمِعْتُ ابْنَ الْمُبَارَكِ یَقُوْلُ لَوْ خُیِّرْتُ بَیْنَ اَنْ اَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَبَیْنَ اَنْ اَلْقٰی عَبْدَاللّٰهِ بْنَ مُحَرَّرٍ لَاخْتَرْتُ اَنْ اَلْقَاهُ ثُمَّ اَدْخُلَ الْجَنَّةَ فَلَمَّا رَاَیْتُهٗ كَانَتْ بَعْرَةٌ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْهُ ۔

ابن المبارک فرماتے ہیں کہ اگر مجھے اختیار دیا جاتا کہ جنت میں جاؤں یا عبداللہ بن محرر سے ملوں تو پہلے عبداللہ سے ملتا پھر جنت میں جاتا، مگر جب میں نے اس کو دیکھا تو مینگنی میرے نزدیک اس سے زیادہ اچھی چیز ہے۔

## ۴۰۔ یحییٰ بن ابی اُنیسہ مجروح اس کا بھائی زید بن ابی اُنیسہ جارح

۸۸۔ وَحَدَّثَنِی الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ قَالَ حَدَّثَنَا وَلِیْدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ قَالَ عُبَیْدُاللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو قَالَ زَیْدٌ یَعْنِی ابْنَ اَبِی اُنَیْسَةَ لَا تَاْخُذُوْا عَنْ اَخِی ۔

زید بن ابی اُنیسہ کہتے ہیں کہ: میرے بھائی سے روایت نہ لو۔

۸۹۔ وَحَدَّثَنِی اَحْمَدُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ الدَّوْرَقِیُّ قَالَ حَدَّثَنِی عَبْدُ السَّلَامِ الْوَابِصِیُّ قَالَ حَدَّثَنِی عَبْدُاللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ الرَّقِّیُّ عَنْ عُبَیْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ یَحْیَی بْنُ اَبِی اُنَیْسَةَ كَذَّابًا ۔

عبیداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ یحییٰ بن ابی انیسہ بڑا جھوٹا تھا۔

## ۴۱۔ فرقد بن یعقوب مجروح ایوب سختیانی جارح

۹۰۔ حَدَّثَنِی اَحْمَدُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ قَالَ حَدَّثَنِی سُلَیْمَانُ بْنُ حَرْبٍ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَیْدٍ قَالَ ذُكِرَ فَرْقَدٌ عِنْدَ اَیُّوْبَ فَقَالَ اِنَّ فَرْقَدًا لَیْسَ صَاحِبَ حَدِیْثٍ ۔

حماد کہتے ہیں کہ ایوب سختیانی کے سامنے فرقد کا تذکرہ کیا گیا تو فرمایا کہ فرقد فن حدیث کا آدمی نہیں تھا۔

## تشریح

فرقد بن یعقوب سبخی متوفی ۱۳۱ھ صوفی زاہد راوی تھے مگر حدیث میں کمزور تھے اور کثیر الخطاء تھے ایوب سختیانی نے ان پر جرح کیا ہے۔

۴۲۔ محمد بن عبداللہ لیثی مجروح — یحییٰ بن سعید القطان جارح

۴۳۔ یعقوب بن عطاء مجروح — یحییٰ بن سعید القطان جارح

۹۱۔ وَحَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ بِشْرٍ الْعَبْدِيُّ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ الْقَطَّانَ وَذُكِرَ عِنْدَهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ اللَّيْثِيُّ فَضَعَّفَهُ جِدًّا فَقِيلَ لِيَحْيَى أَضْعَفُ مِنْ يَعْقُوبَ بْنِ عَطَاءٍ؟ قَالَ نَعَمْ ثُمَّ قَالَ مَا كُنْتُ أَرَى أَنَّ أَحَدًا يَرْوِي عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ۔

یحییٰ قطان کے سامنے محمد بن عبداللہ لیثی کا تذکرہ کیا گیا تو انہوں نے اس کی نہایت تضعیف کی یحییٰ سے پوچھا گیا کہ آیا وہ یعقوب بن عطاء سے بھی زیادہ کمزور ہے، یحییٰ نے فرمایا کہ جی ہاں پھر یحییٰ نے فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص بھی محمد بن عبداللہ سے روایت کریگا۔

۴۴۔ حکیم بن جبیر مجروح — یحییٰ بن سعید القطان جارح

۴۵۔ عبدالاعلیٰ بن عامر مجروح — یحییٰ بن سعید القطان جارح

۴۶۔ موسیٰ بن دینار مجروح — یحییٰ بن سعید القطان جارح

۴۷۔ موسیٰ بن دہقان مجروح — یحییٰ بن سعید القطان جارح

۴۸۔ عیسیٰ بن ابی عیسیٰ مدنی مجروح — یحییٰ بن سعید القطان جارح

۹۲۔ وَحَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ الْحَكَمِ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ الْقَطَّانَ ضَعَّفَ حَكِيمَ بْنَ جُبَيْرٍ وَعَبْدَ الْأَعْلَى وَضَعَّفَ يَحْيَى بْنَ مُوسَى بْنَ دِينَارٍ قَالَ حَدِيثُهُ رِيحٌ وَضَعَّفَ مُوسَى بْنَ دِهْقَانَ وَعِيسَى بْنَ أَبِي عِيسَى الْمَدَنِيَّ۔

یحییٰ قطان رحمہ اللہ نے حکیم بن جبیر اور عبدالاعلیٰ کی تضعیف کی (یعنی ان کو کمزور راوی قرار دیا) اور حضرت یحییٰ قطان نے موسیٰ بن دینار کی تضعیف کی، یحییٰ نے فرمایا کہ اس کی حدیث ریح (ہوا یا باد) ہے! اور یحییٰ قطان نے موسیٰ بن دہقان اور عیسیٰ بن ابی عیسیٰ مدنی کی تضعیف کی۔

## تشریح

''وضعف یحیی بن موسی بن دینار'' مسلم شریف کے تمام نسخوں میں یہاں یحییٰ کے بعد ابن کا لفظ موجود ہے لیکن اس سے معنی بگڑ جاتا ہے گویا مطلب یہ ہے کہ یحییٰ بن سعید قطان نے یحییٰ بن موسیٰ بن دینار کو ضعیف کہا ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے اس لئے علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہاں ابن کا لفظ کاتبوں کی غلطی ہے عبارت کا مطلب یہ ہے کہ یحییٰ بن سعید قطان نے موسیٰ بن دینار کو ضعیف قرار دیا ہے تو ضعف فعل ہے اور یحییٰ اس کا فاعل ہے مراد یحییٰ بن سعید قطان ہے اور موسیٰ بن دینار مفعول بہ ہے۔ مترجم نے ترجمہ میں اس غلطی کو درست کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| ۴۹۔عبیدہ بن معتب مجروح | عبداللہ بن مبارک جارح |
| ۵۰۔السری بن اسماعیل مجروح | عبداللہ بن مبارک جارح |
| ۵۱۔محمد بن سالم مجروح | عبداللہ بن مبارک جارح |

قَالَ وَسَمِعْتُ الْحَسَنَ بْنَ عِيْسٰى يَقُوْلُ قَالَ لِيْ ابْنُ الْمُبَارَكِ اِذَاقَدِمْتَ عَلٰى جَرِيْرٍ فَاكْتُبْ عِلْمَهٗ كُلَّهٗ اِلَّاحَدِيْثَ ثَلَاثَةٍ لَاتَكْتُبْ عَنْهُ حَدِيْثَ عُبَيْدَةَ بْنِ مُعَتِّبٍ وَالسَّرِيِّ بْنِ اِسْمَاعِيْلَ وَمُحَمَّدِبْنِ سَالِمٍ ۔

امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حسن بن عیسیٰ سے سنا وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابن المبارک نے فرمایا کہ: جب تم جریر کے پاس پہنچو تو ان کی ساری حدیثیں لے لو، مگر تین شخصوں کی حدیثیں نہ لکھو، عبیدہ بن معتب کی حدیثیں نہ لکھو اور سری بن اسماعیل کی اور محمد سالم کی۔

## ضعیف راویوں پر جو کلام ہوا یہ کافی ہے

قَالَ مُسْلِمٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَاَشْبَاهُ مَاذَكَرْنَا مِنْ كَلَامِ اَهْلِ الْعِلْمِ فِيْ مُتَّهَمِيْ رُوَاةِ الْحَدِيْثِ وَاِخْبَارِهِمْ عَنْ مَعَايِبِهِمْ كَثِيْرٌ يَطُوْلُ الْكِتَابُ بِذِكْرِهٖ عَلٰى اِسْتِقْصَائِهٖ وَفِيْمَا ذَكَرْنَا كِفَايَةٌ لِمَنْ تَفَهَّمَ وَعَقَلَ مَذْهَبَ الْقَوْمِ فِيْمَا قَالُوْا مِنْ ذٰلِكَ وَبَيَّنُوْا ۔

امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی باتیں جو ہم نے ذکر کیں یعنی ائمہ حدیث کا کلام متہم رُوات حدیث کے متعلق اور اُن ائمہ کا اطلاع دینا، رُوات کے عیوب کے بارے میں اتنا زیادہ ہے کہ ان سب کا احاطہ کرنے سے کتاب بہت لمبی ہو جائے گی، اور جتنی باتیں ہم نے بیان کی ہیں وہ ان لوگوں کے لئے بہت کافی ہیں جو محدثین کا نقطہ نظر جاننا اور سمجھنا چاہتے ہیں، اس سلسلہ میں جو انہوں نے کہی ہیں اور تفصیل سے بیان کی ہیں (یعنی جرح

رواۃ کے سلسلہ میں ان کا نہج سمجھنا چاہتے ہیں)۔

## تشریح

''قَالَ مُسْلِمٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ'' معلوم ہونا چاہیے کہ ضعیف راویوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے ابو جعفر عقیلی مکی رحمہ اللہ نے کتاب الضعفاء الکبیر میں ۲۱۰۰ (اکیس سو) سے زائد ضعیف راویوں کے احوال لکھے ہیں پھر ہر ضعیف اور مجروح راوی پر متعدد ائمہ جرح وتعدیل کا کلام پایا جاتا ہے ایسی صورت حال میں سب کا احاطہ کرنا یقیناً مشکل کام ہے۔ تحفۃ المنعم شرح صحیح مسلم میں میں نے دل پر پتھر رکھ کر اختصار سے کام لیا ہے تاکہ قارئین پر بوجھ نہ بن جائے۔ امام مسلم نے بھی ۱۵ مجروحین پر کلام کیا ہے اور باقی کو چھوڑ دیا ہے گویا امام مسلم نے مجروح وجارح اور طریقہ جرح کا انداز بطور مشت از نمونہ خروارے پیش فرمادیا ہے مقصد تو طلبہ کو صرف جرح وتعدیل کا انداز سمجھانا ہے ان شاء اللہ آگے طلبہ خود اس میدان میں کمر باندھ کر اتریں گے اور کام کریں گے۔

''اشباہ'' یہ شبہ کی جمع ہے مانند اور مثل کے معنی میں ہے ''معایب'' عیب اور عیوب سے ہے برائی اور عیب کو کہتے ہیں۔

''استقصاء'' گننا، ٹٹولنا، تلاش کرنا احاطہ کرنے کے معنی میں ہے ''تفھم'' سمجھنے کے معنی میں ہے ''عقل'' جاننے کے معنی میں ہے ''القوم'' محدثین کرام مراد ہیں۔

## ضعیف روایتوں کا انبار لگانا مقصود شرعی نہیں ہے

وَاِنَّمَا اَلْزَمُوْا اَنْفُسَهُمُ الْكَشْفَ عَنْ مَعَايِبِ رُوَاةِ الْحَدِيْثِ وَنَاقِلِي الْاَخْبَارِ وَاَفْتَوْا بِذٰلِكَ حِيْنَ سُئِلُوْا لِمَا فِيْهِ مِنْ عَظِيْمِ الْخَطَرِ اِذِ الْاَخْبَارُ فِي اَمْرِ الدِّيْنِ اِنَّمَا تَاْتِيْ بِتَحْلِيْلٍ اَوْ تَحْرِيْمٍ اَوْ اَمْرٍ اَوْ نَهْيٍ اَوْ تَرْغِيْبٍ اَوْ تَرْهِيْبٍ فَاِذَا كَانَ الرَّاوِيْ لَهَا لَيْسَ بِمَعْدِنٍ لِلصِّدْقِ وَالْاَمَانَةِ ثُمَّ اَقْدَمَ عَلَى الرِّوَايَةِ عَنْهُ مَنْ قَدْ عَرَفَهُ وَلَمْ يُبَيِّنْ مَا فِيْهِ لِغَيْرِهِ مِمَّنْ جَهِلَ مَعْرِفَتَهُ كَانَ آثِمًا بِفِعْلِهِ ذٰلِكَ غَاشًّا لِعَوَامِّ الْمُسْلِمِيْنَ اِذْ لَا يُؤْمَنُ عَلٰى بَعْضِ مَنْ سَمِعَ تِلْكَ الْاَخْبَارَ اَنْ يَسْتَعْمِلَهَا اَوْ يَسْتَعْمِلَ بَعْضَهَا وَلَعَلَّهَا اَوْ اَكْثَرَهَا اَكَاذِيْبُ لَا اَصْلَ لَهَا مَعَ اَنَّ الْاَخْبَارَ الصِّحَاحَ مِنْ رِوَايَةِ الثِّقَاتِ وَاَهْلِ الْقَنَاعَةِ اَكْثَرُ مِنْ اَنْ يُضْطَرَّ اِلٰى نَقْلِ مَنْ لَيْسَ بِثِقَةٍ وَلَا مَقْنَعٍ۔

اور ائمہ حدیث نے اسی لئے اپنے ذمہ لیا ہے، رواۃ حدیث اور ناقلین اخبار کے عیوب کو کھولنا اور جب ان سے اس بارے میں (یعنی ضعیف راویوں کے بارے میں) دریافت کیا گیا تو اسی لئے انہوں نے فتویٰ دیا ہے (یعنی ماہرانہ جرح کی ہے) کہ اس میں بڑا فائدہ ہے (یہ ایک نہایت اہم معاملہ ہے) کیونکہ دینی روایات وارد ہوتی ہیں تحلیل وتحریم یا امر ونہی یا ترغیب وترہیب ہی کے بارے میں پس جب حدیث کا راوی سچائی اور امانت داری کی کان

(مخزن) نہ ہو، پھر اس سے وہ شخص روایت کرنے لگے، جو اس کا حال جانتا ہے اور اس (مروی عنہ) میں جو خرابی ہے اس کو بیان نہ کرے، ان لوگوں سے جو اس کے حال سے واقف نہیں ہیں تو وہ شخص اپنے اس عمل سے گناہ گار ہوگا اور عام مسلمانوں کو دھوکہ دینے والا ہوگا، کیونکہ اس کا اطمینان نہیں کیا جاسکتا کہ بعض وہ لوگ جو یہ حدیثیں سنیں، سب پر یا بعض پر عمل کریں اور ہوسکتا ہے کہ وہ سب (یا ان میں سے کچھ) یا ان میں سے اکثر جھوٹی، بے اصل ہوں، مع ہذا صحیح حدیثیں معتمد اور قابل اطمینان راویوں کی روایت سے اتنی زیادہ ہیں کہ غیر ثقہ نا قابل اعتماد لوگوں کی روایتوں کو قبول کرنے کی کوئی مجبوری نہیں ہے۔

وَلَا أَحْسِبُ كَثِيرًا مِمَّنْ يُعَرِّجُ مِنَ النَّاسِ عَلَى مَا وَصَفْنَا مِنْ هَذِهِ الْأَحَادِيثِ الضِّعَافِ وَالْأَسَانِيدِ الْمَجْهُولَةِ وَيَعْتَدُّ بِرِوَايَتِهَا بَعْدَ مَعْرِفَتِهِ بِمَا فِيهَا مِنَ التَّوَهُّنِ وَالضَّعْفِ إِلَّا أَنَّ الَّذِي يَحْمِلُهُ عَلَى رِوَايَتِهَا وَالِاعْتِدَادِ بِهَا إِرَادَةُ التَّكْثِيرِ بِذَلِكَ عِنْدَ الْعَوَامِّ وَلِأَنْ يُقَالَ مَا أَكْثَرَ مَا جَمَعَ فُلَانٌ مِنَ الْحَدِيثِ وَأَلَّفَ مِنَ الْعَدَدِ۔ وَمَنْ ذَهَبَ فِي الْعِلْمِ هَذَا الْمَذْهَبَ وَسَلَكَ هَذَا الطَّرِيقَ فَلَا نَصِيبَ لَهُ فِيهِ وَكَانَ بِأَنْ يُسَمَّى جَاهِلًا أَوْلَى مِنْ أَنْ يُنْسَبَ إِلَى الْعِلْمِ۔

اور میں یہی گمان کرتا ہوں کہ بہت سے وہ لوگ جو اعتماد کرتے ہیں ان ضعیف حدیثوں پر اور مجہول سندوں پر جن کا حال ہم نے پہلے بیان کیا ہے اور ان کو قابل روایت سمجھتے ہیں، اس ضعف اور کمزوری کو جانتے ہوئے جو ان روایات میں ہے (میرے گمان میں) ان لوگوں کو عوام الناس کے نزدیک تکثیر حدیث کا جذبہ ہی اُبھارتا ہے ان احادیث کو روایت کرنے پر اور ان کی طرف التفات کرنے پر اور (وہ بات) اس لئے ہے کہ کہا جائے فلاں محدث نے کس قدر حدیثیں جمع کی ہیں اور ان کی کس قدر تصانیف ہیں اور جو شخص فن حدیث میں یہ نقطۂ نظر رکھتا ہے اور یہ راستہ اپناتا ہے اس کا فن حدیث میں کوئی حصہ نہیں ہے اور وہ شخص عالم کہلانے کے بجائے ''جاہل'' کہلانے کا زیادہ مستحق ہے۔

## تشریح

''واسما الزموا انفسھم'' اس عبارت سے لیکر باب الاحتجاج بالحدیث المعنعن تک امام مسلم نے جو کلام پیش فرمایا ہے میں اس کا سرسری خلاصہ نقل کرتا ہوں تا کہ میرے لئے آسانی ہو اور پڑھنے والوں کے لئے کچھ فائدہ ہو، امام مسلم فرماتے ہیں کہ محدثین نے اپنے اوپر لازم کیا ہوا ہے اور انہوں نے اس پر فتوی بھی دیا ہے کہ وہ احادیث بیان کرنے والے راویوں پر تنقید کریں گے اور ان کے عیوب اور کمزوریوں کو ظاہر کریں گے کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے حلال وحرام کا قصہ ہے اگر ایک نا اہل محدث غلط سلط حدیثیں جاری کریگا تو عوام کالانعام اس سے شریعت بنادیں گے اور اس پر عمل کریں گے جس کا اثر دینی معاملات میں حلال وحرام، اوامر ونواہی اور جائز وناجائز پر پڑے گا کیونکہ حدیث کے نام سے جو مسلمان کوئی بات سنے گا تو وہ اس پر عمل کریگا تو ایک نا اہل محدث جب جانتے ہوئے ضعیف روایتوں کے بیان کرنے پر اقدام کریگا تو یقیناً وہ خود بھی گناہ گار ہوگا اور اس پر عمل

کرنے والے بھی گناہ گار ہونگے حالانکہ صحیح احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے جو مسلمانوں کے لئے کافی ہے تو اس طرح من گھڑت روایات نقل کرنے کی آخر ضرورت کیا ہے؟ امام مسلم فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں اس طرح من گھڑت روایات کے انبار لگانے میں ان لوگوں کی خواہش دراصل یہ ہوتی ہے کہ عوام الناس کے ہاں ان کی کثرت احادیث کا چرچا ہو اور لوگ واہ واہ کرنے لگ جائیں کہ دیکھو جی دیکھو فلاں محدث نے کتنی حدیثیں جمع کر دی ہیں! اس نے تو کمال کیا کہ احادیث کا انبار لگا دیا! امام مسلم فرماتے ہیں کہ جن علماء اور محدثین کا یہ خیال اور یہ نظریہ ہے وہ تو ناکام ہیں عالم نہیں ہیں بلکہ ان کو عالم کہنے سے بہتر یہ ہے کہ ان کو جاہل کہا جائے۔ ''الحظ'' حصہ اور قسمت اور فائدہ کو کہتے ہیں ''معدن'' سونے چاندی کی کان کو کہتے ہیں ''الغاش'' دھوکہ دینے والا دھوکہ باز ''القناعة'' قناعہ کفایت کے معنی میں ہے یعنی جس آدمی کی بات کو کافی سمجھا جائے اور اس پر اعتماد آجائے۔ ''اذ الاخبار'' اس میں اذ تعلیلیہ ہے اخبار خبر کی جمع ہے، امام مسلمؒ نے خبر کا لفظ صحیح حدیث کے لئے بار بار استعمال فرمایا ہے ''اقدم'' یہ فعل ہے اور من عرفہ اس کا فاعل ہے ''لغیرہ'' یہ لم یبین کے ساتھ متعلق ہے ''ممن جهل'' یہ ظرف مستقر ہو کر لغیرہ کے لئے صفت ہے ''کان آثما'' فاذا کان الراوی شرط ہے اور یہ جملہ جزاء واقع ہے ''آثما'' کان کے لئے خبر اول ہے اور غاشا خبر ثانی ہے۔ ''یعرج'' تعریج سے ہے اعتماد و بھروسہ کے معنی میں ہے ''یعتد'' اعتبار کرنے کے معنی میں ہے ''توهن'' یہ باب تفعل سے ہے کمزور اور ضعیف کے معنی میں ہے ''المذهب'' چلنے کے راستے کو کہتے ہیں اس سے مذہب اسلام مراد نہیں ہے بلکہ چلنے کے راستے کو کہتے ہیں اور حدیث میں ایک رائے قائم کرنے کو کہتے ہیں جیسے هذا مذهب ابی حنیفه یعنی اس حدیث میں ابو حنیفہؒ اس راستے پر گئے ہیں، امام شافعی اس راستے پر گئے ہیں غیر مقلد حضرات جب مذہب کا نام سنتے ہیں تو چلتے ہیں کہ دیکھو احناف نے الگ مذہب بنایا ہے یہ ان حضرات کی عدم واقفیت کی دلیل ہے۔

## بَابُ صِحَّةِ الْاِحْتِجَاجِ بِالْحَدِيْثِ الْمُعَنْعَنِ الخ

## حدیث معنعن سے استدلال کرنے کا بیان

وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ مُنْتَحِلِي الْحَدِيْثِ مِنْ اَهْلِ عَصْرِنَا فِي تَصْحِيْحِ الْاَسَانِيْدِ وَتَسْقِيْمِهَا بِقَوْلٍ لَوْ ضَرَبْنَا عَنْ حِكَايَتِهِ وَذِكْرِ فَسَادِهِ صَفْحًا لَكَانَ رَأْيًا مَتِيْنًا وَمَذْهَبًا صَحِيْحًا اِذِ الْاِعْرَاضُ عَنِ الْقَوْلِ الْمُطَّرَحِ اَحْرٰى لِاِمَاتَتِهِ وَاِخْمَالِ ذِكْرِ قَائِلِهِ وَاَجْدَرُ اَنْ لَا يَكُوْنَ ذٰلِكَ تَنْبِيْهًا لِلْجُهَّالِ عَلَيْهِ غَيْرَ اَنَّا لَمَّا تَخَوَّفْنَا مِنْ شُرُوْرِ الْعَوَاقِبِ وَاغْتِرَارِ الْجَهَلَةِ بِمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ۔ وَاِسْرَاعِهِمْ اِلٰى اِعْتِقَادِ خَطَأِ الْمُخْطِئِيْنَ وَالْاَقْوَالِ السَّاقِطَةِ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ رَاَيْنَا الْكَشْفَ عَنْ فَسَادِ قَوْلِهِ وَرَدَّ مَقَالَتِهِ بِقَدْرِ مَا يَلِيْقُ بِهَا مِنَ الرَّدِّ اَجْدٰى عَلَى الْاَنَامِ وَاَحْمَدَ لِلْعَاقِبَةِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔

اور تحقیق ہمارے زمانہ کے بعض نام نہاد محدثین نے سندوں کو صحیح اور ضعیف قرار دینے کے سلسلہ میں ایسی بات کہی ہے کہ

اگر ہم اعراض کرتے اس کو نقل کرنے سے اور اس کا فساد ظاہر کرنے سے تو ہوتی وہ پختہ رائے اور صحیح مذہب کیونکہ مردود نظریہ سے اعراض کرنا زیادہ لائق ہے اس کو دفن کرنے کے لئے اور صاحب نظریہ کا نام مٹانے کے لئے اور زیادہ سزاوار ہے (اس بات کے) کہ وہ (تذکرہ) جاہلوں کی آگاہی کا سبب نہ بنے، مگر جب ہم نے خطرہ محسوس کیا انجام کی خرابی کا، اور جاہلوں کے دھوکہ میں آنے کا نئی باتوں سے اور ان کے جلد معتقد ہو جانے کا، خطا کاروں کی خطاء کا اور ان اقوال کا جو علماء کے نزدیک ناقابل اعتبار ہیں تو ہم نے لوگوں کے لئے مفید سمجھا اس قول کے فساد کو ظاہر کرنا، اور اس کی بات کی تردید کرنا جتنی تردید اس کے لئے ضروری ہے اور ہم نے (اس کو) قابل ستائش جانا انجام کے لیے، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

## تشریح

"وقد تکلم بعض منتحلی الحدیث" باب افتعال سے انتحال جھوٹی نسبت کو کہتے ہیں یعنی کسی دوسرے شخص کا کلام اپنی طرف منسوب کرنا یا کسی ایک کا کلام ہے اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی طرف منسوب کرنا، اس علمی چوری کو انتحال کہتے ہیں یہ لفظ زیادہ تر اشعار کی چوری کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں اس لفظ کا اطلاق ایسے محدث پر کیا گیا ہے جو خود محدث ہونے کا بڑا دعویدار ہو لیکن وہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہو، گویا ایک شخص فن حدیث کا اہل نہیں ہے لیکن وہ فنِ حدیث کے ماہر ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ اس کلام میں امام مسلم نے انتہائی سخت قلم چلایا ہے۔

اب یہاں دو اہم بحثیں ہیں ایک بحث یہ ہے کہ اصل نزاع اور اختلاف کس مسئلہ میں ہے؟ دوسری بحث یہ ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ کی شدید تنقید کا نشانہ کون لوگ ہیں؟ میں انہی دو مباحث کو واضح کرنا چاہتا ہوں:

## پہلی بحث

اصل نزاع اور اختلاف حدیث معنعن میں ہے کہ آیا یہ متصل حدیث کے حکم میں ہے یا منقطع کے حکم میں ہے حدیث معنعن کی تعریف یہ ہے کہ اصول حدیث کی اصطلاح میں حدیث معنعن اس کو کہتے ہیں جس کی سند میں اول سے آخر تک لفظ عن آیا ہو جیسے "حدثنا فلان عن فلان الخ" بیان کرنے والے راوی کو مُعَنْعِن کہتے ہیں اور اس طرح حدیث کو مُعَنْعَن اور اس طرز کو عنعنہ کہتے ہیں۔ حدیث کے طرز بیان میں ایک طرز "ان" کے ساتھ بھی ہے کہ اول سے آخر تک سند میں لفظ "ان" استعمال کیا گیا ہو، اس طرح کی حدیث کو "مُؤنّن" کہتے ہیں، کبھی طرز حدیث سمعت کے الفاظ سے بیان کیا جاتا ہے کبھی قال کے الفاظ سے بیان کیا جاتا ہے کہ اول سے آخر تک سند میں "سمعت" یا "قال" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہوں اب اختلاف اس میں ہے کہ آیا حدیث معنعن متصل کے حکم میں ہے یا منقطع کے حکم میں ہے اس میں چار صورتیں ہیں تین صورتوں میں محدثین کا اتفاق ہے کہ حدیث منقطع ہے چوتھی صورت میں اختلاف ہے اور وہی صورت محلِ نزاع ہے چاروں صورتیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ پہلی صورت:۔ اگر راوی اور مروی عنہ کا زمانہ الگ الگ ہے اور یہ راوی عَنْ کے ساتھ نقل کرتا ہے تو یہ حدیث بالاتفاق منقطع ہے۔
۲۔ دوسری صورت:۔ اگر راوی اور مروی عنہ کا زمانہ ایک ہے لیکن تمام محدثین کے ہاں عدم لقاء ثابت ہے اور یہ راوی عن کے ساتھ نقل کرتا ہے یہ بھی منقطع کے حکم میں ہے۔
۳۔ تیسری صورت:۔ اگر راوی اور مروی عنہ کا زمانہ ایک ہے اور عدم لقاء کی تصریح بھی نہیں لیکن راوی شیخ مدلس ہے یہ بھی منقطع کے حکم میں ہے۔ یہ تینوں صورتیں بالاتفاق منقطع ہیں۔
۴۔ چوتھی صورت:۔ اگر راوی اور مروی عنہ کا زمانہ ایک ہے اور عدم لقاء کی تصریح بھی نہیں ہے اور ثبوت بھی نہیں ہے صرف لقاء کا امکان ہے اس صورت میں امام مسلم رحمہ اللہ اور دیگر محدثین کے درمیان اختلاف ہے جس کی تفصیل کچھ دیر بعد آرہی ہے لیکن یہاں حدیث معنعن میں دیگر کچھ اقوال بھی ہیں جو مرجوح اور نامقبول ہیں، ان اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ عنعنہ کے ساتھ نقل کی جانے والی حدیث مطلقاً غیر مقبول ہے کیونکہ اس میں انقطاع کا احتمال بہرحال موجود ہے یہ قول باطل ہے کیونکہ احادیث صحیحہ کا بڑا ذخیرہ عنعنہ کے ساتھ بھی منقول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ راوی اور مروی عنہ کے درمیان طویل ملاقات اور صحبت عنعنہ کی قبولیت کے لئے شرط ہے یہ قول بھی باطل ہے۔ معنعن کی ان تفصیلات کے بعد یہ سمجھ لینا چاہئے کہ چوتھی صورت محل نزاع اور باعث اختلاف ہے کہ آیا حدیث معنعن متصل کے حکم میں ہے یا منقطع کے حکم میں ہے:

## امام بخاریؒ کا موقف

امام بخاریؒ، علی بن مدینیؒ اور ابو بکر صیرفیؒ وغیرہ کے نزدیک حدیث معنعن منقطع کے حکم میں ہے جب تک ایک آدھ بار زندگی میں راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات کا ثبوت نہ ہو یہ حدیث منقطع رہے گی امکان لقاء کافی نہیں ہے بلکہ اتصال حدیث کے لئے حقیقی ملاقات ضروری ہے۔

## امام مسلمؒ کا موقف

امام مسلم رحمہ اللہ کے نزدیک اتصال حدیث کے لئے امکان لقاء کافی ہے حقیقی ملاقات کی نہ ضرورت ہے اور نہ یہ شرط ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنے مقدمۂ مسلم میں ان لوگوں پر شدید تنقید کی ہے جو اتصال حدیث کے لئے امکان لقاء کا انکار کرتے ہیں۔ امام مسلم نے اس سے استدلال کیا ہے کہ تمام محدثین نے کہیں بھی اتصال حدیث کے لئے ثبوت لقاء کی شرط نہیں لگائی ہے نہ کہیں اس کا ذکر موجود ہے تو ثبوت لقاء کا یہ من گھڑت قول کون کہاں سے اٹھا کر لایا ہے؟ امام مسلم نے دوسرا استدلال اس سے پیش کیا ہے کہ تابعین نے صحابہ کرام سے عنعنہ کے ساتھ بہت ساری روایات نقل فرمائی ہیں اور ائمہ حدیث نے اسکو قبول کرلیا ہے حالانکہ وہاں صرف امکان لقاء ہے حقیقی لقاء نہیں ہے تم کچھ انتظار کرو میں مکرر سہ کرر چند مثالیں پیش کرونگا تمہارا دماغ روشن ہوجائے گا۔

# مختلف اقوال میں محاکمہ

حدیث معنعن کی بحث میں ان مختلف اقوال میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ایک فیصلہ کن محاکمہ پیش کیا ہے: فرماتے ہیں کہ جن حضرات نے مطلقاً حدیث معنعن پر انقطاع کا حکم لگایا ہے انہوں نے تشدد سے کام لیا ہے اور جنہوں نے طویل ملاقات اور طویل صحبت کی شرط لگائی ہے انہوں نے بھی تشدد سے کام لیا ہے اور جنہوں نے صرف معاصرت کو کافی سمجھا اور امکانِ لقاء کو اتصال کے لئے معیار قرار دیا تو انہوں نے تساہل سے کام لیا معتدل اور متوسط طریقہ وہی ہے جو امام بخاری اور ان کے استاد علی بن مدینی نے اپنایا ہے کہ کم از کم زندگی میں ایک بار ملاقات اتصال حدیث کے لئے ضروری ہے۔ علامہ نوویؒ اور ابن رجب حنبلیؒ کی رائے بھی یہی ہے جو ابن حجرؒ کی رائے ہے کہ امام بخاری کا مسلک راجح ہے۔ محاکمہ و معادلہ کے ان اقوال کے پیش نظر یہاں چند اشعار نقل کرتا ہوں جو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے بنا کر پیش فرمائے ہیں:

تَنَازَعَ قَوْمٌ فِي الْحَدِيْثِ الْمُعَنْعَنِ ... فَقَدْ قِيْلَ مَوْصُوْلٌ وَ قَدْ قِيْلَ مُرْسَلُ

فَجُمْهُوْرُ اَهْلِ الْعِلْمِ قَدْ شَرَطُوْا اللِّقَاءَ ... وَ ذَا عَنْ عَلِيٍّ وَالْبُخَارِيِّ يُنْقَلُ

وَيَكْفِيْهِ اِمْكَانُ اللِّقَاءِ عِنْدَ مُسْلِمٍ ... وَقَلْبِيْ اِلٰى قَوْلِ الْبُخَارِيْ اَمْيَلُ

فَاِنَّ اللِّقَاءَ فِيْهِ الشِّفَاءُ وَ سَكِيْنَةٌ ... وَسَلْوَانُ قَلْبٍ ضَيِّقٍ يَتَمَلْمَلُ

# دوسری بحث

دوسری بحث اس میں ہے کہ اس پُر تشدد کلام میں امام مسلم رحمہ اللہ کی تنقید کا نشانہ کون لوگ ہیں؟

۱۔ تو عام خیال یہ ہے کہ امام مسلم کے اس کلام کا نشانہ امام بخاری اور علی بن مدینی ہیں۔

۲۔ علامہ بلقینی رحمہ اللہ اور حافظ ابن کثیرؒ کی رائے یہ ہے کہ اصل تنقید علی بن مدینی پر ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک حدیث معنعن لقاء کے بغیر صحیح ہی نہیں ہے جبکہ امام بخاری کے نزدیک صحیح تو ہے لیکن انہوں نے اس طرح کی حدیث اپنی کتاب بخاری میں نقل نہیں کی ہے اس طرز کے اپنانے سے امام بخاری ضمنی طور پر امام مسلم کے کلام کے زد میں آ گئے قصداً و ارادۃً نہیں۔

۳۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنے زمانے کے معمولی درجے کے کچھ محدثین پر رد کیا ہے ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ امام بخاری اور ان کے مایہ ناز استاد علی بن مدینی یا کسی اور بڑے محدث کی رائے بھی یہی تھی۔ لہٰذا امام مسلم نے ان حضرات پر قصداً رد نہیں کیا اور وہ ایسا کیسے کر سکتے تھے جبکہ امام مسلم ان کے بڑے وفادار اور تابعدار تھے ان کی خاطر امام مسلم نے شیخ ذھلی سے تعلق توڑ دیا اور ان سے روایت لینا چھوڑ دی، وہ اپنے اساتذہ کا بے حد احترام کرتے تھے اس طرح کا قلم استاذوں پر چلانا ممکن نہیں ہے۔ بہر حال حافظ ابن کثیر اور علامہ بلقینی اور حضرت گنگوہی کی رائے قریب قریب ہے۔

۴۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ امام مسلم کی تنقید ابوبکر صیرفیؒ اور اس زمانہ کے کچھ گمنام محدثین پر ہے۔
بہر حال جو کچھ بھی ہو یہ غیرت ایمانی اور حمیت شرعی ہے رضاء الٰہی کی خاطر ایسا کرنے میں ان شاء اللہ امام مسلمؒ ماجور ہوں گے۔
ویسے علامہ ذہبی نے لکھا ہے (جو اس سے پہلے میں نے حوالہ کے ساتھ نقل بھی کیا ہے) کہ امام مسلم کے مزاج میں سختی تھی شاید یہ اسی کا نتیجہ ہو، نیز یہ احتمال بھی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے قصداً اپنی پوری کتاب صحیح بخاری میں ایک بار بھی امام ابوحنیفہ کا نام نہیں لیا اور وقال بعض الناس میں بعض مواضع میں ایسی شدید تنقید فرمائی ہے جس سے وہم ہو جاتا ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ کو مسلمان بھی سمجھتے ہیں یا نہیں؟ کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ بدلہ امام بخاری کے شاگرد کے ذریعہ سے چکا دیا ہو، چنانچہ اس تنقید کے علاوہ امام مسلم نے اپنی پوری کتاب میں اپنے مایہ ناز استاذ محمد بن اسماعیل بخاری کا نام تک نہیں لیا اور نہ صحیح مسلم میں ان سے کوئی روایت نقل کی ہے جبکہ یہ ان کے خصوصی شاگردوں میں سے ہیں۔
"تستقبحها" بیمار قرار دینا اس سے سند حدیث کو ضعیف قرار دینا مراد ہے "ضربنا صفحا" سے مراد اعراض کرنا ہے "متینا" پختہ رائے "المطرح" باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بے توجہی کے ساتھ کسی بات کو کسی گوشہ میں پھینکنے کو کہتے ہیں مراد قول ساقط ہے "احری" زیادہ لائق اور مناسب کے معنی میں ہے "اماتته" مارنے کے معنی میں ہے مراد دفن کرنا اور مٹانا ہے کیونکہ باطل کو چھیڑنے سے وہ زندہ ہو جاتا ہے۔ "اخمال" خمول سے ہے گمنام بنانا، بے قدر کرنا "اجدر" لائق اور مناسب کے معنی میں ہے "تخوفنا" ڈرانا گھبرانا "اغترار" دھوکہ کھانا "الاقوال الساقطة" گرے پڑے اقوال، اس کا عطف اعتقاد پر ہے "اجدی" زیادہ نافع کے معنی میں ہے گویا "احمد" اس کی تفسیر ہے۔

وَزَعَمَ الْقَائِلُ الَّذِي افْتَتَحْنَا الْكَلَامَ عَلَى الْحِكَايَةِ عَنْ قَوْلِهِ وَالْإِخْبَارِ عَنْ سُوءِ رَوِيَّتِهِ اَنَّ كُلَّ إِسْنَادٍ لِحَدِيْثٍ فِيْهِ فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ وَقَدْ اَحَاطَ الْعِلْمُ بِاَنَّهُمَا قَدْ كَانَا فِي عَصْرٍ وَاحِدٍ وَجَائِزٌ اَنْ يَكُوْنَ الْحَدِيْثُ الَّذِي رَوَى الرَّاوِيُّ عَمَّنْ رَوَى عَنْهُ قَدْ سَمِعَهُ مِنْهُ وَشَافَهَهُ بِهِ غَيْرَ اَنَّهُ لَا نَعْلَمُ لَهُ مِنْهُ سَمَاعًا وَلَمْ نَجِدْ فِي شَيْءٍ مِنَ الرِّوَايَاتِ اَنَّهُمَا الْتَقَيَا قَطُّ اَوْ تَشَافَهَا بِحَدِيْثٍ اَنَّ الْحُجَّةَ لَا تَقُوْمُ عِنْدَهُ بِكُلِّ خَبَرٍ جَاءَ هٰذَا الْمَجِيْءَ حَتّٰى يَكُوْنَ عِنْدَهُ الْعِلْمُ بِاَنَّهُمَا قَدِ اجْتَمَعَا مِنْ دَهْرِهِمَا مَرَّةً فَصَاعِدًا اَوْ تَشَافَهَا بِالْحَدِيْثِ بَيْنَهُمَا اَوْ يَرِدَ خَبَرٌ فِيْهِ بَيَانُ اجْتِمَاعِهِمَا وَتَلَاقِيْهِمَا مَرَّةً مِنْ دَهْرِهِمَا فَمَا فَوْقَهَا فَاِنْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ عِلْمُ ذٰلِكَ وَلَمْ تَاْتِ رِوَايَةٌ صَحِيْحَةٌ تُخْبِرُ اَنَّ هٰذَا الرَّاوِيَ عَنْ صَاحِبِهِ قَدْ لَقِيَهُ مَرَّةً وَسَمِعَ مِنْهُ شَيْئًا لَمْ يَكُنْ فِي نَقْلِهِ الْخَبَرَ عَمَّنْ رَوَى عَنْهُ عِلْمُ ذٰلِكَ وَالْاَمْرُ كَمَا وَصَفْنَا حُجَّةٌ وَكَانَ الْخَبَرُ عِنْدَهُ مَوْقُوْفًا حَتّٰى يَرِدَ عَلَيْهِ سَمَاعُهُ مِنْهُ لِشَيْءٍ مِنَ الْحَدِيْثِ قَلَّ اَوْ كَثُرَ فِي رِوَايَةٍ مِثْلِ مَا وَرَدَ۔

اور گمان کیا اُس قائل نے جس کی بات نقل کرنے کے لئے اور جس کی بدفکری کی اطلاع دینے ـــ لئے ہم نے کلام

کا آغاز کیا ہے کہ حدیث کی ہر وہ سند جس میں فلان عن فلان ہو درآنحالیکہ یقینی طور پر ہمارے علم میں یہ بات ہو کہ وہ دونوں (یعنی راوی اور مروی عنہ) ایک زمانہ میں تھے اور ممکن ہو کہ راوی نے مروی عنہ سے جو حدیث روایت کی ہے وہ اس سے سنی ہو اور اس سے زودرزو لی ہو، مگر ہمیں راوی کا مروی عنہ سے سماع معلوم نہ ہو، اور نہ کسی روایت میں یہ بات ہمیں ملی ہو کہ وہ دونوں کبھی ملے ہیں یا انہوں نے کوئی حدیث زودرزو لی دی ہے (بہرکیف اس نے گمان کیا) کہ استدلال درست نہیں ہے اس شخص کے نزدیک ہر اس حدیث سے جو اس طرح آئی ہو، تا آنکہ اس کو معلوم ہو کہ وہ دونوں زندگی میں ایک بار یا متعدد بار مل چکے ہیں، یا انہوں نے حدیث رودرزو لی دی ہے یا کوئی ایسی روایت آئے جس میں ان دونوں کے زندگی میں ایک بار یا متعدد بار اکٹھا ہونے اور ملنے کی وضاحت ہو۔ پس اگر اس شخص کو اس بات کا علم نہ ہو اور نہ کوئی روایت ایسی آئی ہو، جو بتاتی ہو کہ اپنے رفیق (یعنی استاذ) سے روایت کرنے والا یہ راوی یقیناً اس سے ایک بار ملا ہے اور اس سے کوئی حدیث سنی ہے تو اس راوی کے حدیث نقل کرنے میں اُس استاذ سے جس سے وہ یہ روایت کرتا ہے۔ درآنحالیکہ صورت حال وہ ہو جو ہم نے بیان کی کوئی حجت نہ ہوگی، اور حدیث اُس شخص کے نزدیک موقوف ہوگی یہاں تک کہ اُس شخص کو راوی کا مروی عنہ سے حدیث سننا پہنچے خواہ وہ سماع کم ہو یا زیادہ کسی ایسی روایت کے ذریعہ، جو وارد ہونے والی روایت کے ہم پلہ ہو (یعنی وہ روایت جس میں سماع کا ذکر ہے سند کے اعتبار سے اس موقوف روایت کے ہم پلہ ہو، ضعیف نہ ہو)۔

## تشریح

''وزعم القائل'' امام مسلم کی اس عبارت میں حشو اور تطویل تکرار اور تعقید ہے اس کو سمجھنے کے لئے خلاصہ کی ضرورت ہے تو اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مسلم فرماتے ہیں کہ جن نام نہاد محدثین کی تردید کے لئے ہم نے کلام شروع کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ کسی بھی سند میں اگر فلان عن فلان عنعنہ موجود ہو اس سند اور اس حدیث کا کوئی اعتبار نہیں ہے حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ راوی اور مروی عنہ دونوں کا زمانہ ایک ہے اور ملاقات ممکن اور جائز ہے اور آمنے سامنے راوی کا مروی عنہ سے سماع اور مشاہدہ کا امکان ہے صرف اتنی بات ہے کہ ہم کو سماع کا پتہ نہیں ہے اور کوئی خارجی روایت بھی ایسی نہیں ہے جس سے سماع کا پتہ چل جائے مگر یہ باطل پرست اس پر بضد ہیں کہ نہیں نہیں جب تک ہمیں ان دونوں کی ملاقات کا یقینی علم نہ ہو یا کسی خارجی روایت سے ان کی ملاقات کی تائید نہ ہوتی ہو ہم نہیں مانیں گے! بالکل نہیں مانیں گے! یہ باطل پرست نام نہاد محدثین کہتے ہیں کہ اگر ان دونوں میں نہ ملاقات ثابت ہو اور نہ کوئی ایسی صحیح روایت موجود ہو جو یہ بتادے کہ ان کی ملاقات ہوئی ہے تو ایسی روایت نہ حجت ہے نہ قابل استدلال ہے بلکہ موقوف ہے۔

اس پوری عبارت میں تین جملے ہیں: پہلا جملہ ''وزعم'' سے ''فمافوقها'' تک ہے۔ دوسرا جملہ ''لم یکن سے حجة'' تک ہے

اور تیسرا جملہ ''وکان الخبر'' سے آخر کلام تک ہے۔ ''سوء رویتہ'' بدفکری اور غلط انداز کو کہتے ہیں عبارت میں کل اسناد ''ان'' کا اسم ہے اور ان الحجۃ اس کی خبر ہے یہ پہلے جملے کی وضاحت ہے پھر تکرار سے بھری ہوئی اس عبارت کے دوسرے جملے میں ''فان لم یکن'' کی عبارت فعل شرط ہے اور ''لم یکن فی نقلہ'' جزاء شرط ہے پھر ''لم یکن'' کے لئے فی نقلہ الخبر خبر مقدم ہے اور حجۃ اس کا اسم مؤخر ہے اس عبارت میں علم ذلک کا لفظ ہے جس سے مطلب بہت پیچیدہ ہوگیا مگر مسلم کے بعض نسخوں میں علم کا لفظ نہیں ہے وہ بہت اچھا ہے ''مثل ماورد'' کا مطلب یہ ہے کہ سند کے اعتبار سے یہ روایت اس موقوف روایت کی ہم پلہ ہو اس سے ضعیف نہ ہو۔

بہرحال امام مسلم نے بہت ہی عمدہ کلام کیا ہے مگر یہ ایک نصیحت ہے اس کلام سے مقابل مخاطب کو خاموش کرنا بہت مشکل ہے تو مقابل کیسے مطمئن ہوگا؟ کیونکہ اس کلام میں قانونی گرفت نہیں ہے۔

وَهٰذَا الْقَوْلُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فِي الطَّعْنِ فِي الْاَسَانِيْدِ قَوْلٌ مُخْتَرَعٌ مُسْتَحْدَثٌ غَيْرُ مَسْبُوْقٍ صَاحِبُهُ اِلَيْهِ وَلَا مُسَاعِدَ لَهُ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ عَلَيْهِ وَذٰلِكَ اَنَّ الْقَوْلَ الشَّائِعَ الْمُتَّفَقَ عَلَيْهِ بَيْنَ اَهْلِ الْعِلْمِ بِالْاَخْبَارِ وَالرِّوَايَاتِ قَدِيْمًا وَحَدِيْثًا اَنَّ كُلَّ رَجُلٍ ثِقَةٍ رَوَى عَنْ مِثْلِهِ حَدِيْثًا وَجَائِزٌ مُمْكِنٌ لَهُ لِقَاؤُهُ وَالسَّمَاعُ مِنْهُ لِكَوْنِهِمَا جَمِيْعًا كَانَا فِي عَصْرٍ وَاحِدٍ وَاِنْ لَمْ يَأْتِ فِي خَبَرٍ قَطُّ اَنَّهُمَا اجْتَمَعَا وَلَا تَشَافَهَا بِكَلَامٍ فَالرِّوَايَةُ ثَابِتَةٌ وَالْحُجَّةُ بِهَا لَازِمَةٌ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ هُنَاكَ دَلَالَةٌ بَيِّنَةٌ اَنَّ هٰذَا الرَّاوِيَ لَمْ يَلْقَ مَنْ رَوَى عَنْهُ اَوْلَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ شَيْئًا فَاَمَّا وَالْاَمْرُ مُبْهَمٌ عَلَى الْاِمْكَانِ الَّذِيْ فَسَّرْنَا فَالرِّوَايَةُ عَلَى السَّمَاعِ اَبَدًا حَتّٰى تَكُوْنَ الدَّلَالَةُ الَّتِيْ بَيَّنَّا۔

اور یہ قول اللہ تعالیٰ آپ پر مہربانی فرمائیں! سندوں پر اعتراض کے سلسلہ میں گھڑا ہوا اور نیا پیدا کیا ہوا قول ہے، اُس شخص سے پہلے کوئی اس کا قائل نہیں گذرا ہے اور نہ ائمہ حدیث میں سے کوئی شخص اس قول میں اس کا مؤید ہے اور وہ بات (یعنی اُس قول کا ایجاد بندہ ہونا) اس طرح ہے کہ مشہور قول، جو متفق علیہ ہے، اخبار واحادیث کے تمام عالموں کے نزدیک ماضی میں اور حال میں وہ یہ ہے کہ کوئی بھی ثقہ (معتبر) آدمی جس نے اپنے جیسے ثقہ آدمی سے کوئی حدیث روایت کی ہو، درآنحالیکہ اس راوی کی اس مروی عنہ سے ملاقات اور اس سے حدیث سننا ممکن ہو، بایں سبب کہ وہ دونوں ایک زمانہ میں تھے، اگرچہ کسی روایت میں کہیں اس کی صراحت موجود نہ ہو کہ ان دونوں میں ملاقات ہوئی ہے، اور نہ یہ تصریح ہو کہ ان دونوں نے منہ در منہ گفتگو کی ہے تو (بھی) روایت ثابت ہے اور اس کے ذریعے استدلال لازم ہے الا یہ کہ اس بات پر کھلی دلیل موجود ہو کہ اس راوی کی اس شخص سے جس سے وہ روایت کرتا ہے ملاقات نہیں ہوئی یا راوی نے مروی عنہ سے کچھ بھی نہیں سنا، رہی وہ صورت جس میں معاملہ غیر واضح ہو اور وہ امکان موجود ہو، جس کی ہم نے وضاحت کی ہے، تو ہمیشہ روایت سماع پر محمول ہوگی تا آنکہ وہ دلالت پائی جائے جس کی ہم نے تشریح کی ہے۔

## تشریح

''وھذا القول یرحمك اللہ'' امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کلام میں بھی وہی باتیں کی ہیں جو اس سے پہلی عبارت میں کہی گئی تھیں اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اوپر جو رائے ذکر کی گئی ہے وہ ایک خود ساختہ رائے ہے ماضی میں اس کا کوئی قائل نہیں تھا اور نہ قدیم وجدید محدثین میں سے کسی نے اس کی تائید کی ہے محدثین کی رائے تو یہ ہے کہ اگر راوی اور مروی عنہ کا زمانہ ایک ہو اور امکان لقاء ہو تو ''اسنادِ معنعن'' متصل سمجھی جائے گی اگرچہ ہمیں کسی لقاء وسماع کی صراحت کا علم نہ ہو، ہاں اگر راوی اور مروی عنہ کا زمانہ ایک نہ ہو یا دونوں میں عدم لقاء کا ثبوت ہو تو پھر وہ سند متصل نہیں ہوگی۔ لیکن جس صورت میں معاملہ مبہم ہو عدم لقاء یا لقاء کی تصریح نہ ہو اور امکان لقاء ہو تو پھر اسنادِ معنعن سماع پر محمول ہوگی، خواہ مخواہ سماع ولقاء کے ثبوت کے پیچھے پڑ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

## دلیل کا مطالبہ

فَيُقَالُ لِمُخْتَرِعِ هٰذَا الْقَوْلِ الَّذِيْ وَصَفْنَا مَقَالَتَهُ أَوْ لِلذَّابِّ عَنْهُ قَدْ أَعْطَيْتَ فِيْ جُمْلَةِ قَوْلِكَ أَنَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ الثِّقَةِ عَنِ الْوَاحِدِ الثِّقَةِ حُجَّةٌ يَلْزَمُ بِهِ الْعَمَلُ ثُمَّ أَدْخَلْتَ فِيْهِ الشَّرْطَ بَعْدُ فَقُلْتَ حَتّٰى يُعْلَمَ أَنَّهُمَا قَدْ كَانَا الْتَقَيَا مَرَّةً فَصَاعِدًا وَسَمِعَ مِنْهُ شَيْئًا فَهَلْ تَجِدُ هٰذَا الشَّرْطَ الَّذِيْ اشْتَرَطْتَهُ عَنْ أَحَدٍ يَلْزَمُ قَوْلُهُ ؟ وَإِلَّا فَهَلُمَّ دَلِيْلًا عَلٰى مَا زَعَمْتَ۔

پس کہا جائیگا اس قول کے موجد سے جس کی بات کی ہم نے وضاحت کردی ہے یا اس کے حامی سے کہ آپ نے دورانِ کلام یہ بات تسلیم کی ہے کہ ایک ثقہ آدمی کی دوسرے ثقہ آدمی سے روایت حجت ہے، اس پر عمل لازم ہے، پھر آپ نے بعد میں ایک شرط لگائی اور کہا کہ (یہ اُس وقت حجت ہے) جب ہمیں معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں (راوی اور مروی عنہ) ایک بار یا متعدد بار مل چکے ہیں اور راوی نے مروی عنہ سے کوئی حدیث سنی ہے۔ تو کیا آپ نے جو شرط لگائی ہے اس کا ثبوت کسی ایسے شخص سے پاتے ہیں جس کی بات ماننی ضروری ہو؟ اور اگر نہیں پاتے تو اپنے دعویٰ کی کوئی اور دلیل پیش کیجئے۔

## تشریح

''فیقال لمخترع ھذا القول'' خلاصہ یہ کہ ہر دعویٰ دلیل مانگتا ہے لہٰذا ہم اس باطل قول والے سے یا اس کے حامی اور دفاع کرنے والے سے دلیل طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ نے دورانِ کلام تسلیم کر لیا ہے کہ اگر راوی اور مروی عنہ دونوں ثقہ ہوں تو ان کی روایت حُجت ہے اور اس پر عمل لازم ہے پھر آپ نے ثبوت لقاء کی شرط لگائی ہے جو خود ساختہ شرط ہے تو کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ خود ساختہ شرط کسی قابل اعتماد محدث نے لگائی ہے؟ اگر آپ کے پاس نقلی دلیل نہیں ہے تو کم از کم عقلی دلیل ہی پیش کر دیں دلیل کے بغیر آپ کی بات ہم کیسے مان سکتے ہیں!

## دلیل نقلی تو نہیں ہے

فَاِنِ ادَّعٰی قَوْلَ اَحَدٍ مِّنْ عُلَمَاءِ السَّلَفِ بِمَا زَعَمَ مِنْ اِدْخَالِ الشَّرِيْطَةِ فِي تَثْبِيْتِ الْخَبَرِ طُوْلِبَ بِهٖ وَلَنْ يَّجِدَ هُوَ وَلَا غَيْرُهٗ اِلٰى اِيْجَادِهٖ سَبِيْلًا۔

پس اگر وہ شخص علمائے متقدمین میں سے کسی کے قول کا دعویٰ کرتا ہے اس بارے میں جو اس کا خیال ہے یعنی شرط بڑھانا حدیث کو پکا کرنے کے لئے تو اس سے اُس (قول) کا مطالبہ کیا جائے گا اور ہرگز نہیں پائے گا وہ اور نہ کوئی اور (اس کا حامی) ایسا قول ایجاد کرنے کی راہ۔

## تشریح

''فَاِنِ ادَّعٰی'' مدعی کے پاس اپنے دعوی پر کوئی دلیل نقلی موجود نہیں ہے کیونکہ متقدمین محدثین میں سے کسی کا قول اس کی تائید نہیں کرتا ہے بلکہ وہ کسی کا جعلی قول بھی پیش نہیں کرسکتا، پس ثابت ہوا کہ مدعی کا قول نو ایجاد، خانہ ساز اور ایجاد بندہ ہے۔

## لو! دلیل عقلی حاضر ہے

وَاِنْ هُوَ ادَّعٰی فِيْمَا زَعَمَ دَلِيْلًا يَّحْتَجُّ بِهٖ قِيْلَ لَهٗ وَمَا ذٰلِكَ الدَّلِيْلُ ؟ فَاِنْ قَالَ: قُلْتُهٗ لِاَنِّيْ وَجَدْتُّ رُوَاةَ الْاَخْبَارِ قَدِيْمًا وَحَدِيْثًا يَرْوِيْ اَحَدُهُمْ عَنِ الْاٰخَرِ الْحَدِيْثَ وَلَمَّا يُعَايِنْهُ وَلَا سَمِعَ مِنْهُ شَيْئًا قَطُّ فَلَمَّا رَاَيْتُهُمْ اِسْتَجَازُوْا رِوَايَةَ الْحَدِيْثِ بَيْنَهُمْ هٰكَذَا عَلَى الْاِرْسَالِ مِنْ غَيْرِ سَمَاعٍ وَالْمُرْسَلُ مِنَ الرِّوَايَاتِ فِيْ اَصْلِ قَوْلِنَا وَقَوْلِ اَهْلِ الْعِلْمِ بِالْاَخْبَارِ لَيْسَ بِحُجَّةٍ اِحْتَجْتُ لِمَا وَصَفْتُ مِنَ الْعِلَّةِ اِلَى الْبَحْثِ عَنْ سَمَاعِ رَاوِيْ كُلِّ خَبَرٍ عَنْ رَاوِيْهِ فَاِذَا اَنَا هَجَمْتُ عَلٰى سَمَاعِهٖ مِنْهُ لِاَدْنٰى شَيْءٍ ثَبَتَ عِنْدِيْ بِذٰلِكَ جَمِيْعُ مَا يَرْوِيْ عَنْهُ بَعْدُ فَاِنْ عَزَبَ عَنِّيْ مَعْرِفَةُ ذٰلِكَ اَوْقَفْتُ الْخَبَرَ وَلَمْ يَكُنْ عِنْدِيْ مَوْضِعَ حُجَّةٍ لِاِمْكَانِ الْاِرْسَالِ فِيْهِ۔

اور اگر وہ شخص دعویٰ کرے اپنی رائے کے سلسلہ میں کسی ایسی دلیل کا جس سے استدلال کیا جائے تو اس سے پوچھا جائیگا کہ وہ دلیل کیا ہے؟ پس اگر وہ کہے کہ میں نے یہ بات اس لئے کہی ہے کہ میں نے ماضی اور حال کے رواتِ حدیث کو پایا ہے کہ ایک دوسرے سے حدیث روایت کرتے ہیں، حالانکہ راوی نے مروی عنہ کو اب تک دیکھا نہیں ہے، نہ اس سے کبھی کچھ سنا ہے، پس جب دیکھا میں نے کہ لوگ اس طرح آپس میں بغیر سنے ارسال (انقطاع) کے ساتھ حدیث روایت کرنے کو جائز سمجھتے ہیں حالانکہ مرسل (منقطع) روایتیں ہمارے اصلی قول میں اور حدیث شریف کا علم رکھنے والوں کے اصلی قول میں حجت نہیں ہیں، تو مجھے ضرورت محسوس ہوئی اس خرابی کی وجہ سے جس کی میں نے وضاحت کی ہر حدیث کے راوی کے سماع کی تحقیق کرنے کی مروی عنہ سے، پس اگر مجھے راوی کا مروی عنہ سے سماع

کسی ایک جگہ بھی مل گیا تو میرے نزدیک اتنی بات سے اس راوی کی وہ تمام روایتیں ثابت ہو جائیں گی جو وہ مروی عنہ سے اس کے بعد روایت کرے گا، اور اگر اس کا علم مجھ سے مخفی رہ گیا تو میں حدیث کو موقوف قرار دوں گا اور وہ حدیث میرے نزدیک قابل حجت نہ ہوگی، اس روایت میں ارسال (انقطاع) کا احتمال ہونے کی وجہ سے۔

فَيُقَالُ لَهُ فَإِنْ كَانَتِ الْعِلَّةُ فِي تَضْعِيفِكَ الْخَبَرَ وَتَرْكِكَ الْاِحْتِجَاجَ بِهِ إِمْكَانَ الْإِرْسَالِ فِيهِ لَزِمَكَ أَلَّا تُثْبِتَ إِسْنَادًا مُعَنْعَنًا حَتَّى تَرَى فِيهِ السَّمَاعَ مِنْ أَوَّلِهِ إِلَى آخِرِهِ وَذَلِكَ أَنَّ الْحَدِيثَ الْوَارِدَ عَلَيْنَا بِإِسْنَادِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ فَبِيَقِينٍ نَعْلَمُ أَنَّ هِشَامًا قَدْ سَمِعَ مِنْ أَبِيهِ وَأَنَّ أَبَاهُ قَدْ سَمِعَ مِنْ عَائِشَةَ كَمَا نَعْلَمُ أَنَّ عَائِشَةَ قَدْ سَمِعَتْ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ـ وَقَدْ يَجُوزُ إِذَا لَمْ يَقُلْ هِشَامٌ فِي رِوَايَةٍ يَرْوِيهَا عَنْ أَبِيهِ "سَمِعْتُ أَوْ أَخْبَرَنِي" أَنْ يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَبِيهِ فِي تِلْكَ الرِّوَايَةِ إِنْسَانٌ آخَرُ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِيهِ وَلَمْ يَسْمَعْهَا هُوَ مِنْ أَبِيهِ لَمَّا أَحَبَّ أَنْ يَرْوِيَهَا مُرْسَلًا وَلَا يُسْنِدَهَا إِلَى مَنْ سَمِعَهَا مِنْهُ ـ وَكَمَا يُمْكِنُ ذَلِكَ فِي هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ فَهُوَ أَيْضًا مُمْكِنٌ فِي أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ وَكَذَلِكَ كُلُّ إِسْنَادٍ لِحَدِيثٍ لَيْسَ فِيهِ ذِكْرُ سَمَاعِ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ ـ وَإِنْ كَانَ قَدْ عُرِفَ فِي الْجُمْلَةِ أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ قَدْ سَمِعَ مِنْ صَاحِبِهِ سَمَاعًا كَثِيرًا فَجَائِزٌ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ أَنْ يَنْزِلَ فِي بَعْضِ الرِّوَايَةِ فَيَسْمَعَ مِنْ غَيْرِهِ عَنْهُ بَعْضَ أَحَادِيثِهِ ثُمَّ يُرْسِلَهُ عَنْهُ أَحْيَانًا وَلَا يُسَمِّي مَنْ سَمِعَ مِنْهُ وَيَنْشَطُ أَحْيَانًا فَيُسَمِّي الرَّجُلَ الَّذِي حَمَلَ عَنْهُ الْحَدِيثَ وَيَتْرُكُ الْإِرْسَالَ ـ وَمَا قُلْنَا مِنْ هَذَا مَوْجُودٌ فِي الْحَدِيثِ مُسْتَفِيضٌ مِنْ فِعْلِ ثِقَاتِ الْمُحَدِّثِينَ وَأَئِمَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَسَنَذْكُرُهُ مِنْ رِوَايَاتِهِمْ عَلَى الْجِهَةِ الَّتِي ذَكَرْنَا عَدَدًا يُسْتَدَلُّ بِهَا عَلَى أَكْثَرَ مِنْهَا إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى ـ

تو اس مدعی سے کہا جائے گا کہ اگر آپ کے نزدیک حدیث کو ضعیف قرار دینے کی اور اس سے استدلال ترک کرنے کی وجہ، اس روایت میں ارسال (انقطاع) کا احتمال ہے تو آپ پر لازم ہے کہ کسی بھی معنعن اسناد کو ثابت نہ مانیں، جب تک کہ شروع سے آخر تک اس میں سماع کی صراحت نہ دیکھ لیں۔ اور یہ بات بایں وجہ (لازم) ہے کہ هشام بن عروہ، عن ابیہ عن عائشہ کی سند سے جو حدیث ہمیں پہنچی ہے، اس کے بارے میں ہم بالیقین جانتے ہیں کہ ہشام نے اپنے والد عروہ سے سنا ہے اور یہ بھی (ہم جانتے ہیں) کہ ان کے والد عروہ نے حضرت عائشہؓ سے سنا ہے، جس طرح ہم اس بات کو بالیقین جانتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور ہو سکتا ہے کہ جب ہشام اپنی روایت میں جسے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، سمعت یا اخبرنی نہ کہیں اور اس روایت میں ہشام اور ان کے والد کے درمیان کوئی واسطہ ہو، جس نے عروہ سے سن کر ہشام کو خبر دی ہو، اور خود ہشام نے اپنے والد سے اس حدیث کو نہ سنا ہو، (یہ احتمال اس صورت میں ہے) جب ہشام نے پسند کیا ہو کہ اس روایت

کو مرسل (منقطع) بیان کریں، اور جس سے انہوں نے وہ روایت سنی ہے اس کی طرف نسبت نہ کریں (یہ ترجمہ اس صورت میں ہے کہ عبارت میں لَـمـّـا (بفتح اللام و تشدید المیم) اور مـرسـلاً (بفتح السین) ہو اور اگر لِـمـاً (بکسر اللام و تخفیف المیم) اور مرسِلاً (بکسر السین) ہو تو ترجمہ اس طرح ہوگا بایں وجہ کہ ہشام نے پسند کی ہو یہ بات کہ وہ اس حدیث کو منقطع بنا کر روایت کریں اور جس سے انہوں نے وہ روایت سنی ہے اس کی طرف نسبت نہ کریں) اور جس طرح یہ بات ہشام اور عروہ کے درمیان ممکن ہے، اسی طرح عروہ اور عائشہؓ کے درمیان بھی ممکن ہے ، اسی طرح یہ احتمال حدیث کی ہر اس سند میں ہو سکتا ہے جس میں رُوات کا ایک دوسرے سے سماع مذکور نہ ہو، اگر چہ فی الجملہ یہ بات معلوم ہو کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے استاذ سے بہت کچھ سنا ہے، تاہم ان میں سے ہر ایک کے لئے جائز ہے کہ بعض روایات میں نزول (اُتار) اختیار کرے، اور اپنے استاذ کی بعض حدیثیں بالواسطہ سنے، پھر کبھی اس روایت کو استاذ سے ارسالاً (انقطاع کے ساتھ) ذکر کرے اور جس واسطہ کے ذریعہ وہ روایت سنی ہے اس کا نام نہ لے، اور کبھی نشاط میں ہو تو اس راوی کا نام لے جس سے حدیث لی ہے اور ارسال نہ کرے اور یہ بات جو ہم نے کہی ہے معتبر محدثین اور ائمہ حدیث کے عمل سے احادیث میں بکثرت موجود اور مشہور ہے اور ابھی ہم ان کی چند روایتیں اس طرز کی جو ہم نے بیان کیا، ذکر کریں گے، جن سے اگر اللہ نے چاہا تو اور بہت سی روایتوں پر استدلال کیا جا سکے گا۔

فَمِنْ ذٰلِكَ

١ ۔ اَنَّ اَيُّوْبَ السَّخْتِيَانِيَّ وَابْنَ الْمُبَارَكِ وَوَكِيْعًا وَابْنَ نُمَيْرٍ وَجَمَاعَةً غَيْرَهُمْ رَوَوْا عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحِلِّهِ وَلِحُرْمِهِ بِاَطْيَبِ مَا اَجِدُ ۔ فَرَوٰى هٰذِهِ الرِّوَايَةَ بِعَيْنِهَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ وَدَاوٗدُ الْعَطَّارُ وَحُمَيْدُ بْنُ الْاَسْوَدِ وَوُهَيْبُ بْنُ خَالِدٍ وَاَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عُثْمَانُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔

٢ ۔ وَرَوٰى هِشَامٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اعْتَكَفَ يُدْنِيْ اِلَيَّ رَاْسَهٗ فَاُرَجِّلُهٗ وَاَنَا حَائِضٌ فَرَوَاهَا بِعَيْنِهَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔

٣ ۔ وَرَوَى الزُّهْرِيُّ وَصَالِحُ بْنُ اَبِيْ حَسَّانَ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ ، فَقَالَ يَحْيَى بْنُ اَبِيْ كَثِيْرٍ فِيْ هٰذَا الْخَبَرِ فِي الْقُبْلَةِ اَخْبَرَنِيْ اَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اَخْبَرَهٗ اَنَّ عُرْوَةَ اَخْبَرَهٗ اَنَّ عَائِشَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُقَبِّلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ ۔

٤ ۔ وَرَوَى ابْنُ عُيَيْنَةَ وَغَيْرُهٗ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ اَطْعَمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لُحُومَ الْخَيْلِ وَنَهَانَا عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ ـ فَرَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرٍو عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا النَّحْوُ فِي الرِّوَايَاتِ كَثِيرٌ يَكْثُرُ تَعْدَادُهُ وَفِيمَا ذَكَرْنَا مِنْهَا كِفَايَةٌ لِذَوِي الْفَهْمِ ـ

تو اُن روایات میں سے ہے:

(۱) ایوب سختیانی، ابن المبارک، وکیع، ابن نُمیر اور ان کے علاوہ ایک جماعت، ہشام بن عروہ سے روایت کرتی ہے، وہ اپنے والد عروہ سے، اور وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگایا کرتی تھی، احرام کھولتے وقت، اور احرام باندھتے وقت، عمدہ سے عمدہ جو خوشبو میں پاتی۔

اب بعینہ اسی روایت کو لیث بن سعد، داؤد عطار، حُمید، وُہیب اور ابواُسامہ حضرت ہشام سے روایت کرتے ہیں: ہشام نے کہا کہ مجھے عثمان نے بتایا روایت کرتے ہوئے عروہ سے، وہ حضرت عائشہؓ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں (اس سند میں عثمان کا اضافہ دلیل ہے کہ پہلی سند میں انقطاع ہے)۔

(۲) اور ہشام نے اپنے والد سے انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں ہوتے تو اپنا سر مبارک میری طرف جُھکا دیتے، میں آپ کے سر میں کنگھی کیا کرتی، درآنحالیکہ میں حائضہ ہوتی، اب بعینہ اسی روایت کو مالک بن انس امام زہری سے روایت کرتے ہیں، وہ عروہ سے، وہ عمرہ سے وہ حضرت عائشہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں۔

(اس سند میں عمرہ کا اضافہ دلیل ہے کہ پہلی سند میں ارسال ہے)۔

(۳) اور زہری اور صالح بن ابی حسان نے ابوسلمہ سے، انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں بوسہ لیتے تھے۔ اب یحییٰ بن ابی کثیر اسی قُبلہ والی روایت میں کہتے ہیں کہ مجھے ابوسلمہ نے خبر دی، ان کو عمر بن عبدالعزیز نے، ان کو عروہ نے اور ان کو حضرت عائشہؓ نے خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں ان کا بوسہ لیتے تھے (اس اسناد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت عروہ کے واسطے بڑھے ہوئے ہیں جو اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ پہلی سند میں انقطاع ہے)۔

(۴) اور ابن عیینہ وغیرہ نے عمرو بن دینار سے اور انہوں نے حضرت جابر سے روایت کی ہے، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت دی، اور گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ اب اسی حدیث کو حماد بن زید حضرت عمرو سے، وہ محمد بن علی سے، وہ حضرت جابرؓ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ (اس اسناد میں محمد بن علی کا اضافہ ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ پہلی اسناد میں انقطاع ہے) اور یہ انداز روایات میں اتنا زیادہ ہے کہ جس کے شمار میں طوالت ہے اور ان میں سے جتنی

مثالیں ہم نے ذکر کی ہیں وہ عقل مندوں کے لئے کافی ہے۔

## تشریح

''وان هو ادعی ''اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے صحت حدیث کے لئے ثبوت لقاء کی شرط لگائی ہے وہ اپنے مدعا پر اس طرح عقلی دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ راویانِ حدیث جب ایک دوسرے سے روایت بیان کرتے ہیں تو پرانے زمانے سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ وہ روایت تو کرتے ہیں لیکن انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا نہیں اور نہ آپس میں ایک دوسرے سے کچھ سنا ہے بس ارسال اور انقطاع کے ساتھ روایت چلاتے ہیں اور اس کو جائز سمجھتے ہیں حالانکہ اصولی طور پر مرسل روایت حجت اور دلیل نہیں ہے تو اس خرابی کی وجہ سے ہم مجبور ہوئے کہ ہم یہ کہہ دیں کہ راوی اور مروی عنہ کے درمیان لقاء وسماع ضروری ہے اور اس کی جانچ پڑتال کرنی چاہئے اگر اس جانچ پڑتال میں ہمیں حدیث کی سند میں کسی ایک جگہ راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات یا سماع کا پتہ چلا تو ہم اس راوی کی تمام روایات کو قبول کرلیں گے لیکن اگر سماع ولقاء کا علم ہمیں نہیں ہوا تو ہم ارسال وانقطاع کے احتمال کی وجہ سے اس کی تمام روایات کو موقوف کہیں گے اور یہ حدیث ہمارے ہاں حجت نہیں ہوگی کیونکہ اس میں ارسال وانقطاع کا احتمال ہے۔

## حدیث مرسل کی تعریف اور حکم

"المرسل ............ لیس بحجة"

مرسل ارسال سے چھوڑنے کے معنی میں ہے، مرسل کی تعریف یہ ہے کہ تابعی حدیث کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرے اور صحابی کا واسطہ چھوڑ دے مثلاً قال سعید بن المسیب: قال رسول الله صلی الله علیه و سلم مرسل کے مقبول وعدم مقبول ہونے میں کئی اقوال ہیں:

۱۔ مرسل مطلقاً حجت نہیں ہے ۲۔ مرسل مطلقاً حجت ہے ۳۔ صرف مرسل صحابی مقبول ہے اس کے علاوہ نہیں۔

۴۔ صرف قرونِ ثلاثہ کی روایت کردہ مرسل مقبول ہے اس کے علاوہ نہیں۔

۵۔ اگر مرسل صرف ثقہ راوی سے ارسال کرتا ہو خود بھی ثقہ ہو تو مقبول ہے اور اگر ثقہ اور غیر ثقہ ہر قسم کے راوی سے روایت کرتا ہے تو روایت نامقبول ہے یہ احناف کا مسلک ہے۔

۶۔ اگر مرسل روایت کی تائید میں کوئی اور روایت موجود ہو تو مقبول اور حجت ہے ورنہ نہیں ہے یہ مسلک شوافع کا ہے۔

۷۔ صرف مندوبات میں مرسل حجت ہے واجبات میں حجت نہیں ہے۔

۸۔ عیسیٰ بن ابان کے نزدیک مرسل مسند سے اقویٰ ہے کیونکہ راوی نے کمال اعتماد کی بنیاد پر واسطہ حذف کیا ہے جیسے مرسلات

امام مالک ہیں یہ قول اور قول نمبر ۲ ایک جیسے ہے یہاں تفصیل ہے۔
ان تمام اقوال میں دو قول مشہور ہیں:
پہلا قول امام مالکؒ، ابوحنیفہؒ، احمد بن حنبلؒ اور جمہور فقہاء و تابعین کا ہے کہ اگر مرسل خود ثقہ ہے اور عادل راوی سے روایت کرتا ہے تو وہ حجت ہے اور اگر غیر ثقہ سے بھی روایت کرتا ہے تو حجت نہیں ہے۔
دوسرا قول امام شافعی اور محدثین کا ہے کہ اگر مرسل روایت کی تائید میں کوئی دوسری روایت ہے تو قبول ہے ورنہ نہیں۔
بہر حال جمہور تابعین فقہاء اور اصولیین کے نزدیک ثقہ کی مرسل حجت ہے امام ابوداؤد نے اہل مکہ کے نام جو مکتوب لکھا ہے اس میں یہ الفاظ مراسیل ابی داؤد میں منقول ہیں:

"واما المراسيل فقد كان يحتج بها العلماء في مامضى مثل سفيان الثورى ومالك والاوزاعى حتى جاء الشافعي فتكلم فيها"

ابن جریر طبری کہتے ہیں:

"اجمع التابعون بأسرهم على قبول المرسل ولم يأت عنهم انكاره ولاعن احدمن الائمة بعدهم الى رأس المئتين"۔ (عمدة المفهم، ص ۵۲)

## اس دلیل کا جواب

مدعی کی اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ ارسال اور انقطاع کے احتمال سے حدیث کو ضعیف کہتے ہو اور اس کو قابل استدلال نہیں سمجھتے تو آپ پر لازم ہے کہ عنعنہ کے ساتھ نقل کردہ کسی بھی روایت کو قبول نہ کرو جب تک کہ اول سے آخر تک آپ کو سماع اور لقاء کا ثبوت نہ مل جائے۔ حالانکہ اس طرح آپ بھی نہیں کر سکتے کیونکہ جس کسی سند میں عنعنہ ہے اور سماع اور لقاء کا ثبوت نہیں ہے تو اس میں بھی احتمال ہے کہ انقطاع اور ارسال ہو حالانکہ اس طرح آپ بھی نہیں کہتے اور نہ کر سکتے ہو کیونکہ ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ ایک سند میں اگر کسی راوی کی ملاقات مروی عنہ سے ثابت ہے تو اسی کی دوسری سند اور روایت میں ارسال اور انقطاع کا احتمال موجود ہے مثال کے طور پر ہشام اپنے باپ عروہ سے اور عروہ حضرت عائشہؓ سے روایت بیان کرتا ہے تو ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ ہشام نے اپنے باپ سے سنا ہے اور سماع ثابت ہے اسی طرح عروہ نے حضرت عائشہ سے سنا ہے اور سماع ثابت ہے، جس طرح کہ حضرت عائشہ کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع قطعی طور پر ثابت ہے، اب اس میں اگر ہشام اپنے باپ عروہ سے عنعنہ کے ساتھ روایت بیان کرے اور سمعت یا اخبرنی کے الفاظ ادا نہ کرے تو اس میں احتمال ہے کہ ہشام اور عروہ کے درمیان کوئی واسطہ ہو جس کو ہشام نے کسی غرض سے چھوڑ دیا ہو گویا ہشام نے چاہا کہ اس کو مرسل بیان کرے

اور درمیان کے واسطے کو ذکر نہ کرے۔ یہی احتمال عروہ اور حضرت عائشہ کے درمیان بھی ہے تو اس طرح ثابت شدہ حقیقت ہے کہ راویان حدیث کبھی کبھی درمیان کا واسطہ گرا دیتے ہیں کیونکہ یہ لوگ کبھی نشاط میں ہوتے ہیں تو پوری سند کو رجال کے ساتھ آخر تک بیان کر دیتے ہیں جس کو نزول کہتے ہیں اور کبھی نشاط میں نہیں ہوتے ہیں تو سند سے کوئی واسطہ کاٹ دیتے ہیں جس کو صعود کہتے ہیں جبکہ سو فیصد معلوم ہے کہ جس سے عنعنہ کے ساتھ روایت بیان کر رہا ہے اس سے سماع ثابت ہے، یہ مثالیں محدثین کے طرز بیان میں موجود ہیں، مشتے از نمونہ خروارے چار مثالیں پیش خدمت ہیں:

مثلاً۔ حضرت عائشہ کی روایت "کنتُ اطیب رسول الله صلی الله علیه وسلم الخ" ایوب سختیانی وغیرہ ایک جماعت نے عن هشام عن عروة عن عائشة کے الفاظ میں نقل کیا ہے مگر بعینہ یہی روایت ابو اسامہ اور ان کی جماعت نے عن هشام عن عثمان بن عروة عن عروة عن عائشة بیان کیا ہے، یہاں عثمان کا واسطہ آگیا پہلی سند میں نہیں تھا تو کیا اس کو منقطع قرار دیا جائے گا؟

۲۔ اسی طرح ایک اور حدیث ہے:

عن هشام عن ابيه عن عائشة قالت كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا اعتكف يدني الي راسه الخ

اس روایت کو بعینہ مالک بن انس اور ان کے ساتھیوں نے عروة عن عمرة عن عائشة کے الفاظ سے بیان کیا ہے یہاں عمرہ کا واسطہ ہے پہلی روایت میں نہیں تو کیا اس کو مرسل اور منقطع کہو گے؟۔

۳۔ اسی طرح ابو سلمہ اور ان کی جماعت نے حضرت عائشہ سے یہ روایت نقل کی ہے:

كان النبي صلى الله عليه وسلم يقبل وهو صائم۔

بعینہ اسی روایت کو ابو سلمہ نے عمر بن عبد العزیز اور عروہ نے دو واسطوں سے نقل کیا ہے تو کیا پہلی والی حدیث منقطع مانی جائے گی؟

۴۔ اسی طرح سفیان بن عیینہ اور ان کی جماعت نے ایک روایت یوں بیان کی ہے:

عن عمرو بن دينار عن جابر قال اطعمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ

بعینہ اسی روایت کو حماد بن زید اور ان کی جماعت نے عن محمد بن علي عن جابر ایک اضافی واسطہ سے ذکر کیا ہے تو کیا پہلی والی روایت منقطع سمجھی جائے گی؟

اس طرح دیگر کئی مثالیں بھی موجود ہیں جو علماء پر پوشیدہ نہیں ہیں مگر عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہے۔

## بلا ضرورت تفتیش نہ کریں جواب کی مزید وضاحت

فَاِذَا كَانَتِ الْعِلَّةُ عِنْدَ مَنْ وَصَفْنَا قَوْلَهُ مِنْ قَبْلُ فِي فَسَادِ الْحَدِيثِ وَتَوْهِينِهِ اِذَا لَمْ يُعْلَمْ اَنَّ الرَّاوِيَ قَدْ سَمِعَ مِمَّنْ رَوَى عَنْهُ شَيْئًا اِمْكَانَ الْاِرْسَالِ فِيهِ لَزِمَهُ تَرْكُ الْاِحْتِجَاجِ فِي قِيَادِ قَوْلِهِ بِرِوَايَةِ مَنْ يُعْلَمُ اَنَّهُ قَدْ سَمِعَ مِمَّنْ رَوَى

عِنْدَ الْاٰفِی نَفْسِ الْخَبَرِ الَّذِیْ فِیْهِ ذِکْرُ السَّمَاعِ لِمَا بَیَّنَّا مِنْ قَبْلُ عَنِ الْاَئِمَّةِ الَّذِیْنَ نَقَلُوا الْاَخْبَارَ اَنَّهٗ کَانَتْ لَهُمْ تَارَاتٌ یُرْسِلُوْنَ فِیْهَا الْحَدِیْثَ اِرْسَالًا وَلَا یَذْکُرُوْنَ مَنْ سَمِعُوْا مِنْهُ وَتَارَاتٌ یَنْشَطُوْنَ فِیْهَا فَیُسْنِدُوْنَ الْخَبَرَ عَلٰی هَیْئَةِ مَا سَمِعُوْا فَیُخْبِرُوْنَ بِالنُّزُوْلِ فِیْهِ اِنْ نَزَلُوْا وَبِالصُّعُوْدِ فِیْهِ اِنْ صَعِدُوْا کَمَا شَرَحْنَا ذٰلِكَ عَنْهُمْ۔

وَمَا عَلِمْنَا اَحَدًا مِنْ اَئِمَّةِ السَّلَفِ مِمَّنْ یَسْتَعْمِلُ الْاَخْبَارَ وَیَتَفَقَّدُ صِحَّةَ الْاَسَانِیْدِ وَسَقَمَهَا مِثْلَ اَیُّوْبَ السَّخْتِیَانِیِّ وَابْنِ عَوْنٍ وَمَالِكِ بْنِ اَنَسٍ وَشُعْبَةَ بْنِ الْحَجَّاجِ وَیَحْیٰی بْنِ سَعِیْدٍ الْقَطَّانِ وَعَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ مَهْدِیٍّ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنْ اَهْلِ الْحَدِیْثِ فَتَّشُوْا عَنْ مَوْضِعِ السَّمَاعِ فِی الْاَسَانِیْدِ کَمَا ادَّعَاهُ الَّذِیْ وَصَفْنَا قَوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ۔

پس جب اس شخص کے نزدیک جس کا قول ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ حدیث کو ضعیف اور کمزور قرار دینے کی وجہ جب یہ بات معلوم نہ ہو کہ راوی نے مروی عنہ سے کچھ سنا ہے اس روایت میں ارسال (انقطاع) کا احتمال ہے تو اس کے قول کے مقتضی کے مطابق اس راوی کی روایت کو بھی ناقابل استدلال ہونا ضروری ہے۔ جس کے متعلق معلوم ہے کہ اس نے مروی عنہ سے سنا ہے، مستثنیٰ صرف وہ حدیث ہے جس میں سماع صراحۃً مذکور ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم پہلے ان ائمہ کے بارے میں جنہوں نے حدیثیں روایت کی ہیں بیان کر آئے ہیں کہ ان کے احوال مختلف ہوتے تھے بعض حالات میں وہ حدیث کو بالکل ہی مرسل (منقطع) روایت کرتے تھے، اور اس شخص کا نام نہیں لیتے تھے جس سے انہوں نے حدیث سنی ہوتی اور بعض حالات میں نشاط میں ہوتے تو وہ حدیث کی اسناد اس طرح بیان کرتے جس طرح انہوں نے حدیث سنی ہوتی، چنانچہ وہ حدیث کو نزول (اتر) کے ساتھ بیان کرتے تھے اگر ان کی سند نازل ہوتی اور علو کے ساتھ بیان کرتے تھے اگر ان کی سند عالی ہوتی جیسا کہ ہم اس کی تشریح (ان کی روایتوں کو بطور مثال ذکر کر کے) کر چکے ہیں۔

اور ہم کسی کو نہیں جانتے، ان ائمہ متقدمین میں سے جو حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں اور سندوں کی صحت وضعف کی پہچان بین کرتے ہیں، جیسے ایوب ختیانی، ابن عون، امام مالک، شعبہ، یحییٰ بن سعید قطان، ابن مہدی اور وہ محدثین جو ان کے بعد ہوئے، کہ انہوں نے سندوں میں سماع کے مقامات کی تفتیش کی ہو (کہ کہاں سماع ہے اور کہاں نہیں ہے؟) جیسا کہ اس شخص کا دعویٰ ہے۔ جس کا قول ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

## تشریح

"فاذا کانت العلة" خلاصہ یہ کہ امام مسلم فرماتے ہیں کہ جس شخص نے احادیث کو اس بنیاد پر ضعیف قرار دیا ہے کہ اس میں سماع کی صراحت نہیں ہے اور راوی اور مروی عنہ کے درمیان ارسال اور انقطاع کا احتمال ہے تو اس شخص پر اپنے قول کے مطابق لازم ہے کہ وہ صرف اس حدیث کو قبول کرے جس میں سماع ہو اور جس میں سماع کی صراحت نہ ہو اس کو رد کر دے حالانکہ ہم نے پہلے بیان

کیا ہے کہ راویوں کے مختلف احوال ہوتے ہیں کبھی نشاط میں ہوتے ہیں تو تمام راویوں کا نام لیتے ہیں اور کبھی دوسری کیفیت میں ہوتے ہیں تو کچھ واسطوں کو چھوڑ دیتے ہیں تو علوِ سند اور نزول سند ان کے اپنے احوال ہیں اگر واسطے زیادہ ہوگئے تو سند نازل بن گئی واسطے کم ہوگئے تو سند عالی ہوگئی یہ محدثین کے ہاں ہے، ادھر صوفیاء کرام کے سلسلوں میں جتنے واسطے زیادہ ہوتے ہیں وہ سلسلہ عالی سمجھا جاتا ہے۔ ''فی قیاد قولہ'' اس کے قول کی روشنی میں اس کے تقاضے کے مطابق تو بالکل استدلال نہیں کرنا چاہیے۔ ''الافی نفس الخبر'' یہ استثناء واقع ہے۔ ''ترک الخبر'' یعنی صرف اس روایت سے استدلال جائز ہے جس میں سماع کی تصریح ہو۔

''وماعلمنااحدا'' یعنی اکابر محدثین اور اصحاب الجرح والتعدیل کے بڑے علماء جو گزر چکے ہیں ہمیں کسی کے بارے میں معلوم نہیں ہے کہ وہ بلاضرورت سماع ولقاء کی تفتیش کیا کرتے تھے ایوب سختیانی اور ان کی جماعت کے جبال العلم کو لیجیے کہ وہ احادیث میں ہر قسم تفتیش وتلاش اور جستجو کرتے ہیں لیکن انہوں نے سماع ولقاء کی ضرورت محسوس نہیں کی، کیونکہ جب ایک ثقہ راوی دوسرے ثقہ سے نقل کرتا ہے تو اس میں بدگمانی کی کیا ضرورت ہے؟ ثقہ کا نقل کرنا آفتاب آمد دلیل آفتاب ہے۔

بہرحال امام مسلم نے جو کچھ فرمایا ہے یہ ایک وعظ ونصیحت ہے اس کی وجہ سے جرح وتعدیل کے میدان میں قانونی باریکیوں کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ہے جو حضرات لقاء وسماع کی شرط لگاتے ہیں وہ تو ہر جگہ شرط نہیں لگاتے وہ فرماتے ہیں کہ کہیں بھی ہو زندگی بھر میں ایک آدھ ملاقات ضروری ہے اور واقعی یہ بات ضروری ہے۔

## ہاں مدلس کی روایت کی تفتیش ضروری ہے

وَإِنَّمَا كَانَ تَفَقُّدُ مَنْ تَفَقَّدَ مِنْهُمْ سَمَاعَ رُوَاةِ الْحَدِيثِ مِمَّنْ رَوَى عَنْهُمْ إِذَا كَانَ الرَّاوِي مِمَّنْ عُرِفَ بِالتَّدْلِيسِ فِي الْحَدِيثِ وَشُهِرَ بِهِ فَحِينَئِذٍ يَبْحَثُونَ عَنْ سَمَاعِهِ فِي رِوَايَتِهِ وَيَتَفَقَّدُونَ ذَلِكَ مِنْهُ كَيْ تَنْزَاحَ عَنْهُمْ عِلَّةُ التَّدْلِيسِ فَمَنِ ابْتَغَى ذَلِكَ مِنْ غَيْرِ مُدَلِّسٍ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي زَعَمَ مَنْ حَكَيْنَا قَوْلَهُ فَمَا سَمِعْنَا ذَلِكَ عَنْ أَحَدٍ مِمَّنْ سَمَّيْنَا وَلَمْ نُسَمِّ مِنَ الْأَئِمَّةِ۔

اور جن ائمہ حدیث نے مروی عنہم سے رُوات حدیث کے سماع کی تفتیش کی ہے، وہ اسی صورت میں کی ہے جب راوی بیان حدیث میں تدلیس کے ساتھ معروف ہو اور تدلیس میں اس کی شہرت ہو تو اس وقت ائمہ حدیث اس کی روایت میں سماع کی تحقیق کرتے تھے اور اس راوی کے متعلق اس چیز کی جستجو کرتے تھے، تاکہ اس سے تدلیس کی خرابی دور ہوجائے مگر جو شخص غیر مدلس راوی سے اس بات کا خواہشمند ہے جیسا کہ وہ شخص کہتا ہے جس کا قول ہم نے نقل کیا ہے تو یہ بات ہم نے ائمہ حدیث میں سے کسی سے نہیں سنی، نہ ان سے جن کا ہم نے نام لیا ہے اور نہ ان سے جن کا ہم نے نام نہیں لیا ہے۔

فَمِنْ ذَلِكَ

۲۰۱۔ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ يَزِيدَ الْأَنْصَارِيَّ وَقَدْ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ رَوَى عَنْ حُذَيْفَةَ وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ

الْاَنْصَارِیَّ وَعَنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حَدِيْثًا يُسْنِدُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَيْسَ فِيْ رِوَايَتِهِ عَنْهُمَا ذِكْرُ السَّمَاعِ مِنْهُمَا وَلَا حَفِظْنَا فِيْ شَيْءٍ مِنَ الرِّوَايَاتِ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ يَزِيْدَ شَافَهَ حُذَيْفَةَ وَاَبَا مَسْعُوْدٍ بِحَدِيْثٍ قَطُّ وَلَا وَجَدْنَا ذِكْرَ رُؤْيَتِهِ إِيَّاهُمَا فِيْ رِوَايَةٍ بِعَيْنِهَا وَلَمْ نَسْمَعْ عَنْ اَحَدٍ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ مِمَّنْ مَضٰى وَلَا مِمَّنْ اَدْرَكْنَا اَنَّهُ طَعَنَ فِيْ هٰذَيْنِ الْخَبَرَيْنِ اللَّذَيْنِ رَوَاهُمَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ عَنْ حُذَيْفَةَ وَاَبِيْ مَسْعُوْدٍ بِضَعْفٍ فِيْهِمَا بَلْ هُمَا وَمَا اَشْبَهَهُمَا عِنْدَ مَنْ لَاقَيْنَا مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيْثِ مِنْ صِحَاحِ الْاَسَانِيْدِ وَقَوِيِّهَا يَرَوْنَ اِسْتِعْمَالَ مَا نُقِلَ بِهَا وَالْاِحْتِجَاجَ بِمَا اَتَتْ مِنْ سُنَنٍ وَّآثَارٍ - وَهِيَ فِيْ زَعْمِ مَنْ حَكَيْنَا قَوْلَهُ مِنْ قَبْلُ وَاهِيَةٌ مُهْمَلَةٌ حَتّٰى يُصِيْبَ سَمَاعَ الرَّاوِيْ عَمَّنْ رَوٰى وَلَوْ ذَهَبْنَا نُعَدِّدُ الْاَخْبَارَ الصِّحَاحَ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ مِمَّنْ يَهِنُ بِزَعْمِ هٰذَا الْقَائِلِ وَنُحْصِيْهَا لَعَجَزْنَا عَنْ تَقَصِّيْ ذِكْرِهَا وَاِحْصَائِهَا كُلِّهَا وَلٰكِنَّا اَحْبَبْنَا اَنْ نَنْصِبَ مِنْهَا عَدَدًا يَكُوْنُ سِمَةً لِمَا سَكَتْنَا عَنْهُ مِنْهَا -

سوان روایات میں سے ہے:

۱،۲۔ کہ عبداللہ بن یزید انصاری نے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابومسعود انصاریؓ سے روایت کی ہے، ان میں سے ہر ایک سے ایک ایک حدیث روایت کی ہے جس کو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے۔ مگر عبداللہ کی روایت میں حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابومسعود انصاریؓ سے سماع کی صراحت نہیں ہے اور نہ ہمیں کوئی ایسی روایت یاد ہے جس سے پتہ چلتا ہو کہ عبداللہ بن یزید نے حضرت حذیفہ اور حضرت ابومسعود انصاری سے منہ در منہ کبھی کوئی حدیث لی ہو اور نہ کسی معین روایت میں ہم نے ان دونوں صحابیوں کو عبداللہ کے دیکھنے کا تذکرہ پایا ہے اور ہم نے اہل علم میں سے کسی سے نہیں سنا نہ ان سے جو ہم سے پہلے گذرے اور نہ ان سے جن کو ہم نے پایا کہ اس نے ان دونوں روایتوں پر ضعیف ہونے کا اعتراض کیا ہو جن کو عبداللہ بن یزید نے حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابومسعود انصاریؓ سے روایت کیا ہے، بلکہ یہ دونوں روایتیں اور ان جیسی اور روایتیں حدیث شریف کے ان عالموں کے نزدیک جن سے ہماری ملاقات ہوئی ہے صحیح اور قوی سندوں میں سے ہیں وہ سب حضرات ان سندوں سے جو روایتیں نقل ہوئی ہیں ان کو کارآمد سمجھتے ہیں اور جو آثار و سنن ان سندوں سے آئے ہیں ان سے استدلال کے قائل ہیں درآنحالیکہ یہ روایتیں اس شخص کے خیال میں جس کا قول ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ ضعیف اور بے کار ہیں تا آنکہ وہ شخص راوی کا مروی عنہ سے سماع پائے۔

اور اگر ہم ان سب حدیثوں کو جو ائمہ فن کے نزدیک صحیح ہیں اور شخص مذکور کے نزدیک ضعیف ہیں، شمار کرنے لگیں اور احاطہ کرنے کی کوشش کریں تو ان سب کو شمار کرتے کرتے ہم تھک جائیں گے، البتہ ہم چاہتے ہیں کہ ان میں سے چند روایتیں ایسی کھڑی کردیں جو علامت بن جائیں ان روایات کے لئے جن کے بیان سے ہم خاموش رہے ہیں۔

۴۰۳۔ وَهٰذَا أَبُوْ عُثْمَانَ النَّهْدِيُّ وَأَبُوْ رَافِعٍ الصَّائِغُ وَهُمَا مِمَّنْ أَدْرَكَ الْجَاهِلِيَّةَ وَصَحِبَا أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْبَدْرِيِّيْنَ هَلُمَّ جَرًّا وَنَقَلَا عَنْهُمُ الْأَخْبَارَ حَتّٰى نَزَلَا إِلٰى مِثْلِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَذَوِيْهِمَا فَقَدْ أَسْنَدَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا وَلَمْ نَسْمَعْ فِيْ رِوَايَةٍ بِعَيْنِهَا أَنَّهُمَا عَايَنَا أُبَيًّا أَوْ سَمِعَا مِنْهُ شَيْئًا۔

۴۰۳۔ اور یہ ابوعثمان نہدی اور ابورافع صائغ ہیں جنہوں نے جاہلیت کا زمانہ پایا ہے اور بدری صحابہ اور درجہ بدرجہ نیچے کے صحابہ کی صحبت پائی ہے اور ان سے حدیثیں روایت کی ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ اور ان جیسے دوسرے صحابہ تک نیچے اتر کر روایتیں کی ہیں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک نے حضرت ابی بن کعبؓ سے ایک ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے مگر ہم نے کسی معین روایت میں یہ نہیں سنا ہے کہ ان دونوں نے حضرت ابی بن کعبؓ کو دیکھا ہے یا ان سے کچھ سنا ہے۔

## تشریح

''وانما کان تفقد من تفقد'' اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مسلم فرماتے ہیں کہ جن حضرات محدثین نے سند کے اتصال وانقطاع اور سماع وعدم سماع کی جہاں تفتیش کی ہے وہ تدلیس اور مشہور مدلسین کے بارے میں ہے تاکہ تدلیس کا دھبہ زائل ہو جائے لیکن غیر مدلسین کی اس طرح تفتیش جس طرح اس فاسد قول والے کر رہے ہیں یہ تفتیش ہم نے کسی بھی اہل جرح وتعدیل سے نہیں دیکھی ہے۔ مدلس کی ہر حدیث میں سماع کی تحقیق ضروری ہے تاکہ حدیث میں تدلیس کی خرابی دور ہو جائے لیکن جو لوگ تدلیس بالکل نہیں کرتے یا تدلیس میں مشہور نہیں ہیں ان کے بارے میں تفتیش کرنے کا ہم نے کسی سے نہیں سنا ہے۔

## تدلیس ومدلسین کی بحث

حدیث معنعن کی بحث میں ایک لفظ آیا ہے یعنی ''من عرف بالتدلیس'' اس لفظ سے تدلیس کی بحث شروع ہو جاتی ہے تدلیس باب تفعیل سے مصدر کا صیغہ ہے چھپانے اور لپیٹنے کے معنی میں ہے خاص کر بیوعات میں مبیعہ کے عیب کو چھپانے پر بولا جاتا ہے بائع جب اپنے سامان میں ناقص مال کو چھپا کر عمدہ مال دکھانے کی کوشش کرے تو یہ لغوی اعتبار سے تدلیس ہے اسی وجہ سے دلس، دجل اور دھوکہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں تدلیس یہ ہے کہ کوئی راوی کسی وجہ سے روایت میں اپنے شیخ کا نام ظاہر نہ کرے بلکہ اس کو ساقط کرے اور اپنے شیخ کے شیخ کا نام اس انداز سے ذکر کرے کہ سننے والا یہ گمان کرے کہ اس نے اس سے سنا ہے حالانکہ اس نے نہ ان سے سنا ہے اور نہ ملاقات ہوئی ہے اس عمل کے مرتکب کو مدلّس کہتے ہیں اس کی روایت مدلّس ہوتی ہے اور یہ عمل ''تدلیس'' کہلاتا ہے تدلیس حرام ہے اور اس قسم کی روایت غیر معتبر ہے، مدلّس پانچ

قسم پر ہیں تو تدلیس کی بھی پانچ قسمیں ہیں:

۱۔ ایسا مدلس جس نے زندگی میں شاذ و نادر ایک آدھ بار تدلیس کا عمل کیا ہو اس تدلیس کا کوئی اعتبار نہیں، اس کی روایت معتبر ہے جیسے یحییٰ بن سعید الانصاری رحمہ اللہ کی تدلیس ہے تو ان کا عنعنہ معتبر ہے۔

۲۔ ایسا مدلس جو تدلیس کرتا رہتا ہے لیکن وہ خود امام زمان ہے علم کا پہاڑ ہے تو اس کی روایت بھی معتبر ہے کیونکہ وہ خود ثقہ ہے اور ثقہ راویوں سے روایت کرتا ہے جیسے سفیان ثوری رحمہ اللہ ہیں یا اگر وہ مدلس خود امام زمان نہیں ہے لیکن ایسے لوگوں سے تدلیس کرے جو خود امام زمان ہوں یہ روایت بھی معتبر ہے جیسے سفیان بن عیینہ ہیں وہ خود تو امام زمان نہیں ہیں مگر جن سے روایت کرتے ہیں وہ امام زمان ہیں۔

۳۔ ایسا مدلس جو کثرت سے تدلیس کرتا رہتا ہے اس کا عنعنہ معتبر نہیں ہے۔

۴۔ ایسا مدلس ہے جو تدلیس بھی کرتا ہے اور ضعفاء اور غیر ضعفاء ہر ایک سے روایت لے رہا ہے اور عنعنہ کر رہا ہے یہ مدلس ہونے کے ساتھ ساتھ ضعیف بھی ہے اس کا عنعنہ معتبر نہیں ہے بلکہ سماع کی تصریح ضروری ہے۔

۵۔ ایسا راوی ہے جو مدلس بھی ہے اور تدلیس کے ساتھ ساتھ طعن راوی کے اسباب بھی اس میں موجود ہیں تو اس کا عنعنہ بھی قبول نہیں ہے اور سماع کی تصریح کے ساتھ کوئی روایت بھی قبول نہیں ہے مثلاً وہ رأیتُ یا سمعتُ وغیرہ الفاظ سے روایت کرے تب بھی قبول نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس راوی نے زندگی میں ایک بار تدلیس کی اس کی روایت قطعاً معتبر نہیں ہے لیکن دیگر محدثین امام شافعی کی اس رائے سے متفق نہیں ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جو راوی کثرت سے تدلیس کرتا ہے اس کی روایت معتبر نہیں اور کثرت کی اس شرط کی طرف امام مسلمؒ نے شہر بہ سے بھی اشارہ کردیا ہے وعرف بالتدلیس سے بھی اشارہ کیا ہے۔

تدلیس کی تین صورتیں اور بھی ہیں جو بہت مشہور ہیں جن کا تذکرہ بقیہ بن الولید مجروح نمبر ۲۹ پر کلام کے دوران ہو چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔ "کی تنزاح" ای تنکشف و تزول یعنی دور ہو جائے۔

## لقاء و سماع کے علم کے بغیر صحیح روایات کی سولہ مثالیں

خلاصہ یہ کہ ائمہ جرح و تعدیل ضرورت کے بغیر ثقہ راویوں کے سماع و لقاء کی تحقیق و تفتیش نہیں کرتے بلکہ معاصرت اور امکان لقاء کو کافی سمجھتے ہیں ذخیرۂ احادیث میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جن میں راویوں کا آپس میں نہ لقاء معلوم ہے نہ سماع کا پتہ چلتا ہے پھر بھی تمام محدثین ایسی روایات کو صحیح سمجھتے ہیں اور اسے قبول کرتے ہیں ایسی سولہ مثالیں ملاحظہ فرمائیں اور پھر ان لوگوں کے باطل قول پر غور کریں کہ یہ قول کتنا غلط ہے۔

۶۰۵۔ وَاَسْنَدَ اَبُوْ عَمْرٍو الشَّيْبَانِيُّ وَهُوَ مِمَّنْ اَدْرَكَ الْجَاهِلِيَّةَ وَكَانَ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا وَاَبُوْ مَعْمَرٍ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَخْبَرَةَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَيْنِ۔

اور ابوعمرو شیبانی اور وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے جاہلیت کا زمانہ پایا ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وہ جوان تھے اور ابومعمر عبداللہ بن سخبرہ ہر ایک نے دو، دو حدیثیں حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہیں۔

۷۔ وَاَسْنَدَ عُبَيْدُ بْنُ عُمَيْرٍ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا وَعُبَيْدُ بْنُ عُمَيْرٍ وُلِدَ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اور عبید بن عمیر نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے اور عبید دور نبوی میں پیدا ہوئے ہیں۔

۸۔ وَاَسْنَدَ قَيْسُ بْنُ اَبِيْ حَازِمٍ وَقَدْ اَدْرَكَ زَمَنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ هُوَ الْاَنْصَارِيُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ اَخْبَارٍ۔

اور قیس بن ابی حازم نے جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے تین مرفوع حدیثیں روایت کی ہیں۔

۹۔ وَاَسْنَدَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِيْ لَيْلٰى وَقَدْ حَفِظَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَصَحِبَ عَلِيًّا عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا۔

اور عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صحبت پائی ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے۔

۱۰۔ وَاَسْنَدَ رِبْعِيُّ بْنُ حِرَاشٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثَيْنِ۔

اور ربعی بن حراش نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے دو مرفوع حدیثیں روایت کی ہیں۔

۱۱۔ وَعَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا وَقَدْ سَمِعَ رِبْعِيٌّ مِنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ وَرَوٰى عَنْهُ۔

اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے اور ربعی نے حضرت علیؓ سے حدیث سنی ہے اور ان سے روایت بھی کی ہے۔

۱۲۔ وَاَسْنَدَ نَافِعُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ اَبِيْ شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا۔

اور نافع نے حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے۔

۱۳۔ وَاَسْنَدَ النُّعْمَانُ بْنُ اَبِيْ عَيَّاشٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ ثَلَاثَةَ اَحَادِيْثَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور نعمان نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے تین مرفوع حدیثیں روایت کی ہیں۔

۱۴۔ وَاَسْنَدَ عَطَاءُ بْنُ يَزِيْدَ اللَّيْثِيُّ عَنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا۔

اور عطاء بن یزید لیثی نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے۔

۱۵۔ وَاَسْنَدَ سُلَيْمَانُ بْنُ يَسَارٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا۔

اور سلیمان بن یسار نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے۔

۱۶۔ وَاَسْنَدَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحِمْيَرِيُّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَادِيْثَ۔

اور حمید نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کئی مرفوع حدیثیں روایت کی ہیں۔

## تشریح

''حتی نزل'' یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ سے ادنیٰ راوی سے مرفوع حدیثیں بیان کیں ''اسند'' مرفوع حدیث بیان کرنے کے لئے یہاں تمام مثالوں میں اسند کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

## سولہ مثالوں پر تبصرہ

فَكُلُّ هٰؤُلَاءِ التَّابِعِيْنَ الَّذِيْنَ نَصَبْنَا رِوَايَتَهُمْ عَنِ الصَّحَابَةِ الَّذِيْنَ سَمَّيْنَاهُمْ لَمْ يُحْفَظْ عَنْهُمْ سَمَاعٌ عَلِمْنَاهُ مِنْهُمْ فِيْ رِوَايَةٍ بِعَيْنِهَا وَلَا اَنَّهُمْ لَقُوْهُمْ فِيْ نَفْسِ خَبَرٍ بِعَيْنِهِ۔ وَهِيَ اَسَانِيْدُ عِنْدَ ذَوِي الْمَعْرِفَةِ بِالْاَخْبَارِ وَالرِّوَايَاتِ مِنْ صِحَاحِ الْاَسَانِيْدِ لَا نَعْلَمُهُمْ وَهَّنُوْا مِنْهَا شَيْئًا قَطُّ وَلَا الْتَمَسُوْا فِيْهَا سَمَاعَ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ اِذِ السَّمَاعُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ مُمْكِنٌ مِنْ صَاحِبِهِ غَيْرُ مُسْتَنْكَرٍ لِكَوْنِهِمْ جَمِيْعًا كَانُوْا فِي الْعَصْرِ الَّذِيْ اتَّفَقُوْا فِيْهِ۔

پس یہ سب تابعین جن کی نامزد صحابہ سے روایتیں ہم نے بطور مثال ذکر کی ہیں ان کے بارے میں ایسا سماع مروی نہیں ہے جسے ہم کسی معین روایت میں جانتے ہوں اور نہ کسی معین روایت میں یہ بات مروی ہے کہ ان تابعین نے ان صحابہ سے ملاقات کی ہے درآنحالیکہ یہ سب حدیثیں عارفین روایات واخبار کے نزدیک صحیح الاسانید ہیں اور ہم کسی محدث کو نہیں جانتے کہ اس نے ان روایتوں میں سے کسی کو ضعیف کہا ہو، یا سماع کی تلاش اور جستجو کی ہو کیونکہ ہر ایک کا سماع مروی عنہ سے ممکن ہے غیر معروف نہیں ہے ان سب حضرات کے ایک ہی زمانہ میں ہونے کی وجہ سے۔

## تشریح

''فکل ھؤلاء'' خلاصہ یہ کہ اوپر جن تابعین کی صحابہ کرام سے روایتوں کی سولہ مثالیں ذکر کی گئی ہیں ان تابعین کا ان صحابہ سے روایت کرنے میں کہیں بھی سماع اور لقاء کا تذکرہ نہیں ہے پھر بھی تمام محدثین کے نزدیک یہ روایتیں صحیح الاسانید ہیں آج تک کسی نے ان روایتوں کو ضعیف نہیں کہا ہے اور نہ کسی نے ثبوت لقاء کی تفتیش وجستجو کی ہے کیونکہ زمانہ ایک ہونے کی وجہ سے لقاء وسماع

ممکن ہے اور اسی امکان کو اتصال سند کے لئے کافی سمجھا گیا ہے۔

"نصبنا روایتھم" یعنی بطور مثال جن کی روایتیں ہم نے بیان کی ہیں "وھن" باب تفعیل سے کمزور کرنے کے معنی میں ہے۔

## خاتمۂ کلام

وَكَانَ هٰذَا الْقَوْلُ الَّذِیْ اَحْدَثَهُ الْقَائِلُ الَّذِیْ حَكَیْنَاهُ فِیْ تَوْهِیْنِ الْحَدِیْثِ بِالْعِلَّةِ الَّتِیْ وَصَفَ اَقَلَّ مِنْ اَنْ یُّعَرَّجَ عَلَیْهِ وَیُثَارَ ذِكْرُهُ اِذْكَانَ قَوْلًا مُحْدَثًا وَكَلَامًا خَلْفًا لَمْ یَقُلْهُ اَحَدٌ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ سَلَفَ وَیَسْتَنْكِرُهُ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلَفَ فَلَا حَاجَةَ بِنَا فِیْ رَدِّهٖ بِاَكْثَرَ مِمَّا شَرَحْنَا اِذْكَانَ قَدْرُ الْمَقَالَةِ وَقَائِلِهَا الْقَدْرَ الَّذِیْ وَصَفْنَا۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی دَفْعِ مَاخَالَفَ مَذْهَبَ الْعُلَمَاءِ وَعَلَیْهِ التُّكْلَانُ ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ۔

اور یہ قول جسے اس قائل نے ایجاد کیا ہے، جس کو ہم نے نقل کیا ہے حدیث کو کمزور کرنے کے لئے اس سبب سے جس کا اس نے ذکر کیا ہے، کم رُتبہ ہے اس سے کہ اس پر اعتماد کیا جائے اور اس کی تشہیر کی جائے، کیونکہ وہ ایک ایجاد کردہ قول اور فاسد کلام ہے جس کا متقدمین اہل علم میں سے کوئی قائل نہیں ہے اور جو لوگ بعد میں آئے وہ بھی اس قول کو اجنبی (غیر معروف) سمجھتے ہیں لہٰذا ہم نے جتنی تشریح کردی اس سے زیادہ تردید اور تشریح کی حاجت نہیں ہے کیونکہ بات کی اور اس کے قائل کی وقعت اتنی ہی ہے جتنی ہم نے بیان کی اور اللہ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے اس قول کو دفع کرنے کے لئے جو علماء کے مذہب کے خلاف ہے اور اسی پر اعتماد ہے اور تمام تعریفیں تنہا اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور رحمتیں نازل فرمائیں اللہ تعالیٰ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل پر اور ان کے صحابہ پر اور سلامتی نازل فرمائیں۔ (آمین یارب العالمین)۔

## تشریح

"وکان ھذا القول" خلاصہ یہ کہ کافی تفصیل سے جس قول کی تردید کی جارہی ہے وہ قطعاً ناقابل التفات اور ناقابل تشہیر قول ہے کیونکہ وہ ایک خانہ ساز، نو ایجاد اور فاسد کلام ہے متقدمین میں سے کوئی اس کا قائل نہیں ہے اور متاخرین بھی اس کو ناپسندیدہ اجنبی کلام سمجھتے ہیں لہٰذا اس سے زیادہ اس قول کی تردید کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ کوئی قابل قدر اور قابل اہتمام کلام نہیں نہ اسکے کہنے والا کوئی قابل قدر آدمی ہے بس متکلم اور اس کے کلام کی اتنی ہی وقعت تھی جتنا کہ ہم نے اس پر وقت صرف کیا آگے اللہ تعالیٰ ہی اس شخص کو دفع کرے جس نے عام علماء کے مسلک کے خلاف راستہ اختیار کیا و اللہ ہمارا مددگار ہے اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔

"یعرج" اعتماد کے معنی میں ہے "یثار ذکرہ" تشہیر کے معنی میں ہے "خلفا" ساقط اور فاسد کلام مراد ہے۔

تمام احباب کرام پر یہ بات واضح ہو کہ مقدمۂ مسلم اور مقدمہ سے پہلے ابتدائی مباحث کی تحریرات میں جن کتابوں کی

طرف میں نے رجوع کیا ہے اور جن کتابوں سے میں نے استفادہ کیا ہے ان میں سے چند اہم کتابوں کے نام دوبارہ لکھتا ہوں الگ الگ حوالہ جات لکھنا میں مناسب بھی نہیں سمجھتا اور وہ میرے لئے مشکل بھی ہے تو لیجئے مراجع اور حوالہ جات کا ماخذ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱)فتح الملہم(۲) نووی(۳) توضیحات(٤) عمدة المفهم(٥) فيض المنعم(٦)نعمت المنعم(٧) نصر المسلم (۸)شرح مقدمہ مسلم(۹) درس مسلم(۱۰) دروس مسلم(۱۱)اور وہ مسودہ جو میں نے صحیح مسلم پڑھاتے ہوئے تیار کیا تھا۔واضح رہے کہ اس مقدمہ کے ترجمہ میں فیض المنعم سے استفادہ کیا ہے۔ واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمة التحقیق

فقط فضل محمد غفرلہ یوسف زئی استاذ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی
حال نزیل قلندر آباد ضلع ایبٹ آباد صوبہ سرحد ہزارہ۔
جمعرات ۳ جمادی الاول ۱۴۳۲ھ / ۷، اپریل ۲۰۱۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**ایک اہم تنبیہ**

امام مسلم رحمہ اللہ کی صحیح مسلم میں کتاب الایمان سے پہلے بطور سند ایک سطر کی عبارت ہے جس میں امام مسلم رحمہ اللہ کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کے کلمات مذکور ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ الفاظ صرف صحابہ کے ساتھ خاص ہیں یا عام مسلمانوں کے لئے عام ہیں اسی طرح لفظ علیہ السلام ہے کہ آیا وہ انبیاء کے ساتھ خاص ہے یا دیگر انسانوں پر بھی بولا جاسکتا ہے اسی طرح رحمۃ اللہ علیہ کے کلمات ہیں کہ یہ کن لوگوں کے لئے استعمال کرنا چاہئے اور کن کے لئے نہیں۔ یہ پوری بحث ملاحظہ ہو۔

## نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ درود وسلام

قرآن کریم کی آیت ہے

﴿یاایھاالذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما﴾ (احزاب)

اس آیت میں مؤمنین کو حکم دیا گیا ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھیں لہٰذا۔ فقہاء کا فتویٰ ہے کہ پوری زندگی میں ایک بار درود پڑھنا فرض ہے اور جب کسی مجلس میں نبی مکرم کا نام آجائے تو ایک مرتبہ درود پڑھنا واجب ہے، اور بار بار نام آنے پر بار بار درود پڑھنا مستحب ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ نبی مکرم پر درود وسلام پڑھا کرو ادھر مسلمان ''اللھم صل وسلم علی النبی المکرم'' کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ سے استدعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! تو اپنے محبوب پر درود وسلام نازل فرما، اس کا مطلب کیا ہے۔ تو علماء لکھتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان چونکہ بہت اونچی ہے اس لئے مسلمانوں نے اپنے عجز کا اظہار کیا اور کہا کہ اے اللہ! نبی مکرم کی شان کے مطابق تو ہی صلوۃ وسلام نازل فرما ہم عاجز ہیں ہم صرف اس کی دعا کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درود پڑھنے کا طریقہ پوچھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درود ابراہیمی پڑھنے کا حکم دیا۔ الحمد للہ آج تک اہل حق اسی پر قائم ہیں احادیث میں جو صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ محدثین استعمال کرتے ہیں اس میں بھی استدعا ہے کیونکہ ماضی کا صیغہ لفظوں میں خبر ہے معنی میں انشاء ہے۔

(احکام القرآن قرطبی تحقیق قوی تہذیب خاص ص ۳۱)

مگر اس کے برعکس اہل بدعت نے کہا کہ ہم اپنی طرف سے درود بنا کر پڑھیں چنانچہ وہ اردو اور عربی میں ایک خود ساختہ درود پڑھتے ہیں جو ان کے غلط عقیدہ کی عکاسی کرتا ہے اگر کوئی مسلمان ان کے طرز پر نہیں پڑھتا ہے تو وہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ شخص درود نہیں مانتا ہے پھر علماء نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ صلوۃ وسلام کے الفاظ انبیاء کرام کے ساتھ خاص ہیں کسی

غیر کے لئے اس کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے، مگر شیعہ حضرات اپنے اماموں کے لئے یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں ابوطالب علیہ السلام، علی علیہ السلام، یہ وبا زبانوں پر تو شیعہ کے ہاں عام تھی لیکن اب ایران سے جو کتابیں چھپتی ہیں اس میں دھوکہ دینے کے لئے یہ الفاظ چھپائی میں عام کردیئے گئے ہیں۔ علماء حق کے ہاں استقلال کے ساتھ غیروں کے لئے ان کلمات کا استعمال مکروہ تحریمی ہے ہاں بالتبع استعمال کو بعض علماء نے جائز لکھا ہے، پوری تفصیل روح المعانی اور احکام القرآن الحزب الخامس للتھانوی رحمہ اللہ، ص ۳۱۱، پر ملاحظہ فرمائیں۔

بہر حال یہ خاص شعار ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے البتہ ملائکہ کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے وہ منع نہیں ہے کچھ لوگ اس کو دعا کے طور پر لیتے ہیں پھر عام استعمال کرتے ہیں لیکن جب یہ انبیاء کرام کے لئے خاص شعار ہے تو شعار کو شعار پر رکھنا چاہیے۔ جن حضرات کے نبی ہونے یا نبی نہ ہونے میں اختلاف ہے جیسے حضرت لقمان یا حضرت خضر ہیں تو ان کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہنا چاہیے یا بالتبع سلام کہا جائے۔ (احکام القرآن حزب خامس ص ۳۱۸)

## رضی اللہ عنہ کے الفاظ کا استعمال

قرآن کریم میں جگہ جگہ صحابہ کرام کے لئے "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ کلمات صحابہ کرام کے ساتھ خاص ہیں یا دوسروں کے لئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے سلفاً و خلفاً علماء کی زبان پر اور تمام مسلمانوں کی زبانوں پر یہ کلمات صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے لئے استعمال ہوئے ہیں یہاں امام مسلم رحمہ اللہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کا لفظ لکھا ہوا ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟ ادھر صاحب ھدایہ کے کلام میں بعض مواضع میں شارح کے لئے، قال رضی اللہ عنہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس میں علما نے یہ تفصیل بیان کی ہے کہ لغوی اعتبار سے تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ہم روزمرہ ہر ایک مسلمان کے لئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جائے تو یہ ایک دعاء ہے جو عام ہے یہی دعاء عربی میں رضی اللہ عنہ ہے۔ امام مسلم اور صاحب ہدایہ دونوں کے لئے ان کے شاگردوں نے اسی لغوی مفہوم میں یہ لفظ استعمال کیا ہے اس کی الگ حیثیت ہے۔ لیکن اگر یہ لفظ اصطلاحی اعتبار سے استعمال کیا جائے تو یہ خاص شعار و اعزاز ہے جو صحابہ کے نام کے ساتھ خاص اور معروف و مشہور ہے، مشکوۃ ص ۵۶۳ پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت اس طرح منقول ہے۔

عن ابن عمر قال كنا نقول ورسول الله صلى الله عليه وسلم حي ابوبكر وعمر وعثمان رضي الله عنهم۔ (رواہ ترمذی)

اس روایت سے بھی واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاص اعزاز اور امتیاز ہے آنحضرت کے سامنے یہ امتیاز و اعزاز صرف تین خلفاء راشدین کے لئے استعمال ہوتا تھا بعد میں تمام صحابہ کا اعزاز و شعار رہا جو آج تک ہے اس مفہوم اور قاعدہ کے اعتبار سے لفظ صلی اللہ اور لفظ سلام انبیاء کرام کا امتیاز و شعار ہے اور لفظ رضی اللہ عنہ صحابہ کا شعار ہے اور لفظ رحمۃ اللہ علیہ علماء اور مومنین صالحین

کا اعزاز ہے اس کو اپنی اپنی جگہ پر رکھنا چاہئے اور لغوی مفہوم کی وجہ سے یہ شعار خراب نہیں کرنا چاہئے اگر لغوی مفہوم پر ڈٹ کر کوئی شخص مکابرہ کرنا چاہتا ہے تو ان سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل اور اللہ جل جلالہ کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے لئے امتیازی القاب ہیں اگر کوئی شخص محمد جل جلالہ کہدے اور محمد عزوجل کے الفاظ کہدے اور کہے کہ میں لغوی مطلب لیتا ہوں تو کیا یہ کہنا جائز ہوگا؟ حالانکہ اس کا لغوی مفہوم یہ ہے عزت وعظمت اور بڑی شان والے محمد یہ مطلب تو بالکل صحیح ہے۔ معلوم ہوا رضی اللہ کے الفاظ استعمال کے ساتھ صحابہ کے لئے ہیں بالتبع اوروں کے لئے استعمال ہوسکتے ہیں بدعت پسند علماء تمام پیروں فقیروں اور اپنے بڑوں کے لئے یہ الفاظ بولتے ہیں ان کا یہ عمل غلط ہے اور لغوی مفہوم سے عموم پر استدلال کرنا بھی غلط ہے۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کے لئے ''ؐ'' کا نشان ڈالنا جیسے محمدؐ اور رضی اللہ کے لئے ''ؓ'' کا نشان لکھنا اور رحمۃ اللہ علیہ کے لئے ''رح'' کا نشان ڈالنا بعض کے نزدیک سخت منع ہے وہ کہتے ہیں کہ اس طرح لکھنا توہین وتحقیر ہے۔ درمختار پر علامہ طحطاوی کا حاشیہ ہے اس نے سخت الفاظ میں اس کو مکروہ لکھا ہے۔

لیکن بہرحال یہ استحبابی امور ہیں اس میں سختی نہیں کرنی چاہئے۔ کتاب مسلم میں ہزاروں حدیثیں ہیں کہیں بھی صحابی کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ نہیں لکھا ہے الا ماشاء اللہ۔ مسلم میں ہزاروں محدثین کے نام ہیں مگر کسی کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ نہیں لکھا تو سختی نہیں کرنی چاہئے، شاید عرف کا اس میں کچھ دخل ہو۔ یاد رہے صحیح مسلم کے شارحین میں سے اکثر نے یہاں لفظ رحمۃ اللہ علیہ استعمال کیا ہے، بعض عربی نسخوں میں لفظ رضی اللہ عنہ موجود بھی نہیں ہے۔ شوافع حضرات کے ہاں لفظ رضی اللہ عنہ ہر کسی پسندیدہ شخص کے لئے بولا جاسکتا ہے شاید وہ بھی لغوی اعتبار سے ہو۔ واللہ اعلم۔

درس مسلم سوموار ۲۶ ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ

# کتاب الایمان

تمام مباحث سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ امام مسلم نے اپنی کتاب میں سب سے پہلے کتاب الایمان کو کیوں ذکر کیا ہے اور پھر حدیث جبریل کو تمام احادیث پر مقدم کیوں کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ احادیث مقدسہ کی کتابیں دو قسم پر ہیں ایک صحاح کے نام سے مشہور ہیں دوسری سنن کے نام سے ہیں صحاح کے مصنفین عموماً اپنی کتابوں کو کتاب الایمان سے شروع کرتے ہیں اور سنن کے مؤلفین عموماً کتاب الطہارۃ سے ابتدا کرتے ہیں بخاری اور مسلم چونکہ صحاح میں مشہور ہیں تو دونوں نے کتاب الایمان سے کتاب کو شروع کیا ہے کسی خارجی مقصد کے پیش نظر کبھی کتاب الایمان سے پہلے کچھ اور حدیثیں لاتے ہیں جس طرح امام بخاری نے بدؤ الوحی کو کتاب الایمان سے پہلے رکھا ہے جس سے آپ نے اشارہ کیا ہے کہ ایمان وہی معتبر ہے جو مستند الی الوحی ہو۔ اسی طرح صاحب مشکوۃ نے کتاب الایمان سے پہلے حدیث انما الاعمال بالنیات کو رکھا ہے تا کہ اخلاص نیت کی طرف اشارہ ہو جائے ورنہ کتاب الایمان ہی حقیقت میں مقدم کرنے کا مستحق ہے کیونکہ تمام اعمال مثلاً عبادات ومعاملات، معاشرات واخلاقیات شخصی معاملات یا اجتماعی معاملات خوشی کے حالات یا غم کے حالات سب کی صحت وقبولیت کا دارومدار ایمان پر ہے اس لئے امام مسلم نے کتاب الایمان کو تمام اعمال پر مقدم رکھا ہے مگر یہاں بھی وہی خارجی ضرورت کے پیش نظر امام مسلم نے مقدمہ مسلم پہلے رکھا اور اس سے فارغ ہونے کے بعد کتاب الایمان رکھا، پھر حدیث جبریل کی تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث پورے دین کے لئے بمنزلہ خلاصہ اور نچوڑ ہے کیونکہ ۲۳ سال میں آسمان سے جو شریعت آئی تھی اس کا خلاصہ اور اجمال حدیث جبریل میں ہے یہی وجہ ہے کہ یہ سوال وجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری عمر میں پیش آیا بلکہ فتح الملہم میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ سوال وجواب حجۃ الوداع کے بعد ہوا ہو، نوادر حمیدی میں لکھا ہے کہ یہ سوال وجواب حضرت جبریل اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے درمیان بھی ہوا تھا مگر وہاں سوال کرنے والا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے اور جواب جبریل دے رہے تھے اس سے آنحضرت کی شان ظاہر ہوتی ہے کہ سائل جبریل امین ہیں۔ علامہ طیبی، قاضی عیاض مالکی، ملا علی قاری اور شیخ محدث عبدالحق دہلوی رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ حدیث جبریل ہر قسم کی عبادات ظاہرہ اور باطنہ پر مشتمل ہے چنانچہ عقائد قلبیہ کی طرف لفظ ''الایمان'' میں اشارہ ہے اور اعضاء ظاہرہ سے متعلق اعمال کی طرف لفظ ''الاسلام'' میں اشارہ ہے اور اخلاص واسرار کی طرف لفظ ''الاحسان'' سے اشارہ کیا گیا ہے غرضیکہ حدیث جبریل شریعت وطریقت وحقیقت اور سنن نبویہ اور آداب شرعیہ پر بطور اجمال حاوی اور محیط ہے اسی وجہ سے اس کو ''ام السنۃ'' کہتے ہیں جس طرح سورت فاتحہ ام القرآن ہے اسی طرح حدیث جبریل ام السنۃ ہے اسی لئے امام مسلم نے اس کو تمام احادیث پر مقدم رکھا ہے اب لفظ کتاب کا لغوی معنی یہ

ہے کہ کتاب مکتوب اور مجموع کے معنی میں ہے" الکتیبہ "لشکر کے مجموعے پر بولا جاتا ہے تو کتاب الایمان کا مطلب یہ ہوگا۔

ھذامکتوب و مجموع فی الاحادیث الواردۃ فی الایمان۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کتاب اور باب اور فصل کی الگ الگ تعریف ہوجائے تو ملاحظہ فرمائیں۔

## کتاب کی تعریف

الکتاب ھوطائفۃ من المسائل اعتبرت مستقلۃ اشتملت انواعاولم تشتمل۔

## باب کی تعریف

الباب نوع من المسائل اشتمل علیھا الکتاب ولیست بفصل ۔

## فصل کی تعریف

الفصل طائفۃ من المسائل تغیرت احکامھابالنسۃ الی ماقبلھا غیرمترجم بالباب و الکتاب۔

شارح مسلم علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی" معروف اُلابِّی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اپنی شرح اکمال اکمال المعلم ج ا ص ۸۷ پر لکھتے ہیں کہ کتاب اور باب اور فصل لانے کے دو فائدے ہیں ایک تو مسائل اخذ کرنے اور معلوم کرنے کا فائدہ ہوتا ہے کہ اس قسم کا مسئلہ فلاں کتاب پر فلاں باب میں ہوسکتا ہے دوسرا فائدہ قاری اور پڑھنے والے کو نشاط اور شوق دلانا مقصود ہوتا ہے تاکہ بور نہ ہوجائے اور خوش ہوکر تازہ دم ہوجائے کہ یہ کتاب یا یہ باب تو مکمل ہوگیا ہے اب آگے بڑھو اور شوق سے پڑھو اگر اول سے آخر تک بلاعنوان مسائل چلتے تو آدمی اُکتاجاتا اور پڑھنے میں بوجھ محسوس کرتا۔ قرآن کریم کی سورتوں اور پاروں کو نصف اور ربع وغیرہ میں بھی یہی قوانین ہیں۔

اما مسلم رحمہ اللہ نے کتاب الایمان کو بہت عام رکھا ہے چنانچہ "باب الکبائر باب الوسوسۃ باب الایمان بالقدر باب بدء الوحی باب الشفاعۃ باب الاسراء اور باب رؤیۃ اللہ" وغیرہ طویل ابواب کتاب الایمان کے تحت جمع فرمادیتے ہیں۔

امام بخاری نے ایسا نہیں کیا ہے انہوں نے کتاب العلم وغیرہ مباحث کو الگ رکھا ہے صاحب مشکوۃ کا طریقہ بھی بہت اچھا ہے کہ ہر موضوع کے لئے الگ عنوان قائم کیا ہے۔ بہر حال کتاب الطہارۃ تک سب نے انہیں مباحث کو چلایا ہے۔ اب یہاں سردست کتاب الایمان کا عنوان ہے اس کے پہلے جزء لفظ کتاب پر تو بحث ہوگئی اب لفظ ایمان پر بحث کی ضرورت ہے ملاحظہ فرمائیں۔

## ایمان کی لغوی تحقیق

"ایمان" امن سے ماخوذ ہے جو خوف کی ضد ہے۔ امن یامن سمع یسمع سے لازمی معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ یعنی بے خوف ہونا۔ اور باب افعال سے آمن ایمانا متعدی ہوتا ہے یعنی بے خوف بنانا۔ متعدی ہونے کی صورت میں امن ایمانا ایک یا دو

مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ جیسے امنت زیداً، میں نے زید کو امن دیا اور امنت زیداعمروا، میں نے زید اور عمر دونوں کو امن دیا۔ متعدی ہونے کی صورت میں کبھی یہ متعدی بنفسہٖ ہوتا ہے جیسے ﴿وامنھم من خوف﴾ اور کبھی متعدی بالصلۃ والحرف ہوتا ہے۔ پھر یہ صلہ دو قسم پر ہوتا ہے کبھی با اور کبھی لام کے ساتھ آتا ہے۔ اگر صلہ میں باء آجائے تو باء کا مدخول کبھی احکام میں سے ہوگا جیسے ﴿امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون﴾ ما انزل احکامات ہیں اور کبھی مدخول ذوات میں سے ہوگا۔

﴿کل امن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ﴾ یہ سب ذوات ہیں۔ اور اگر امن متعدی بحرف اللام ہو تو ایمان کبھی اذعان ویقین اور تصدیق کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے ﴿لن نؤمن لک حتی نری اللہ جھرۃ﴾ یعنی ہم یقین نہیں کرتے۔ اذعان وتصدیق نہیں کرسکتے ﴿وما انت بمؤمن لنا ولو کنا صادقین﴾ ای وما انت بمصدق لنا، اور کبھی اطاعت وانقیاد کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے ''انؤمن لک واتبعک الارذلون''۔ خلاصہ یہ ہے کہ لفظ ایمان کا معنی صلہ کی تبدیلی سے تبدیل ہوجاتا ہے۔

## ایمان کی شرعی اصطلاحی تعریفات

ایمان کی اصطلاحی تعریفات الفاظ کے اختلاف کے ساتھ کل چھ ہیں۔ اگرچہ مفہوم اور مرجع سب کا ایک ہی ہے تاہم تعدد تعریفات میں کچھ فوائد ہیں۔ اس لئے میں چھ تعریفات مکمل نقل کرتا ہوں اگرچہ ایک بھی کافی ہے لیکن ان شاءاللہ نقل کرنے میں برکت ہوگی۔

۱۔ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان کی تعریف اس طرح کی ہے:

الایمان ھو التصدیق بما علم مجیئ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ ضرورۃ تفصیلا فیما علم تفصیلا واجمالا فیما علم اجمالا۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۱۱۰)

یعنی ایمان اس کا نام ہے کہ آدمی ان چیزوں کی تصدیق کرے جن کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یقینی طور پر محقق ہو۔ جو چیزیں تفصیل کے ساتھ ثابت اور معلوم ہوں اس کا تفصیلی طور پر اقرار وتصدیق کرے اور جو چیزیں اجمالی طور پر ثابت ہوں اس کا اجمالی اقرار کرے۔ مثلاً نماز کا حکم اس کی رکعات کا حکم تفصیل کے ساتھ، بدیہی اور ضروری ہے۔ اس پر تفصیل سے ایمان لانا ضروری ہے۔ اسی طرح زکوۃ، صوم، حج کا حکم تفصیل سے معلوم ومعروف اور ظاہر وبدیہی اور یقینی ہے تو اس پر تفصیل سے ایمان لانا فرض ہے۔ اسی طرح اجمالی طور پر عذاب قبر یقینی بدیہی ہے۔ اس پر اجمالی طور سے ایمان لازمی ہے اور عذاب قبر کی تفصیلات کا علم اخبار آحاد سے ثابت ہے وہ ضروری نہیں ہے۔ تصدیق سے مراد انقیاد باطنی ہے۔ صرف زبانی نہیں۔ اسی لئے ہرقل کا اسلام معتبر نہ ہوا، نیز تصدیق سے منطقی تصدیق مراد نہیں ہے۔

''ضرورۃ'' سے مراد یہ ہے کہ ہر خاص وعام کو معلوم ہو یا اس کا ثبوت یقینی ہو اور ضروریات دین میں سے ہو۔

۲۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ''فیصلۃ التفرقۃ بین الایمان والزندقۃ'' میں ایمان کی تعریف اس طرح کی ہے:

التصدیق بجمیع ماجاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم والکفر تکذیب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی شیء مماجاء بہ۔
اس تعریف کا یہ فائدہ ہے کہ ایمان کی تعریف کے ساتھ کفر کی تعریف بھی آگئی اس تعریف میں دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ایمان کے لئے ضروری ہے کہ پوری شریعت کا آدمی اقرار کرے لیکن کافر ہونے کے لئے پوری شریعت کا انکار ضروری نہیں ہے بلکہ اسلام کے کسی قطعی حکم کے انکار سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

۳۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان کی تعریف اس طرح کی ہے "کتاب اللہ کا ظاہراً اور باطناً اقرار کرنا اور اس کے معانی کو قرآن وحدیث کے موافق استعمال کرنا"۔

۴۔ علامہ شاہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح تعریف کی ہے:

تصدیق النبی بماجاء بہ النبی بالاعتماد علی النبی۔
اس تعریف سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ جو لوگ عقل کے زور اور عقلی دلائل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہیں وہ مسلمان نہیں ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہاں اعتماد علی النبی نہیں بلکہ اعتماد اپنی عقل اور اپنی دلیل پر ہے۔

۵۔ شیخ عبدالقادر جیلانی، مرزا مظہر جان جاناں اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہم ایمان کی تعریف میں فرماتے ہیں:
ایمان کی ایک ظاہری صورت ہے اور ایک اس کی حقیقت اور باطنی صورت ہے۔ ظاہری صورت تو یہ ہے کہ تصدیق بالجنان عمل بالارکان اقرار باللسان ہو، اور حقیقت ایمان یہ کہ مقتضاء طبع مقتضاء شرع کے تابع ہو جائے۔

۶۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:

تصدیق النبی بماجاء بہ مع التبری عن جمیع ماسواہ۔
اس تعریف میں بہت اچھا فائدہ یہ ہے کہ اس میں ماسوائے اسلام تمام قوانین کفریہ سے بیزاری کو بھی ایمان کا جزو قرار دیا گیا ہے۔
ایمان کی ان تعریفات کے بعد ایمان کی چند اقسام بھی ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ ایمان مطبوع : یہ فرشتوں کا ایمان ہے گویا یہ مہر شدہ ایمان ہے اس میں کوئی فرق نہیں آسکتا اور نہ تبدیلی آسکتی ہے۔

۲۔ ایمان معصوم : (یعنی محفوظ) یہ انبیائے کرام کا ایمان ہے۔

۳۔ ایمان مقبول : یہ عام مؤمنین کا ایمان ہوتا ہے۔

۴۔ ایمان موقوف : یہ اہل زیغ وبطلان اور اہل بدعت کا ایمان ہے جو موقوف ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بدعت سے توبہ کرے اور ایمان کی طرف لوٹ کر آئے۔

۵۔ ایمان مردود : یہ منافقین کا ایمان ہوتا ہے جو نامقبول اور مردود ہے۔

# کفر کی حقیقت اور اقسام

کفر چونکہ ایمان کا مقابل اور ضد ہے اس لئے اس کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ کیونکہ "وبضدھا تتبین الاشیاء"۔

چنانچہ کفر لغوی اعتبار سے ستر اور چھپانے کے معنی میں ہے اور شریعت میں کفر کی تعریف وحقیقت کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان کی تعریف میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔"والکفر تکذیب النبی فی شیء مما جاء بہ"۔

ایک مختصر تعریف کفار کی یہ بھی ہے "الذین ستروا الحق عنادا"۔ یعنی جنہوں نے عناد کی وجہ سے حق کو چھپایا۔ یہ بات پہلے لکھی جا چکی ہے کہ اسلام لانے کے لئے ضروری ہے کہ پورے اسلام کے سارے احکامات کا آدمی اقرار وتصدیق کرے لیکن کافر ہوجانے کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ضروریات دین میں سے کسی ایک حکم کا انکار کر دیا جائے۔ اس سے عوام الناس کے اس نظریے کی تردید ہو جاتی ہے جو سمجھتے ہیں کہ ایک دو حکموں کے انکار سے کچھ بھی نہیں ہوتا ہم تو کلمہ بھی پڑھتے ہیں نماز بھی پڑھتے ہیں۔ کافر تو وہ ہوگا جو پوری شریعت کے ایک ایک جزء کا انکار کرے اور اسلام سے بھاگ جائے۔ یہاں کفر کی چند اقسام بھی علماء نے بیان کی ہیں:

### ۱۔ کفر انکار :

جو شخص دل وزبان سے شدت کے ساتھ اسلام کا انکار کرتا ہے یہ کفر انکار ہے اسی پر عام کفار ہیں۔

### ۲۔ کفر جحود :

وہ یہ ہے کہ دل سے دین حق کو سچا سمجھتا ہے اس کی حقانیت کا قائل ہے لیکن زبان سے اقرار نہیں کرتا بلکہ انکار کرتا ہے، یعنی خوب جانتا ہے مگر مانتا نہیں جیسے کفر ابلیس، کفر یہود دلیل یہ ہے ﴿وجحدوا بها واستيقنتها انفسهم ظلما وعلوا﴾۔ (سورۂ نمل)

### ۳۔ کفر عناد ومعاندہ :

وہ یہ ہے کہ اسلام کو دل سے بھی سچا جانتا ہے اور زبان سے بھی اقرار کرتا ہے لیکن دین حق کے علاوہ ادیان باطلہ سے بیزار نہیں ہوتا اور دین حق کی اطاعت نہیں کرتا جیسے کفر ہرقل اور کفر ابو طالب کہ دونوں میں انقیاد ظاہری نہیں تھا۔

### ۴۔ کفر نفاق :

یہ وہ ہے کہ دل میں تکذیب وانکار ہے صرف مصلحت واغراض دنیویہ کے لئے زبان پر اقرار ہے۔ جیسے عبداللہ بن ابی ابن سلول اور ان کی پارٹی خواہ کوئی بھی ہو، نفاق کے اس شعبہ کے تحت دیگر بہت سارے اہل باطل زندیق، روافض، آغا خانی، قادیانی، بہائی، پرویزی اور ایک قسم کے کمیونسٹ بھی داخل ہیں کہ بوقت ضرورت کلمہ پڑھتے ہیں نماز بھی ادا کر لیتے ہیں مگر دوسری طرف دین کی ضروریات میں سے کسی امر ضروری کا انکار کرتے ہیں۔ کمیونسٹوں کے مختلف درجات ہیں بعض نفاق میں ہیں اور بعض

واضح کفر میں جا پڑے ہیں۔

اعتراض نمبر۱

ایمان کی تعریف میں تصدیق کا لفظ بار بار آیا ہے اب کئی قسم کے لوگوں میں تصدیق قلبی نص صریح سے ثابت ہے لیکن وہ پھر بھی کافر ہیں، جیسے یہود کے بارے میں آیت ﴿یعرفونه کما یعرفون ابنائهم﴾ اس کے باوجود وہ قطعی طور پر کافر ہیں۔ تو تعریف ایمان دخول غیر سے مانع نہ ہوئی اس میں کافر داخل ہوگئے۔

جواب

مندرجہ بالا تمام تعریفات کو اگر دیکھا جائے تو یہ اعتراض قطعاً متوجہ نہیں ہوتا کیونکہ پوری شریعت کی تصدیق اور چیز ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی آخر الزمان کی حیثیت سے پہچاننا اور چیز ہے ایک میں ماننا ہے دوسرے میں جاننا ہے دونوں میں بڑا فرق ہے لیکن شراح حضرات نے یہ اعتراض اٹھایا ہے اور پھر خود اس کا جواب بھی دیا ہے تو میں بھی اشارہ کرتا ہوں۔

تو اصل جواب یہ ہے کہ تصدیق سے مراد اختیاری تصدیق ہے اور یہود کی تصدیق غیر اختیاری بلکہ اضطراری تھی علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں کہ اضطراری تصدیق درحقیقت تصدیق ہی نہیں بلکہ صرف تصور ہے ادھر حضرت شاہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے جو تعریف کی ہے اس میں اعتماد علی النبی کے الفاظ ہیں کہ نبی کی نبوت پر اعتماد کرتے ہوئے تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے۔ صرف عقل اور دلائل کے زور سے یا غیر اختیاری جذبات واحساسات اور رجحانات وتصورات کی وجہ سے دل میں تصدیق کے بیٹھنے کا نام ایمان نہیں ہے۔ لہٰذا ایمان کی تعریف سے فرعون اور اس کی پارٹی اور یہود اور ان کی پارٹی نکل گئی۔

اعتراض نمبر۲

یہود سے متعلق جو اعتراض تھا مندرجہ بالا جواب سے اس کا جواب تو ہو گیا لیکن ہرقل اور ابوطالب سے متعلق تو ابھی اعتراض باقی ہے کیونکہ ان دونوں نے دل سے تصدیق بھی کی اور زبان سے اقرار بھی کیا۔ چنانچہ ہرقل نے یہاں تک کہا صحیح بخاری کے یہ الفاظ ہیں۔

"لو کنت عنده لغسلت عن قدمیه"۔ (بخاری ج۱ ص٤)

یعنی اگر میں اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس ہوتا تو میں آپ کے قدموں کو دھو لیتا اور خدمت کرتا۔

علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح بخاری میں یہ عبارت نقل فرمائی ہے:

والله انی لاعلم انه نبی مرسل ولکنی اخاف الروم علی نفسی ولولا ذلک لاتبعته۔ (فتح الباری ج۱ ص ۳۷)

اتنی زوردار تصدیق اور شاندار اختیاری اقرار کے باوجود ہرقل کو کافر قرار دیا گیا اور امام بخاری نے تو ان کا قصہ سنا کر آخر میں فیصلہ بھی سنا دیا کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوا۔

اور ابو طالب نے تو تصدیق واقرار واختیار کی حد کر دی۔ چنانچہ وہ اپنے اشعار وقصائد میں اعلان کرتے ہیں۔

وَاللّٰهِ لَنْ يَّصِلُوْا اِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ　　حَتّٰى اُوَسَّدَ فِى التُّرَابِ دَفِيْنَا

خدا کی قسم ! یہ لوگ اپنی جماعت لے کر اس وقت تک حملہ نہیں کر سکتے جب تک میں قبر میں دفن نہ کیا جاؤں۔

وَ دَعَوْتَنِىْ وَزَعَمْتَ اَنَّكَ صَادِقٌ　　وَصَدَقْتَ فِيْهِ وَكُنْتَ ثَمَّ اَمِيْنًا

آپ نے مجھے دین کی دعوت دی اور آپ نے سچے ہونے کا دعویٰ بھی کیا آپ نے سچ کہا اور آپ اس میں امین بھی ہیں۔

وَ عَرَفْتُ دِيْنَكَ لَا مُحَالَةَ اَنَّهٗ　　مِنْ خَيْرِ اَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِيْنًا

میں نے یقیناً آپ کے دین کو پہچان لیا کہ دنیا کے تمام ادیان سے یہ بہتر دین ہے۔

لَوْلَا الْمَلَامَةُ اَوْ حَذَارُ مَسَبَّةٍ　　لَوَجَدْتَنِىْ سَمْحًا بِذَاكَ مُبِيْنًا

اگر لوگوں کے طعن اور گالی کا خطرہ نہ ہوتا تو آپ مجھے اس دین میں کھل کر سخاوت کرنے والا پا لیتے۔

قریش کے بنو ہاشم سے بائیکاٹ کے موقع پر ابو طالب نے ایک شاندار قصیدہ لامیہ پڑھا ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کی انتہا ہے۔ اسلام کے محاسن کا تذکرہ ہے اور پھر مکمل اور بھر پور حمایت کا اعلان ہے۔ یہ قصیدہ (۹۴) اشعار پر مشتمل ہے۔ اور البدایہ والنہایہ، ج ۳ ص ۵۱ پر موجود ہے۔

یہاں میرے استشہاد اور مطلب کے لئے تو ایک دو شعر کافی تھے لیکن میں نے قارئین کے سامنے ان کے فائدے کے لئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت کے اظہار کے لئے اور مزید اشعار سے لطف اندوز ہونے کے لئے ضرورت سے زیادہ اشعار نقل کئے ہیں پڑھئے اور لطف اٹھائیے۔

لَعَمْرِىْ لَقَدْ كُلِّفْتُ وَجْدًا بِاَحْمَدَ　　وَاِخْوَتِهٖ دَابَ الْمُحِبِّ الْمُوَاصِلِ

اپنی عمر کی قسم ! میں احمد مجتبیٰ اور ان کے احباب کی وجہ سے دائمی اور مسلسل عاشق کی طرح محبت میں مبتلا کیا گیا ہوں۔

فَمَنْ مِّثْلُهٗ فِى النَّاسِ اَىُّ مُؤَمَّلٍ　　اِذَا قَاسَهُ الْحُكَّامُ عِنْدَ التَّفَاضُلِ

جب خوبیوں اور فضیلتوں میں مقابلہ شروع ہو جائے تو لوگوں میں ان کی طرح امید گاہ خلائق کون ہو سکتا ہے؟

حَلِيْمٌ رَشِيْدٌ عَادِلٌ غَيْرُ طَائِشٍ　　يُوَالِىْ اِلٰهًا لَيْسَ عَنْهُ بِغَافِلِ

وہ حق پر قائم، انصاف پسند، بردبار اور سنجیدہ ہیں جو اپنے معبود کی عبادت اور تعلق سے کبھی غافل نہیں۔

كَرِيْمُ الْمَسَاعِىْ مَاجِدٌ وَابْنُ مَاجِدٍ　　لَهٗ اِرْثُ مَجْدٍ ثَابِتٌ غَيْرُ نَاصِلٍ

ان کے کارنامے اچھے ہیں۔ وہ خود بزرگ اور بزرگوں کی اولاد ہیں ان کی بزرگی قدیمی اور موروثی ہے جو تغیر پذیر نہیں۔

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

وہ ایسے خوبصورت ہیں کہ ان کے چہرۂ انور کی برکت سے بادل سے بارش طلب کی جاتی ہے۔
وہ یتیموں کے غمخوار بیواؤں کے محافظ ہیں۔

يَلُوذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ فَهُمْ عِنْدَهُ فِي رَحْمَةٍ وَفَوَاضِلِ

بنو ہاشم کے تباہ حال لوگ ان کی پناہ لیتے ہیں پس وہ لوگ ان کی وجہ سے نعمتوں اور رحمتوں میں ہیں۔

كَذَبْتُمْ وَبَيْتِ اللّٰهِ نُبْزِي مُحَمَّدًا وَلَمَّا نُطَاعِنْ دُونَهُ وَنُنَاضِلِ

خانہ کعبہ کی قسم ! تم جھوٹ کہتے ہو کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بے یار و مددگار چھوڑیں گے
جب تک ہم ان کے دفاع میں نیزہ بازی اور تیز اندازی نہ کریں۔

وَنُسْلِمُهُ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهُ وَنَذْهَلُ عَنْ أَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

ہم ان کو اس وقت دشمن کے حوالے کریں گے جب ہم سب ان کے اردگرد کٹ کر گر جائیں۔
اور اپنی بیویوں اور بچوں کو بھول جائیں۔

وَأَيَّدَهُ رَبُّ الْعِبَادِ بِنَصْرِهِ وَأَظْهَرَ دِينًا حَقُّهُ غَيْرُ زَائِلِ

رب کائنات نے اپنی نصرت و مدد سے ان کی تائید کی ہے اور اس نے ایسا دین پیش کیا ہے جو نا قابل زوال ہے۔

فَوَاللّٰهِ لَوْلَا أَنْ أَجِيءَ بِسُبَّةٍ تَجُرُّ عَلَى أَشْيَاخِنَا فِي الْمَحَافِلِ

بخدا ! اگر میری وجہ سے ہمارے بزرگوں پر ایسی بدنامی نہ آتی جس کے تذکرے مجالس میں ہونے لگے۔

لَكُنَّا اتَّبَعْنَاهُ عَلَى كُلِّ حَالَةٍ مِنَ الدَّهْرِ جِدًّا غَيْرَ قَوْلِ التَّهَازُلِ

تو ہم ہر حالت میں زمانہ بھر تک مذاق سے نہیں بلکہ سچے دل سے ان کی متابعت کرتے۔

لَقَدْ عَلِمُوا أَنَّ ابْنَنَا لَا مُكَذَّبٌ لَدَيْنَا وَلَا يَعْنِي بِقَوْلِ الْأَبَاطِلِ

قریش کو خوب معلوم ہے کہ ہمارا لخت جگر ہمارے ہاں جھٹلایا نہیں جاتا اور نہ اہل باطل کے باطل قول سے ان کا ارادہ کیا جاتا ہے۔

فَأَصْبَحَ فِينَا أَحْمَدُ فِي أَرُومَةٍ يُقَصِّرُ عَنْهَا سَوْرَةُ الْمُتَطَاوِلِ

پس احمد مجتبیٰ ہمارے ہاں ایسی عزت اور شرافت پر فائز ہیں جسکے سامنے بڑوں بڑوں کی عزتوں کی دیواریں پست ہیں۔

حَدِبْتُ بِنَفْسِي دُونَهُ وَحَمَيْتُهُ وَدَافَعْتُ عَنْهُ بِالذُّرٰى وَالْكَلَاكِلِ

میں نے ان پر اپنی جان جھکا کر حفاظت وحمایت کا حق ادا کر دیا اور میں نے بچاؤ کا ہر سامان اور سینہ سامنے رکھ کر ان کا دفاع کیا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ایمان کی تعریف میں ہرقل اور ابو طالب داخل ہو گئے کہ دونوں نے دل سے تصدیق بھی کی اور زبان سے اقرار بھی کیا تو تعریف مانع نہیں دخول غیر ہے۔

## جواب

اس اعتراض کا پہلا جواب تو وہی ہے کہ ایمان کی تمام تعریفات کو غور سے دیکھنے کے بعد یہ اعتراض ہی نہیں ہوتا لیکن چونکہ شارحین نے کیا ہے لہذا اس کا جواب دے دیا گیا ہے کہ تصدیق قلبی اور اقرار لسانی کے ساتھ اطاعت وانقیاد لازم ہے۔ اور انقیاد ظاہری کی طرف مندرجہ بالا تعریفات میں اشارے بھی موجود ہیں۔ نیز شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے التزام شریعت کا عنوان اختیار کیا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے عنوان سے اسی مفہوم کا تذکرہ کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایماندار بننے کے لئے قول القلب ضروری ہے اور قول القلب سے مراد یہی شریعت اور اطاعت ہے۔

شیخ ابو طالب مکی نے بھی التزام اطاعت کا عنوان اختیار کیا ہے۔ محقق ابن ہمام نے استسلام قلبی اور انقیاد باطنی کا عنوان اختیار کیا ہے جب ایمان کی تعریفات اور تصدیق قلبی کی تشریحات میں التزام شریعت اور انقیاد ظاہری کا مفہوم پڑا ہے تو پھر ہرقل اور ابو طالب ایمان کی تعریف سے خارج ہو گئے کیونکہ ہرقل نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ اگر روم کے لوگ ناراض نہ ہوتے اور ان کی مخالفت کا خطرہ نہ ہوتا تو میں دین اسلام کی اتباع اور اطاعت کرتا تو انہوں نے خوف ذہاب حکومت کی وجہ سے ایمان کی دولت عظمیٰ کو ترک کر دیا اس نے کہا: ''ابلغ صاحبك انه نبي ولكن لاترك ملكي''۔ (مسند بزار)

اسی طرح ابو طالب نے واضح الفاظ میں تصدیق واقرار لسانی کے ساتھ ساتھ دین حق کی اطاعت سے انکار کا بھی اعلان کیا ہے۔

''لو لا تعيرني قريش يقولون انما حمله على ذالك الجزع لاقررت بها عينك''۔ (رواہ مسلم کتاب الایمان)

یعنی اگر قریش مجھے یہ عار نہ دیتے کہ آگ سے ڈر کر ایمان لایا تو میں دین حق قبول کر کے تیری آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیتا۔

چنانچہ آخری اعلان ابو طالب کا یہی تھا کہ میں اپنی قوم کے مذہب پر دنیا سے اٹھ رہا ہوں اور یہ بھی کہا ''اختار النار على العار'' لہذا عدم اطاعت کی وجہ سے وہ ایمان کی تعریف میں داخل نہیں۔

## دوسرا جواب

یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان کی تعریف میں ''والتبرى عن جميع ماسواه'' فرمایا ہے اور ادیان باطلہ سے تبری وبیزاری کا اعلان نہ ہرقل نے کیا تھا اور نہ ہی ابو طالب نے۔ بس زبان سے دین اسلام کو اچھا کہتے رہے مگر اپنے مذہب سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹے تو وہ کیسے اسلام میں آئے؟ اور ان پر کس طرح ایمان کی تعریف صادق آئے گی؟

شیعہ رافضی ابو طالب کو بہت بڑا مسلمان مانتے ہیں اور ان کے نام پر امام بارگاہوں کے نام رکھتے ہیں لیکن وہ کسی تصدیق قلبی

یا عدم تصدیق یا اقرار لسانی یا عدم اقرار کی وجہ سے نہیں کہتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ابوطالب مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کا والد ہے اور مولیٰ علی کا والد کیسے غیر مسلم ہوسکتا ہے، یہ نظریہ غلط ہے کیونکہ بعض انبیائے کرام کے آباؤاجداد یا اولاد غیر مسلم چلے آئے ہیں تو حضرت علی کے حق میں کیسے محال ہوسکتا ہے۔

# ایمان کی حقیقت میں مشہور مذاہب

## ایمان شرعی کی دو جہتیں ہیں:

۱۔ جہت دنیوی جس سے جان و مال کی حفاظت اس وقت ہوجاتی ہے جب کوئی شخص زبان سے اس کا اقرار کرتا ہے۔

۲۔ جہت اخروی وہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد عذاب اور خُلود فی النار سے حفاظت ہوجاتی ہے۔

جہت دنیوی کے لئے اتفاقاً صرف اقرار لسانی کافی ہے اور جہت اخروی میں کل سات مذاہب ہیں۔ دو مذہب اہل حق کے ہیں اور پانچ مذاہب اہل باطل کے ہیں۔

## ۱۔ معتزلہ

اہل باطل میں سے پہلا مذہب معتزلہ کا ہے۔ ان کے نزدیک ایمان کی حقیقت اس طرح ہے۔

"الایمان هو التصدیق بالجنان و الاقرار باللسان و العمل بالارکان"۔

یعنی دل سے تصدیق کرنا، زبان سے اقرار کرنا اور اعمال اسلام اور ارکان اسلام پر عمل کرنا۔ اور ان کے نزدیک:

ومن ارتکب الکبیرة فهو خارج عن الاسلام غیر داخل فی الکفر وعندهم منزلة بین المنزلتین فی النار کمافی الایمان والکفر منزلة بین المنزلتین۔

یعنی معتزلہ نے جو حقیقت ذکر کی ہے یہ ان کے عقیدے کے موافق ہے کہ ان کے نزدیک مرتکب کبیرہ اسلام سے خارج ہے لیکن کفر میں داخل نہیں، بیچ کے ایک درجے میں ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک دوزخ میں بھی دو درجات کے درمیان ایک درجہ ہے جس میں نہ خالص کافر ہوں گے اور نہ خالص مسلمان ہوں گے بلکہ یہی مرتکب کبیرہ ہوں گے۔

## ۲۔ خوارج کا مذہب

اہل باطل میں سے دوسرا مذہب خوارج کا ہے ان کے ہاں ایمان کی حقیقت یہ ہے:

الایمان هو التصدیق بالجنان و الاقرار باللسان والعمل بالارکان ویخرج بالکبیرة من الاسلام ویدخل فی الکفر فهو کافر۔

یہ دونوں مذہب باطل ہیں کیونکہ صحابہ و تابعین اور سلف صالحین اور تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص کے دل میں

مثقال ذرہ اور رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہو وہ ''مُخَلَّدُ فِي النَّارِ'' نہیں ہوگا۔(یعنی ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا) اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اہلِ کبائر کے لئے ہے''شفاعتی لاهل الكبائر'' حدیث ہے۔ اسی طرح یہ حدیث''یخرج من النار من كان فی قلبه مثقال ذرة من ایمان'' اسی طرح قرآن کریم میں ہے:

﴿وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینهما﴾ یہاں دونوں لڑنے والوں کو مسلمان کہا گیا۔

اسی طرح آیت ﴿یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لاتقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعا﴾ اسی طرح توبہ کرنے کی دیگر آیتیں اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ وغیرہ کی احادیث''وان زنی وان سرق'' اس پر دال ہیں کہ مرتکب کبیرہ ناقص مؤمن ہے۔ مگر مخلد فی النار نہیں بلکہ سزا بھگتنے کے بعد دوزخ سے نکلے گا تو یہ معتزلہ وخوارج کی بدعات واہیات میں سے ہیں کہ معتزلہ نے مسلم سے مسلمان کا نام چھین لیا اور خوارج نے مسلمان کو ایمان ومؤمن کے پیارے لفظ سے نکال باہر کیا اور کافر بنا کر چھوڑ دیا۔

### ۳۔ جہمیہ کا مذہب

''الایمان هو معرفة القلب فقط'' یعنی صرف قلبی معرفت کافی ہے اقرار لسانی اور عمل ارکانی کی کوئی حاجت وضرورت نہیں ہے۔ یہ باطل مذہب جہمیہ کا ہے یہ جہم بن صفوان کی جماعت کے لوگ ہیں۔ یہ مذہب بالکل باطل ہے کیونکہ اہلِ کتاب کے بارے میں قرآن کہتا ہے ﴿یعرفونه كما یعرفون ابنائهم﴾ تو کیا یہ لوگ مسلمان ہوگئے؟ اسی طرح ہرقل کو معرفت حاصل تھی حالانکہ وہ کفر پر مرا ہے اسی طرح ابوطالب کا حال تم نے پڑھ لیا تو کیا وہ صرف حصولِ معرفت سے مسلمان ہوگئے؟

یہود نا بہبود کے متعلق قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿ولما جاء هم ما عرفوا كفروا به فلعنة الله علی الكافرین﴾

اگر صرف معرفت قلبی ایمان کے لئے کافی تھی تو ان کو کافر کیوں کہا؟ اور کیا یہ مسلمان ہیں؟

### ۴۔ مرجئہ کا مذہب

اہل باطل میں سے چوتھا مذہب مرجئہ کا ہے وہ کہتے ہیں کہ:

''الایمان هو التصدیق فقط ولا تضر مع الایمان معصیة كما لا تنفع مع الكفر طاعة''۔

یعنی ایمان صرف تصدیق کا نام ہے تعریف اتنی ہی ہے اب آگے اس تعریف کی روشنی میں وہ کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ کوئی معصیت اور نافرمانی نقصان نہیں دیتی جیسا کہ کفر کے ساتھ کوئی طاعت فائدہ نہیں دیتی۔

یہ مذہب بھی باطل ہے کیونکہ دخول جنت کا وعدہ عمل صالح کے بغیر قرآن کریم میں کہیں نہیں آیا ہے بلکہ تصدیق قلبی کے

ساتھ "امنوا وعملوا الصلحات" کا لفظ ہر جگہ لگا ہوا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی زندگی اس مذہب کی نفی کرتی ہے کیونکہ ان حضرات سے نماز وغیرہ اعمال کے ترک کرنے کا امکان ہی نہیں تھا۔ معلوم ہوا کہ دخول جنت کے لئے اعمال صالحہ کا ہونا ضروری ہے۔

## ۵۔ کرامیہ کا مذہب

ان کے نزدیک ایمان کی تعریف یہ ہے: "الایمان اقرار باللسان فقط"

یہ تعریف بھی غلط ہے اور یہ مذہب بھی باطل ہے کیونکہ قرآن نے منافقین کو بدترین کافر قرار دیا ہے حالانکہ وہ اقرار لسانی میں کمی نہیں کرتے تھے۔

﴿ومن الناس من یقول امنا باللہ وبالیوم الآخر وماھم بمؤمنین۔ اذاجاءك المنافقون قالوا نشھدانك لرسول اللہ واللہ یعلم انك لرسولہ واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون﴾

اگر صرف اقرار لسانی کافی ہوتا تو کبھی بھی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کافر نہ کہتا۔ یہ لوگ محمد بن کرام کے پیروکار ہیں ان کا یہ شعر ہے۔

الفقہ فقہ لأبی حنیفۃ وحدہ والدین دین محمد بن کرام

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ لوگ عہد ﴿الست بربکم قالوا بلی﴾ کے اقرار کو ایمان کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔

## ۶۔ مذہب احناف وغیرہم:

اہل باطل کے پانچ مذاہب کے بعد دو مذہب اہل حق کے ہیں تو مسلسل گنتی کے لحاظ سے چھٹا مذہب اہل حق میں سے احناف اور جمہور متکلمین ابو منصور ماتریدی اور ابوالحسن اشعری وغیرھم کا ہے یہ کہتے ہیں کہ:

"الایمان ھو التصدیق بالجنان فقط"

آگے اس تعریف کا نتیجہ اور ثمرہ ہے کہ:

والعمل بالارکان والاقرار باللسان شرطان لاشطران للایمان۔

یعنی یہ ایمان کے لئے دو شرطیں ہیں مگر ایمان کے لئے شطر یا جزء یا رکن نہیں۔ اس مذہب کے مطابق ایمان قلبی امر بسیط کا نام ہے۔

## ۷۔ مذہب شوافع وغیرھم:

اہل حق میں سے جمہور محدثین شوافع مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایمان کی تعریف اس طرح ہے:

الایمان ھو التصدیق بالجنان والاقرار باللسان والعمل بالارکان۔

ان کے نزدیک ان تین اشیاء سے ایمان مرکب ہے بسیط نہیں ہے۔
یہ دونوں اہل حق کی جماعت اہل سنت والجماعۃ میں سے ہیں ان کا آپس میں اختلاف حقیقی نہیں بلکہ لفظی اور ظاہری ہے جیسا کہ آیندہ تفصیل آرہی ہے۔ بہرحال اہل حق کے درمیان اتنا اختلاف تو یقینی ہے کہ احناف اور جمہور متکلمین ایمان کو بسیط کہتے ہیں اور شوافع وجمہور محدثین ایمان کو تین امور سے مرکب مانتے ہیں۔امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں ایمان کے مرکب ہونے پر بہت دلائل جمع کیے ہیں۔

## ایمان بسیط ہے یا مرکب؟ طرفین کے دلائل

یہاں ایک اہم بات سمجھ لینا ضروری ہے وہ یہ کہ حضرات شوافع اور جمہور محدثین نے ایمان کی جو تعریف کی ہے یہ بعینہ وہی تعریف ہے جو معتزلہ اور خوارج نے کی ہے۔لیکن یہ صرف لفظی مشابہت ہے ورنہ حقیقت میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ معتزلہ اور خوارج ایمان کو اجزاء ثلاثہ سے ایسا مرکب مانتے ہیں کہ ایک جزء کے چھوٹ جانے سے ایمان ہی جاتا رہتا ہے اور ان کے نزدیک تارک اعمال "مخلد فی النار" ہے اسی طرح احناف اور متکلمین نے ایمان کی جو تعریف کی ہے وہ بعینہ وہی تعریف ہے جو مرجئہ نے کی ہے مگر یہاں بھی صرف لفظی مشابہت ہے ورنہ حقیقت میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ احناف اور متکلمین اعمال کی ضرورت کو مانتے ہیں اور تارک اعمال کو فاسق گردانتے ہیں جبکہ مرجئہ کے نزدیک عمل کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔
بہرحال تعریف کے اشتراک کی وجہ سے محدثین اور شوافع کو معتزلہ کا ہمنوا سمجھنا ایسا ہی ظلم ہوگا جس طرح کہ تعریف ایمان کے اشتراک لفظی کی وجہ سے احناف کو مرجئہ کا ہمنوا سمجھنا ظلم عظیم ہے۔
پھر امام صاحب کی طرف ارجاء کی نسبت کرنا بڑی ناانصافی ہے اگر معتزلہ اور خوارج کے ساتھ تعریف ایمان میں اشتراک لفظی حضرات شوافع ومحدثین کو معتزلہ وخوارج نہیں بناتا تو احناف کو کیوں مرجئہ بنا سکتا ہے؟
بہرحال ایمان کی تعریف جو احناف نے کی ہے وہ یہ ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایمان بسیط ہے اور احناف ایمان کو بسیط ہی مانتے ہیں اس پر ان کے ہاں جو دلائل ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

### احناف کے دلائل

۱۔ ﴿ان الذین امنوا وعملوا الصالحات کانت لھم جنات الفردوس نزلا﴾ (الکھف:۱۰۷)
قرآن میں جابجا ایمان پر عمل صالح کا عطف آیا ہے۔اور عطف تغایر کو چاہتا ہے تو ایمان الگ چیز ہے اعمال اور چیز ہے۔

﴿اولئک کتب فی قلوبھم الایمان﴾ (مجادلۃ:۲۲)

﴿ولما یدخل الایمان فی قلوبکم﴾ (الحجرات:۱۴)

﴿قالوا امنا بافواههم ولم تؤمن قلوبهم﴾ (المائدة:۴۱)

﴿الا من اکره وقلبه مطمئن بالایمان﴾ (النحل:۱۰۶)

ان تمام آیتوں میں دل کو محل ایمان قرار دیا گیا ہے اور ایمان کی نسبت دل کی طرف کی گئی ہے۔ دل کے اندر تو صرف عقیدۂ جازمہ آسکتا ہے اور وہ امر بسیط ہے وہاں ترکیب کا امکان نہیں۔

۲۔ ﴿من عمل صالحا من ذکر او انثی وهو مؤمن فلنحیینه حیوة طیبة﴾ (النحل:۹۷)

اس آیت میں قبول عمل کے لئے ایمان کو شرط قرار دیا گیا ہے تو ایمان شرط ہے اور عمل مشروط ہے اور شرط و مشروط میں مغایرت ضروری ہے تو ایمان شرط کے درجہ میں اور چیز ہے اور عمل مشروط کے درجہ میں اور چیز ہے تو ایمان بسیط ہوا۔

۳۔ ایمان کی ضد کفر ہے اور کفر کا محل قلب ہے تو ایمان کا محل بھی قلب ہوگا "وبضدها تتبین الاشیاء" جب محل قلب ہوا تو ایمان بسیط ہوا۔

۴۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص نے کلمہ پڑھا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس کو مارا باز پرس پر جواب میں فرمایا کہ اس نے جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھا تھا دل میں ایمان نہ تھا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فهلا شققت من قلبه" معلوم ہوا کہ محل ایمان دل ہے تو بسیط ہے۔

۵۔ حدیث جبرئیل میں "ما الایمان؟" کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "ان تؤمن بالله وملائکته" کا ذکر فرمایا جو کہ تصدیق قلبی ہے کیونکہ ایمان لانا اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر کتابوں پر رسولوں پر سب تصدیق قلبی کے قبیل سے ہے۔

۶۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے فرماتے "امنوا" تو لوگ خود سمجھتے تھے کہ "امنوا" سے مراد دل سے ماننا ہے تصدیق قلبی ذہن میں آتا تھا معلوم ہوا تصدیق قلبی ہی ایمان کا نام ہے اور دل کے اندر جو کچھ ہوگا وہ بسیط ہوگا مرکب نہیں ہوسکتا۔

## شوافع کے دلائل

جمہور محدثین اور شوافع حنابلہ اور مالکیہ نے ایمان کو تین اشیاء سے مرکب مانا ہے اس پر ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ﴿لیس البر ان تولوا وجوهکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من امن بالله والیوم الاخر والملائکة والکتاب......﴾ الخ۔

اس آیت میں بہت سارے ابواب البر کو ایمان کے ساتھ لگا دیا ہے جس سے ایمان کی ترکیب کا پتہ چلتا ہے۔

۲۔ الایمان بضع وسبعون شعبة فافضلها قول لا اله الا الله وادناها اماطة الاذی عن الطریق والحیاء شعبة من الایمان۔

اس حدیث میں بھی ایمان کے کئی شعبوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جس سے ایمان کی ترکیب کا مدعا ثابت ہوتا ہے۔

۳۔ بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ واقام الصلوٰۃ ......الخ

اس حدیث میں ایمان کو پانچ ارکان سے مرکب بتایا گیا ہے۔معلوم ہوا کہ ایمان مرکب ہے بسیط نہیں کیونکہ احادیث شریفہ میں اچھے اعمال کو ایمان کے ساتھ اس طرح جوڑ دیا گیا ہے گویا یہ سب کچھ ایک ہی چیز یعنی ایمان کے کئی اجزاء ہیں اور ایمان ان سے مرکب ہے۔امام بخاری نے صحیح بخاری کی کتاب الایمان میں اسی قسم کی کئی آیات اور احادیث سے بار بار استدلال فرمایا ہے۔

## خلاصۂ بحث

مندرجہ بالا بحث مسطورہ اور دلائل مذکورہ کے بعد بطور خلاصہ یہ سمجھ لیں کہ اہل باطل کے پانچ مذاہب کے ساتھ اہل حق کا ایمان کی تعریف ایمان میں اور تفصیل وتحقیق میں اختلاف حقیقی اور معنوی ہے جس پر ایسے نتائج مرتب ہوتے ہیں جس کے درمیان بڑا فاصلہ اور طویل بُعد ہے اور اہلِ حق کے درمیان جو ایمان کی تعریف میں اختلاف ہے یہ معنوی اور حقیقی نہیں بلکہ لفظی ہے جس کا مرجع ایک ہے۔چند وجوہات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ بس اتنا سمجھ لیں کہ اہلِ حق کا اختلاف باعتبار ملاحظہ اور ماحول کے ہے ایک نے معتزلہ کو دیکھا ان کے تشدد اور تعدی اور خروج عن الحق کو دیکھا تو اعمال کو ایمان سے الگ کرنے کا حکم دیا جیسے احناف ہیں دوسروں نے مرجئہ کو دیکھا جنہوں نے اعمال کے بارے میں حد سے تجاوز کر کے اعمال کے مقام کو گرایا تو شوافع نے اعمال سے ایمان کو مرکب ماننے کا فیصلہ کیا۔

۲۔ اہل حق کے درمیان ایمان کی تعریف میں اختلاف ''جہات'' کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔شوافع اور محدثین نے ایمان کی جہت کامل مکمل اور اعلیٰ جانب کو دیکھا تو اعمال کو ایمان میں شامل کیا اور ایمان کو مرکب کہدیا، احناف اور متکلمین نے ایمان کے ادنیٰ اور آخری درجہ کو دیکھا تو انہوں نے ایمان کو اعمال سے الگ کہہ کر اس کے بسیط ہونے کا قول اختیار کیا یعنی ایمان کا وہ درجہ لیا جس کے بعد ایمان نہیں ہے۔

۳۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ جمہور محدثین وشوافع کے نزدیک ایمان کے لئے اعمال بمنزلہ لازم ماہیت ہیں۔احناف ومتکلمین کے ہاں ایمان کے لئے اعمال بمنزلہ لازم وجود ہیں اور معتزلہ وخوارج کے ہاں ایمان کے لئے اعمال بمنزلہ لازم ذات ہیں۔

۴۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ مثلاً نفس ایمان اور نفس تصدیق بمنزلہ ذات انسان ہے اور اعمال اطراف واعضاء ہیں کہ اعضاء کے نقص سے نقص آتا ہے مگر ذات تو اپنی جگہ پر موجود ہے یا شجرہ اور اغصان کی مثال لیجئے کہ درخت کی ایک تو ذات ہے اور دیگر شاخیں ہیں ذات اپنی جگہ پر قائم ہے شاخوں کی حیثیت الگ ہے۔تو انسان اور درخت کے لئے اعضاء واغصان اجزاء ہیں لیکن یہ اجزاء تحسینیہ تزیینیہ ہیں ترکیبیہ نہیں۔

اہل حق کے درمیان اگر یہ نزاع لفظی نہ مانا جائے تو پھر ان اجزاء سے مرکب ایمان کے قائل محدثین وشوافع مرتکب کبیرہ کو خوارج

کی طرح کافر کیوں نہیں مانتے اور معتزلہ کی طرح اس کو خارج اسلام کیوں نہیں کہتے؟

اور اگر احناف و متکلمین کے نزدیک اعمال کا اعتبار نہیں صرف تصدیق قلبی بسیط کافی ہے تو پھر تارک اعمال کو یہ حضرات فاسق کیوں کہتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ یہ نزاع باعتبار ملاحظہ باعتبار جہات باعتبار اجزاء تحسینیہ تحییلیہ تزیینیہ ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ احناف و متکلمین کے اس نظریہ سے اعمال کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اعمال کو جزء ایمان قرار دے کر تصدیق قلبی کی اہمیت بھی تو گھٹ جاتی ہے؟۔

پھر اعتراض یہ ہوا کہ احناف و متکلمین کے مذہب سے مرجئہ کی تائید ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے مذہب سے معتزلہ اور خوارج کی تائید ہوتی ہے۔ بہر حال یہ سب نزاع لفظی ہے دونوں فریق اعمال کی قدر کرتے ہیں احناف تو اعمال میں زیادہ آگے ہیں۔ پس دونوں فریق نے اپنے اپنے زمانے کے لوگوں کی حد سے تجاوز کو روکنے کے لئے بطور اصلاح وعلاج الگ الگ قول اختیار کر کے رائے قائم کی ہے۔ حضرات شوافع ومحدثین کے سامنے مرجئہ کا منظر تھا اور حضرات متکلمین واحناف کے سامنے معتزلہ کا منظر تھا۔

## ایمان میں زیادت ونقصان کی بحث

حضرات محدثین وشوافع اور معتزلہ وخوارج ایمان کی زیادت ونقصان کے قائل ہیں اور ائمہ احناف و متکلمین کا اس میں اختلاف ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف دراصل اسی ماسبق اختلاف پر متفرع ہے جس میں یہ حضرات ایمان کے مرکب اور بسیط ہونے میں اختلاف کر چکے ہیں۔ پس جو لوگ ایمان کو بسیط مانتے ہیں ان کے ہاں امر بسیط میں زیادت ونقصان نہیں ہے۔ کیونکہ بسیط حقیقی ''الذی مالا جزء له اصلاً'' کو کہتے ہیں اور بسیط عرفی ''مالا یترکب من لاجسام المختلفة'' مانتے ہیں وہ زیادت ونقصان کے قائل ہیں لہٰذا یہ اختلاف بھی پہلے اختلاف کی طرح لفظی ہے اختلاف حقیقی نہیں ہے۔

اس کلام کا خلاصہ یہ نکلا کہ جن حضرات محدثین اور شوافع نے اعمال کو ایمان میں داخل مانا ہے انہیں یہی کہنا چاہئے تھا کہ ''الایمان یزید وینقص'' کیونکہ یہ ظاہر بات ہے کہ اعمال میں کمی زیادتی ہوتی ہے۔

اور جن حضرات متکلمین اور احناف نے ایمان کو صرف تصدیق قلبی کا نام دیا ہے اور اعمال کو اس کے مفہوم میں داخل نہیں مانا ہے، انہیں یہی کہنا چاہئے تھا کہ ''الایمان لایزید ولا ینقص'' کیونکہ تصدیق قلبی اعتقاد جازم کا نام ہے اور یہ امر بسیط ہے اس سے آگے تصدیق کا کوئی درجہ ہی نہیں اس لئے اس میں کمی بیشی کا امکان ہی نہیں۔ اگر کسی کا اعتقاد جازم جزم کی حد سے نیچے آگیا تو وہ ایمان نہیں کیونکہ جزم سے نیچے ظن ہے اور شریعت کی اصطلاح میں ظن کو ایمان نہیں کہا جا سکتا۔ معلوم ہوا جن حضرات نے اعمال کو ایمان کا جزء مانا ہے ان کا فیصلہ یہی تھا کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے اور جن حضرات نے اعمال کو ایمان سے الگ مانا ہے ان

کا فیصلہ یہی تھا کہ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

محدثین وشوافع حضرات نے ایمان کی زیادت ونقصان پر قرآن عظیم کی کئی آیتوں سے استدلال کیا ہے جس میں زیادت کا لفظ آیا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب بخاری میں اس قسم کے دلائل کا ابتدائے کتاب الایمان میں انبار لگا دیا ہے چند دلائل ملاحظہ ہوں:

۱۔ ﴿لیزدادوا ایمانامع ایمانھم﴾۔ (فتح:٤)

۲۔ ﴿واذاتلیت علیھم ایاتہ زادتھم ایماناوعلی ربھم یتوکلون﴾ (انفال۲)

۳۔ ﴿لیزدادالذین امنوا ایماناولایرتاب الذین اوتوا الکتاب﴾ (مدثر۳۱)

٤۔ ﴿فاماالذین امنوا فزادتھم ایمانا وھم یستبشرون﴾ (بقرۃ ۱۲٤)

٥۔ ﴿الذین قال لھم الناس ان الناس قدجمعوالکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل﴾ (آل عمران ۱۷۳)

٦۔ ﴿انھم فتیۃ امنوا بربھم وزدناھم ھدی﴾ (کھف:۱۳)

۷۔ قال ابن عمر رضی اللہ عنہ تعلمنا الایمان ثم تعلمناالقرآن فازددناایمانا۔

۹۔ وقال ابن مسعود رضی اللہ عنہ: اللھم زدناایماناویقیناوفقھا۔

## محدثین کو احناف ومتکلمین کا جواب

۱۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جن نصوص میں ایمان کی زیادت ونقصان کا ذکر ہے اس سے مراد حلاوت ایمان میں زیادتی ہے نفس ایمان میں زیادتی مراد نہیں یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں یعنی اجزاء تحسینیہ، تزیینیہ، تحیلیہ میں زیادتی مراد ہے۔

۲۔ ایک ایمان اجمالی ہے اور ایک ایمان تفصیلی ہے ایمان اجمالی زیادت ونقصان کو قبول نہیں کرتا اور تفصیلی ایمان زیادت ونقصان کو قبول کر لیتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا:

الایمان المجمل لایزیدو لاینقص واماالمفصل فھویزید۔

۳۔ یہ زیادت اور نقصان مؤمن بہ کی وجہ سے ہے کہ وحی کے ذریعہ سے جتنا مؤمن بہ بڑھتا رہتا ہے اس پر ایمان بھی بڑھتا ہے۔ مثلاً دو آیتوں پر ایمان لانے کی بعد دس آیتوں پر مزید ایمان لایا تو اس طرح مومن بہ کی وجہ سے ایمان بڑھتا رہتا ہے۔

۴۔ نزول وحی کے زمانے میں تو "یزید وینقص" ہوسکتا تھا لیکن وحی بند ہونے کے بعد اب تو لایزید و لاینقص ہی ہے۔

۵۔ مشہور قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اور ایک قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ "الایمان یزید و لاینقص"

یعنی نصوص آیات واحادیث سے زیادت کا پتہ تو چلتا ہے لہٰذا زیادت ہے لیکن نقص ونقصان کا پتہ نہیں چلتا لہٰذا نقصان نہیں ہے۔
۶۔ یہ زیادتی اور کمی نور ایمانی کے اعتبار سے ہے اصل ایمان کے اعتبار سے نہیں گویا اجزاء نورانیہ میں نقص اور انبساط آتا رہتا ہے۔

## ایمان واسلام میں نسبت کی بحث

اسلام کی تعریف جب ہوجائے گی تو اس کی نسبت ایمان کے ساتھ آسانی سے سمجھ آجائے گی لہٰذا پہلے اسلام کی تعریف ملاحظہ ہو۔

۱۔ الاسلام عبارة عن التسلیم والاستسلام بالاذعان والانقیاد۔

۲۔ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

الایمان اعتقادو الاسلام انقیاد والاحسان استشهاد۔

۳۔ میر سید سند فرماتے ہیں:

الاسلام هو الخضوع والانقیاد لما اخبربه النبی صلی الله علیه وسلم۔

۴۔ علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کشاف میں فرمایا:

ان کل مایکون الاقرار باللسان من غیر مواطاة بالقلب فهو الاسلام وماواطأفیه القلب اللسان فهو ایمان۔
یعنی جہاں زبانی اقرار موافقت دل کے بغیر ہو وہ اسلام ہے اور جہاں دل اور زبان دونوں موافق ہوں وہ ایمان ہے۔
۵۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ شریعت نے ایمان واسلام کو بطور ترادف بھی استعمال کیا ہے اور بطور تباین وتغایر بھی استعمال کیا ہے اور بطور تداخل بھی استعمال کیا ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

## ترادف کی مثال

۱۔ ﴿فاخرجنا من کان فیها من المؤمنین فما وجدنا فیها غیر بیت من المسلمین﴾ (ذاریات:۳۶)
علماء کا اس میں اتفاق ہے کہ وہاں ایک ہی گھرانہ تھا جو حضرت لوط علیہ السلام کا تھا اسی کو مؤمن اور پھر مسلم فرمایا تو ترادف ثابت ہوا۔

۲۔ ﴿وقال موسٰی یاقوم ان کنتم اٰمنتم بالله فعلیه توکلوا ان کنتم مسلمین﴾ (یونس:۸۴)
یہاں ایک ہی قوم کو مؤمن اور مسلم کہا گیا تو ترادف ثابت ہوا۔

## تباین وتضاد کی مثالیں

۱۔ ﴿قالت الاعراب اٰمنّا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم﴾ (حجرات:۱۴)
اس آیت میں دیہاتیوں سے تصدیق قلبی اور اذعان وطمانینت کی نفی کی جو ''امنا'' اور ''لم تؤمنوا'' کے مفہوم میں تھی۔

اوراستسلام ظاھراً باللسان والجوارح کو ثابت کیا گیا جس سے تغایر، تباین اور تضاد واضح ہو گیا۔

۲۔ اس آیت میں اس تغایر و تضاد کی تائید مسند احمد کی اس مرفوع روایت سے بھی ہوتی ہے کہ:

"الاسلام علانية والایمان فی القلب"۔

۳۔ حدیث جبرئیل علیہ السلام سے بھی ایمان واسلام کے تباین و تغایر کا پتہ چلتا ہے کیونکہ وہاں جب ایمان کے متعلق سوال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ان تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله" سے جواب دیا جو سب کے سب تصدیق قلبی کے تحت آتے ہیں۔ جواذعان ہے اور جب اسلام کے متعلق سوال کیا گیا تو جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان تشهد ان لااله الاالله وتقيم الصلوٰة......الخ "یعنی جواب میں سب کے سب تسلیم والی چیزیں آگئیں کہ یہ کرو، یہ کرو، یہ کرو، معلوم ہوا کہ ایمان واسلام میں فرق ہے تب ہی الگ سوال اور الگ جواب آیا جس میں تسلیم قولی اور تسلیم فعلی دونوں کا ذکر آ گیا۔

٤۔ وفی حدیث سعد رضی الله عنه انه صلی الله علیه وسلم اعطی رجلا اعطاءً ولم یعط الآخر فقال سعد یارسول الله ترکت فلانالم تعطه وهومؤمن فقال اَوْ مسلم۔

اس سے تباین و تغایر واضح ہو جاتا ہے۔

۵۔ علامہ شاہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ خاص محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک فرق درس بخاری میں بیان فرمایا جو درحقیقت حضرت شاہ صاحب کی تحقیق تھی جس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام اور ایمان کی مسافت ایک ہے صرف مبداء اور منتہیٰ کا فرق ہے۔ اسلام ظاہر سے شروع ہوتا ہے اور رچ بس کر باطن میں پہنچتا ہے اور ایمان کامل باطن سے شروع ہو کر پھوٹ پھوٹ کر ظاہر پر آجاتا ہے۔ اگر ایمان قوی ہے تو فوراً ظاہری اعضاء پر اس کا اثر نمودار ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کا سفر اندر سے شروع ہو کر باہر آتا ہے اور اسلام کا سفر باہر سے شروع ہو کر اندر کی طرف جاتا ہے۔

٦۔ الایمان والاسلام اذا اجتمعاافترقاواذاافترقااجتمعا کالمسکین والفقیر اذااجتمعاافترقا واذاافترقا اجتمعا۔

## ایمان اور اسلام میں تداخل

بعض احادیث سے ایمان واسلام میں تداخل ثابت ہوتا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے سوال کیا:

ای الاعمال افضل ؟فقال :الاسلام فقال :ای الاسلام افضل ؟ فقال : الایمان ۔ (التعلیق الصبیح)

تداخل کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام سے مراد تسلیم بالقلب اور عمل بالارکان دونوں لئے جائیں اور ایمان سے فقط تسلیم بالقلب مراد لیا جائے تو اسلام کے مفہوم کے اندر ایمان داخل ہو گیا مطلب یہ کہ:

مذکورہ روایت میں اسلام کے جواب میں ایمان آیا یعنی تسلیم بالقلب، اور اسلام خود تسلیم قلبی اور عمل بالارکان کا نام ہے۔ تو ایمان

کو اسلام میں داخل کرلیا گیا جو مدخل ہے۔اسلام عام ہو گیا اور ایمان خاص ہو گیا۔

## ایمان میں استثناء کا حکم

ایمان میں استثناء کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کہے "انا مومن ان شاء اللہ" یہ کہنا جائز ہے یا نہیں اس میں کئی اقوال ہیں۔

۱۔ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ اور سفیان بن عیینہؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور اکثر علماء کوفہ اور ابن مسعودؓ کے شاگرد کہتے ہیں کہ "انا مومن ان شاء اللہ" کہنا جائز ہے۔بعض احناف کی بھی یہی رائے ہے۔

۲۔ اہل تحقیق کے نزدیک انا مومن کے ساتھ ان شاء اللہ نہیں لگانا چاہیے۔یہی مذہب امام ابوحنیفہؒ کا بھی ہے۔

۳۔ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ مختلف اعتبارات کا لحاظ کر کے انا مومن ان شاء اللہ کا حکم معلوم کرنا چاہیے۔اگر کوئی شخص انا مومن ان شاء اللہ فی الحال کے اعتبار سے کہتا ہے تو یہ نہیں کہنا چاہیے۔کیونکہ اس شخص کو حالاً اپنے ایمان میں تردد ہے اور اگر مستقبل کے متعلق کہتا ہے کہ ان شاء اللہ میں مؤمن ہوں گا یا تبرک کے لئے استعمال کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔تاہم اس سے احتراز کرنا چاہئے کیونکہ بعض صورتیں خطرناک ہیں۔

## محل ایمان

شوافع کے ہاں ایمان کا محل قلب ہے کیونکہ نصوص میں ایمان کی نسبت قلب کی طرف کی گئی ہے جیسے "وقلبه مطمئن بالایمان" امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب ہے کہ محل ایمان دماغ ہے۔صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا ہے کہ محل ایمان قلب ہے تو دماغ کی بات اور امام صاحب کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ہاں قلبی روشنی کے لئے دماغ بمنزلہ بلب ہے۔

## باب بیان الایمان والاسلام والاحسان والقدر

## ایمان، اسلام، احسان اور تقدیر کا بیان

**تنبیہ** : محترم قارئین میں یہاں شرح اور تشریح میں جو طرز اختیار کروں گا اس کے متعلق یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ قارئین کی سہولت اور بیان کی وضاحت کے پیش نظر میں اس شرح میں مندرجہ ذیل امور کو پیش نظر رکھوں گا۔

۱۔ علامہ نووی نے جو عنوانات قائم کئے ہیں بعض جگہ وہ بہت لمبے ہوتے ہیں میں اس میں سے ضروری حصہ لیکر عنوان قائم کروں گا جس طرح اوپر عنوان میں ہے۔

۲۔ امام مسلم نے انتہائی سلیقہ سے ترتیب وار احادیث کو ایک موضوع سے متعلق درج فرمائی ہیں اور امام نووی نے اس پر عنوانات قائم کیے ہیں میں ان شاء اللہ ہر حدیث کے ساتھ نمبر درج کروں گا اور پھر حدیث کا ترجمہ لکھوں گا پھر ان احادیث میں جہاں جہاں

تشریح طلب حدیث ہوگی اس کی تشریح کروں گا جو ساتھ ساتھ ہوگی یہ طریقہ علماء، طلباء اور مدرسین کے لئے آسان تر اور مفید تر ہوگا اور یہی میرا نصب العین ہے۔

۳۔ چونکہ ہر حدیث کے ساتھ نمبر لگا ہوا ہے اس لئے کسی لفظ کی تشریح میں کبھی کبھی کہا جائے گا کہ حدیث نمبر فلاں میں اس لفظ کا مطلب یہ ہے۔

۴۔ کتابت کے لئے حدیث کا متن اور درج شدہ نمبر کے لئے میں صحیح مسلم کا وہ نسخہ پیش نظر رکھوں گا جو مکتبۃ البشری نے چھاپا ہے۔

۵۔ احادیث کا مسلسل نمبر لکھا جائے گا یعنی مقدمہ مسلم کی احادیث سے لیکر جلد اول کی تمام احادیث کو مکتبۃ البشری کے مسلسل نمبر کے ساتھ لکھا جائے گا جلد ثانی کے نمبرات کا حال اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ وہاں پہنچ کر کیا کرنا ہوگا۔ اب اللہ جل جلالہ کے نام سے کتاب صحیح مسلم شروع ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ نصرت ومدد فرمائے۔

قَالَ اَبُو الْحُسَيْنِ مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ الْقُشَيْرِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ بِعَوْنِ اللّٰهِ نَبْتَدِئُ وَاِيَّاهُ نَسْتَكْفِي وَمَا تَوْفِيْقُنَا اِلَّا بِاللّٰهِ جَلَّ جَلَالُهُ ـ

امام ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیریؒ فرماتے ہیں کہ ہم اس کتاب کو اللہ عزوجل کی مدد سے شروع کر رہے ہیں، اسی سے کفایت طلب کرتے ہیں اور وہی اللہ جل جلالہ ہمیں توفیق دینے والا ہے۔

۹۳ـ **حَدَّثَنِي** اَبُو خَيْثَمَةَ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ كَهْمَسٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ ح وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ وَهٰذَا حَدِيثُهُ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا كَهْمَسٌ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ قَالَ كَانَ اَوَّلُ مَنْ قَالَ فِي الْقَدَرِ بِالْبَصْرَةِ مَعْبَدٌ الْجُهَنِيُّ فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَحُمَيْدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْحِمْيَرِيُّ حَاجَّيْنِ اَوْ مُعْتَمِرَيْنِ فَقُلْنَا لَوْلَقِيْنَا أَحَدًا مِنْ اَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْنَاهُ عَمَّا يَقُولُ هٰؤُلَاءِ فِي الْقَدَرِ فَوُفِّقَ لَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ دَاخِلًا الْمَسْجِدَ فَاكْتَنَفْتُهُ اَنَا وَصَاحِبِي أَحَدُنَا عَنْ يَمِيْنِهِ وَالْآخَرُ عَنْ شِمَالِهِ فَظَنَنْتُ اَنَّ صَاحِبِي سَيَكِلُ الْكَلَامَ إِلَيَّ فَقُلْتُ اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ! إِنَّهُ قَدْ ظَهَرَ قِبَلَنَا نَاسٌ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ وَيَتَقَفَّرُوْنَ الْعِلْمَ وَذَكَرَ مِنْ شَأْنِهِمْ وَأَنَّهُمْ يَزْعُمُوْنَ اَنْ لَا قَدَرَ وَاَنَّ الْاَمْرَ اُنُفٌ قَالَ فَإِذَا لَقِيْتَ اُولٰئِكَ فَاَخْبِرْهُمْ أَنِّي بَرِيْءٌ مِنْهُمْ وَأَنَّهُمْ بُرَآءُ مِنِّي وَالَّذِي يَحْلِفُ بِهِ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لَوْ اَنَّ لِأَحَدِهِمْ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا فَأَنْفَقَهُ مَا قَبِلَ اللّٰهُ مِنْهُ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ ثُمَّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ حَتّٰى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ! أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتُقِيْمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْاَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِيْمَانِ؟ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ، قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِحْسَانِ؟ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ؟ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ۔ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنْ اَمَارَاتِهَا؟ قَالَ اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا وَاَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِيْ يَا عُمَرُ اَتَدْرِيْ مَنِ السَّائِلُ؟ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّهُ جِبْرِيْلُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ۔

حضرت یحییٰ بن یعمر سے روایت ہے کہ جس شخص نے سب سے پہلے تقدیر کے معاملہ میں گفتگو کی وہ بصرہ کا ایک شخص معبد الجہنی تھا۔ میں اور حمید بن عبد الرحمن الحمیری حج یا عمرہ کے ارادہ سے چلے، ہم نے کہا کہ کاش ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کوئی ایک مل جائے تو ہم ان سے تقدیر کے بارے میں جو یہ لوگ کہتے پھرتے ہیں پوچھیں۔ پس حسن اتفاق سے ہمیں حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب مسجد میں داخل ہوتے ہوئے مل گئے تو میں اور میرے ساتھی نے ان کو گھیر لیا۔ ہم میں سے ایک ان کے دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف ہو گیا مجھے خیال ہوا کہ میرے ساتھی مجھے گفتگو کرنے دیں گے میں نے کہا کہ: اے ابو عبدالرحمن! ہماری طرف کچھ ایسے لوگ سامنے آئے ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں اور علم کے حصول کی جستجو میں رہتے ہیں ہم نے اس گروہ کے کچھ حالات بیان کئے اور کہا کہ وہ لوگ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں ہے اور تمام معاملات بس اچانک ہو جاتے ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: جب تو ان لوگوں سے ملے تو انہیں بتلا دینا کہ میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں اور قسم ہے اس ذات کی جس کی قسم عبداللہ بن عمر کھاتا ہے اگر ان میں سے کسی شخص کے اس اُحد کے برابر سونا ہو اور وہ اسے خرچ کر دیں تو بھی اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو قبول نہیں فرمائیں گے یہاں تک کہ وہ تقدیر کا قائل ہو جائے اس کے بعد فرمایا کہ مجھ سے میرے والد حضرت عمر بن خطاب نے بیان کیا کہ "ایک روز ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، اسی دوران اچانک ایک شخص نہایت سفید براق کپڑے پہنے ہمارے سامنے نمودار ہوا، بال اس کے نہایت سیاہ تھے، اس کے اوپر نہ تو سفر کے کوئی آثار نمایاں تھے اور نہ ہی ہم میں سے کوئی اسے جانتا تھا، یہاں تک کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا اور اپنے دونوں گھٹنے حضور علیہ السلام کے گھٹنوں سے ملا لئے اور اپنی ہتھیلیاں حضور علیہ السلام کی رانوں پر رکھ دیں اور کہا کہ: اے محمد! مجھے اسلام کے بارے میں بتلائیے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاجت روا نہیں ہے اور محمد (صلی

اللہ علیہ وسلم ) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرے اور زکوۃ ادا کیا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور اگر زادراہ میسر ہو تو بیت اللہ کا حج کرے۔ اس آدمی نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا ہم بڑے حیران ہوئے کہ یہ شخص سوال کر کے پھر اس کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ مجھے ایمان کے بارے میں بتلایئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کے ملائکہ پر، اس کی کتابوں پر، اس کے انبیاء ورسل پر اور آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر، اس آدمی نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ پھر کہا کہ مجھے احسان کے بارے میں بتلایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی بندگی اس طرح کرے گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر اس کو نہیں بھی دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے قیامت کے بارے میں بتلایئے ( کہ کب آئیگی ؟ ) آپ علیہ السلام نے فرمایا: مسؤل اس بارے میں سائل سے زیادہ عالم نہیں اس نے کہا کہ مجھے پھر قیامت کی علامات کے بارے میں ہی بتلایئے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب لونڈی اپنی سیدہ کو جنم دے اور تو دیکھے کہ وہ لوگ جو ننگے پاؤں پھرنے والے تھے جن کے پاس تن ڈھانکنے کے لئے کپڑے نہیں تھے اور جو بکریوں کے چرانے والے تھے وہ لوگ لمبی لمبی بلند وبالا عمارات بنا رہے ہیں۔ پھر وہ شخص چلا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کافی دیر ٹھہرا رہا۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عمر! کیا تم سائل کے بارے میں جانتے ہو؟ میں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جبرئیل علیہ السلام تھے اور تمہارے پاس تمہارا دین تمہیں سکھلانے کے لئے آئے تھے۔

۹۴ ـ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْغُبَرِيُّ وَأَبُو كَامِلٍ الْفُضَيْلُ بْنُ الْحُسَيْنِ الْجَحْدَرِيُّ وَأَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ قَالُوا حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ مَطَرٍ الْوَرَّاقِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ قَالَ لَمَّا تَكَلَّمَ مَعْبَدٌ بِمَا تَكَلَّمَ بِهِ فِي شَأْنِ الْقَدَرِ أَنْكَرْنَا ذَلِكَ قَالَ فَحَجَجْتُ أَنَا وَحُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحِمْيَرِيُّ حَجَّةً وَسَاقُوا الْحَدِيثَ بِمَعْنَى حَدِيثِ كَهْمَسٍ وَإِسْنَادِهِ وَفِيهِ بَعْضُ زِيَادَةٍ وَنُقْصَانُ أَحْرُفٍ۔

حضرت یحییٰ بن یعمر فرماتے ہیں کہ جب معبد الجہنی نے مسئلہ تقدیر کے بارے میں غلط اور گمراہ کن باتیں کرنا شروع کیں تو ہم نے اس کا انکار کیا میں اور حمید بن عبدالرحمٰن حمیری ایک مرتبہ حج کو گئے۔ آگے سابقہ حدیث کو ہی اپنی سند سے بیان کیا کچھ کمی بیشی کے ساتھ۔

۹۵ ـ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ بُرَيْدَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ وَحُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَا لَقِينَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ فَذَكَرْنَا الْقَدَرَ وَمَا يَقُولُونَ فِيهِ وَاقْتَصَّ الْحَدِيثَ كَنَحْوِ حَدِيثِهِمْ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيهِ شَيْءٌ مِنْ زِيَادَةٍ وَقَدْ نَقَصَ مِنْهُ شَيْئًا۔

حضرت یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ اور حمید بن عبدالرحمٰن الحمیری دونوں فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمر سے ملے اور مسئلہ تقدیر کا تذکرہ کیا اور لوگوں میں جو غلط بات اس بارے میں کہی جارہی تھی اس کے بارے میں ذکر کیا اور پھر سابقہ حدیث کچھ کمی بیشی کے ساتھ بیان فرمائی۔

۹۶۔**وَحَدَّثَنِي** حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِ حَدِيثِهِمْ۔

حجاج بن الشاعر یونس بن محمد معتمر بواسطہ والد یحییٰ بن یعمر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے انہی حدیثوں کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔

۹۷۔**وَحَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُلَيَّةَ قَالَ زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي حَيَّانَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا بَارِزًا لِلنَّاسِ فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ! مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكِتَابِهِ وَلِقَائِهِ وَرُسُلِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ الْآخِرِ قَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ! مَا الْإِسْلَامُ؟ قَالَ الْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ وَتُؤَدِّيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ قَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ! مَا الْإِحْسَانُ؟ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنَّكَ إِنْ لَا تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ! مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلَكِنْ سَأُحَدِّثُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا إِذَا وَلَدَتِ الْأَمَةُ رَبَّهَا فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا وَإِذَا كَانَتِ الْعُرَاةُ الْحُفَاةُ رُءُوسَ النَّاسِ فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا وَإِذَا تَطَاوَلَ رِعَاءُ الْبَهْمِ فِي الْبُنْيَانِ فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا فِي خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ تَلَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (لقمان: ۳۴) قَالَ ثُمَّ أَدْبَرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُدُّوا عَلَيَّ الرَّجُلَ فَأَخَذُوا لِيَرُدُّوهُ فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا جِبْرِيلُ جَاءَ لِيُعَلِّمَ النَّاسَ دِينَهُمْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز لوگوں کے سامنے حاضر تھے کہ اس اثناء میں ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہا کہ یارسول اللہ! ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ، اس کے ملائکہ پر، اس کی کتب پر، اس سے ملاقات پر اور اس کے انبیاء ورسل پر اور ایمان رکھو آخرت میں اٹھائے جانے پر۔ اس نے کہا کہ یارسول اللہ! اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی بندگی

کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، تم فرض نماز قائم کرو، فرض زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو۔ اس نے کہا یارسول اللہ! احسان کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ تم اللہ کی بندگی اور عبادت اس طرح کرو کہ گویا اسے دیکھ رہے ہو اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا یارسول اللہ! قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس معاملہ میں مسؤل سائل سے زیادہ نہیں جانتا لیکن میں تم سے قیامت کے علامات بیان کروں گا۔ جب لونڈی اپنے آقا کو جنم دے تو وہ قیامت کی علامات میں سے ہے جب ننگے بدن اور ننگے پاؤں پھرنے والے لوگ قوم کے سردار بن جائیں تو یہ قیامت کی علامات میں سے ہے اور جب مویشی چرانے والے بڑی بلند و بالا عمارتیں بنانے لگیں تو یہ بھی علامات قیامت میں سے ہے۔ یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ عز وجل کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿ان اللہ عندہ علم الساعۃ﴾ الخ ''بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہے قیامت کی خبر اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ ہے ماں کے پیٹ میں اور کسی جی کو معلوم نہیں کہ کل کیا کرے گا اور کسی جی کو خبر نہیں کہ کس زمین میں مرے گا۔ تحقیق اللہ سب جاننے والا خبردار ہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ پھر وہ شخص واپس ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے دوبارہ میرے پاس لاؤ، لوگ اسے لینے کے لئے دوڑے تو انہیں کچھ نظر نہ آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ جبرئیل تھے اور لوگوں کو ان کے دین کی تعلیم دینے آئے تھے۔

۹۸۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو حَيَّانَ التَّيْمِيُّ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ غَيْرَ أَنَّ فِي رِوَايَتِهِ إِذَا وَلَدَتِ الْأَمَةُ بَعْلَهَا يَعْنِي السَّرَارِيَّ۔

محمد بن عبداللہ بن نمیر، محمد بن بشر، ابوحیان تیمی سے دوسری روایت بھی اسی طرح منقول ہے صرف بجائے ''رب'' کے ''بعل'' کا لفظ ہے مطلب یہ ہے کہ جب باندی اپنے شوہر کو جنم لے گی۔ (شوہر سے مراد بھی مالک ہے)۔

۹۹۔ **وَحَدَّثَنِي** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عُمَارَةَ وَهُوَ ابْنُ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَلُونِي فَهَابُوهُ أَنْ يَسْأَلُوهُ فَجَاءَ رَجُلٌ فَجَلَسَ عِنْدَ رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ مَا الْإِسْلَامُ؟ قَالَ لَا تُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ وَتَصُومُ رَمَضَانَ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ مَا الْإِيْمَانُ؟ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكِتَابِهِ وَلِقَائِهِ وَرُسُلِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ كُلِّهِ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ مَا الْإِحْسَانُ؟ قَالَ أَنْ تَخْشَى اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنَّكَ إِنْ لَا تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ مَتَى تَقُومُ السَّاعَةُ؟ قَالَ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَسَأُحَدِّثُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا إِذَا رَأَيْتَ الْمَرْأَةَ تَلِدُ رَبَّهَا فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا وَإِذَا رَأَيْتَ الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الصُّمَّ الْبُكْمَ مُلُوكَ الْأَرْضِ فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا وَإِذَا رَأَيْتَ رِعَاءَ الْبَهْمِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا فِي خَمْسٍ مِنَ

الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ قَرَأَ ﴿ إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴾ (لقمان:٣٤) قَالَ ثُمَّ قَامَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُدُّوهُ عَلَيَّ فَالْتُمِسَ فَلَمْ يَجِدُوهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا جِبْرِيلُ أَرَادَ أَنْ تَعَلَّمُوا إِذَا لَمْ تَسْأَلُوا ۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے پوچھو لوگوں کو سوال کرنے سے خوف محسوس ہوا چنانچہ ایک شخص آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں کے پاس بیٹھ گیا اور کہا یا رسول اللہ! اسلام کیا ہے؟ فرمایا کہ تم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دیا کرو اور رمضان کے روزے رکھا کرو اس نے کہا کہ آپ نے صحیح فرمایا۔ پھر کہا یا رسول اللہ! ایمان کیا ہے؟ فرمایا کہ تم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر ایمان لاؤ۔ اس نے کہا کہ آپ نے سچ کہا۔ پھر اس نے کہا یا رسول اللہ! احسان کیا ہے؟ فرمایا کہ تم اللہ سے اس طرح ڈرتے رہو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے دیکھ نہیں رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا کہ آپ نے سچ کہا۔ پھر اس نے کہا یا رسول اللہ! قیامت کب قائم ہوگی آپ نے فرمایا اس معاملہ میں **مسؤل عنہ**، سائل سے زیادہ واقف نہیں اور میں تمہیں اس کی علامات کے بارے میں بتلاتا ہوں۔ جب تم دیکھو کہ عورت اپنے آقا کو جنم دے تو یہ اس کی علامت ہے اور جب تم دیکھو کہ ننگے پیر اور ننگے بدن رہنے والے گونگے بہرے لوگ زمین کے بادشاہ بن جائیں تو یہ علامات قیامت میں سے ہے اور جب تم دیکھو کہ جانوروں کے چرانے والے بلند و بالا عمارتیں بنا رہے ہیں تو یہ قیامت کی علامات میں سے ہے۔ قیامت ان پانچ غیبی چیزوں میں شامل ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی: ﴿ان اللہ عندہ علم الساعۃ..... الخ﴾۔ راوی فرماتے ہیں کہ پھر وہ آدمی کھڑا ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے میرے پاس بلاؤ چنانچہ اسے تلاش کیا گیا لیکن تلاش کرنے والوں نے اسے نہیں پایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جبریل علیہ السلام تھے۔ انہوں نے چاہا کہ ان کی زبان سے دین جان لو جبکہ تم نے خود سوال نہیں کیا۔

## تقدیر کا بیان

### تشریح

"كان اول من قال فى القدر بالبصرة معبد الجهنى"

"يحيى بن يعمر" میم پر فتح اور ضمہ دونوں جائز ہے ان کی کنیت ابو سلیمان ہے بصری ہے ابو اسود دئلی سے علم نحو سیکھا ہے حجاج بن

یوسف نے خراسان کی طرف جلاوطن کیا وہاں حجاج کے مخالفین نے ان کو قاضی بنادیا۔

یہاں اس سند میں ''ح'' تحویل کا آیا ہے مقدمہ میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے حا قال و حدثنا پڑھنا چاہئے (و ھذا حدیثه . . .

امام مسلم حدثنا اور حدثنی میں بڑی احتیاط کرتے ہیں نیز انبأنا اور حدثنا میں فرق کا لحاظ رکھتے ہیں۔ یہاں امام مسلم نے انتہائی احتیاط کے پیش نظر اشارہ کیا ہے کہ دونوں راویوں نے معنی کے اعتبار سے ایک ہی حدیث کو بیان کیا ہے۔ لیکن الفاظ فلاں راوی کے ہیں یہ امام مسلم کی عام عادت ہے دوسرے محدثین بہت کم اس طرح اشارہ کرتے ہیں۔ ان دو سندوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی والی سند میں عنعنہ کے ساتھ روایت ہے اور دوسری سند میں تحدیث کے ساتھ ہے، دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلی سند میں عبداللہ بن بریدہ کا نام مذکور ہے اور دوسری سند میں نام نہیں بلکہ ابن بریدہ مذکور ہے تحویل کے ساتھ کئی سندوں کے لانے میں اسی قسم کے فوائد ہوتے ہیں کبھی تائید اور متابع وشاہد کی غرض سے تحویلات آتی ہیں۔ امام مسلم بہت زیادہ تحویلات لاتے ہیں پھر امام بخاری پھر ابوداؤد اور پھر دیگر محدثین کا معمول رہا ہے اب یہ بات ہے کہ مذکورہ حدیث کس سند کو دی جائے گی تو راجح یہ ہے کہ پہلی سند کو روایت ملے گی بعض نے کہا کہ مضبوط سند کو روایت دی جائے گی۔

''بالبصرة'' 'ب' پر فتح ہے اس کو تصغیر کے ساتھ بصیرہ بھی کہتے ہیں اس کی طرف نسبت بصری ہوتی ہے اس میں 'ب' پر کسرہ و فتح دونوں جائز ہوتا ہے مشہور صحابی عتبہ بن غزوان نے اس کو حضرت عمر فاروقؓ کے حکم سے بنا کر آباد کیا اس شہر میں کبھی بت پرستی نہیں ہوئی ہے آج کل عراق کے ماتحت بڑا شہر ہے ''معبد الجهنی'' جھینہ قبیلہ کی طرف منسوب ہے یہ شخص حسن بصریؒ کی مجلس میں بیٹھتا تھا سوسن یہودی سے اس نے یہ عقیدہ لیا اور بصرہ میں پھیلا دیا جیسا کہ تفصیل آرہی ہے۔

''یتقفرون العلم'' یعنی علمی شغل رکھتے ہیں اس میں بحث اور تحقیق کرتے ہیں یہ لفظ یتفقرون بھی پڑھا گیا۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ لوگ دقیق وعمیق مسائل میں بحث کرتے ہیں'' وذکر من شانهم '' یعنی ابن بریدہ نے کہا کہ یحیی بن یعمر نے ان لوگوں کی علمی فضیلت بیان کی'' انف '' یہ استیناف سے ہے'' روض انف '' اس باغیچہ کو کہتے ہیں جو سالم اور محفوظ ہو کوئی جانور اس میں نہ چرا ہو، مطلب یہ کہ جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے اس کی پہلے سے کوئی لکھت نہیں ہے۔ سب کچھ نئے سرے سے ظاہر ہو رہا ہے۔

''حتی یؤمن بالقدر'' یعنی جب تک تقدیر پر کوئی ایمان نہیں لاتا اس کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا چاہے وہ کچھ بھی کرے۔ حضرت ابن عمرؓ کے کلام میں معتزلہ کی تکفیر پر تصریح نہیں ہے اگر چہ اس میں ان کی تکفیر کی طرف اشارہ ہے۔ مگر قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ یہ معتزلہ کی وہ قسم ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم بالکائنات کی نفی کرتے ہیں اور ان کے کافر ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (فتح الملہم)

یہاں اس حدیث نمبر ۹۳ میں یؤمن بالقدر کا لفظ ہے اس سے تقدیر مراد ہے اور تقدیر میں تفصیل ہے ملاحظہ فرمائیں۔

سب سے پہلے تقدیر کی لغوی تعریف اور پھر اس کی اصطلاحی تعریف لکھی جاتی ہے۔

# تقدیر کی تعریف

''القدر'' دال متحرک بھی ہے اور ساکن بھی ہے یہ کسی چیز کا اندازہ کرنے اور کسی چیز میں تنگی کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ﴿انا کل شیء خلقناہ بقدر﴾ یہ اسی انداز ے اور تقدیر کی طرف اشارہ ہے تو لغت میں تقدیر اندازہ کے معنی میں ہے اور اصطلاح میں تقدیر سے متعلق علماء کی تعبیرات مختلف ہیں چنانچہ شرح فقہ اکبر میں ہے۔

۱۔ القدر تعیین کل مخلوق بمرتبته التی توجد من حسن وقبح ونفع وضرر۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۰)
یعنی تقدیر ہر مخلوق کی ہر حیثیت وصفت کے تعین کا نام ہے خواہ وہ نفع وضرر کی صفت ہو یا حسن اور قباحت کی ہو۔

۲۔ کچھ دیگر علماء نے اس طرح کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدائش عالم سے پہلے جن چیزوں کا اندازہ فرمایا ہے اور لوح محفوظ میں ان کو مقرر کیا ہے اسی کے مطابق اس کا تفصیلی وجود ظاہر ہوگا یہی تقدیر ہے، اس میں یہ نہیں ہوسکتا کہ پہلے کسی چیز کا اندازہ نہ ہوا ہو اور تقدیر کی لکھت نہ ہوئی ہو اور تفصیل میں وہ چیز آجائے جو چیزیں اس کائنات میں تفصیلاً جاری ہیں وہ پہلے سے تقدیر میں عنداللہ معین ومقرر ہیں آپ یوں سمجھیں کہ مثلاً زید کے تفصیلی حالات پیدائش سے لے کر وفات تک اللہ تعالیٰ کے علم میں آگئے، تب اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی تقدیر میں لکھ دیا، اب زید کے پیدا ہونے کے بعد اس کی تمام حرکات وسکنات اسی اجمالی لکھت کے مطابق ہوں گے لیکن تقدیر نے اس کو مجبور نہیں کیا بلکہ اسے اختیار دیا ہے اس آزادانہ اختیار کے ساتھ اس نے جو کچھ کیا اور اللہ کے علم میں آگیا اسی کے مطابق اس کے تفصیلی حالات ظاہر ہوں گے۔

۳۔ ملا علی قاریؒ نے یہ تعریف کی ہے ''هو ما یقدره الله من القضايا''۔ (المرقات، ج ا ص ۲۵۶)
یعنی اللہ تعالیٰ نے روز اول سے سارے فیصلوں کو جو مقدر کیا ہے اسی کا نام تقدیر ہے۔

## منکرین تقدیر کا فتنہ کب شروع ہوا؟

خلفائے راشدین کے دور میں کسی نے تقدیر کا انکار نہیں کیا اور نہ کسی کو اس میں تردد ہوا صحابہ کرام کے بالکل آخری دور میں بعض لوگوں نے اس مسئلہ میں بحثیں شروع کیں، بصرہ میں ایک شخص معبد جہنی تھا اس نے یہ کہنا شروع کردیا کہ اللہ تعالیٰ کو مستقبل کے امور کا علم اس کے ظہور سے پہلے نہیں ہوتا جب کوئی عمل ظاہر ہوجاتا ہے تب اللہ کو اس کا علم ہوجاتا ہے اس کی تعبیر ان کے ہاں یہ تھی ''الامر انف ای مستانف'' یعنی پہلے سے کوئی نظام لکھت یا لوح محفوظ وغیرہ نہیں ہے جو ہوجاتا ہے اسی سے تقدیر بنتی ہے اس شخص کا رد خود صحابہ کرام میں سے عبداللہ بن عمرؓ نے کیا، یہ عنوان چونکہ غلط بلکہ گمراہ کن تھا اس لئے اس پر تردید آنے کے بعد اس عنوان سے یہ مسئلہ آگے نہ چل سکا، ہاں معتزلہ نے اس کو ایک اور رنگ دیا اور اس کو آگے چلایا وہ عنوان یہ تھا کہ آیا بندوں میں اپنے افعال کے اختیار کرنے کی قدرت ہے یا نہیں یعنی بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں چنانچہ ''خلق افعال العباد'' کے عنوان سے انکار تقدیر کا مسئلہ خلفاء

بنو عباس کے دور میں بہت آگے بڑھ گیا اور اس کے اصول و فروع پر بہت جھگڑے ہوئے، اسی میں سے امام احمد بن حنبلؒ اور معتزلہ حکام کے درمیان خلق قرآن کا وہ بڑا مشہور معرکہ بھی ہے جو کئی سالوں تک آزمائش کا میدان بنا رہا، معبد جہنی کا استاذ سوسن یہودی تھا دونوں نے بصرہ میں تقدیر کا یہ جھگڑا کھڑا کیا، پھر معبد جہنی اور اس کے بعد غیلان نامی شخص نے اس عقیدہ کو عراق اور حجاز میں پھیلا دیا۔ عمرو بن عبید نے جب اس مسئلہ کو اچھالا تو حجاج بن یوسف نے اس کو قتل کیا۔ حسن بصریؒ کی مجلس سے واصل بن عطاء اٹھ کھڑا ہوا اور اس فتنہ کو شروع کیا ادھر حجاز میں ایک زمانہ میں بیت اللہ کی عمارت میں آگ لگی اس پر ایک شخص نے کہا کہ یہ تقدیر الٰہی کی بنیاد پر لگی تو دوسرے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح تقدیر نہیں بنائی اس طرح حجاز میں یہ مسئلہ پھیل گیا۔ (فتح الملہم)

## تقدیر پر ایمان کا مطلب

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ تقدیر پر ایمان لانا فرض ہے اور وہ اس طرح ہے کہ بندہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے خواہ وہ عمل خیر کا ہو یا شر کا ہو، اور یہ سب کچھ بندوں کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے اب جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے سب اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور اس کے ارادے سے ہو رہا ہے، تاہم اللہ تعالیٰ کفر سے ناراض ہوتا ہے اس لئے کفر و معصیت کے لئے سزا کا وعدہ کیا ہے اور ایمان و طاعت پر ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ (مرقات، ج ۱ ص ۲۵۹)

حضرت جعفر صادقؒ کا مقولہ ہے "لا جبر و لا قدر ولکن الامر بین الامرین"۔

حضرت حسن بصریؒ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے تقدیر کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

"من لم یؤمن بقدرہ من خیرہ و شرہ فقد کفر"۔

## تقدیر ایک پوشیدہ راز ہے

تقدیر اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے جس پر اللہ نے کسی مقرب فرشتہ یا کسی مقرب رسول کو بھی مطلع نہیں کیا ہے۔ لہٰذا اس میں عقلی بحث و تمحیص جائز نہیں ہے بلکہ یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر کے دو گروہوں میں تقسیم کر دیا ایک گروہ اپنی رحمت اور اپنے فضل و کرم کے تحت جنت کے لئے بنا دیا اور دوسرے گروہ کو اپنے عدل کے تحت دوزخ کے لئے بنا دیا دونوں کو اختیار دیا کسی کو مجبور نہیں کیا، ایک شخص نے حضرت علیؓ سے تقدیر جاننے کے لئے پوچھا تو آپؓ نے جواب دیا۔ "طریق مظلم فلا تسلکہ" "ایک تاریک راستہ ہے اس پر نہ جاؤ، اس نے پھر سوال کیا آپؓ نے فرمایا" بحر عمیق فلا تلجہ" ایک گہرا سمندر ہے اس میں نہ اترو، اس شخص نے پھر سوال کیا آپ نے فرمایا" سر اللہ قد خفی علیک فلا تفتشہ" اللہ تعالیٰ کا ایک مخفی راز ہے اس کو فاش کرنے کی کوشش نہ کرو۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

کیفیۃ المرأ لیس المرأ یدرکھا فکیف کیفیۃ الجبار فی القدم

''ایک انسان کی کیفیت کو دوسرا انسان نہیں پاسکتا تو قدیم بادشاہ قہار و جبار کے رازوں کو انسان کیسے پاسکے گا؟''

اس موضوع سے متعلق دو اشعار ملاحظہ ہو۔

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو این جا است — نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن — کہ جاہا سپر باید انداختن

## تقدیر وقضاء میں کیا فرق ہے

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فرمایا کہ قضاء وقدر کے معنی مشترک ہیں ایک کا اطلاق دوسرے پر ہوتا ہے اور کبھی کبھی مختلف معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں وہ اس طرح کہ قدر تو اللہ تعالیٰ کا وہ ازلی اجمالی فیصلہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں متعین ہوتا ہے اور قضاء اس کا خارجی تفصیلی خاکہ ہوتا ہے یا اس کی خارجی تکمیل ہوتی ہے جیسے''فقضاھن سبع سموات ''یہ سات آسمان اپنے وجود کے اعتبار سے اسی اجمالی تقدیر کے لئے خارجی تفصیلی خاکے ہیں اور بعض مرتبہ قضاء سے مراد علم اجمالی ازلی ہوتا ہے اور قدر سے مراد خارج میں اس کا تفصیلی وجود ہوتا ہے۔ (اشعۃ اللمعات، ج۱ص۹۲)

بعض عارفین نے اس مسئلہ کو ایک مثال سے سمجھایا ہے کہ جیسے ایک مصور انجینئر کے ذہن میں ایک خاکہ ہوتا ہے پھر وہ خارج میں اس کا ایک نقشہ بناتا ہے بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں ایک صورت معہودہ ہے اس کو قدر کہتے ہیں اسی کے مطابق خارج میں ایک صورت آتی ہے وہ قضاء ہے اس قضاء کے تابع ہو کر بندہ کا قدر کے مطابق عمل کرنا کسب کہلاتا ہے۔ مثال اس طرح ہے کہ ایک مصور انجینئر اپنی صورت ذھنیہ کے مطابق کاغذ پنسل سے ایک خاکہ بناتا ہے تلمیذ اس خاکہ میں خطوط کا لحاظ کرتے ہوئے رنگ بھرتا ہے تو صورت ذھنیہ قدر ہے خارج میں اس کا خاکہ قضاء ہے اور خاکہ میں رعایت کے ساتھ رنگ بھرنا عبد کا کسب ہے تو جس طرح یہ رنگ بھرنا صورت ذھنیہ کے عین مطابق ہے اسی طرح بندہ کا کسب تقدیر الٰہی کے عین مطابق ہے اور بندہ تقدیر کے خلاف نہیں کرسکتا، خلاصہ یہ کہ مکان بنانے سے پہلے جو خاکہ ذہن میں آتا ہے یہ بمنزلہ قدر ہے اور اسی نقشہ کے مطابق جو مکان تیار ہو کر موجود فی الخارج ہوا یہ قضاء ہے۔ تاہم اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ قضاء وقدر میں ترادف ہے دونوں ایک ہی ہیں۔

## مسئلہ تقدیر میں مختلف مذاہب

تقدیر کے مسئلہ میں کل تین مذاہب ہیں ایک اہل حق کا اور دو اہل باطل کے ہیں، اہل حق اہل سنت والجماعہ ہیں اور اہل باطل جبریہ اور معتزلہ ہیں تفصیل اس طرح ہے۔

**۱۔ جبریہ کا مذہب**

تقدیر کے متعلق جبریہ کا مذہب یہ ہے کہ انسان اپنے افعال میں مجبور محض جماد کی طرح ہے اس کے افعال کا اعتبار نہیں اور تقدیر کے سامنے یہ بے بس اور بے حس پتھر ہے یہ لوگ ان نصوص سے استدلال کرتے ہیں جن میں تقدیر کا ذکر ہے جیسے

﴿وما تشاء ون الا ان یشاء اللہ رب العالمین﴾۔

**جواب**

جبریہ کا مذہب صریح البطلان یعنی واضح طور پر باطل ہے کیونکہ اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت لازم آتی ہے کیونکہ جب انسان مجبور محض ہے اور اس کو اپنے فعل کا کچھ بھی اختیار نہیں بلکہ جو کچھ کیا وہ اللہ نے کیا تو پھر انسان کو جزا وسزا کے محکمہ میں گھسیٹ کر لانا کہاں کا انصاف ہے تو جس مذہب اور عقیدہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت لازم آتی ہے اس کے باطل ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔

جبریہ کے مذہب کے باطل ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ہر عقلمند شخص اپنے وجدان سے اس بات کو سمجھتا ہے کہ افعال اختیاری اور غیر اختیاری میں فرق ہے مثلاً وجدان یہ فیصلہ کرتی ہے کہ حرکت ارتعاش یعنی ہاتھ کا شل ہو کر حرکت کرنا غیر اختیاری ہے اور حرکت بطش یعنی قصد کر کے حرکت کرنا اختیاری ہے اس سے معلوم ہوا کہ انسان اپنے افعال میں ایک حد تک بااختیار ہے اور ایک حد سے آگے بے اختیار ہے جبریہ کا انسان کو بالکل مجبور ومعذور اور بے بس و بے حس کہنا ضلالت بھی ہے اور حماقت بھی ہے اگر یہ اس طرح مجبور تھا تو اس کو افعال کرنے نہ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم کیوں دیا؟ حضرت علیؓ نے اسی قسم کے شخص سے فرمایا کہ پاؤں اٹھاؤ اور کھڑے رہو اس نے پاؤں اٹھایا حضرت علیؓ نے فرمایا دوسرا پاؤں بھی اٹھاؤ اور کھڑے رہو، اس نے کہا یہ تو ممکن نہیں اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا بس انسان اتنا بااختیار ہے اور اتنا بے اختیار ہے تو خلاصہ یہ ہے کہ جس حد تک انسان جاسکتا ہے اسی حد تک یہ مکلف اور جوابدہ ہے اور جہاں سے آگے نہیں جاسکتا ہے وہاں کا جوابدہ نہیں۔ نیز اختیار اور بے اختیار کا فیصلہ تو ایک بے عقل کتا بھی کرتا ہے دیکھو جب کوئی انسان اس کو پتھر مارتا ہے تو وہ پتھر کو چھوڑ کر مارنے والے انسان کے پیچھے دوڑتا بھونکتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ پتھر بے جان کا کیا قصور ہے اصل قصور تو اس بااختیار انسان کا ہے جو اپنے فعل سے پتھر مارتا ہے۔

## اختیار کس طرح ہے؟

جب یہ معلوم ہوا کہ عقل سلیم اور وجدان صحیح کا اٹل فیصلہ ہے اور دنیا کا یہ مشاہدہ ہے کہ بعض افعال اختیاری بھی ہیں تو وہ اختیار کس طرح ہے حالانکہ ﴿وما تشاء ون الا ان یشاء اللہ﴾ آیت بتا رہی ہے کہ انسان کا ارادہ نہیں چلتا ہے سب کچھ مشیت الٰہی کے تحت چل رہا ہے۔

## جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کو توجیہ الارادہ کا اختیار دیا گیا ہے یعنی جب وہ ارادہ کرتا ہے اور توجہ کرتا ہے تو مشیت الٰہی کی طرف سے اس کی موافقت آتی ہے اس توجہ اور اس ارادہ میں یہ انسان با اختیار ہے اور یہی اس کے لئے قدرت متوھمہ ہے اور اسی قدرت متوھمہ پر مواخذہ ہوتا ہے یعنی یہ انسان جب کوئی فعل کرنا یا نہ کرنا چاہتا ہے اور قدم اٹھاتا ہے تو کوئی رکاوٹ نہیں بس ادھر انسان حرکت ارادی کرتا ہے اور ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق آتی ہے تو اس میں یہ مختار ہے مجبور نہیں ہے۔ یہ اس کا اپنا فعل ہے ہاں جو کچھ کرتا ہے اس کی لکھت پہلے سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے اس نے اس شخص کے اس با اختیار فعل کو پہلے معلوم کیا اور پھر لکھ دیا اب جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے وہ اسی لکھت کے مطابق ہے اس کی ایک مثال یہ سمجھ لیں کہ ایک ڈاکٹر نے کسی مریض سے کہہ دیا کہ فلاں چیز کھاؤ گے تو مر جاؤ گے اس شخص نے وہ چیز کھالی اور مر گیا تو ڈاکٹر نے علامات اجمالیہ وجود یہ سے بتایا تھا کہ مرو گے اب جو مر گیا تو ڈاکٹر کے قول سے تو نہیں مرا نہ ڈاکٹر کے لکھنے سے مرا بلکہ وہ تو اپنے اس فعل سے مرا ہے جس سے ڈاکٹر نے منع کیا تھا۔

بعینہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے علم میں جو اجمال ہے جس کا نام تقدیر ہے وہ پہلے سے موجود ہے خارج میں پایا جانے والا فعل بندہ کا اپنا فعل ہے یہ بے شک تقدیر کے موافق ہے لیکن یہ شخص تقدیر کے ہاتھوں مجبور نہیں بلکہ تقدیر کی لکھت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس کے احوال کو آزاد ماحول میں دیکھ کر پھر لکھ دیا۔ چنانچہ اب جو کچھ ہو رہا ہے اسی کے مطابق ہو رہا ہے۔

اس کی دوسری ذرا زیادہ واضح مثال اس طرح ہے کہ مثلاً ایک ریلوے ٹائم ٹیبل ہے جس میں لکھا ہے کہ فلاں گاڑی فلاں ٹائم فلاں جگہ سے چلے گی فلاں ڈرائیور ہوگا فلاں جگہ اتنی دیر رکے گی فلاں اسٹیشن پر فلاں وقت پہنچے گی اتنا ایندھن کھائے گی وغیرہ وغیرہ اس طرح پورے دن اور پورے سفر کا ٹائم ٹیبل تیار ہو کر سامنے آگیا اور مرتب ہو کر موجود ہوا تو آپ دیکھتے ہیں کہ وہ گاڑی ٹھیک اسی ٹائم ٹیبل کے مطابق انہیں ہدایات پر چلتی ہے لیکن یہ ٹائم ٹیبل اس گاڑی کو نہیں چلاتا بلکہ ڈرائیور یا گاڑی کا سسٹم ہے جس سے وہ چلتی ہے بالکل اسی طرح لوح محفوظ ہے جس پر انسان کی تقدیر لکھی ہوئی ہے وہ انسان کی زندگی کا ٹائم ٹیبل ہے جس کے مطابق انسان کی زندگی کی یہ گاڑی اس کے اپنے کسب واختیار سے سفر کر رہی ہے فرق اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم چونکہ محیط ہے تو انسانی گاڑی اس علم وتقدیر سے مخالف نہیں ہو سکتی اور ریل گاڑی کے پروگرام میں تخالف وتغیر آسکتا ہے کبھی آہستہ کبھی کیسا کبھی کیسا۔

ان تشریحات وتوضیحات کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ جبریہ کا مذہب باطل محض ہے اور انہوں نے جس آیت سے استدلال کیا ہے اہل سنت والجماعۃ فرماتے ہیں کہ اس میں انسان کے لئے مستقل اختیار کی نفی ہے جیسا کہ معتزلہ انسان کے لئے مستقل اختیار کے قائل ہیں اس آیت میں اس ضعیف غیر مستقل محدود اختیار کی نفی نہیں ہوتی ہے جو دیگر نصوص اور عقل سلیم اور وجدان صحیح سے انسان کو حاصل ہے۔

## ۲۔ معتزلہ قدریہ کا مذہب

ان کا مذہب یہ ہے کہ انسان اپنے افعال میں آزاد ہے کسی تقدیر کا پابند نہیں بلکہ اپنے افعال کا انسان خود خالق ہے پہلے سے کوئی لکھت نہیں ورنہ مواخذہ محال ہو جائے گا۔

یہ مذہب بھی صریح البطلان ہے اور جبریہ کی طرح یہ لوگ بھی اہل باطل ہیں ان کا یہ مذہب جبریہ کی ضد ہے ان کے مذہب کے باطل ہونے پر بہت نصوص موجود ہیں چند آیات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ﴿وما تشاؤن الا ان یشاء الله رب العالمین﴾ (تکویر)

اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ انسان اپنے افعال کا خالق نہیں ہے۔

۲۔ ﴿ان کل شیء خلقناہ بقدر﴾ (قمر:۴۹)

اس سے تقدیر کا ثبوت ہوتا ہے۔

۳۔ ﴿قل لا املك لنفسی نفعاً و لا ضراً الا ما شاء الله﴾ (اعراف:۸۸)

اس سے بھی تقدیر کا وجود ثابت ہوتا ہے۔

### پہلا جواب

اہل حق نے معتزلہ کو کئی جواب دیئے ہیں۔ پہلا جواب یہ کہ تمہارا عقیدہ صریح نصوص کے خلاف ہے۔

### دوسرا جواب

یہ کہ تمہارے عقیدے کے پیش نظر انسانی تخلیقات اللہ تعالیٰ کی تخلیقات سے زیادہ ہو جائیں گی اور یہ باطل ہے لہٰذا تمہارا عقیدہ باطل ہے کیونکہ طاعات سے معصیات زیادہ ہیں تو انسانی تخلیقات زیادہ ہو جائیں گی۔

### تیسرا جواب

یہ کہ تمہارے عقیدہ سے لازم آتا ہے کہ یہ کچھ معاصی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر موجود ہو رہے ہیں جو موجب عجز یا نقص ہے حالانکہ معاصی طاعات پر غالب ہیں تو اکثری افعال اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر آ گئے اور یہ عقیدہ غلط ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ معتزلہ اس بات سے بچنا چاہتے ہیں کہ "شر" کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ شر کا خالق ہے تو عجیب بات یہ ہے کہ شر کی طرف نسبت سے بچنے کی کوشش میں صریح شرک میں پڑ گئے اور کہا کہ خالق خود انسان ہے یہ لوگ اس مثال کے مصداق بن گئے۔ "فرمن المطر و وقف تحت المیزاب" ہم الزامی جواب میں کہتے ہیں کہ ابلیس شر اور شرارت کا پتلا ہے اس کو کس نے پیدا کیا؟ کیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کا کوئی اور خالق ہے جس نے اس کو پیدا کیا؟ تو یاد رکھو تخلیق شر کمال

ہے جیسا کہ تخلیق خیر کمال ہے ہاں کسب شر مذموم ہے۔تاہم عموماً شر کی نسبت شیطان کی طرف کی جاتی ہے یا نفس کی طرف نسبت ہوتی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں بے ادبی اور گستاخی نہ ہو جائے۔علماء لکھتے ہیں کہ یوں کہو اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کے خالق ہے یہ نہ کہو کہ اللہ تعالیٰ خنزیر کا خالق ہے یہ بے ادبی ہے۔

## دلچسپ مکالمہ

عبدالجبار ہمدانی معتزلی، استاذ ابواسحاق اسفرائنی کی مجلس میں آکھڑے ہوئے اور کہا ''سبحان من تنزہ عن الفحشاء'' یعنی گناہ کی نسبت اللہ کے حق میں فحشاء ہے اس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے۔استاذ اسفرائنی نے فرمایا ''سبحان من لایجری فی ملکہ الامایشاء '' ہمدانی نے کہا ''ایشاء ربنا ان یعصی '' استاذ نے کہا ''ایعصی ربنا قسرا'' فبھت '' ہمدانی کا مطلب یہ تھا کہ کیا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان کی نافرمانی کی جائے تو استاذ اسفرائنی نے جواب میں فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی جبری طور پر ہوتی ہے؟ اس پر ہمدانی لاجواب ہو گیا۔ (فتح الملہم،ج ۱ص ۴۷۹)

قرآن کریم کی کئی آیات سے تقدیر کا ثبوت ملتا ہے جس سے واضح طور پر معتزلہ کا مذہب باطل ہو جاتا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿انا کل شیء خلقناہ بقدر﴾ (قمر:۴۹) ﴿یمحو اللہ مایشاء ویثبت و عندہ ام الکتاب﴾ (رعد:۳۹)

﴿و کل شیء فعلوہ فی الزبر و کل صغیر و کبیر مستطر﴾ (قمر:۵۲،۵۳)

ان واضح آیات اور احادیث کی تصریحات کے بعد معتزلہ کا تقدیر سے انکار محض خرافات اور عقل کا فقدان ہے۔

## ''شر'' کی تخلیق میں حکمت

تمام عقلاء و حکماء اس پر متفق ہیں کہ دنیوی بادشاہ میں دو صفات کا موجود ہونا ضروری ہے ایک صفت لطف و کرم اور دوسری صفت قہر وجلال، اول اس لئے کہ اپنوں پر رحم کرے الطاف و مہربانیاں کرے اگر یہ صفت نہیں تو ایسے بخیل اور کنجوس کو کون بادشاہ بنائے گا اور اس کی بادشاہت کو کون تسلیم کرے گا ایسا شخص اگر بادشاہ بن بھی گیا تو یہ نقص اور عیب جلد ہی اس سے بادشاہت چھین لے گا۔دوم صفت قہر بھی ضروری ہے تا کہ لوگ بے جا تعدی و تجاوز اور بے جا جرأت نہ کریں کسی نے کہا ہے۔

لطف تجن دم بدم قہر تجن گاہ گاہ
یہ بھی تجن واہ واہ وہ بھی تجن واہ واہ

اللہ تبارک و تعالیٰ بادشاہ علی الاطلاق ہے اس کے لطف و کرم کی صفت کے مظہر فرشتے ہیں اور قہر و غضب کا مظہر شیطان ہے اسی طرح انسانوں میں ابرار صفت لطف و کرم کے مظہر ہیں اور فجار صفت قہر کے مظہر ہیں یہ اس لئے ضروری ہے تا کہ دونوں صفات کا ظہور ہو سکے، اسی طرح ایک ایسی جگہ بھی ہونی چاہیے جہاں صفت لطف و کرم اور جمال کا ظہور ہو اور وہ جگہ جنت ہے۔ایسے ہی

ایک جگہ ایسی بھی ہونی چاہئیے جہاں صفت قہر وغضب کا ظہور ہو اور وہ جگہ دوزخ ہے۔ تو جنت اور دوزخ کا وجود، ابرار و اشرار کا وجود، خیر اور شر کا وجود شہنشاہ مطلق کے لئے ضروری ہے تا کہ دنیا کی گاڑی آزمائش کے میدان میں خیر اور شر کی دو پٹریوں پر رواں دواں رہے اور حق و باطل کا مقابلہ گرم ہو کیونکہ ۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

خلاصہ کلام یہ نکلا کہ ایک ہے تخلیق شر اور دوسرا ہے کسب شر، تخلیق شر محمود ہے اور کسب شر مذموم ہے دونوں کے جداگانہ احکام ہیں مگر دونوں کی تخلیق تو کمال ہے مجموعہ عالم کی ترتیب میں حسن تب ہی آتا ہے جب اس میں خیر و شر کے دونوں رنگ موجود ہوں ۔

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

در کار خانہ عشق از کفر ناگزیر است دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نہ باشد

تنبیہ !

تقدیر کی دو قسمیں ہیں: ایک تقدیر معلق ہے اور دوسری تقدیر مبرم ہے تقدیر معلق میں تغیر آتا ہے مگر تقدیر مبرم میں کبھی فرق اور تغیر نہیں آتا، ان دونوں کو اجل معلق اور اجل مبرم بھی کہتے ہیں۔

اجل معلق کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں ایک فیصلہ لکھ دیا ہو مگر اس کے ساتھ کچھ شرائط بھی رکھ دیں مثلاً لکھا کہ فلاں شخص کی عمر ساٹھ سال ہوگی لیکن اگر اس نے والدین کی خدمت کی یا متقی پرہیزگار رہا تو اس کی عمر اسی سال ہو جائے گی۔ قسم دوم اجل مبرم ہے یہ اللہ تعالیٰ کا وہ اٹل فیصلہ ہے جس میں جو کچھ مقرر اور متعین ہے اس میں کبھی بھی تغیر ممکن نہیں جو فیصلہ تقدیر مبرم میں ہو چکا ہے وہی ہو کر رہے گا۔ اذا جاء اجلهم فلا یستأخرون ساعة ولا یستقدمون۔ (سورت یونس ۴۹)

# شرح حدیث جبریل

یہ ایک جامع حدیث ہے اور شریعت مطہرہ کے تمام شعبوں پر محیط ہے چونکہ ان بنیادی باتوں کے سوالات حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے تھے اس لئے اس کو حدیث جبریل کہتے ہیں۔ جب سوال کرنے والے جبرئیل ہوں اور جواب دینے والے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہوں تو پھر اس حدیث کی بنیادی مضامین کی شان خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔

قاضی عیاض مالکی کا بیان ہے کہ یہ حدیث تمام عبادات ظاہری اور باطنی اور ایسے احکامات پر مشتمل ہے جو ایمان، اعمال، جوارح اور اخلاص سرائر سے متعلق ہیں۔ یہاں تک کہ شریعت کے تمام علوم اس کی طرف راجع ہیں اور سب اس سے پھوٹ کر پھیلتے ہیں اور اسی جامعیت کی وجہ سے علامہ قرطبی نے فرمایا کہ "یصلح ان یقال له ام السنة" یعنی جس طرح سورۃ فاتحہ قرآن کے لئے ام القرآن ہے یہ حدیث تمام احادیث کے لئے "ام السنة" ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ امام بغویؒ نے اپنی کتاب مصابیح اور شرح السنۃ کی ابتداء اسی حدیث شریف سے کی ہے۔ اس حدیث سے متعلق گزشتہ مباحث میں بھی چند باتیں لکھی گئی ہیں۔ وہاں ملاحظہ کریں۔

''بینما'' یہ لفظ مفرد ہے اور ظرفیت کے لئے آتا ہے اور جملہ اسمیہ اور فعلیہ دونوں کی طرف مضاف ہوتا ہے۔''اذ''اور''بینما'' دونوں ظرف زمان بمعنی مفاجاۃ آتے ہیں اور یہی مفاجاۃ کا معنی اس ظرف کا عامل بنتا ہے، حدیث کا معنی یہ ہوا۔

وقت حضورنا فی مجلس النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاجأنا طلوع ھذا الرجل۔

ترجمہ کرنے میں''بینما''کا ترجمہ اس طرح ہوتا ہے۔اسی اثناء میں یا اسی درمیان اور اسی دوران۔''ذات یوم''لفظ ذات بڑھایا گیا ہے یہ اس وہم کو دور کرنے کے لئے ہے کہ یہاں مجازاً مطلق زمان مراد نہیں بلکہ دن ہی مراد ہے۔ نیز لفظ ذات کلام کی تحسین کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔بعض نے اس کو مقحم یعنی زائد بھی کہا ہے۔''نحن عند رسول اللہ''ایک روایت میں''فی آخر عمرہ''کا لفظ آیا ہے۔بعض شارحین حجۃ الوداع کے بعد دس ہجری میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی اس آمد کا وقت بتایا ہے۔ گویا حضرت جبریل علیہ السلام تمام احکام نازل ہونے کے بعد امور دین کی تثبیت وتقریر اور مضبوطی کے لئے آئے اور اجمالی خاکہ ایک ہی مجلس میں پیش کیا۔آنے والی روایت میں ہے''کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما بارزا للناس'' ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک نمایاں جگہ پر تشریف فرماتے کیونکہ صحابہ نے آپ کی اجازت سے آپ کے بیٹھنے کے لئے ایک چبوترہ بنایا تھا تاکہ امتیاز آجائے۔اسی روایت سے قرطبی نے علماء اساتذہ اور مدرسین کے لئے نمایاں جگہ بنانے پر استدلال کیا ہے۔بشرطیکہ ضرورت ہو،اس حدیث کا شانِ ورود یہ ہے کہ چونکہ قرآن کریم نے آنحضرت سے سوال پر پابندی لگائی تھی تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''سلونی فھابوا ان یسألوہ فجاء جبرئیل''یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے سوال پوچھو تو صحابہ سوال کرنے سے گھبرا گئے تب جبرائیل آئے اور سوالات کئے۔

''اذ طلع علینا رجل''دخل کے بجائے طلع زیادہ مناسب تھا کیونکہ طلوع الشئی دفعۃ ہوتا ہے۔یا لفظ طلع کمال ظہور،کمال عظمت اور علوِ مرتبت کے لئے اختیار کیا جیسے''طلع البدر علینا یا طلع الشمس''کے الفاظ عظمت کے لئے بولے جاتے ہیں۔

تیسری وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ یہ شخص چونکہ جبرئیل امین تھے اور فرشتے نورانی مخلوق ہیں اس نور اور روشنی کے لئے طلع کا لفظ استعمال کرنا زیادہ مناسب تھا۔''رجل''میں تنوین تعظیم کے لئے ہے۔یعنی ایک شان والا آدمی نمودار ہوا،فرشتہ ہمیشہ جب کسی کی شکل اپناتا ہے تو مردوں کی شکل میں آتا ہے۔عورت کی شکل میں نہیں آیا کرتا۔''شدید بیاض الثیاب''یہاں اضافت لفظیہ تخفیف کے لئے ہے۔اور مضاف الیہ میں الف لام عوض مضاف الیہ ہے۔یعنی''شدید بیاض ثوبہ''اور اگر شدید مضاف پر تنوین پڑھا جائے تو بیاض اس کا فاعل بن جائے گا۔یعنی''شدید بیاض ثوبہ''سفید لباس اختیار کرنے سے اشارہ کیا کہ سب سے عمدہ لباس سفید ہوتا ہے۔ایک حدیث میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''البسوا ثیاب البیض فانھا اطھر

واحضب و کفنوافیھاموتاکم'' اور سفید لباس اختیار کرنے سے توحش دور ہوجاتا ہے اس لئے اس کو اختیار کیا، اس جملے کی تشریح ہونے والے شدید سواد الشعر کے جملہ میں بھی چلے گی۔ ان دونوں جملوں کے ملانے سے علم دین کے طلباء کے لئے چند مفید آداب حاصل ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ حصول علم کے لئے پہلا ادب تو یہ ہے کہ طالب علم صاف ستھرا ہو خواہ پرانا کپڑا ہو مگر صاف ہو نظافت ہو دوسرا ادب یہ کہ علم دین کے حصول کا زمانہ جوانی کا ہے کہ اس میں ہر مشقت برداشت کرنا بھی آسان ہوتا ہے۔ اور ذہن اور حافظہ اور دیگر قویٰ بھی تر وتازہ ہوتے ہیں۔

''ولا یعرفہ منا احد''۔

## سوال

یہاں یہ سوال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیسے فرمایا کہ ہم میں سے کوئی بھی ان کو نہیں جانتا تھا ممکن ہے پورے مجمع میں کوئی جانے والا ہو!؟۔

## جواب

جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گمان کے مطابق سب کی طرف یہ نسبت کی یا یہ کہ حاضرین مجلس کے قول اور تصریح کے مطابق یہ فرمایا کیونکہ وہ قول عثمان بن غیاث کی روایت میں اس طرح ہے۔

"فنظر القوم بعضھم الی بعض فقالوا مانعرفہ"

''حتی جلس الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' اس روایت میں کچھ اجمال ہے۔ مسند امام اعظم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو روایت منقول ہے وہ اس طرح ہے۔

عن ابن مسعود الی ان قال السلام علیک یارسول اللہ فقال وعلیک السلام فقال یارسول اللہ ادن فقال ادن فقال مدنا حتی جلس ...... الخ

جلوس اور قعود مترادف الفاظ ہیں جو بیٹھنے کے معنی میں ہیں۔

''فاسند رکبتیہ الی رکبتیہ'' سوال یہ ہے کہ اس طرح بیٹھنے میں بے ادبی کا احتمال ہے ایسا کیوں کیا؟

اس کے چند جوابات ہیں۔

۱۔ طلب علم میں اپنی شدید حاجت واحتیاج ظاہر کرنے کے لیے ایسا کیا۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لیے ایسا کیا۔

۳۔ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے ایسا کیا۔

۴۔ اپنی ہیئت وحیثیت چھپانے کے لیے ایسا کیا کہ کوئی پہچان نہ سکے۔

''ووضع کفیه علی فخذیه '''' کفیه '' کی ضمیر تو اس آنے والے سائل جبریل امین کی طرف لوٹتی ہے یہ طالب علم کے باادب بیٹھنے کا انداز ہے کہ دوزانو ہو کر قعدہ کی شکل میں بیٹھ کر دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ دے گویا ہر متعلم کو ادب کا درس دیا۔

'' فخذیه '' اس میں ضمیر اگر سائل کی طرف راجع ہے تو اس میں کمال ادب کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔لیکن امام بغوی علامہ طیبی اسماعیل تیمی وغیرہ علماء کے نزدیک یہ ضمیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے کہ اس سائل نے اپنے دونوں ہاتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں پر رکھ دیئے۔ان علماء کی اس رائے کی تائید نسائی کی روایت سے ہوتی ہے کیونکہ کہ اس میں تصریح ہے۔'' ثم وضع یدیه علی رکبتی النبی صلی الله علیه وسلم '' اس تصریح کے بعد اس میں بحث نہیں کرنی چاہیے کہ ضمیر کس طرف کی لوٹتی ہے؟۔

البتہ یہاں پھر وہی سوال اٹھے گا کہ یہ صورت کیا بے ادبی کی نہیں ہے؟ اس کے وہی جوابات ہیں جو اوپر کے جملے میں دیئے گئے ہیں کہ اس سے وہ اپنا گنوار پن ظاہر کرنا چاہتے تھے تاکہ ملک اور فرشتہ ہونا پوشیدہ رہے، یا توجہ مبذول کرانا چاہتے تھے۔ملا علی قاریؒ نے اس کو مجاز پر حمل کیا ہے کہ اس سے مراد کمال قرب ہے لیکن مجاز لینے کی کیا ضرورت ہے؟ حقیقت موجود ہے، بہر حال جبریل امین کی آمد وگفتگو اور سوال وجواب پر علامہ ابن حجر رحمہ اللہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور دیگر شارحین نے جو کلام کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا مطمح نظر ابہام، اخفاء حال اور لوگوں کو ہر ممکن طریقے سے ورطۂ حیرت اور التباس میں ڈالنا تھا۔کبھی آپ تہذیب یافتہ لوگوں کا طرز اختیار کر کے یہ تاثر دیتے ہیں کہ یہ نو وارد انتہائی درجہ کے مہذب، باوقار اور آداب تعلیم سے واقف ہیں اور کبھی ایسی صورت اختیار کر لیتے ہیں جس سے آداب مجلس سے ناواقف ہونے دیہاتی اور بدوی ہونے کا خیال آتا ہے۔کبھی اپنی رانوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر مہذب انداز میں بیٹھ جاتے ہیں اور کبھی ناواقف دیہاتیوں کی طرح گھٹنوں سے گھٹنا ٹیک کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رانوں پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں۔کبھی یا رسول اللہ کہہ کر تہذیب کا رنگ اختیار کرتے ہیں اور کبھی یا محمد کہہ کر گنوار پن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔کبھی سلام کر کے مجلس میں آنے کی اجازت مانگتے ہیں اور کبھی گردنوں کو پھلانگ کر دیہاتیوں کی طرح آگے بڑھتے ہیں کبھی عمدہ وعمیق سوال کرتے ہیں تو جواب ملنے پر خود تصویب کر کے واقفیت اور ناواقفیت کے تضاد کو جمع کرتے ہیں۔بدن اور لباس پر آثار سفر ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے مقیم معلوم ہوتے ہیں اور کسی کا ان کو نہ پہچاننا مسافر ہونے کی دلیل ہے۔عجیب یہ ہے کہ جبریل امین نے (تعمیہ) اور اخفاء کے تمام طور طریق اپنا کر لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا یہاں تک کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت تک نہ پہچانا اور جانے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ جبرائیل تھے۔

'' وقال یامحمد ''۔

سوال یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس طرح خطاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔چنانچہ ارشاد

ہے ﴿لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا﴾ اس کے باوجود جبریل امین نے یا محمد سے آپ کو کیوں پکارا ہے؟ نیز قرآنی ممانعت کے ساتھ ساتھ اس طرح خطاب کرنے میں بے ادبی کا پہلو بھی ہے۔

پہلا جواب

یہ ہے کہ اس خطاب اور اس ممانعت کے مکلف اور پابند انسان ہیں فرشتے نہیں، یہ اچھا جواب ہے کیونکہ کئی دیگر مقامات میں جبریل امین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی نام سے پکارا ہے۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ لفظ محمد وصفی معنی بمعنی ستودہ صفات ''حمیدہ خصال والے'' مراد لئے گئے ہیں علَمی معنی مراد نہیں ہے۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ جبریل امین اپنے آپ کو چھپا رہے تھے اس کے لئے اس طرح کا پکارنا ضروری تھا۔ بہر حال جب شارحین حدیث نے اس میں بے ادبی کا احتمال نکالا ہے تو اب ''یا محمد'' کہہ کر پکارنا حرام ہے اور جب عقیدہ بھی فاسد ہو پھر اس میں کیا شک ہے۔

ایک بریلوی عالم مفتی احمد یار خان نے مشکوٰۃ کی شرح لکھی ہے اس مقام پر وہ لکھتے ہیں ''اب حضور کو ''یا محمد'' کہہ کر پکارنا حرام ہے''۔ بریلوی حضرات کے اعلیٰ امام احمد رضا خان صاحب اپنی کتاب تجلی الیقین ص ۲۶ پر لکھتے ہیں:

ولہذا علماء تصریح فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نام لیکر ندا کرنی حرام ہے اور واقعی محل انصاف ہے کہ جسے اس کا مالک ومولیٰ تبارک وتعالیٰ نام لے کر نہ پکارے غلام کی کیا مجال کہ وہ ادب سے تجاوز کرے۔ (تجلی الیقین ص ۲۶)

''اخبرنی عن الاسلام'' یہاں پر امر استدعاء کے معنی میں ہے۔ استعلاء اور حکم کے معنی میں نہیں ہے۔ کیونکہ انبیاء کرام فرشتوں سے افضل ہیں۔

''الاسلام ھو الانقیاد الظاھر بشرط الانقیاد الباطن'' الاسلام میں الف لام حقیقت شرعیہ کے لئے ہے۔ اور ایک روایت میں شرائع الاسلام کے الفاظ بھی ہیں۔ اسی لئے اس کا جواب ارکان خمسہ سے دیا گیا ہے۔ صرف تعریف نہیں بتائی اور نہ یہاں ایمان واسلام کی اصطلاحی تعریفات بتانا مقصود ہے۔

یہاں پر سوال یہ ہے کہ مسلم، کتاب حمیدی، جامع اصول، ریاض الصالحین اور مشکوٰۃ میں اسلام سے متعلق سوال وجواب کو مقدم لایا گیا ہے اور مصابیح میں ایمان کا سوال وجواب مقدم کیا گیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مقام کا تقاضا یہ تھا کہ اسلام مقدم ہو کیونکہ جرائیل علیہ السلام نے سیکھنے اور تعلیم کے لئے سوال کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری طور پر جواب دیا کیونکہ آپ حکمت تدریجیہ کے اصول پر جواب دیا کرتے تھے۔ اس لئے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہم کو مقدم کر کے ذکر فرماتے تھے۔ لہٰذا یہاں ظاہری انقیاد سے تدریجاً ترقی کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کا ذکر فرمایا پھر اس سے ترقی کر کے احسان کا تذکرہ فرمایا جو اخلاص کا مقام ہے گویا یہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کی ایک صورت تھی، ورنہ ایمان تو اساسِ اسلام اور اساسِ دین ہے وہ سب سے مقدم ہے۔ یا جواب یہ ہے کہ یہ تقدیم یا تاخیر بعض رواۃ کی طرف سے تصرف ہے جو ہوتا رہتا ہے اور مختلف اسلوب اختیار کرتے رہنا محدثین کی عام عادت ہے اور جہاں ایمان مقدم ہے تو ظاہر ہے کہ وہ دین کے لئے اساس اور بنیاد ہے اس کے بغیر کسی عمل کا اعتبار نہیں ہے۔

''ان تشهد'' یہاں ''ان'' مصدر یہ ہے جس نے تشہد کو شہادۃ مصدر بنا دیا۔ ''ان لا اله الا الله'' میں اَن مخففه من الثقیله ہے۔ جو ''انه'' کے معنی میں ہے اور ضمیر شان ہے اور ''لا اله الا الله'' کلمۃ التوحید ہے۔

"والتوحيد في اللغة وحدانية الشيء، واصطلاحاً اثبات ذات الله بالوحدانية"۔ عقيدةً وقولاً وعملاً وعرفاً وثبوتاً ودواماً۔

کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی مشابہت سے پاک ہے۔

توحید سے متعلق امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''للتوحيد لبّان وقشران كالجوز۔۔۔ الخ'' یعنی توحید کے لئے دو چھلکے ہیں۔ اور دو مغز ہیں جس طرح اخروٹ اور بادام میں ہوتا ہے۔ اقرار باللسان توحید کے لئے اوپر کا چھلکا ہے اور اعتقاد بالجنان دوسرا چھلکا ہے جس طرح بادام کی گٹھلی پر ایک چھلکا ہوتا ہے پھر خود گٹھلی دوسرا چھلکا ہے پھر لب ہے۔ توحید کا لب یہ ہے کہ انسان کائنات کی تمام اشیاء کو ایک اللہ کی تخلیق مانے اور یہ جانے کہ سب کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے ہے جو سب کا فاعل مختار ہے۔ اور پھر تمام اسباب کو ان کے مسببات کے ساتھ جڑا ہوا مانے، اس کے بعد لُبّ اللُّب ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کی نظر کائنات میں صرف ایک اللہ پر ہی ہو، دیگر کوئی چیز اس کی نظر نہ آئے اور اسی واحد لاشریک ذات کے مراقبہ میں مستغرق ہو جائے۔ تو قشر اور قشر القشر اور لب اور لب اللب یہ چار چیزیں توحید میں ہیں۔

''محمد رسول الله'' اس جملے سے نبوت اور رسالت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور شہادت کے مفہوم میں ''محمد رسول الله'' کا مفہوم خود پڑا ہوا ہے کیونکہ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں تو کبھی اس کو ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی صرف شہادت کے لفظ پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

''ان استطعت اليه سبيلا'' امام شافعیؒ کے ہاں حج کے لئے استطاعت مال کا نام ہے، لہٰذا معذور بیمار پر بھی حج فرض ہے جبکہ وہ مالدار ہو وہ اپنے نائب کو پیسہ دے کر حج کرائے گا۔ امام مالکؒ کے نزدیک استطاعت بالبدن ہے کہ آدمی صحت مند اور تندرست ہو تو اس پر حج فرض ہے پیدل جائے گا راستے میں کمائے گا کھائے گا اور آگے بڑھتا جائے گا۔ احناف کے ہاں زاد و راحلہ کا حاصل ہونا استطاعت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ بعض روایات میں حج کا ذکر نہیں ہے، بعض میں روزے کا ذکر نہیں ہے حج کا ہے، بعض میں ترتیب میں آگے

پیچھے ہے کہ حج کا ذکر پہلے ہے روزہ کا بعد میں ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ راویوں کے تصرفات میں سے ہے کہ کسی نے کسی کو ذکر کیا کسی نے کسی اور کو ذکر کیا۔ کسی کو ایک طرح یاد تھا اور کسی کو کسی اور طرح یاد تھا اس میں تقدیم تاخیر بھی ہوگئی۔

"قال صدقت فعجبنا له" یعنی صحابہ کو اس پر تعجب ہوا کہ

۱۔ یہ شخص سائل بن کر اپنی لاعلمی کا اظہار کر رہا ہے اور پھر تصدیق کر کے اپنے عالم ہونے کا اظہار کر رہا ہے جو تضاد ہے۔

۲۔ صحابہ کرام کے تعجب کی دوسری وجہ علامہ قرطبیؒ نے بیان فرمائی ہے کہ صحابہ جانتے تھے کہ علم کا منبع اور سرچشمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے بغیر کوئی بھی ان علوم کو نہیں جانتا، یہ سائل کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے نہیں تو یہ کیسے تصدیق کرتے ہیں کیونکہ تصدیق کے لئے سابق علم کا ہونا ضروری ہے۔

"قال فاخبرنی عن الایمان" یہاں پر بھی امر استدعا کے معنی میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ سوال مؤمن بہ اور متعلقات ایمان سے ہے، حقیقت ایمان اور تعریف سے نہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں مؤمن بہ امور کا ذکر کیا ورنہ حقیقی ایمان تو تصدیق قلبی ہے۔ اب یہاں اشکال یہ ہے کہ آپ نے "اخبرنی عن الایمان" کے جواب میں "ان تؤمن" فرمایا۔ تو یہ تو "تعریف الشیء بنفسه" ہوئی، جواب یہ ہے کہ سوال میں ایمان شرعی کا ذکر ہے اور جواب میں ایمان لغوی کا ذکر ہے تو حد اور محدود الگ الگ ہیں۔ نیز ایمان جب جواب میں آیا تو اس کے صلہ میں با آیا اور ایمان اس صلہ کی وجہ سے "تعترف" کے معنی میں ہوا۔ یعنی سائل نے پوچھا ایمان شرعی کیا ہے؟ جواب دیا گیا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ملائکہ ...... الخ کے اقرار کا نام ایمان ہے۔

وملائکته: یہ اصل میں "مالکة من الالوکة" سے بمعنی الرسالۃ ہے پھر ہمزہ پر لام کو مقدم کیا تو "ملئکة" ہوگیا پھر ہمزہ کا فتحہ لام کو دیا اور ہمزہ حذف کردیا گیا تو "ملك" رہ گیا جس کی جمع "ملائکة" ہے۔ امام بیہقی کی تحقیق کے مطابق فرشتوں سے متعلق یہ عقیدہ اور ایمان رکھنا چاہئے۔

۱۔ یہ عقیدہ ہو کہ انکا وجود ہے اور یہ اللہ کی عظیم مخلوق ہے۔

۲۔ یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے عظیم مرتبہ سے فرشتوں کو نوازا ہے اور انہیں عالم بالا و عالم سفلی کے بڑے کاموں پر مامور کیا ہے۔

۳۔ یہ عقیدہ ہو کہ "لایعصون الله ماامرهم ویفعلون مایؤمرون"۔

۴۔ یہ عقیدہ ہو کہ بعض فرشتے انبیاء کی طرف اللہ کی جانب سے سفراء ہیں بعض دوسرے کاموں میں ہیں۔

فرشتوں کے بارے میں نیچری اور سرسید کے پیروکاروں نے بڑی زیادتی کی ہے کہ جو نظر نہیں آتا اس کا انکار کرو، اس لیے وہ فرشتوں اور جنات کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے جسم میں بہت ساری چیزیں ہیں مثلاً لوہا ہے، شوگر ہے، چونا وغیرہ ہے جو نظر نہیں آتا مگر کوئی انکار نہیں کرتا۔ ماچس کی تیلی میں آگ کہاں نظر آتی ہے دودھ میں مکھن کہاں نظر آتا ہے۔ مگر کوئی انکار نہیں

کرتا تو صرف فرشتوں کا انکار کیوں کیا جاتا ہے؟ اگر یہ کوئی شرعی ضابطہ ہے کہ جو نظر نہ آئے اس کا انکار کرو تو پھر اللہ تعالیٰ بھی نظر نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ سرسید کے اکثر پیروکار دہریہ بن جاتے ہیں۔ فرشتوں کی تعداد صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہاں چار فرشتے مشہور ہیں۔ فرشتوں پر اجمال اور تفصیل کے ساتھ ایمان لانا ہے۔ یہاں ملائکہ کو رسولوں پر مقدم کر کے ذکر کیا ہے؟ یہ تقدیم فضیلت کے اعتبار سے نہیں بلکہ تقدیم ذکری ہے نہ کہ رتبی۔ ویسے بھی فرشتے وجود کے اعتبار سے مقدم ہیں تو پہلے ذکر کیا۔

وکتبہ : تمام صحائف اور کتب مراد ہیں۔ اس پر ایمان یہ ہے کہ اللہ کا کلام ہے قدیم ہے مجرد از حروف وصوت ہے۔ یہ کتابیں انبیاء کرام علیہم السلام پر بواسطہ فرشتہ یا براہ راست اتری ہیں اور قرآن کریم سب سے افضل ہے جو عربی میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا ہے۔ قرآن کے آنے کے بعد سابقہ تمام کتابیں منسوخ ہوگئیں قرآن کریم ان کے لئے ناسخ ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔ کل آسمانی صحائف ایک سو بتائے جاتے ہیں اور چار مشہور کتابیں ہیں یہ کتب اور صحائف کل ایک سو چار ہو جاتے ہیں۔ پچاس صحائف حضرت شیث علیہ السلام پر نازل ہوئے۔ تیس حضرت ادریس علیہ السلام پر اترے اور دس حضرت آدم علیہ السلام کی طرف بھیجے گئے۔ اور دس حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئے۔ اور باقی چار مشہور کتابیں مشہور زبانوں میں مشہور نبیوں پر اتریں۔ جس کی ترتیب اس طرح ہے کہ: تعم، فعم، اسع، زید، حروف سے سب کی طرف اشارہ ہے۔

''تعم'' یعنی تورات عبرانی زبان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ تاء سے تورات عین سے عبرانی اور میم سے موسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔

''فعم'' یعنی فرقان مجید عربی زبان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ ف سے فرقان عین سے عربی اور میم سے محمد کی طرف اشارہ ہے۔

''اسع'' یعنی انجیل سریانی زبان میں عیسیٰ علیہ السلام پر اتری۔ الف سے انجیل سین سے سریانی اور عین سے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔

''زید'' یعنی زبور یونانی میں داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ زا سے زبور یا سے یونانی اور دال سے داؤد علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔

اجمال یا تفصیل کے ساتھ ان تمام کتب وصحائف پر ایمان لانا ضروری ہے۔

''ورسلہ'' رسولوں پر اجمالاً وتفصیلاً ایمان لانا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے نبیوں کو بھیجا یہ خالق اور مخلوق کے درمیان پیغام رسانی پر مامور تھے۔ انکو معجزے دیئے گئے تھے وہ کبائر سے قبل النبوۃ اور بعد النبوۃ پاک اور معصوم تھے اور جن لغزشوں کا تذکرہ قرآن نے کیا ہے ہم کو ان کا تذکرہ موضوع بحث بنا کر نہیں کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ خالق ہے وہ اگر معمولی لغزش پر سخت سرزنش کرے تو کر سکتا ہے۔

انبیاء کرام ایک معتمد روایت کے مطابق کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں، جن میں تین سو تیرہ رسول تھے، ''کم وبیش'' کا کلمہ لگا کر

تعداد انبیاء کرام کا تذکرہ کرنا چاہئے تا کہ کلام میں احتیاط آ جائے۔ نبی اور رسول کا فرق اور اصطلاحی تعریف ابتدائے کتاب میں ہو چکی ہے۔

الیوم الآخر: سے مراد قیامت کا دن ہے کیونکہ وہ دنیا کا آخری دن ہے۔ نیز اس دن کے بعد رات ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی، تو وہ آخری دن ہوا، آخرت پر ایمان یہ ہے کہ ایک دن یہ کارخانۂ عالم ختم ہو جائے گا انسان کا جسم روح کے ساتھ جوڑ کر میدان محشر تک حساب کے لئے لایا جائے گا پھر جنت یا دوزخ ٹھکانہ بنے گا۔

وتؤمن بالقدر خیرہ وشرہ: اس جملے سے ان لوگوں پر رد ہو گیا جو تقدیر کو مانتے ہی نہیں یا مانتے ہیں لیکن شر کا خالق ''اہرمن'' اور خیر کا خالق ''یزدان'' کو مانتے ہیں جیسا کہ مجوس کا عقیدہ ہے، مؤمن کا عقیدہ یہ ہونا چاہئے کہ خالق خیر و شر ایک اللہ ہے۔ خلق تو کمال ہے، ہاں اکتساب شر جو انسان کرتا ہے وہ عیب ہے اور یہ عقیدہ رکھے کہ جو تفصیلات خارج میں آتی ہیں۔ اس کا ایک اجمالی خاکہ ہے، اسی خاکے کے مطابق تمام تفصیلات رونما ہوتی ہیں، اس مسئلے کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

یہاں ''تؤمن'' کو لوٹا کر اعادۂ بعد عہد کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی جب کلام طویل ہو جاتا ہے تو عامل کو لوٹا کر کلام شروع کیا جاتا ہے تا کہ بھولا ہوا سبق یاد آ جائے۔ جیسا شاعر نے اعادۂ بعد عہد کے لئے ''انی'' کو لوٹایا ہے۔

قد علم الحی الیمانین انی  اذا قلت اما بعد انی خطیبھا

قال فاخبرنی عن الاحسان: بغیر صلہ جب لفظ احسان آ جائے تو اس کا مفہوم اخلاص ہوتا ہے یعنی اخلاص کے معنی میں ہے اور اگر صلہ کے ساتھ آ جائے تو پھر یہ اچھائی اور انعام کے معنی میں آتا ہے۔ ''احسن الیہ ای انعم علیہ'' لغوی طور پر احسان اچھائی کے معنی میں ہے، اور اس کی اصطلاحی تعریف وہی ہے جو حدیث شریف میں ہے۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہاں احسان کا ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ جملۂ اولیٰ سے مشاہدۂ حق کا بیان مقصود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کے وقت عابد پر ایسی کیفیت طاری ہونی چاہئے گویا کہ واقعی مشاہدۂ حق ہو رہا ہے اور عبادت میں ذوق و شوق، عظمت و حیاء اور اکمل درجہ کی استغراقی کیفیت ہونی چاہئے اگر چہ دنیا میں فی الحقیقت ذات حق کا مشاہدہ کوئی نہیں کر سکتا ہے۔ پھر جملہ ثانیہ میں مراقبۂ حق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر چہ تم دنیا میں مشاہدہ تو نہیں کر سکتے ہو مگر کم از کم یہ تو دھیان رہے کہ ذات حق تجھے دیکھ رہی ہے گویا پہلے جملے میں مقام شہود کا ذکر ہے اور دوسرے جملے میں مقام غیبوبت کا ذکر ہے۔ دونوں سے مراد اخلاص پیدا کرنا ہے۔ عابد کی دو حالتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ ارفع و اعلیٰ حالت مشاہدہ کی کیفیت ہے جو مقام مشاہدہ ہے اور ادنیٰ حالت مقام مراقبہ ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے شریعت اور طریقت کا فرق اس طرح بیان فرمایا ہے کہ جب علم کی کشمکش اور دلائل کا زور ہو تو یہ شریعت ہے اور جب طمانیت آ جائے تو یہ طریقت ہے یا اس طرح سمجھا جائے کہ آدمی جب احکام اسلام پر بتکلف چلتا رہے تو یہ شریعت ہے اور جب طبیعت بن جائے تو یہ طریقت ہے، احسان اسی طریقت کے درجے کا نام ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فضل الباری جلد دوم میں فرماتے ہیں: "اصل چیز تو ایمان ہے اور وہ جذر قلب میں ہوتا ہے اور جب وہ ترقی کرتا ہے تو جوارح یعنی ظاہری اعضاء پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے۔ پھر اس ایمان پر جو شخص انبیاء علیہم السلام کی ہدایت کے مطابق مزاولت (ہمیشگی) کرتا ہے تو اس باقاعدگی اور مزاولت سے جو قوت حاصل ہوتی ہے اس کو احسان کہا جاتا ہے۔ انبیاء کرام اس فن کے بڑے بڑے اساتذہ ہیں۔ گویا اسلام ترقی کر کے ایمان بنتا ہے اور ایمان ترقی کر کے احسان بنتا ہے۔ شریعت جو ایمان واسلام کا مجموعہ ہے اس کی باقاعدہ مشق سے احسان حاصل ہوتا ہے یہی طریقت ہے۔ بعض گمنام بریلوی صوفیوں نے یہاں احسان کا مقام بتاتے ہوئے حدیث کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ "ان لم تکن تراہ" یعنی اگر تمہارا وجود ختم ہو جائے اور تم اس کو فنا کر دو اور خود مٹ جاؤ تب اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکو گے تیرا اپنا وجود ہی اس رؤیت میں بڑی رکاوٹ ہے۔ یہ ترجمہ غلط ہے اور یہ مطلب لینا حدیث میں تحریف ہے۔ اپنے آپ کو فنا کرنا اپنی جگہ پر ایک اہم عمل ہے اور صحیح ہے لیکن حدیث کا مصداق یہ نہیں ہے۔ یہ مطلب غلط اس لئے ہے کہ اگر "تراہ" جزا ہے "ان لم تکن" کے لئے تو جواب شرط کی وجہ سے "تراہ" کا الف باقی نہیں رہنا چاہئے تھا بلکہ گر جانا چاہئے تھا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر "ان لم تکن" کے لئے "تراہ" جزا ہو جائے تو "فانہ یراک" کا کیا بنے گا؟ وہ جملہ تو مہمل رہ جائے گا حالانکہ وہ جزا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض روایات میں "ان لم تکن" نہیں ہے۔ بلکہ "ان لا تراہ" ہے۔ جیسے آگے روایت میں ہے پھر کیا کرو گے؟۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں اللہ کا دیدار نہیں ہو سکتا۔ خواہ کوئی اپنے آپ کو فنا کرے یا نہ کرے۔ لہٰذا یہ شرح اور یہ توجیہ اور یہ مطلب حدیث کی عبارت اور معنی دونوں کے منافی ہے۔ بعض روایات میں یہاں بھی حضرت جبرائیل نے "صدقت" کا جملہ کہا ہے۔ مگر شاید راویوں نے اختصار کے پیش نظر یا بھول کر چھوڑ دیا۔ "قال فاخبرنی عن الساعۃ": یہ سوال نفس وقوع قیامت کے بارے میں نہیں ہے کیونکہ وقوع قیامت تو قطعی اور یقینی ہے بلکہ یہ سوال تعیین وقت کے لئے تھا اور ایک روایت میں "متی الساعۃ" یعنی قیامت کب آئے گی کے الفاظ ہیں جو اس بات کی تائید ہے کہ سوال تعیین وقت سے متعلق تھا۔ "الساعۃ": زمانے کے اس جزء غیر معین کا نام ہے جس کے (۲۴) اجزاء سے دن رات بن جاتے ہیں۔ یہاں ساعۃ کا اطلاق قیامت پر ہوا ہے۔ قیامت کے تین مراحل ہیں:

۱۔ قیامت کبریٰ یہ وہ ہے جب کارخانہ عالم اپنی کل کائنات کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔

۲۔ دوسرا مرحلہ قیامت وسطیٰ کا ہے یہ وہ ہے کہ ایک قرن ختم ہو جائے مثلاً قرن صحابہ یا قرن تابعین یا تبع تابعین۔

۳۔ تیسرا مرحلہ قیامت صغریٰ ہے اور وہ ہر آدمی کی ذاتی اور شخصی موت ہے یعنی "من مات فقد قامت قیامتہ" "قیامت کا عقیدہ

اسلام کے بنیادی اور اہم عقائد میں سے ہے جن قوموں سے یہ عقیدہ نکل گیا ہے وہ قومیں بریک فیل گاڑی کی طرح تباہ ہوگئیں۔ مثلاً یہود ونصاریٰ کا عقیدہ آخرت اپنے بڑوں اور بزرگوں کے متعلق غلط خیالات ونظریات کی وجہ سے خراب ہوگیا کہ ان بزرگوں نے ہم کو بخشوا دیا ہے اس پر وہ لوگ تباہ ہوگئے پھر آغا خانیوں، رافضیوں اور پھر بریلویوں کے عقائد آخرت کے بارے میں جتنے کمزور ہوگئے اتنے ہی وہ اعمال سے دور جاگرے۔ کیونکہ آخرت کی جواب دہی کا عقیدہ دنیاوی زندگی کو کنٹرول کرتا ہے ورنہ ہر آدمی یہ کہے گا کہ: ع بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

''ما المسئول عنها باعلم من السائل'' یعنی قیامت کے بارے میں قیامت تک جس سے بھی سوال کیا جائے گا وہ سائل سے زیادہ جاننے والا نہیں ہوگا۔ بلکہ عدم علم میں دونوں برابر ہونگے۔ باعلم میں باء تاکید نفی کے لئے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''لا ادری'' یا ''لا اعلم'' نہیں فرمایا بلکہ ایک طویل جملہ اختیار فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ ''لا اعلم'' اور ''لست اعلم'' سے زیادہ سے زیادہ اپنی ذات سے علم قیامت کی نفی ہوتی ہے لیکن اس طویل جملے سے آپ نے ایک ضابطہ بتادیا ہے کہ قیامت کے بارے میں کوئی بھی سائل جب بھی سوال کرے گا تو عدم علم میں دونوں یعنی سائل ومسئول برابر ہونگے عدم علم کی مساوات صرف قیامت کے بارے میں ہے باقی احکامات میں نہیں ہے۔

## سوال

اہل بدعت اس جملے میں معنوی تحریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت سے متعلق جتنا علم تجھے ہے اتنا ہی مجھے ہے کوئی زیادہ نہیں یہ مفہوم چند وجوہ سے غلط ہے۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اب تک یہ معلوم بھی نہیں تھا کہ یہ جبرائیل ہیں۔

۲۔ اگر دونوں کو قیامت کا علم تھا تو پھر امارت سے جواب کیوں دیا گیا۔

۳۔ قرآن وحدیث کی صریح نصوص سے بالکل واضح ہے کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے پھر یہاں یہ کھینچا تانی صریح غلطی ہے، غیب بمعنی ملکہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے جزئیات کا علم اگر کسی کو ہوگیا تب بھی کلیات کا علم کسی کو نہیں ہے۔

**سوال:** حضرت جبریل امین نے یہ سوال کیوں کیا جب کہ ان کو معلوم تھا کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔

**جواب:** حضرت جبریل نے آکر یہ سوال اس لئے کیا تاکہ آیندہ کوئی شخص قیامت سے متعلق سوال نہ کرے گویا اس سوال وجواب سے سامعین اور امت کے تمام افراد کو قیامت سے متعلق سوالات سے منع کردیا گیا۔

**سوال:** بعض صوفیاء کو بعض مغیبات کا علم کیسے ہوتا ہے؟ کیا ان کے مکاشفات کو علم غیب کہا جاتا ہے؟

**جواب:** غیب کے کچھ مبادی اور اصول ہیں اور کچھ لواحقات ہیں۔ مبادی اور اصول مفاتیح الغیب کو تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں

جانتا نہ ملک مقرب اور نہ نبی مرسل۔ لواحقات کو اللہ تعالیٰ کبھی محبوبین پر ظاہر فرما دیتا ہے لیکن یہ پھر غیب نہیں رہتا۔ کیونکہ علم غیب وہ ہوتا ہے جو حواس خمسہ ظاہرہ کے توسط کے بغیر حاصل ہو جائے۔ کسی کے بتانے یا القاء والہام کے ذریعے سے یا مکاشفہ کے ذریعے سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ علم غیب کی تعریف سے خارج ہے۔ علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے سورت بقرہ کی ابتداء میں غیب کی تعریف اس طرح کی ہے۔

یؤمنون بالغیب المراد به الخفی الذی لایدرکه الحس ولایقتضیه بداهة العقل ۔ (بیضاوی، ج ۱ ص: ۱۸)

یعنی علم غیب وہ ہوتا ہے جو حواس خمسہ کے ادراک سے بالاتر ہو کر کسی کو حاصل ہو جائے۔ جس پر عقل کی دسترس نہ ہو لہٰذا یہ بات واضح ہو گئی کہ الہام، مکاشفات وغیرہ سے حاصل شدہ علوم یا تو اسباب کے ذریعے سے حاصل ہیں یا غیر یقینی ظنیات ہیں جو علم غیب سے خارج ہیں۔

نوادر حمیدی میں ہے کہ یہی گفتگو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے درمیان بھی ہوئی تھی لیکن وہاں سوال کرنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے اور جواب دینے والے حضرت جبرائیل تھے۔ لیکن یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ سوال حضرت جبرائیل اور جواب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا اندازہ ہوتا ہے۔

## علامات قیامت

قال فاخبرنی عن أماراتها : بفتح الهمزة جمع امارة ای علامة وفی روایة عن اشراطها وفی روایة ساخبرك وساحدثك عن اشراطها ۔

قیامت کی علامات دو قسم پر ہیں: علامات صغریٰ اور علامات کبریٰ، علامات صغریٰ ظہور مہدی تک ہیں اور خود ظہور مہدی اور خروج دجال ونزول عیسیٰ وخروج یاجوج وماجوج تا قیام قیامت سب علامات کبریٰ ہیں۔ اس حدیث میں ظہور مہدی سے پہلے واقع ہونے والی علامات صغریٰ مراد ہیں۔

قال ان تلد الامة ربتها : یعنی لونڈی اپنے مولیٰ کو جنے گی۔

یہاں سب سے پہلے یہ امر تشریح طلب ہے کہ لفظ "ربتھا" میں تائے تانیث کیوں لائی گئی ہے حالانکہ یہاں لفظ رب بمعنی آقا ومولیٰ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تانیث اس لئے ذکر کی گئی ہے کہ یہاں تلد میں ولادت کا صیغہ آیا ہے اب براہ راست ولادت کی نسبت رب کی طرف نامناسب تھی اس لئے ربھا کی جگہ ربتھا ذکر کیا گیا تا کہ رب العباد کے لفظ کے ساتھ لفظی اشتراک بھی نہ آئے۔ اگرچہ خصوصی اضافت کے ساتھ رب کا اطلاق غیر اللہ پر بھی ہوتا ہے ان احادیث میں ربھا لفظ مذکر بھی آیا ہے بہرحال اس جملے کے سمجھنے کے لئے علماء نے کئی انداز سے اس کی تشریح وتوضیح فرمائی ہے۔

پہلا مطلب

یہ کہ نافرمانی بڑھ جائے گی یہاں تک کہ اولاد ماں باپ کے ساتھ ایسا سلوک کرے گی جیسا کہ سردار اپنی لونڈی سے کرتا ہے کہ وہ سردار اسے گالی دیتا ہے، مارتا ہے یا خدمت میں رکھتا ہے۔ یہی سلوک اولاد بھی کرے گی۔ لڑکی کا ذکر اس لئے کہ یہ اطاعت گزار ہوتی ہے جب پردہ نشین لڑکی کا یہ حال ہوگا تو لڑکوں کا کیا حال ہوگا گویا زمانہ کے انقلاب وانعکاس کی طرف اشارہ ہے۔ غلام آقا بن جائے گا تربیب حاصل کرنے والا مُرَبّی بن جائے گا۔ اس صورت میں ربتھا کا لفظ مجازاً والدین کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

دوسرا مطلب

یہ ہے کہ بیٹی ماں پر نافرمانی کی کثرت کی وجہ سے ایسا حکم چلائے گی جس طرح سردار نی اپنی لونڈی پر چلاتی ہے۔

تیسرا مطلب

یہ کہ اس سے اشارہ ہے کہ قرب قیامت میں شرفاء اور باعزت مقام والے لوگ ذلیل ہوجائیں گے اور ذلیل قسم کے لوگ عزت کے مقام پر آجائیں گے جس طرح ماں کا مقام عزت کا ہے پھر بیٹی آقا بن جائے گی تو معاملہ الٹ جائے گا۔

چوتھا مطلب

یہ کہ اس میں کثرت فتوحات اسلامیہ کی طرف اشارہ ہے کہ غلام اور آقا زیادہ ہوجائیں گے لونڈیوں کی کثرت ہوجائے گی تو لوگ فساد احوال کی وجہ سے لونڈیوں کو بیچنا شروع کردیں گے اسی خرید وفروخت میں ایسا بھی ہوجائے گا کہ ماں اپنے بیٹے کے ہاتھ میں فروخت ہوجائے گی۔ تو اب بیٹا آقا ہے جس کو اس لونڈی ماں نے جنم دیا ہے تو لونڈی نے آقا کو جنم لیا۔

پانچواں مطلب

یہ کہ لونڈیوں کی اولاد میں سے بادشاہ بن جائیں گے تو یہ مائیں اس بادشاہ بیٹے کی رعیت میں آجائیں گی تو لونڈی نے آقا کو جنم دیدیا۔ حافظ ابن حجر علامہ خطابی ملا علی قاری علامہ سندھی اور مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ سب نے مندرجہ بالا توجیہات میں سے کوئی نہ کوئی توجیہ کی ہے۔

''وان تری الحفاۃ العراۃ'' یہ بھی انقلاب احوال کی طرف اشارہ ہے کہ: کل کے فقیر چرواہے کوٹھیوں کے مالک بن جائیں گے

کیسے کیسے ویسے ویسے ہوگئے

اور ویسے ویسے کیسے کیسے ہوگئے؟

''یتطاولون فی البنیان '': یعنی عالیشان عمارتوں اور محلات میں ایک دوسرے پر فخر اور تکبر کرنے لگ جائیں گے۔ گویا بکریوں کے چرواہے جو''اعجز خلق اللہ واضعفہم '' ہوتے ہیں ان میں انقلاب اور تغیر آجائے گا کہ وہ تکبر کرنے لگ جائیں

گے۔صرف اونٹوں والے ہی نہیں جو طبعاً متکبر ہوتے ہیں بلکہ بکریوں والے بھی متکبر ہوجائیں گے جو طبعاً متواضع ہوتے ہیں۔

''الحفات ''جمع حافی ننگے پاؤں پھرنے والے۔''العراۃ''جمع عاری ننگے بدن والے۔''العالۃ''عائل کی جمع ہے مفلس آدمی۔

''رعاء''جمع راعب بمعنی چرواہا''الشاء''جمع شاۃ بکریاں۔''الصم''اصم کی جمع ہے بمعنی بہرا''البکم'' بکم کی جمع ہے بمعنی گونگا یعنی حق کے سننے کہنے سے بہرے اور گونگے ہونگے۔''یتطاولون''یعنی فخر وتکبر کریں گے محلات بنانے میں مقابلہ کریں گے۔

''فلبثت ملیا''ملاء پر ہونے کو کہتے ہیں یہاں ملیا زمانہ طویلہ کے معنی میں ہے۔اب یہاں یہ اشکال آتا ہے کہ ابوداؤد کی روایت میں اس ملیا کا تعین موجود ہے کہ آنحضرتؐ نے تین دن کے بعد حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم نے پہچانا کہ یہ کون تھا؟۔

ادھر حضرت ابوھریرہؓ کی روایت میں آیا ہے کہ مجلس میں آنحضرتؐ نے بتادیا کہ یہ جبریل تھے تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ان دونوں روایتوں میں تعارض نظر آرہا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ اس سائل کی تلاش میں کئی صحابہ مجلس سے اٹھ کر چلے گئے حضرت عمر بھی چلے گئے اور پھر وہ اپنے گھر گئے اور جب تین دن کے بعد حضورؐ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ سائل کون تھا؟اور آپ کے چلے جانے کے بعد مجلس کے سامنے حضورؐ نے حقیقت حال بیان فرمادی کہ یہ جبریلؑ تھے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے۔

''قلت الله ورسوله اعلم ''اعلم کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت عمر اللہ اور اس کے رسول کو تو اعلم بتارہے ہیں اور اپنے آپ کو صرف عالم بتارہے ہیں بلکہ یہاں اعلم کا لفظ اسم تفضیل کے معنی میں نہیں بلکہ اصل فعل کے معنی میں آیا ہے جیسے''الصیف احر من الشتاء''کہ یہاں''احر''نفس حرارت کے معنی میں آیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ موسم گرما موسم سرما سے زیادہ گرم ہے حالانکہ جاڑوں کا موسم گرم ہوتا ہی نہیں۔صحابہ کرام نے ہمیشہ ادب کا لحاظ کرکے''الله ورسوله اعلم''کا جملہ استعمال کیا ہے۔

''فانه جبرئیل ای اذا فوضتم العلم الی الله ورسوله فانه جبرئیل ''اس عبارت میں فا جزائیہ کے آنے کی وجہ معلوم ہوئی،اللہ تعالیٰ کا علم کلی اور اصلی ہے۔اللہ کے بتانے سے رسول کو علم ہوجاتا ہے تو ادب کا تقاضا یہی ہے کہ''الله ورسوله اعلم'' کہے اور صحابہ کرام نے ہمیشہ اس ادب کا خیال رکھا ہے۔

''یعلمکم دینکم ''یہاں دین اسلام ایمان واحسان اور دیگر علوم خود آنحضرتؐ نے بتادیئے لیکن چونکہ جبریل امین سائل تھے اور اچھا سوال نصف العلم ہوتا ہے اس وجہ سے مجازاً ان کی طرف''یعلمکم''کی نسبت کی گئی۔اور چونکہ دین اسلام کے اول مخاطبین صحابہ کرام ہی تھے اس لئے''دینکم''فرمایا ورنہ یہ دین تو قیامت تک کے لوگوں کے لئے ہے۔جبریل امین کے چلے جانے کے بعد آنحضرت کو پتہ چلا کہ یہ جبریل امین تھے چنانچہ دارقطنی کی تفصیلی مذکورہ عبارت کے بعد یہ ہے:''فخذوه عنه والذی نفسی بیده ما اشتبه علی منذ اتانی قبل مرتی هذه وما عرفته حتی ولی ''اس روایت سے معلوم ہوگیا کہ غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے ورنہ اتنی طویل گفتگو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہیں پہچانا اور جب اللہ تعالیٰ نے بتادیا تو پہچان لیا بس جب وحی کا کنکشن جڑتا ہے تو معلوم ہوجاتا ہے ورنہ نہیں۔

سعدی بابا رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:

| | |
|---|---|
| یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند | کہ اے روشن گہر پیر خرد مند |
| زمصرش بوئے پیراہن شمیدی | چرا در چاہ کنعانش ندیدی |
| بگفت احوال مابرق جہاں است | دمے پیدا و دیگر دم نہاں است |
| گہے بر طارم اعلیٰ نشینم | گہے بر پشت پائے خود نہ بینم |

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے یہ بھی کہا:

| | |
|---|---|
| علم غیبے کس نمی داند بجز پروردگار | ہر کہ گوید ما بدانم توازو باور مدار |
| مصطفیٰ ہرگز نہ گفتی تا نہ گفتی جبرئیل | جبرئیلش ہم نہ گفتی تا نہ گفتی کردگار |

"فی خمس" ای علم تعیین الساعۃ فی ضمن خمس لایعلمھن "الا اللہ"۔

یہاں سوال یہ ہے کہ مغیبات صرف یہ پانچ تو نہیں ہیں نہ اس میں بند ہیں پھر صرف ان کا ذکر کیوں ہوا؟

جواب یہ ہے کہ یہ سائل کے سوال کے جواب میں چند مغیبات کا ذکر ہے حصر مقصود نہیں ہے بڑے بڑے کلیدی مغیبات کا بیان ہے۔
اب ایک مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا علم کلی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے کسی نبی یا فرشتہ کو کلی علم نہیں دیا گیا اور علم جزئی شرعیات میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وافر مقدار میں دیا تھا اور علم جزئی تکوینیات سے متعلق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا دیا تھا کہ تمام انبیاء کا علم اس کے مقابلے میں ایک قطرہ بنسبت دریا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کلی علم کے مقابلہ میں کل اہل اللہ کا علم ایک قطرہ بنسبت دریا ہے۔

ثم قرأ ﴿اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَافِي الْاَرْحَامِ ۖ وَمَاتَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَاتَدْرِيْ نَفْسٌ ۢبِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۚ اِنَّ اللّٰہَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ (لقمان:۳۴)

منصور بادشاہ نے خواب میں موت کا فرشتہ دیکھا تو اس سے پوچھا کہ میری عمر کتنی باقی ہے موت کب آئے گی فرشتہ نے پانچ انگلیوں سے اشارہ کر دیا منصور پریشان ہو گیا کسی نے تعبیر دی کہ عمر میں پانچ دن باقی ہیں کسی نے کہا پانچ ماہ کا اشارہ ہے کسی نے پانچ سال کا کہا حضرت امام ابوحنیفہؒ سے جب پوچھا تو آپ نے فرمایا یہ اشارہ ہے کہ موت کا وقت پانچ مغیبات میں سے ہے اللہ ہی کے پاس اس کا علم ہے۔

## فوائد حدیث جبرائیل برائے طلباء دین

۱۔ لباس میں سفید تر اور پاکیزہ صاف لباس پہننا چاہیے۔

۲۔ حضرت جبرائیل کے شدت سواد شعر سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم دین کے حصول کا اعلیٰ زمانہ جوانی کا زمانہ ہوتا ہے پھر استقامت کا مظاہرہ بھی کرنا چاہئے۔

۳۔ طالبعلم اپنے استاذ اور مربی کے بالکل قریب بیٹھا کرے یعنی ادب کے ساتھ سامنے قریب ہو کر بیٹھے۔

۴۔ مفید باتوں کا سوال کرنا چاہئے کیونکہ اچھا سوال نصف علم ہے۔

۵۔ اپنی لاعلمی پر شرم محسوس نہ کرے بلکہ جو بات معلوم نہیں تو صاف کہدیا کرے کہ مجھے معلوم نہیں۔

۶۔ طالب علم حصول علم کے زمانے میں لوگوں کے ساتھ تعلقات نہ بڑھائے بلکہ گمنام ہو کر اپنے مقصد میں لگا رہے گویا کوئی اس کو جانتا ہی نہیں جس طرح یہاں جبریل امین نے اپنے آپ کو چھپا کر گمنام رکھا۔

۷۔ طالب علم کو چاہئے کہ ایسے علوم اور وسائل کا اہتمام کرے جو عقائد و اعمال سے متعلق ہوں جن کا دنیا و آخرت میں فائدہ واضح ہو۔

۸۔ حصول مقصد اور حصول علم کے بعد فوراً اپنے مقصود اور اپنے کام کی طرف متوجہ ہو جائے بیکار مدارس میں نہ پڑا رہے۔

''ربھــا'' یہ لفظ دونوں طرح مذکور ہے تانیث کی ساتھ بھی ہے اور تذکیر کیساتھ بھی آیا ہے رب سے مراد آقا ہے حدیث ۹۸ میں بعلھا کا لفظ آیا ہے اس سے بھی ربھا مراد ہے یعنی لونڈی آقا کو جنم لگی ''یعنی السراری'' یہ جمع ہے اس کا مفرد سریۃ ہے مشدد ہے لونڈی کو کہتے ہیں یہ سُرور سے ہے لونڈی کو وطی کے لئے رکھتے ہیں جس میں سرور ہے یا یہ سِرّ سے ہے جو نکاح کے معنی میں ہے لونڈی کے ساتھ بھی چھپ کر جماع کیا جاتا ہے۔

## باب بیان الصلوۃ الخمسۃ و ارکان الاسلام

## پانچ نمازوں اور دیگر فرائض اسلام کا بیان

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں دو حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۱۰۰۔ **حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدِبْنِ جَمِيلِ بْنِ طَرِيفِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الثَّقَفِيِّ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ فِيمَاقُرِئَ عَلَيْهِ عَنْ أَبِي سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِاللّٰهِ يَقُولُ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرَ الرَّأْسِ نَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْتِهِ وَلَانَفْقَهُ مَايَقُولُ حَتَّى دَنَا مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَاهُوَيَسْأَلُ عَنِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ ؟قَالَ لَاإِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ وَصِيَامُ شَهْرِرَمَضَانَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ ؟ فَقَالَ لَاإِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ وَذَكَرَلَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكَاةَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا ؟ قَالَ لَا إِلَّاأَنْ تَطَوَّعَ قَالَ فَأَدْبَرَالرَّجُلُ وَهُوَيَقُولُ وَاللّٰهِ لَاأَزِيدُعَلَى هٰذَاوَلَاأَنْقُصُ مِنْهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اہل نجد میں سے ایک شخص پراگندہ بال لئے حاضر ہوا۔ اس کی آواز کی گنگناہٹ تو سنی جاتی تھی لیکن وہ جو کہتا تھا سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوگیا۔ پس وہ اسلام کے بارے میں سوال کر رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں، اس نے کہا کیا میرے اوپر ان کے علاوہ بھی فرض ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں! سوائے اس کے جو تم بطور نفل ادا کرو اور رمضان کے مہینہ کے روزے فرض ہیں۔ اس نے کہا کیا میرے اوپر ان کے علاوہ بھی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں! سوائے اس کے جو تم نفل رکھو، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زکوۃ کا ذکر فرمایا تو اس نے کہا کیا میرے اوپر اس کے علاوہ بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں! سوائے اس کے جو بطور تقرب خرچ کرو۔ راوی فرماتے ہیں کہ پھر وہ یہ کہتے ہوئے واپس ہوا کہ خدا کی قسم! میں نہ اس سے زیادہ کچھ کروں گا اور نہ ہی اس میں کوئی کمی کروں گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کامیاب ہوگیا اگر اس نے سچ کہا۔

۱۰۱۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیَی بْنُ اَیُّوْبَ وَقُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ جَمِیْعًا عَنْ اِسْمَاعِیْلَ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ اَبِیْ سُهَیْلٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ طَلْحَۃَ بْنِ عُبَیْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَاالْحَدِیْثِ نَحْوَ حَدِیْثِ مَالِكٍ غَیْرَ اَنَّهٗ قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَحَ وَاَبِیْهِ اِنْ صَدَقَ اَوْ دَخَلَ الْجَنَّۃَ وَاَبِیْهِ اِنْ صَدَقَ۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح یہی حدیث روایت کرتے ہیں۔ اس فرق کے ساتھ کہ ان کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے باپ کی قسم! اگر یہ سچا ہے تو کامیاب ہوگیا یا فرمایا کہ اس کے باپ کی قسم! اگر سچا ہے تو جنت میں داخل ہوگیا۔

## تشریح

"ابی سھیل" ابو سہیل کا نام نافع بن مالک ہے حضرت امام مالک کے چچا ہیں۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ کی کنیت ابو محمد ہے، آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، بدر کے سوا تمام غزوات میں شریک رہے، بدر میں آپ کو ایک اور ساتھی کے ہمراہ ابوسفیان کے قافلے کی خبر کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا۔ اُحد کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دفاع میں تیر کھا کھا کر ہاتھ شل ہوگیا تھا، نیزہ اور تیر کے ۷۵ زخم آپ کے جسم پر لگے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اسی میدان میں یہ اعزاز دیا "اوجب طلحۃ" یعنی طلحہ نے اپنے لئے جنت واجب کرادی، واقعہ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ۳۶ھ میں ۶۴ سال کی عمر میں شہید کردیئے گئے۔ "جاء رجل" کہتے ہیں یہ ضمام بن ثعلبہ تھے جو سعد بن بکر کی طرف سے وفد و جرگہ بن کر آئے تھے، اس حدیث میں "رجل" مبہم آیا ہے، کوئی تعین نہیں کہ یہ کون

تھا، اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ ایک ہی واقعہ تھا یا الگ الگ واقعہ اور الگ الگ شخص تھے؟

علامہ طیبی، حافظ تورپشتی اور قاضی عیاض رحمہم اللہ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ دونوں واقعات ایک ہی شخص کے ہیں اور سائل بھی ایک ہی ہے جس کا نام ضمام بن ثعلبہ ہے، یہ حضرات اپنی تائید میں قرائن اور بعض احادیث کے اشارات اور امام مسلم کے طرز بیان کو پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ امام مسلم کی عادت ہے کہ وہ آنے والی روایت کو پہلی روایت کے لئے بطور تفسیر اور وضاحت لاتے ہیں آنے والی روایت نمبر ۱۰۲ میں امام مسلم نے تو کسی کا نام نہیں لیا لیکن اسی روایت میں امام بخاری نے صحیح بخاری میں ضمام بن ثعلبہ کے نام کی تصریح فرمائی ہے۔ دوسری طرف امام قرطبی امام نووی اور شاہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں، دونوں حدیثوں کا طرز بیان بھی مختلف ہے، دونوں جگہ سوالات کا انداز بھی مختلف ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بشارت کے کلمات میں بھی فرق ہے لہٰذا پہلی چند حدیثوں میں واقعہ ضمام بن ثعلبہ کا ہے اور آنے والی حدیث ابو ہریرہؓ میں واقعہ سعد بن اخرم کا ہے طبرانی نے یہی بیان کیا ہے ادھر صحیح مسلم میں تصریح ہے کہ حدیث نمبر ۱۰۸ نعمان بن قوقل سے متعلق ہے تو الگ الگ واقعات ہیں۔ ضمام بن ثعلبہ کا الگ ہے سعد بن اخرم کا الگ ہے اور نعمان بن قوقل کا واقعہ الگ ہے تینوں کا ذکر صحیح مسلم میں ہے۔

''من اهل نجد'' نجد بلند زمین کو کہا جاتا ہے، اس کا مقابل تہامہ ہے جو نشیب زمین میں واقع ہے، آج کل حجاز پر اہل نجد کی حکومت ہے، ریاض اور اس کے اطراف کے علاقے نجد میں آتے ہیں۔ ''ثائر الرأس'' یہاں مضاف محذوف ہے یعنی ''منتشر شعر الرأس'' پراگندہ بال تھے، یا بطور مبالغہ فرمایا کہ اتنے پراگندہ تھے گویا سر ہی پراگندہ تھا۔ ''دوی'' یہ دوی النحل کی طرح ہے بھنبھناہٹ مراد ہے، علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوی سے مراد ایسے کلمات ہیں جن کی آواز تو سنی جاسکتی ہو، مگر مفہوم سمجھ میں نہ آتا ہو، جیسے شہد کی مکھی کی آواز ہوتی ہے۔ اس شخص کے بالوں اور لباس کی حیثیت سے تو یہ معلوم ہوا کہ یہ ایک طویل سفر کر کے آیا تھا اور سوال کے دوران گنگناہٹ کی آواز سے معلوم ہوا کہ ان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قدرتی رعب پڑ رہا تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو نوازا تھا۔ ''فاذا هو یسأل'' اذا مفاجاتیہ'' تعجب کے لئے لایا گیا ہے کہ ایسے ضعیف پراگندہ حال اور ایسے بدوی دیہاتی سے، اسلام کے متعلق سوال کرنا باعث تعجب اور غیر متوقع تھا۔

''عن الاسلام'' ای عن فرائضه التی فرضت علی من وحد الله و صدق رسوله لا عن حقیقة الاسلام۔

یعنی اسلام کے ان فرائض کے متعلق سوال کر رہا تھا جو رسول کے ماننے والے ہر موحد پر فرض ہوتے ہیں، اسلام کی حقیقت اور تعریف کے بارے میں سوال نہیں تھا، اسی وجہ سے جواب میں فرائض وارکان کا ذکر آیا ہے شہادتین کا ذکر نہیں ہے۔ یہ شخص چونکہ پہلے سے مسلمان تھا اس لئے شہادتین کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی، بخاری شریف کی روایت سے اس کی تائید ملتی ہے وہاں یہ الفاظ ہیں ''فاخبرنی ماذا فرض الله علی من الصلوات''۔

سوال

سوال یہ ہے کہ فرائض اسلام میں یہاں حج کا ذکر کیوں نہیں آیا؟

جواب

ممکن ہے اس وقت حج فرض نہیں ہوا ہو کیونکہ حج مختلف اقوال کے مطابق سات یا آٹھ یا نو ہجری میں فرض ہوا تھا۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ یہ آدمی ممکن ہے کہ قابل حج نہیں تھا، غریب آدمی تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ذکر چھوڑ دیا۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ ممکن ہے کسی راوی نے نسیاناً یا بطور اختصار اس کا ذکر نہیں کیا ہو، حالانکہ بخاری میں روایت کے یہ الفاظ بھی ملتے ہیں۔ "فاخبره النبی بشرائع الاسلام" یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو تمام شرائع کی خبر دے دی تھی جس میں حج بھی آتا ہے۔ "خمس صلوات" یعنی پانچ نمازیں قائم کرنی ہیں "اقامۃ خمس صلوات" "او" خذ خمس صلوات"۔

سوال

اس روایت میں وتر کا ذکر نہیں ہے بلکہ پانچ فرائض کے علاوہ سب کو نوافل کہا گیا ہے جب کہ وتر کا وجود بھی ہے اور وجوب بھی ہے۔

جواب

ایک جواب یہ ہے کہ اس وقت وتر کا وجوب نہیں ہوا تھا، عیدین کا وجوب بھی نہیں ہوا تھا۔

دوسرا جواب

یہ کہ یہاں فرائض کا سلسلہ اور بیان تھا، وتر کا سلسلہ فرائض کا نہیں بلکہ واجب کا ہے یا وتر عشا کی نماز کے تابع ہے عشاء کا ذکر وتر کے لئے کافی تھا تو الگ ذکر نہیں کیا، باقی عیدین تو صلوٰۃ سنویہ یعنی سالانہ نماز تھی یہاں صلوٰۃ یومیہ کا ذکر چل رہا ہے۔

"وذکر له الزکوۃ" چونکہ صحابی کو زکوۃ کے بارے میں بعینہ وہ الفاظ یاد نہیں تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلے تھے اس لئے کمال احتیاط کے ساتھ صحابی نے مفہوم بیان کیا کہ حضرت نے زکوۃ کا ذکر بھی کیا۔

## شروع نوافل کا حکم

"الا ان تطوع" اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ تیرے ذمہ فرض نمازیں تو صرف پانچ ہیں، ہاں اگر نوافل ادا کرنا چاہو تو ادا کر سکتے ہو، یہ مطلب واضح ہے مگر یہ اس وقت ہے جبکہ استثناء منقطع ہو الا بمعنی لکن ہو۔ لیکن اگر استثناء متصل ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ تیرے ذمہ صلوات خمسہ کے سوا کوئی نماز واجب نہیں، ہاں اگر نوافل شروع کرو گے تو اس کے بعد وہ واجب ہو جائیں گے

جن کا مکمل کرنا ضروری ہوگا، بدلیل قولہ تعالیٰ ﴿لاتبطلوا اعمالکم﴾ نیز صحابہ کرام کا نفلی حج پر اجماع ہے کہ شروع فی الحج کے بعد اس کا اتمام واجب ہو جاتا ہے ان دلائل کے بعد ابن حجر رحمہ اللہ کے اس اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی کہ نوافل میں شروع کے بعد اس کے اتمام کو لازم کہنا بلا دلیل ہے نص قرآنی اور اجماع صحابہ بڑی دلیل ہے۔خود شوافع حضرات بھی نفلی حج اور نفلی عمرہ کے شروع کرنے کے بعد اتمام کو واجب سمجھتے ہیں اور اس مسئلہ میں امت کا اتفاق ہے، احناف پر یہ اشکال ضرور آتا ہے کہ جب نص قرآنی اور احادیث سے اتمام ثابت ہے تو پھر نوافل کے اس اتمام کو فرض کیوں نہیں کہتے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ﴿لاتبطلوا اعمالکم﴾ اپنی دلالت میں قطعی نہیں اگر چہ ثبوت میں قطعی ہے تو اس سے فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی۔

"لاازید ولاانقص"......ای لاازید فی التبلیغ و لاانقص، او لا ازید فی السوال و لاانقص فی العمل، او لاازید من تلقاء نفسی و لاانقص کذلک او الکلام علی محاورۃ العرب والعجم او اراد الرجل کمال الاطاعۃ.....

مزید تفصیل حضرت ابو ہریرۃؓ کی روایت میں آرہی ہے۔

"افلح الرجل" الف لام جنس کے لئے ہے مراد ہر وہ شخص ہے جو اس طرح عزم بالجزم کر کے پابندی کرے۔

فلاح کی دو قسمیں ہیں ایک دنیوی ہے وہ یہ کہ زندگی بھی ملے اور زندگی کے تمام اسباب بھی مل جائیں۔دوسری اخروی ہے وہ یہ کہ نجات تام حاصل ہو جائے "افلح" کا کلمہ تمام بھلائیوں کے لئے جامع کلمہ ہے، بعض نے اس کی تفسیر اس طرح بیان کی ہے

"بانہ بقاء بلافناء و غناء بلافقر و عز بلاذل و علم بلاجھل"۔

"ان صدق" آنے والی حدیث نمبر ۱۰۷، اور اس حدیث میں الفاظ کا تفاوت ہے، وہاں یقین کے جملے غیر مشروط ہیں۔ یہاں "ان صدق" کے ساتھ مشروط کیا ہے تو اگر واقعات دو ہیں، آدمی الگ الگ ہیں جس طرح سوال سے بھی پتہ چلتا ہے اور علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے جزم کے ساتھ کہا ہے تو پھر تو کوئی اشکال نہیں معاملہ صاف ہے، لیکن اگر ایک ہی واقعہ ہے، ایک ہی آدمی ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ آنے والی حدیث میں جزم اور یقین کے ساتھ حکم اس وقت سنایا گیا ہے جب کہ یہ شخص موجود نہیں تھا اور جس وقت موجود تھا تو شک ڈال دیا تا کہ آدمی غرور و تکبر اور سستی میں نہ پڑ جائے یا یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ لوگوں کے احوال کے تغیر سے وحی کے ذریعے سے نیا نیا حکم آتا رہتا تھا، کبھی یقین کی حالت تھی، کبھی شک کی ہوگی، حدیث نمبر ۱۰۱ میں "افلح وابیہ" کے الفاظ ہیں۔

## سوال

اب سوال یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے غیر اللہ اور آباؤ اجداد کے نام کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے یہاں خود قسم کھائی ہے؟

## جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ یمین لغو ہے جو عرب کی زبان پر قسم کا ارادہ کیے بغیر آتی ہے جبکہ ممانعت حقیقی وقصدی قسم کی ہے نیز ممکن ہے

کہ یہ ممانعت سے پہلے زمانہ کی بات ہو یا نبی مکرم کے لئے جواز ہو، امت کے لئے منع ہو۔

## باب السؤال عن أركان الإسلام

## فرائض اسلام کے بارے میں حضورؐ سے سوال کرنے کا بیان

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے دو حدیثوں کو ذکر کیا ہے۔

۱۰۲۔**حَدَّثَنِي** عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ بُكَيْرٍ النَّاقِدُ حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ أَبُو النَّضْرِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ نُهِينَا أَنْ نَسْأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ فَكَانَ يُعْجِبُنَا أَنْ يَجِيءَ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ الْعَاقِلُ فَيَسْأَلَهُ وَنَحْنُ نَسْمَعُ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ! أَتَانَا رَسُولُكَ فَزَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ اللَّهَ أَرْسَلَكَ؟ قَالَ: صَدَقَ. قَالَ فَمَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ؟ قَالَ: اللَّهُ. قَالَ فَمَنْ خَلَقَ الْأَرْضَ؟ قَالَ: اللَّهُ. قَالَ فَمَنْ نَصَبَ هَذِهِ الْجِبَالَ وَجَعَلَ فِيهَا مَا جَعَلَ؟ قَالَ: اللَّهُ. فَبِالَّذِي خَلَقَ السَّمَاءَ وَخَلَقَ الْأَرْضَ وَنَصَبَ هَذِهِ الْجِبَالَ آللَّهُ أَرْسَلَكَ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِنَا وَلَيْلَتِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ آللَّهُ أَمَرَكَ بِهَذَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا زَكَاةً فِي أَمْوَالِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ آللَّهُ أَمَرَكَ بِهَذَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرِ رَمَضَانَ فِي سَنَتِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ آللَّهُ أَمَرَكَ بِهَذَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا حَجَّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا. قَالَ صَدَقَ قَالَ ثُمَّ وَلَّى قَالَ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ! لَا أَزِيدُ عَلَيْهِنَّ وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُنَّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَئِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے سے منع کر دیا گیا تھا تو ہمیں یہ بات بہت اچھی لگتی کہ گاؤں کے لوگوں میں سے کوئی عقلمند شخص آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرے اور ہم سنتے رہیں۔ پس ایک شخص دیہات کا رہنے والا آیا اور کہا کہ اے محمد! ہمارے پاس آپ کا قاصد آیا ہے اور اس نے ہمیں یقین دلایا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔ اس نے کہا کہ پس یہ بتلایئے کہ آسمان کو کس نے پیدا کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ اس نے کہا کہ زمین کو کس نے پیدا کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ اس نے کہا کہ یہ پہاڑ جو ہیں ان کو کس نے کھڑا کیا؟ اور ان میں رکھیں وہ چیزیں جو ان میں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ اس نے کہا تو اس ذات کی قسم! جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور پہاڑوں کو کھڑا کیا۔ کیا آپ کو واقعتاً اللہ تعالیٰ نے

رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں!۔ اس نے کہا آپ کے قاصد نے بتلایا کہ ہم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔ اس نے کہا کہ اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان نمازوں کا حکم فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں!۔ اس نے کہا کہ آپ کے قاصد نے بتلایا کہ ہمارے اوپر ہمارے اموال میں زکوۃ فرض ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔ وہ بولا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو بھیجا ہے کیا اس نے آپ کو زکوۃ کا حکم دیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں۔ وہ کہنے لگا کہ آپ کے قاصد نے یہ بھی بتلایا کہ ہمارے اوپر سال میں ماہ رمضان کے روزے فرض ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچ کہا وہ کہنے لگا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو بھیجا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم فرمایا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں!۔ اس نے کہا کہ آپ کے قاصد نے ہمیں بتلایا کہ ہم پر زادِ راہ کی استطاعت کی صورت میں بیت اللہ کا حج فرض ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچ کہا۔ راوی فرماتے ہیں کہ پھر وہ پیٹھ موڑ کر جانے لگا اور کہا: اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں نہ ان میں کوئی زیادہ کروں گا اور نہ ہی ان میں کوئی کمی کروں گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر اس نے سچ کہا تو یہ ضرور بالضرور جنت میں داخل ہوگا۔

## تشریح

''نھینا'' یعنی بلا ضرورت سوال کرنے سے ہمیں اللہ تعالیٰ نے روکا تھا۔

''یعجبنا'' یعنی ہمیں اچھا لگتا تھا کہ کوئی عقلمند دیہاتی آجائے اور سلیقہ سے سوال کرے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جواب دے اور ہمیں فائدہ ہو، دیہاتی لوگ سوال کرنے میں جری ہوتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بات سے ناراض نہیں ہوتے تھے، ان کو سوال کرنے کی ممانعت کا علم بھی نہیں ہوتا تھا ''فجاء رجل'' اس آدمی سے مراد ضمام بن ثعلبہ ہے امام مسلم نے ان کے نام کی تصریح نہیں کی مگر امام بخاری میں کتاب العلم میں اس کے نام کی پوری وضاحت ہے کہ ضمام بن ثعلبہ نے مسجد کے پاس اونٹ باندھ لیا اور اندر آکر پوچھا ''ایکم محمد'' کہ تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہے صحابہ نے کہا کہ ''ھذا الرجل الابیض المتکی'' یہ روشن چمکدار چہرے والا شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس نے آکر نبی اکرمؐ سے کہا ''یا ابن عبد المطلب'' اے عبد المطلب کے بیٹے۔ اس کے جواب میں حضرت نے بھی بے توجہی سے فرمایا ''قد اجبتك'' سمجھ لو کہ میں نے سن لیا اور جواب بھی دیدیا اس پر اس شخص نے کہا کہ میں آپ سے سوال کروں گا اور سختی کروں گا آپ ناراض نہ ہو حضرت پاکؐ نے فرمایا جو چاہو سوال کرو اس پر اس شخص نے زبردست تمہید کے بعد سوالات کیے اور حضرت نے جوابات دیے اس شخص کے سوالات میں عجیب خوبصورت ترتیب تھی کہ پہلے اس نے کائنات کے صانع کا پوچھا کہ وہ کون ہے پھر قسم کھلا کر پوچھا کہ آپ

اسی صانع کی طرف سے بھیجے ہوئے رسول ہیں جب ان کو معلوم ہوا کہ رسول ہیں تو پھر بھیجنے والے کے حق اور واسطہ سے سوال کیا کہ کیا آپ کا حکم اس طرح ہے؟ یہاں زعم کا لفظ شک وتردد کے لئے نہیں ہے بلکہ یقین کیلئے ہے اہل لغت میں سے سیبویہ نے جگہ جگہ اس کو استعمال کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے ضمام بن ثعلبہ سے زیادہ اچھا سوال کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔

۱۰۳۔ حَدَّثَنِي عَبْدُاللّٰهِ بْنُ هَاشِمٍ الْعَبْدِيُّ حَدَّثَنَا بَهْزٌ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ عَنْ ثَابِتٍ قَالَ: قَالَ أَنَسٌ كُنَّا نُهِيْنَا فِي الْقُرْآنِ أَنْ نَسْأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ وَسَاقَ الْحَدِيْثَ بِمِثْلِهِ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات سے منع کر دیا گیا تھا۔ آگے سابقہ حدیث کے مثل پوری حدیث بیان کی۔

## باب الایمان الذی یدخل به الجنة

## اس ایمان کا بیان جس سے آدمی جنت میں داخل ہو

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے سات احادیث کو بیان کیا ہے۔

۱۰۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ طَلْحَةَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُوْ أَيُّوْبَ أَنَّ أَعْرَابِيًّا عَرَضَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي سَفَرٍ فَأَخَذَ بِخِطَامِ نَاقَتِهِ أَوْ بِزِمَامِهَا ثُمَّ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَوْ يَامُحَمَّدُ! أَخْبِرْنِي بِمَا يُقَرِّبُنِي مِنَ الْجَنَّةِ وَمَا يُبَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ قَالَ فَكَفَّ النَّبِيُّ ثُمَّ نَظَرَ فِي أَصْحَابِهِ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ وُفِّقَ أَوْ لَقَدْ هُدِيَ قَالَ كَيْفَ قُلْتَ؟ قَالَ فَأَعَادَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ وَتَصِلُ الرَّحِمَ دَعِ النَّاقَةَ۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ سفر میں تھے کہ ایک اعرابی سامنے آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑ لی یا لگام پکڑ لی پھر کہا کہ یارسول اللہ! یا یہ کہا کہ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے اس چیز کے بارے میں بتلایئے جو مجھے جنت سے قریب کر دے اور جہنم سے دور کر دے؟ راوی کہتے ہیں کہ یہ بات سن حضور علیہ السلام ذرا دیر رکے اور پھر اپنے صحابہ کرام کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ بے شک اس شخص کو توفیق دی گئی ہے یا فرمایا کہ ہدایت دی گئی ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے کیا کہا؟ اس نے دوبارہ وہی بات لوٹائی تو آپ نے فرمایا اللہ کی عبادت اور بندگی کر، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کر، نماز قائم کر اور زکوۃ ادا کیا کر اور صلہ رحمی کیا کر اونٹنی کو چھوڑ دے۔

۱۰۵۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ بِشْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا بَهْزٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ

عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَوْهَبٍ وَأَبُوْهُ عُثْمَانُ أَنَّهُمَا سَمِعَا مُوْسَى بْنَ طَلْحَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ هٰذَا الْحَدِيْثِ۔

ابوایوب رضی اللہ عنہ مذکورہ سند سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کرتے ہیں۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی بندگی کر اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کر نماز قائم کر، زکوٰۃ ادا کر اور صلہ رحمی کیا کر۔

۱۰۶۔**حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيْمِيُّ أَخْبَرَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ ح وَحَدَّثَنَا أَبُوْبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ مُوْسَى بْنِ طَلْحَةَ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ أَعْمَلُهُ يُدْنِيْنِي مِنَ الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ قَالَ تَعْبُدُ اللّٰهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ وَتَصِلُ ذَا رَحِمِكَ فَلَمَّا أَدْبَرَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ تَمَسَّكَ بِمَا أُمِرَ بِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ إِنْ تَمَسَّكَ بِهِ۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے جو مجھے جنت سے قریب کردے اور جہنم سے دور کردے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کیا کرو، اور اہل قرابت سے صلہ رحمی کا معاملہ کیا کرو، جب وہ واپسی کے لئے مڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بات کا اسے حکم دیا گیا اگر ان پر مضبوطی سے قائم رہا تو جنت میں داخل ہوگا۔

۱۰۷۔**وَحَدَّثَنِي** أَبُوْبَكْرِ بْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ أَعْرَابِيًّا جَاءَ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَالَ تَعْبُدُ اللّٰهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوْبَةَ وَتُؤَدِّي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا أَزِيْدُ عَلَى هٰذَا شَيْئًا أَبَدًا وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ فَلَمَّا وَلَّى قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هٰذَا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور کہا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے کہ جسے کرنے سے میں جنت میں داخل ہوجاؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت قرار دو اور نماز قائم کرو، فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی کرو، رمضان کے روزے رکھو۔ اس نے کہا اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں کبھی بھی اس سے کچھ زیادہ نہیں

کروں گا اور نہ میں اس میں کمی کروں گا۔ جب وہ واپسی کے لئے مڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اس بات سے خوشی ہو کہ وہ اہل جنت میں سے کسی کو دیکھے تو اسے چاہئے کہ اس شخص کو دیکھے۔

## تشریح

''دخلت الجنة'' یعنی دخول اولی سے داخل ہو جاؤں جس میں کسی قسم کی سزا وعذاب نہ ہو، دخول جنت کی اصلی علت اللہ تعالیٰ کی رضا ہے مگر نیک اعمال وسیلہ اور سبب ہیں۔

''تعبدالله'' یہ خبر بمعنی امر ہے ''ای اعبدالله'' یا ''ان'' مصدر یہ مقدر ہے ''ای ان تعبدالله''۔

## سوال

سوال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو توحید اپنانے کا حکم نہیں دیا شہادتین کا ذکر نہیں فرمایا جو کہ دخول جنت اور صحت عمل کے لئے ضروری ہے۔

## پہلا جواب

عبادت سے مراد توحید وشہادتین ہے، اس صورت میں یہ شخص ابھی تک مسلمان نہیں ہوا ہوگا تو اس کو حکم دیا کہ توحید اپناؤ۔

## دوسرا جواب

یہ ہے کہ یہ شخص پہلے سے مسلمان ہو چکا تھا، بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ اس نے پوچھا تھا ''ماذا فرض الله علی'' یعنی مجھ پر اللہ کے کیا فرائض ہیں؟ اس صورت میں توحید اور بیزاری شرک کا ذکر بطور تبرک اور بطور تاکید ہوا ہے۔

''ولا تشرك به شيئا'' یعنی شرک جلی اور شرک خفی سے بطور توحید اور عبادت کو اپناؤ، اس جملہ سے پتہ چلتا ہے کہ عبادت سے مراد توحید کا کلمہ ہے اور توحید کے ضمن میں رسالت بھی آ گئی، اس روایت میں حج کا ذکر نہیں شاید اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا ہوگا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے ہی ارکان کا بیان مقصود تھا، یا کسی راوی نے اختصار کیا ہے۔ ''والذي نفسي بيده'' معلوم ہوا بغیر ضرورت قسم کھانا جائز ہے ''لا ازيد ولا انقص منه'' اس جملہ کے کئی مطلب ہیں۔

ا۔ میں اس تعلیم کی تبلیغ کرنے اور دوسروں تک پہنچانے میں کمی بیشی نہیں کروں گا چونکہ یہ شخص قوم کا بڑا تھا تو پہنچانا اس کی ذمہ داری تھی۔

۲۔ لا ازيد في السوال ولا انقص في العمل.

۳۔ لا ازيد شيئا من تلقاء نفسي ولا انقص كذالك من نفسي.

۴۔ یا یہ کلام بطور محاورہ ہے کہ جب آدمی مثلاً کوئی چیز خریدتا ہے تو کہتا ہے قیمت میں کوئی کمی زیادتی نہیں ہوگی، یہاں اصل مقصود کمی کرنا ہے زیادتی کا لفظ تبعاً محاورہ میں آ گیا اسی طرح حدیث میں ''لا ازيد'' کا لفظ تبعاً آ گیا ہے مقصود ''لا انقص'' ہے ورنہ

عبادت میں تو زیادت مطلوب ہے۔

۵۔ حق بات یہ ہے کہ یہ عبارت اور یہ جواب "کمال اطاعت" سے کنایہ ہے۔ "من سرہ" یعنی جن کو یہ بات اچھی لگتی ہے کہ وہ جنتی کو دیکھے تو وہ اس شخص کو دیکھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی معلوم ہوا کہ اس شخص کا حال اور اس کا انجام محمود ہے اور یہ مامون العاقبت ہے اور سزا کے بغیر دخول اولی کے ساتھ یہ شخص جنت میں جائے گا تو آپ نے یہ بشارت دیدی اس شخص کا نام سعد بن احزم تھا۔ (کذا فی الطبرانی)

۱۰۸۔ **حَدَّثَنَا** أَبُوبَكْرِابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ وَاللَّفْظُ لِأَبِي كُرَيْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُومُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍرَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النُّعْمَانُ بْنُ قَوْقَلٍ فَقَالَ يَارَسُولَ اللَّهِ!أَرَأَيْتَ إِذَا صَلَّيْتُ الْمَكْتُوبَةَ وَحَرَّمْتُ الْحَرَامَ وَأَحْلَلْتُ الْحَلَالَ أَأَدْخُلُ الْجَنَّةَ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نعمان بن قوقل تشریف لائے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کا کیا خیال ہے اگر میں فرض نماز کی ادائیگی کرتا رہوں اور حرام کو حرام سمجھتا رہوں اور حلال کو حلال جانوں کیا میں جنت میں داخل ہوں گا؟ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہاں!۔

۱۰۹۔ **وَحَدَّثَنِي** حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ وَالْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ قَالَا حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللَّهِ بْنُ مُوسَى عَنْ شَيْبَانَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ وَأَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍرَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النُّعْمَانُ بْنُ قَوْقَلٍ يَارَسُولَ اللَّهِ! بِمِثْلِهِ وَزَادَ فِيهِ وَلَمْ أَزِدْ عَلَى ذَلِكَ شَيْئًا۔

یہ حدیث بھی سابق حدیث کی طرح منقول ہے

۱۱۰۔ **وَحَدَّثَنِي** سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ أَعْيَنَ حَدَّثَنَا مَعْقِلٌ وَهُوَابْنُ عُبَيْدِاللَّهِ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِصَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَرَأَيْتَ إِذَا صَلَّيْتُ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ وَصُمْتُ رَمَضَانَ وَأَحْلَلْتُ الْحَلَالَ وَحَرَّمْتُ الْحَرَامَ وَلَمْ أَزِدْ عَلَى ذَلِكَ شَيْئًا أَأَدْخُلُ الْجَنَّةَ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَاللَّهِ لَاأَزِيدُ عَلَى ذَلِكَ شَيْئًا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے اگر میں فرض نمازیں پڑھوں اور رمضان کے روزے رکھوں اور حلال کو حلال قرار دوں اور حرام کو حرام اور اس کے علاوہ کچھ مزید عمل نہ کروں کیا میں جنت میں داخل ہوں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! اس نے کہا کہ خدا کی قسم! میں اس میں کوئی اضافہ نہیں کروں گا۔

## باب بیان ارکان الاسلام ودعائمہ العظام

## اسلام کے پانچ بڑے بنیادی ارکان کا بیان

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے۔

۱۱۱۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ يَعْنِي سُلَيْمَانَ بْنَ حَيَّانَ الْأَحْمَرَ عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسَةٍ عَلَى أَنْ يُوَحَّدَ اللّٰهُ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَصِيَامِ رَمَضَانَ وَالْحَجِّ فَقَالَ رَجُلٌ الْحَجِّ وَصِيَامِ رَمَضَانَ ؟ قَالَ لَا صِيَامِ رَمَضَانَ وَالْحَجِّ هٰكَذَا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے (۱) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر (۲) اقامت صلوٰۃ پر (۳) ادائیگی زکوٰۃ پر (۴) رمضان کے روزوں پر اور (۵) حج پر۔ ایک شخص کہنے لگا حج اور رمضان کے روزے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں! رمضان کے روزے اور حج۔ (یعنی روزہ پہلے اور حج بعد میں) میں نے اس کو اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

### تشریح

"بنی الاسلام علی خمسة" یاد رہے کہ اس باب میں امام مسلم نے چار احادیث کو بیان کیا ہے زیر بحث حدیث کی تفصیل وتشریح سب کی تشریح ہوگی۔

اس حدیث میں آنحضرتؐ نے اسلام کی تشبیہ ارکان کے دوام واستمرار میں ایک خیمہ ومکان سے دی ہے، جس میں ایک اصل عمود وستون ہوتا ہے اور باقی اطناب واوتاد ہوتے ہیں، اصل عمود پر خیمہ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے قطب پر باقی ارکان گھومتے ہیں، وہ قطب اور مرکزی ستون کلمۂ شہادت ہے اور باقی ارکان اطناب واوتاد ہیں۔ اگر خیمہ کے اطناب واوتاد میں سے کنارے کا کوئی ستون گر جاتا ہے تو اس طرف میں نقص تو آجاتا ہے لیکن خیمہ کھڑا رہتا ہے، اور اگر کناروں کے سارے ستون گر جائیں مگر بیچ کا عمود اعظم باقی ہو تو نام کا خیمہ پھر بھی باقی ہوگا، اگرچہ اس سے کام نہیں لیا جاسکتا، نہ وہ سایہ کا قابل ہوگا اور نہ گرمی سردی سے بچاؤ کی صلاحیت رکھے گا لیکن اگر خیمہ کا عمود اعظم اور مرکزی قطب کا ستون گر گیا جس پر خیمہ کے قیام کا مدار ہے تو اب نام کا خیمہ بھی باقی نہیں رہے گا اگرچہ کناروں کے چاروں ستون موجود ہوں مگر وہ خیمہ کو گرنے سے نہیں بچاسکیں گے اور یہ خیمہ زمین بوس ہوجائے گا، بعینہ یہی تشبیہ اور یہی صورت حال اسلام کی عالیشان عمارت کی ہے، جس میں نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج چار ستون ہیں جو کناروں میں واقع ہیں

اور کلمہ شہادت بیچ کا عمود اعظم ہے، اگر باقی ارکان میں نقص آتا ہے تو اس عمارت میں تو نقص آجائے گا مگر عمارت باقی رہتی ہے لیکن اگر کلمہ شہادت کے رکن میں نقص آ گیا اور اس کا وجود قائم نہ ہو رہا یا قائم ہونے کے بعد ختم ہو گیا تو اب اسلام کی عمارت باقی نہیں رہ سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب جنازے میں حضرت حسن بصریؒ کی ملاقات مشہور شاعر فرزوق سے ہوئی تو آپ نے ان سے پوچھا

"ماعددت لمثل هذاالمقام؟فقال شهادة ان لااله الاالله منذ كذاسنة فقال هذا العمود فاين الاطناب؟

تو اس حدیث میں پانچ مشہور اصول دین اور مشہور ارکان کا ذکر کیا گیا ہے جو فرضیات عینیہ ہیں، اس کے علاوہ باقی تمام اعمال اس کے ضمن میں ہیں کیونکہ شہادت سے مراد "تسليم بجميع ماجاء به النبي صلى الله عليه وسلم" ہے اس میں اسلام کے تمام احکام آگئے، خلاصہ یہ ہے کہ مشہور ارکان کا ذکر کیا، باقی کی نفی مراد نہیں یعنی فرضیات عینیہ کا ذکر کیا، فرضیات کفایہ وغیرہ کی نفی مقصود نہیں۔

## سوال

فقہاء کرام نے قبول اسلام کے لئے صرف شہادتین کو کافی سمجھا ہے حالانکہ بناء اسلام پانچ اشیاء پر ہے؟

## جواب

اس کا جواب واضح ہے کہ شہادتین کے ضمن میں پورا اسلام اپنے تمام محاسن کے ساتھ ملحوظ اور مراد ہے۔

## سوال

یہ ہے کہ اس روایت سے اسلام کا صرف پانچ چیزوں پر مبنی ہونا معلوم ہوتا ہے اور دوسری روایت میں "بضع وسبعون شعبة" فرمایا ہے تو تطبیق کیا ہے؟

## جواب

اس کا جواب بھی گذر گیا ہے کہ پانچ تو مشہور و معروف ارکان ہیں اور ان معروف اور غیر معروف سب کو ملا کر ستر سے کچھ اوپر بنائے جاتے ہیں۔ "على ان يوحدالله" توحید تمام عبادات کی جڑ ہے تمام اعتقادات کا خلاصہ ہے دوسرے تمام آسمانی مذاہب اگرچہ زبانی توحید کے قائل ہیں مگر خالص توحید جو توحید ربوبیت اور توحید الوہیت اور توحید صفات ہے وہ صرف اسلام میں ہے دوسری روایت میں اسی کو شہادت کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے۔

شهادة : اعراب کے اعتبار سے یہ کلمہ مجرور بھی ہے کہ یہ بدل ہے خمس سے اور وہ مجرور ہے، اور منصوب بھی ہے "اعني" فعل محذوف کی وجہ سے "اي اعني شهادة الخ" اور یہ کلمہ مرفوع بھی ہے کہ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے یعنی "احداهاشهادة الخ" شہادتین کو عام طور پر ایک خصلت شمار کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں تلازم ہے کبھی کبھی الگ بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ حج کے ساتھ استطاعت کا ذکر بوجہ شہرت نہیں کیا، اقام الصلوۃ میں نفس نماز مقصود نہیں بلکہ تمام آداب و فرائض و محاسن کے ساتھ اس کا قیام

مقصود ہے، ایتاء الزکاۃ میں استمرار کی طرف اشارہ ہے حج کا درجہ مؤخر ہے کیونکہ حج سات یا آٹھ یا نو ہجری میں فرض ہوا ہے اور روزہ دو ہجری میں فرض ہوا مگر ترتیب کا لحاظ راوی نے نہیں رکھا، یہ تصرف رواۃ میں سے ہے مگر یہاں اصرار کے باوجود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ترتیب کی تبدیلی کے لئے تیار نہیں اور بار بار فرماتے ہیں کہ نہیں صیام پہلے ہے اور حج کا ذکر بعد میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ شارع کے اطلاقات اور ترتیبات کا بہت خیال رکھنا چاہیے حضرت ابن عمر نے دونوں روایتیں بیان فرمائی ہیں شاید ایک ترتیب کو بھول گئے یا اس ترتیب کو راجح قرار دیا۔ اس حدیث سے مرجئہ پر صریح رد ہے جو اعمال کو نظر انداز کرتے ہیں۔

## ارکانِ خمسہ میں ترتیب

۱۔ عبادات دو قسم پر ہیں یا قلب سے متعلق ہوں گی یا غیر قلب سے متعلق ہوں گی، اول کی مثال شہادتین ہے جو تصدیق قلبی کا نام ہے، غیر قلب سے جو متعلق ہیں وہ پھر دو قسم پر ہیں، ایک وہ ہیں جن کا تعلق کرنے سے ہے، دوسرے وہ ہیں جن کا تعلق کسی فعل کے چھوڑنے سے ہے، یہ دوسری قسم روزہ ہے جس میں کھانا پینا اور جماع ترک کیا جاتا ہے، اول قسم عبادت پھر تین قسم پر ہے، یا صرف بدن سے متعلق ہوگی وہ نماز ہے، یا صرف مال سے متعلق ہوگی، وہ زکوۃ ہے، یا مشترک ہوگی وہ حج ہے۔

۲۔ یا ترتیب کو یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی دو قسم کی صفات ہیں، صفات جمالیہ اور صفات جلالیہ تو صلوٰۃ کا تعلق صفات جلالیہ سے ہے کہ بندہ معبود کے سامنے کمال عبودیت اور کمال عاجزی سے پیش ہوکر آتا ہے اور ذوالجلال کے سامنے زمین پر ناک رگڑتا ہے۔

زکوۃ بھی صفات جلالیہ سے ہے کیونکہ انسان ممسک ہے ﴿وانہ لحب الخیر لشدید﴾ اس حالت میں مال خرچ کرنا اور رضائے خدا میں زکوۃ دینا عظمت جلال کی جلالیت کی نشانی ہے۔

روزہ اور حج مظہر جمال ہیں اول میں عاشق اپنے محبوب کے لئے بھوکا رہتا ہے اور دوسرے میں عاشق محبوب کے لئے گھر بار بیوی بچوں کو چھوڑ کر محبوب کے مکان کی طرف جاتا ہے وہاں پہنچ کر طواف کرتا ہے۔ کبھی دوڑتا ہے کبھی در و دیوار کو بوسہ دیتا ہے۔

امر علی الدیار دیار لیلی     اقبل ذالجدار و ذا الجدارا

وما حب الدیار شغفن قلبی     ولکن حب من سکن الدیارا

ومن عادتی حب الدیار لاھلہا     وللناس فیما یعشقون مذاھب

۳۔ یا ارکان خمسہ کی ترتیب میں یوں کہیں کہ ارکان خمسہ میں سے پہلے شہادتین ہے یہ قولی عبادت ہے اور زبانی طور پر محبوب کا تذکرہ ہے عاشق کا سب سے پہلا کام یہی ہوتا ہے نظم ونثر کے سارے داؤ پیچ اسی زبانی تذکروں کے گرد گھومتے پھرتے ہیں اقرار توحید اسی کا نام ہے۔ دوسرا کام محبوب کی انتہائی تعظیم ہوتی ہے۔ یہی صلوٰۃ اور نماز ہے جو مجموعہ تعظیم الٰہی ہے۔ عاشق کا تیسرا کام محبوب کے لئے مال لٹانا ہوتا ہے زکوۃ اسی کا نام ہے۔ عاشق کا چوتھا کام محبوب کے لئے بھوکا رہنا ہے روزہ اسی کا نام

ہے۔عاشق کا پانچواں کام محبوب کے لئے اپنا گھر بار چھوڑنا ہوتا ہے اور محبوب کے گھر اور اس کے کھنڈرات میں جا کر گھومنا ہوتا ہے۔حج اسی کو کہا جاتا ہے اس لئے فرمایا "بنی الاسلام علی خمس......الخ"۔

۱۱۲۔**حَدَّثَنَا** سَهْلُ بْنُ عُثْمَانَ الْعَسْكَرِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنُ أَبِي زَائِدَةَ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ طَارِقٍ قَالَ حَدَّثَنِي سَعْدُ بْنُ عُبَيْدَةَ السُّلَمِيُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ عَلَى أَنْ يُعْبَدَ اللّٰهُ وَيُكْفَرَ بِمَا دُونَهُ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَحَجِّ الْبَيْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے۔(۱) اللہ کی بندگی کی جائے اور اس کے سوا تمام باطل معبودوں کی تکفیر کی جائے۔ (۲) نماز قائم کی جائے (۳) زکوۃ ادا کی جائے (۴) بیت اللہ کا حج کیا جائے (۵) رمضان کے روزے رکھے جائیں۔

۱۱۳۔**حَدَّثَنَا** عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا عَاصِمٌ وَهُوَ ابْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَحَجِّ الْبَيْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے (۱) لا الہ الا اللہ کی شہادت اور محمد اعبدہ ورسولہ کا اقرار (۲) اقامت صلوۃ (۳) ادائے زکوۃ (۴) حج بیت اللہ (۵) صوم رمضان۔

۱۱۴۔**وَحَدَّثَنِي** ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا حَنْظَلَةُ قَالَ سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ بْنَ خَالِدٍ يُحَدِّثُ طَاوُسًا أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَلَا تَغْزُو؟ فَقَالَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ الْإِسْلَامَ بُنِيَ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَصِيَامِ رَمَضَانَ وَحَجِّ الْبَيْتِ۔

حضرت طاوسؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہا کہ آپ جہاد کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے (۱) اقرار شہادت کلمۂ توحید (۲) اقامت صلوۃ (۳) ادائیگی زکوۃ (۴) رمضان کے روزے (۵) بیت اللہ کا حج۔

## تشریح

جس شخص نے حضرت ابن عمرؓ سے جہاد نہ کرنے کا سوال کیا تھا "الا تغزو" اس کا نام حکیم تھا اوپر والی حدیث میں جس شخص نے ابن عمرؓ سے اصرار کیا کہ حج مقدم مذکور ہے صیام بعد میں ہے اس شخص کا نام یزید بن بشر سکسکی تھا حضرت ابن عمرؓ فتنوں کی جنگوں

میں شریک نہیں ہوتے تھے فتنہ حجاج بن یوسف کے وقت لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ عبداللہ بن زبیر کا ساتھ دیکر جہاد کیوں نہیں کرتے ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ اسلام کی پانچ بنیادی ارکان میں جہاد نہیں ہے وہ موجودہ آپس کی جنگوں کی نفی فرما رہے ہیں مطلق جہاد کی نفی نہیں ہے عمدۃ القاری سے ایسا ہی معلوم ہورہا ہے۔ علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے سائل کے سوال سے سمجھ لیا کہ وہ جہاد کو ارکان اسلام میں سے سمجھ رہا ہے اس لئے آپ نے جواب دیا کہ جہاد ارکان اسلام میں سے نہیں ہے اس لئے اس حدیث میں جہاد کا تذکرہ نہیں ہے تو اس سے جہاد کی نفی پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ (فتح الملہم)

## باب الامر بالایمان باللہ تعالیٰ ورسولہ وقصۃ وفد عبدالقیس

## اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور احکام دین پر ایمان لانا

## اور وفد عبدالقیس کا قصہ

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں چھ احادیث کو ذکر کیا ہے تین روایتیں حضرت ابن عباسؓ سے ہیں اور تین حضرت ابوسعید خدریؓ سے ہیں تفصیل حدیث نمبر ۱۱۶ کے تحت آرہی ہے مگر حدیث کے الفاظ میں صحیح بخاری کے الفاظ کا خیال رکھا گیا ہے تو الفاظ میں کچھ تفاوت نظر آئے گا۔

۱۱۵۔ **حَدَّثَنَا** خَلَفُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ ح وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَاللَّفْظُ لَهُ أَخْبَرَنَا عَبَّادُ بْنُ عَبَّادٍ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّا هَذَا الْحَيَّ مِنْ رَبِيعَةَ وَقَدْ حَالَتْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ كُفَّارُ مُضَرَ وَلَا نَخْلُصُ إِلَيْكَ إِلَّا فِي شَهْرِ الْحَرَامِ فَمُرْنَا بِأَمْرٍ نَعْمَلُ بِهِ وَنَدْعُو إِلَيْهِ مَنْ وَرَاءَنَا قَالَ آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ الْإِيمَانِ بِاللَّهِ ثُمَّ فَسَّرَهَا لَهُمْ فَقَالَ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَأَنْ تُؤَدُّوا الْخُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالنَّقِيرِ وَالْمُقَيَّرِ وَزَادَ خَلَفٌ فِي رِوَايَتِهِ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَعَقَدَ وَاحِدَةً۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبدالقیس کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم قبیلہ ربیعہ کے ایک محلے کے افراد ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان قبیلہ مضر کے کفار حائل ہیں اور ہم آپ کے پاس سوائے اشہر حرام کے نہیں آسکتے ہمیں ان باتوں کا حکم دیجئے جن پر ہم عمل کریں اور جو لوگ ہمارے پیچھے رہ گئے ہیں ان کو بھی اس کی طرف بلائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں چار باتوں کا حکم

دیتا ہوں اور چار کے کرنے سے روکتا ہوں۔(۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی تفسیر وضاحت ان سے بیان کی اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی معبود کے نہ ہونے کی گواہی دینا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اللہ کا رسول ہونے کی گواہی دینا (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوۃ ادا کرو (۴) اور یہ کہ تم جو مال غنیمت حاصل کرو اس کا خمس دیا کرو اور میں تمہیں منع کرتا ہوں دباء سے، حنتم سے نقیر سے اور مقیر سے۔ خلف بن ہشام نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادتین کے اقرار کو بتاتے وقت ایک انگلی سے اشارہ کیا۔

## تشریح

''قولہ انا ھذا الحی من ربیعہ'' الحی کا لفظ بنابر تخصیص منصوب ہے یعنی یہاں نخص فعل محذوف ہے اس کے لئے الحی مفعول بہ ہے یہ جملہ معترضہ ہے اور من ربیعۃ کائن کے ساتھ متعلق ہے یہ ''انا'' کے لئے خبر ہے اسم ان انا کے ساتھ لگا ہے اصل عبارت اس طرح ہے ''انا ھذا الحی حی کائن من ربیعۃ ای انا من ربیعۃ محصوصون بھذا الحی'' فتح الملہم نے اس طرح عبارت نکالی ہے ''انا ھذا الحی حی من ربیعۃ'' یعنی ہمارا جو یہ قبیلہ ہے یہ ربیعہ قبیلہ سے ہے۔ بخاری کی عبارت پیچیدہ نہیں ہے۔

''عقد واحدۃ'' یعنی گنتی کرنے کی غرض سے آنحضرت نے ایک انگلی بند فرمائی۔ قسطلانی نے یہی مطلب لیا ہے۔ عام ترجمہ ''اشارہ کیا'' سے کیا گیا ہے۔

۱۱۶۔ **وحَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَأَلْفَاظُهُمْ مُتَقَارِبَةٌ قَالَ أَبُو بَكْرٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ وَقَالَ الْآخَرَانِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ قَالَ كُنْتُ أُتَرْجِمُ بَيْنَ يَدَيِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَبَيْنَ النَّاسِ فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ تَسْأَلُهُ عَنْ نَبِيذِ الْجَرِّ فَقَالَ إِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ أَتَوْا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ الْوَفْدُ؟ أَوْ مَنِ الْقَوْمُ؟ قَالُوا رَبِيعَةُ قَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ أَوْ بِالْوَفْدِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا النَّدَامَى قَالَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّا نَأْتِيكَ مِنْ شُقَّةٍ بَعِيدَةٍ وَإِنَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هَذَا الْحَيَّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ وَإِنَّا لَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نَأْتِيَكَ إِلَّا فِي شَهْرِ الْحَرَامِ فَمُرْنَا بِأَمْرٍ فَصْلٍ نُخْبِرْ بِهِ مَنْ وَرَاءَنَا وَنَدْخُلْ بِهِ الْجَنَّةَ قَالَ فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ قَالَ أَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَقَالَ هَلْ تَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللَّهِ؟ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَأَنْ تُؤَدُّوا خُمُسًا مِنَ الْمَغْنَمِ وَنَهَاهُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ قَالَ شُعْبَةُ وَرُبَّمَا قَالَ النَّقِيرِ قَالَ شُعْبَةُ وَرُبَّمَا قَالَ الْمُقَيَّرِ وَقَالَ احْفَظُوهُ وَأَخْبِرُوا بِهِ مَنْ وَرَائَكُمْ وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ فِي رِوَايَتِهِ مَنْ وَرَاءَكُمْ وَلَيْسَ فِي رِوَايَتِهِ الْمُقَيَّرِ۔

حضرت ابوجمرہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور لوگوں کے درمیان مترجم کے فرائض انجام

دیا کرتا تھا۔ایک بار ایک عورت ان کے پاس آئی اور مٹکہ کی نبیذ کے بارے میں سوال کیا؟ ابن عباس نے فرمایا: عبدالقیس کے وفد کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: کونسا وفد ہے یا فرمایا کونسی قوم ہے؟ انہوں نے کہا کہ ربیعہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرحبا اور خوش آمدید ہو اس قوم یا وفد کو جو رسوائی اور ندامت سے محفوظ رہے۔ راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ کے پاس دور دراز کی مسافت طے کر کے آئے ہیں، ہمارے اور آپ کے درمیان یہ کفار مضر قبیلہ حائل ہے اور ہم سوائے اشہر حرام کے آپ کے پاس آنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ ہمیں آپ ایسے واضح احکامات کا حکم دیجئے جن کے بارے میں ہم اپنے پیچھے والوں کو بھی بتلادیں اور ان احکامات پر عمل کر کے ہم جنت میں داخل ہو جائیں۔ آپ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار باتوں سے منع فرمایا: انہیں (۱) ایمان باللہ وحدہ کا حکم دیا اور ان سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو اللہ کو ایک ماننے کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس بات کی گواہی کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ (۲) اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دیا۔ (۳) زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم فرمایا (۴) رمضان کے روزوں کا حکم فرمایا (۵) اور مال غنیمت کے خمس کی ادائیگی کا حکم فرمایا۔ آپ نے منع فرمایا ان میں (۱) دباء سے (۲) حنتم سے (۳) مزفت سے اور (۴) نقیر یا مقیر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان باتوں کو یاد کر لو اور اس کو اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو بھی ان کے بارے میں بتلا دو۔ ابوبکر بن ابی شیبہؒ کی روایت میں "من ورائکم" ہے من ورائکم کے بجائے اور ان کی روایت میں مقیر کا ذکر نہیں ہے۔

## تشریح

"ابو جمرة" ان کا نام نصر بن عمران ہے بصرہ کے رہنے والے تھے حضرت ابن عباسؓ کو حضرت علیؓ نے بصرہ کا گورنر بنایا تھا بصرہ کی زبان فارسی تھی اس لئے حضرت ابن عباس کو ترجمان کی ضرورت پڑی ابو جمرہ ترجمانی کر رہے تھے حضرت ابن عباس ان کی بہت قدر کرتے تھے ایک وجہ تو یہ تھی کہ یہ حضرت ابن عباس کے شاگرد اور خادم و ترجمان تھے دوسری وجہ یہ تھی کہ ابو جمرہ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ان کو کوئی کہہ رہا ہے کہ حج اور عمرہ کی نیت ایک ساتھ کرو اس مسئلہ میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ حضرت ابن عباس کا موقف ایک ساتھ کرنے کا تھا اس خواب سے اس موقف کی تائید ہو گئی تو آپ خوش ہو گئے اور ابو جمرہ کو اپنے پاس رکھا اور ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

"ان وفد عبدالقیس" وفد وافد کی جمع ہے جیسے رکب راکب کی جمع ہے، وفد اس جرگہ کا نام ہے جو کسی قوم کی طرف سے اشراف پر مشتمل جماعت ہو اور کسی امیر و حاکم کے پاس اپنی حاجت کے سلسلہ میں جائے۔ عبدالقیس ان کے بڑے دادا کا نام تھا یا وفد کے لیڈر کا نام تھا، یہ وفد چالیس افراد پر مشتمل تھا اور قبیلہ ربیعہ بن نزار سے ان کا تعلق تھا جو قبیلہ مضر کے مقابل تھے۔

## وفد عبد القیس کب مدینہ آیا تھا؟

عبد القیس بحرین کا ایک بڑا قبیلہ تھا، یہ وفد مدینہ منورہ کب آیا تھا؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کب حاضری دی تھی؟ اکثر علماء اور شارحین کے قول کے مطابق یہ وفد ۸ھ میں آیا تھا اور یہ لوگ برضا ورغبت خود مسلمان ہو کر آئے تھے، امام تاریخ علامہ واقدی اور قاضی عیاض رحمہما اللہ اسی قول کی طرف گئے ہیں۔ امام مغازی ابن اسحاق اور ابن کثیر وغیرہ اہل تاریخ کے نزدیک یہ وفد ۹ھ میں آیا تھا۔ ابن اثیر اور تاریخ خمیس والے نے اس وفد کی آمد کو ۱۰ھ میں بتایا ہے۔

تحقیق کے بعد یہ بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ یہ وفد دو دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا ایک مرتبہ ۶ھ میں اور دوسری دفعہ ۹ھ میں حاضر خدمت ہوا تھا۔

## وفد عبد القیس کی آمد کا سبب

بحرین کے لوگ تاجر پیشہ تھے، ان میں سے ایک تاجر منقذ بن حیان بغرض تجارت مدینہ منورہ آیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات ہوئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دلچسپی سے اہل بحرین کے شرفاء کے حالات ان سے معلوم کئے اور خصوصیت سے ایک صاحب منذر بن عائذ کے حالات دریافت کیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منقذ بن حیان کو اسلام کی دعوت دی، وہ مسلمان ہو گئے اور کچھ ضروری چیزیں اسلام کی سیکھ کر واپس وطن جانے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے سرداروں کے نام خط لکھ کر ان کے حوالہ کر دیا منقذ بن حیان یہ خط لے کر بحرین پہنچا اور منذر بن عائذ ملقب باشج عبد القیس کے ہاتھ میں دے دیا۔ منقذ بن حیان اشج عبد القیس کا داماد تھا ان کی بیوی اشج کی بیٹی تھی وہ منقذ بن حیان کو عبادت کرتے ہوئے دیکھتی تھی اور حیران ہو جاتی تھی اس نے اپنے باپ اشج کے سامنے اس کا تذکرہ کیا کہ میرا شوہر جب سے مدینہ سے واپس آیا ہے وہ عجیب عجیب عبادات میں مشغول رہتے ہیں۔ اشج نے آنحضرت صلی اللہ کا خط کھول کر پڑھا اور بیٹی سے اسلام کے بارے میں سنا تو وہ مسلمان ہو گیا پھر انہوں نے مجمع میں یہ خط پڑھ کر سنایا لوگ مسلمان ہو گئے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی اس دفعہ یہ وفد تیرہ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ مدینہ پہنچ کر سب نے دوڑ دوڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، دست بوسی کی لیکن اشج نے پہلے ساتھیوں کا سامان محفوظ کیا، پھر اونٹ باندھ دیے، پھر نئے کپڑے پہن کر نہایت وقار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی، دست مبارک کو بوسہ دیا، شکل وشباہت اچھی نہیں تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے جب دیکھا تو اشج کہنے لگا یا رسول اللہ! انسان کی یہ کھال تو مشکیزہ کی مانند ہے، اصل انسان تو یہ نہیں ہے درحقیقت ''الانسان باصغریہ'' یعنی دو چھوٹے اعضاء کی وجہ سے انسان انسان ہے اور وہ دل اور زبان ہیں۔ اشج سے حضور نے فرمایا کہ تم میں دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول پسند کرتے ہیں ''الحلم والاناۃ'' دانائی اور بردباری، اشج نے کہا کہ

یارسول اللہ! کیا یہ خصلتیں پیدائشی ہیں یا میں نے کسب سے حاصل کی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ میں یہ پیدائشی ہیں اس پر وہ خوش ہوئے اور پھر کہا: ''الحمدللہ الذی جبلنی علی خلیقتین یحبھما اللہ ورسولہ'' حلم اس سنجیدگی کو کہتے ہیں جس کا تعلق لوگوں کے ساتھ ہو اور اناۃ اس بردباری کو کہتے ہیں جس کا تعلق آدمی کی اپنی ذات سے ہو۔ (کذا فی الابی)

چونکہ منذر بن عائذ کے چہرے پر زخم کا نشان تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اشج کا لقب دیا، چنانچہ نووی فرماتے ہیں کہ منذر بن عائذ کو اشج کا لقب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا پھر وہ اشج عبد القیس سے مشہور ہوا۔

''من القوم او من الوفد'' اس کلام میں راوی کو شک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''من القوم'' فرمایا تھا یا ''من الوفد'' فرمایا تھا، یہ صحابہ کرام کا نہایت احتیاط اور ان کی اعلیٰ ذہانت اور امانت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی کہ تلفظ میں تغیر کو گوارا نہیں کرتے تھے، لفظ ''او'' کے بعد ''قال'' پڑھا جاتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں سے یہ سوال یا تو تعارف کے لئے تھا یا طلب استیناس کی غرض سے تھا، یہ آپ کی عام عادت تھی جس میں محبت ہی محبت تھی۔ ''قالوا ربیعہ'' ای نحن من ربیعۃ بن نزار، ہمارا تعلق ربیعہ سے ہے۔ ''قال مرحبا'' ''مرحب مصدر میمی بمعنی وسعت ہے'' ای اصاب القوم رحبا و وسعۃ'' یہ لفظ اسی فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے'' رحب یرحب رحبا و مرحبا'' وسعت اور کشادگی کے معنی میں ہے۔

''غیر خزایا'' غیر حال ہے اس لئے منصوب ہے خزایا، خزیان کی جمع ہے اور خزی ذلت ورسوائی کے معنی میں ہے۔

''ولاندامی'' یہ ندمان کی جمع ہے جو نادم پشیمان کے معنی میں ہے، اگر چہ ندمان کا ایک معنی ہمنشین بھی ہے مگر وہ یہاں مراد نہیں بلکہ نادم کے معنی میں استعمال ہوا ہے، بعض نے ندامی کو نادم کی جمع کہا ہے، مگر یہ قید لگادی ہے کہ یہ خلاف القیاس ہے کیونکہ نادم کی جمع قیاس کے مطابق نادمین ہے، بہر حال ''خزایا'' کا ہم وزن بنانے کی غرض سے ''ندامی'' لایا گیا ہے ورنہ نادمین لایا جاتا اور ہموزن کا خیال عربی کلام میں رکھا جاتا ہے، جیسے ''عشایا'' کے لئے ''غدایا'' لایا جاتا ہے حالانکہ غداۃ کی جمع غداوت ہے نہ کہ غدایا، اسی طرح لادریت کی رعایت کرکے ''لادریت ولاتلیت'' لایا گیا ہے حالانکہ یہ ''لاتلوت'' ہے مگر پڑوس کا خیال رکھا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وفد کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اچھا ہوا کہ تم سے ہماری لڑائی نہیں ہوئی، لڑائی سے پہلے از خود اسلام قبول کرکے آگئے تو لڑائی کی رسوائی سے بچ گئے، نیز جنگ نہ ہونے کی صورت میں پشیمانی بھی اٹھانی نہ پڑی، ورنہ اگر جنگ ہوتی آدمی قتل ہوجاتے یا گرفتار و زخمی ہوتے تو اب پشیمانی ہوتی کہ کاش جنگ نہ کرتے پہلے مسلمان ہوجاتے۔

''الشہر الحرام'' یہاں ''الشہر'' میں الف لام جنس کے لئے ہے جس کا اطلاق قلیل و کثیر سب پر ہوتا ہے، تو ''الشہر الحرام'' سے تقدس واحترام کے چار مہینے مراد ہیں جن میں تین ایک ساتھ ہیں اور ایک الگ ہے۔ ذوالقعدہ اور ذوالحجہ اور محرم ایک ساتھ ہیں اور رجب الگ ہے لہٰذا یہاں گویا مفرد کے ساتھ جمع کا معاملہ کیا گیا ہے کہ ''الشہر الحرام'' سے چاروں مہینے مراد ہیں اور اس کی تائید بخاری و مسلم کی دوسری روایت سے ہوتی ہے کہ وہاں ''اشھر الحرم'' جمع کا لفظ موجود ہے مسلم کی آنے والی حدیث ۱۱۸

کو دیکھو لو، بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں اس وفد نے "الشهر الحرام" سے صرف رجب کا مہینہ مراد لیا ہے کیونکہ قبیلہ مضر کے لوگ رجب کا احترام بے حد کرتے تھے حتی کہ رجب کا نام رجب مضر ہو گیا تھا۔ اس رائے کی تائید بیہقی اور ابوبکرہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ "الشهر الحرام" سے مراد رجب مضر ہے، اس رائے کے مطابق "الشهر الحرام" میں الف لام عہد کے لئے لیا جا سکتا ہے۔ اب یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ ۹ھ میں جزیرۂ عرب آزاد ہو چکا تھا پھر اس وفد نے مضر کی جنگ اور راستہ کی بات کیوں اٹھائی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وفد ایک دفعہ ۶ھ کو آیا تھا یہ اسی وقت کی بات ہے اس وقت قبیلہ مضر مسلمان نہیں ہوا تھا۔ "من شقة بعيدة" شقہ دور دراز سفر کو کہتے ہیں یہاں بعیدہ کا لفظ تاکید کے لئے ذکر کیا ہے۔

"امر فصل" فصل کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ یہ فاصل کے معنی میں ہے جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن امر ہو یا فصل مفصول و مفصل کے معنی میں ہے کہ ہمیں خوب تفصیل سے بتا دیجئے تا کہ ہم کسی اور کی طرف محتاج نہ ہوں۔

"نخبر به" یعنی ہم ان واضح اور دوٹوک احکامات کو واپس جا کر اپنی قوم کے سامنے بیان کریں گے، اس سے اشاعت دین کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے اور تبلیغ کی ذمہ داری کا احساس بھی معلوم ہوتا ہے مگر پہلے سیکھ کر تیار ہونے اور پھر جانے کے اصول کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے، تفصیل سے سیکھو پھر جاؤ۔

"و ندخل به الجنة" ان نخبر به و ندخل، دونوں فعل مجزوم بھی ہیں کیونکہ یہ "مرنا" امر کے جواب میں آئے ہیں اور دونوں جملہ مستانفہ کی صورت میں مرفوع بھی ہیں، دخول جنت سے مراد یہ کہ ہم رضائے الٰہی کا خاص مقام چاہتے ہیں جو جنت ہے کیونکہ جنت اللہ تعالیٰ کی رضا کے مجموعے کا نام ہے۔

اب اعتراض نہیں آئے گا کہ عمل دخول جنت کا مؤثر ذریعہ نہیں، مؤثر علت تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، عمل تو صرف وسیلہ ہے تاہم نفس جنت کا سوال بھی جائز ہے کیونکہ وہ بھی مامور بہ حکم ہے مگر اعلیٰ خلوص کی بات ہی اور ہے۔

"و سالوه عن الاشربة" اشربہ جمع شراب، بمعنی مشروب ہے اور جواب سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا فرمایا کہ تم تو مشروب کا پوچھتے ہو میں تو ان مشروبات کے برتنوں کو بھی جائز نہیں سمجھتا، جن میں کبھی شراب رکھنے بنانے اور پینے کا عمل ہوا تھا، کیونکہ یہ برتن مذکرات ہیں، ان سے روکنا بھی تاکیدی حکم ہے تا کہ شراب سے بھی مکمل اجتناب و نفرت ہو جائے، جب اس کی نفرت صحابہ کے دلوں میں بیٹھ گئی، تب برتن رکھنے کی اجازت بھی مل گئی، بہر حال اشربة بحذف مضاف ہے "ای عن ظروف الاشربة" کیونکہ یہ لوگ مسلمان تھے حرمت شراب کے پہلے سے قائل تھے۔

"فامرهم باربع" یعنی آنحضرت نے ان کو چار چیزوں کے کرنے کا حکم دیا۔

## سوال

یہاں ایک مشہور سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ اجمال میں چار چیزوں کا وعدہ کیا گیا کہ "فامرهم باربع" مگر تفصیل میں پانچ اشیاء

کا ذکر آ گیا ہے یعنی ایمان، نماز، زکوۃ، صوم، اعطاء خمس یہ پانچ چیزیں ہیں اور اگر تفصیل واجمال ایک ہے تو پھر صرف ایمان کا ذکر ہو گیا اور اسی کی فروعات کا ذکر آ گیا اور چار چیزوں کا وعدہ پورا نہ ہوا؟۔

## جواب

اس کے کئی جوابات ہیں اور شارحین نے چھوٹی چھوٹی وجوہات کو بھی کھینچ کر کئی جوابات بنا دیئے ہیں، میں دو تین باتیں بیان کروں گا جو اہم ہیں۔

## ا۔ پہلا جواب

یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے چار چیزوں کا وعدہ فرمایا تھا اور ''اقام الصلوۃ، ایتاء الزکوۃ، صوم رمضان و ان تعطوا من الخمس'' تک چاروں کو بیان فرمایا۔ رہ گیا شہادتین کا ذکر تو وہ تو طیہ و تمہید اور تبرک کے طور پر تھا کیونکہ یہ لوگ پہلے سے مسلمان تھے، ان کے لئے شہادتین کا ذکر صرف بطور تبرک ہی ہوسکتا ہے، اس کی تائید بخاری کی روایت سے ہوتی ہے جہاں شہادتین کا ذکر ہی نہیں، چنانچہ بخاری ج ۲ ص ۹۱۲ پر یہ حدیث اس طرح ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَرْبَعٌ وَ أَرْبَعٌ (١) أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ (٢) وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (٣) وَصَوْمُ رَمَضَانَ (٤) وَاَعْطُوا الْخُمُسَ مَاغَنِمْتُمْ الخ۔

اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ شہادتین کا تذکرہ چار چیزوں کے وعدے میں نہیں ہے، جہاں ذکر کیا گیا ہے وہاں بطور تبرک تو طیہ و تمہید ذکر کیا گیا ہے۔ بعض روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گنتی کے وقت شہادتین پر انگلی بند فرمادی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ گنتی میں امر اول تھا، مگر علماء نے لکھا ہے کہ یہ توحید کی طرف اشارہ تھا گنتی کی طرف نہیں تھا، کیونکہ اس کے بعد آپ نے دوسری انگلی کو نہ بند کیا نہ اشارہ کیا، اگر گنتی ہوتی تو سب میں انگلی بند فرما دیتے۔

## ۲۔ دوسرا جواب

یہ ہے کہ شہادت کو امر اول شمار کیا جائے اور نماز، زکوۃ، روزہ یہ چار ہو گئے۔ اور خمس کا جو ذکر آیا ہے اس کا عطف ''امرھم'' پر ہو جائے عبارت اس طرح ہوگی ''امرھم باربع و امرھم ان تعطوا من المغنم الخمس'' تو خمس کا ذکر گنتی کے اندر نہیں بلکہ وفد کے مامورات میں سے ہے کہ یہ کرو، یہ کرو اور خمس ادا کرو۔ یہ دو جواب سب سے عمدہ اور قابل اعتماد ہیں۔

## ۳۔ تیسرا جواب

یہ بھی دیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چیزوں کی گنتی فرمائی تھی مگر کسی راوی نے اختصار کر کے سب کو چھوڑ دیا اور ایمان کے اجمال و تفصیل کو ذکر کر دیا یہ عجیب جواب ہے۔

۴۔ چوتھا جواب

یہ ہے کہ شہادتین سے لے کر خمس تک چار چیزوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمادیا اور مال غنیمت اور خمس وغنیمت کا ذکر بطور اضافہ اس وفد کی مناسبت سے ان کے لئے اس لئے کیا کہ یہ لوگ قبیلہ مضر سے جہاد کے میدان میں برسرِ پیکار تھے ان کو اس حکم کی ضرورت تھی۔

اس حدیث میں حج کا حکم مذکور نہیں کیونکہ حج ۹ ھ میں فرض ہوا تھا اور وفد عبد القیس ایک دفعہ ۹ ھ سے پہلے آیا تھا۔

''ونھاھم عن اربع'' یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چار قسم کے ایسے برتنوں سے منع فرمایا جس میں وہ لوگ شراب بناتے تھے۔ جن کے مسامات بند ہوتے تھے اور اس میں بہت جلدی شراب بنتی تھی اور جلدی سکر آتا تھا ابتداء میں اس میں نبیذ بنانے کو بھی منع فرمایا کہ کہیں دوبارہ شراب بنانا شروع نہ ہوجائے یہ کل چار برتن تھے۔

۱۔ ''الحنتم'' حنتم اور منکا مٹی کا سبز ٹھیلیا یا روغنی مرتبان اور روغنی گھڑا ہوتا تھا۔

۲۔ ''الدباء'' یہ ایک قسم کا گول کدو ہے جب خشک ہوتا ہے اور اسکے اندر سے کرید کر تخم کو پھینک دیا جاتا ہے تو یہ اندر سے بہترین برتن ہے اوپر سے پکڑنے کے لئے ایسی گردن ہے گویا پکڑنے ہی کے انداز ے پر تخلیق ہوئی ہے اس کو تونبی بھی کہتے ہیں اب بھی قبائل اور کوہستانی علاقوں میں لوگ اس کو استعمال کرتے ہیں اس میں پانی اور لسی ٹھنڈا رکھنے کے لئے رکھتے ہیں۔

۳۔ ''النقیر'' یہ بھی ایک برتن ہے لوگ کھجور کے درخت کا تنا اندر سے تراش کر کھوکھلا بنایا کرتے تھے اور پھر اس میں شراب بناتے اور رکھتے تھے۔

۴۔ ''المزفت'' یہ وہ برتن ہے جس پر وہ لوگ سیاہ تارکول مل لیا کرتے تھے، یعنی روغن مزفت یا روغن قار جو کشتیوں پر ملا جاتا تھا، جاہلیت میں شراب کے ان برتنوں پر مسامات بند کرنے کی غرض سے مل لیا کرتے تھے، مزفت یہی روغنی برتن ہے ابتداء میں حرمت شراب کے وقت ان برتنوں کی بھی ممانعت تھی پھر اجازت مل گئی جیسے مشکوٰۃ زیارۃ القبور میں یہ روایت ہے ''ونھیتکم عن النبیذ الافی سقاء فاشربوا فی الاسقیۃ کلھا ولا تشربوا مسکرا''۔ (مشکوٰۃ ص ۱۵۴)

ائمہ احناف کا یہی مسلک ہے اور یہی دلیل ہے باب الاشربہ مشکوٰۃ ص ۳۷۰ میں بھی اسی قسم کی روایات ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ہاں ان برتنوں کا استعمال اب بھی ناجائز ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ کے ایک قول اور فتویٰ کو لیتے ہیں کہ انہوں نے منع فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت بعد میں ختم ہوگئی تھی لہٰذا حضرت ابن عباس رضی اللہ کے قول میں تاویل کی جائے گی کہ شاید ان کو نسخ کا علم نہ ہوا ہو۔

''واحفظوھن'' اس سے معلوم ہوا کہ پہلے سیکھو پھر جا کر سکھاؤ، پہلے تبلیغ کی تیاری کرو پھر جا کر تبلیغ کرو، خوب یاد کرو تا کہ بیان

کرنے میں غلطی نہ آئے۔

۱۱۷۔**وَحَدَّثَنِي** عُبَيْدُاللهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي ح وَحَدَّثَنَا نَصْرُبْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي قَالَا جَمِيعًا حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ نَحْوَ حَدِيثِ شُعْبَةَ وَقَالَ أَنْهَاكُمْ عَمَّا يُنْبَذُ فِي الدُّبَّاءِ وَالنَّقِيرِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَزَادَ ابْنُ مُعَاذٍ فِي حَدِيثِهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَشَجِّ أَشَجِّ عَبْدِالْقَيْسِ إِنَّ فِيكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللهُ: الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی حدیث روایت کرتے ہیں جو حدیث شعبہ کے مواقف ہے اس میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں منع کرتا ہوں ان برتنوں سے جن میں نبیذ بنائی جاتی ہے دُبّاء، نقیر، حنتم اور مزفت سے۔ ابن معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے روایت کردہ حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشج عبدالقیس سے فرمایا: بیشک تمہارے اندر دو خصلتیں ہیں جنہیں اللہ تعالی پسند فرماتے ہیں: (۱) بردباری وتحمل (۲) عقلمندی۔

۱۱۸۔**حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ حَدَّثَنِي مَنْ لَقِيَ الْوَفْدَ الَّذِينَ قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَبْدِالْقَيْسِ قَالَ سَعِيدٌ وَذَكَرَ قَتَادَةُ أَبَا نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ فِي حَدِيثِهِ هٰذَا أَنَّ أُنَاسًا مِنْ عَبْدِالْقَيْسِ قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا يَا نَبِيَّ اللهِ! إِنَّا حَيٌّ مِنْ رَبِيعَةَ وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ كُفَّارُ مُضَرَ وَلَا نَقْدِرُ عَلَيْكَ إِلَّا فِي أَشْهُرِ الْحُرُمِ فَمُرْنَا بِأَمْرٍ نَأْمُرُ بِهِ مَنْ وَرَاءَنَا وَنَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ إِذَا نَحْنُ أَخَذْنَا بِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ اعْبُدُوا اللهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَصُومُوا رَمَضَانَ وَأَعْطُوا الْخُمُسَ مِنَ الْغَنَائِمِ وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَالنَّقِيرِ قَالُوا يَا نَبِيَّ اللهِ! مَا عِلْمُكَ بِالنَّقِيرِ قَالَ بَلَى جِذْعٌ تَنْقُرُونَهُ فَتَقْذِفُونَ فِيهِ مِنَ الْقُطَيْعَاءِ قَالَ سَعِيدٌ أَوْ قَالَ مِنَ التَّمْرِ ثُمَّ تَصُبُّونَ فِيهِ مِنَ الْمَاءِ حَتَّى إِذَا سَكَنَ غَلَيَانُهُ شَرِبْتُمُوهُ حَتَّى إِنَّ أَحَدَكُمْ أَوْ إِنَّ أَحَدَهُمْ لَيَضْرِبُ ابْنَ عَمِّهِ بِالسَّيْفِ قَالَ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ أَصَابَتْهُ جِرَاحَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ وَكُنْتُ أَخْبَؤُهَا حَيَاءً مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ فَفِيمَ نَشْرَبُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ فِي أَسْقِيَةِ الْأَدَمِ الَّتِي يُلَاثُ عَلَى أَفْوَاهِهَا قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ أَرْضَنَا كَثِيرَةُ الْجِرْذَانِ وَلَا تَبْقَى بِهَا أَسْقِيَةُ الْأَدَمِ فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنْ أَكَلَتْهَا الْجِرْذَانُ وَإِنْ أَكَلَتْهَا الْجِرْذَانُ وَإِنْ أَكَلَتْهَا الْجِرْذَانُ قَالَ وَقَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَشَجِّ عَبْدِالْقَيْسِ إِنَّ فِيكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللهُ الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جس نے عبدالقیس کے اس وفد سے ملاقات کی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا (سعید بن ابی عروبہؒ کہتے ہیں کہ قتادہ نے ابونضرہ منذر بن مالک بن قطعہ کا نام لیا کہ انہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اس حدیث میں ذکر کیا ہے کہ عبدالقیس کے کچھ لوگ حضور کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ یارسول اللہ! ہم قبیلہ ربیعہ کے ایک خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان قبیلہ مضر کے کفار حائل ہیں اور ہم آپ کے پاس اشہر حرام کے علاوہ بقیہ مہینوں میں آنے پر قادر نہیں ہیں لہٰذا ہمیں ایسے واضح احکامات کا حکم کیجئے جن سے ہم اپنے پیچھے والوں کو بھی حکم دیں اور جنت میں داخل ہو جائیں جب ہم میں سے کوئی ان پر عمل کرے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں چار باتوں کو کرنے اور چار باتوں سے رکنے کا حکم کرتا ہوں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ (۲) نماز قائم کرو (۳) زکوٰۃ ادا کیا کرو (۴) رمضان المبارک کے روزے رکھو (۵) اور جو مال غنیمت حاصل کرو اس کا خمس (بیت المال کو) ادا کرو اور چار باتوں سے روکتا ہوں (۱) دباء سے (۲) حنتم سے (۳) مزفت سے (۴) نقیر سے۔ انہوں نے کہا۔ یا نبی اللہ! نقیر کے متعلق کیا آپ جانتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! کیوں نہیں۔ نقیر ایک تنہ ہے جسے تم اندر سے کھوکھلا کر دیتے ہو پھر اس میں قطیعاء ڈال کر اس میں اوپر سے پانی ڈالتے ہو۔ (سعید کہتے ہیں یا قطیعاء کی جگہ تمر کہا) یہاں تک کہ جب اس کا اُبال اور جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے تو اسے نوش جاں کرتے ہو۔ حتیٰ کہ تم میں سے کوئی تلوار سے اپنے چچازاد بھائی کی ٹانگ مار ڈالتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ ان لوگوں میں ایک شخص تھا اس کو اسی نشہ کی بدولت ایک زخم لگ چکا تھا اس نے کہا کہ میں اس زخم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپاتا پھر رہا تھا آپ سے حیا کے مارے۔ تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم کس برتن میں پئیں؟ فرمایا کہ چمڑے کے ان مشکیزوں میں جن کے منہ باندھ دیئے جاتے ہیں۔ عبدالقیس کے لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہ! ہمارے علاقے میں چوہوں کی بھرمار ہے چمڑے کے مشکیزے تو وہاں باقی نہیں رہیں گے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگرچہ ان کو چوہے کاٹ ڈالیں، اگرچہ چوہے ان کو کھالیں، اگرچہ چوہے ان کو کھا جائیں۔ راوی کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشج عبدالقیس سے فرمایا: بے شک تمہارے اندر دو خصلتیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ (۱) عقلمندی اور (۲) تحمل و بردباری۔

## تشریح

''قوله فما علمك بالنقير'' یعنی اے اللہ کے رسول! آپ نقیر کو جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں تم جو درخت کے تنے کو کھود

کرید کر برتن بناتے ہو وہی نقیر ہے۔

''فتقذفون'' قذف پھینکنے کے معنی میں ہے یعنی تم اس برتن میں پانی اور کھجور ڈالتے ہو اور نبیذ بناتے ہو ''القطیعاء'' ایک قسم کے کھجور کو کہتے ہیں ''قال وفی القوم'' راوی نے کہا کہ اس قوم میں ایک شخص تھا اس کو اسی طرح نشہ کی وجہ سے زخم لگا تھا جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا اس نے کہا کہ میں شرم کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زخم چھپا تا تھا ''یلاث'' وہ نرم چیز جس کا منہ تسمہ سے باندھا جاتا ہو ''الجرذان'' جیم پر کسرہ ہے جُرَذ مفرد ہے ایک خاص قسم کا بڑا چوہا مراد ہے یہ چوہے نرم چیز کو کاٹ کر کھاتے ہیں اس کو چھچھوندر کہتے ہیں۔ شاعر ساحر متنبی کہتا ہے۔

لقد اصبحت جرذ المستغیر　　　اسیر المنایا صریع العطب

۱۱۹۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ حَدَّثَنِي غَيْرُ وَاحِدٍ لَقِيَ ذَاكَ الْوَفْدَ وَ ذَكَرَ أَبَا نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ عُلَيَّةَ غَيْرَ أَنَّ فِيهِ وَتُذِيفُونَ فِيهِ مِنَ الْقُطَيْعَاءِ وَالتَّمْرِ وَالْمَاءِ وَلَمْ يَقُلْ قَالَ سَعِيدٌ أَوْ قَالَ مِنَ التَّمْرِ۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے بہت سے ان حضرات نے بیان کیا جو کہ وفد عبد القیس سے ملے اور قتادہ نے حضرت ابونضرہ کے واسطے سے نقل کیا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب وفد عبد القیس نبی اکرم کے پاس آیا پھر وہی حدیث بیان کی اس میں ''وتذیفون فیہ من القطیعاء والتمر والماء'' کے الفاظ ہیں اور ابوسعید رضی اللہ عنہ کا قول من التمر بھی مذکور نہیں۔

## تشریح

''وتذیفون'' اس روایت میں ''وتذیفون'' کا لفظ آیا ہے وہ بھی ملانے اور ڈالنے کے معنی میں ہیں ''تمر'' چھوہاروں کو کہا گیا ہے اور ''القطیعاء'' کھجور کو کہا گیا ہے۔

۱۲۰۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَكَّارٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ح: وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو قَزَعَةَ أَنَّ أَبَا نَضْرَةَ أَخْبَرَهُ وَحَسَنًا أَخْبَرَهُمَا أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا أَتَوْا نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا يَا نَبِيَّ اللَّهِ! جَعَلَنَا اللَّهُ فِدَاءَكَ مَاذَا يَصْلُحُ لَنَا مِنَ الْأَشْرِبَةِ؟ فَقَالَ لَا تَشْرَبُوا فِي النَّقِيرِ قَالُوا يَا نَبِيَّ اللَّهِ! جَعَلَنَا اللَّهُ فِدَاءَكَ أَوَتَدْرِي مَا النَّقِيرُ؟ قَالَ نَعَمِ الْجِذْعُ يُنْقَرُ وَسَطُهُ وَلَا فِي الدُّبَّاءِ وَلَا فِي الْحَنْتَمَةِ وَعَلَيْكُمْ بِالْمُوكَى۔

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وفد عبدالقیس کے لوگ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو کہنے لگے اے اللہ کے نبی! اللہ ہمیں آپ پر قربان کرے۔ ہمارے واسطے کون سے برتن پینے کے لئے صحیح ہیں؟ آپ نے فرمایا نقیر میں نہ پیو۔ انہوں نے کہا اللہ کے نبی! اللہ ہمیں آپ پر فدا کردے کیا آپ جانتے ہیں کہ نقیر کیا ہے؟ فرمایا: ہاں! وہ لکڑی ہے جسے درمیان سے کھود ڈالا جائے اور نہ دباء (کدو کے برتن) میں پیو۔ نہ حنتمہ (سبز لاکھی مٹکے) میں پیو۔ اور تم کو چاہئے کہ موکاء (چمڑے کی وہ مشک جس کا منہ ڈوری سے بندھا ہوا ہو) استعمال کرو۔

## تشریح

''الموکی'' اس روایت میں ''الموکی'' کا لفظ آیا ہے او کی باب افعال سے ہے ہر نرم چیز کو تسمے سے باندھنے کے معنی میں ہے مراد مشکیزہ ہے جس کو اوپر سے باندھا جا سکتا ہے یہاں اس فرق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ایسی نرم اشیاء میں نبیذ بنانے سے شراب بن جانے کا خطرہ نہیں ہے اس کو استعمال کرو اور مندرجہ بالا چار قسم کے برتنوں میں مسامات نہیں ہوتے ہیں اس میں نبیذ بہت جلد شراب بن جانے کا خطرہ ہے اس کو استعمال نہ کرو بعد میں برتنوں کی یہ ممانعت ختم کردی گئی جس طرح تفصیل گزر چکی ہے۔

## باب الدعاء الی شرائع الاسلام وقصۃ معاذ بن جبلؓ

## ارکان اسلام کی دعوت اور معاذ بن جبل کے یمن جانے کا قصہ

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تین حدیثوں کو ذکر فرمایا ہے اور حضرت معاذ بن جبل کا یمن کی طرف جانے کو بیان کیا ہے۔

۱۲۱۔ حَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِبْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُوكُرَيْبٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعًا عَنْ وَكِيعٍ قَالَ أَبُوبَكْرٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ زَكَرِيَّاءَ بْنِ إِسْحَاقَ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ عَبْدِاللَّهِ ابْنِ صَيْفِيٍّ عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ قَالَ أَبُوبَكْرٍ رُبَّمَا قَالَ وَكِيعٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ مُعَاذًا قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ فِي فُقَرَائِهِمْ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ کو یمن کی طرف (گورنر بنا کر) بھیجا تو فرمایا: تم ایک ایسی قوم سے ملو گے جو اہل کتاب ہے پس تم ان کو بلانا اس بات کی طرف کہ وہ گواہی دیں اللہ کے علاوہ کسی معبود کے نہ ہونے اور میرے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کا رسول ہونے کی۔ پس اگر وہ اس

بات میں اطاعت گذاری کریں تو انہیں بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہر دن رات میں پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں۔ اگر وہ اس کو بھی تسلیم کرلیں تو انہیں بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض فرمائی ہے جو ان کے اغنیاء و مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء و مساکین کو دی جائے گی۔ اگر وہ اسے بھی مان لیں تو ان کے عمدہ اموال کو وصول کرنے سے اجتناب کرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچتے رہنا کیونکہ اس کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

## تشریح

''ان معاذا'' امام مسلمؒ نے اس سند میں انتہائی احتیاط اور گہری تحقیق سے کام لیا ہے وہ اس طرح کہ ایک سلسلہ سند میں عن ابن عباس عن معاذ کو عنعنہ کے ساتھ بیان کیا پھر دوسرے طریق میں شیخ وکیع کے حوالہ سے عن ابن عباس ''ان معاذا'' کو اَنَّ کے ساتھ بیان کیا جو حدیث مؤنّن کہلاتی ہے اب اس میں کلام ہے کہ حدیث مؤنّن اور معنعن ایک جیسے ہے یا دونوں میں فرق ہے؟ جمہور محدثین کا مسلک یہ ہے کہ اَنَّ اور عَن ایک جیسے ہیں دونوں اتصال پر محمول ہیں لیکن علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ اَنَّ اور عَن میں فرق ہے اور وہ یہ کہ عَن کے ساتھ بیان کردہ حدیث اتصال پر محمول ہے اور اَنَّ کے ساتھ بیان کردہ روایت انقطاع پر محمول ہے تو حدیث مرسل بن جاتی ہے امام مسلم نے اسی باریکی کو مدنظر رکھ کر تفصیل فرمادی کہ دونوں لفظوں میں فرق ہے۔

''بعثنی'' یعنی مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی اور گورنر بنا کر یمن روانہ کردیا، چنانچہ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو گورنر بنا کر یمن بھیجا تھا آپ کے ساتھ دور تک نبی مکرمؐ چلتے رہے اور نصیحتیں اور وصیتیں فرماتے رہے نبی مکرم پیدل تھے اور حضرت معاذؓ سواری پر سوار تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کلام سے معلوم ہوا کہ یہ آخری ملاقات ہے اس پر حضرت معاذ رونے لگے نبی مکرمؐ نے فرمایا:

"اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِي الْمُتَّقُوْنَ حَيْثُ كَانُوْا مَنْ كَانُوْا"

''کہ لوگوں میں میرے قریب وہ لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں خواہ کوئی بھی ہو کہیں بھی ہو''۔

اس کو کسی شاعر نے فارسی شعر میں یوں بیان کیا ہے۔

گر بامنے دریمنے نزد منے گر بے منے نزد منے دریمنے

یعنی اگر میری سنت پر چلو گے تو خواہ یمن میں ہو میرے پاس ہو لیکن اگر میرے طریقے پر نہیں چلو گے تو میرے پاس ہو کر بھی یمن میں ہو۔

اب یہ بات غور طلب ہے کہ حضرت معاذؓ کس سنہ ہجری میں یمن گئے تھے؟

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ دس ہجری میں حجۃ الوداع سے کچھ پہلے پیش آیا تھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب المغازی میں ۹ھ بتایا ہے جبکہ آنحضرت غزوہ تبوک سے واپس آگئے تھے۔

بعض نے حضرت معاذ کا یمن کی طرف جانا فتح مکہ کے سال میں بتایا ہے۔

حضرت معاذ گورنر بھی تھے اور قاضی بھی تھے اس زمانہ میں یہ سب ذمہ داریاں والی اور گورنر کی ہوتی تھیں حضرت معاذ مسلسل گورنر رہے یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اور مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی نے نبوت کا دعوی کیا اور نبی اکرم کے مقرر کردہ گورنروں کو اپنے علاقوں سے واپس کر دیا حضرت معاذ بھی پیچھے ہٹ گئے پھر صدیق اکبر نے کارروائی کی اور یہ گورنر واپس چلے گئے حضرت معاذؓ کافی عرصہ گورنر رہے پھر آپ شام چلے گئے اور طاعون عمواس کی وجہ سے انتقال فرما گئے۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے مختلف علاقوں میں پانچ گورنر مقرر کیے تھے۔ چنانچہ ان کے علاقوں کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔ حضرت خالد بن سعیدؓ کو صنعاء یمن کا گورنر مقرر کیا تھا۔

۲۔ حضرت زیاد بن لبیدؓ کو یمن کے علاقہ حضرت موت کا گورنر مقرر کیا تھا۔

۳۔ حضرت مہاجر بن امیہؓ کو ''کندہ'' کا گورنر مقرر کیا تھا۔

۴۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو ساحل یمن عدن وغیرہ کا گورنر بنایا تھا۔

۵۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کے علاقے ''جند'' کا گورنر مقرر کیا تھا۔

کہتے ہیں کہ جند کے علاقہ میں حضرت معاذ کی مسجد اب تک موجود ہے۔ (فتح الملہم، ج ا ص ۵۴۲)

''فادعہم'' اگر کسی کافر قوم کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی ہو تو جنگ سے پہلے دعوت دینا واجب ہے۔ اگر دعوت پہنچی ہو تو پھر دعوت دینا مستحب ہے۔ یمن چونکہ عمومی طور پر فتح ہو چکا تھا لہٰذا یہ جہاد کی اصطلاحی دعوت نہیں ہے بلکہ ارکان اسلام کی طرف بلانا مقصود ہے اس میں غیر مسلم بھی تھے اس لئے پہلے شہادتین کی دعوت کا ذکر کیا گیا پھر نماز اور زکوۃ کی بات آ گئی اب یہاں سوال یہ ہے کہ ارکان اسلام پانچ ہیں یہاں حج اور صوم کا ذکر کیوں نہیں ہے؟۔

اس کا جواب شاہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ نے دیا ہے کہ قرآن وحدیث میں جہاں ارکان اسلام کے بیان کرنے کی بات آتی ہے تو وہاں پورے پانچ ارکان کو بیان کیا جاتا ہے لیکن جہاں دعوت دینے کی بات آتی ہے تو وہاں تین ارکان کی دعوت دی جاتی ہے یعنی شہادتین اور نماز اور زکوۃ کا ذکر ہوتا ہے یہاں دعوت کی بات تھی اس لئے تین پر اکتفاء کیا گیا۔ چنانچہ قرآن کریم کی آیت ﴿فان تابوا واقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ﴾ میں بھی صرف تین ارکان کا ذکر ہے، نیز یہاں واسطہ اہل کتاب سے پڑنے والا تھا اور وہ اہل علم تھے اس لئے حضرت معاذ کو انتہائی مؤثر اور مہذب انداز سے تدریجاً کلام کرنے کا حکم دیا گیا پھر چونکہ کفار فروعات کے مخاطب نہیں ہیں اس لئے بنیادی ایمان کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا پھر تدریجاً آگے بڑھنے کا کہا گیا اسلامی دعاۃ میں بھی اسی طرح سلیقہ ہونا چاہیے۔ (فتح الملہم)

یہ بات ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ یہاں مفروضہ نمازوں کی بات تھی اس لئے وتر کا تذکرہ نہیں آیا وہ واجب ہے اسی طرح عیدین ہیں۔

''افترض علیہم صدقۃ'' صدقہ سے یہاں زکوۃ مفروض مراد ہے ''اغنیائہم'' اس میں اشارہ ہے کہ زکوۃ صرف مسلمان

مالداروں پر فرض ہے"علی فقرائھم "اس جملہ میں اشارہ ہے کہ زکوۃ لینے والا صرف مسلمان فقیر ہوسکتا ہے، اس میں اشارہ بھی ہوسکتا ہے کہ علاقے کی زکوۃ اسی علاقے کے فقراء کو دیا جائے الا یہ کہ دوسرے علاقے کے فقراء زیادہ محتاج اور بے بس ہوں پھر زکوۃ وہاں بھیجی جاسکتی ہے۔

"ایاك و کرائم اموالھم "یعنی ان کے عمدہ مال صدقہ میں لینے سے بچو"کرائم کریمۃ "کی جمع ہے نفیس اور عمدہ تر مال کو کہتے ہیں۔

"واتق دعوۃ المظلوم "یعنی مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ غیر مظلومین کی بددعا کی قبولیت کے لئے تو رکاوٹیں ہوسکتی ہیں لیکن مظلوم کی بددعاء اور قبولیت کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی بلکہ اس کی قبولیت کے سامنے فرشتے استقبال کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔

شاعر نے خوب کہا۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن اجابت از در حق بہر استقبال می آید

ترجمہ: مظلوموں کی فریاد سے ڈرو کیونکہ ان کی بددعا کے وقت دربار الٰہی سے قبولیت استقبال کے لئے آتی ہے۔

۱۲۲۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ إِسْحَاقَ ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ زَكَرِيَّاءَ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ يَحْيَى بْنِ صَيْفِيٍّ عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ إِنَّكَ سَتَأْتِي قَوْمًا بِمِثْلِ حَدِيثِ وَكِيعٍ۔

مذکورہ سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا۔ بقیہ حدیث وکیع کی سابقہ حدیث کی طرح ہے۔

## تشریح

"ح "یہ حاتحویل ہے ایک سند سے دوسری سند کی طرف کسی غرض کے تحت تحویل ہوتی ہے اس کی تفصیل ابتدا میں گذر چکی ہے یہاں اس تحویل سے غرض اور مقصود یہ ہے کہ پہلی سند میں تحدیث کے الفاظ ہیں اور دوسری سند میں عنعنہ ہے۔

"بمثل حدیث "امام مسلم اکثر و بیشتر بمثلہ یا مثلہ یا نحوہ کے الفاظ لاتے ہیں تو اگر بعینہ سابقہ سند کے الفاظ لاحق سند میں ہوں تو وہاں مثل لفظ استعمال ہوتا ہے اور اگر الفاظ میں کچھ فرق ہو تو پھر نحوہ کے الفاظ آتے ہیں۔

۱۲۳۔ حَدَّثَنَا أُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامَ الْعَيْشِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا رَوْحٌ وَهُوَ ابْنُ الْقَاسِمِ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ صَيْفِيٍّ عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ قَالَ إِنَّكَ تَقْدَمُ عَلَى قَوْمٍ أَهْلِ كِتَابٍ فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ عِبَادَةُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فَإِذَا عَرَفُوا اللَّهَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ فَإِذَا فَعَلُوا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ فَرَضَ

عَلَيْهِمْ زَكَاةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ فَإِذَا أَطَاعُوا بِهَا فَخُذْ مِنْهُمْ وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف (گورنر بنا کر) بھیجا تو فرمایا: تم ایک اہل کتاب قوم کی طرف جا رہے ہو۔ لہٰذا سب سے پہلے انہیں اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف بلانا۔ جب وہ اللہ کی معرفت حاصل کرلیں تو انہیں بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر پانچ نمازیں ان کے دن اور رات میں فرض کی ہیں۔ جب وہ اس کو کر گذریں تو انہیں بتلانا کہ اللہ عزّ وجل نے ان پر زکوۃ فرض فرمائی ہے جو ان کے اموال سے لی جائے گی اور ان کی فقراء پر لوٹائی جائے گی۔ جب وہ اسے مان لیں تو ان سے زکوۃ وصول کرو اور ان کے اعلیٰ اور قیمتی مال (کے لینے سے) بچو۔

## باب الامر بقتال الناس حتى يشهدوا وقتال من منع الزكاة

## کفار اور مانعین زکوۃ سے اقرار ایمان تک لڑنے کا حکم

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت آٹھ احادیث ذکر فرمائے ہیں۔

۱۲۴۔ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُاللَّهِ بْنُ عَبْدِاللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ أَبُوبَكْرٍ بَعْدَهُ وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِأَبِي بَكْرٍ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ ؟ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَمَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى فَقَالَ أَبُوبَكْرٍ وَاللَّهِ ! لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللَّهِ لَوْ مَنَعُونِي عِقَالًا كَانُوا يُؤَدُّونَهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهِ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَوَاللَّهِ ! مَاهُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُ اللَّهَ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے بعد خلیفہ بنائے گئے اور اہل عرب میں سے جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا سو کیا تو اس وقت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ کیسے لوگوں سے قتال کریں گے؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں۔ پس جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا اس نے مجھ سے اپنے مال، جان کو محفوظ کرا لیا۔ مگر کسی حق کی وجہ سے اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں ضرور قتال

کروں گا اس شخص سے جو نماز اور زکوۃ کے درمیان فرق کرے، کیونکہ زکوۃ مال میں حق ہے (اللہ کا) خدا کی قسم! اگر یہ لوگ مجھے ایک رسی جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیا کرتے تھے دینے سے منع کریں گے تو میں ان سے اس رسی کے نہ دینے پر بھی قتال کروں گا۔ چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! وہ معاملہ کچھ نہ تھا الا یہ کہ میں نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قتال کے بارے میں شرح صدر عطا فرما دیا تھا۔ چنانچہ میں جان گیا کہ حق بات یہی ہے۔

## تشریح

''لما توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ۱۲ ربیع الاول ۱۰ھ میں ہوا، آپ کے انتقال کے ساتھ جزیرۂ عرب میں فتنۂ ارتداد کا بہت بڑا طوفان کھڑا ہو گیا اسلامی تاریخ میں یہ سب سے بڑا فتنہ تھا جس کو فتنہ ارتداد سے یاد کیا جاتا ہے''ردۃ'' رجوع اور پیچھے ہٹنے کو کہتے ہیں وجود اسلام کے بعد زبان پر کلمہ کفر لانا یا ضروریات دین میں سے کسی قسم کا انکار کرنا یا مذاق اڑانا ارتداد کہلاتا ہے مرتد صرف اس شخص کو کہتے ہیں جو اسلام سے پھر جائے دوسرے مذاہب سے پھر جانے والے کو مرتد نہیں کہتے ہیں کیونکہ ان کا نہ مذہب باقی ہے نہ اس کی حیثیت باقی ہے۔

''واستخلف ابوبکر'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت اتفاقی اور اجماعی تھی صرف ایک شخص سعد بن عبادہ نے کچھ پس وپیش کیا مگر آخر میں بیعت کی، حضرت علیؓ نے بھی پانچ چھ ماہ بعد بیعت کی لہٰذا حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر اجماع منعقد ہوا ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک اس خلافت بلافصل کا منکر کافر ہے۔

''وکفر من کفر من العرب'' اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ ۹۷ فیصد مسلمان فتنۂ ارتداد میں اسلام سے پھر گئے صرف اہل مکہ اور اہل مدینہ اور بحرین کے اہل ''جواثی'' اس فتنہ سے محفوظ رہے چنانچہ ایک شاعر اس طرح نقشہ پیش کر کے اپنے علاقے کی تعریف کرتا ہے شاعر کا نام اعور عبدی ہے۔

وَالْمَسْجِدُ الثَّالِثُ الشَّرْقِيُّ كَانَ لَنَا      وَالْمِنْبَرَانِ وَفَصْلُ الْقَوْلِ فِي الْخُطَبِ

اور مشرق میں واقع تیسری نمبر کی ہماری مسجد فتنہ سے محفوظ تھی اور دو منبر بھی محفوظ تھے جس پر دونوک خطبے دیئے جاتے تھے۔

أَيَّامَ لَا مِنْبَرٌ لِلنَّاسِ نَعْرِفُهُ      إِلَّا بِطَيْبَةَ وَالْمَحْجُوجِ ذِي الْحُجُبِ

یہ ان دنوں کی بات ہے جبکہ لوگوں کا کوئی معروف منبر نہیں رہا صرف مدینہ اور مکہ میں منبر محفوظ تھے۔

بحرین کے اس مسجد کو مسجد عبدالقیس بھی کہتے ہیں اور علاقے کے لوگ اہل ''جواثی'' کہلاتے ہیں اہل جواثی جب فتنہ گر لوگوں کے شدید محاصرہ میں آ گئے تو بنو بکر کے ایک شاعر نے اہل مدینہ اور صدیق کے سامنے بذریعہ اشعار اس طرح فریاد کی۔

أَلَا أَبْلِغْ أَبَا بَكْرٍ رَسُولًا      وَفِتْيَانَ الْمَدِينَةِ أَجْمَعِينَا

اے لوگو! ابوبکر صدیقؓ اور مدینہ منورہ کے سارے نوجوانوں کو یہ پیغام پہنچا دو۔

فَهَلْ لَكُمْ إِلَى قَوْمٍ كِرَامٍ　　　قُعُوْدٍ فِي جُوَاثَا مُحْصَرِيْنَا

کیا تمہیں ان شریف لوگوں کی کوئی فکر ہے جو شہر جواثی میں حالت محاصرہ میں پڑے ہیں۔

كَأَنَّ دِمَاءَهُمْ فِي كُلِّ فَجٍّ　　　دِمَاءُ الْبُدْنِ تَغْشَى النَّاظِرِيْنَا

گویا ہر گلی میں ان کا خون اونٹوں کے خون کی طرح بہہ رہا ہے جو دیکھنے والوں کی آنکھوں کو حیرت زدہ بنا تا ہے۔

تَوَكَّلْنَا عَلَى الرَّحْمٰنِ إِنَّا　　　وَجَدْنَا النَّصْرَ لِلْمُتَوَكِّلِيْنَا

ہم نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا ہے کیونکہ ہم نے توکل کرنے والوں کے ساتھ اللہ کی مدد دیکھی ہے۔

فتنۂ ارتداد کے اس خطرناک احوال میں اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر کو چٹان سے زیادہ ثابت قدم رکھا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتنۂ ارتداد کے زمانہ میں صدیق اکبر انبیاء کرام کے مقام پر کھڑے تھے۔ ''قَامَ فِي الرِّدَّةِ مَقَامَ الْأَنْبِيَاءِ'' یعنی انبیاء کرام کی طرح اکیلے پوری دنیا کا مقابلہ کر رہے تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے ابتداء میں حضرت ابوبکر کے اقدام کو تعجب سے دیکھا مگر آخر میں ہم سب نے اس کی تعریف کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ فتنہ ارتداد کے زمانے میں میرے ابا جان پر اتنے بڑے مصائب آگئے تھے کہ اگر وہ بڑے پہاڑ پر اُتر جاتے تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔

## مرتدین سے جنگ کے بارہ میں صدیق و فاروق کا اختلاف

''قال عمر بن الخطاب لابی بکر کیف تقاتل الناس؟''

یہاں سب سے اہم بحث یہ ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ کے درمیان اختلاف مرتدین کی کونسی قسم میں تھا اس کے معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم یہاں مرتدین کی تمام اقسام کو بیان کریں، اور قاضی عیاض کے کلام اور علامہ خطابی کے بیان اور ابن حزم اور علامہ نووی اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ کی ترتیبات اور تفصیلات کو پیش نظر رکھ کر ایک مجموعی کلام اور واضح بیان تیار کر کے اپنے قارئین کے سامنے پیش کریں۔ تو لیجئے! پانچ قسم کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نمودار ہو گئے۔

## پہلی قسم کے لوگ

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام کو بالکل چھوڑ دیا اور مرتد ہو کر اپنے جاہلیت والے دین کی طرف لوٹ گئے اور مشرکین سے جا ملے اس قسم کے لوگوں کے خلاف جنگ کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں تھا۔

# دوسری قسم کے لوگ

اس قسم کے لوگوں نے جھوٹی نبوتیں کھڑی کردیں علاقہ یمامہ میں مسیلمہ کذاب نبوت کا دعویٰ کر کے جنگ کے لئے تیار ہوگیا، صنعاء یمن میں اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے ساتھ بہت بڑا لشکر اکٹھا کیا اور جنگ کے لئے میدان میں نکلا اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گورنر کو شہید کیا اور پورے علاقہ پر قبضہ جمالیا، بنو اسد کے لوگوں میں طلیحہ اسدی نے نبوت کا دعوی کیا اور مسلح جتھا تیار کیا۔ بنو تمیم میں ایک عورت نے نبوت کا دعوی کیا جس کا نام سجاح تھا یہ عیسائی عورت تھی اور عراق میں رہتی تھی اس نے خالی میدان دیکھا تو عراق سے آکر اپنی قوم کو اکٹھا کیا اور کہا نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ ''لانبی بعدی '' کہ میرے بعد کوئی مرد نبی نہیں آئے گا آپؐ نے ''لا نبیۃ بعدی ''نہیں فرمایا جس سے کسی عورت کی نبوت پر پابندی ہو، اس قسم کے جھوٹے نبیوں کے خلاف جنگ کرنے میں کسی کو اختلاف نہیں تھا، چنانچہ یمامہ میں حدیقۃ الموت میں مسیلمہ کذاب مردار ہوگیا وحشی بن حربؓ اور حضرت ابو دجانہؓ نے اس کو واصل جہنم کیا۔

دوسرا جھوٹا عبہلہ یعنی اسود عنسی بھی بڑا فتنہ باز تھا بڑا شعبدہ باز تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، آنحضرت کے مقرر کردہ فارسی گورنر شہر بن باذامؓ کو شہید کیا اور اس مسلمان بیوی ''ازاذ'' کو زبردستی اپنے نکاح میں رکھا آنحضرت نے ان کے قتل کا حکم دیا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اسود عنسی کو قتل کردے، چنانچہ اس کے گھر کے اندر سے ایک فارسی گروپ تیار ہوگیا مقتول گورنر شہر بن باذامؓ کی بیوی ''ازاذ'' نے اس کے قتل میں بنیادی کردار ادا کیا اور بہت ہی مشقتوں اور خطرات سے گذر کر فیروز دیلمی اور ان کے ساتھیوں نے رات کے وقت اس کو قتل کیا اور سر قلم کیا پھر صبح کی اذان میں اعلان کیا ''اشھد ان محمد رسول اللہ وان عبہلۃ کذاب '' یہ کہہ کر اس کے سر کو سامنے میدان میں پھینک دیا جبرئیل امین نے آنحضرت کو وحی کے ذریعہ سے بتا دیا آنحضرتؐ نے صحابہ کرام کو خوشخبری سنائی اور فرمایا ''فیروز فاز فیروز ''یعنی فیروز کامیاب ہوگیا کہ اس نے اسود عنسی کو قتل کردیا۔

سجاح عورت نے جب حالات کو دیکھا اور حضرت خالدؓ کے بڑھنے کا سنا تو مسیلمہ کذاب سے صلح کر لی اور ان پر ٹیکس مقرر کر کے اپنی قوت ان کے ہاتھ فروخت کردی اور واپس عراق چلی گئی مسیلمہ کذاب سے اس کا نکاح بھی ہوگیا تھا جس پر ایک مسلمان ظریف شاعر نے کہا ؎

أَمَتْ سَجَاحُ وَوَالَاهَا مُسَيْلِمَةُ　　كَذَّابَةٌ فِي بَنِي الدُّنْيَا وَكَذَّابُ

یعنی سجاح بیوہ ہوگئی تھی تو مسیلمہ کذاب نے اس کے ساتھ نکاح کیا اور یہ دونوں بین الاقوامی جھوٹے ہیں۔

نبوت کے جھوٹے دعویداروں میں چوتھا شخص طلیحہ اسدی تھا یہ بھاگ کر شام کے عیسائیوں کے ساتھ شامل ہوگیا اور مسلمانوں کے خلاف رہنے لگا ان کو اللہ تعالیٰ نے عجیب انداز سے ایمان کی توفیق دی اور یہ ارتداد کے بعد مسلمان ہوگیا۔

## تیسری قسم کے لوگ

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے توقف سے کام لیا اور کہنے لگے کہ صبر کرو انجام کیا نکلتا ہے اور اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے اگر اسلام کو غلبہ حاصل ہوا تو اس طرف جائیں گے ورنہ دوسری طرف چلے جائیں گے گویا یہ منافق قسم کے لوگ تھے "مذبذبین بین ذلك لاالی هؤلاء ولاالی هؤلاء" جس طرح یہ خاموش تھے صحابہ کرام نے بھی ان کو ایسا ہی چھوڑ دیا۔

## چوتھی قسم کے لوگ

یہ وہ لوگ تھے جو دین اسلام کے تمام احکامات کو مانتے تھے لیکن انہوں نے صرف زکوۃ دینے سے انکار کر دیا پھر ان میں بھی دو طبقے بن گئے تھے اور دونوں طبقے تاویل سے کام لے رہے تھے ایک طبقہ نے یہ تاویل کی کہ زکوۃ ایک عارضی وقتی حکم تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صدقہ دیتے تھے آپ دعا فرماتے آپ کی دعا باعث سکون تھی جس طرح قرآن میں ہے

﴿خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها وصل عليهم ان صلوتك سكن لهم والله سميع عليم﴾ (توبہ:۱۰۳)

اب حضور اکرمؐ کے بعد کسی کی وہ حیثیت نہیں نہ کسی کی دعاء باعث سکون ہے لہٰذا زکوۃ کا معاملہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وابستہ تھا آپ کے چلے جانے کے بعد ہم کسی کو زکوۃ نہیں دیں گے۔

مانعین زکوۃ کے دوسرے طبقے نے یہ تاویل کی کہ حضور اکرمؐ کے بعد ہم پر کسی کی اطاعت لازم نہیں ہے ہم دین پر چلیں گے لیکن ابوبکر کی اطاعت اور ان کو زکوۃ دینے کے ہم پابند نہیں ہیں اب ہم اپنے سرداروں کے حکم پر چلیں گے۔ نوویؒ نے لکھا ہے کہ یہ لوگ خود زکوۃ دینا چاہتے تھے مگر ان کے سرداروں مثلاً مالک بن نویرہ نے ان کو دینے سے منع کر دیا، اسی سلسلہ میں بنو عبس کے شاعر حطیۂ بدبخت نے کہا ۔

اَطَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذْ كَانَ بَيْنَنَا فَيَا لَهْفَنَا مَا بَالُ دِيْنِ اَبِيْ بَكْرٍ

یعنی ہم نے رسول اللہؐ کی اطاعت کی جب تک وہ ہمارے اندر تھے ہائے افسوس اب ابوبکر کے دین کا کیا بنے گا۔

اَيُوْرِثُهَا بَكْرًا اِذَا مَاتَ بَعْدَهٗ فَتِلْكَ لَعَمْرُو اللّٰهِ قَاصِمَةُ الظَّهْرِ

کیا جب ابوبکر مریں گے تو اس کے بعد کوئی اور بکر وارث بن کر آئے گا قسم بخدا یہ کمر توڑنے والی بات ہے۔

مانعین زکوۃ کے یہ دونوں طبقے جہاں زکوۃ کا انکار کر رہے تھے اس کے ضمن میں یہ بغاوت کا اعلان بھی کر رہے تھے، لہٰذا حضرت ابوہریرہؓ نے جو فرمایا کہ "وکفر من کفر من العرب" اس میں پہلی اور دوسری قسم کے لوگوں پر کفر کا لفظ بطور حقیقت صادق آتا ہے اور چوتھی قسم کے لوگوں پر بطور مجاز لفظ کفر بولا گیا ہے ورنہ حقیقت میں یہ لوگ باغی تھے لیکن بغاوت کا لفظ اس وقت متعارف

نہیں تھا تو لفظ کفر کا اطلاق مجازاً ان پر کیا گیا لفظ بغاوت حضرت علیؓ کے زمانہ میں مشہور ہوا تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کا اختلاف اور آپس میں جو بحث و مناظرہ ہوا ہے وہ مانعین زکوٰۃ کے اسی قسم کے بارے میں تھا۔

## دلائل

دونوں حضرات نے زیر بحث حدیث ''امرت ان اقاتل الناس'' سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے حدیث کے ظاہری الفاظ سے استدلال کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک لوگ توحید کا اقرار نہیں کریں گے نماز نہیں پڑھیں گے زکوٰۃ نہیں ادا کریں گے میں ان سے لڑتا رہوں گا لیکن جب یہ کام شروع کردیں گے تو ان سے لڑنا جائز نہیں ہے لہٰذا جب یہ لوگ توحید کا اقرار کر رہے ہیں دین پر بھی چل رہے ہیں صرف زکوٰۃ میں تاویل کرتے ہیں تو آپ ان سے کیسے جنگ کرسکتے ہیں؟

صدیق اکبر نے جواب دیا کہ دیکھو جو لوگ نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریں گے میں ان کے خلاف ضرور لڑوں گا زکوٰۃ نماز کی طرح فریضہ ہے نماز کے انکار پر تو تم بھی لڑنے کو جائز مانتے ہو لہٰذا زکوٰۃ کا حکم بھی اسی طرح ہے، نیز حدیث میں ترک قتال کے لئے تین غایات ہیں اقرار ایمان، اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ، تو یہ لوگ تو عدم ایتاء زکوٰۃ کی وجہ سے بھی واجب القتال ہیں، نیز اسی حدیث میں الابحق الاسلام کا لفظ موجود ہے اور زکوٰۃ بھی حق للاسلام ہے اس کے انکار پر آپ عدم قتال کی بات کیسے کرتے ہو؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے صدیق! حالات نازک ہیں آپ نرمی کریں اس پر صدیق نے فرمایا ''اِنْقَطَعَ الْوَحْیُ وَتَمَّ الدِّیْنُ اَیَنْقُصُ الدِّیْنُ وَاَنَا حَیٌّ'' یعنی وحی آنا بند گئی ہے دین مکمل ہوگیا ہے دین کے احکامات ٹوٹتے رہیں گے اور میں زندہ رہوں گا ایسا نہیں ہوسکتا خدا کی قسم! جو لوگ زکوٰۃ میں بکری کا چھوٹا بچہ بھی منع کریں گے یا جوری حضور اکرم کو اموال زکوٰۃ کیساتھ دیتے تھے اس کو بھی روکیں گے تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا جو لوگ نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریں گے میں ان سے لڑوں گا ''اَجَبَّارٌ فِی الْجَاهِلِیَّةِ وَخَوَّارٌ فِی الْاِسْلَامِ'' تم جاہلیت میں بہادر تھے اب اسلام میں بزدل بن رہے ہو۔ اس استدلال اور صدیق کے عزم مصمم کو جب حضرت عمرؓ نے دیکھا تو آپ نے سمجھ لیا کہ صدیق ظاہراً و باطناً ہر لحاظ سے حق بجانب ہیں اس لئے حضرت عمر نے ان کی رائے کی طرف رجوع کرلی۔

## پانچویں قسم کے لوگ

یہ وہ خوش قسمت لوگ تھے جن کے دل و دماغ میں ذرہ برابر وسوسہ نہ آیا اور ان بڑے فتنوں کے سامنے ذرہ برابر ان کے قدم نہیں ڈگمگائے بلکہ جہاد کے لئے کمر باندھ لی اور ایک سال تک مرتدین کے خلاف برابر لڑتے رہے یہاں تک کہ جزیرۂ عرب میں اسلام اسی نہج پر آگیا جس پر آنحضرت چھوڑ کر گئے تھے ایک سال کی جنگوں میں طرفین کے (۶۰۰۰۰) ساٹھ ہزار آدمی مارے گئے صحابۂ کرام میں سے بارہ سو تو صرف حفاظ قرآن اور بڑے بڑے علماء شہید ہوگئے اس کے علاوہ کتنے شہید ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔

فتنہ ارتداد اور جہاد فی سبیل اللہ ایک کتاب میں نے تالیف کی ہے عمدہ کتاب ہے یہ تمام تفصیلات اس میں بڑے پیمانے پر موجود

ہیں، میں نے یہاں نووی اور فتح الملہم کے مندرجات کا خلاصہ آپ کے سامنے رکھدیا ہے اور فتنہ ارتداد کتاب کو بھی مدنظر رکھا ہے۔

## جیش اسامہ کے بارے میں اختلاف

حضرت عمر فاروق اور صدیق اکبر کے درمیان ایک اور اختلاف بھی پیدا ہو گیا تھا جو جیش اسامہ کے بھیجنے یا نہ بھیجنے سے متعلق تھا حضرت اسامہؓ کو نبی اکرمؐ نے تین ہزار لشکر دیکر روما سلطنت سے لڑنے کے لئے روانہ کر دیا تھا آنحضرت نے اپنے مبارک ہاتھوں سے جنگی جھنڈا باندھ کر حضرت اسامہ کے ہاتھوں میں دیا اور پھر بطور وصیت تاکید کے ساتھ فرمایا کہ جیش اسامہ کو ہر حال میں اپنی منزل کی طرف روانہ کر دو، جیش اسامہ ابھی مدینہ کی حدود مقام ''جرف'' میں تھا کہ آنحضرت کا انتقال ہو گیا اب صورت حال یکسر بدل گئی قبائل عرب نے اسلام کے خلاف محاذ قائم کیا قبیلہ غطفان اور فزارہ قبیلہ عبس وذبیان، اسد اور بنو یربوع مدینہ کے امن وحفاظت کے لئے خطرہ بن گئے انہوں نے صدیق سے مذاکرات کیے اور کہا کہ ہم پورے اسلام کو مانتے ہیں لیکن آپ ہم سے زکوۃ معاف کر دیں عام صحابہ اور عمر فاروق کا خیال تھا کہ اس میں مصلحت سے کام لینا چاہیے لیکن صدیق اکبر نے انکار کیا اس پر یہ قبائل مایوس ہو کر واپس گئے اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور کسی وقت بھی مدینہ منورہ پر حملہ ہو سکتا تھا ان حالات کے پیش نظر مقام جرف سے حضرت اسامہ نے صدیقؓ کے نام ایک خط لکھا اور فرمایا کہ اس وقت مناسب ہے کہ ہم مدینہ واپس آجائیں کیونکہ مدینہ منورہ کا دفاع ضروری ہے پھر مناسب وقت پر روما سلطنت سے جنگ کے لئے ہم روانہ ہو جائیں گے یہ خط حضرت عمرؓ لے کر صدیق اکبرؓ کے پاس آئے اور فرمایا کہ اسامہ کی یہ رائے ہے عام صحابہ کی یہی رائے ہے میری بھی یہی رائے ہے اس کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا حالات جیسے بھی ہوں نتائج کیسے بھی ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ترتیب دیا ہوا لشکر ضرور بضرور اپنے مہم پر روانہ ہوگا اس کے جواب میں حضرت عمرؓ کے ساتھ عام صحابہ نے موافقت کی اور فرمایا کہ اے صدیق! حالات انتہائی نازک ہیں آپ لشکر اسامہ کو جانے سے روک دیں اس کے جواب میں صدیق اکبر نے عام مجمع میں اس طرح اعلان فرمایا، خدا کی قسم! جس جھنڈے کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسامہ کے لئے باندھا ہے میں اسے ہرگز نہیں کھولوں گا خدا کی قسم! اگر مجھے بھیڑیے اور کتے کاٹ کرا چک بھی لیں تب بھی میں اسامہ کا لشکر روانہ کروں گا میرے جسم کی بوٹیاں پرندے نوچ کر لے جائیں وہ مجھے پسند ہے لیکن نبی مکرمؐ کے فیصلے میں تغیر برداشت نہیں کروں گا۔ خدا کی قسم! اگر ازواج مطہرات پر بھی کتے اور بھیڑیے حملہ آور ہو جائیں تب بھی میں جیش اسامہ کو روانہ کروں گا بخدا! اگر کوئی اور نہ ملا تو اس مہم پر میں اکیلے جاؤں گا یہ کہہ کر آپ نے تیاری شروع کر دی۔

اس پر عمر فاروق نے فرمایا کہ اے صدیق! اگر آپ لشکر اسامہ کو بھیجنا ہی چاہتے ہو تو پھر اس کے امیر اسامہ کو تبدیل کریں وہ عمر کے لحاظ سے کمسن ہے اور جنگ کا تجربہ بھی نہیں ہے کسی آزمودہ کار شخص کو امیر لشکر بنائیں یہ انصار کا بھی مطالبہ ہے۔

یہ سن کر صدیق اکبر نہایت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ امیر کو کیسے بدل دوں تم کیا بات کرتے ہو یہ کہہ کر صدیق اکبر نے عمر فاروق کی داڑھی پکڑ کر جھٹکا دیا اور فرمایا "اجبار فی الجاھلیۃ وخوار فی الاسلام" تم تو جاہلیت میں بڑے بہادر تھے اب اسلام میں بزدل بن رہے ہو؟ بہرحال صدیق اکبر کے استقلال کے سامنے صحابہ خاموش ہو گئے اور جیش اسامہ اسی حیثیت سے روانہ ہوا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ کیا تھا اس کا اثر یہ ہوا کہ جو قبائل تردد میں تھے کہ اب اسلام ختم ہو جائیگا اور مسلمانوں کی قوت ٹوٹ جائے گی ان کو یقین ہو گیا کہ مسلمان تو پہلے سے زیادہ مضبوط ہیں یہ تو روما سلطنت سے لڑنے جارہے ہیں ابھی صبر کرو اور بغاوت نہ کرو اس کے بعد صدیق اکبر نے مرتدین کے خلاف صحابہ کرام کے اتفاق کے ساتھ جنگ شروع کی ایک سال تک مرتدین کے خلاف جنگ لڑی گئی تب جا کر اسلام اپنے اصل نہج پر آگیا۔ الحمدللہ حمداً کثیراً

سوال

اس مقام پر شیعہ روافض یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ابوبکر نے مسلمانوں کے خلاف فوج کشی کی اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنا کر بیچنا جائز تھا۔

جواب

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ ہم شیعہ کو کہتے ہیں کہ تم تو تمام صحابہ کو مرتد سمجھتے ہو ابوبکر و عمر کو کافر سمجھتے ہو جب ایک شخص مسلمان ہی نہیں ہے تو تم ان کو کسی گناہ کا الزام کیسے دیتے ہو؟ کیا غیر مسلم کے لئے ارتکاب کبیرہ اتنا بڑا جرم ہے جس کی وجہ سے ان پر الزام لگانا اور اعتراض کرنا ضروری ہو گیا معلوم ہوا تمہارا اسلام سے کوئی ہمدردی نہیں صرف اعتراض کرنا مقصود ہے شرم کرو اور ایک چلو پانی میں ڈوب مرو۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ ان جنگوں میں تو حضرت علی نے بھی حصہ لیا ہے اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے نیز یہ بھی یاد رکھو کہ اسی جنگ میں حضرت علی نے بنوحنفیہ کی ایک عورت کو گرفتار کیا اور پھر آپ نے اس سے نکاح کر لیا جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام محمد بن الحنفیہ تھا تو تمہارا اپنے اس دادا کے بارے میں کیا خیال ہے اور اپنے خدا حضرت علی کے بارے میں کیا خیال ہے سچ ہے۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ۔۔۔ میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ چاک کرنا چاہتا ہے تو اس کو نیک لوگوں کے طعن کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔

"عقالا" عقال عقل سے ہے اور عقل روکنے کے معنی میں ہے یہاں اس رسی کو عقال کہا گیا ہے جس سے اونٹ کے پاؤں باندھے جاتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوٰۃ دینے والے لوگ وہ رسی بھی دیتے تھے جس سے اونٹ وغیرہ جانور باندھے

جا سکتے تھے بخاری کی روایت میں عناقا کا لفظ بھی آیا ہے عناق بکری کے بچے کو کہتے ہیں بعض علماء کا خیال ہے کہ عقال کا لفظ وہم ہے اصل لفظ عناق ہے امام بخاریؒ نے بھی ابواب الاعتصام میں ترجیح عناق کو دی ہے اور مراد یہ ہے کہ صدیق اکبر نے مبالغۃ فرمایا کہ اگر فرض کر لو بکری کا بچہ بھی نبی اکرم کو دیا گیا ہے اور اب مجھ سے روکا جارہا ہے تو اس معمولی چیز پر بھی لڑوں گا۔ امام بخاری کے علاوہ علماء فرماتے ہیں ممکن ہے کہ صدیق نے دونوں لفظ استعمال فرمائے ہوں کبھی عناق کا لفظ بولا ہو اور کبھی عقال کا لفظ استعمال فرمایا ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

''امرت'' یہ مجہول کا صیغہ لایا گیا ہے کیونکہ اس کا فاعل متعین تھا کہ ''اللہ'' ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دینے والا اللہ ہی ہوتا ہے جس طرح صحابہ کہتے ہیں ''امرنا'' تو وہاں فاعل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم متعین ہوتے ہیں تو ''امرت'' کا مطلب یہ ہوا ''امرنی اللہ بان اقاتل الناس''۔

## سوال

یہاں یہ سوال ہے کہ اسلام میں جزیہ کا حکم بھی ہے جس سے کافر ذمی بن کر زندہ رہ سکتا ہے، اسی طرح معاہد بھی بغیر قتال کے رہ سکتا ہے، کفار سے صلح بھی جائز ہے حالانکہ اس حدیث میں مطلق لڑنے کا حکم ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر سے لڑے بغیر کوئی اور صورت نہیں۔

اس سوال کے کئی جوابات ہیں:

## ا۔ پہلا جواب

یہ دیا گیا ہے کہ ''الناس'' میں الف لام عہد خارجی کے لئے ہے اور اس سے جزیرۂ عرب کے مشرکین مراد ہیں جن کے لئے ''اما السیف اوالاسلام'' کا حکم ہے اس کی تائید نسائی کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں ''امرت ان اقاتل المشرکین''۔

## ۲۔ دوسرا جواب

اس سے ملتا جلتا ہے کہ ''الناس'' سے مراد اہل عرب ہیں ذمی اور معاہد خود نکل گئے کیونکہ یہ عام حکم ہے اور ہر عام مخصوص البعض ہوتا ہے تو لڑنے والوں سے لڑیں گے، ذمی اور معاہد ان سے مستثنیٰ ہیں کذا قال الطیبی۔

## ۳۔ تیسرا جواب

اس حدیث کی غایت میں تاویل کرنے سے دیا گیا ہے یعنی ''حتی یتسلموا او یستسلموا'' کہ یا اسلام حقیقۃً لے آئیں یا اسلام کے سامنے جھک جائیں اور استسلام کی صورت میں ذمی اور معاہد داخل ہیں کیونکہ اب اس نے اطاعت کی ہے یعنی جہاد سے مراد اعلاء کلمۃ اللہ ہے اور اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں اسلام یا استسلام، کافر کفر پر رہتے ہوئے جب اسلامی حکومت قبول کرتا ہے تو اعلاء کلمۃ اللہ متحقق ہو گیا۔

## سوال

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ اس حدیث میں شہادتین کا ذکر موجود ہے نماز اور زکوۃ کا ذکر بھی ہے لیکن یہاں نہ صوم کا ذکر ہے نہ حج کا یہ کیوں؟

## جواب

اس کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ اختصار من الراوی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اب تک روزہ اور حج کا حکم نہیں آیا تھا۔ نیز یہ دعوت اسلام ہے جو ان تین ارکان میں منحصر ہے پہلے تفصیل گذر گئی ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ارکان کو بیان کرنا نہیں تھا بلکہ یہ بتلانا مقصود تھا کہ جو شخص مسلمان ہو جائے اور نماز اور زکوۃ کا اہتمام کرے یہ ان کے مسلمان ہونے کی علامت ہے اب ان سے تعرض کرنا جائز نہیں ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہاں شہادتین کے اقرار کا ذکر ہے اور جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ''جمیع ماجاء به النبي صلى الله عليه وسلم'' کا اقرار کرتا ہے اس میں ساری شریعت آ گئی۔

## تارک صلوۃ کا حکم

اس حدیث میں چونکہ حفظ کے لئے کلمہ شہادت کے بعد نماز کا ذکر آیا ہے اس لئے شارحین نے تارک صلوۃ کے حکم سے متعلق ایک بحث چھیڑ دی ہے، اس کو آپ اس طرح سمجھ لیں کہ تارک صلوٰۃ کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ لوگ ہیں جو نماز چھوڑنے کو حلال سمجھتے ہیں اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس کے قریب نہیں جاتے، یہ لوگ اتفاقاً کافر مرتد اور واجب القتل ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو سستی کی وجہ سے نماز نہیں پڑھتے مگر اس کی فرضیت کو مانتے ہیں چھوڑنے کو ناجائز سمجھتے ہیں اس قسم کے لوگوں میں فقہاء کرام کا اختلاف ہوا ہے۔ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ نصوص قرآنی اور تصریحات حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ قصداً عمداً تارک صلوٰۃ نے کفر کا ارتکاب کیا اس لئے احمد بن حنبل، عبداللہ بن مبارک اور اسحاق راہویہ کا مسلک ہے کہ بلا عذر عمداً فرض نماز چھوڑنے والا کافر ہے، اس کو قتل کیا جائے گا اور یہ قتل مرتد کا قتل ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ تارک صلوٰۃ کافر نہیں مگر اس جرم کی سزا قتل ہے اور یہ قتل مرتد کا نہیں بلکہ فاسق فاجر کا قتل ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تارک صلوٰۃ کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے گا، بابا سعدیؒ کہتے ہیں کہ تارک صلوۃ کو قرض نہ دو جو شخص خدا کا قرض ادا نہیں کرتا وہ تیرا قرض کیا ادا کرے گا۔

بہر حال اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ انجام کے اعتبار سے تارک صلوٰۃ کے بارے میں امت کے فقہاء نے مارنے کا حکم دیا ہے خواہ فوراً ہو یا جیل کی صورت میں تاخیر سے ہو، خواہ کفراً ہو، خواہ سزاً ہو، اس سے نماز کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، جن حضرات نے تارک صلوٰۃ کو کافر مرتد قرار دیا ہے ان کے دلائل وہ آیات واحادیث ہیں جن میں تارک صلوٰۃ کی طرف کفر کی نسبت کی گئی ہے اور وہ بہت سی احادیث ہیں، مگر جو حضرات تارک صلوٰۃ کے کافر ہو جانے کے قائل نہیں ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں

اس طرح تاویل کی جائے گی کہ اس شخص نے کافروں والا کام کیا اس سے لڑا جائے مارا نہ جائے ،اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مرتد ہو گیا اس کو قتل کر دو کیونکہ مرتکب کبیرہ کے بارے میں امت کا فیصلہ ہے کہ وہ خارج اسلام نہیں تو پھر تارک صلوٰۃ کو مرتد کیسے کہیں گے پھر ان احادیث کو تشدید تغلیظ اور تہدید پر حمل کریں گے کیونکہ اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ کبھی امت میں تارک صلوٰۃ کو قتل نہیں کیا گیا۔

''الا بحق الاسلام'' یعنی اس شخص کا خون قصاص حدود وارتداد میں محفوظ نہیں ہوگا بلکہ قصاصاً قتل ہوگا۔ نیز اگر شادی شدہ ہے مسلمان ہے اور زنا کیا تو رجم کیا جائے گا یا مسلمان تھا پھر مرتد ہو گیا تو قتل کیا جائے گا کیونکہ یہ اسلام ہی کا حق ہے، اسلام نے کہا ہے کہ ایسا کرو اور وہ صرف تین کام ہیں۔ جس میں نماز شامل نہیں۔

''وحسابھم علی اللہ'' یعنی ظاہر بچ گیا باطناً معاملہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، ہم باطن کے فیصلوں کے مکلف نہیں ہیں۔

## مطلب حدیث

اس حدیث مبارک کا حاصل یہ ہے کہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مجھے لوگوں سے قتال اور جہاد کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ لوگ تین کام نہ کرلیں (۱) شہادتین کا اقرار (۲) اقامت صلوٰۃ (۳) زکوٰۃ ادا کرنا، جو لوگ یہ تین کام کرلیں گے اور سچے مسلمان بن جائیں گے تو ان کی جان و مال محفوظ ہو جائے گی اب ہمارے لئے ان کے مال و جان سے تعرض کرنا جائز نہیں ہوگا البتہ مسلمان ہو جانے کے بعد اگر کسی موقع پر اسلام ہی کا تقاضا ہو تو وہ مارے جانے سے معصوم نہ رہے گا ظاہر حکم لگے گا باطن کا معاملہ اللہ سپرد ہے۔

## ترتیب احکام

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں مبعوث ہوئے توحید و تبلیغ کا کام شروع ہوا، تلاوت قرآن کا دور شروع ہوا ابھی تک عام فرائض و احکام نہیں آئے تھے پھر نماز مکہ مکرمہ میں فرض ہوئی پھر ہجرت ہوئی پھر زکوٰۃ فرض ہوئی، پھر روزوں کا حکم مدینہ میں ۲ھ سے پہلے آیا، پھر چھ یا سات یا نو ہجری کو حج فرض ہوا، پھر دوسرے احکام آئے ہجرت کے متصل مدینہ منورہ میں جہاد کی مشروعیت کا حکم آیا، دفاع کی اجازت کے بعد اقدام کا حکم آیا مسجد الحرم کے قریب نہ لڑنے کے بعد وہاں بھی لڑنے کا حکم آ گیا، اشہر حرم میں جنگ پر پابندی کو بھی اٹھالیا گیا اور آخرت میں تا قیام قیامت مطلق جہاد کا حکم آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عالمی اعلان فرمایا ''امرت ان اقاتل الناس الخ'' اب یہی حکم باقی ہے اور آئندہ بھی باقی رہے گا۔ تفصیلات کے لئے مسلم جلد ثانی کتاب الجہاد کا انتظار کیجئے۔ اللہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھے۔

## عجیب مناظرہ

تارک صلوٰۃ کی تکفیر و عدم تکفیر میں امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کی ایک دلچسپ بحث ہوئی وہ اس طرح کہ امام شافعیؒ نے امام احمدؒ

سے تارک صلوۃ کے بارے میں جب پوچھا تو امام احمدؒ نے فرمایا کافر ہے امام شافعیؒ نے سوال کیا کہ پھر وہ کس طرح مسلمان ہوگا آپ نے فرمایا کہ کلمہ پڑھ لے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کلمہ تو وہ پہلے سے پڑھتا ہے نماز نہیں پڑھتا۔ آپ نے فرمایا کہ نماز پڑھ لے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جب وہ کافر ہے تو بغیر ایمان کے نماز کیسے پڑھ لے؟ اس پر امام احمدؒ خاموش ہوگئے۔

۱۲۵۔ **وحَدَّثَنِي** أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى وَأَحْمَدُ بْنُ عِيسَى قَالَ أَحْمَدُ حَدَّثَنَا وَقَالَ الآخَرَانِ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَمَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللَّهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں۔ پس جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تو اس نے مجھ سے اپنا مال اور جان محفوظ کرا لیا سوائے کسی حق کے بدلہ میں اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔

۱۲۶۔ **حَدَّثَنَا** أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي الدَّرَاوَرْدِيَّ عَنِ الْعَلَاءِ ح وَحَدَّثَنَا أُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامَ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا رَوْحٌ عَنِ الْعَلَاءِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَعْقُوبَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَيُؤْمِنُوا بِي وَبِمَا جِئْتُ بِهِ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دے دیں اور مجھ پر اور جو کچھ میں لے کر آیا ہوں اس پر ایمان لائیں۔ جو وہ ایسا کرلیں تو انہوں نے مجھ سے اپنی جانوں اور اموال کو بچالیا۔ مگر کسی حق کے بدلہ میں اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔

۱۲۷۔ **وحَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ وَعَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ۔

اس سند سے بھی سابقہ روایت منقول ہے۔

۱۲۸۔ **وحَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ يَعْنِي ابْنَ

مَهْدِيٍّ قَالَ جَمِيعًا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَإِذَا قَالُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ ثُمَّ قَرَأَ ﴿إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾۔ (الغاشیۃ: ۲۱، ۲۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں جب انہوں نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تو انہوں نے مجھ سے اپنے خون اور اموال محفوظ کرا لئے مگر کسی حق کے بدلہ میں اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ پڑھی۔

۱۲۹۔ **حَدَّثَنَا** أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ مَالِكُ بْنُ عَبْدِالْوَاحِدِ! حَدَّثَنَا عَبْدُالْمَلِكِ بْنُ الصَّبَّاحِ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ وَاقِدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِاللهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوا عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا کہ لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں، زکوۃ ادا کریں، جب وہ یہ سب کرلیں تو انہوں نے مجھ سے اپنے خون اور اموال بچالئے مگر کسی حق کے بدلہ میں اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔

۱۳۰۔ **وَحَدَّثَنَا** سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَا حَدَّثَنَا مَرْوَانُ يَعْنِيَانِ الْفَزَارِيَّ عَنْ أَبِي مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَكَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُونِ اللهِ حَرُمَ مَالُهُ وَدَمُهُ وَحِسَابُهُ عَلَى اللهِ۔

حضرت ابو مالکؒ اپنے والد (طارق بن اشیم الاشجعی) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبودان باطلہ کی تکفیر کی اس کا مال اور خون حرام ہوگیا اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔

۱۳۱۔ **وَحَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ ح وَحَدَّثَنِيهِ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ كِلَاهُمَا عَنْ أَبِي مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ وَحَّدَ اللهَ ثُمَّ ذَكَرَ بِمِثْلِهِ۔

مذکورہ سند سے یزید بن ہارون ابی مالک بواسطہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کی توحید کا اقرار کیا آگے بعینہ سابقہ فرمان نقل فرماتے ہیں۔

## باب صحة اسلام من لم يغرغر وقصة موت ابى طالب

# حالت نزع سے پہلے اسلام مقبول ہے ابوطالب کی موت کا قصہ

اس عنوان کے تحت امام مسلم رحمہ اللہ نے چار احادیث کو ذکر کیا ہے۔

۱۳۲۔**وحدثنی** حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى التُّجِيبِيُّ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ جَاءَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ عِنْدَهُ أَبَا جَهْلٍ وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِي أُمَيَّةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَمِّ! قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ كَلِمَةً أَشْهَدُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ يَا أَبَا طَالِبٍ! أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؟ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْرِضُهَا عَلَيْهِ وَيُعِيدُ لَهُ تِلْكَ الْمَقَالَةَ حَتّٰى قَالَ أَبُو طَالِبٍ آخِرَ مَا كَلَّمَهُمْ هُوَ عَلٰى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَأَبٰى أَنْ يَقُولَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا وَاللّٰهِ! لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحٰبُ الْجَحِيمِ﴾ (التوبة:۱۱۳) وَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾۔ (القصص:۵۶)

حضرت سعید بن المسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابوطالب کا مرض الموت شروع ہوا تو ان کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ابوطالب کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کو بیٹھا ہوا پایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب سے فرمایا: اے چچا جان لا الہ الا اللہ کہہ دیجیے۔ میں اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ کے لئے گواہی دوں گا یہ سن کر ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ دونوں کہنے لگے کہ اے ابوطالب! کیا آپ عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل کلمہ لا الہ الا اللہ ابوطالب کے سامنے پیش کرتے رہے اور وہی بات کہتے رہے کہ میں اللہ کے یہاں آپ کی گواہی دوں گا یہاں تک کہ ابوطالب نے جو آخری بات ان سے کہی یہ تھی کہ عبدالمطلب کی ملت پر ہوں اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم! میں ضرور بالضرور آپ کے لئے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے آپ کے لئے مغفرت کی دعا کرنے سے روک نہ دیا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ما کان للنبی والذین امنو ……الخ﴾ پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگر چہ وہ رشتہ دار ہی ہوں۔ ان پر ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ

دوزخی ہیں۔ اور ابوطالب کے بارے میں یہ آیت اللہ عزوجل نے نازل فرمائی: ﴿انک لاتھدی من احببت﴾ آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے، بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا علم اسی کو ہے۔

## تشریح

"لماحضرت اباطالب الوفاۃ" حضرت قربت کے معنی میں ہے یعنی وفات کا وقت قریب ہو گیا اس سے حالت نزع اور حالت غرغرہ مراد نہیں ہے کیونکہ اس وقت نہ کسی کے ایمان لانے کا اعتبار ہے اور نہ دعوت دینے کا کوئی فائدہ ہے جب تک عالم غیب کا پردہ پڑا رہتا ہے تو آدمی دنیا میں شمار ہوتا ہے تو ایمان کا اعتبار ہوتا ہے اور جب عالم غیب کا پردہ ہٹ گیا اور عالم غیب کی کسی چیز کا مشاہدہ ہو گیا پھر کسی عمل کا کوئی اعتبار نہیں ہے تو حضور وفات کا مطلب یہ ہے کہ جب ابوطالب کی وفات کے دلائل اور علامات ظاہر ہونے لگے۔

ابوطالب کا نام عبد مناف تھا طالب ان کا بیٹا تھا اس کے نام سے کنیت ہے دوسرا بیٹا علی تیسرا جعفر چوتھا عقیل تھا طالب کفر پر مرا ہے باقی تین مسلمان ہو گئے ابوطالب ہجرت سے تقریباً تین سال پہلے انتقال کر گئے ہیں جبکہ نبی مکرم کی عمر تقریباً ۵۰ سال تھی ابوطالب کی وفات سے تین دن بعد خدیجہ کبریٰ کا انتقال ہوا دونوں مکہ کے قبرستان المعلاۃ کے بالائی حصہ میں مدفون ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کا نام عام الحزن رکھا تھا۔ ابوطالب اگرچہ مسلمان نہیں ہوئے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و نصرت اور حمایت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی خواجہ عبدالمطلب نے ان کو خاص تاکید کی تھی کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پال لیں کہ ان کو اپنے باپ کی وفات کا کبھی احساس نہ ہو، واقعی ابوطالب نے اس وصیت کا حق ادا کیا تین سال تک شعب ابی طالب میں موت وزیست کی زندگی جیل میں حضور اکرمؐ کے ساتھ کاٹی اور ہر موقع میں کفار سے آپ کا دفاع کیا ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا ایمان نہ لانا ایک تکوینی امر تھا ورنہ اگر ابوطالب کھل کر مسلمان ہو جاتے تو وہ کفار سے حضور اکرمؐ کے دفاع کے اس طرح پوزیشن میں نہ رہتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا اعلان فرمایا اس وقت آپ کے نو چچاؤں میں سے صرف چار زندہ تھے ان میں تین سگے چچا تھے یعنی عباس، حمزہ اور ابوطالب اور ایک سوتیلا چچا تھا جس کا نام ابولہب تھا ابولہب تو مسلمان بھی نہیں ہوا اور آنحضرت کو مکہ میں سب سے زیادہ اس نے ستایا ابوطالب بھی مسلمان نہیں ہوا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت زیادہ حمایت اور خدمت کی ابوطالب نے اسلام کو بھی خوب پہچانا تھا اور نبی مکرم کو بھی خوب جانتا تھا کہ سب کچھ حق ہیں چنانچہ وہ اسلام کے بارے میں کھل کر کہتا ہے۔

| | |
|---|---|
| وعرفت دینک لا محالۃ انہ | من خیر ادیان البریۃ دینا |
| لولا الملامۃ او حذار مسبۃ | لوجدتنی سمحا بذاک مبینا |
| ودعوتنی وزعمت انک صادق | وصدقت فیہ وکنت ثم امینا |
| واللہ لن یصلوا الیک بجمعھم | حتی اوسد فی التراب دفینا |

ابوطالب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں اور بنو ہاشم کی حمایت میں ایک مشہور قصیدہ پڑھا ہے جو ۹۴ اشعار پر مبنی ہے اورالبدایہ والنھایہ نے اس کو نقل کیا ہے میں نے اس کے چند اشعار کتاب الایمان کی ابتدائی مباحث میں نقل کیا ہے وہاں دیکھنا چاہئے یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔بطور لطف چند اشعار یہاں بھی لکھ دیتا ہوں ابوطالب نبی مکرمؐ کی مدح میں کہتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| حليم رشيد عادل غير طائش | يوالي الهانس عنه بغافل |
| كريم المساعي ماجد وابن ماجد | له ارث مجد ثابت غير ناصل |
| وابيض يستسقى الغمام بوجهه | ثمال اليتامى عصمة للارامل |
| كذبتم وبيت الله نبذي محمدا | ولما نطاعن دونه ونناضل |
| ونسلمه حتى نصرع حوله | ونذهل عن ابنائنا والحلائل |

''قوله جاء ه رسول الله صلى الله عليه وسلم ''ابوطالب کی بیماری نے جب شدت اختیار کی تو قریش کے بڑے بڑے سردار آخری دیدار اور عیادت کی غرض سے ان کے گھر آئے ابوجہل بدبخت بھی تھا جس کی کوشش یہ تھی کہ ابوطالب کہیں آخر وقت میں اپنے بھتیجے کے دین کو قبول نہ کرلے چنانچہ کمرہ ان سرداروں سے بھر گیا دانستہ طور پر ابوجہل نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجلس میں آگے جگہ نہ دی بلکہ دروازہ کے پاس جگہ دی تا کہ چچا اور بھتیجے کے قریب ہونے سے شفقت بھڑک کر ابوطالب مسلمان نہ ہوجائے آنحضرتؐ نے ابوطالب سے فرمایا کہ چچا جان میرے کان میں چپکے سے کلمہ پڑھ لو میں قیامت میں گواہی دوں گا کہ ابوطالب ایمان پر مرا ہے بعض روایات میں ہے کہ ابوطالب نے کلمہ پڑھ لیا لیکن ابوجہل نے عار دلائی کہ باپ دادا کے مذہب کو چھوڑ رہے ہو اور بھتیجے کی اطاعت کررہے ہو آگ اور موت سے ڈر رہے ہو یہ کیا کر رہے ہو؟ چنانچہ ابوطالب نے رجوع کرلیا اور آخری کلمہ یہ کہا'' على ملة عبد المطلب ''یعنی اپنے باپ عبدالمطلب کے دین پر مر رہا ہوں قرآن وحدیث کی عام تصریحات اور اسلام کا عام ضابطہ یہی ہے کہ ابوطالب کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا ہے۔عام شیعہ اور روافض کا عقیدہ ہے کہ ابوطالب اعلیٰ درجہ کا مؤمن ہوکر مرا ہے شیعہ نے کچھ غیر ثابت شدہ روایات یا کچھ اشارات سے استدلال بھی کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ شیعہ کا یہاں دلائل سے کچھ سروکار نہیں وہ کہتے ہیں کہ ابوطالب مولیٰ علی کا باپ ہے تو مولیٰ علی کا باپ کیسے کافر ہوسکتا ہے حالانکہ ان مسکینوں کو یہ پتہ نہیں کہ بڑے بڑے انبیاء کے باپ دادا یا اولاد غیر مسلم گذرے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے اور تقدیر کا معاملہ ہے کہ ﴿يخرج الحي من الميت ويخرج الميت من الحي﴾ شیعہ عام طور پر ابوطالب کے ساتھ علیہ اسلام لکھتے ہیں شیعہ کی بدبختی کو دیکھو کہ جو صحابہ کرام قطعی طور پر مؤمن اور جنتی ہیں ان کو تو مسلمان ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں جیسے صدیق وعمر وعثمان وغیرہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ہیں اور ابوطالب کو مسلمان بلکہ ابوطالب علیہ السلام کہتے ہیں بغض وحسد کا ناس ہو۔

فعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ ولکن عین السخط تبدی المساویا

راضی آنکھیں ہر عیب دیکھنے سے اندھی ہوتی ہیں لیکن ناراض آنکھیں برائیاں ہی دکھاتی ہیں۔

''ام واللہ'' حرف ''ما'' ہمزہ استفہام یا حروف جارہ کے داخل ہونے سے ایسے مقامات میں تخفیف کی غرض سے الف گرادیا جاتا ہے اگرچہ باقی رکھنا بھی جائز ہے اس جیسے کلام میں تاکید کی طرف اشارہ ہے اصل کلام اس طرح ہے ''اما واللہ لافعلن'' ''ای حقا واللہ لاستغفرن''۔

''فانزل اللہ'' یعنی ایک آیت میں تو تمام مسلمانوں کو اور آنحضرت کو عام مشرکین کے استغفار سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا اور ایک آیت میں ابوطالب کے لئے استغفار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اور فرمایا ﴿انک لا تھدی من احببت﴾ دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر کتنا بوجھ ہوگا کہ زندگی بھر کے محسن ابوطالب آگ کی طرف جارہا ہے اس عظیم غم میں اگر یہ مسلمان ہوجاتے تو کتنی بڑی خوشی ہوتی حضرت عمر فاروق فرماتے تھے کہ اگر میرا باپ خطاب مسلمان ہوتا مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی جتنا کہ ابوطالب کے ایمان سے خوشی ہوتی اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں ابوطالب کی ہدایت کے لئے کتنا بڑا جذبہ ہوگا اس غم کی تسلی کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿انک لا تھدی من احببت﴾۔ (سورت قصص ۵۶)

اب یہاں سوال یہ ہے کہ نبی اور رسول کا کام تو ہدایت دینا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ہدایت کے علمبردار تھے یہاں ہدایت کی نفی کیسی کی گئی ہے کیا یہ منصب رسالت کے منافی نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہدایت دو قسم پر ہے ایک ھدایت بمعنی اراءۃ الطریق ہے اور دوسرا ایصال الی المطلوب ہے انبیاء کرام کا کام اور منصب اراءۃ الطریق ہے ایصال الی المطلوب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے تو یہاں اس دوسری قسم کی نفی کی گئی ہے اراءۃ الطریق کی نفی نہیں ہے۔ علامہ آلوسی بغدادی رحمہ اللہ اپنی تفسیر روح المعانی ج ۸ میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

''ھدایۃ موصلۃ الی البغیۃ لامحالۃ'' یعنی آپ ایسی ہدایت نہیں کرسکتے ہیں کہ وہ لامحالہ مقصود تک پہنچادے۔ علامہ محمود آلوسی بغدادی نے کئی جگہ ﴿انک لا تھدی﴾ کو ''لا تقدر'' کے معنی میں لیا ہے یعنی آپ کو یہ قدرت حاصل نہیں ہے کہ ابوطالب کو اسلام میں داخل کردے اگرچہ وہ آپ کو محبوب ہے۔ علامہ آلوسیؒ نے ابوطالب کے اسلام کو مختلف فیہ قرار دیا ہے فرماتے ہیں ''ومسئلۃ اسلامہ خلافیۃ'' یعنی ابوطالب کے اسلام لانے نہ لانے کا مسئلہ اختلافی ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے ان کے کفر کو اجماعی قرار دیا ہے انہوں نے شیعہ کی روایات کا اعتبار نہیں کیا اور ابوطالب کے قصائد پر بھی اعتماد نہیں کیا، علامہ مزید فرماتے ہیں:

''ثم ان القول بعدم اسلامہ لاینبغی سبہ والتکلم فیہ بفضول الکلام''۔ (روح المعانی ج ۸)

یعنی فرض کرلو کہ ابوطالب مسلمان نہیں ہوئے پھر بھی ان کو برا کہنا اور ان کی برائی میں فضول باتیں کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچ جائے کیونکہ آنحضرت کو اپنے چچا سے محبت تھی اور احتیاط کا تقاضا

بھی یہی ہے کیونکہ

ع ''وَلِأَجلِ عَینٍ أَلفُ عَینٍ تُکرَمُ'' ۔ (روح المعانی ج ۸) یعنی ایک آنکھ کی وجہ سے ہزار آنکھوں کا اکرام کیا جاتا ہے۔

بہر حال علماء لکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں خاموش رہنا چاہیے اور ابو طالب کے بارے میں بھی کہتے ہیں۔

۱۳۳۔**وَحَدَّثَنَا** إِسحَاقُ بنُ إِبرَاهِيمَ وَعَبدُبنُ حُمَيدٍ قَالَ أَخبَرَنَا عَبدُالرَّزَّاقِ أَخبَرَنَامَعمَرٌ ح : وَحَدَّثَنَا الحَسَنُ الحُلوَانِيُّ وَعَبدُبنُ حُمَيدٍ قَالَا حَدَّثَنَا يَعقُوبُ وَهُوَابنُ إِبرَاهِيمَ بنِ سَعدٍ قَالَ أَخبَرَنَاأَبِي عَن صَالِحٍ كِلَاهُمَا عَنِ الزُّهرِيِّ بِهَذَاالإِسنَادِ مِثلَهُ ۔ غَيرَأَنَّ حَدِيثَ صَالِحٍ انتَهَى عِندَقَولِهِ فَأَنزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِيهِ وَلَم يَذكُرِ الآيَتَينِ وَقَالَ فِي حَدِيثِهِ وَيَعُودَانِ بِتِلكَ المَقَالَةِ وَفِي حَدِيثِ مَعمَرٍ مَكَانَ هَذِهِ المَقَالَةِ الكَلِمَةُ فَلَم يَزَالَا بِهِ ۔

مذکورہ سند سے زہری رحمہ اللہ کی یہی سابقہ روایت منقول ہے مگر اس روایت میں دونوں آیتوں کا تذکرہ نہیں ہے۔

۱۳۴۔**حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبنُ عَبَّادٍ وَابنُ أَبِي عُمَرَ قَالَا حَدَّثَنَا مَروَانُ عَن يَزِيدَ وَهُوَابنُ كَيسَانَ عَن أَبِي حَازِمٍ عَن أَبِي هُرَيرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ لِعَمِّهِ عِندَالمَوتِ قُل لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ أَشهَدُلَكَ بِهَايَومَ القِيَامَةِ فَأَبَى قَالَ فَأَنزَلَ اللّٰهُ ﴿إِنَّكَ لَاتَهدِي مَن أَحبَبتَ﴾ الآيَةَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے ان کی موت کے وقت فرمایا: لاالہ الا اللہ کہہ دیجئے قیامت کے روز میں آپ کے لئے گواہی دوں گا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿انك لاتهدى من احببت﴾۔

۱۳۵۔**حَدَّثَنِي** مُحَمَّدُبنُ حَاتِمِ بنِ مَيمُونٍ حَدَّثَنَا يَحيَى بنُ سَعِيدٍحَدَّثَنَا يَزِيدُبنُ كَيسَانَ عَن أَبِي حَازِمٍ الأَشجَعِيِّ عَن أَبِي هُرَيرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ لِعَمِّهِ قُل لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ أَشهَدُلَكَ بِهَايَومَ القِيَامَةِ قَالَ لَولَا أَن تُعَيِّرَنِي قُرَيشٌ يَقُولُونَ إِنَّمَا حَمَلَهُ عَلَى ذَلِكَ الجَزَعُ لَأَقرَرتُ بِهَا عَينَكَ فَأَنزَلَ اللّٰهُ ﴿إِنَّكَ لَاتَهدِي مَن أَحبَبتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهدِي مَن يَّشَاءُ وَهُوَأَعلَمُ بِالمُهتَدِينَ﴾۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے فرمایا: لاالہ الا اللہ کہہ دیجئے قیامت کے روز اس لاالہ کے کہنے کی گواہی دوں گا آپ کے لئے۔ انہوں نے کہا: اگر مجھے قریش عیب نہ دیتے کہ ابو طالب گھبراہٹ ڈر سے یہ کلمہ کہہ گیا تو میں تمہارے آنکھیں یہ کہہ کر ٹھنڈی کر دیتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿انك لاتهدى من احببت﴾۔

## تشریح

"لولا ان تعیرنی قریش" یہ لفظ عار سے بنا ہے مقصد یہ ہے کہ میرے مرنے کے بعد قریش اپنی مجالس میں مجھے طعنے دیں گے اور میرے آباؤ اجداد کو برے الفاظ سے یاد کریں گے اگر یہ نہ ہوتا تو میں ایمان لاتا چنانچہ ابو طالب نے اپنے مشہور قصیدہ لامیہ میں کہا ہے۔

فواللہ لولا ان اجیء بسبہ — تجر علی اشیاخنا فی المحافل

لکنا اتبعناہ علی کل حالۃ — من الدھر جداً غیر قول التھازل

گویا ابو طالب سمجھتے بوجھتے یوں کہہ رہے ہیں "اختار النار علی العار" کہ میں عار پر نار کو ترجیح دیتا ہوں۔

"الجزع" یہ گھبراہٹ کے معنی میں ہے کہ لوگ عار دیں گے کہ ابو طالب موت سے یا آگ سے ڈر گیا ایک نسخہ میں "الخرع" کا لفظ آیا وہ وحشت اور ضعف کے معنی میں ہے۔ عجیب لوگ تھے جانتے ہوئے کہ تباہی ہے اور چھلانگ لگا رہے ہیں حالانکہ تمام عقلاء کا اتفاق ہے کہ موت اور آگ ایسی چیزیں ہیں کہ جس سے ڈرنا چاہئے "ایاک و العار" اگر عربی جملہ ہے تو "ایاک و النار" بھی تو ہے۔ "لاقرت" معلوم ہوا کہ ابو طالب کو بھی خوب معلوم تھا کہ ان کے ایمان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کتنے خوش ہو نگے لیکن تقدیر آڑے آ گئی۔ بہرحال جس کسی کو بڑی خوشی حاصل ہو جاتی ہے تو جسم کے تمام مشاعر و اعضا فرحت محسوس کرتے ہیں تو آنکھیں بھی خوش ہو کر ٹھنڈک محسوس کرتی ہیں اسی کا تذکرہ ابو طالب نے کیا ہے کہ ایمان لا کر میں آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیتا۔

## باب الدليل على ان من مات على التوحيد دخل الجنة قطعاً

## جو شخص عقیدہ توحید پر مرا وہ یقیناً جنت میں داخل ہو گیا

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں پندرہ احادیث کو بیان کیا ہے۔

۱۳۶۔ حَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ كِلاهُمَا عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَبُوبَكْرٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنِي الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ حُمْرَانَ عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ ۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اس حالت میں موت آئے کہ اسے یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے تو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

## تشریح

ابو بکر بن ابی شیبہ امام مسلم کے استاد ہیں جو مشہور امام ہیں اور مصنف ابن ابی شیبہ کے مؤلف ہیں "اسماعیل بن علیہ" اسماعیل اپنے باپ ابراہیم اور اپنی ماں علیہ دونوں کی طرف منسوب ہیں امام مسلم کی احتیاط کو دیکھیں کہ ایک استاذ نے ابن علیہ کہا دوسرے نے

ابن براہیم تو امام مسلم نے فرق کو واضح کیا کہ فلاں استاد نے ابن ابراہیم کہا اور فلاں نے ابن علیہ کہا۔ شیخ اسماعیل اپنی والدہ علیہ کی طرف نسبت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ''خالد'' ان کے والد کا نام مھران ہے ان کی کنیت ابوالمنازل ہے ان کے نام کے ساتھ الحذاء کا لفظ بعد والی روایت میں لگا ہوا ہے خیال جاتا ہے کہ شاید یہ جوتوں کا کام کرتے تھے مگر ایسا نہیں بلکہ یہ کسی موچی کے پاس بیٹھتے تھے تو حذاء سے مشہور ہوگئے۔ تابعین میں سے ہیں ''حمران'' حاپر ضمہ ہے یہ حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں اس وقت کے غلام بھی محدث تھے ان کے والد کا نام ابان ہے یعنی حمران بن ابان یہ حضرت عثمان سے روایات لیتے ہیں۔

''دخل الجنة'' اس باب کی تمام احادیث میں ایک ہی مضمون ہے وہ یہ ہے کہ جس نے صدق دل سے کلمۂ شہادت اور توحید کا اقرار کیا وہ قطعی طور پر جنتی ہے یعنی یوں سمجھو کہ وہ جنت میں داخل ہوگیا یہاں ماضی کا صیغہ اسی یقین کو پیدا کرنے کے لئے لایا گیا ہے ان احادیث میں جس انداز سے بھی بیان آیا ہے آخر نتیجہ اسی ایک بات پر جا کر نکلتا ہے کہ توحید کے عقیدے پر جس کی موت آگئی وہ شخص جنت میں داخل ہوگیا بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر دوزخ کی آگ کو حرام کیا ہے بعض میں یہ ہے کہ ایسے شخص کو جنت کے دخول سے روکا نہیں جاسکتا بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس سے وہ چاہیگا داخل کریگا۔ بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عذاب نہیں دیگا بعض روایات میں ہے کہ ایسے شخص کو جنت کی بشارت دیدو۔ بعض روایات میں ہے کہ ایسے شخص کو دوزخ کی آگ نہیں کھاسکتی۔

اب ان روایات سے چند مباحث پیدا ہوتے ہیں انہیں مباحث پر کچھ کلام ملاحظہ فرمائیں مگر سب سے پہلے توحید سے متعلق کلام کرنے کی ضرورت ہے۔

## توحید کی تعریف

علامہ میر سید سند شریف جرجانی حنفی متوفی ۸۱۶ھ اپنی کتاب التعریفات مطبع قدیمی کتب خانہ کے ص ۵۱ پر توحید کی لغوی واصطلاحی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

التوحيد في اللغة الحكم بان الشيء واحد وفي اصطلاح اهل الحقيقة تجريد الذات الالهية عن كل مايتصور في الافهام ويتخيل في الاوهام والاذهان وهو ثلاثة اشياء معرفة الله تعالى بالربوبية والاقرار بالوحدانية ونفي الانداد عنه جملة ۔ (التعريفات ص ۵۱)

ترجمہ: توحید لغت میں کسی چیز پر واحد ہونے کا حکم لگانے کو کہتے ہیں اور محققین کی اصطلاح میں اس کی تعریف یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ کو ہراس چیز سے پاک مانا جائے جو کسی انسان کے وہم وفہم اور ذہن وگمان کے احاطۂ تصور میں آجائے توحید کی یہ حقیقت تین اشیاء پر مشتمل ہے۔ (۱) اللہ تعالیٰ کو رب ہونے کی حیثیت سے پہچاننا (۲) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنا (۳) تمام معبودان باطلہ کی نفی کرنا۔

جیسے شاعر نے کہا۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہدے یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے تھا

علامہ اُبی مالکیؒ نے اسی حقیقت کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے "كُلُّ مَاخَطَرَ بِبَالِكَ فَاللّٰهُ مُخَالِفٌ لِذٰلِكَ"

یعنی جو کچھ تمہارے دل کے احاطے میں آ گیا سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اس کے علاوہ ہے۔

باب سعدیؒ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو بہت اچھے انداز سے اس طرح بیان کیا ہے۔

اے برتر از قیاس و گمان وھم وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندیم

اے وہ ذات جو قیاس اور وھم وگمان سے بالاتر ہے اور جو کچھ کہا گیا ہے یا میں نے سنا یا پڑھا ہے اس سے بالاتر ہے۔

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر ماہمچناں در اول وصف تو ماندیم

لکھنے کے رجسٹر ختم ہو گئے عمر انتہاء کو پہنچ گئی لیکن ہم اب تک تیری پہلی صفت تخلیق میں عاجز پڑے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حجۃ البالغہ میں توحید پر عمدہ کلام کیا ہے کچھ حصہ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں کہ "جتنی نیکیاں اور عبادات ہیں اس کی جڑ اور بنیاد توحید ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا وصف توحید پر منحصر ہے توحید کی وجہ سے آدمی اللہ تعالیٰ کے غیبی نظام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی عظمت پر تنبیہ فرمائی ہے اور اس کو تمام عبادات کے لئے بمنزلہ دل قرار دیا ہے کہ اگر توحید صحیح ہے اور درست ہے تمام عبادات درست ہیں اور اگر توحید فاسد ہے تو تمام نیکیاں اور اعمال فاسد ہیں۔

شاہ ولی اللہ دھلویؒ نے فرمایا کہ معلوم ہونا چاہئے کہ توحید کے چار مرتبے ہیں۔

۱۔ صرف اللہ تعالیٰ کو واجب الوجود ماننا دوسرا کسی کو واجب الوجود تسلیم نہ کرنا۔

۲۔ صرف ایک اللہ تعالیٰ کو ساری کائنات کا خالق و مالک تسلیم کرنا۔

توحید کے یہ دونوں مرحلے تمام انسان مانتے ہیں یہود ونصاریٰ اور مشرکین عرب نے ان دونوں مرحلوں میں خلاف نہیں کیا۔

۳۔ زمین وآسمان اور اس کے درمیان جو کچھ ہیں اس کا مدبر اور چلانے والا صرف ایک اللہ تعالیٰ کو سمجھنا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہستی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

یہ دونوں صفات ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہیں اور انسانوں نے انہی دوصفات میں اختلاف کیا ہے توحید کے خلاف یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے سارے فرقے انہی دوصفات کے مخالف ہیں۔" (ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۰۰)

باب سعدیؒ نے توحید اور موحد کی اس طرح تعریف کی ہے۔

موحد کہ ریزے بزیرے زرش و گر آراہ می نہی برسرش

یعنی موحد کے پاؤں کے نیچے لالچ کے لئے سونے کا ڈھیر بنا دو یا اس کے سر پر قتل کے لئے آرا رکھدو۔

امید و ہراسش نہ باشد زکس      برین است بنیاد توحید و بس

یعنی اس کو کسی سے سونے کی لالچ نہیں ہوگی اور قتل کا ڈر ہوگا بس اسی پر توحید کی بنیاد ہے اور بس۔

سلطان باھور رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو اس طرح بیان کیا ہے۔

یقین دانم درین عالم کہ لا معبود الا ھو      ولا موجود فی الکونین و لا مقصود الا ھو

چوں تیغ لا بدست آری بیا تنہا چہ غم داری      مجو از غیر حق یاری لا فتاح الا ھو

''وھو یعلم'' علم سے علم یقینی اور عقد جازم مراد ہے صرف قلبی معرفت کافی نہیں ہے اور عقد جازم انقیاد ظاہری اور تسلیم باطنی کو مستلزم ہے لہٰذا عقد جازم کا عقیدہ رکھنے کے بعد اگر کسی شخص کو زبانی اقرار کا وقت نہیں ملا یا وقت ملا مگر فوراً زبان سے اقرار نہ کیا یا زبانی اقرار کا اسکو علم نہیں تھا یا زبانی اقرار پر قادر نہیں تھا یا کسی نے ان سے زبانی اقرار کا مطالبہ نہیں کیا اور یہ شخص پہلے مر گیا تو ان تمام صورتوں میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اس نے اقرار نہیں کیا یہی عقد جازم ایمان کے لئے کافی ہے یہ شخص جنتی ہے یعلم کا یہی مفہوم ہے۔ (مرقات)

اس حدیث میں مرجئہ کا شدید رد ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کا جملہ مستلزم ہے اگر کہیں مذکور ہو تو بہت اچھا ورنہ لا الٰہ الا اللہ شہادتین کے لئے بطور عنوان ہے محمد رسول اللہ اس کے ساتھ لازم ہے۔

''دخل الجنۃ'' دخول اولی ہو یا دخول ثانوی ہو پوری تفصیل آئندہ حدیث میں آرہی ہے۔

''مات'' اس جملہ کی کچھ تفصیل ہے وہ یہ ہے کہ فرض کرلو جس شخص نے بے تحاشا گناہ کیے پھر معصیت کے اس مرتکب شخص نے کلمہ شہادت پڑھ لیا تو اب اس کی کیا حیثیت ہے قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے مرجئہ کہتے ہیں ''لا تضر المعصیۃ مع الایمان'' یعنی ایمان کے ساتھ کوئی معصیت نقصان نہیں پہنچا سکتی خوارج نے کہا ''تضرہ ویکفر بھا'' یعنی معصیت نقصان پہنچاتی ہے یہ آدمی کافر ہو جائے گا۔ معتزلہ نے کہا کہ مرتکب کبیرہ دائمی دوزخی ہے نہ اس کو مؤمن کہا جا سکتا ہے اور نہ کافر کہا جا سکتا ہے بلکہ فاسق کے نام سے یاد کیا جائیگا متکلمین میں سے اشاعرہ نے کہا کہ یہ مرتکب کبیرہ مؤمن ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے معاف کرے تو دوزخ نہیں جائے گا اور اگر کچھ وقت کے لئے ان کو سزا ہو جائے تو آخر کار دوزخ سے باہر آئیگا اور جنت میں داخل ہوگا یہ حدیث معتزلہ اور خوارج پر حجت ودلیل ہے کیونکہ یہاں اعمال کا ذکر نہیں ہے۔

بقیہ اگرچہ یہ حدیث مرجئہ پر حجت نہیں ہے مگر یہاں دخول جنت میں یہ قید ملحوظ ہے کہ یہاں سزا بھگتنے کے بعد دخول مراد ہے تا کہ تمام نصوص میں مطابقت آجائے خیال رہے کہ شرک کی تعریف اور عبادت کی تعریف آئندہ آنے والی ہے۔

۱۳۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنِ الْوَلِيدِ أَبِي بِشْرٍ سَمِعْتُ حُمْرَانَ يَقُولُ سَمِعْتُ عُثْمَانَ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مِثْلَهُ سَوَاءً۔

اس سند سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل یہی روایت نقل کرتے ہیں جو گذر گئی ہے۔

کتاب الایمان

امام مسلم نے اس سند کے ذکر کرنے سے عنعنہ کو ختم کر دیا جو پہلی سند میں تھا۔

۱۳۸۔حَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِ بْنُ النَّضْرِبْنِ أَبِي النَّضْرِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُوالنَّضْرِ هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللهِ الْاَشْجَعِيُّ عَنْ مَالِكِ بْنِ مِغْوَلٍ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسِيْرٍ قَالَ فَنَفِدَتْ أَزْوَادُ الْقَوْمِ قَالَ حَتَّى هَمَّ بِنَحْرِ بَعْضِ حَمَائِلِهِمْ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ يَارَسُوْلَ اللهِ! لَوْجَمَعْتَ مَابَقِيَ مِنْ أَزْوَادِ الْقَوْمِ فَدَعَوْتَ اللهِ عَلَيْهَا قَالَ فَفَعَلَ قَالَ فَجَاءَ ذُوالْبُرِّ بِبُرِّهِ وَذُوالتَّمْرِبِتَمْرِهِ قَالَ وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَذُوالنَّوَاةِ بِنَوَاهُ قُلْتُ وَمَاكَانُوْا يَصْنَعُوْنَ بِالنَّوَى؟ قَالَ كَانُوْا يَمُصُّوْنَهُ وَيَشْرَبُوْنَ عَلَيْهِ الْمَاءَ قَالَ فَدَعَا عَلَيْهَا حَتَّى مَلَأَ الْقَوْمُ أَزْوِدَتَهُمْ قَالَ فَقَالَ عِنْدَذٰلِكَ أَشْهَدُأَنْ لَاإِلٰهَ إِلَّااللهُ وَأَنِّي رَسُوْلُ اللهِ لَايَلْقَى اللهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرَشَاكٍّ فِيْهِمَا إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔لوگوں کا زادِ سفر ختم ہو گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ بعض لوگوں نے اپنی سواریاں (اونٹ) ذبح کرنے کا ارادہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ! کاش کہ آپ لوگوں کے سامان کو منگوا کر جمع کر لیں اور اس پر اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ایسا ہی کیا تو جس کے پاس گیہوں تھے وہ اپنے گیہوں لے کر آ گیا،جس کے پاس کھجور تھی وہ اپنی کھجور لے کے آ گیا،اور جس کے پاس گٹھلی تھی وہ گٹھلی ہی لے کر آ گیا۔راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ گٹھلیوں سے وہ کیا کرتے تھے؟فرمایا اسے چوستے تھے اور اس پر پانی پی لیا کرتے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر دعا فرمائی پوری قوم نے اپنے توشہ دانوں کو بھر لیا تو اس وقت حضور علیہ السلام نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں نہیں ملے گا اللہ تعالیٰ سے کوئی بندہ اس حال میں کہ وہ اس شہادتین کے بارے میں شک نہ کرتا ہو مگر یہ کہ جنت میں داخل ہو گیا۔

## تشریح

"فی مسیر" اس سفر سے غزوۂ تبوک کا سفر مراد ہے ساتھ والی روایت میں تصریح ہے کہ یہ غزوہ ۹ ھ میں ہوا،تیس ہزار کا لشکر تھا دور دراز سفر تھا اس لئے آنحضرت نے اہتمام کے ساتھ تیار ہو کر نکلنے کا حکم دیا اور جہت سفر کا واضح طور پر اعلان کرایا پھر بھی راستے میں بھوک و پیاس نے ستانا شروع کر دیا کیونکہ تیس ہزار آدمیوں اور دس ہزار گھوڑوں کی خوراک کا انتظام کوئی معمولی کام نہیں تھا۔

"ازوادالقوم" راستے کا خرچہ مراد ہے"نفدت" کا معنی ہے کہ خرچ ختم ہو گیا"حمائلھم" یہ جمع ہے اس کا مفرد "حمولۃ" سواری مراد ہے بعض نسخوں میں"جمائلھم" جیم کے ساتھ ہے جس کا مفرد جمل ہے یعنی اونٹ"فقال عمر

حضرت عمر کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! ہم صحراء میں ہیں طویل راستہ ہے اگر اونٹوں کو اسی طرح ذبح کر کے کھالیا تو پھر سواری کے بغیر لوگ گرمی سے مر جائیں گے لہذا مجاہدین کے پاس جو کچھ خوارک ہے آپ اس کو منگوالیں اور دسترخوان پر رکھ کر برکت کی دعا کرائیں چنانچہ آنحضرت نے اس رائے کو پسند کیا اور اس پر عمل شروع ہو گیا اس سے معلوم ہوا کہ مفضول شخص اپنی رائے فاضل پر پیش کر سکتا ہے "فجاء ذو البر ببرہ" یعنی صاحب گندم نے گندم پیش کیا "النواۃ" کھجور کی گٹھلی کو نواۃ کہتے ہیں۔ "یصنعون بالنواۃ" یعنی کھجور کی گٹھلیوں کے ساتھ صحابہ کا کیا کام تھا۔ "یمصونہ" مطلب یہ کہ بھوک سے جب کمر ٹوٹ جاتی تو ہم ان گٹھلیوں کو منہ میں رکھ کر چوس لیا کرتے تھے "فدعا علیہا" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مختلف جمع شدہ اموال پر برکت کی دعا فرمائی تو برکت آ گئی "حتی ملأ القوم" یعنی پورے لشکر نے اپنے تمام برتنوں کو بھر دیا چونکہ یہاں معجزہ کا ظہور ہوا اس لئے یہ موقع اثبات توحید اور اثبات رسالت کے لئے اچھا موقع تھا تو آپ نے اس کا اظہار فرمایا۔

۱۳۹۔ حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ عُثْمَانَ وَأَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ جَمِيعًا عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ قَالَ أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَوْ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ شَكَّ الْأَعْمَشُ قَالَ لَمَّا كَانَ غَزْوَةُ تَبُوكَ أَصَابَ النَّاسَ مَجَاعَةٌ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ! لَوْ أَذِنْتَ لَنَا فَنَحَرْنَا نَوَاضِحَنَا فَأَكَلْنَا وَادَّهَنَّا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ افْعَلُوا قَالَ فَجَاءَ عُمَرُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ فَعَلْتَ قَلَّ الظَّهْرُ وَلَكِنِ ادْعُهُمْ بِفَضْلِ أَزْوَادِهِمْ ثُمَّ ادْعُ اللَّهَ لَهُمْ عَلَيْهَا بِالْبَرَكَةِ لَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَ فِي ذَلِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ قَالَ فَدَعَا بِنِطَعٍ فَبَسَطَهُ ثُمَّ دَعَا بِفَضْلِ أَزْوَادِهِمْ قَالَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيءُ بِكَفِّ ذُرَةٍ قَالَ وَيَجِيءُ الْآخَرُ بِكَفِّ تَمْرٍ قَالَ وَيَجِيءُ الْآخَرُ بِكِسْرَةٍ حَتَّى اجْتَمَعَ عَلَى النِّطَعِ مِنْ ذَلِكَ شَيْءٌ يَسِيرٌ قَالَ فَدَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ قَالَ خُذُوا فِي أَوْعِيَتِكُمْ قَالَ فَأَخَذُوا فِي أَوْعِيَتِهِمْ حَتَّى مَا تَرَكُوا فِي الْعَسْكَرِ وِعَاءً إِلَّا مَلَئُوهُ قَالَ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا وَفَضَلَتْ فَضْلَةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ لَا يَلْقَى اللَّهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرَ شَاكٍّ فَيُحْجَبَ عَنِ الْجَنَّةِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب غزوہ تبوک کا زمانہ تھا تو لوگوں کو بھوک نے آگھیرا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: یا رسول اللہ! کاش آپ ہمیں اجازت دے دیں کہ ہم اپنے اونٹوں کو نحر کریں اور ان کا گوشت کھائیں اور تیل حاصل کریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا! ایسا کرلو۔ راوی کہتے ہیں کہ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور کہا یا رسول اللہ! اگر آپ نے ایسا کرلیا تو سواریاں کم ہو جائیں گی آپ ان کے بچے ہوئے زادِ راہ کو منگوائیں پھر ان پر اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا فرمائیں شاید اللہ تعالی

اس میں کوئی سبیل پیدا کردیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا ٹھیک ہے۔ پھر آپ نے دسترخوان منگایا سے بچھایا اور پھر بچے ہوئے زاد راہ کو منگوایا۔ راوی کہتے ہیں کہ کوئی شخص مٹھی بھر جو لایا تو کوئی مٹھی بھر کھجور لایا اور کوئی روٹی کا ٹکڑا لایا۔ یہاں تک کہ دسترخوان پر ان چیزوں کا تھوڑا سا ڈھیر بن گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا فرمائی اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: اس میں سے اپنے اپنے برتنوں میں ڈال لو۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے برتنوں میں لینا شروع کردیا یہاں تک کہ پورے لشکر میں کوئی برتن نہ چھوڑا جسے بھر نہ لیا ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ سب نے سیر ہو کر کھایا اور پھر بھی بچ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک میں اللہ کا رسول ہوں جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس بارے میں کوئی شک وشبہ نہ رکھتا ہو وہ جنت سے محروم نہیں کیا جائیگا۔

## تشریح

''مجاعۃ'' سخت بھوک کو کہتے ہیں''لو اذنت لنا'' یہاں تمنا کے لئے ہے علماء کہتے ہیں کہ اگر امیر الحرب اونٹوں کا ذبح کرنا مناسب سمجھے تو سفر میں اونٹوں کو ذبح کیا جا سکتا ہے لیکن اجازت کے بغیر اصولی طور پر سفر میں اونٹوں کو ذبح کرنا منع ہے کیونکہ پیدل چلنے سے مجاہدین مرجائیں گے''نواضحنا'' یہ ناضحۃ کی جمع ہے نواضح وہ اونٹ ہوتے ہیں جن کے ذریعہ سے پانی کا مشکیزہ بھر کر لایا جاتا ہے اور کھیتوں اور انسانوں کو پلایا جاتا ہے''وادّھنّا'' مطلب یہ کہ ہم چربی پگھلا کر اس سے تیل حاصل کردیں گے کھائیں گے اور بدن پر ملیں گے۔''بنطع'' نون کا فتح بھی ہے اور کسرہ بھی ہے طا ساکن ہے مشہور لغت نون کا کسرہ اور طا کا فتح ہے۔''بکف ذرۃ'' یعنی مٹھی بھر جوار لایا گیا ذرۃ مکئی کو بھی کہتے ہیں''بکسرۃ'' روٹی کے پرانے ٹکڑے کو کسرۃ کہتے ہیں''غیر شاك'' یہ یقین کی طرف اشارہ ہے کہ دل میں عقد جازم ہو شک نہ ہو اسی کو اس سے پہلے حدیث میں''وھو یعلم'' کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے''فیحجب'' یہ حجاب سے ہے یعنی توحید کے حامل شخص کو دخول جنت سے روکا نہیں جا سکتا ہے۔

۱۴۰۔**حَدَّثَنَا** دَاوٗدُ بْنُ رُشَیْدٍ حَدَّثَنَا الْوَلِیْدُ یَعْنِی ابْنَ مُسْلِمٍ عَنِ ابْنِ جَابِرٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ عُمَیْرُ بْنُ هَانِیءٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ جُنَادَةُ بْنُ اَبِیْ اُمَیَّةَ حَدَّثَنَا عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَنَّ عِیْسٰی عَبْدُ اللّٰهِ وَابْنُ اَمَتِهٖ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ وَاَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَاَنَّ النَّارَ حَقٌّ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ مِنْ اَیِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ الثَّمَانِیَةِ شَاءَ۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے لاالہ الا اللہ وحدہ لا شریك له وان محمدا عبده ورسوله، کہا اور اس بات کا قائل رہا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کی بندی کے بیٹے ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جسے اللہ نے حضرت مریم علیہا السلام کو القاء کردیا تھا اور وہ روح اللہ

ہیں اور جنت و دوزخ کے حق ہونے کا قائل رہا۔ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس دروازے سے چاہے۔

## تشریح

"وان محمدا عبده ای عبده الاجل ورسول الاکمل وان عیسی عبدالله ورسوله"۔

یہاں یہ شبہ اور اشکال ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر کرنے اور آپ کی تخصیص کی کیا ضرورت تھی جبکہ سب انبیاء کرام عبدیت اور رسالت میں شریک ہیں اور اہل ایمان سب کے متعلق یہی عقیدہ رکھتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خیالات رکھنے والی دو قومیں جزیرہ عرب میں آباد تھیں، ایک یہود تھے دوسرے نصاریٰ تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دونوں قومیں اپنے خیالات میں افراط اور تفریط میں مبتلا تھیں۔ ایک طرف یہود نے نہ صرف یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا بلکہ یہود نامسعود نے آپ علیہ السلام پر بیہودہ الزامات لگائے اور آپ کی والدہ صدیقہ پر بہتان باندھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت اور انجیل کو جھٹلایا۔ دوسری طرف نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنایا ان کو تین خداؤں میں ایک خدا بنایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کو شریک کار قرار دیا اس لئے ان کے غلط عقائد اور افراط اور تفریط کو اعتدال پر لانے کے لئے آنحضرت خصوصیت سے حضرت عیسیٰ کے مقام کو واضح کر دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام انبیاء کرام کے مصدق بن کر آئے تھے سب کی حیثیت بتانے والے بن کر آئے تھے اور یہ شریعت اور یہ امت چونکہ وسط اور معتدل امت تھی اس لئے افراط وتفریط سے پاک ایک پاکیزہ نظریہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق جزیرہ عرب کے یہود و نصاریٰ کے سامنے رکھا۔

انہی خصوصی احوال اور خاص ضرورت کے تحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر خصوصیت کے ساتھ آیا تا کہ ان سے متعلق صحیح صورت حال سے عوام وخواص کو آگاہ کیا جائے اور دونوں جانب کی افراط وتفریط کو باطل کیا جائے تا کہ یہ لوگ دخول جنت کے مستحق حال سے عوام وخواص کا آگاہ کیا جائے اور دونوں جانب کی افراط وتفریط کو باطل کیا جائے تا کہ یہ لوگ دخول جنت کے مستحق بن جائیں، چنانچہ "عبداللہ" کے الفاظ سے نصاریٰ پر رد ہو گیا کہ وہ اللہ کے بندے تھے نہ کہ اللہ کے ساتھ شریک تھے نہ اس کے بیٹے تھے "ورسوله" سے یہود پر رد کیا جو ان کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔

"وابن امته" اس سے بھی دونوں فرق پر رد بلیغ کیا کیونکہ نصاریٰ کہتے ہیں کہ وہ ابن اللہ تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن اللہ نہیں "ابن امة الله" تھے اور یہود پر یہ رد ہو گیا کہ حضرت مریم اللہ کی خاص بندی ولیہ تھیں "امته" کی اضافت تشریفیہ سے اس طرف اشارہ ہو گیا پھر "امته" کی اضافت سے نصاریٰ پر رد کیا جو کہتے ہیں کہ مریم اللہ تعالیٰ کی بیوی ہے فرمایا بیوی نہیں، خاص بندی تھی۔

''امتہ'' کی اضافت تشریفیہ سے یہود پر اس طرح رد کیا کہ مریم اللہ تعالیٰ کی مقبول اور برگزیدہ پاکیزہ بندی تھیں ان کی طرف زنا کی نسبت یہودیوں کی خباثت وخساست ہے، یہود پر یہ رد بھی کیا جو کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ العیاذ باللہ فلاں شخص کی ناجائز اولاد تھے فرمایا وہ حضرت مریم کے بیٹے تھے ان کا باپ نہیں تھا اگر باپ ہوتا تو ماں کی طرف کیوں منسوب ہوتے۔

''وکلمتہ'' یعنی کلمہ کن سے بلا باپ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا یا کلمہ سے مراد حجۃ اللہ ہے کہ وہ لوگوں پر اللہ کی طرف سے حجت ودلیل تھے کہ اللہ نے ان کو بغیر باپ اپنی قدرت سے پیدا کیا یا اپنی والدہ کی برأت اور اپنی نبوت ورسالت پر بچپن میں دلیل بن کر کہا ﴿انی عبداللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا﴾ چنانچہ کلمۃ اللہ کہلائے۔

## حکایت نمبر ۱

حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ملفوظات میں اپنا ایک واقعہ بیان کیا کہ میرے ساتھ ایک عیسائی پادری کا مناظرہ قرار پایا موضوع ''ابنیۃ مسیح'' تھا جب مناظرہ کی تاریخ آ گئی تو حضرت شیخ الہند کو پتہ چلا وہ مناظرہ میں حاضر ہوئے اور خیال کیا کہ یہ پادری کہنہ مشق تجربہ کار ہے کہیں نوجوان اشرف علی کو شکست نہ دے اس لئے خود آئے اور مناظرے کے لئے خود پیش ہوئے، عیسائی پادری نے اپنے بیان میں کہا کہ دیکھو مسلمانو! تمہارا قرآن حضرت مسیح کو ''کلمۃ اللہ'' کہتا ہے تو اب تم بتاؤ مسیح کلمہ تھے یا نہ تھے، پادری کا خیال تھا کہ مسلمان کہیں گے کہ بے شک قرآن نے ان کو کلمہ کہا ہے وہ کلمہ تھے تو میں کہوں گا کہ بس ''کلمۃ اللہ'' اور ''ابن اللہ'' ایک ہی چیز ہے۔

حضرت شیخ الہند محمود حسن رحمۃ اللہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمہ تھے اور قرآن نے ان کو کلمہ کہا ہے لیکن کلمہ تین قسم پر ہے: اسم، فعل، حرف اب تم بتاؤ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان تین قسم میں سے کس قسم میں داخل تھے؟ اب پادری ہکا بکا رہ گیا اور حیران ہو کر ایسا بھاگا کہ مڑ کر پیچھے نہ دیکھا۔

''الی مریم'' مریم عابدہ کے معنی میں ہے، قرآن عظیم میں تیس بار اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ حضرت مریم کا نام ذکر کیا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ یہ اشارہ بھی دینا چاہتا ہے کہ مریم اللہ کی بیوی نہیں اگر ایسا ہوتا تو کوئی بھی شخص مجلسوں اور عوام الناس کے سامنے اپنی بیوی کا نام نہیں لیتا ہے پھر اس کے ساتھ ابن مریم کا کلمہ لگا کر بتا دیا کہ میرا نہیں مریم کا بیٹا ہے۔

''وروح ای ذوروح منہ اوھو روح منہ اوکان لہ معجزۃ یحیی بہ الاموات'' یا وہ نفخہ جبرائیل سے پیدا ہوئے اور جبرائیل کا نام ''روح الامین'' ہے اس لئے ان کو روح فرمایا بہر حال یہاں روح سے ''مابہ الحیوۃ'' حیوانی روح مراد نہیں ہے۔ نیز یہاں من تبعیض کے لئے نہیں جس سے جزیت ثابت ہو جائے بلکہ من ابتدائیہ ہے معنی یہ ہے ''وروح مخلوق من امر اللہ ای بامر اللہ''۔

# حکایت نمبر۲

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تشریح میں ایک بڑے نصرانی عالم کا واقعہ لکھا ہے کہ اس نے ایک قاری صاحب سے قرآن کریم کی آیت ﴿وکلمته القاها الی مریم وروح منه﴾ کو پڑھتے ہوئے سنا تو کہنے لگا کہ عیسائی بھی تو اس سے زائد کچھ نہیں کہتے بس یہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ سے ہیں، یعنی اللہ کا ایک جز ہے اور نبی ہیں اس عیسائی عالم نے "منه" میں "من" تبعیض کے لئے لیا اس پر دین اسلام کے عالم علی بن حسین بن واقد رحمہ اللہ نے اس کے سامنے قرآن کی یہ آیت پڑھی ﴿وسخر لکم مافی السموات ومافی الارض جمیعا منه﴾ (جاثیہ:۱۳) اور پھر فرمایا کہ اگر من تبعیض کے لئے ہے تو پھر زمین وآسمان میں جو کچھ ہے سب کو اللہ تعالیٰ کا جزء تسلیم کرو یہ سن کر وہ عیسائی مسلمان ہوگیا۔

"والجنة والنار حق" یعنی جنت ودوزخ کے جو احوال قرآن وحدیث میں مذکور ہیں وہ سب حق ہیں جنت کا وجود بھی ثابت ہے دوزخ کا وجود بھی ہے اور اس میں جزا وسزا کے سارے واقعات بھی حق ہیں اس سے ایسے فلاسفہ وزنادقہ اور ملحدین دھریوں پر رد مقصود ہے جو کہتے ہیں جنت شنت کچھ نہیں باغ شاغ ہے دوزخ شوزخ کچھ نہیں دھوکا شبکا ہے مرزا غالب الحاد کے انداز سے کہتا ہے۔

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن ۔۔۔ دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

"ادخله الله علی ماکان من العمل" یعنی خواہ وہ عمل اچھا ہو یا برا ہو یا قلیل ہو یا کثیر ہو جیسا بھی عمل ہو اس اچھے عقیدہ کے بعد وہ آدمی جنت میں جائے گا۔ اس حدیث کا مطلب بھی وہی ہے کہ "انتھاءً ومآلاً" یہ شخص دخول جنت کا مستحق ہے اس میں بھی معتزلہ اور خوارج پر واضح رد وتردید ہے جو مرتکب کبیرہ کو خارج از اسلام مانتے ہیں۔

۱۴۱۔ وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ حَدَّثَنَا مُبَشِّرُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنْ عُمَيْرِ بْنِ هَانِئٍ فِي هَذَا الْإِسْنَادِ بِمِثْلِهِ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ عَلَى مَا كَانَ مِنْ عَمَلٍ وَلَمْ يَذْكُرْ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ شَاءَ۔

اس سند سے ابن ہانی سے بھی یہی روایت منقول ہے اس میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ اس کے جو عمل بھی ہو خدا اسے جنت میں داخل فرمائے گا لیکن اس روایت میں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس دروازے سے چاہے گا اندر چلا جائے گا۔

۱۴۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيزٍ عَنِ الصُّنَابِحِيِّ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّهُ قَالَ دَخَلْتُ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَوْتِ فَبَكَيْتُ فَقَالَ مَهْلًا لِمَ تَبْكِي؟ فَوَاللَّهِ! لَئِنِ اسْتُشْهِدْتُ لَأَشْهَدَنَّ لَكَ وَلَئِنْ شُفِّعْتُ لَأَشْفَعَنَّ لَكَ وَلَئِنِ اسْتَطَعْتُ لَأَنْفَعَنَّكَ ثُمَّ قَالَ وَاللَّهِ مَا مِنْ حَدِيثٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكُمْ فِيهِ خَيْرٌ إِلَّا حَدَّثْتُكُمُوهُ إِلَّا حَدِيثًا وَاحِدًا وَسَوْفَ أُحَدِّثُكُمُوهُ

الیَوْمَ وَقَدْ أُحِیطَ بِنَفْسِی سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُولُ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ النَّارَ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عسیلہ الصنابحی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس مرض الموت کے وقت داخل ہوا میں رونے لگا۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ ٹھہرو! تم کیوں رو رہے ہو؟ خدا کی قسم! اگر مجھ سے گواہی مانگی جائے گی تو میں تمہارے لئے گواہ بن جاؤں گا اور اگر میری شفاعت و سفارش قبول کی جائے گی تو میں ضرور تمہاری سفارش کروں گا اور اگر میں استطاعت رکھوں گا تو تمہیں ضرور نفع پہنچاؤں گا۔ پھر فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیث بھی سنی ہے اور اس میں تمہارے واسطے خیر و بھلائی ہے تو وہ میں نے تم سے بیان کر دی ہے سوائے ایک حدیث کے اور وہ حدیث میں آج عنقریب تم سے بیان کروں گا جب کہ میں قریب الموت ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: جس نے لا الہ الا اللہ کی گواہی دی اور محمد رسول اللہ کی گواہی دی اللہ تعالیٰ نے اس پر آگ حرام کر دی۔

## تشریح

محمد بن یحییٰ ابن حبان: ح، پر زبر ہے ب پر شد ہے یہ تابعی ہیں۔ حضرت انسؓ کو دیکھا ہے "ابن محیریز" ان کا نام عبداللہ ہے یعنی عبداللہ بن محیریز ابن جنادہ القرشی یہ بیت المقدس میں رہتے تھے اوزاعی شام فرماتے تھے کہ لوگو! تم میں سے جو کوئی کسی کی اقتداء کرنا چاہتا ہے وہ ابن محیریز کی اقتداء کرلے اللہ اس قوم کو گمراہ نہیں کریگا ابن محیریز کی موت کے بعد رجاء بن حیوہ نے کہا قسم بخدا میں ابن محیریز کا وجود زمین والوں کے لئے امن کا ذریعہ سمجھتا تھا۔ "الصنابحی" انکی کنیت ابوعبداللہ ہے اور نام عبدالرحمٰن بن عسیلہ ہے صنابح صاد پر ضمہ ہے یہ قبیلہ مراد کی ایک شاخ ہے یہ جلیل القدر تابعی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لئے مدینہ منورہ روانہ ہوئے جب جحفہ پہنچے تو پانچ دن پہلے نبی اکرم صلی اللہ کا انتقال ہو گیا تھا اکابر صحابہ سے انہوں نے علم پڑھا۔ ایک نام صنابح بن الاعسر ہے وہ صحابی ہیں اشتباہ نہیں ہونا چاہئے۔ "انہ قال" یعنی صنابحی نے کہا کہ میں حضرت عبادہ بن صامتؓ پر داخل ہوا جبکہ وہ موت کی حالت نزع میں تھے۔ "احیط بنفسی" یعنی موت نے میرا احاطہ کیا ہوا ہے اب میں زندگی سے مایوس ہوں "حرم اللہ علیہ النار" اس میں فصاحت اور بلاغت کے ساتھ تاکید اور مبالغہ ہے کہ آدمی کے بجائے آگ کی طرف نسبت کی گئی ہے کہ آگ اس کے جسم پر حرام ہے حرام ہونے کا مطلب اور اس کی تفصیل آئندہ حضرت معاذؓ کی حدیث میں آ رہی ہے۔

۱۴۳۔ حَدَّثَنَا هَدَّابُ بْنُ خَالِدٍ الْأَزْدِیُّ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ بَیْنِی وَبَیْنَهُ إِلَّا مُؤْخِرَةُ الرَّحْلِ فَقَالَ یَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ! قُلْتُ لَبَّیْكَ

یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! وَسَعْدَیْكَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ یَامُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ ! قُلْتُ لَبَّیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! وَسَعْدَیْكَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ یَامُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ ! قُلْتُ لَبَّیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَیْكَ قَالَ هَلْ تَدْرِیْ مَاحَقُّ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَی الْعِبَادِ؟ قَالَ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَی الْعِبَادِ اَنْ یَعْبُدُوْهُ وَلَایُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ یَامُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ ! قُلْتُ لَبَّیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! وَسَعْدَیْكَ قَالَ هَلْ تَدْرِیْ مَاحَقُّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰهِ اِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ ؟ قَالَ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اَنْ لَایُعَذِّبَهُمْ ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سواری پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے درمیان سوائے پالان کی پچھلی لکڑی کے اور کچھ حائل نہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے کہا: لبیك یارسول اللہ وسعدیك! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر کچھ دیر چلتے رہے پھر فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں کہا: لبیك یارسول اللہ وسعدیك ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر کچھ دیر چلتے رہے پھر فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے کہا: لبیك یارسول اللہ وسعدیك! فرمایا کیا تم جانتے ہو بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا: بے شک بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ اس کی بندگی اور عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر چلے پھر فرمایا: کیا جانتے ہو اللہ تعالیٰ پر بندوں کا کیا حق ہے جب وہ اس کی بندگی اور عبادت کریں اور اس کے ساتھ شریک نہ کریں؟ میں نے کہا کہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا کہ وہ انہیں عذاب نہ دے۔

## تشریح

''الردف والردیف: التابع الذی یرکب خلف الراکب'' شہسوار کے پیچھے بیٹھنے والے کو ردیف کہتے ہیں، یہ لفظ گھوڑے گدھے وغیرہ کے لئے زیادہ استعمال ہوتا ہے، جس طرح اونٹ پر دو سواروں کو زیادہ تر زمیل کہتے ہیں، کبھی اونٹ سوار ساتھی کو بھی ردیف کہتے ہیں۔ ''علی حمار'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تواضع وانکساری کبھی کبھی گدھے پر سواری کی ہے جس سے گدھے کی قسمت جاگ اٹھی کہ اس کا پسینہ ناپاک نہ رہا اور جھوٹے میں بھی نجاست نہ رہی، ساتھ والی روایت میں اس گدھے کا نام عفیر مذکور ہے۔ یہاں ایک اہم بات سمجھنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ اس گدھے سے چھوٹے چھوٹے گدھے مراد نہیں جو ہمارے ہاں ہوتے ہیں جن پر سواری کرنا عموماً معیوب سمجھا جاتا ہے بلکہ یہاں گدھے سے عرب کا وہ بڑا گدھا مراد ہے جو قریباً خچر کے برابر ہوتا ہے، جس طرح بڑے سفید گدھے ہوتے ہیں ان پر سوار ہونا کوئی عیب کی بات نہیں تھی حضرت معاذؓ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ساتھ سوار ہونا بھی بتاتا ہے کہ یہ بڑا گدھا تھا۔ ''موخرۃ الرحل'' رحل کجاوہ کو کہتے ہیں، موخرۃ الرحل کجاوے کی اس لکڑی کو کہتے ہیں جس سے سوار آدمی تکیہ اور ٹیک لگاتا ہے یہ سوار کے پیچھے ہوتی ہے دو آدمیوں کے

بیچ میں آگے سوار کے لئے الگ اور آخری سوار کے لئے الگ لکڑی ہوتی ہے یا صرف آگے والے سوار کے لئے ہوتی ہے۔ "مؤخرۃ الرحل" کا اطلاق دونوں پر ہوسکتا ہے۔ لفظ مؤخرۃ الرحل چار طرح پڑھا جاتا ہے۔ (۱) باب افعال سے اسم فاعل کے وزن پر (۲) باب تفعیل سے بھی اسم فاعل کے وزن پر آتا ہے (۳) باب تفعیل سے اسم مفعول کے وزن پر بھی آتا ہے (۴) آخرۃ الرحل بھی آتا ہے اول اور آخری لغت فصیح تر ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس تعیین اور تمییز اور اس ہیئت وکیفیت بیان کرنے سے کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس وضاحت سے قرب بیان کرنا ہے اور پوری کیفیت بیان کرنے یہ بتانا ہوتا ہے کہ صحابی جو حدیث بیان کر رہا ہے اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اس نے نہایت تیقظ اور ہوشیاری وبیداری سے یہ حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہے ۔حدیث کے الفاظ تو کیا اس کی کیفیات وھیئات تک اس کے دل ودماغ میں محفوظ ہیں۔

## حق العبد علی اللہ کی بحث

"یامعاذ ھل تدری ما حق اللہ" بندوں پر اللہ تعالیٰ کے حق کے بارے میں تو کوئی کلام اور کوئی شبہ نہیں ہاں دوسرے جملہ میں کلام ہے جہاں "حق العباد علی اللہ" کے الفاظ آئے ہیں پس اتنی بات سمجھ لینا چاہیئے کہ حق باطل کے مقابلے میں بھی آتا ہے حق ثابت اور واجب کے معنی میں بھی ہے لازم کے معنی میں بھی ہے اور لائق اور جدیر کے معنی میں بھی آتا ہے اب معتزلہ نے حق العبد علی اللہ میں حق بمعنی واجب اور لازم لیا ہے تو ان کے نزدیک بندوں کا حق بطور عدل اللہ تعالیٰ پر واجب اور لازم ہوتا ہے ہدایہ میں جو یہ لکھا ہے کہ بحق فلاں کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ کسی بندے کا وجوبی حق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہیں ہے تو وہاں یہی معتزلہ والا حق مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذمہ وہ لوگ لازم اور واجب قرار دیتے ہیں اس کی نفی ہدایہ نے کی ہے۔ بہر حال مذکورہ حدیث ظاہری طور پر معتزلہ کی دلیل ہے اہل السنۃ والجماعۃ حدیث کی کئی توجیہات کرتے ہیں۔

۱۔ اول توجیہ یہ ہے کہ حق کے کئی معنی ہیں پس "حق اللہ علی العباد" میں واجب اور لازم کا معنی اور "حق العباد علی اللہ" میں لائق اور جدیر کا معنی لیا جائیگا۔

۲۔ خطابی نے کہا ہے کہ یہاں "حق العبد علی اللہ" صرف پہلے جملہ کے مقابلہ میں مشاکلۃ ہے، یہی رائے شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کی بھی ہے۔

۳۔ یہ حق، اللہ تعالیٰ نے رحمۃ شفقۃ احسانا واکراما اپنے اوپر خود لیا ہے گویا خود ایک عہد اپنے اوپر لیا ہے تو پہلے جملہ میں حق وجوبی لزومی ہے اور دوسرے جملہ میں حق "تفضلی" احسانی لیا جائے گا۔

"ان یعبدوہ" اس میں عبادات اور توحید دونوں کا ذکر آ گیا اور بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا حق مکمل عبادات اور کامل وخالص توحید

کے بغیر ادا نہیں ہوسکتا ہے۔

"ان لایشرکوابه فی الافعال والاعمال والاقوال والاحکام" اس میں رسالت بھی آگئی اور تمام اعمال بھی آگئے تو اللہ تعالیٰ کے حسن سلوک اور وعدہ کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے بعد وہ اس موحد کو عذاب نہ دے کیونکہ اگر توحید کے ساتھ اعمال صالحہ کی پابندی کی ہے تو عدم دخول نار کا وعدہ ہے اور اگر اعمال صالحہ میں کوتاہی ہوئی ہے تو "عدم خلود فی النار" کا وعدہ ہے کہ دائماً عذاب نہ دے گا۔

## عبادت کی تعریف

عام مفسرین نے عبادت کا مفہوم "غایة الخشوع والخضوع" بیان کیا ہے، یعنی انتہائی تذلیل اور انتہائی تعظیم کا نام عبادت ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب "مدراج السالکین" میں عبادت کی تعریف اس طرح کی ہے۔

"العبادة عبارة عن الاعتقاد والشعور بان للمعبود سلطة غيبية (ای فی علم والتصرف) فوق الاسباب یقدربها علی النفع والضرر فکل دعاء ونداء وثناء وتعظیم ینشاء من هذا الاعتقاد فهی عبادة۔ (مدراج السالکین ج۱ص۴۰)

ترجمہ: عبادت اس شعور اور عقیدے کا نام ہے کہ معبود برحق کو علم تصرف میں مخلوق پر مافوق الاسباب طریقے پر ایک غیبی قدرت اور تسلط حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ نفع اور ضرر پر قادر ہے پس ہر دعا اور پکار اور ہر تعظیم وثناء جو اس اعتقاد سے پیدا ہوتی ہے۔ وہی عبادت ہے۔

بہرحال اوپر حدیث میں توحید کا جو مفہوم ہے یہاں عبادت کا مفہوم بھی اسی طرح ہے میر سید سند شریف نے التعریفات میں ص۱۰۵ میں عبادت کی مختصر تعریف اس طرح کی ہے "العبادة هو فعل المكلف على خلاف هوى نفسه تعظيما لربه" یعنی اپنے رب کی تعظیم میں اپنی خواہشات کے خلاف ایک مکلف آدمی جو کام کرتا ہے اس کا نام عبادت ہے۔

## شرک کی تعریف

شرک اور اشراک کا لغوی معنی شریک کرنا ہے اور اصطلاح میں شرک اس کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات میں کسی اور کو شریک ٹھہرانا، مشرکین مکہ اور بت پرست اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہراتے تھے اور لوگ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات کو غیروں میں مانتے تھے جیسے غیر اللہ کو غائبانہ حاجات میں پکارنا یا غیر اللہ کے سامنے سجدہ لگانا یا اس کو غیب دان سمجھنا یا عبادت میں اس کے لئے حصہ مقرر کرنا، اس حدیث میں توحید اور عبادت کا جو مفہوم اوپر لکھا گیا ہے شرک اور شریک کا مفہوم بالکل اس کا عکس ہے شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے شرک کی چار اقسام بتائے ہیں۔

۱۔ **شرک فی العلم:** اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت "علم غیب" کسی اور کے لئے ثابت کیا جائے۔

۲۔ **شرک فی التصرف:** اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو تدبیر عالم میں تصرف کرنے کا اختیار دیا جائے۔

۳۔ **شرک فی الدعا**: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو غائبانہ حاجات میں پکارا جائے۔

۴۔ **شرک فی الفعل**: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر نذر و نیاز دیا جائے اور غیر اللہ کے لئے عبادات شرعیہ میں سے کوئی عبادت مختص کر کے تحریم و تحلیل کا درجہ ان کو دیا جائے اوپر حدیث میں شرک کے عنوان کی یہی مختصر تحقیق ہے پوری تفصیل حجۃ اللہ البالغہ اور تقویۃ الایمان میں ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے صاحبزادے شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے سورت بقرہ کی آیت ۲۲۱ ﴿ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن﴾ کے فوائد اور تفسیر میں شرک کی تعریف اس طرح کی ہے۔

پہلے مسلمان اور کافر میں نسبت ناتا جاری تھا اس آیت سے حرام ٹھہرا اگر مرد نے یا عورت نے شرک کیا اس کا نکاح ٹوٹ گیا شرک یہ کہ اللہ کی صفت کسی اور میں جانے مثلاً کسی کو سمجھے کہ اس کو ہر بات معلوم ہے یا وہ جو چاہتا ہے سو کر سکتا ہے یا ہمارا بھلا یا برا کرنا اس کے اختیار میں ہے اور یہ کہ اللہ کی تعظیم کسی اور پر خرچ کرے مثلاً کسی چیز کو سجدہ کرے اور اس سے حاجت طلب کرے اس کو مختار جان کر۔ (موضح القرآن شاہ عبدالقادر، سورت بقرہ: ۲۲۱)

اس حدیث میں ''لبیك'' کا لفظ آیا ہے لبیک کا معنی یہ ہے کہ میں بار بار آپ کی بات سننے کے لئے تیار ہوں ''وسعدیك'' یعنی میں بار بار خدمت و اطاعت کے لئے موجود ہوں دونوں لفظوں کا اس حدیث میں تین بار تکرار آئی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام شان کی غرض سے اور توجہ دلانے کے مقصد سے تین بار یہ کلمات دہرائے ہیں تاکہ آئندہ آنے والے کلام کو نہایت غور سے سن لیا جائے اور اس کی طرف توجہ تام ہو اور کلام کا اہتمام ہو۔

''صدقامن قلبه'' یہ جملہ اس حدیث میں نہیں ہے مگر مسلم کے دیگر طرق میں ہے اس سے پہلے روایت نمبر ۱۳۰ میں ''غیر شاك'' اور اس کے بعد روایت نمبر ۱۴۷ میں مستیقنا کے الفاظ آئے ہیں سب کا مطلب ایک ہی ہے اب سوال یہ ہے کہ ان قیودات کے لگانے کا مقصد کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ان قیودات کا مقصد یہ ہے کہ منافق لوگ حدیث کی اس بشارت سے خارج ہو جائیں کیونکہ منافقین کلمہ شہادت میں نہ صادق ہیں نہ ان کو یقین ہے اور نہ استقامت و استدامت ہے۔

۱٤٤۔ **حَدَّثَنَا** أَبُوبَكْرِبْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُوالأَحْوَصِ سَلَّامُ بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَمْرِوبْنِ مَيْمُوْنٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى حِمَارٍ يُقَالُ لَهُ عُفَيْرٌ قَالَ فَقَالَ يَامُعَاذُ! أَتَدْرِيْ مَاحَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ وَمَاحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ؟ قَالَ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَايُشْرِكُوابِهِ شَيْئًا وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ أَنْ لَايُعَذِّبَ مَنْ لَايُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَفَلَا أُبَشِّرُ النَّاسَ؟ قَالَ لَاتُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوْا۔

حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک گدھے پر جس کا نام ''عفیر'' تھا بیٹھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی بندگی کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ جو اس کے ساتھ شرک نہ کرے اسے عذاب نہ دے۔ میں نے کہا یارسول اللہ! میں لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سناؤں؟ فرمایا کہ انہیں یہ خوشخبری مت سناؤ وہ اسی پر اکتفا نہ کر بیٹھیں۔

۱۴۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَ ابْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي حَصِينٍ وَالْأَشْعَثَ بْنِ سُلَيْمٍ أَنَّهُمَا سَمِعَا الْأَسْوَدَ بْنَ هِلَالٍ يُحَدِّثُ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُعَاذُ! أَتَدْرِي مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ؟ قَالَ اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ أَنْ يُعْبَدَ اللّٰهُ وَلَا يُشْرَكَ بِهِ شَيْئًا قَالَ أَتَدْرِي مَا حَقُّهُمْ عَلَيْهِ إِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ؟ فَقَالَ اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ۔

حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! کیا تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا جائے۔ فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے جب وہ ایسے ادا کریں؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ کہ ان کو عذاب نہ دے۔

۱۴۶۔ حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ هِلَالٍ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاذًا يَقُولُ دَعَانِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَجَبْتُهُ فَقَالَ هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَى النَّاسِ نَحْوَ حَدِيثِهِمْ۔

اس سند سے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا میں نے جواب دیا فرمایا: کہ تم کو معلوم ہے کہ خدائے تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ باقی حدیث وہی ہے جو ابھی مذکور ہوئی۔

۱۴۷۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ يُونُسَ الْحَنَفِيُّ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا قُعُودًا حَوْلَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَنَا أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ فِي نَفَرٍ فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِنَا فَأَبْطَأَ عَلَيْنَا وَخَشِينَا أَنْ يُقْتَطَعَ دُونَنَا وَفَزِعْنَا وَقُمْنَا فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَخَرَجْتُ أَبْتَغِي رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى أَتَيْتُ حَائِطًا لِلْأَنْصَارِ لِبَنِي النَّجَّارِ فَدُرْتُ بِهِ هَلْ أَجِدُ لَهُ بَابًا

فَلَمْ أَجِدْ فَإِذَا رَبِيعٌ يَدْخُلُ فِي جَوْفِ حَائِطٍ مِنْ بِئْرٍ خَارِجَةٍ وَالرَّبِيعُ الْجَدْوَلُ فَاحْتَفَزْتُ كَمَا يَحْتَفِزُ الثَّعْلَبُ فَدَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ ؟ فَقُلْتُ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا شَأْنُكَ ؟ قُلْتُ كُنْتَ بَيْنَ أَظْهُرِنَا فَقُمْتَ فَأَبْطَأْتَ عَلَيْنَا فَخَشِينَا أَنْ تُقْتَطَعَ دُونَنَا فَفَزِعْنَا فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَأَتَيْتُ هَذَا الْحَائِطَ فَاحْتَفَزْتُ كَمَا يَحْتَفِزُ الثَّعْلَبُ وَهَؤُلَاءِ النَّاسُ وَرَائِي فَقَالَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ وَأَعْطَانِي نَعْلَيْهِ قَالَ اذْهَبْ بِنَعْلَيَّ هَاتَيْنِ فَمَنْ لَقِيتَ مِنْ وَرَاءِ هَذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَكَانَ أَوَّلَ مَنْ لَقِيتُ عُمَرُ فَقَالَ مَا هَاتَانِ النَّعْلَانِ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ ؟ فَقُلْتُ هَاتَانِ نَعْلَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَنِي بِهِمَا مَنْ لَقِيتُ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ بَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ فَضَرَبَ عُمَرُ بِيَدِهِ بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَخَرَرْتُ لِاسْتِي فَقَالَ ارْجِعْ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ ! فَرَجَعْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَجْهَشْتُ بُكَاءً وَرَكِبَنِي عُمَرُ فَإِذَا هُوَ عَلَى أَثَرِي فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَكَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ ؟ قُلْتُ لَقِيتُ عُمَرَ فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي بَعَثْتَنِي بِهِ فَضَرَبَ بَيْنَ ثَدْيَيَّ ضَرْبَةً خَرَرْتُ لِاسْتِي قَالَ ارْجِعْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عُمَرُ مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا فَعَلْتَ ؟ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ! بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي أَبَعَثْتَ أَبَا هُرَيْرَةَ بِنَعْلَيْكَ مَنْ لَقِيَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ بَشَّرَهُ بِالْجَنَّةِ ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ فَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يَتَّكِلَ النَّاسُ عَلَيْهَا فَخَلِّهِمْ يَعْمَلُونَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَلِّهِمْ ۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے ہوئے تھے، ہمارے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی لوگوں میں بیٹھے تھے۔ اسی اثناء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان سے اٹھے (اور تشریف لے گئے) اور ہمارے پاس واپس آنے میں بہت دیر کردی تو ہمیں خوف دامن گیر ہوا کہ کہیں دشمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا پا کر نقصان نہ پہنچا دیں چنانچہ لوگ گھبراہٹ میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں سب سے پہلے گھبرایا تھا لہٰذا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا یہاں تک کہ میں بنو نجار کے انصار کے ایک باغ تک جا پہنچا اور اس کے چاروں اطراف گھوما کہ کہیں دروازہ مل جائے لیکن دروازہ نہ ملا۔ اچانک دیکھا کہ ایک پانی کی نالی باغ کے باہر کے ایک کنویں سے باغ کے اندر تک جارہی ہے پس میں سمٹ کر اس نالی کے راستہ سے باغ میں داخل ہوگیا جیسا کہ لومڑی سمٹتی ہے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوہریرہ؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! یا رسول اللہ! فرمایا: کیا معاملہ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ اچانک آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور واپس ہمارے پاس آنے میں بہت دیر کردی تو ہمیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ آپ کو ہمارے بغیر دشمن نقصان نہ پہنچا دے لہٰذا ہم گھبرا گئے سب سے پہلے

مجھے گھبراہٹ ہوئی تو میں اس باغ تک پہنچا اور پھر نالی کی راہ سے لومڑی کی طرح سمٹ کر اندر گھس گیا اور میرے پیچھے یہ سب لوگ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوہریرہ! اور اپنے دونوں جوتے مبارک عطا فرمائے اور کہا کہ میرے ان دونوں جوتوں کو لے جاؤ اور اس باغ سے باہر جس ایسے شخص سے ملو جو لا الہ الا اللہ کی گواہی کامل یقین کے ساتھ دیتا ہو اسے جنت کی بشارت دے دو۔ تو سب سے پہلے میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ملا۔ انہوں نے کہا: اے ابوہریرہ! یہ جوتے کیسے؟ میں نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارکین ہیں مجھے یہ جوتے دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے کہ میں جس ایسے شخص سے ملوں جو لا الہ الا اللہ کی گواہی اطمینان قلب کے ساتھ دیتا ہو میں اسے جنت کی بشارت دے دوں۔ یہ سن کر حضرت عمر نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر اتنی زور سے مارا کہ میں کولہوں کے بل گر پڑا اور مجھ سے کہا ابوہریرہ! واپس لوٹو۔ میں واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور فریاد کر کے رونے ہی والا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی میرے پیچھے آ پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوہریرہ! تمہیں کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ میں حضرت عمر سے ملا تو انہیں وہ بات جتائی جسے بتانے کے لئے آپ نے مجھے بھیجا تھا۔ انہوں نے میرے سینے پر اتنی زور سے مارا کہ میں کولہوں کے بل گر پڑا اور کہا کہ واپس لوٹ جاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! تمہارے اس فعل کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں کیا آپ نے ابوہریرہ کو اپنے نعلین مبارک دے کر بھیجا تھا کہ جس ایسے شخص سے ملو جو لا الہ الا اللہ کی گواہی دل کی یقین کے ساتھ دیتا ہو اسے جنت کی بشارت دے دو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ایسا مت کیجئے، کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ لوگ اسی پر تکیہ کر لیں گے لہٰذا آپ انہیں اعمال میں لگے رہنے دیجئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا انہیں عمل پر لگے رہنے دو۔

## تشریح

''کنا قعودا'' ای قاعدین فی نفر، تین سے دس تک کی جماعت پر نفر کا اطلاق ہوتا ہے پھر مطلقاً قوم اور جماعت پر اس کا اطلاق ہوا ہے۔ ''بین اظهرنا'' اس کلمہ میں یا تو لفظ بین ''مقحم'' یعنی زائد ہے ای من اظهرنا، اور یا لفظ اظهرنا زائد ہے تاکید کے لئے ذکر کیا گیا ہے ''ای من بیننا'' ''اظهر'' ظهر کی جمع ہے پشت کو کہتے ہیں لوگ جب بیٹھتے ہیں تو پیٹھوں کے درمیان ہوتے ہیں یعنی آپ ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے ''فابطاء'' ابطاء سے ہے دیر کرنے کے معنی میں ہے یعنی آپ دیر تک واپس نہیں آئے تو ہم گھبرا گئے۔ ''خشینا ان یقتطع دوننا'' خشیت خوف مع التعظیم کو کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ''خشیت اللہ'' کہہ سکتے ہیں اور ''هبت اللہ'' نہیں کہہ سکتے ہیں ''یقتطع'' ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے معنی میں ہے، ''دوننا'' کا لفظ یہاں

متجاوزاً اور بعیداً کے معنی میں ہے "دون" کا لفظ ورے ورے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور "ادون" کم تر کے لئے بھی بولا جاتا ہے "ای خشینا ان یصاب بمکروہ من عدو او غیرہ متجاوزاً عنا و بعیداً منا" "وفزعنا" سوال یہ ہے کہ خشینا پہلے آیا ہے اس کے بعد "فزعنا" کی کیا ضرورت تھی جب کہ دونوں کا مفہوم ایک ہے تو علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ دو مترادفین کا ایک دوسرے پر عطف ہے اور اس سے گھبراہٹ کا تسلسل بتانا مقصود ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خشیت اور فزع میں فرق ہے خشیت تو دل کا خوف ہے جس کا اثر ابھی ظاہری جسم پر ظاہر نہ ہوا ہو لیکن فزع اس اضطراب کا نام ہے جس میں آدمی اس طرح بے چین ہو کر جسم کے ظاہر پر اس کا اثر ظاہر ہو جائے جیسے یہاں بے چین ہو کر اٹھ کھڑا ہونا اور تلاش میں پھیلنا ظاہر ہوا، ملا علی قاری رحمہ اللہ کا قول زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں تاکید کے بجائے تاسیس ہے اور تاسیس تاکید سے بہتر ہے۔ "حائطا" جس باغ کے ارد گرد چار دیواری ہوتی ہے اسے حائط کہتے ہیں گویا "محاط بالجدران" ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو غالب گمان ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادھر ہوں گے۔ اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ ابو ہریرہؓ کی محبت نے محبوب کی خوشبو سونگھ لی تو وہاں گئے۔ "فدرت به" "دار، یدور، ارد گرد گھومنے کے معنی میں ہے۔ "هل اجد بابا ای قائلاً فی نفسی هل اجد الخ" "فلم اجد" حضرت ابو ہریرہؓ کو انتہائی بے چینی اور اضطراب کی وجہ سے دروازے کا علم ہی نہ ہو سکا ورنہ دروازہ تو ہو گا یا "فلم اجد" یعنی کھلا دروازہ نہ مل سکا جو تھے وہ سب بند تھے۔ "فاذا ربیع" "ربیع نہر صغیر یعنی چھوٹا سا نالہ۔ پانی کا جو باہر کے کنوئیں سے دیوار کے جوف میں ہوتا ہوا اندر کو جارہا تھا اسی راستہ سے میں اندر داخل ہوا ربیع کی تفسیر کسی راوی نے جدول سے کی ہے دونوں ایک ہی چیز ہے۔ "من بئر خارجة" یہ جملہ تین طرح پڑھا جاتا ہے اول احتمال یہ کہ بئر موصوف اور خارجۃ صفت ہے یعنی یہ نالہ ایک ایسے کنوئیں سے اندر کو آرہا تھا کہ وہ کنواں باہر تھا یہ توجیہ سب سے اچھی اور سب سے زیادہ مناسب اور واضح ہے۔ دوسرا احتمال یہ کہ بئر مضاف ہو اور خارجہ مضاف الیہ ہو اور خارجہ آدمی کا نام ہو یعنی خارجہ صاحب کے کنوئیں سے یہ نالہ آرہا تھا۔ تیسرا احتمال یہ کہ بئر تنوین کے ساتھ ہو اور خارجہ مرفوع ہو اور "ہ" ضمیر جدار کی طرف لوٹتی ہو یعنی "من بئر خارجه" یعنی ایک کنواں جو دیوار سے باہر تھا بہر حال اول احتمال مشہور ہے۔

"فاحتفزت" "احتفاز اعضاء کے سکیڑنے کو کہتے ہیں" وهو ضم الاعضاء "اشعۃ اللمعات شیخ عبد الحق نے فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔　　ع　　پس گرد آوردم دست و پائے خود را

لومڑی جب جسم کو سکیڑ کر تنگ جگہ میں داخل ہوتی ہے اس کو احتفاز کہتے ہیں یعنی میں سکڑ گیا اور داخل ہو گیا۔ "فقال ابو هريرة" بطور تعجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استفہام کے ساتھ پوچھا "انت ابو هريرة" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال یا تو اس لئے کیا کہ آپ اس بشارت اور وحی کی وجہ سے بشریت سے غائب استغراقی کیفیت میں تھے تو استفہام حقیقت پر مبنی ہے کہ پہچانا نہیں یا استفہام تقریری ہے یعنی ابو ہریرہ ہی ہو نا؟ اچھا ابو ہریرہ ہو؟ یا استفہام تعجب کے لئے ہے کہ سب راستے بند ہیں تم

کیسے آگئے تعجب ہے تم ابوہریرہ ہو؟۔ ''وھؤلاء الناس ورائی ''یہ اقتباس ہے قرآن کریم کی آیت ''قال ھؤلاء علی اثری وعجلت الیک رب لترضی ''۔ ''واعطانی نعلیہ'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ کی خبر اگرچہ مفید یقین تھی مگر اس خبر کو مزید یقینی بنانے کے لئے بطور نشانی نعلین مبارکین دیئے تاکہ ہر سننے والے کو بلا تردد اس بشارت پر یقین آجائے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام نوری میں تجلی طوری حاصل ہوئی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی'' کے طور پر جوتے اتار دیئے۔

اب سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہؓ کو جوتے کیوں دیئے کوئی اور چیز بطور نشان کیوں نہیں دی؟ تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اور کوئی چیز شاید اس وقت نہیں تھی۔ دوسرا جواب یہ کہ جوتوں سے اشارہ کیا'' ثبات علی الدین '' کی طرف کیونکہ ثابت قدمی اور جوتوں کا خاص تعلق ہے۔

''فبشرہ بالجنۃ '' دیوار کے پیچھے کا لفظ اتفاقی طور پر آیا ہے مراد یہ ہے کہ جس کی یہ صفت ہو کہ یقین کے ساتھ کلمہ پڑھتا ہو وہ جنتی ہے خواہ وہ دیوار کے پیچھے ہو یا کسی اور جگہ ہو اور خواہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسکو خوشخبری پہنچائے یا نہ پہنچائے کیونکہ ابوہریرہؓ تمام لوگوں کو خوشخبری کہاں پہنچا سکتے تھے تو مراد وہی ہے کہ جس کی بھی یہ صفت ہو وہ جنتی ہے۔ ''فخررت لاستی ''خر یخر، گرنے کے معنی میں ہے ﴿وخر موسی صعقا﴾ ''لاستی ای علی مقعدی ،است، مقعد اور سرین کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ حضرت عمرؓ نے سینے میں سے مکا رات میں ایڑی اور سرین کے بل پیچھے کو گرا۔ ''فاجھشت: جھش ،اور اجھاش، مزید و مجرد دونوں ایک ہی معنی میں ہیں یعنی گریہ وزاری کرتے ہوئے کسی کی پناہ میں جانے کو کہتے ہیں جیسا بچہ روتا ہوا ماں کے پاس جاتا ہے یہ رونا یا تو درد کی وجہ سے تھا یا بے احترامی کی وجہ سے تھا۔'' ورکبنی عمر ''یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا بلکہ ایسا تعاقب کیا گویا وہ میرے کندھوں پر سوار آرہے ہوں مراد متصل مسلسل آنا ہے۔

سوال

یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے مقابلے میں ابوہریرہ رضی اللہ کو مار کر کیوں گرایا؟ شیعہ روافض بھی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پوری امت بڑے چھوٹے بے بس تھے اور ان کی مداخلت برابر دین میں جاری تھی لوگ تقیہ کرتے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی تقیہ کیا اور خلافت چھوڑ دی۔

جواب

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ اس بشارت کا اعلان تو واجب نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ رحمۃ للعالمین تھے تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اس پریشانی کا علاج بالضد کیا کہ یہ پریشان ہوئے اب ان کو جنت کی

بشارت دینی چاہئے اور چونکہ اس خالی باغ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق اللہ تعالیٰ سے اس طرح ہوا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم استغراق میں تھے تو یہ بشارت سنادی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کیفیت میں نہیں تھے بلکہ آپ پر جمال کے بجائے جلال کی صفت غالب تھی اس لئے انہوں نے سوچا تھا کہ شاید اس سے لوگ سستی میں پڑ کر نماز چھوڑ دیں گے اس مصلحت دینی اور اس امر شرعی کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بشارت کو کچھ مدت کے لئے مخفی رکھنا چاہتے تھے۔ ادھر حضرت معاذ رضی اللہ کی روایت میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی بشارت سنانے سے روکا تھا تو امتثال امر نبی کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو مار کر واپس کر دیا اور یہ مارنا لوجہ اللہ تھا اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مواخذہ نہیں کیا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے تحت ان کے فیصلے کو برقرار رکھا اور بشارت کو مخفی رکھا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو سختی سے لوٹایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کریں گے کہ اس بشارت کا ظاہر کرنا اگر ضروری نہ ہو تو مصلحت کے تحت اس کو مؤخر کر لیا جائے تاکہ لوگ سست نہ ہوں۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہؓ کے لئے معلم اور شیخ واستاذ کی حیثیت رکھتے تھے کسی مصلحت کے تحت شاگرد کو مارنا جائز ہے ناجائز نہیں ہے۔

بہر حال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخذہ نہیں کیا اور آج ملحد و بے دین اٹھ کر اعتراض کرتے ہیں یہ محض فساد اور بغض صحابہ کی ایک نشانی ہے۔

۱۴۸ ـ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ قَالَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ رَدِيفُهُ عَلَى الرَّحْلِ فَقَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَسَعْدَيْكَ قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَسَعْدَيْكَ قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَسَعْدَيْكَ قَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَفَلَا أُخْبِرُ بِهَا النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوا؟ قَالَ إِذًا يَتَّكِلُوا فَأَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهِ تَأَثُّمًا۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف تھے سواری پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! انہوں نے فرمایا: لبیك یارسول الله وسعدیك! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذ! انہوں نے عرض کیا: لبیك یارسول الله وسعدیك! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: کہنے لگے "لبیك یارسول الله وسعدیك"! فرمایا کہ نہیں ہے کوئی بندہ کہ گواہی دے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے آگ پر حرام کر دیں گے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا میں لوگوں کو یہ نہ بتلاؤں کہ

انہیں خوشی حاصل ہو؟ فرمایا جب تو وہ اسی پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھے رہیں گے! چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی موت کے وقت گناہ سے بچنے کے لئے اس حدیث کو بیان کیا۔

## تشریح

''لا حرمہ اللہ علی النار''۔

### سوال

یہاں ایک اہم سوال ہے کہ ایک شخص مثلاً اقرار شہادتین کے ساتھ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو یہ وہ شخص ''حرم علی النار'' ہو کیونکہ دوسری روایت سے عصاۃ مومنین کا جہنم میں جانا اور شفاعت یا سزا بھگتنے کے بعد واپس آنا ثابت ہے تو بظاہر ان دو قسم کی روایات میں تعارض و تضاد ہے نیز مذکورہ حدیث کے پیش نظر تو اعمال کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے حالانکہ اعمال کا ایک مقام ہے۔ الغرض جن روایات میں صرف کلمہ توحید پر دخول جنت کی ضمانت دی گئی ہے اور حرمت دوزخ کا فیصلہ سنایا گیا ہے وہ روایات اعمال صالحہ کو ضروری قرار دینے والی روایات سے متعارض و متصادم ہیں۔

### جواب

اس اعتراض کے چند جوابات شارحین حدیث دیتے ہیں اور کتاب الایمان کی کئی احادیث پر اس قسم کے اعتراض کے یہی جوابات ہیں ملاحظہ ہوں۔

#### ۱۔ پہلا جواب

اگر کسی شخص نے گناہ کا ارتکاب نہیں کیا یا گناہ کیا مگر سچے دل سے توبہ کی اور معاف ہو گیا تو یہ شخص اولاً جنت میں داخل ہوگا اور ابتداہی سے اس پر دوزخ کی آگ حرام ہوگی تو ''حرمہ اللہ علی النار'' اس پر صادق ہے۔ لیکن اگر اس شخص نے گناہ کیا تو پہ بھی نہ کی نیکی سے گناہ زیادہ بھی ہیں اور کوئی گناہ معاف بھی نہ ہوا تو ایسا شخص انتہاء دوزخ پر حرام ہے یعنی ''حرمہ اللہ علی النار'' اس کے حق میں سزا بھگتنے کے بعد ہے کہ اس کے لئے دائمی دوزخ نہیں ہے۔

#### ۲۔ دوسرا جواب

یہ مطلب یہ ہے کہ کلمہ شہادت اپنے تمام تقاضوں اور حقوق کے ساتھ پڑھا یعنی امتثال اوامر کیا اور اجتناب نواہی کیا اس کے لئے ''حرمہ اللہ علی النار'' ہے یعنی کلمہ تو مفتاح جنت ہے مگر اس کے لئے دندانے ضروری ہیں ''کما قال وھب بن منبہ رحمہ اللہ''۔

#### ۳۔ تیسرا جواب

یہ ہے کہ اس کلمہ شہادت سے اس شخص کا کلمہ مراد ہے جس نے کلمہ پڑھا لیکن اعمال کا موقع نہیں ملا اور دنیا سے رخصت ہو گیا۔

۴۔ یا ''تحریم الخلود'' مراد ہے کہ ہمیشہ آگ میں رہنا اس کے لئے حرام ہے۔

۵۔ یا ان کو کافروں والی آگ نہیں جلائے گی کیونکہ کافروں کے لئے عذاب بطور اہانت وتحقیر ہے مومن کا عذاب بطور تطہیر ہے۔

۶۔ یا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کی ایک انفرادی خاصیت ہوتی ہے انفرادی حالت میں وہ اثر اور خاصیت ظاہر ہو کر کام کرتی ہے مگر جب دوسری اشیاء سے مل جاتی ہے تو مغلوب ومخلوط ہو کر اپنا اثر نہیں دکھاتی مثلاً زہر ہے اس کی خاصیت قتل کرنا ہے مگر دوسرے اجزاء سے مل کر معجون مرکب بن کر مفید بن جاتا ہے اور بطور دوا استعمال ہوتا ہے اسی طرح پانی کی طبیعت برودت ہے مگر دھوپ یا آگ کی مجاورت سے حرارت آ کر برودت ختم ہو جاتی ہے، بعینہ اسی طرح کلمہ شہادت ہے اس کی انفرادی خاصیت تو بالکل وہی ہے جو مذکورہ حدیث میں ہے کہ دوزخ کی آگ اس کے پڑھنے والے پر حرام ہے مگر قیامت میں فیصلہ معجون مرکب پر ہوتا ہے لہٰذا دوسری اشیاء معاصی اور گناہ وغیرہ سے مل کر کلمہ شہادت کی خاصیت مغلوب ہو جاتی ہے اور اس کا اثر ختم ہو جاتا ہے تو انفرادی اور ذاتی اثر وہی ہے جو حدیث میں بتایا گیا ہے لیکن قیامت میں فیصلہ معجون مرکب پر ہوتا ہے لہٰذا آگ سے بچنے کے لئے اعمال صالحہ کی ضرورت اب بھی برقرار ہے اور جو شخص گناہ گار ہے وہ آگ میں گرفتار ہے، سزا بھگتنے یا شفاعت کے بعد دوزخ سے رہا ہو سکتا ہے کتاب الایمان میں اس قسم کی حدیثوں کے یہی جوابات ہیں۔

''تأثما، ای تحنبا عن الاثم'' یعنی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت اس حدیث کو عوام الناس کے سامنے بیان کر دیا تاکہ کتمان علم کا گناہ نہ ہو جائے۔ اس حدیث سے ایک عام قاعدہ سمجھ میں آ گیا کہ بعض دقیق احکامات بعض لوگوں کے لئے باعث تشویش بنتے ہیں تو ایسے لوگوں کے سامنے اس قسم کے مسائل رکھنا مناسب نہیں بلکہ ان سے مخفی رکھنا چاہئے جب کہ ان احکام کا تعلق کسی عمل سے بھی نہ ہو اور عوام الناس کی عقلوں سے بالاتر بھی ہوں تو عوام کو اس میں الجھا کر برباد نہیں کرنا چاہئے جیسے صفات باری تعالیٰ کے مسائل ہیں یہ مسائل عوام الناس کی سمجھ سے بالاتر ہیں لہٰذا ان میں پڑنا نہیں چاہئے ''کلموا الناس علی قدر عقولھم''۔

''افلا اخبر بھا الناس'' یعنی میں لوگوں کو یہ بشارت نہ سناؤں وہ خوش ہو جائیں گے کہ اعمال کے بغیر بھی جنت میں جانا ممکن ہے آنحضرت نے فرمایا کہ یہ بشارت نہ دو، لوگ اجمال پر بھروسہ کر لیں گے تو اعمال کو چھوڑ دیں گے، صرف کلمہ کے بھروسہ پر بیٹھ جائیں گے ''اتکال'' بھروسہ کو کہتے ہیں یہاں کئی روایات میں اس طرح مختلف الفاظ آئے ہیں سب کا مقصد یہی ہے حضرت ابو ہریرہؓ کو جو عمر فاروقؓ نے سختی سے منع کیا تھا تو وہ اپنی طرف سے نہیں تھا بلکہ حضرت معاذؓ کی ان چند روایات میں خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اسی کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے اس بشارت کے سنانے سے ابو ہریرہؓ کو سختی سے روکا تھا۔ شیعہ لوگ اس پر بہت ناراض ہیں کہ ابو ہریرہؓ کو مارا حضور اکرم کی بات نہ مانی، میں کہتا ہوں تم کو ابو ہریرہؓ سے کتنی محبت ہے؟ ہاں البتہ عمر فاروقؓ سے بغض ہے۔

## سوال

سوال یہ ہے کہ معاذؓ نے خوشخبری دینے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا

اگر سارے اعمال ملحوظ تھے تو پھر روکنے کی کیا ضرورت تھی؟

## جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ "لا یبشر کوا" کو بغیر قیودات کے سمجھ کر اعمال کو چھوڑ دیں گے کیونکہ تو مسلم ہیں تو اجمال کو لے لیں گے، قیودات سے واقف نہیں ہوں گے، اس لئے اس ابتدائی دور کے پیش نظر لوگوں کو بشارت سنانے سے منع کیا لیکن اعمال کی تفصیل سمجھنے کے بعد جب اعمال راسخ ہو گئے اور اعمال چھوڑنے کا خطرہ ختم ہو گیا تو حضرت معاذؓ نے اس علمی امانت کو امت کے سپرد کر کے بیان کیا یا یہ ابتداء میں ممانعت تھی پھر جب "بلغوا عنی" فرمایا تو عوام کو بتانے کی عام اجازت ہو گئی۔

## سوال

اس سے ملتا جلتا ایک اور سوال ہے کہ حضرت معاذؓ نے ممانعت کے باوجود یہ روایت آخر میں کیوں بیان کی؟

## پہلا جواب

یہ ہے کہ یہ ممانعت اسلام کے ابتدائی دور کے لئے تھی حضرت معاذؓ نے آخر وقت میں بتا دیا۔

## دوسرا جواب

یہ ہے کہ یہ ممانعت ایک مخصوص جماعت کے لئے تھی عام نہ تھی بعد میں حضرت معاذؓ نے عوام کے لئے بیان کیا۔

## تیسرا جواب

یہ ہے کہ حضرت معاذؓ نے بوقت انتقال بتا دیا تا کہ کتمان علم کی وعید سے بچ جائیں جس طرح آنے والی روایت میں ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے معاذؓ کو بشارت کے مخفی رکھنے کا حکم وقتی اور عارضی تھا دائی اور ابدی نہیں تھا۔

"فیتکلوا" نہی کے جواب میں واقع ہونے کی وجہ سے ان ناصبہ مقدر ہے اس لئے منصوب ہے "ای ان یتکلوا" اتکال، بھروسہ اور اعتماد و تکیہ کے معنی میں ہے یعنی لوگ صرف کلمہ توحید کے اجمال پر جم جائیں گے اعمال میں سست ہو جائیں گے یہاں جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتانے سے منع فرمایا کہ بتانے میں خطرہ ہے اسی کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کو سختی سے منع فرمایا کہ لوگ اجمال پر تکیہ کر کے بیٹھ جائیں گے معلوم ہوا حضرت عمرؓ کا وہ فعل درست تھا۔

فتح الملہم میں علامہ عثمانی ؒ نے حضرت شاہ انور شاہ کاشمیریؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہاں اتکال اور بھروسہ اور سستی فرائض اور واجبات میں مراد نہیں بلکہ مندوبات مستحبات اور نوافل وزوائد میں سستی کرنا مراد ہے۔

۱۴۹۔ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ (يَعْنِي ابْنَ الْمُغِيرَةِ) قَالَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ حَدَّثَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَلَقِيتُ عِتْبَانَ فَقُلْتُ حَدِيثٌ بَلَغَنِي عَنْكَ قَالَ

أَصَابَنِي فِي بَصَرِي بَعْضُ الشَّيْءِ فَبَعَثْتُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي أُحِبُّ أَنْ تَأْتِيَنِي تُصَلِّيَ فِي مَنْزِلِي فَأَتَّخِذَهُ مُصَلًّى قَالَ فَأَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنْ أَصْحَابِهِ فَدَخَلَ وَهُوَ يُصَلِّي فِي مَنْزِلِي وَأَصْحَابُهُ يَتَحَدَّثُونَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ أَسْنَدُوا عُظْمَ ذٰلِكَ وَكُبْرَهُ إِلَى مَالِكِ بْنِ دُخْشُمٍ قَالَ وَدُّوا أَنَّهُ دَعَا عَلَيْهِ فَهَلَكَ وَوَدُّوا أَنَّهُ أَصَابَهُ شَرٌّ فَقَضَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ وَقَالَ أَلَيْسَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ ذٰلِكَ وَمَا هُوَ فِي قَلْبِهِ قَالَ لَا يَشْهَدُ أَحَدٌ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ فَيَدْخُلَ النَّارَ أَوْ تَطْعَمَهُ قَالَ أَنَسٌ فَأَعْجَبَنِي هٰذَا الْحَدِيثُ فَقُلْتُ لِابْنِي اُكْتُبْهُ فَكَتَبَهُ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے محمود بن الربیع نے عتبان بن مالک کے حوالہ سے بیان کیا۔محمود نے کہا کہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تو عتبان سے ملاقات کی اور میں نے کہا کہ مجھے آپ کے واسطہ سے ایک حدیث پہنچی ہے۔انہوں نے کہا میری بصارت میں کچھ کمی آگئی تھی لہٰذا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قاصد بھیجا میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں اور نماز پڑھیں تاکہ میں اس جگہ کو مستقل جائے نماز بنالوں۔چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مشیت سے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر تشریف لائے اور گھر میں داخل ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں نماز پڑھ رہے تھے اور صحابہ کرام اس دوران باہم گفتگو کر رہے تھے صحابہ کی اکثریت نے مالک بن دخشیم/دخشم/دخیشم/دخشن کی طرف نفاق کی نسبت کی اور انہوں نے یہ چاہا کہ حضور علیہ السلام اس پر بددعا فرمادیں تاکہ وہ ہلاک ہو جائے اور وہ چاہتے تھے کہ اسے کسی مصیبت کا سامنا ہو۔اسی اثنا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مکمل کر لی اور فرمایا کیا وہ لا الہ الا اللہ اور میرے رسول اللہ ہونے کی شہادت نہیں دیتا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا بیشک وہ یہ کہتا تو ہے لیکن اس کا یقین اس کے دل میں نہیں ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بھی لا الہ الا اللہ کہے اور میرے رسول اللہ ہونے کی گواہی دے گا وہ جہنم میں داخل نہ ہوگا یا فرمایا کہ اسے آگ نہیں کھائے گی۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث بہت اچھی لگی تو میں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اسے لکھ لو۔اس نے اس حدیث کو لکھ لیا۔

## تشریح

''فروخ'' یہ عجمی ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے کہتے ہیں کہ فروخ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام تھا جن سے عجم کی نسل چلی ہے اس سند میں ایک خوبی ہے کہ تین صحابہ ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ حضرت انس صحابی ہیں محمود بن الربیع صحابی ہیں اور عتبان بن مالک صحابی ہیں، اس سند میں دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ اصاغر سے اکابر روایت کرتے ہیں مثلاً حضرت انس ہر لحاظ سے بڑے ہیں خواہ عمر ہو خواہ علم ہو خواہ عقل و تدبر اور تجربہ ہو وہ اپنے سے چھوٹے محمود بن ربیع سے روایت

کرتے ہیں۔"قال قدمت المدینة "اس قال کا فاعل محمود بن ربیع ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اس صحابی کی عمر چھوٹی تھی پھر کہیں چلے گئے انہوں نے حضرت عتبان بن مالک کے متعلق کسی سے یہ حدیث سنی تھی مگر کچھ حضرات ان کی اس حدیث میں شک کرتے تھے اس کو دور کرنے کے لئے مدینہ آکر انہوں نے چاہا کہ براہ راست حدیث کی سماعت کرے چنانچہ حضرت عتبان سے ملاقات ہوئی تو تفصیل معلوم کی جس کے جواب میں حضرت عتبان نے پوری تفصیل سے قصہ بتادیا"اصابنی فی بصری "بعض روایات میں ضریر البصر کا لفظ ہے بعض میں انکرت بصری کا لفظ ہے بعض میں ساءت بصری ہے بعض میں اعمی کا لفظ ہے تو حقیقت یہ ہے کہ ابتداء میں ان کی آنکھوں میں کچھ خرابی تھی آخر میں بالکل نابینا ہو گئے تو مختلف احوال کی وجہ سے مختلف الفاظ آئے ہیں۔

حضرت عتبان بن مالک مسجد قباء کے پاس رہتے تھے اپنی قوم کے امام تھے ان کے گھر اور مسجد کے درمیان پانی کا نالہ تھا جب بارش ہوتی تو نالہ پانی سے بھر جاتا مسجد جانا مشکل ہو جاتا تو انہوں نے سوچا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر پر بلالوں گا آنحضرت یہاں نماز پڑھ لیں گے پھر میں اس جگہ کو مسجد میں تبدیل کردوں گا اور گھر والے مل کر جماعت کریں گے اس مقصد کے لئے حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ میں نفل پڑھنا شروع کیا جن کی تمنا دعی حضرت عتبان نے کی تھی اس وقت حضرت کی آمد کی وجہ سے اڑوس پڑوس کے سارے مسلمان اس گھر میں جمع ہو گئے تھے مگر ایک صحابی مالک بن دخشم نہیں آئے تھے صحابہ نے منافقین کا تذکرہ کیا تو مالک بن دخشم کا ذکر بھی منافقین کے ساتھ کیا علاقے کے صحابہ کا خیال تھا کہ نبی مکرم اس کو بددعا دیں گے اس کو نقصان پہنچ جائے گا۔

"ثم اسندوا عظم ذلك و كبره" کبرہ کاف پر زبر بھی ہے اور زیر بھی ہے عُظم اور کُبر دونوں مترادف الفاظ ہیں بعض مترجمین نے اس جملے کا غیر معروف ترجمہ کیا ہے میں نے بڑی کوشش کے بعد اس جملے کو علامہ نووی کی مدد سے اس طرح سمجھ لیا ہے ،یعنی صحابہ نے آپس میں منافقین کی قباحتوں اور آفتوں اور مُصیبتوں کا ذکر کیا اور پھر سب کا سرغنہ مالک بن دخشم کو قرار دیا بعض نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ گفتگو کے اکثر حصہ کو مالک بن دخشم سے ملا دیا یہ بھی صحیح ہے ، مالک بن دخشم اور دخیشم دونوں نام ہیں دخشن اور دخیشن نام بھی ملتے ہیں اب دیکھنا ہے کہ اس صحابی کی حیثیت کیا ہے تو جن حضرات نے ان کو منافقین سے ملا دیا تھا یہ ان حضرات کی غلط فہمی تھی جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دور فرما دیا تو حقیقت یہ ہے کہ مالک بن دخشم صحیح ایمان والے صحابی تھے ایک قول کے مطابق یہ بیعت عقبہ میں بھی شریک ہوئے تھے بدر میں مالک بن دخشم شریک ہوئے اس کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے ،بدر میں سھیل بن عمرو کو آپ نے گرفتار کیا مسجد ضرار کے جلانے پر آپ مقرر تھے انصاری تھے نفاق سے بالکل بیزار تھے البتہ کچھ معاشرتی اور تجارتی اور انسانی تعلقات منافقین کے ساتھ تھے جس سے ظاہری طور پر محل بحث بن گئے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے اس کی تردید فرمادی اور ان کو سچا مومن قرار دیا۔ایک بریلوی مولوی نے اس جگہ لکھا ہے کہ نبی

اکرم کو دلوں کا حال معلوم تھا آپ نے علم غیب کی بنیاد پر دیکھا کہ دل میں ایمان ہے۔ میں کہتا ہوں ان بیچاروں کو علم غیب کا ہیضہ ہو گیا ہے ان کو نبی کی نبوت تو نظر نہیں آتی بس علم غیب نظر آتا ہے اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے غیب پر قدرت رکھتے تھے تو پھر نبوت کی کیا حیثیت رہتی ہے، مشرکین مکہ کا بڑا اعتراض تو یہی تھا کہ یہ نبی نہیں ہے وحی نہیں آتی ہے خدا کی طرف سے کچھ نہیں ہے یہ خود کاہن ہے غیب کی باتیں کرتا ہے۔

''اکتبہ فکتبہ'' یعنی حضرت انسؓ کو یہ حدیث بہت پسند آئی تو آپ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اس کو میرے لئے لکھدو تو اس نے لکھدیا اس سے ثابت ہو گیا کہ آنحضرت کے زمانہ میں بھی احادیث کے لکھنے کا عمل شروع ہو گیا تھا منکرین حدیث اندھے ہیں۔

۱۵۰ ۔حَدَّثَنِي أَبُوبَكْرِ بْنُ نَافِعٍ الْعَبْدِيُّ حَدَّثَنَا بَهْزٌ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ قَالَ حَدَّثَنِي عِتْبَانُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّهُ عَمِيَ فَأَرْسَلَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تَعَالَ فَخُطَّ لِي مَسْجِدًا فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَاءَ قَوْمُهُ وَنُعِتَ رَجُلٌ مِنْهُمْ يُقَالُ لَهُ مَالِكُ بْنُ الدُّخْشُمِ ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ سُلَيْمَانَ بْنِ الْمُغِيرَةِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عتبان بن مالک نے فرمایا کہ وہ نابینا ہو گئے تھے لہذا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قاصد بھیجا اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائیے اور میرے لئے ایک جگہ کو بطور مسجد مقرر کر دیجئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان کی قوم کے کچھ لوگ بھی آئے ان میں سے ایک شخص جسے مالک بن الدخشم کہا جاتا تھا غائب تھا آگے سابقہ حدیث کی طرح حدیث بیان کی۔

## باب من رضي بالله ربا وبالاسلام دينا وبمحمدٍ نبيا

## جو شخص اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے قانون ہونے پر اور محمدؐ کے رسول ہونے پر راضی ہوا

اس باب میں امام مسلم نے صرف ایک حدیث کو بیان کیا ہے۔

۱۵۱ ۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ أَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ وَبِشْرُ بْنُ الْحَكَمِ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ وَهُوَ ابْنُ مُحَمَّدٍ الدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَامِرِ ابْنِ سَعْدٍ عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ذَاقَ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا۔

حضرت عباس بن عبد المطلب سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اس شخص نے ایمان کا مزہ چکھ لیا جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر راضی ہوا اور اسلام کے دین ہونے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے

رسول ہونے پر راضی رہا۔

## تشریح

"ذاق طعم الایمان "ذاق: ای وجد واصاب ونال، یعنی حلاوت ایمانی پائی، ابن حجر رحمہ اللہ نے معنوی حلاوت کے بجائے حسی حلاوت کا قول کیا ہے جس کو ملا علی قاری رحمہ اللہ نے عجیب تر قرار دیا ہے۔" رضی "یعنی اسلام کے لئے سینہ کھل گیا اور دل مطمئن ہوگیا ظاہراً اور باطناً انقیاد حاصل ہوگیا۔"باللہ ربا "اللہ کی ربوبیت پر راضی اس طرح کہ نہ شکایت نہ حکایت، ہر حالت پر اور زمانے کی ہر نیرنگی پر راضی، اسلام پر راضی اس طرح کہ تمام احکامات کو بلا چوں وچرا بجالائے، رسول اللہ پر راضی اس طرح کہ طبعی طور پر رسول اللہ سے محبت ہو جس کی وجہ سے آپ کی سنت اور آپ کے طریقے پسند ہوں اور اللہ تعالیٰ کی قضاء پر رضا ہو۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے۔

ای ان یکون صابراً علی بلائه شاکراً علی نعمائه راضیا بقدره وقضائه ومنعه واعطائه وان یعمل بجمیع شرائع الاسلام بامتثال الاوامر واجتناب الزواجر وان یتبع الحبیب حق متابعته فی سننه وآدابه واخلاقه ومعاشرته۔

اس حدیث کا مضمون اس کے بعد والی حدیث نمبر ۱۶۵ کی طرح ہے کہ شہد کی لذت حسی ومعنوی وہی شخص محسوس کر سکتا ہے جس کا ذائقہ درست ہو، صفراوی امراض سے اس کا ذائقہ زبان ماؤف اور خراب نہ ہوا ہو، اسی طرح ایمان کی لذت بھی وہی شخص محسوس کر سکتا ہے جو اسلامی عقائد اور صحیح صفات اسلامیہ سے متصف ہو، وہ اسلام وایمان اور نبی آخر الزمان پر اسی طرح عقیدہ رکھتا ہو جس کا اس کو رب تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا ہے۔ آنے والی حدیث نمبر ۱۶۵ میں پوری تفصیل آرہی ہے۔

### باب بیان شعب الایمان افضلها وادناها

## ایمان کے اعلیٰ اور ادنیٰ شعبوں کا بیان

اس باب میں امام مسلم نے سات احادیث کو بیان کیا ہے۔

۱۵۲۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ سَعِيدٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُوعَامِرٍ الْعَقَدِيُّ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کے ستر سے کچھ زائد شعبے ہیں اور حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

## تشریح

"والحیاء" حیاء کی تعریف اور مکمل بحث ساتھ والی حدیث میں ہے یہاں ایک اضافی بات لکھی جاتی ہے وہ یہ کہ حیاء کے لئے اگر باعث شرع ہو تو وہ حیاء شرعی کہلاتی ہے اور حیاء شرعی کا مخالف فاسق ہوتا ہے اور اگر حیاء کے لئے باعث عقل ہو تو وہ حیاء عقلی کہلائی جاتی ہے اور حیاء عقلی کا مخالف مجنون ہوتا ہے اور اگر حیاء کا باعث عُرف ہو تو وہ حیاء عرفی کہلائی جاتی ہے جس کا مخالف ابلہ (احمق) ہوتا ہے، عربی عبارت ملاحظہ ہو۔

ان كان الباعث على الحياء الشرعي فهو الحياء الشرع ومن خالفه فهو فاسق وان كان الباعث على الحياء العقل فهو الحياء العقلي ومن خالفه فهو مجنون وان كان الباعث عليه العرف فهو الحياء العرفي ومن خالفه فهو ابله۔

بعض کتابوں میں بعض اشیاء میں افراط وتفریط کے بارے میں بہت اچھا لکھا ہے کہتے ہیں۔

افراط الحياء الخور وتفريطه الخلاعة وافراط العلم الدهاء وتفريطه البلادة وافراط الشجاعة التهور وتفريطه الجبانة وخير الامور اوسطها۔

یعنی حیاء میں افراط بزدلی ہے اور تفریط فحاشی ہے اور علم میں افراط دھوکہ وچالاکی ہے اور تفریط بیوقوفی ہے اور شجاعت میں افراط ظلم ہے اور تفریط بزدلی ہے اور بہترامور درمیانہ ہیں۔

۱۵۳۔ **حَدَّثَنَا** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ أَوْ بِضْعٌ وَسِتُّونَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الإِيمَانِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایمان کے ستر (۷۰) یا ساٹھ (۶۰) سے کچھ زائد شعبے ہیں۔ ان میں سب سے افضل (شعبہ) لا الہ الا اللہ کہنا اور سب سے ادنی شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے۔

## تشریح

"هريرة" هرة: کی تصغیر ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کے نام ونسب میں بہت اختلاف ہے، اصل نام میں تقریباً تیس اقوال ہیں مشہور یہ ہے کہ آپ کا نام جاہلیت میں عبدالشمس یا عبد عمرو تھا۔ اسلام لانے کے بعد ان کا نام عبداللہ یا عبدالرحمن تھا، احمد وحاکم نے کہا ہے کہ ہمارے ہاں صحیح تر تحقیق یہ ہے کہ ان کا نام اسلام میں عبدالرحمن بن صخر تھا، آپ کا تعلق دوس قبیلہ سے تھا، آپ کی کنیت اتنی غالب آگئی کہ گویا آپ کا اور کوئی نام ہی نہ تھا، ۷ھ جنگ خیبر کے موقع پر آپ اسلام لائے تھے، پھر آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کے ساتھ چمٹ گئے، ملازمہ ومواظبہ کیا، علم دین سیکھنے کے شوقین تھے، بھوکے پیٹ رہتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں جاتے آپ ساتھ رہتے، اس ساتھ رہنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے تمام صحابہ میں سب سے زیادہ تیز حافظہ کے مالک تھے، امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آٹھ سو سے زیادہ صحابہ وتابعین نے آپ سے علم حاصل کیا ہے۔

ابو ہریرہ کنیت پڑنے کی وجہ خود ابو ہریرہؓ کی روایت سے ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے، فرمایا کہ میں نے ایک دن آستین میں بلی اٹھا رکھی تھی کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اور پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ یہ بلی ہے یعنی "ھرۃ" آپ نے فرمایا "فانت ابوھریرہ" بس یہ کہنا تھا کہ اصل نام غائب ہوگیا اور کنیت غالب آگئی، آپ کی کل مرویات ۵۳۷۴ ہیں ۵۹ھ کو مدینہ منورہ میں ۷۸ سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

"اَلْاِیْمَانُ" اَیْ ثَمَرَاتُ الْاِیْمَانِ وَفُرُوْعِهٖ لِاَنَّ الْاِیْمَانَ هُوَالتَّصْدِیْقُ الْبَسِیْطُ۔

"بضع وبضعۃ" دونوں روایتیں ہیں، مونث کے لئے بضعۃ تانیث کے ساتھ اور مذکر کے لئے بضع ہوتا ہے، پھر تین سے نو تک عدد میں زیادہ تر استعمال ہوا، بضع کا مادہ جتنا الٹ پلٹ کر کے رکھو گے سب میں ٹکڑا اور قطعہ کا مفہوم ہوگا مثلاً، بضع، عبض، ضبع، ضبعۃ عضب، سب قطعہ کے معنی میں ہے۔

## سوال

یہاں ایک واضح اشکال ہے کہ اس حدیث میں "بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ" کا ذکر ہے، بخاری شریف میں "سِتُّوْنَ" کا ذکر ہے، ایک روایت میں صرف "ستون" ہے، ایک اور روایت میں "اربع وستون" کا ذکر ہے، سب میں تضاد ہے اس کا کیا جواب ہے؟

## پہلا جواب

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ عدد اقل عدد اکثر کی نفی نہیں کرتا ہے بلکہ ساکت رہتا ہے جس میں تعارض نہیں آتا ہے۔

## دوسرا جواب

یہ ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ من جانب اللہ تمام شعبے مکمل نہ تھے، تو پہلے ساٹھ کا ذکر تھا، پھر بذریعہ وحی ستر کا حکم آگیا۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ راجح "بضع وسبعون" والی روایت ہے کیونکہ یہ کثرت سے آئی ہے۔

## تیسرا جواب

یہ کہ بعض شعبوں میں تداخل کر کے کم کا ذکر کیا جاتا ہے اور جب تداخل نہ کیا جائے تو زیادہ کا ذکر ہو جاتا ہے۔ ویسے ان اعداد کو اگر تکثیر پر حمل کیا جائے تو پھر تحدید کا مسئلہ ہی نہیں رہتا ہے تو پھر تعارض ہی نہیں، تکثیر کے لئے عدد کا آنا معروف ہے۔

"شعبۃ" لغت میں شاخ اور غصن الشجر کو کہتے ہیں یہاں خصلت محمودہ، خصلت حمیدہ مراد ہے۔

''فافضلها'' فاتفریعیہ تفصیلیہ ہے یا جزائیہ ہے یعنی ''اِذَا کَانَ الْاِیْمَانُ ذَاشعب فافضلھا.........الخ۔

''وادناھا'' اگر ادنیٰ دنو سے قرب کے معنی میں ہے تو مطلب یہ ہوگا ''اقربھامنزلۃ'' یعنی قرب وتقریب کے حصول میں قریب تر ہے، ایک روایت میں ''ارفعھا'' بھی ہے جو دنو بمعنی تقرب کی تائید ہے اور اگر ادنیٰ دناءت سے لیا جائے تو پھر کمتر اور حقیر کے معنی میں ہوگا۔ یعنی کم تر شعبہ ''اماطۃ الاذی'' ہے سیاق وسباق سے یہ زیادہ مناسب ہے۔ ''اماطۃ'' باب افعال کا مصدر ہے، ہٹانے کے معنی میں ہے ''الاذی'' تکلیف دہ اور گندی چیز جیسے پتھر کانٹے، غلاظت وغیرہ کو راستے سے ہٹانا مراد ہے۔

اس حدیث میں شعبہ اولیٰ عبادات قولیہ سے متعلق ہے، شعبہ ثانیہ طاعات فعلیہ سے متعلق ہے یا پہلا شعبہ معاملہ مع الحق سے وابستہ ہے اور شعبہ ثانیہ معاملہ مع الخلق سے وابستہ ہے۔

''وَالْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِنَ الْاِیْمَانِ'' سوال یہ ہے کہ حیاء ایمان کے شعبوں میں داخل ہے پھر اس کو الگ کیوں ذکر کیا گیا؟

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ ''تخصیص بعدالتعمیم'' ہے اور یہ حیاء کی شان بڑھانے کے لئے ہے یہی وجہ ہے کہ شعبۃ من تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی حیاء ایمان کے شعبوں میں سے ایک عظیم الشان اور اہم شعبہ ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حیاء تمام شعب الایمان پر حاوی ہے اور تمام شعبوں کے لئے سبب اور داعی ہے کیونکہ اسی کی وجہ سے انسان خصائل حمیدہ حاصل کر سکتا ہے اور اس پر قائم رہ سکتا ہے اس لئے اس کو الگ ذکر کیا گیا۔

## حیاء کی تعریف اور قسمیں

حیاء کی بڑی دو قسمیں ہیں: ایک حیاء ایمانی دوسری حیاء طبعی ہے، یہاں حدیث میں حیاء سے حیاء ایمانی شرعی مراد ہے۔

(۱) جس کی ایک تعریف اس طرح ہے ''ھُوَ خُلُقٌ یَمْنَعُ الشَّخْصَ مِنَ الْفِعْلِ الْقَبِیْحِ بِسَبَبِ الْاِیْمَانِ''۔

یعنی حیاء اس ملکہ اور خلق کا نام ہے کہ ایمان کی وجہ سے قبیح فعل سے منع کرتی ہے۔ جیسے ننگا ہونا، لوگوں کے سامنے فحش حرکات کرنا، زنا کرنا وغیرہ وغیرہ، ان چیزوں سے یہ ایمانی شرعی حیاء منع کرتی ہے۔

(۲) حیاء ایمانی کی دوسری تعریف شیخ جنید بغدادیؒ نے اس طرح کی ہے ''ھُوَ کَیْفِیَّۃُ التَّقْصِیْرِ عِنْدَ مُشَاھَدَۃِ نِعَمِ اللّٰہِ وَتَقْصِیْرِ الْعَبْدِ'' یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا نظارہ کر کے اپنی تقصیرات اور کوتاہیوں کو دیکھ کر جو کیفیت پیدا ہوتی ہے یہی حیاء ہے۔

(۳) حیاء ایمانی کی تیسری تعریف اس طرح کی گئی ہے ''اَنْ لَا یَرَاکَ مَوْلَاکَ حَیْثُ نَھَاکَ'' اس تعریف کے پیش نظر حیاء بعینہٖ احسان کا مقام ہے، اس لئے یہ حدیث، حدیث جبرائیل کے لئے بمنزلہ اجمال ہے، حدیث جبرائیل میں تین چیزوں کا بیان تھا، ایمان، اسلام اور احسان، اس حدیث میں ''فَاَفْضَلُھَا'' سے ایمان کی طرف اشارہ ہے اور ''ادناھا'' میں اسلام کی طرف اشارہ ہے اور ''والحیاء'' میں احسان کی طرف اشارہ ہے۔

حیاءطبعی کی تعریف اس طرح ہے"ھو تغیر و انکسار یعتری المرء من خوف مایلام علیہ "مطلب یہ ہے کہ قابل ملامت کام کے خوف سے جب کسی شخص کے اعضاء اور بدن پر انقباض طاری ہوجاتا ہے یہی حیاءطبعی ہے۔
ان دونوں تعریفوں کے فرق اوراس تشریح سے علامہ تورپشتی کا وہ اعتراض ختم ہوجاتا ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ حیاء تو غیرمسلموں میں بھی ہوتی ہے تو کیاان میں ایمان کا شعبہ آگیا؟
جواب واضح ہے کہ حدیث میں ایمانی حیاءکو ایمان کا شعبہ کہا گیا ہے،طبعی حیا،حدیث کا مصداق نہیں۔
دوسراجواب علی حذفتح یفتح ہے یعنی فتح یفتح باب کے لئے ضروری ہے کہ اس میں حروف حلقی ہو لیکن یہ ضروری نہیں کہ جہاں حرف حلقی آجائے وہاں فتح یفتح کا باب ہوگا اسی طرح ایمان کے لئے حیا،ضروری ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ جہاں حیاء ہو وہاں ایمان ہوگا۔حیاء کی چند اقسام بھی ذہن نشین کر لینا چاہئے۔

### ا۔ حیاءجنایت
جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی حیاتھی کہ سر جھکائے جنت میں بھاگ رہے ہیں،اللہ نے فرمایا کیوں بھاگتے ہو؟عرض کیا "حیاء منک یااللہ"۔

### ۲۔ حیاءحشمت
جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مذی سے متعلق مسئلہ حشمت وحجاب کی وجہ سے خودآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں پوچھا بلکہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ وغیرہ کے واسطہ سے سوال کیا۔

### ۳۔ حیاءاجلال
کہ جلال کی وجہ سے حیاءآئی جیسا کہ "تسربل اسرافیل بجناحیہ حیاء من اللہ لاجلالہ "۔یعنی اسرافیل نے اللہ تعالیٰ سے حیاوجلال کی وجہ سے اپنے آپ کو پروں میں چھپالیا۔
بہرحال شعب ایمان پر کئی علماء نے کئی تصانیف لکھی ہیں۔

۱۵۴۔**حَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَعِظُ أَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ۔

حضرت سالم اپنے والد (حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ایک آدمی کو سنا کہ وہ اپنے بھائی کو حیاکے بارے میں نصیحت کر رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیاءتو ایمان میں سے ہے۔

۱۵۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الإِسْنَادِ وَقَالَ مَرَّ بِرَجُلٍ مِنَ الأَنْصَارِ يَعِظُ أَخَاهُ۔

سابقہ روایت اس سند سے بھی آیا ہے، اس روایت میں "مر برجل من الانصار" کے الفاظ ہیں کہ ایک انصاری کے پاس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے۔

## تشریح

"عن سالم" یہ سالم بن عبداللہ بن عمر ہیں جلیل القدر تابعی ہیں ایک قول کے مطابق مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں فقہاء سبعہ کے نام اس شعر میں ہیں۔

الا كل من لا يقتدى بأئمة فقسمته ضيزى من الحق خارجة

فخذهم عبيدالله عروة قاسم سعيد ابى بكر سليمان خارجة

سالم اپنے باپ ابن عمر کے مشابہ تھے جس طرح ابن عمر اپنے باپ عمر فاروق کے مشابہ تھے، قالہ سعید بن المسیبؒ اسحاق بن راھویہ فرماتے ہیں کہ "زهری عن سالم عن ابيه" کی جو سند ہے یہ تمام سندوں سے صحیح تر سند ہے زھری کو سالم سے حد درجہ عقیدت اور محبت تھی زھریؒ کے والد بیٹے کو اس شدید عقیدت پر ملامت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ لوگو! دیکھو تم کو اس پر تعجب نہیں آتا ہے کہ ایک شیخ الحدیث اپنے شیخ کا بوسہ لیتے ہیں۔ (فتح الملہم)

"يعظ اخاه" یعنی ایک انصاری صحابی اپنے بھائی کو عتاب آمیز نصیحت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بھائی اگر اسی طرح ہر کام میں حیاء کرو گے تو ہر کام سے پیچھے رہ جاؤ گے اپنا جائز حق بھی نہیں لے سکو گے اتنی حیاء نہ کرو اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو اور حیاء سے منع نہ کرو کیونکہ حیاء ایمان کا حصہ ہے اگر باحیاء شخص سے حیاء کی وجہ سے مال رہ گیا تو اس کو آخرت کا بڑا ثواب مل جائیگا مشاہدہ اور تجربہ گواہ ہے اور حدیث میں بھی ہے کہ اسلام کا مزاج حیاء ہے اور دوسری اقوام کا مزاج بے حیائی ہے۔

۱۵۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا السَّوَّارِ يُحَدِّثُ أَنَّهُ سَمِعَ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ الْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ فَقَالَ بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ إِنَّهُ مَكْتُوبٌ فِي الْحِكْمَةِ أَنَّ مِنْهُ وَقَارًا وَمِنْهُ سَكِينَةً فَقَالَ عِمْرَانُ أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتُحَدِّثُنِي عَنْ صُحُفِكَ؟۔

حضرت عمران بن حصین، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حیاء سے صرف خیر ہی آتی ہے یہ سن کر بشیر بن کعب کہنے لگے کہ حکمت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بعض حیاء سے وقار اور سکون

نصیب ہوتا ہے۔ حضرت عمران بن حصینؓ نے یہ سنا تو فرمایا کہ میں تجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ بیان کرتا ہوں اور تو اپنے صحیفوں اور کتابوں کی باتیں مجھ سے بیان کرتا ہے۔

۱۵۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ إِسْحَاقَ وَهُوَ ابْنُ سُوَيْدٍ أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ حَدَّثَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ فِي رَهْطٍ مِنَّا وَفِينَا بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ فَحَدَّثَنَا عِمْرَانُ يَوْمَئِذٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ قَالَ أَوْ قَالَ الْحَيَاءُ كُلُّهُ خَيْرٌ فَقَالَ بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ إِنَّا لَنَجِدُ فِي بَعْضِ الْكُتُبِ أَوِ الْحِكْمَةِ أَنَّ مِنْهُ سَكِينَةً وَوَقَارًا لِلَّهِ قَالَ وَمِنْهُ ضَعْفٌ قَالَ فَغَضِبَ عِمْرَانُ حَتَّى احْمَرَّتَا عَيْنَاهُ وَقَالَ أَلَا أُرَى أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتُعَارِضُ فِيهِ ؟ قَالَ فَأَعَادَ عِمْرَانُ الْحَدِيثَ قَالَ فَأَعَادَ بُشَيْرٌ فَغَضِبَ عِمْرَانُ قَالَ فَمَا زِلْنَا نَقُولُ فِيهِ إِنَّهُ مِنَّا يَا أَبَا نُجَيْدٍ إِنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ ۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار ہم حضرت عمران بن حصین کے پاس اپنے لوگوں کی ایک جماعت کی شکل میں بیٹھے تھے ہمارے درمیان بشیر بن کعب بھی تھے۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے ہم سے اس دن حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حیا سب کی سب خیر ہی ہے یا فرمایا: بالکل خیر ہے۔ بشیر بن کعب کہنے لگے: ہم نے بعض کتابوں میں یا حکمت کی باتوں میں دیکھا ہے کہ سکون اور وقار اللہ تعالیٰ کے لئے یہ اوصاف بھی حیا ہی سے پیدا ہوتے ہیں جب کہ حیا کی ایک قسم بزدلی اور بودا پن ہے۔ بشیر رضی اللہ عنہ کی اس بات پر حضرت عمران رضی اللہ عنہ غضبناک ہو گئے یہاں تک کہ ان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور فرمایا کہ: کیا تو نہیں دیکھتا کہ میں تجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تو اس میں تعارض کر رہا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے دوبارہ حدیث بیان کی تو بشیر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ وہی بات کہی پھر تو حضرت عمران رضی اللہ عنہ کو سخت غصہ آ گیا ہم نے حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے اصرار کیا کہ اے ابو نجید! بشیر ہم میں سے ہے اس کے اندر کوئی عیب نہیں ہے۔

## تشریح

''فی رهط'' دس سے کم افراد پر مشتمل جماعت کو ''رهط'' کہتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ یہ سب مرد ہوں کوئی عورت اس میں نہ ہو جمعہ ''اراهيط'' ''بشير'' یہ جلیل القدر تابعی ہیں یہ لفظ تصغیر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے ان کے علاوہ مکبر استعمال ہوتا ہے۔ ''ابو نجيد'' یہ عمران بن حصینؓ کی کنیت ہے نُجید ان کے بیٹے کا نام ہے۔ ''الحياء خير كله'' یعنی شرعی حیاء خیر ہی خیر ہے اور شرعی حیاء خیر ہی کہلاتی ہے رہ گئی طبعی حیاء تو اس سے یہاں بحث نہیں ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ بعض دفعہ حیا کرنے سے نقصان ہو جاتا ہے کیونکہ وہ حیا طبعی ہوتی ہے شرعی نہیں ہوتی۔ ''بعض الكتب او الحكمة'' یہاں او کا لفظ شک کیلئے ہے راوی کو شک ہوا کہ بشیر بن کعب نے کونسا لفظ استعمال کیا یعنی بعض حکمت اور حکماء وعقلاء کی کتابوں میں ہم نے پڑھا ہے کہ بعض حیا تو

بیشک خیر ہوتی ہے اس میں سکون اور وقار اور سنجیدگی ہوتی ہے یہ تو خیر ہی خیر ہے مگر بعض حیاء باعث ضعف باعث نقصان اور باعث بزدلی ہوتی ہے تو مطلقاً حیاء میں خیر نہیں ہے بلکہ کچھ خیر اور کچھ غیر خیر ہے۔

''فغضب عمران ''حضرت عمران بن حصینؓ اسی بات پر غصے ہوئے جس میں حضرت بشیر نے حیاء کو دو قسموں کی طرف تقسیم کیا جبکہ حدیث میں کل حیاء کو خیر قرار دیا گیا ہے اس کلام میں اگرچہ صراحت کے ساتھ حدیث کا معارضہ نہیں ہے نہ بشیر کی یہ نیت تھی مگر صورۃ یہ معارضہ کی صورت بن گئی ہے اس لئے حضرت عمران غصے ہوئے نیز حضرت بشیر نے حکماء کی کتابوں کو نبی پاک کی حدیث کے پرکھنے کے لئے معیار بنایا، ہونا یہ چاہئے تھا کہ حدیث کے فیصلے کو معیار بناتے صحابی کے غصہ ہونے کے لئے یہ دوسری وجہ تھی دونوں صورتوں میں لفظوں کا مناقشہ تھا اس لئے دیگر صحابہ نے عمران بن حصینؓ کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی اور معاملہ رفع دفع ہوگیا۔

''احمر تاعیناہ ''یعنی غصہ سے صحابی کی دونوں آنکھیں سرخ لال ہوگئی۔ یہاں نحوی اعتبار سے ایک اشکال ہے کہ جب اسم فاعل اسم ظاہر ہوتا ہے تو فعل ہمیشہ مفرد ذکر کیا جاتا ہے یہاں فعل واحد کے بجائے تثنیہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ عرب کے کئی قبائل کی لغت اسی طرح ہے کہ وہ فاعل کے اسم ظاہر ہونے کے باوجود فعل کو جمع یا تثنیہ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اہل کوفہ کی عام لغت اسی طرح ہے یا یہ ''وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا ''اور ''اکلونی البراغیث ''کے طریق پر ہے کہ فعل میں جو ضمیر مضمر ہے وہ مبدل منہ ہے اور اسم ظاہر اس سے بدل ہے پھر مبدل اور مبدل منہ ملکر فاعل بن جاتا ہے۔

''انہ منایاابانجید ''یعنی یہ شخص ہمارا ساتھی ہے پکا مؤمن ہے ان میں نفاق وغیرہ نہیں ہے ان کی نیت اچھی ہے آپ صرف اس لفظی مناقشہ میں ان کی سخت گرفت نہ کریں۔

۱۵۸۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا النَّضْرُ حَدَّثَنَا أَبُو نَعَامَةَ الْعَدَوِيُّ قَالَ سَمِعْتُ حُجَيْرَ بْنَ الرَّبِيعِ الْعَدَوِيَّ يَقُولُ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بھی حماد بن زید والی روایت کی طرح نقل کرتے ہیں۔

## باب جامع اوصاف الاسلام اَلْاِسْتِقَامَةُ

## استقامت اسلام کے جامع اوصاف میں سے ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے صرف ایک حدیث کو ذکر کیا ہے۔

۱۵۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعًا عَنْ جَرِيرٍ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ كُلُّهُمْ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ وَفِي حَدِيثِ أَبِي

أُسَامَةَ غَيْرَكَ قَالَ قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ ۔

حضرت سفیان بن عبداللہ الثقفی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اسلام کے بارے میں کوئی ایسی بات بتلا دیجئے کہ پھر آپ کے بعد کسی سے اس کے بارے میں نہ سوال کروں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہو: امنت باللہ ۔ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا، ثم استقم، پھر اس پر ثابت قدم رہو۔

## تشریح

حضرت سفیانؓ کی کنیت ابو عمر ہے۔ یہ شخص صحابی ہیں، حضرت عمر فاروقؓ کی طرف سے گورنر مقرر تھے، بنو ثقیف سے ان کا تعلق تھا اور طائف کے باشندہ تھا، ان سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں۔

''فی الاسلام'' یعنی تکمیل اسلام سے متعلق ایک جامع قول ارشاد فرمائیں، اس جملہ میں توابع اسلام سب کے سب آگئے گویا پوری شریعت کی بات ہوگئی۔ ''امنت باللہ'' یعنی ان تمام چیزوں پر ایمان لایا ہوں جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس میں بھی پوری شریعت آگئی۔ ''ثم استقم'' یہ لفظ قرآن کریم کی آیت ﴿ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا﴾ سے ماخوذ ہے یعنی اوامر کے امتثال پر اور نواہی سے اجتناب پر ڈٹ کر قائم رہو، یہ حدیث ''جوامع الکلم'' میں سے ہے، جو اصول اسلام توحید اور ارکان اسلام یعنی طاعات پر مشتمل ہے توحید کی طرف اشارہ ''امنت باللہ'' سے ہوا اور باقی طاعات کی طرف اشارہ ''ثم استقم'' سے ہوا کیونکہ استقامت اس کا نام ہے کہ ہر مامور کا امتثال ہو اور ہر محظور سے اجتناب ہو اگر ذرا بھی اوامر و نواہی میں فرق آگیا تو ''اعوجاج'' ٹیڑھا پن آجائے گا جو استقامت کے منافی ہے۔ اس طرح اس حدیث میں اعمال قلب، اعمال بدن، ایمان، اسلام اور احسان سب آگئے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کرام نے کہا ہے ''الاستقامة خیر من الف کرامة'' پس اگر کوئی شخص مامور کو چھوڑتا ہے تو استقامت جاتی ہے یا منہی عنہ کا ارتکاب کرتا ہے تو استقامت نہیں رہتی ہے، یہ پل صراط کی طرح باریک تیز دھار نوک دار تلوار پر سفر ہے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''شیبتنی ھود واخواتھا'' کیونکہ ان سورتوں میں ''فاستقم کما امرت'' کا حکم تھا۔

## استقامت کا مفہوم

۱۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں صحیح راستہ پر استقامت اتنی مشکل ہے جتنا کہ عالم آخرت میں پل صراط پر استقامت مشکل ہوگی، اس دنیا میں استقامت کا ہر پل بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔

۲۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جب استقامت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا ''ان لا تشرک باللہ شیئا'' یعنی استقامت خالص توحید کا نام ہے۔

۳۔ حضرت عمر فاروق سے پوچھا گیا تو فرمایا "تستقیم علی الامر والنھی ولا تروغ روغان الثعالب" یعنی حق و باطل کے وقت حق پر مضبوط ڈٹ جاؤ اور لومڑی کی طرح ادھر ادھر قلابازیاں نہ کھاؤ۔

۴۔ حضرت عثمانؓ نے استقامت کے متعلق فرمایا "اخلصوا العمل للہ" یعنی خالص رضائے الٰہی کے لئے ہر کام کرنا استقامت ہے۔

۵۔ حضرت علیؓ نے فرمایا "داوموا الفرائض کلھا" یعنی تمام فرائض پر دوام و استمرار کے ساتھ قائم رہنا استقامت ہے۔

## باب بیان تفاضل الاسلام و ایُّ امورہ افضل؟

## احکام اسلام میں تفاوت اور سب سے افضل عمل کا بیان

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں پانچ احادیث کو بیان کیا ہے۔

علامہ نوویؒ نے جو عنوانات لگائے ہیں اس سے وہ اس بات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ ایمان کے کئی شعبے ہیں اور جس چیز کے کئی شعبے اور انواع ہوں وہ مرکب ہوتی ہے لہٰذا ایمان ذو اجزاء ہے اور مرکب ہے جب مُرکب من الاجزاء ہے تو یزید و ینقص ہے اور یہی شوافع اور جمہور محدثین کا مسلک ہے میں نے کتاب الایمان کی ابتداء میں اس بحث کو مکمل مدلل لکھدیا ہے یہ مسئلہ اصل میں امام بخاری کے شایان شان ہے وہ اس میدان کے شہسوار اور بلا مقابلہ بادشاہ ہیں دوسرے لوگ نقل تو بیشک کرلیں گے لیکن اس مسئلہ میں ان کی طرح ذوق کہاں سے لائیں گے ائمہ احناف اور جمہور متکلمین کی طرف سے ابتدائی مباحث میں جوابات دیئے گئے ہیں کہ ایمان اصل میں عقد جازم کا نام ہے اس میں ترکیب نہیں وہ بسیط ہے اس لئے لایزید و ینقص ہے جہاں اجزاء کی وجہ سے مرکب نظر آتا ہے تو یہ ایمان کے لئے اجزاء تحسینیہ ہیں ترکیبیہ نہیں ہیں اجزاء تکملیہ ہیں اجزاء نورانیہ ہیں۔ تو ایمان "کم" کے اعتبار سے لایزید و ینقص ہے ہاں "کیف" کے اعتبار سے یزید و ینقص ہے تفصیل گذر چکی ہے۔

۱۶۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحِ بْنِ الْمُهَاجِرِ اَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ حَبِيْبٍ عَنْ اَبِي الْخَيْرِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَاُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کونسا اسلام بہتر ہے؟ فرمایا: یہ کہ تم کھانا کھلاؤ اور یہ کہ جان پہچان والے اور اجنبی ہر ایک کو سلام کرو۔

### تشریح

اس سند میں یہ خصوصیت ہے کہ اس میں سارے محدثین مصری ہیں اور بڑے بڑے امام اس کے راوی ہیں اس میں ایک "اللیث" ہے یہ لیث بن سعد ہیں ان کی امامت وجلالت پر یہ شاہد عدل ہے کہ امام شافعی اور ابن بکیر نے ان کے بارے میں

فرمایا کہ لیث امام مالکؒ سے زیادہ فقیہ تھے لیث مصر کے بڑے مفتی تھے۔ ''ابو الخیر'' ان کا نام مرثد بن عبداللہ ہے۔ ''عمرو'' یہ واؤ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے کہ عُمر اور عمرو میں فرق آجائے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قریشی ہیں اپنے والد صاحب سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے باپ سے گیارہ بارہ یا تیرہ سال چھوٹے تھے کثیر العلم اور کثیر العبادت صحابی تھے کثرت سے رونے کی وجہ سے آخر عمر میں نابینا ہو چکے تھے حدیث نبوی کے کاتب تھے مکہ یا طائف یا مصر میں ۶۵ھ میں انتقال کر گئے تھے۔

''ای الاسلام خیر'' ای ای اعمال الاسلام خیر۔ یعنی اسلام کا کونسا عمل یا کونسی خصلت سب سے بہتر اور افضل ہے اس کے جواب میں یہاں دو چیزیں آئی ہیں ایک چیز ''تطعم الطعام'' ہے یہاں ان مصدریہ مقدر مان کر اطعام الطعام کے معنی میں لینا ہوگا تو حمل درست ہو جائیگا کھانا کھلانا اسلام کے اچھے اخلاق میں سے ایک اچھی صفت ہے جس سے مسلمانوں کی اجتماعیت الفت اور محبت بڑھ جاتی ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ الفت ومحبت اسلام کے اہم فرائض میں سے ہے جس سے اسلام کا نظام منظم ہو جاتا ہے۔ بہر حال ضیافت وسخاوت والفت ومحبت وہ صفات ہیں جس سے دل کے امراض خبیثہ دفع ہو جاتے ہیں۔

''وتقرأ السلام'' یعنی جان پہچان والا ہو یا نہ ہو سلام کو عام کرنا بہترین خصلتوں میں سے ایک خصلت وصفت ہے سلام عام کرنے سے بھی الفت محبت اور اجتماعیت پیدا ہو جاتی ہے اس میں کچھ خرچ کرنا بھی نہیں پڑتا ہے اور فوائد بہت ہیں اس لئے معاشرہ میں سب سے زیادہ کنجوس آدمی وہی ہوتا ہے جو سلام میں بخل کرتا ہے سلام کرنا اگرچہ سنت ہے مگر اس کا جواب دینا واجب ہے بشرطیکہ سلام کرنے والے نے مناسب وقت میں سلام کیا ہو، سلام کے کئی مواضع ہیں آئندہ ابواب السلام میں انشاءاللہ تفصیل آجائیگی۔

یہاں بھی ان مصدریہ مقدر مان کر ''اقراء السلام'' بنایا جا سکتا ہے جس طرح تطعم الطعام میں ہے۔ سلام کرنا اس امت کی خصوصی علامت ہے غیر مسلم پر سلام کی ابتدا نہیں کرنی چاہئے اسی طرح فاسق پر بھی ابتدا نہیں کرنی چاہئے البتہ ان کے سلام کا جواب مناسب طریقہ سے دیا جا سکتا ہے۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اطعام الطعام کو افضل عمل بتایا کیونکہ اس میں ابدان کی بقاء ہے، پھر افشاء سلام کو احسان واکرام کے لئے بہترین گفتگو قرار دیا اور اس کو عام وخاص کے لئے عام کیا تاکہ یہ صرف اللہ کی رضا کے لئے بن جائے اور اس میں کوئی تملق وتصنع نہ رہ جائے بلکہ ہر ایک کے لئے عام ہو جائے ایک حدیث میں اس نقصان کو بیان کیا گیا ہے کہ آخر زمانہ میں سلام صرف ان لوگوں تک خاص ہو کر رہ جائیگا جن کے ساتھ جان پہچان ہو۔ (فتح الملہم)

۱۶۱۔ وحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَبْدِاللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ الْمِصْرِيُّ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَاللَّهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ يَقُولُ إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْمُسْلِمِينَ خَيْرٌ؟ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سے مسلمان بہتر ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

## تشریح

"ابن وھب" ھو عبداللہ بن وھب، یہ جلیل القدر محدث ہیں اہل مصر ہر لحاظ سے انہیں پر اعتماد رکھتے تھے کہتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی عادت تھی کہ وہ اپنے خط میں کسی کو فقیہ کہہ کر یاد نہیں کرتے تھے مگر صرف ابن وھب کو فقیہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔

"عمرو بن الحارث" یہ بھی مصر کے بڑے مفتی تھے بڑے امام تھے امام مالکؒ ان کو "درۃ الغواص" یعنی سمندر کے غوطہ خوروں کے مایہ ناز موتی کہتے تھے ابن وھب فرماتے ہیں کہ میں نے تین سو ستر استاذوں سے احادیث حاصل کی ہیں مگر میں نے عمرو بن الحارث جیسا حافظ الحدیث کسی کو نہیں دیکھا۔ "ای المسلمین خیر" یعنی مسلمانوں میں سب سے بہتر کون ہوتا ہے۔

## سوال

یہاں ایک مشہور سوال اور اشکال ہے وہ یہ کہ احادیث میں "ای المسلمین خیر" کی طرح "ای الاسلام احب، ای الاعمال افضل وغیرہ" مختلف سوالات آنحضرتؐ سے کیے گئے ہیں اور سب کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی اعمال وافعال میں سب سے افضل عمل کونسا ہے ان سب سوالات کا جواب بظاہر ایک ہی آنا چاہئے، کیونکہ سب سے افضل عمل تو ایک ہی ہوسکتا ہے لیکن اس قسم کے سوالات کے جوابات مختلف آئے ہیں ایسا کیوں ہے؟ چنانچہ یہاں "من سلم المسلمون" آیا ہے بعض جگہ "تطعم الطعام" آیا ہے بعض جگہ "الصلوٰۃ لوقتھا" آیا ہے بعض جگہ "الجہاد فی سبیل اللہ" آیا ہے، تو اب ہم کس عمل کو سب سے افضل عمل کہہ دیں؟

## جواب

شارحین حدیث نے اس اشکال کے کئی جوابات دیے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ سائلین کے احوال کے اعتبار سے جواب دیا گیا ہے جس میں جو کمی محسوس کی گئی اسی کے ازالے کے لئے جواب دیا گیا ہے، یا جس میں جو استعداد محسوس کی گئی اسی کے مطابق جواب دیا گیا ہے۔

۲۔ زمانے کے احوال کے اعتبار سے جواب دیا گیا ہے حج کے زمانہ میں حج کے عمل کو سب سے افضل کہا گیا جہاد کے زمانہ میں جہاد کو سب سے افضل کہا گیا نمازوں کے اوقات میں ترغیب کی غرض سے نماز کو سب سے افضل کہا گیا قربانی کے زمانہ میں یا زکوٰۃ اور صیام کے ایام میں اس کو سب سے افضل عمل کہا گیا تو زمانہ کے اختلاف کی وجہ سے تعارض نہیں ہے۔

۳۔ امام طحاویؒ نے فرمایا کہ افضل ایک نوع ہے جس کے تحت ایک فرد نہیں بلکہ کئی افراد ہیں تو جن جن اعمال پر افضلیت کا حکم لگایا گیا ہے وہ سب اسی نوع کے افراد ہیں جو اس نوع کے تحت داخل ہیں اور ایک نوع کے افراد ایک دوسرے کے مخالف

اور معارض نہیں ہوتے ہیں بلکہ معاون ہوتے ہیں۔

۴۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے فتح الملہم میں اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ افضلیت کے اعتبارات مختلف ہوتے ہیں مثلاً صدیق اکبرؓ "رحم امۃ" کے اعتبار سے افضل ہیں عمر فاروقؓ "اشدھم فی امر اللہ" کے اعتبار سے افضل ہیں، حضرت عثمانؓ "اصدقھم حیاء" کے اعتبار سے افضل ہیں اور حضرت علیؓ "اقضاھم علی" کے اعتبار سے افضل ہیں۔ جہات کے اختلاف کی وجہ سے جوابات میں اختلاف آیا ہے تو کوئی تضاد وتعارض نہیں ہے۔ بہر حال زیر بحث حدیث میں جو سب سے بہتر مسلمان کے بارے میں سوال کیا گیا ہے تو آنحضرت نے "من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" سے جواب دیا ہے ساتھ والی حدیث میں تشریح آرہی ہے۔

۱۶۲۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ الْحُلْوَانِيُّ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ جَمِيعًا عَنْ أَبِي عَاصِمٍ قَالَ عَبْدٌ أَخْبَرَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا الزُّبَيْرِ يَقُولُ سَمِعْتُ جَابِرًا يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

## تشریح

"المسلم" اس سے کامل مسلمان مراد لیا جاتا ہے تا کہ یہ اعتراض نہ آئے کہ جس کے ہاتھ وزبان سے عام مسلمان محفوظ نہ ہوئے تو کیا وہ شخص مسلمان نہیں رہے گا؟ تو عام شارحین کامل مسلمان مراد لیتے ہیں لیکن اس تقدیر نکالنے سے شارع علیہ السلام کی غرض فوت ہو جاتی ہے، اس لئے کامل کے ساتھ ترجمہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ یہ حصر ادعائی ہے کہ مسلمان تو بس وہی ہے جس کے ہاتھ وزبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ یہاں مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہیں اس کا فائدہ بھی یہی حصر ہے نیز عربی محاورہ بھی ہے کہ "الناس العرب، المال الابل" یہ سب حصر ادعائی کے قبیل سے ہیں یعنی "افضل المال الابل، افضل الناس العرب" تو الف لام جنسی مدح کے لئے ہے۔ شاہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ علمی تحقیق اور قیودات کی تدقیق وتعمیق کی حد تک تو یہ قید لگانا درست ہے لیکن یہ تاویل اس لئے مناسب نہیں کہ اس سے کلام میں زور باقی نہیں رہتا اور مقصود شارع فوت ہو جاتا ہے، اس قسم کی تمام احادیث کا یہی مطلب لینا چاہئے کہ مؤمن تو وہی ہے جس میں امن ہو، مسلم تو وہی ہے جس میں سلامتی ہو مہاجر وہی ہے جس میں ہجرت عن المعاصی ہو، مجاہد تو وہی ہے جس میں جہد فی العمل ہو، وہ کیا مسلمان جس میں سلامتی کا مادہ نہیں وہ کیا مؤمن جس میں امن کی صفت نہیں وہ کیا مہاجر جس میں ہجرت کی صفت نہیں، وہ کیا مجاہد جس میں جہد فی العمل اور مشقت عبادت نہیں۔

### سوال

یہاں یہ اعتراض ہے کہ سلامتی کی صفت اگر کسی غیر مسلم میں آجائے یا مسلم میں صرف سلامتی ہو باقی ارکان نہ ہو تو کیا وہ کامل مسلم ہو جائے گا؟

### جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں معاملہ باب فتح یفتح کے قبیل سے ہے کہ اس کے لئے حرف حلقی کا ہونا ضروری ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جہاں حرف حلقی آجائے وہاں فتح یفتح کا باب ہوگا، اسی طرح مسلم کے لئے سلامتی ضروری ہے لیکن اگر یہ صفت غیر مسلم میں آجائے تو ضروری نہیں کہ وہ مسلمان کہلائے، مسلمان کے لئے یہ اوصاف ضروری ہیں۔

''المسلمون'' یہاں ایک اشکال ہے کہ ایذا رسانی سے حفاظت کو صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص کیا گیا حالانکہ ناجائز ایذا رسانی تو کسی کافر بلکہ جانور کی بھی منع ہے، جس طرح کہ احادیث وقرآن میں اس کی تصریح ہے تو یہاں المسلمون کو کیوں خاص کیا گیا ہے؟

### جواب

چونکہ مسلمانوں کی ایذا رسانی سے بچنے کی اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے اس لئے اس کا ذکر کیا گیا ہے، یہ قید احترازی نہیں بلکہ قید اتفاقی ہے کہ مسلمان سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے ورنہ ناحق طور پر ایذا کسی مرد وزن، مسلم وغیر مسلم بلکہ جانور کی بھی جائز نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض روایات میں المسلمون کی جگہ ''من سلم الناس من لسانہ ویدہ'' کے الفاظ آئے ہیں اور ''المؤمن من امنہ الناس علی دمائھم واموالھم'' کے الفاظ مذکور ہیں۔

اس کے بعد یہ بھی ملحوظ رہے کہ حدود اللہ کی تنفیذ اور اجراء، تعزیرات، ضرب اطفال، جہاد فی سبیل اللہ یہ سب امور اصلاح کے لئے ہیں، یہ عرفاً ایذاء نہیں یا شرعاً مستثنیٰ ہیں اور ''المسلمون'' کہہ کر جہاد کو الگ کر دیا گیا ہے کیونکہ جہاد کفار سے ہوتا ہے۔ بہر حال حدیث میں بلا وجہ اور بلا غرض صحیح ناحق طور پر ایذا رسانی سے منع کیا گیا ہے صحیح وجہ اور معقول سبب سے سزا دینا منع نہیں ہے۔

''من لسانہ'' ایذاء لسانی میں سب وشتم، لعن طعن، غیبت، چغلخوری، بہتان وغیرہ سب داخل ہیں، زبان کو ''ید'' پر مقدم کیا اس لئے کہ زبان کی ایذاء، زندوں، مردوں حاضرین، غائبین، اگلوں پچھلوں اور ابرار اور فجار سب کو عام ہے یا اس لئے مقدم کیا کہ زبان کی کاٹ بڑی سخت ہوتی ہے تو اس کی ایذاء عام بھی ہے اور تام بھی ہے کسی نے عربی میں کہا ہے۔

جراحات السنان لھا التیام ولا یلتام ما جرح اللسان

کسی نے فارسی میں کہا۔

جراحت نیزہ را گردد بدارو ولے جرح زباں را نیست دارو

کبھی زبان نکال کر مذاق واستہزاء کیا جاتا ہے "لسانہ" اس کو بھی شامل ہے۔ "ویدہ" ہاتھ کی ایذاء رسانی میں ضرب، قتل، ہدم، دھکا دینا اور کسی کے خلاف ناجائز تحریر لکھ دینا یا ہاتھ سے اشارہ کر کے ایذا پہنچانا سب داخل ہیں۔ ہاتھ بول کر کنایہ سب اعضاء سے کیا گیا ہے کیونکہ ہاتھ ہی سے تمام افعال کا ظہور ہوتا ہے، اس لئے بطور خاص ہاتھ کا ذکر ہوا ہے، ہاتھ سے مراد ظاہری ہاتھ بھی ہے اور اس سے معنوی ہاتھ یعنی کسی چیز پر قبضہ جمانا اور ناجائز طور پر دبانا بھی داخل ہے۔

۱۶۳۔ **وحَدَّثَنِیْ** سَعِیْدُ بْنُ یَحْیَی بْنُ سَعِیْدِ الْاُمَوِیُّ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ حَدَّثَنَا اَبُوْبُرْدَۃَ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ اَبِیْ بُرْدَۃَ بْنِ اَبِیْ مُوْسٰی عَنْ اَبِیْ بُرْدَۃَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ؟ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کونسا اسلام سب سے افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

۱۶۴۔ **وَحَدَّثَنِیْہِ** اِبْرَاھِیْمُ بْنُ سَعِیْدِالْجَوْھَرِیُّ حَدَّثَنَا اَبُوْاُسَامَۃَ قَالَ حَدَّثَنِیْ بُرَیْدُ ابْنُ عَبْدِاللّٰہِ بِھٰذَاالْاِسْنَادِ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْمُسْلِمِیْنَ اَفْضَلُ؟ فَذَکَرَ مِثْلَہٗ۔

اس سند سے بھی یہ روایت اسی طرح مذکور ہے باقی اس میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسا مسلمان افضل ہے۔

## باب بیان خصال من اتصف بھن وجد حلاوۃ الایمان

## ان خصلتوں کا بیان جن کے اپنانے سے ایمان میں لذت پیدا ہوتی ہے

امام مسلم نے اس عنوان کے تحت تین احادیث کو بیان کیا ہے۔

۱۶۵۔ **حَدَّثَنَا** اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ وَمُحَمَّدُ بْنُ یَحْیَی بْنِ اَبِیْ عُمَرَ وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ جَمِیْعًا عَنِ الثَّقَفِیِّ قَالَ ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَھَّابِ عَنْ اَیُّوْبَ عَنْ اَبِیْ قِلَابَۃَ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ کُنَّ فِیْہِ وَجَدَ بِھِنَّ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ مَنْ کَانَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھُمَا وَاَنْ یُحِبَّ الْمَرْءَ لَایُحِبُّہٗ اِلَّا لِلّٰہِ وَاَنْ یَکْرَہَ اَنْ یَعُوْدَ فِی الْکُفْرِ بَعْدَ اَنْ اَنْقَذَہُ اللّٰہُ مِنْہُ کَمَا یَکْرَہُ اَنْ یُقْذَفَ فِی النَّارِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں (خصلتیں) ایسی ہیں جس کے اندر بھی ہوں وہ ان کی وجہ سے حلاوت ایمانی حاصل کرے گا۔ (۱) اللہ اور اس کا رسول ہر شخص اور چیز سے زیادہ محبوب رکھے۔ (۲) اور جو کسی انسان سے محبت کرے تو خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے۔ (۳) اور جس کو اللہ تعالیٰ نے جہنم

کی آگ سے بچالیا وہ کفر کی طرف واپس لوٹنے کو ایسا ناپسند کرے جیسا آگ میں پھینکے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

## تشریح

اس سند میں ایوب سے ایوب سختیانی مراد ہے تابعی ہیں امام ابوحنیفہؒ نے بھی ان سے حدیث پڑھی ہیں۔

"ثلاث" ثلاث مبتداء ہے اور "من کن فیہ" پورا جملہ شرطیہ اس کی خبر ہے۔ اب سوال یہ کہ ہے کہ ثلاث نکرہ ہے یہ کس طرح مبتدا واقع ہوا ہے جبکہ مبتدا کے صحیح ہونے کے لئے معرفہ ہونا ضروری ہے۔

اس کا ایک جواب یہ ہے ثلاث نکرہ ہے محضہ نہیں ہے بلکہ نکرہ مخصصہ ہے یہ خود صفت ہے اس موصوف محذوف ہے جو خصال کا لفظ ہے "ای خصال ثلاث" اب اعتراض نہیں رہیگا۔ نیز شرح جامی میں وضاحت موجود ہے کہ جب نکرہ سے استفادہ ہوسکتا ہے تو نکرہ مبتدا واقع ہوسکتا ہے "کوکب انقض الساعۃ" مثال موجود ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ "ثلاث" میں تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی تین بڑی چیزیں ہیں تو اس سے تخصیص پیدا ہوگئی۔

"وجد" یہ ادراک کے معنی میں ہے نیز یہ "ذاق" اور "صادف" کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے۔

"حلاوۃ الایمان" اس حلاوت سے حلاوت ظاہری بھی مراد لی جاسکتی ہے جو حلاوت حسی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور حلاوت سے یہاں معنوی حلاوت بھی مراد لی جاسکتی ہے اگر یہاں حلاوت معنوی ہو تو اس کی تشریح اس طرح ہوسکتی ہے۔

ای استلذاذ الطاعات وایثار الطاعات علی جمیع الشھوات وتحمل المشقات فی مرضات اللہ ورسولہ والرضا بالقضاء فی جمیع الحالات۔ (مرقات)

اگر یہاں حلاوت سے حسی حلاوت مراد ہو تو اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ حلاوت ایمانی سے مراد وہ قلبی لذت ہے جس کو دوسری روایات میں بشاشت قلبی کے نام سے یاد کیا گیا ہے اس لذت کے سامنے دنیوی لذائذ کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی ہے اس کو آدمی منہ میں بھی محسوس کرسکتا ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم میں لکھا ہے کہ ظاہری اور حسی حلاوت کا قول فقہاء کرام نے کیا ہے اور صوفیاء کرام نے اس حلاوت سے معنوی حلاوت مراد لیا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس حلاوت سے حسی اور ظاہری حلاوت مراد لیا ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس پر تعجب کا اظہار کیا ہے شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ہمارے اکابر میں سے ایسے بھی گذرے ہیں جن کو ذکر اللہ میں ظاہری طور پر ایسی لذت محسوس ہوتی تھی جیسے وہ منہ میں کوئی میٹھی چیز چوس رہے ہیں۔ بہرحال اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتارہے ہیں کہ ایمان کی اصل حلاوت وہی آدمی چکھ سکتا ہے جس کا دل روحانی صفات سے منور ہو اور وہ روحانی اعتبار سے بالکل تندرست ہو، اگر کوئی شخص روحانی طور پر بیمار ہو یعنی اس کا دل روحانی صفات سے عاری

ہوتو وہ شخص ایمان کی حلاوت بالکل محسوس نہیں کرسکتا ہے اس کی مثال ایک تندرست اور بیمار شخص کی طرح ہے اگر کوئی آدمی تندرست اور صحت مند ہے تو وہ شہد کی حلاوت کو اس طرح پاسکتا ہے جس طرح کہ شہد کی حقیقت ہے لیکن اگر کوئی شخص صفراء کا مریض ہے تو وہ شہد کو چکھ کر اعلان کرے گا کہ یہ کڑوا ہے حالانکہ شہد کڑوا نہیں ہوتا بلکہ یہ قصور اس شخص کی بیماری کا ہے کہ صفراء کی وجہ سے اس کو ایک لذیذ ترین چیز کڑوی لگتی ہے، بالکل اسی طرح اگر کوئی شخص روحانی امراض میں مبتلا ہے تو وہ اسلام کی حقیقی لذت کو کبھی محسوس نہیں کرسکتا ہے، وہ الٹا اس لذیذ ترین نعمت کو کڑوا قرار دینے کی کوشش کرے گا لیکن اگر روحانی اعتبار سے یہ شخص تندرست ہے تو وہ ایمان کی اعلیٰ ترین لذت کو محسوس کرکے اس کا اعتراف کرے گا اور اعلان کرے گا کہ ہاں یہ لذیذ ترین نعمت ہے روحانی تندرست کے لئے۔

اس حدیث میں حلاوت ایمان کی چاشنی محسوس ہونے کے لئے تین چیزوں کو ضروری قرار دیا گیا ہے، اول یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت دوسری تمام محبتوں پر غالب ہو، دوم یہ کہ اگر کسی مخلوق سے محبت ہوتو وہ بھی صرف اللہ کے لئے ہو، سوم یہ کہ مسلمان ہونے کے بعد کفر سے اتنی نفرت ہو جتنی آگ میں ڈالنے سے ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جس نے ایمان کی لذت محسوس کی تو شریعت پر چلنا آسان ہوگا ورنہ بڑی تکلیف محسوس کرکے بھاگے گا۔

"من کان" یہاں تقدیری عبارت ماننا ضروری ہے یعنی "احدها محبة من کان الله ورسوله احب الخ" "احب" سے محبت اختیاری شرعی مراد ہے۔ متکلمین علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ سے محبت کا مطلب اس کے احکامات اور طاعات سے محبت کرنا ہے مگر علماء عارفین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا مطلب اس کی ذات سے محبت کرنا ہے، یہ قول راجح ہے۔

"مما سواهما" یہ سواھما عام ہے ذوی العقول ہو یا غیر ذوی العقول ہو، مال میں سے ہو یا جاہ ومنصب میں سے ہو یا شہوات میں سے ہو۔

## سوال

اشکال یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اللہ تعالیٰ کا نام اور اپنا نام تثنیہ کے ساتھ ایک ضمیر میں جمع فرمایا ہے یعنی "مما سواهما" اسی طرح خطبہ نکاح میں بھی دونوں کو ایک ضمیر "هما" میں جمع فرمایا ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک خطیب کو ان الفاظ پر ڈانٹا تھا جنہوں نے یہ الفاظ کہے تھے "من يطع الله ورسوله فقد رشد ومن يعصهما فقد غوى" فقال عليه السلام بئس الخطيب انت قم" اب اس کا جواب کیا ہوگا؟ شارحین حدیث اس سوال کے کئی جواب دیتے ہیں۔

## پہلا جواب

یہ کہ یہ اعتراض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ نہیں ہے کیونکہ ایک چیز امت کے لئے منع ہوتی ہے حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کے لئے منع نہیں ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مثلاً ''ھما'' کی ضمیر میں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ناموں کو اکٹھا فرمایا ہے تو آپ سے تو شرک، تسویہ اور برابری کا وہم نہیں ہو سکتا لیکن دوسروں میں یہ احتمال ہے کہ وہ اتحاد ضمیر کی وجہ سے اشتراک اور مساوات کا گمان کرے اس لئے منع کیا۔

## دوسرا جواب

یہ ہے کہ اطاعت میں دونوں کو جمع کرنا تو صحیح ہے کیونکہ ایک کی اطاعت ناتمام ہے اور وہ گیا معصیت کا معاملہ تو اس میں ایک کی معصیت بھی تباہ کن ہے اور خطیب نے دونوں کی معصیت کو تباہی و گمراہی کے لئے ضروری بنادیا۔

## تیسرا جواب

یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بغیر اجازت خطبہ کے لئے کھڑا ہونا اور خطبہ دینا کس قدر بے ادبی کی بات ہے شاید اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزنش فرمائی یہ وجہ کسی کتاب میں نہیں ملی ممکن ہے صحیح ہو ورنہ بندہ معافی کا خواستگار ہے۔

وثانیتھا محبۃ من احب عبدا حرا کان او عبدا مملوکا لایحبہ ای لایحبہ لغرض وعرض وعوض ولا یشوب محبتہ حظ دنیوی ولا امر بشری بل محبتہ تکون خالصۃ للہ تعالیٰ۔

محبت رکھے پاک لینے دینے کی منہ میں خاک

''وثالثتھا کراھۃ من یکرہ ان یعود'' عود کے دو معنی لئے جاسکتے ہیں اول یہ کہ ایک آدمی اسلام پر پیدا ہوا اور اسی پر پھلا پھولا اب یہ شخص کفر کی طرف لوٹنے کو برا مانتا ہے تو یہ عود ''صیرورت'' کے معنی میں ہے گویا اس کا معنی ابتداء کسی چیز کی طرف رجوع اور لوٹنے کا ہوا۔

عود کا دوسرا معنی حالت اولیٰ کی طرف لوٹنے کا ہے یہ ان لوگوں کے لئے مناسب ہوگا جو پہلے کفر پر تھے پھر مسلمان ہو گئے اب دوبارہ حالت اولیٰ حالت کفر کی طرف لوٹنے کو برا مانتے ہیں۔

اس حدیث میں ایمان کی حلاوت کا جو بیان ہوا ہے اس پر یہ بحث ہوئی ہے کہ آیا یہ حلاوت حسی ہے کہ آدمی منہ میں محسوس کرے یا یہ معنوی حلاوت اور مٹھاس ہے؟ ابن حجر رحمہ اللہ نے حسی مٹھاس کا قول کیا ہے، جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے جس پر ملا علی قاری رحمہ اللہ نے سخت تعجب کا اظہار کیا ہے کہ حسی مٹھاس کیسے ہو سکتی ہے، مگر صوفیاء کرام کی اکثریت اس کے قائل ہے کہ حسی ظاہری مٹھاس ہو سکتی ہے، بہر حال صفائی باطن کے ساتھ اس کا تعلق ہے تو اصحاب کمال اس تشریح کو نظر انداز نہیں کر سکتے ہیں عام علماء نے معنوی حلاوت مراد لیا ہے۔ علامہ عثمانی فتح الملہم میں لکھتے ہیں کہ عارف باللہ شیخ ابو جمرہ نے کہا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یہاں حلاوت معنوی ہے یا حسی ہے ایک طبقہ نے حلاوت معنوی پر حدیث کو محمول کیا ہے یعنی جس میں حلاوت آگئی تو ان کو قطعی علم

حاصل ہوگیا کہ ایمان کا عقیدہ پکا ہے اور احکام ایمان پر جھک کر چلنا چاہئے۔ فقہاء کرام کا طبقہ اسی طرف گیا ہے دوسرے طبقہ نے اس حلاوت کو حسی حلاوت پر حمل کیا ہے اور حدیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے یہ صوفیاء کا مسلک ہے۔ علامہ عثمانی نے اس مسلک کو راجح کہا ہے کیونکہ اس میں حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل ہوجاتا ہے آپ نے صحابہ کرام کی جماعت سے چند مثالیں پیش فرمائیں کہ دیکھو حضرت بلال نے جب یہ لذت محسوس کی تو آگ پر لیٹنا آسان ہوگیا ایک صحابی کو نماز میں تین تیر لگے مگر وہ لذت نماز سے پیچھے نہیں ہٹے۔ ابراہیم بن ادھم نے کہا کہ ہم جس لذت کو پا رہے ہیں اگر وقت کے بادشاہوں کو اس کا پتہ چلے تو وہ تلواریں لیکر ہم سے لڑنے لگ جائیں گے جنید بغدادی نے کہا کہ رات کے تہجد گذار اپنے تہجد میں وہ لذت محسوس کرتے ہیں جو کھیل کے شوقین اپنے کھیل میں محسوس نہیں کرسکتے ہیں۔

اس حدیث میں تین صفات کا بیان ہے اول دو صفات تو " تحلی و تزین بالفواضل و الفضائل " کے قبیل سے ہیں اور تیسری صفت " تخلی من الرذائل " کے قبیل سے ہے گویا اس میں اشارہ ہوگیا کہ کفر سے براءت کا اعلان بھی ایمان کی تکمیل کے لئے ضروری ہے۔ "انقذ" چھڑانے کے معنی میں ہے "یقذف" پھینکنے کے معنی میں ہے دوسری روایت میں "یلقی " کا لفظ ہے معنی ایک ہی ہے یہ حدیث اس سے پہلے حدیث ذاق طعم الایمان کے ساتھ مضمون میں ایک جیسے ہے۔

۱۶۶۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ طَعْمَ الْإِيْمَانِ مَنْ كَانَ يُحِبُّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ وَمَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَنْ كَانَ أَنْ يُلْقٰى فِي النَّارِ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَرْجِعَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین خصلتیں ہیں جس کے اندر موجود ہوں وہ ایمان کا مزہ پائے۔ (۱) جو شخص کسی سے صرف اللہ کے لئے محبت کرے۔ (۲) جس کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول ہر ما سوا سے زیادہ محبوب ہو۔ (۳) جسے اللہ نے آگ سے بچالیا ہو اور وہ کفر کی طرف واپس پھرنے کو سخت ناپسند کرے اور اس کو آگ میں ڈالا جانا زیادہ پسند ہو۔

۱۶۷۔ **حَدَّثَنِي** إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ أَنْبَأَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ أَنْبَأَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِ حَدِيْثِهِمْ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ مِنْ أَنْ يَرْجِعَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا۔

اس سند سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی سابقہ روایت کی طرح منقول ہے مگر اس میں اتنا لفظ زائد ہے کہ دوبارہ یہودی یا نصرانی ہونے سے آگ میں لوٹ جانے کو زیادہ بہتر سمجھے۔

## باب وجوب محبة رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا واجب ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے دو حدیثوں کو بیان کیا جاتا ہے۔

۱۶۸۔ وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُلَيَّةَ ح وَحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ كِلَاهُمَا عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ وَفِي حَدِيثِ عَبْدِ الْوَارِثِ الرَّجُلُ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اس کو اس کے گھر والوں، اس کے مال و دولت اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

### تشریح

''انس'' انس بن مالک بن نضر الانصاری الخزرجی رضی اللہ عنہ دس سال کی عمر میں انکی والدہ ام سلیمؓ ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت لے آئی جبکہ ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا اور انکی والدہ ام سلیم نے ابوطلحہؓ سے نکاح کیا تھا ام سلیم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ''خویدمك ادع الله له'' آنحضرت نے اس طرح دعا فرمائی ''اللهم بارك في ماله وولده واطل عمره واغفر ذنبه'' اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ اولاد میں اس طرح برکت آگئی کہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھ سے ۹۸ بچے دفن کیے ہیں مال میں اس طرح برکت ہوگئی کہ سال میں دو بار پھلوں کی فصل آتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے تعلیم فقہ وحدیث کے لئے بطور معلم بصرہ بھیجا تھا فرمایا کہ عمر سے اب اکتا گیا ہوں اور آنحضرت کی آخری دعا مغفرت کی امید رکھتا ہوں دس سال تک حضور اکرمؐ کے خاص خادم رہے اور ایک سو تین سال کی عمر پا کر بصرہ میں ۹۳ھ میں انتقال فرما گئے یا ۹۵ھ میں رحلت فرمائی۔ آپ سے ۱۲۸۶ حدیثیں مروی ہیں آپ کی کنیت ابوحمزہ ہے خزرجی انصاری ہیں۔

''احب اليه من والده'' احب محبوب کے معنی میں ہے ''والده'' عاقل کے نزدیک اہل و مال بلکہ اپنے نفس سے بھی والد اور ولد معزز ہوتے ہیں چنانچہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے مگر ان کو بچاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیث انس میں ''نفس'' کا لفظ نہیں اور دوسری روایات میں ہے اس میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ جب والد کا لفظ آگیا تو والد تو نفس سے زیادہ عزیز ہے لہٰذا نفس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ بخاری کی روایت میں ''والد'' کو ''ولد'' پر مقدم کیا ہے کیونکہ والد وجود کے اعتبار سے مقدم بھی ہے اور معظم بھی ہے اور اگر ولد مقدم ہے، جیسے صحیح مسلم کی روایت ہے تو پھر شفقت کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے والد سے مراد من له الولد ہے تو من له الولد میں ماں باپ دونوں آگئے۔ یہ سب بطور تمثیل ہے، عام اعزہ اصول و فروع نفس اور مال مراد ہے اس

کے بعد" والناس اجمعین" میں تعمیم بعد تخصیص ہے جس میں تمام انسان آگئے۔ زیر بحث حدیث میں" اھلہ" کا لفظ آیا ہے اس میں انسان آگئے اور" ومالہ" میں سارے مال آگئے۔

## اقسام محبت

ابن بطال رحمہ اللہ نے محبت کو تین انواع پر تقسیم کیا ہے:

۱۔ محبت عظمت جیسے والدین سے محبت ہوتی ہے۔

۲۔ محبت شفقت جیسے اولاد کی محبت۔

۳۔ محبت لذت جیسے میاں بیوی کی محبت ہوتی ہے۔ اس حدیث میں ان تینوں قسموں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

" والد" سے پہلی قسم" ولد" سے دوسری قسم اور" الناس اجمعین" سے تیسری قسم کی طرف اشارہ ہے۔ اسی کو دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیں کہ محبت یا بڑے سے ہوتی ہے یا چھوٹے سے اور یا مساوی سے ہوتی ہے۔ حدیث میں" والدہ" سے بڑے، ولدہ سے چھوٹے، والناس اجمعین، سے مساوی کی طرف اشارہ ہے تینوں قسم محبت آگئی۔

### سوال

یہاں یہ مشہور اشکال ہے کہ اس حدیث میں محبت رسول کو ایمان کے لئے معیار بنایا گیا ہے جبکہ طبعی محبت والدین اور اولاد کے ساتھ زیادہ ہوتی ہے تو پھر کون مومن رہے گا، نیز محبت غیر اختیاری چیز ہے اس کو ایمان کا معیار کیسے بنایا گیا؟

### جواب

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ محبت کی تین قسمیں ہیں۔

### اول

محبت طبعی ہے جیسے اولاد و والدین وغیرہ سے محبت ہوتی ہے، یہ غیر اختیاری ہوتی ہے۔ یہ قسم خارج عن البحث ہے کیونکہ" لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا" ہے، قاضی بیضاوی رحمہ اللہ اور علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں طبعی محبت مراد نہیں۔

### دوم

محبت عقلی ہے وہ یہ کہ ایک کام خواہش کے خلاف ہے طبیعت اس سے انکار کرتی ہے لیکن عقل کہتی ہے کہ اس میں فائدہ ہے تو یہ شخص اس کام کو کرتا ہے یا اس چیز کو استعمال کرتا ہے اگر چہ مزاج اور خواہش کے خلاف ہے مثلاً مریض ہے وہ کڑوی دوا کو طبعاً مکروہ سمجھتا ہے نہار منہ کریلے کا پانی سوہان روح سمجھتا ہے مگر عقلاً بیماری کے پیش نظر اس کو اچھا سمجھتا ہے۔ کیونکہ اس میں شفاء ہے

بالکل اسی طرح یہاں یہ محبت ہے کہ مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آجائے کہ یہ کام کرو اور والدین و اولاد کا حکم آجائے کہ یہ کام نہ کرو تو اگرچہ طبعی میلان والدین کی طرف ہے لیکن عقل کہتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مان لو کیونکہ اس میں اخروی فائدہ ہے مثال کے طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو اپنے والدین کے قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں اولاد کے قتل کا حکم دیتے ہیں کیونکہ وہ کفار ہیں یا کفار سے جہاد کا حکم دیتے ہیں تو طبعاً یہ کام بھاری ہے مگر عقل کہتی ہے کہ فلاح دارین اسی میں ہے اس پر عمل کرنا ہے تو وہ شخص اس پر عمل کرتا ہے یہ عقلی تقاضا ہے، حدیث میں ہم سے جس محبت کا مطالبہ ہے وہ یہی محبت عقلی ہے نہ کہ محبت طبعی جو غیر اختیاری بھی ہے۔

سوم

محبت ایمانی شرعی ہے یہ بھی یہاں مطلوب ہے اور وہ یہ ہے کہ

"ایثار جمیع اغراض المحبوب علی اغراض غیرہ حتی القریب والنفس وھذا الحب ھو الناشی عن الایمان والاجلال والتوقیر والرحمۃ"۔

بعض شارحین نے "لایؤمن" میں "لا" نفی کمال کے لئے لیا ہے کہ کامل مومن نہیں ہو سکتا ہے بخاری شریف باب الایمان والنذور۔ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ

لانت یارسول اللہ احب الی من کل شیء الامن نفسی فقال لاوالذی نفسی بیدہ حتی اکون احب الیك من نفسك فقال عمر فانك الآن واللہ احب الی من نفسی فقال علیہ السلام الآن یاعمر۔ (بخاری باب النذور)

اس واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے طبعی محبت کا تقاضا کیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا وہ کیسے ہو سکتی ہے تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ کا پرتو ڈالا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طبعی محبت کا اقرار کیا تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب ایمان کامل ہو گیا۔

حضرت سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میرا ذوق ہے کہ اس حدیث میں محبت سے مراد وہ محبت ہے جس کی ابتداء عقلی ہو اور انتہاء طبعی ہو کیونکہ صحابہ کرام نے اسی طبعی محبت کا عملی ثبوت پیش کیا ہے۔

۱۔ مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب وصال ہوا تو صدمہ کو صحابہ برداشت نہ کر سکے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تو وقتی طور پر وفات کا انکار ہی کر دیا، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ غم کی وجہ سے کسی کے سلام سننے یا جواب دینے کے قابل نہ رہے، کچھ صحابہ تو مدینہ منورہ کو چھوڑ کر شام وغیرہ چلے گئے بغیر محبوب کے مدینہ میں رہنا مشکل ہے اور عام صحابہ پر روشن دنیا تاریک ہو گئی۔ اسی حالت میں جب عبداللہ بن زید بن عبدربہ صاحب اذان کو ان کے بیٹے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی

اطلاع دے دی اس وقت وہ اپنے باغ میں کام کر رہے تھے تو انہوں نے اپنی آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر اس طرح دعا مانگی اے اللہ! تیری اس کائنات میں ان آنکھوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تھا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوں تو مجھے ان آنکھوں کی ضرورت نہیں اے مولا! میری نگاہوں کو چھین لے چنانچہ دعاء ختم ہوتے ہی وہ نابینا ہو گئے یہ طبعی محبت تھی۔ (فتح الملہم)

۲۔ جنگ احد میں جب کفار نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہجوم کر کے حملہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو اس وقت میرا دفاع کرے اور وہ میرے ساتھ جنت میں رہے، اس اعلان پر انصار میں سے یکے بعد دیگرے سات صحابہ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو کر شہادت کا جام نوش کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آنچ نہ آنے دی یہ طبعی محبت تھی۔ (ابن ہشام)

۳۔ اسی غزوۂ احد میں جب عارضی شکست ہوئی اور مدینہ منورہ میں یہ وحشت ناک خبر پھیل گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے تو مدینہ منورہ سے عورتیں بے اختیار احد کے میدان کی طرف دوڑ پڑیں اسی میں ایک خاتون کلثوم بنت رافع تھیں، راستہ میں کسی نے بتا دیا کہ جنگ احد میں تیرا شوہر شہید ہو گیا ہے وہ کہنے لگی کہ شوہر کی بات چھوڑو مجھے بتاؤ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس حالت میں ہیں پھر کسی نے کہا کہ تیرا باپ بھی شہید ہو گیا، اس نے پھر وہی جواب دیا پھر کسی نے کہا کہ تیرا بھائی بھی شہید ہو گیا ہے وہ مسلسل یہ کہہ رہی تھیں کہ مجھے بتاؤ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ جب احد پہنچ کر اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح وسالم دیکھ لیا تو فرمانے لگی "کل مصیبۃ بعدک یارسول اللہ جلل" یعنی جب آپ خیریت سے ہیں تو باقی ساری مصیبتیں چھوٹی چھوٹی اور ہیچ ہیں، یہ طبعی محبت تھی۔ (فتح الملہم)

۴۔ مدینہ منورہ کے ایک منافق نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی میں کچھ زبان درازی کی جس کا پتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے کے سامنے تذکرہ فرمایا بیٹے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باپ کے قتل کرنے کی اجازت مانگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی، تاہم اس صحابی نے جا کر اپنے منافق باپ سے کہا کہ یہ کہدو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معزز اور بزرگ ہیں اور تم ذلیل ہو ورنہ قتل کر دوں گا اس نے کہہ دیا کہ حضور معزز ہیں اور میں ذلیل ہوں تب بیٹے نے اسے چھوڑ دیا یہ طبعی محبت تھی۔

۵۔ علماء کرام نے کئی جگہ اس واقعہ کو لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ سینگی لگوا کر خون نکلوا دیا اور پھر ایک صحابی کو دیا کہ جا کر اسے کسی پوشیدہ مقام میں گرا دو اس نے جا کر سوچا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا یہ مقدس خون میں زمین پر کیسے گرا دوں چنانچہ انہوں نے وہ خون پی لیا اور آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "القیت اخفی مکانہ" میں نے اسے پوشیدہ مقام پر ڈال دیا یہ سب طبعی محبت کے آثار تھے۔

۶۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو جب کفار قتل کرنے کے لئے میدان میں لے آئے اور سولی پر چڑھا دیا تو ابوسفیان نے کہا کہ کیا آپ کو یہ بات پسند ہے کہ اس وقت تیری جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ہوں ہم ان کی گردن تلوار سے اڑا دیں اور تم

اپنے گھر میں ہو؟ اس کے جواب میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے محبت کا اس طرح عظیم اظہار فرمایا "خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جگہ میں کانٹا بھی چبھے اور میں آزاد ہو کر گھر میں رہوں" یہ طبعی محبت تھی جس کا مظاہرہ صحابہ کرام نے کیا اور امت کو یہ تعلیم دی کہ محبت کی ابتداء اگر چہ عقلی اور شرعی ہو لیکن اس کی انتہاء طبعی ہونی چاہیے بعض شارحین نے اس صحابی کا نام زید بن دشنہ لکھا ہے۔

## اسباب محبت: جمال، کمال، نوال

محبت کے تین بڑے اسباب ہیں:

۱۔ پہلا سبب جمال ہے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ جمال عطا کیا تھا آپ کا جمال شمائل سے ظاہر اور واضح ہے ابو علی سینا ایک بڑے فلسفی اور بڑے حکیم گزرے ہیں انہوں نے سیرت میں ایک کتاب لکھی ہے اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ "حسن" "تناسب اعضاء اور اعتدال اعضاء کا نام ہے اور شمائل سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ معتدل الاعضاء تھے لہٰذا آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کوئی حسین پیدا نہیں ہوا ہے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "انا ملیح واخی یوسف صبیح" کسی نے کہا ہے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضاء داری — آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری
جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں — تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

واحسن منک لم ترقط عینی — واجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرأ من کل عیب — کانک قد خلقت کما تشاء
فاق النبیین فی خلق و فی خلق — ولم یدانوہ فی علم و لاکرم
منزہ عن شریک فی محاسنہ — فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

لنا شمس وللآفاق شمس — وشمسی خیر من شمس السماء
فشمس الناس تطلع بعد فجر — وشمسی تطلع بعد العشاء

پھر فرمایا

لواحی زلیخا لو رأین جبینہ — لآثرن بالقطع القلوب علی الید

یعنی اگر زلیخا کی سہیلیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتی تو انگلیوں کے بجائے دلوں کو کاٹ لیتیں۔

یا صاحب الجمال ویا سید البشر — من وجهك المنير لقد نور القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقه — بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

لن یخلق الرحمان مثل محمد — ابدا و علمی انه لم یخلق

مظہر چہ تواں کرد بیاں وصف جمالش — شد خالق کونین ثنا خوان محمد صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ محبت کا دوسرا سبب کمال ہے آپ کے کمالات کا احصاء تو ممکن نہیں مگر ختم نبوت کا جو کمال ہے یہ ایسا کمال ہے جس کے اثرات سے اولین اور آخرین سب ہی بیک وقت مستفیض ہو رہے ہیں۔

وکل ای من رسل الکرام به — فانه ما اتصلت من نوره بهم

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں — ترے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

ختم نبوت اس اعتبار سے کمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اولیاء اللہ اور اولاد آدم کو جو دینا تھا وہ دے دیا پھر آنحضرتؐ پر کمالات کی تکمیل فرمادی گویا اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ جتنے کمالات تھے وہ سب ہم نے اپنے نبی کو عنایت کیے روحانیات کی تکمیل آپ پر کردی، اب کسی اور نبی کے آنے کی گنجائش نہیں کیونکہ روحانیت اور مادیات جتنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا اب اس کے بعد کسی کو کچھ دینے کی گنجائش نہیں گویا انعامات اور کرامات کی تکمیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرمادی۔

مضت الدهور وما اتین بمثله — ولقد اتی فعجزن عن نظر ائه

نفسی الفداء لمن اخلاقه شهدت — بانه خیر مولود من البشر

آفاقہا گردیدہ ایم — مہر و بتاں ورزیدہ ایم

بسیار خوباں دیدہ ایم — لیکن تو چیزے دیگرے

۳۔ محبت کا تیسرا سبب نوال ہے نوال عطیہ اور جود و سخاوت کو کہتے ہیں۔ آپ پر جود کی انتہاء ہو چکی تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رمضان میں آپ کی سخاوت تیز ہوا کی طرح ہوتی تھی آپ نے یہ تعلیم دی کہ ''ولا تخش من ذی العرش اقلالا'' ایک دیہاتی کو آپ نے وادی بھر کر بکریاں دے دیں کبھی آپ کی زبان پر عطیہ کی موجودگی میں ''لا'' کا کلمہ نہیں آیا۔

ما قال "لا" قط الا فی تشهده — لولا التشهد لکان لائه نعم

نفسی الفداء لقبر انت ساکنه — فیه العفاف وفیه الجود والکرم

میدان حنین میں آپ نے اپنے صحابہ کے علاوہ غیر مسلموں کو ہزاروں اونٹ دے کر عالم انسانیت کو حیرت میں ڈال دیا، نو مسلموں کے ایک ایک آدمی کو سو سو اونٹ دے کر فیاضی اور سخاوت کا ریکارڈ قائم فرمایا۔

خلاصہ یہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جمال بدرجہ اتم تھا کمال بدرجہ اکمل تھا۔ نوال بدرجہ اعم تھا تو آپ سے محبت رکھنا

آپ کا ذاتی حق ہے، اس لئے شرعی طور پر آپ سے محبت رکھنے کو اس حدیث میں جو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے یہ آپ کا ذاتی استحقاق ہے جو ہر مسلمان پر لازم ہے۔

۱۶۹۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ يُحَدِّثُ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهٖ وَوَالِدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کو اس کی اولاد اور والدین اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

## باب من الایمان ان یحب لاخیه المسلم مایحب لنفسه

## ایمان کا تقاضا ہے کہ جو کچھ اپنے لئے پسند کرے وہی مسلمان بھائی کے لئے پسند کرے

امام مسلمؒ نے اس باب میں دو حدیثوں کو ذکر کیا ہے۔

۱۷۰۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ يُحَدِّثُ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ اَوْقَالَ لِجَارِهٖ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ۔

حضرت انس بن مالکؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی یا پڑوسی کے لئے وہی چیز نہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

## تشریح

اس سند کے تمام راوی بصری ہیں۔ (نووی)

''ابن بشار'' یہ محمد بن بشار ہیں ان کا لقب بندار ہے بندار کا معنی حافظ ہے یہ حافظ الحدیث تھے احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے تقریباً پچاس ہزار حدیثیں لکھی ہیں ''قتادۃ'' یہ قتادہ بن دعامہ ہیں ان کی جلالت شان اور علم و عرفان پر اتفاق ہے نابینا پیدا ہوئے تھے۔ علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ اس امت میں پیدائشی اکمہ ممسوح العین قتادہ کے سوا کوئی پیدا نہیں ہوا۔ علامہ عثمانی فرماتے ہیں کہ قتادۃ کا نام بھی اپنے نظیر آپ ہے وہ اس طرح کہ صحاح ستہ کی کتابوں میں کسی راوی کا نام قتادہ نہیں ہے

صرف اس قتادہ بن دعامہ کا نام مذکور ہے۔ (فتح الملہم)

''لایؤمن احدکم'' یہاں لانفی کمال کے لئے ہے جیسے''لاصلوۃ لجار المسجد الافی المسجد ،لاایمان لمن لاعھدلہ''۔یا یہ کہا جائے فلان لیس بانسان سب میں کمال کی نفی ہے۔حضرت شاہ انورشاہ کاشمیری فرماتے ہیں کہ اس تاویل سے شارع کے کلام کا مقصد فوت ہوجاتا ہے لہٰذا ظاہری الفاظ کو برقرار رکھنا چاہئے۔تاکہ کلام میں زور باقی رہے اگر چہ یہ کلام زجراً وتوبیخاً تھدیداً وتغلیظاً ہے اس کا مرتکب کافر نہیں ہے۔

''لاخیہ'' اس سے مسلمان بھائی مراد ہے اگر چہ بعض روایات میں''ماتحب للناس'' کے الفاظ موجود ہیں جس میں عموم ہے کہ ذمی بھی مراد ہوسکتا ہے۔ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ ان الفاظ میں عموم کا احتمال بھی ہے اور تخصیص کا احتمال بھی ہے۔

''وقال لجارہ'' امام مسلمؒ نے اس روایت کو شک کے ساتھ ذکر کیا ہے اور کچھ اور محدثین نے بھی شک کیساتھ روایت کی ہے مگر امام بخاریؒ نے''لاخیہ'' کہہ کر بغیر شک کے ذکر کیا ہے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس سے نیک امور مراد ہیں کہ جونیکیاں اور بھلائیاں اپنے لئے پسند کرتا ہے وہ غیروں کے لئے بھی پسند کرے چنانچہ نسائی کی روایت''یحب لاخیہ من الخیر مایحب لنفسہ'' میں خیر کا لفظ موجود ہے۔علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے منہیات وممنوعات کا پسند کرنا مراد نہیں ہے کیونکہ''من الخیر'' کا لفظ ممنوعات کو شامل نہیں ہے(فتح الملہم)

## سوال

یہاں پر ایک سوال واشکال ہے وہ یہ کہ ہر آدمی اپنے لئے جو کچھ پسند کرتا ہے کوئی ضروری نہیں کہ وہی چیز دوسروں کے لئے پسند کرتا ہو مثلاً گاڑی جوان کی اپنی ہے اس کو وہ اپنے ہی لئے پسند کرتا ہے یہ نہیں کہ وہ اس کو دوسرے کے حوالہ کردے اس طرح حدیث پر وہ کیسے عمل کریگا؟۔

## جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ماننا پڑیگا یعنی یحب لاخیہ مثل مایحب لنفسہ،یعنی اپنی پسند کی چیز کی مانند اور اس کی نظیر اپنے بھائی کے لئے پسند کرے مثلاً اپنے علم کی طرح علم دوسروں کے لئے اپنے مال وکمال کی طرح مال وکمال دوسروں کے لئے پسند کرے تو اس میں کچھ خرچ کرنا نہیں پڑیگا اور بھائی کے لئے ہمدردی پیدا ہوگی محبت بڑھے گی عداوت اور حسد دور ہوتا جائیگا یہ تو مساوات کا عجیب نسخہ ہے اور تواضع کا درس ہے۔

## حکایت

فتح الملہم میں علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے امام غزالیؒ کے حوالہ سے ایک عجیب قصہ لکھا ہے کہ بعض اللہ والوں کے گھر میں بہت چوہے

ہوگئے تھے تو اس سے کسی نے کہا حضرت! آپ گھر میں بلی پال لو یہ چوہے بھاگ جائیں گے اس پر انہوں نے کہا کہ مجھے یہ ڈر لگتا ہے کہ بلی کی آواز سے چوہے بھاگ کر پڑوسی کے گھر میں چلے جائیں گے تو اس طرح میں ایسا ہو جاؤں گا کہ گویا میں نے ایک چیز کو دوسروں کے لئے پسند کی جبکہ میں اسے اپنے لئے پسند نہیں کرتا ہوں تو میں اس حدیث کے خلاف نہیں کر سکتا۔

۱۷۱۔ وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُحِبَّ لِجَارِهِ أَوْ قَالَ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کوئی بندہ مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اپنے پڑوسی یا اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

## تشریح

يحيى بن سعيد القطان الاحول التيمي البصري الامام الحجة المتفق على جلالته و توثيقه و تميزه في هذا الشان اه۔

یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید القطان بیس سال سے روزانہ ایک قرآن ختم پڑھتے تھے اور چالیس سال سے مسجد میں ظہر کے زوال کے وقت ان کی نفل نماز فوت نہیں ہوئی۔ علامہ اسحاق شہید فرماتے ہیں کہ میں عصر کے وقت یحییٰ بن سعید قطان کو دیکھتا کہ نماز پڑھنے کے بعد آپ اپنی مسجد کے ایک مینار کے ساتھ ٹیک لگایا کرتے تھے اس وقت آپ کے سامنے علی بن مدینیؒ احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معین اور اسی طرح دیگر بڑے بڑے کبار علماء کھڑے ہو جاتے اور آپ سے حدیث لیتے تھے یہ سب حضرات اسی طرح پاؤں پر مغرب تک کھڑے رہتے تھے نہ ہیبت کی وجہ سے کوئی بیٹھنے کی جرأت کرتا تھا اور نہ یحییٰ بن سعید قطان ان کو بیٹھنے کا حکم دیتے تھے۔ (فتح الملہم)

## باب تحريم ايذاء الجار

## پڑوسی کو تکلیف دینا حرام ہے

امام مسلم نے اس باب میں صرف ایک حدیث کو ذکر کیا ہے۔

۱۷۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ جَمِيعًا عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ ابْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ أَخْبَرَنِي الْعَلَاءُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل ہوگا جس کا پڑوسی اس کی ایذا رسانی سے محفوظ نہ ہو۔

## تشریح

"بوائقہ" یہ بائقۃ کی جمع ہے بڑی تباہی اور شدید آفت ومصیبت کے معنی میں ہے۔"لا یدخل الجنۃ" اس جملہ پر ایک سوال ہے۔

## سوال

سوال یہ ہے کہ پڑوسی کی ایذ ارسانی گناہ ہے تو اس کی وجہ سے اس شخص کے جنت میں داخل نہ ہونے کا کیا مطلب ہے کیا یہ شخص کافر ہو گیا؟ اس سوال کے تین جواب ہیں۔

## پہلا جواب

یہ ہے کہ یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو پڑوسی کی ایذ ارسانی کو جائز سمجھتا ہے تو حرام کو حلال سمجھنے والا کافر ہو جاتا ہے اس لئے جنت میں داخلہ ممنوع ہے۔

## دوسرا جواب

یہ ہے کہ اس دخول سے دخول اولی کی نفی مراد ہے یعنی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائے گا بغیر سزا کے نہیں جا سکتا ہے۔

## تیسرا جواب

یہ ہے کہ یہ حکم تشدیداً تهدیداً تغلیظاً زجراً وتوبیخاً ہے۔

بہر حال اسلام پڑوسی کے حقوق پر بہت زور دیتا ہے کیونکہ معاشرہ کی بہترین اور پرامن تشکیل کا مدار پڑوسیوں پر ہے اگر یہ آپس میں شیر وشکر ہیں تو زندگی کے باقی شعبے پرامن اور خوش حال رہتے ہیں لیکن اگر پڑوسیوں کے حالات آپس میں بگاڑ کا شکار ہیں تو پورا معاشرہ تباہ ہو کر رہ جاتا ہے ہر پڑوسی اپنے پڑوسی سے جب خطرہ میں رہیگا تو وہ گھر سے باہر نہیں جا سکے گا بلکہ اپنے گھر کا چوکیدار بن کر رہ جائے گا اور زندگی دوزخ کا نمونہ پیش کریگی شیطانوں کا ایک خاص گروپ اور این جی اوز کا ٹولہ گھروں کے بگاڑنے میں اور پڑوسیوں کے لڑانے میں لگے رہتے ہیں تا کہ مسلمانوں کا عام معاشرہ تباہ ہو کر رہ جائے۔

## باب الحث علی اکرام الجار والضیف

## پڑوسی اور مہمان کی تکریم پر ابھارنے کا بیان

امام مسلمؒ نے اس باب میں چار احادیث کو ذکر کیا ہے۔

۱۷۳۔حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى أَنْبَأَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا

اَوْلِيَصْمُتْ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ ۔

حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ ہمیشہ خیر کی بات کہے ورنہ خاموش رہے اور جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ اپنے پڑوسی کا اکرام کرے اور جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔

## تشریح

''فلیقل خیرا اولیصمت '' صمت یصمت ، نصر ینصر اور ضرب یضرب سے سکوت کے معنی میں ہے اصمت بھی صمت کے معنی میں آتا ہے تصمیت باب تفعیل سے خاموش کرانے کے معنی میں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کا یہ جملہ جوامع الکلم میں سے ہے کیونکہ زبان سے جو بات نکلتی ہے وہ یا خیر کی بات ہوتی ہے اور یا شرکی ہوتی ہے اور یا انہیں دو میں سے کسی ایک کی طرف لوٹنے والی بات ہوگی تو لفظ ''خیر'' میں ہر مطلوب و مقصود اور اچھے اقوال داخل ہو گئے خواہ وہ فرض کے درجہ میں ہوں یا واجب و سنت اور مستحب کے درجہ میں ہوں یا ان کے متعلقات میں سے ہوں ان تمام باتوں کے کرنے کی اجازت شریعت نے دیدی، اس کے علاوہ جو باتیں اور اقوال ہیں وہ شر ہیں یا شر کے متعلقات میں سے ہیں جس کے بارے میں شریعت نے سکوت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو شخص ایمان سے متصف ہے اس کو مخلوق خدا پر شفقت کرنے سے بھی متصف ہونا چاہئے اور شفقت کی صورت یہ ہے کہ ان سے خیر کی بات کرے اور شر کی بات سے سکوت اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دوسرے اعضاء کی طرح بطور نعمت زبان بھی عطا فرمائی ہے جس کے بیشمار فوائد ہیں تو ایک مؤمن آدمی کو چاہئے کہ وہ اس زبان کو باطل سے بچائے اور حق میں لگائے ایک حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں ''عن عبداللہ بن عمرؓ ان کثرۃ الکلام بغیر ذکر اللّٰہ تقسی القلب ''۔ (ترمذی)

خلاصہ کلام یہ کہ جس طرح زبان کے فوائد بیشمار ہیں وہیں پر اس کے خطرات بھی بیشمار ہیں ان خطرات سے بچنے کے لئے سب سے عمدہ طریقہ خاموشی اور سکوت ہے حدیث میں آیا ہے کہ ''من صمت نجا''۔ (ترمذی، فتح الملہم)

استاذ ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں ''السکوت فی وقتہ صفۃ الرجال کما ان النطق فی موضعہ من اشرف الخصال '' فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے بولنے کو اپنا عمل تصور کیا تو وہ فضول گفتگو کبھی نہیں کر سکے گا یعنی فضول گفتگو کو جب عمل تصور کریگا تو برے عمل سے بچنے کی کوشش کریگا۔ ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ جو آدمی اپنی زبان کو خوب قابو میں رکھتا ہے وہ لوگوں کی زبانوں سے خوب محفوظ رہتا ہے۔ (نووی)

عقلاء کا یہ جملہ ہے ''البلاء مؤکل بالمنطق ''یعنی آفات و بلایا کا تعلق بولنے سے ہے جو خاموش رہا وہ محفوظ رہا پڑوسی کے حقوق

کا بیان اس سے پہلے حدیث میں گذر چکا ہے۔ عارفین کہتے ہیں کہ اگر بولنا چاندی کی طرح عمدہ ہے تو خاموش رہنا سونے کی طرح عمدہ ہے اور جس کا سکوت مفید نہیں اس کا بولنا بھی بیکار ہے۔

''فلیکرم ضیفہ'' ضیافت مہمان نوازی کو کہتے ہیں ضیافت اسلام کے آداب میں سے ہے اور انبیاء کرام اور صالحین کے اخلاق میں سے ہے، شیخ لیثؒ نے کہا ہے کہ ایک دن رات تک ضیافت کرنا واجب ہے مگر عام فقہاء نے ضیافت کو واجب نہیں کہا ہے بلکہ اسلام کے مکارم اخلاق میں سے اس کو شمار کیا ہے۔ (نووی)

ہاں اگر مہمان کی موت کا خطرہ ہو تو پھر کھلانا واجب ہے اسی طرح عہد ذمہ میں اگر ضیافت کی شرط لگائی گئی ہو تو بھی ذی کے ذمہ مجاہدین کی ضیافت واجب ہے۔

ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ضیافت تین قسم پر ہے پہلے دن تو کھانے کے ساتھ مہمان کو تحفہ بھی پیش کرنا چاہئے اور دوسرے دن خوب پُر تکلف کھلانا چاہئے اور تیسرے دن ما حضر کے ساتھ تواضع کرنا چاہئے اور تین دن کے بعد کھلانا صدقہ اور خیرات ہے۔ علماء نے لکھا کہ جن ذمیوں پر بوقت ذمہ کھانا کھلانا مقرر کیا گیا ہو تو ان پر ضیافت کرنا لازم ہے اگر وہ مہمان مجاہدین کو نہیں کھلائیں گے تو ان سے زبردستی چھین لینا جائز ہے۔ اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا ضیافت شہری پر دیہاتی کے لئے لازم ہے یا دیہاتی پر شہری کے لئے لازم ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں قسم کے لوگوں پر ایک دوسرے کے لئے لازم ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ضیافت دیہاتیوں پر لازم ہے کیونکہ مسافر جب شہر میں آتا ہے تو شہر میں ہوٹل ہوتے ہیں دیہاتی وہاں کھائے لیکن شہری اگر دیہات میں جاتا ہے تو وہاں کوئی ہوٹل نہیں ہوتا ہے لہٰذا دیہاتیوں پر ضیافت لازم ہے۔ ایک موضوعی روایت بھی لوگ پیش کرتے ہیں ''الضیافة علی اهل الوبر ولیست علی اهل المدر'' یعنی ضیافت دیہاتی پر لازم ہے شہری پر لازم نہیں یہ حدیث من گھڑت روایت ہے۔ (فتح الملہم)

باب کی اس حدیث میں انسان کے مبدأ و معاد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے پر ایمان لاتا ہے کہ بغیر مثال اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا اور وہ شخص اس پر بھی ایمان لاتا ہے کہ انجام کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ اس کو بدلہ بھی دیگا تو پیدا بھی اس نے کیا اور اسی کی طرف لوٹ کر بدلہ بھی وہی دیگا اس طرح عقیدہ رکھنے والا آدمی مذکورہ صفات پر عمل کرے گا۔

۱۸۴۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوْبَکْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوالْاَحْوَصِ عَنْ اَبِیْ حَصِیْنٍ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَایُؤْذِ جَارَهٗ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَهٗ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْلِیَسْکُتْ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان

کا اکرام کرے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ خیر کی بات کہے ورنہ خاموشی اختیار کرے۔

۱۷۵۔ **حدثنا** اسحاق بن ابراھیم اخبرنا عیسی بن یونس عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمثل حدیث ابی حصین غیر انہ قال فلیحسن الی جارہ۔

حضرت ابو ہریرۃؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بھی بحدیث سابق نقل کرتے ہیں مگر اس میں یہ الفاظ ہیں کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ بھلائی کرے۔

۱۷۶۔ **حدثنا** زھیر بن حرب ومحمد بن عبداللہ بن نمیر جمیعا عن ابن عیینۃ قال ابن نمیر حدثنا سفیان عن عمرو انہ سمع نافع بن جبیر یخبر عن ابی شریح الخزاعی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیحسن الی جارہ ومن کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ ومن کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیرا او لیسکت۔

حضرت ابو شریح الخزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے مہمان کا اکرام کرنا چاہئے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے خیر کی بات کہنی چاہئے ورنہ خاموش رہے۔

## باب بیان الامر بالمعروف والنھی عن المنکر من الایمان

## امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایمان کے اجزاء میں سے ہیں

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں چار احادیث کو بیان کیا ہے۔

یہاں علامہ محی الدین نووی نے عنوان میں کافی طوالت سے کام لیا ہے اور ایک نزاعی مسئلہ میں یکطرفہ فیصلہ سنایا ہے کہ "وان الایمان یزید وینقص" حالانکہ مذکورہ چاروں احادیث میں اس مسئلہ کا ذکر تو درکنار اشارہ تک نہیں ہے اسی مسلکی جانب داری نے علامہ نووی کے عنوانات کو مشکوک بنادیا ہے حالانکہ الایمان یزید وینقص کے بارے میں عام علماء فرماتے ہیں۔

۱۔ کہ یہ زیادت و کمی ایمان کی حلاوت میں ہے۔ (شاہ ولی اللہؒ)

۲۔ ایمان اجمالی میں نہیں بلکہ ایمان تفصیلی میں کمی زیادتی ہوسکتی ہے۔ (امام ابوحنیفہؒ)

۳۔ مؤمن بہ کی وجہ سے زیادت و کمی آتی ہے۔

۴۔ نزول وحی کے وقت زیادت ونقصان ہوتا تھا اب نہیں ہوتا ہے۔

۵۔ زیادت ہوتی ہے کمی نہیں ہوتی ای یزید و لاینقص۔ (امام مالک وابوحنیفہ)

۶۔ اجزاء نورانیہ میں زیادت آتی ہے اصل ایمان میں نہیں۔

۷۔ کیف میں زیادت ونقصان آتا ہے کم میں نہیں۔

بہر حال یہ مسئلہ امام بخاری اور صحیح بخاری کا ہے جہاں مزہ آتا ہے علامہ نوویؒ اور ہم تو صرف تماش بین ہیں۔

''لکل فن رجال ولکل موضع مقال''۔

کتاب الایمان کی ابتداء میں اس مسئلہ پر بھرپور کلام ہو چکا ہے۔ وہاں یہ جامع جملہ مذکور ہے کہ اعمال ایمان کے لئے لازم ذات ہیں یا لازم الجنس ہیں یا لازم الوجود ہیں۔ معتزلہ لازم الذات مانتے ہیں جمہور لازم الجنس اور احناف لازم الوجود مانتے ہیں۔

## امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر تفصیلی کلام

قال اللہ تعالیٰ ﴿کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر﴾۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے فتح الملہم میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے متعلق چند قیمتی جملے ارشاد فرمائے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دین متین کے عظیم ترین احکامات میں سے ایک اہم حکم ہے اسی قطب اعظم کی ترویج کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کا سلسلہ جاری فرمایا اگر خدانخواستہ اس کو موقوف کر دیا گیا تو جہالت پھیلتی چلی جائے گی اور امت مسلمہ میں فساد عام ہو جائے گا آبادیاں ویران ہو جائیں گی لوگ تباہ برباد ہو جائیں گے وہ قیامت تک اس تباہی کا شعور وادراک نہیں کر سکیں گے قیامت میں معلوم ہو جائے گا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی حقیقت کیا تھی۔ بہر حال المعروف کا لفظ شناسا اور جاننے پہچاننے کے معنی میں ہے تو جس کو شریعت نے معروف کہا ہے شرعا وہی معروف ہے اور جس کو شریعت نے منکر قرار دیا ہے شرعا وہی منکر ہے اب یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ امر معروف کے تحت ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی سے لیکر اعلیٰ سے اعلیٰ تک نیکی داخل ہے اسی طرح المنکر کے تحت بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا گناہ داخل ہے اس میں کسی تخصیص کی گنجائش نہیں ہے امر اور نہی میں ایک پہلو شریعت کا ایجابی پہلو ہے اور دوسرا سلبی پہلو ہے اول کو ماموارت اور اوامر کہتے ہیں اور دوسرے کو نواہی اور منہیات کہتے ہیں۔ ایک پہلو نرم ہے دوسرا گرم ہے جس طرح بجلی میں ایک گرم تار ہوتا ہے اور ایک ٹھنڈا تار ہوتا ہے دونوں میں تلازم ہے امر اور نہی کی بھی یہی حیثیت ہے اس کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا ہے جس طرح بعض لوگ کرتے ہیں۔

اب نتیجہ یہ نکلا کہ امر بالمعروف کو لیجئے کہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا اور مسلمان بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا معروف کا ایک ادنیٰ درجہ ہے اور کلمۂ شہادت کا اقرار کرنا اور کفار کو توحید کی طرف دعوت دینا امر بالمعروف کا ایک اعلیٰ درجہ ہے یا مثال کے طور پر منکر کو لیجئے کہ جس طرح بائیں ہاتھ سے کھانا کھانا دائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا کھڑے ہو کر الٹے ہاتھ

سے پانی پینا جس طرح منکر کا ادنیٰ درجہ ہے اوراس سے منع کرنا نہی عن المنکر ہے اسی طرح کفروشرک اور بدعت وزندقہ بھی منکر کا اعلیٰ درجہ ہے اوراس سے روکنا بھی نہی عن المنکر ہے۔

گویا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں میں ایک ابتدائی اور ادنی درجہ ہے اور ایک انتہائی اور اعلیٰ درجہ ہے اب جو شخص معروف یا منکر کے جس درجہ میں محنت اور کام کریگا وہ اسی کے مطابق ثواب پائیگا اگر کسی کو مکروہات سے منع کرتا ہے تو اس کے مناسب ثواب ملے گا اور اگر کفر سے روکتا ہے تو اس کے مطابق ثواب پائے گا اسی طرح معاملہ معروف کا بھی ہے اور دونوں کے الگ الگ درجے ہونگے، ظاہر ہے کہ جتنا بڑا کام کیا اتنا بڑا انعام ملے گا ایسا تو نہیں ہوگا کہ کام تو کیا چھوٹا سا اور بڑے ثواب ملنے کی امید میں انتظار کرنے لگا ایسا نہیں ہوگا "لایقاس الملوك بالحدادین" اسی طرح جس شخص نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام نہیں کیا اس کو اس کا ثواب نہیں ملے گا کیونکہ اس نے اس میں کام ہی نہیں کیا تو ثواب کہاں سے ملے گا اور کیوں ملیگا؟ جو کیا اسی کا ثواب ملے گا۔ نیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں میں تلازم ہے دونوں کو کرنا ہے، اب اگر کوئی شخص یہ عقیدہ جمالے کہ صرف معروف کا حکم کروں گا منکر خود بخود ختم ہوجائے گا اور یہ شخص اپنے بیانات اور مکتوبات میں نشر کرتا رہتا ہے کہ معروف کو کرتے رہنا اور منکر کو نہ چھیڑنا ایسا عقیدہ رکھنا غلط ہے کیونکہ یہ نیا فلسفہ اور نئی ایجاد ہے اور نئی شریعت ہے اس کے لئے العیاذ باللہ نئے نبی اور نئے قوانین وقواعد کی ضرورت ہے۔ کیونکہ قرآن وحدیث کے پرانے قوانین میں ان دونوں کو ساتھ ساتھ رکھا گیا ہے جس میں تلازم کی طرف اشارہ ہے اب اگر کسی شخص کی حکمت عملی سے نہی عن المنکر کے بغیر کہیں منکر کا ازالہ ہوگیا تو یہ حکمت عملی شریعت کے کسی حکم کو موقوف یا منسوخ نہیں کرسکتی نیز نہی عن المنکر کی ضرورت کو ختم کرنے کے لئے یہ فرضی مثال بیان کرنا کہ معروف کی مثال روشنی کی طرح ہے اور منکر اندھیرا ہے جب روشنی آئے گی اندھیرا خود ختم ہوجائیگا یہ مفروضہ غلط ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے متواتر حکم کو ان مثالوں سے نہ توڑا کرو ﴿فلا تضربوا للہ الامثال﴾۔

## امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعریف

اب آیئے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شرعی اصطلاحی تعریف سمجھ لیجئے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ لفظ "امر" اور لفظ "نہی" کا شرعی مفہوم کیا ہے چنانچہ اصول فقہ کی تمام کتابوں مثلاً اصول الشاشی، نورالانوار اور حسامی وغیرہ میں اصول فقہ کے علماء نے امر اور نہی کی تعریفات اس طرح لکھی ہیں۔

۱۔ الامر ھو قول القائل لغیرہ علی سبیل الاستعلاء "افعل"۔ (اصول الشاشی، نورالانوار)

۲۔ الامرامرتہ اذا کلفتہ ان یفعل شیئا۔ (مفردات القرآن)

۳۔ الامر طلب الفعل وموجبہ عندالجمہور الالزام والنہی قول القائل لغیرہ علی سبیل الاستعلاء لا تفعل۔ (حسامی)

ان تمام تعریفات کا خلاصہ یہ نکلا کہ امر آرڈر کے معنی میں ہے جس میں غیر کو حکم دیا جاتا ہے کہ یہ کام کرو اور اس کو کرنا ہوگا اس میں رضا کارانہ طور پر کام کرنے کی اپیل والتماس اور درخواست نہیں ہوتی ہے بلکہ دوٹوک الفاظ میں حکم ہوتا ہے کہ یہ کام کرو اگر نہیں کیا تو سزا کے لئے تیار ہو جاؤ اور ان تمام تعریفات سے معلوم ہو گیا کہ آج کل تبلیغی حضرات امر کے مفہوم کو التماس اور اپیل و درخواست کے معنی میں سمجھ بیٹھے ہیں، کرتے ہیں التماس اور ثواب لیتے ہیں ''امر'' کا ''فیاعجبالھم''۔

امر کا صیغہ تقریباً ۲۵ معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن شریعت نے اپنی شرعی اصطلاح میں امر کا جو مفہوم فراہم کیا ہے وہ وہی مفہوم ہے جو اوپر اصول فقہ کی کتابوں میں درج ہے جس میں آرڈر کا مفہوم پڑا ہے اور چونکہ امر کا یہ مفہوم قوت نافذہ اور طاقت کا تقاضا کرتا ہے اسی وجہ سے نزول قرآن کے وقت تیرہ سال تک اللہ تعالیٰ نے مکی دور میں ''تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر'' کے الفاظ اور اس اصطلاح کو قرآن میں بالکل ذکر نہیں فرمایا، جب مسلمانوں نے اور پیغمبر اسلام نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور آسمان سے جہاد کا حکم آگیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ''تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر'' کی اصطلاح کو بیان فرمایا، آپ کو کسی بھی مکی سورت میں یہ اصطلاح اور یہ الفاظ نہیں ملیں گے یہ سب مدنی سورتوں میں ہے۔

گویا اسلامی حدود اور سزائیں تعزیرات اور جہاد اوامر اور نواہی یہ سب ایک ہی عنوان یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مختلف نام ہیں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب ''معارف القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۴۷ پر لکھتے ہیں: کہ اگر چہ امر معروف اور نہی پچھلی امتوں میں تھی جس کی تفصیل قرآن وحدیث میں ہے مگر اول تو ان امتوں میں جہاد کا حکم بڑے پیمانے پر نہ تھا اس لئے ان کا امر زبان اور دل سے ہو سکتا تھا امت محمدیہ میں اس کا تیسرا درجہ ہاتھ کی قوت سے امر معروف کا بھی ہے جس میں جہاد کی تمام اقسام بھی داخل ہیں۔ (معارف القرآن، ج ۲ ص ۱۴۷)

حضرت مفتی محمد شفیع کی اس تشریح سے معلوم ہوا کہ امر ونہی کے مفہوم کا جو اعلیٰ اور بلند درجہ ہے وہ جہاد ہے چنانچہ جہاد کے حکم کے آنے کے بعد ہی اسلام نے امر اور نہی کی اصطلاح کو اپنایا ہے۔ چند تفاسیر سے چند عبارتیں نقل کرتا ہوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ امر ونہی اور جہاد میں کیا نسبت ہے۔

۱۔ علامہ جصاصؒ نے احکام القرآن میں لکھا ہے ''فان الجهاد ضرب من الامر بالمعروف والنهي عن المنكر'' یعنی جہاد مقدس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ایک اعلیٰ قسم ہے۔ (ج ۳ ص ۱۱۹)

۲۔ علامہ قرطبی تفسیر قرطبی میں لکھتے ہیں۔

فجعل الله الامر بالمعروف والنهي عن المنكر فرقا بين المؤمنين والمنافقين فدل على ان اخص اوصاف المؤمنين الامر بالمعروف والنهي عن المنكر ورأسها الدعاء الى الاسلام والقتال عليه۔ (قرطبی، ج ۴ ص ۴۷)

۳۔ علامہ ابن کثیرؒ نے ﴿کنتم خیر امة اخرجت للناس﴾ کے تحت لکھا ہے۔

قال ابوهريرة كنتم خير الناس للناس تاتون بهم في السلاسل في اعناقهم حتى يدخلوا في الاسلام وقال ابوهريرة نحن خير الناس للناس نسوقهم بالسلاسل الى الاسلام۔ (ترمذی ج ۱ ص ۳۹۱)

۴۔ علامہ روح المعانی نے "کنتم خیر امة" کے تحت حضرت ابن عباس کی تفسیر کو اس طرح نقل کیا ہے۔

وعن ابن عباس ان المعنى تأمرونهم ان يشهدوا ان لااله الاالله وتقاتلونهم عليها و لااله الاالله هو اعظم المعروف وتنهون عن المنكر والمنكر هو التكذيب وهو انكر المنكر۔ (روح المعانی ج ۴ ص ۲۸)

۵۔ تفسیر کبیر میں علامہ فخر الدین رازیؒ نے ایک سوال اٹھایا ہے کہ امر معروف اور نہی منکر تو دوسری امتوں میں بھی تھی پھر یہ امت کیوں خیر الامم قرار دے دی گئی؟

اس سوال کا جواب علامہ رازیؒ نے اس طرح دیا ہے۔ (عربی عبارت کو نقل کر رہا ہوں)

الجواب : قال القفالؒ تفضيلهم على الامم انما حصل لاجل انهم يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر بآكد الوجوه وهو القتال لان الامر بالمعروف قديكون بالقلب وباللسان وباليد واقواها مايكون بالقتال لانه القاء النفس في خطر القتل واعرف المعروف الدين الحق والايمان بالتوحيد والنبوة وانكر المنكر الكفر بالله فكان الجهاد في الدين محملا لاعظم المضارلغرض ايصال الشخص الى اعظم المنافع فوجب ان يكون الجهاد اعظم العبادات ولما كان الجهاد في شرعنااقوى منه من سائر الشرائع لاجرم صار ذلك موجبا لفضل هذه الامة من سائر الامم۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۹۱، ۱۹۲)

۶۔ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے آیت ﴿کنتم خیر امة﴾ کے تحت امر معروف کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے۔

یہ امت ہر امت سے بہتر ہے اس دوصفت میں امر معروف یعنی جہاد اور ایمان یعنی توحید کی تقید (تاکید) اسقدر اور دین میں نہیں۔ (موضح القرآن ص ۱۰۳)

شاہ عبدالقادر آیت ﴿ولتکن منکم امة﴾ کے تحت امر معروف سے متعلق اس طرح لکھتے ہیں معلوم ہوا مسلمانوں میں فرض ہے ایک جماعت قائم رہے جہاد کرنے کو اور دین کا تقید رکھنے کو تا خلاف دین کوئی نہ کرے۔

مندرجہ بالا لکھی جانے والی تمام عبارات کا خلاصہ یہ نکلا کہ امر کے شرعی اصطلاحی مفہوم میں دعوت کے ساتھ جہاد کا مفہوم پڑا ہے جو امر کا اصل اور بنیادی مفہوم ہے اور اسی جہاد کی وجہ سے یہ امت خیر الامم بنی ہے لہٰذا امر کے مفہوم سے جہاد کو خارج نہیں کیا جا سکتا بلکہ جہاد کے بغیر امر کا مفہوم مکمل ہی نہیں ہوسکتا تبلیغی جماعت کے لوگ یا تو خود دھوکہ میں پڑے ہیں یا دوسروں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

# امر بالمعروف کا حکم

امر بالمعروف کرنے کا حکم فرض کفایہ کے درجہ میں ہے اگر مسلمانوں کی ایک جماعت یہ کام کررہی ہو تو باقی مسلمانوں کا ذمہ ساقط ہوجائے گا ہاں اگر کسی شخص کو کسی خاص منکر کا علم ہو اور دوسروں کو نہ ہو اور وہ شخص اس منکر کے ازالہ پر قادر بھی ہو تو اس وقت امر بالمعروف کرنا اس کے لئے فرض عین ہوجائے گا۔ اسی طرح امر بالمعروف اس وقت بھی فرض عین ہوجاتا ہے جب کوئی شخص کسی کو برائی سے روک دے اور سامنے سے وہ شخص منع ہونے سے مکمل انکار کردے اب براہ راست اس منکر کی نہی اس شخص پر فرض ہوجائے گی۔ امر بالمعروف کے باب میں ہر آدمی پر دو چیزیں لازم اور واجب ہیں۔ پہلی چیز تو امر معروف اور نہی منکر کرنا واجب ہے اور دوسری چیز اس پر خود عمل کرنا واجب ہے اگر کوئی شخص خود عمل نہیں کرتا تو یہ بہت بڑا جرم ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ شخص امر اور نہی کے فریضہ کو ترک کرے، ایک نیک کام اگر نہ کرسکا دوسرا تو کرے البتہ ایسے شخص کی دعوت اور وعظ میں تاثیر نہیں ہوگی مگر کرنا لازم ہے۔ عارفین کا کلام ہے ''انظروا الی ما قال ولا تنظروا الی من قال'' بابا سعدی نے اس نظریہ کو غلط قرار دیا ہے کہ عمل نہ کرنے والا وعظ ہی نہ کرے، چنانچہ بابا سعدی فرماتے ہیں

باطل است آنچہ مدعی گوید　　　خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

یعنی مدعی کا یہ کہنا غلط ہے کہ سویا ہوا شخص کسی سوئے ہوئے کو بیدار نہیں کرسکتا، دیکھو دیوار پر لکھی ہوئی عبارت سے لوگ نصیحت لیتے ہیں۔

اس بحث کے بعد یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ امر اور نہی کرنے والے شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ امر اور نہی کو پہچانتا ہو اور اس کے پاس اس کا علم ہو ورنہ وہ معروف کو منکر اور منکر کو معروف بنادیگا اور نقصان اٹھائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ﴿ولتکن منکم﴾ میں ''من'' تبعیض کے لئے ہے کیونکہ ہر آدمی اس کا اہل نہیں ہے ہاں علماء نے لکھا ہے کہ جو طبقہ جن اوامر و نواہی سے مناسبت رکھتا ہو اس کو اسی شعبہ کے دائرہ میں امر اور نہی پر مامور کیا جائے چنانچہ حکام کے لئے حدود و تعزیرات کا شعبہ سنبھالنا چاہئے وہ اس کو نافذ کریں اور علماء کے ذمہ شریعت کے دقیق مسائل ہیں وہ ان کی دعوت دیں اور عام نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا عوام کے ذمہ ہے یعنی واضح موٹے موٹے احکام کو عوام بیان کریں تفصیلات میں نہ جائیں۔ بعض علماء نے ان ذمہ داریوں کو اس طرح ترتیب کیساتھ تقسیم کیا ہے کہ حکام کے لئے امر بالسنان ہے یعنی نیزہ کی نوک پر دعوت دیکر منکرات سے لوگوں کو باز رکھیں اور علماء کے لئے امر باللسان ہے اور عوام الناس کے لئے دل سے برا ماننے کا درجہ ہے۔ اس کے بعد یہ بات بھی سمجھ لیں کہ اگر آمر اور داعی کے سامنے فرض حکم آگیا تو اس کی دعوت فرض ہے اور اگر واجب ہے تو دعوت بھی واجب ہے اور اگر حکم استحبابی ہے تو دعوت بھی مستحب ہے اور سنت کی دعوت بھی سنت ہے ہاں اگر خوف فتنہ ہو تو پھر امر معروف ترک کیا جاسکتا ہے۔

امام غزالی نے احیاء علوم میں امر بالمعروف کی اور نہی عن المنکر کی جو بحث کی ہے وہ سرکاری محکمہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی

بحث ہے جسے دوسرے الفاظ میں "حسبہ" کہا گیا ہے، ۲۰۰۵ء میں صوبہ سرحد میں جو حسبہ ایکٹ مجلس عمل کی حکومت نے تیار کیا تھا وہ یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا شعبہ تھا بہر حال کوئی مانے نہ مانے ہمارا کام بتا دینا تھا۔

۱۷۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ ح: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ كِلَاهُمَا عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ وَهٰذَا حَدِيثُ أَبِي بَكْرٍ قَالَ أَوَّلُ مَنْ بَدَأَ بِالْخُطْبَةِ يَوْمَ الْعِيدِ قَبْلَ الصَّلَاةِ مَرْوَانُ فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ الصَّلَاةُ قَبْلَ الْخُطْبَةِ؟ فَقَالَ قَدْ تُرِكَ مَا هُنَالِكَ فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ أَمَّا هٰذَا فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ۔

طارق بن شہاب کہتے ہیں کہ عید کی نماز سے پہلے خطبہ کا دستور سب سے پہلے مروان نے شروع کیا۔ ایک آدمی کھڑا ہوا تو اس نے کہا کہ نماز خطبہ سے پہلے ہے؟ مروان کہنے لگا یہ سلسلہ یہاں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس پر حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس شخص نے تو اپنی ذمہ داری پوری کر دی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تم میں سے جو شخص کسی منکر کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روک دے، اگر ہاتھ سے روکنے کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے اسے ختم کرے اور زبان سے بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

## تشریح

"قال" سند کے آخر میں اس قال کا فاعل طارق بن شہاب ہے جو سند میں مذکور ہے اس روایت کا پورا منظر نامہ اسی نے بیان کیا ہے۔

"اول من بدأ بالخطبة" یعنی عید کے دن سب سے پہلے جس شخص نے نماز سے پہلے خطبہ دینا شروع کیا وہ مروان بن حکم تھا۔ مروان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا ان کے والد حکم کو ناپسندیدہ شخص قرار دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے طائف کی طرف جلاوطن کیا تھا مروان بن حکم سے امام بخاری نے دو حدیثیں بھی نقل فرمائی ہیں مگر یہ مروان کے خراب ہونے سے پہلے کی بات ہے پھر امام بخاریؒ نے ان کو قابل اعتماد نہیں سمجھا "مس ذکر" میں جس شرطی (پولیس والا) کا تذکرہ آیا ہے وہ یہی مروان ہے۔ مستدرک حاکم میں مروان کے بارے میں سخت وعید کی حدیثیں ہیں مگر علامہ ذھبی نے اس کو رد کیا ہے بندہ عاجز کچھ نہیں کہہ سکتا ورنہ لکھنے کے لیے بہت کچھ ہے۔ حضرت طلحہ کے قتل میں بھی اس کو ملوث کیا جاتا ہے مگر امام ذھبی نے اس کو رد کیا ہے البتہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں ان کا غلط طرز عمل شامل ہے یزید کے مرنے کے بعد شام میں یہ بغاوت کر کے بادشاہ بنا۔ جبکہ عالم اطراف میں عبداللہ ابن زبیرؓ کی خلافت تھی اپنے دور حکومت میں اس نے بعض دینی احکام میں تبدیلی کی کوشش کی انہی میں سے ایک تبدیلی یہ تھی کہ عیدین کی نماز سے پہلے خطبہ کو اس نے جاری کر دیا اس طرح کرنے کا ایک

پس منظر تھا وہ یہ کہ اس دور میں دو جماعتیں تھیں ایک حضرت علیؓ کی جماعت تھی اس کو شیعان علی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، دوسری جماعت حضرت معاویہؓ کی تھی جس کو شیعان معاویہ کہا جاتا تھا، مروانی اور بنوامیہ اپنے خطبوں میں شیعان علی کے بارے میں کچھ نامناسب باتیں کرتے تھے جس کو عوام پسند نہیں کرتے تھے لہٰذا عید کی نماز ہو چکنے کے بعد لوگ خطبہ سننے سے پہلے اٹھ کر چلے جاتے تھے مروان اس وقت حضرت معاویہؓ کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا یہ قصہ اسی زمانہ کا ہے، چنانچہ مروان بن حکم نے یہ ترتیب بنائی کہ عید کی نماز سے خطبہ پہلے کر دیا تاکہ نماز کی مجبوری میں لوگ خطبہ سنیں اس پر صحابہ کرام نے نکیر کیا یہی قصہ اس روایت میں مذکور ہے کہ سب سے پہلے یہ کام مروان نے شروع کیا بعض غیر مستند روایات میں یہ نسبت حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان اور حضرت معاویہؓ کی طرف کی گئی ہے کہ انہوں نے کسی مصلحت کے تحت خطبہ کو عید کی نماز سے پہلے رکھا۔ قاضی عیاض مالکیؒ نے کئی دلائل وقرائن سے ثابت کیا ہے کہ ان حضرات کی طرف یہ نسبت غلط ہے فرمایا ''وان ماحکی عن عمرو عثمان و معاویة فلایصح'' حافظ ابن حجرؒ نے بھی فرمایا کہ حضرت عمرؓ کی طرف یہ نسبت صحیح نہیں ہے۔ (فتح الباری)

بہرحال عیدین کے خطبوں کو نماز کے بعد پڑھنے پر اور نماز کو مقدم کرنے پر اجماع منعقد ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔

''فقام الیه رجل'' کہتے ہیں یہ ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ تھے کیونکہ ابوسعید خدری اور مروان اور ابومسعود انصاری تینوں ایک ساتھ عیدگاہ میں آرہے تھے مصنف عبدالرزاق میں ابومسعود انصاری کا ذکر موجود ہے۔

## سوال

یہاں ایک اہم سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابوسعید شان والے صحابی ہیں مروان پر تنقید کرنا ان کا حق تھا تو وہ اس شخص سے کیسے پیچھے رہ گئے ؟

## جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری اور مسلم شریف میں باب صلوة العید کے تحت ایک روایت آئی ہے اس میں یہ تفصیل ہے کہ ابوسعید خدری مروان کو نماز پڑھانے کی طرف کھینچ رہے تھے اور مروان منبر کی طرف زور لگا رہا تھا، پھر دونوں کا مکالمہ ہوا تو ابوسعید خدریؓ نے ان کو چھوڑ دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے انکار تو ابوسعید خدریؓ کر چکے تھے شاید اس شخص نے اس کے بعد نکیر کی ہو جس کی تائید حضرت ابوسعید خدریؓ نے کی اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقعات میں تعدد ہوا ایک مرتبہ ایسا ہوا جو زیر بحث قصہ میں ہے جہاں کسی وجہ سے ابوسعید خدری نے تاخیر سے کام لیا یا اس شخص نے ان کو بولنے کا موقع ہی نہ دیا۔

''قد ترك ماهنالك'' یعنی وہ طریقہ اب نہیں رہا وہ متروک ہو چکا ہے اب نماز سے خطبہ پہلے جاری کیا گیا ہے، اسلام کے احکامات کے بارے میں اس قسم کی بات صرف مروان نے نہیں کی بلکہ آج تک روشن خیال اسی قسم کی باتیں کرتے چلے آئے ہیں

اور چاہتے ہیں کہ شریعت مقدسہ کے مبارک احکامات کی جگہ اپنی اغراض فاسدہ کو شریعت کا رنگ دیکر جدت پسندی کا مظاہرہ کریں مگر یہ اللہ تعالیٰ کا محکم دین ہے جس کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے آج وہی حکم جاری ہے جو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری کیا تھا مروان کا نام لینے والا کوئی نہیں اور نہ ان کا نو ایجاد طریقہ موجود ہے دین باقی ہے مروان باقی نہیں ہے۔

''من رای منکم'' پہلی چیز تو برائی کا اپنی آنکھوں سے دیکھنا ہے جب تک کوئی شخص کسی منکر کو دیکھتا نہیں اس وقت تک اس کی طرف برائی کے ازالہ کا حکم متوجہ نہیں ہوتا اور جب اس نے برائی کو دیکھ لیا تو طاقت کی صورت میں ہاتھ سے اس کا ازالہ کرنا اور مٹانا فرض ہے بشرطیکہ کسی بڑے فتنے کا خطرہ نہ ہو۔ ''منکم'' کے لفظ سے اشارہ کیا گیا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری ان حضرات پر ہے جو معروف اور منکر کو جانتے ہیں اور وہ لوگ ''متفق علیہا'' اور ''مختلف فیہا'' مسائل میں فرق کر سکتے ہوں وہ ناسخ اور منسوخ کو پہچانتے ہوں اور مکی و مدنی نصوص میں فرق کر سکتے ہوں ''ولتکن منکم امۃ'' میں ''من'' تبعیضیہ سے بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

بہر حال قوت سے نافذ کرنے والے احکامات کا تعلق حکمرانوں سے ہے اور دقیق مسائل پر مشتمل اوامر و نواہی کا تعلق علماء سے ہے اور عام فہم مسائل کی ذمہ داری عوام الناس پر ہے مثلاً اس طرح کے سطحی مسائل جن کو عوام الناس جانتے ہوں مثال کے طور پر یہ کہنا کہ شراب حرام ہے اور نماز پڑھنا فرض ہے روزہ فرض ہے سود کھانا حرام ہے اس سے زیادہ فلسفے بیان کرنا اور دو دو گھنٹے بیان کرنا عوام کے لئے جائز نہیں ہے جس طرح غیر عالم اہل تبلیغ کرتے ہیں ''فلیغیرہ بیدہ'' یعنی ہاتھ ڈال کر برائی کو روک دے اور اس کے خلاف مسلح جدوجہد کرے یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے اس میں قوت بازو استعمال کرنے کی ترغیب دی گئی ہے جو در حقیقت جہاد کرنے اور اس کے علاوہ منکرات کے دفع کرنے کو شامل ہے ''بیدہ'' زور بازو کی طرف اشارہ ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ منکر اور برائی کا ازالہ ہو جائے فقط ازالہ مقصود ہے خواہ وہ زبان سے ہو یا کسی اور حکمت سے ہو لہٰذا نہی عن المنکر کی ضرورت نہیں ہے یہ ان حضرات کی غلط سوچ کا نتیجہ ہے کیونکہ یہاں ''بیدہ'' کا لفظ موجود ہے اگر ہاتھ سے روکنے اور ''ید'' کا لفظ مذکور نہ ہوتا تو پھر ان کی بات سنی جا سکتی تھی لیکن جب ہاتھ سے روکنے کی تصریح موجود ہے تو اس کے بعد دوسرا معنی لینا حدیث سے اعراض یا اس پر اعتراض کے مترادف ہے جس میں تحریف کا خطرہ ہے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے منکر کے ازالہ کے تین درجات بتائے ہیں جس میں پہلا درجہ ازالہ بالید ہے اب ازالہ بالید کے درجہ کو اپنی کمزوریوں کے پردوں میں چھپانا اور اس میں تاویلیں کرنا اور اس کے لئے مثالوں کو بیان کرنا اور قصوں سے اس کی افادیت کو کم کرنا یہ دین کا کام نہیں نہ دین کی کوئی خدمت ہے ﴿فلا تضربوا للہ الامثال﴾ تبلیغی جماعت کو چاہئے کہ دین کے تابع ہو جائیں دین کو اپنا تابع نہ بنائیں۔

''فبلسانہ'' زبان سے منکر کے ازالہ کا مطلب یہ ہے کہ حق کو کھول کر بیان کیا جائے واضح الفاظ میں زبان سے حق کا اعلان کیا جائے اور پھر اس حق کو دوسروں تک پہنچایا جائے اس میں زبان سے تہدید و تغلیظ بھی ہو موقع و محل کے مناسب گرمی بھی ہو

اور نرمی بھی ہو ترغیب بھی ہو اور ترہیب بھی ہو، اس فریضہ کو آج کل علماء کرام تدریس کے ذریعہ سے پورا کر رہے ہیں مساجد میں خطبات و تقریر اور جرائد و رسائل میں تحریر کے ذریعہ سے پورا کر رہے ہیں، جماعت تبلیغ کے احباب چلوں اور گشتوں کے ذریعہ سے پورا کر رہے ہیں اور دین اسلام کے مجاہدین میدان جہاد میں کفار و اغیار پر مجاہدانہ للکار اور جہادی اشعار کی یلغار سے پورا کر رہے ہیں مگر یاد رکھنا چاہئے امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر بھی لازم ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ آدمی پہلے زبان کے ذریعہ سے نرمی سے سمجھائے اگر نہیں مانا تو پھر سختی کرے اور اگر قدرت و طاقت ہو تو پھر ہاتھ ڈال کر منع کردے مثلاً شراب کو ضائع کردے اور طبل باجے کے آلات کو توڑ ڈالے۔

زجاجۃ المصابیح میں لکھا ہے کہ اگر امر کرنے والے آمر کی غالب رائے ہو کہ لوگ اس کی بات کو قبول کرلیں گے اور منکر سے باز آجائیں گے تو اس وقت نہی عن المنکر واجب ہے اور اگر گمان یہ ہو کہ لوگ نہیں مانیں گے گالیاں دیں گے بلکہ ماردیں گے تو اس وقت نہی عن المنکر ترک کرنا افضل ہے۔ اسی طرح اگر بڑے فتنہ کے اٹھنے کا خطرہ ہو تو اس وقت بھی نہی عن المنکر ترک کرنا جائز ہے اور اگر داعی اور امر کرنے والا آدمی تمام مشقتوں کو برداشت کرسکتا ہے تو پھر نہی عن المنکر کرنا افضل ہے اور یہ آدمی مجاہد ہے، علامہ زندیسیؒ نے لکھا ہے کہ امر بالید حکام کا کام ہے امر باللسان علماء کا کام ہے اور امر بالقلب عوام الناس کا کام ہے۔

''فبقلبہ'' اس کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اس منکر سے نفرت ہو اس کے مرتکب پر غصہ ہو اور دل میں پکا ارادہ ہو کہ جب موقع ملے گا تو میں ہاتھ سے اس منکر کو ختم کردوں گا یہ ادنیٰ درجہ ایمان ہے اگر یہ جذبہ بھی دل میں نہیں تو پھر دل میں کچھ بھی نہیں۔

''اضعف الایمان'' یعنی ایمان کے ثمرات کا یہ کمزور ثمرہ ہے اور ایمان کے حوالے سے یہ آدمی آخری درجہ کا مسلمان ہے اس کے بعد وہ مسلمان نہیں رہیگا کیونکہ جو شخص برائی اور بھلائی میں فرق نہیں مانتا وہ اپنی شریعت اور قرآن وحدیث کے اوامر اور نواہی کا انکار کرتا ہے اور یہ کفر ہے کیونکہ حرام سے نہی کرنا واجب ہے مکروہات سے نہی مستحب ہے۔ یہ شخص ایمان میں کمزور تر اس لئے قرار دیا گیا کہ اس نے قوت کے پہلے دو درجوں کو نظر انداز کیا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں امر بالمعروف کے لئے پانچ شرائط ہیں۔

(۱) داعی کا عالم ہونا، (۲) رضاء الٰہی اور اعلاء کلمۃ اللہ مقصود ہونا، (۳) جس کو دعوت دے رہا ہے اس پر شفقت و نرمی کرنا، (۴) ہر مشقت پر صبر کرنا، (۵) داعی جو کہتا ہو اس پر خود عمل بھی کرتا ہو۔

۱۷۸۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ ابْنِ رَجَاءٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ فِيْ قِصَّةِ مَرْوَانَ وَحَدِيْثِ اَبِيْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ شُعْبَةَ وَسُفْيَانَ۔

یہ روایت حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے، شعبہ اور سفیان والی سابقہ سند کی طرح بعینہ مذکور ہے۔

۱۷۹۔ حَدَّثَنِی عَمْرٌو النَّاقِدُ وَأَبُوبَكْرِ بْنُ النَّضْرِ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَاللَّفْظُ لِعَبْدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَبْدِاللَّهِ بْنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْمِسْوَرِ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَامِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللَّهُ فِي أُمَّةٍ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُّونَ وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَالَا يَفْعَلُونَ وَيَفْعَلُونَ مَالَا يُؤْمَرُونَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ قَالَ أَبُورَافِعٍ فَحَدَّثْتُ عَبْدَاللَّهِ بْنَ عُمَرَ فَأَنْكَرَهُ عَلَيَّ فَقَدِمَ ابْنُ مَسْعُودٍ فَنَزَلَ بِقَنَاةَ فَاسْتَتْبَعَنِي إِلَيْهِ عَبْدُاللَّهِ بْنُ عُمَرَ يَعُودُهُ فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ فَلَمَّا جَلَسْنَا سَأَلْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ فَحَدَّثَنِيهِ كَمَا حَدَّثْتُهُ ابْنَ عُمَرَ قَالَ صَالِحٌ وَقَدْ تُحُدِّثَ بِنَحْوِ ذٰلِكَ عَنْ أَبِي رَافِعٍ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی نبی اللہ تعالی نے مجھ سے پہلے مبعوث نہیں فرمایا کسی قوم میں مگر یہ کہ اس قوم میں سے اس نبی کے کچھ حواری اور ساتھی ہوتے تھے جو اس نبی کی سنتوں کو لازم پکڑتے تھے، اس کے احکامات کی اتباع واقتداء کرتے تھے، پھر ان کے بعد ان کے پیچھے ناخلف لوگ آیا کرتے ہیں جو کچھ کہتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے اور وہ کام کرتے ہیں جن کا انہیں حکم نہ دیا گیا ہو سو جو شخص ان سے ہاتھ سے جہاد کرے گا وہ مومن ہے، جو ان سے زبان کے ذریعہ جہاد کرے گا وہ مومن ہے اور جو دل کے ذریعے جہاد کرے گا وہ مومن ہے۔ اس کے بعد ایمان نہیں۔ رائی کے دانہ کے برابر بھی۔ ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کی تو انہوں نے اسے عجیب اور غیر معروف قرار دیا۔ اتفاقاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وادی قناۃ میں تشریف لائے تو ابن عمر رضی اللہ مجھے لے کر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی عیادت کو گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ چلا جب ہم بیٹھ گئے تو میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے مجھ سے اسی طرح حدیث بیان کی جیسے میں نے ابن عمر سے بیان کی تھی۔ صالح بن کیسان کہتے ہیں کہ یہ حدیث ابورافع سے اسی طرح بیان کی گئی ہے۔

## تشریح

''مامن نبی'' یعنی مجھ سے پہلے جتنے انبیاء آئے ہیں ان کے کچھ خاص خاص لوگ ہوتے ہیں۔

## سوال

یہاں یہ اشکال ہے کہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک ایسا نبی آئیگا جس کے ساتھ ایک آدمی امتی ہوگا بعض

کے ساتھ دو امتی آئیں گے اور بعض کے ساتھ کوئی بھی امتی نہیں ہوگا یہاں اس حدیث میں ہے کہ ہر نبی کے ساتھ خاص لوگ رہے ہیں ان دونوں حدیثوں میں واضح تعارض ہے اس کا کیا جواب ہے ؟

## جواب

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہاں باعتبار اکثر فرمایا گیا ہے تو یہ قاعدہ اکثریہ ہے قاعدہ کلیہ نہیں ہے لہٰذا کسی نبی کے ساتھ کوئی امتی نہ ہونا اس کے منافی نہیں ہے۔

## دوسرا جواب

یہ ہے کہ نبی اور رسولوں میں فرق ہے تو رسولوں کے ساتھ حواری کا ہونا ضروری ہے نبی کے لئے ضروری نہیں یہاں نبی سے رسول مراد ہے۔

## تیسرا جواب

یہ ہے کہ یہاں عبارت محذوف ماننا پڑیگا یعنی "مامن نبی له اتباع " مطلب یہ ہوا کہ جس کے اتباع ہوں اس کے لئے حواری ہوتے ہیں اور جن کے اتباع نہیں ہونگے تو حواری بھی نہیں ہونگے۔ (نووی)

"حواریون" علامہ ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ حواری سے مراد انبیاء کرام کے خاص خاص مخلص بے داغ اور منتخب لوگ ہیں بعض نے کہا کہ اس سے انبیاء کے انصار مراد ہیں بعض نے کہا کہ مجاہدین مراد ہیں بعض نے کہا کہ انبیاء کے بعد جو لوگ اس نبی کے خلیفہ بننے کے قابل ہوں وہ مراد ہیں۔ (نووی)

خلاصہ یہ کہ حواریوں سے مراد اس نبی کے وہ خالص دوست مراد ہیں جو اس نبی کے ہر حکم پر مرمٹنے اور بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار ہوتے ہیں اور اس نبی کی سنت پر چلتے ہیں خود حدیث میں حواریین کی دو صفت مذکور ہیں۔ "ثم انها" یہ ضمیر قصہ ہے جسے ضمیر شان اور ضمیر قصہ سے یاد کرتے ہیں۔

"جاهدهم بقلبه "یعنی دل سے ان پر غضبناک ہوا اور پکا ارادہ کیا ہو کہ اگر موقع ملا تو ان کے خلاف ہاتھ اٹھا کر لڑیں گے۔

"فهو مومن" مومن میں تنوین تنکیر کے لئے ہے جس سے مختلف انواع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو پہلا مومن کامل ہے دوسرا مومن متوسط درجہ کا ہے اور تیسرا مومن ادنیٰ درجہ کا ہے اس کے بعد ایمان نہیں۔ "حبة خردل "یعنی ان تین درجات کے بعد ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے خردل سرسوں کے دانے کو کہتے ہیں جس کا ترجمہ رائی کے دانے سے کیا جاتا ہے اکثر طلبہ رائی بولتے ہیں اور جانتے نہیں ہیں۔ "بقناة" مدینہ کی وادیوں میں ایک وادی کا نام وادی قناۃ ہے یہی مراد ہے۔

"فاستتبعنی "یعنی ابو رافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے مجھے اپنے ساتھ لیا اور حضرت ابن مسعود کی عیادت کے لئے گئے۔

"وقد تحدث" مجہول کا صیغہ ہے کسی کمزوری کی طرف اشارہ ہے کہ شاید ابن مسعودؓ کا ذکر اس روایت میں ثابت نہیں ہے۔

چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے اور یہ ابن مسعودؓ کے طرز کلام (نظریہ) کے موافق بھی نہیں ہے کیونکہ وہ ایسے موقعوں پر صبر کی تلقین کرتے تھے۔ (نووی)

بہرحال امام مسلمؒ نے بڑے وثوق سے اس کو ذکر کیا ہے شک کی گنجائش نہیں ہے، علامہ الابی المالکی فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ کا اس حدیث کو غیر محفوظ کہنا بڑا ہی تعجب خیز ہے۔ (الابی)

''خلوف'' نابکار، نابنجار، ناخلف لوگ مراد ہیں جو قائم مقام بننے کے قابل نہیں ہوتے ہیں۔ خلوف خا کے ضمہ کے ساتھ جمع ہے اس کا مفرد خلف ہے اگر لام ساکن ہو تو نالائق، نابکار مراد لیا جاتا ہے جو شرارت میں قائم مقام ہو اور اگر لام پر زبر ہو تو اس سے اچھا قائم مقام مراد ہوتا ہے یہاں نالائق خلف مراد ہے جس کی تفسیر حدیث میں مذکور ہے کہ کرنے کا کام تو نہیں کرتے ہیں اور نہ کرنے کے کام کو کرتے ہیں بلکہ اس پر مرنے مارنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں جیسے شیعہ روافض کے جلوس، جھنڈے اور پنجے، اہل بدعت کے جلوس، قبے، نقشے اور جھنڈے، سیاسی پارٹیوں کے جھنڈے جلوس جلسے اور بینر یہ سب کچھ ان کے ہاں اہم ہیں مگر نماز روزہ زکوٰۃ اور حج غائب ہیں۔

۱۸۰۔ **وحَدَّثَنِيهِ** اَبُوبَكْرِبْنُ اِسْحَاقَ بْنِ مُحَمَّدٍ اَخْبَرَنَا ابْنُ اَبِيْ مَرْيَمَ اَخْبَرَنَا عَبْدُالْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنِي الْحَارِثُ بْنُ الْفُضَيْلِ الْخَطْمِيُّ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ عَنْ اَبِيْ رَافِعٍ مَوْلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاكَانَ مِنْ نَبِيٍّ اِلَّا وَقَدْ كَانَ لَهُ حَوَارِيُّوْنَ يَهْتَدُوْنَ بِهَدْيِهِ وَيَسْتَنُّوْنَ بِسُنَّتِهِ مِثْلَ حَدِيْثِ صَالِحٍ وَلَمْ يَذْكُرْ قُدُوْمَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَاجْتِمَاعَ ابْنِ عُمَرَ مَعَهُ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی نبی نہیں ہے مگر یہ کہ اس کے کچھ حواری ہوتے ہیں جو اس کے طریقوں پر چلتے ہیں اور اس کی سنتوں پر عمل کرتے ہیں۔ آگے سابقہ حدیث اور اس کی سنتوں پر عمل کرتے ہیں۔ آگے سابقہ حدیث کی طرح سے پوری بیان کی لیکن اس میں ابن مسعودؓ کی آمد کا ذکر نہیں ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اجتماع کا ذکر نہیں ہے۔

## باب تفاضل اهل الايمان ورجحان اهل اليمن فيه

## اہل ایمان کے ایمان میں تفاوت اور اہل یمن کی ترجیح

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں تیرہ حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس عنوان سے ایمان کی زیادت اور نقصان کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اہل ایمان اپنے ایمان میں ایک

دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں اور ایمان کی زیادت میں اہل یمن سب سے آگے ہیں لہذا ''الایمان یزید و ینقص'' ثابت ہوگیا اور یہی جمہور محدثین وفقہاء اور امام بخاری کا مسلک ہے مگر جمہور متکلمین اور احناف کا مسلک یہ ہے کہ ''الایمان لا یزید ولا ینقص'' کیونکہ ایمان عقد جازم کا نام ہے جو بسیط ہے اگر ہے تو ہے اور اگر نہیں ہے تو نہیں ہے، جہاں زیادت ونقصان کے الفاظ قرآن وحدیث میں آئے ہیں تو وہ

۱۔ حلاوت ایمان میں کمی وزیادت ہوسکتی ہے۔ (شاہ ولی اللہؒ)

۲۔ ایمان تفصیلی میں کمی زیادتی ہوسکتی ہے مگر ایمان اجمالی میں کمی زیادتی نہیں ہوسکتی ہے۔

۳۔ مؤمن بہ کی وجہ سے زیادت وکمی ہوسکتی ہے کہ دس آیتوں پر ایمان لانا زیادہ ہے پانچ پر کم ہے۔

۴۔ نزول وحی کے زمانہ میں ایسا ہوتا تھا اب نہیں۔

۵۔ اجزائے نورانیہ تزئینیہ میں کمی زیادتی ہوتی ہے اصل ایمان میں نہیں۔

۶۔ نصوص ظاہرہ کی وجہ سے ایمان میں زیادت کے ہم قائل ہیں مگر کمی کے قائل نہیں۔ (امام ابوحنیفہؒ)

۷۔ ایمان میں کیفاً زیادتی ونقصان ہوتا ہے مگر کماً نہیں ہوتا ہے۔

بندہ عاجز نے کئی دفعہ یہ جوابات لکھے ہیں لوگ سمجھیں گے کہ یہ تکرار ہے میں کہتا ہوں کہ علامہ نوویؒ بھی اپنے مدعا پر بار بار تکرار کرتے ہیں تو ہم مجبور ہیں۔

۱۸۱۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوْبَکْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ حَدَّثَنَا اَبُوْاُسَامَۃَ ح وَحَدَّثَنَا اِبْنُ نُمَیْرٍ حَدَّثَنَا اَبِیْ ح: وَحَدَّثَنَا اَبُوْکُرَیْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اِدْرِیْسَ کُلُّھُمْ عَنْ اِسْمَاعِیْلَ بْنِ اَبِیْ خَالِدٍ ح: وَحَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ حَبِیْبٍ الْحَارِثِیُّ وَاللَّفْظُ لَہٗ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ اِسْمَاعِیْلَ قَالَ سَمِعْتُ قَیْسًا یَرْوِیْ عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ قَالَ اَشَارَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدِہٖ اِلَی الْیَمَنِ فَقَالَ اَلَا اِنَّ الْاِیْمَانَ ھٰھُنَا وَاِنَّ الْقَسْوَۃَ وَغِلَظَ الْقُلُوْبِ فِی الْفَدَّادِیْنَ عِنْدَ اُصُوْلِ اَذْنَابِ الْاِبِلِ حَیْثُ یَطْلُعُ قَرْنَا الشَّیْطَانِ فِیْ رَبِیْعَۃَ وَمُضَرَ۔

حضرت ابومسعود الانصاری سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے یمن کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا آگاہ رہو ایمان وہاں ہے، اور بے شک شقاوت اور دل کی سختی جانوروں کے چرانے والوں میں ہوتی ہے جو اونٹوں کی دموں کی جڑ کے پاس ہوتے ہیں، جہاں سے شیطان کے دو سینگ نکلتے ہیں یہ چرواہے ربیعہ اور مضر میں ہیں۔

## تشریح

''الا'' یہ تنبیہ کے لئے ہے یعنی یاد رکھو خوب سمجھ لو اور سنو کہ ایمان یمن میں ہے۔ ''القسوۃ'' قساوت قلبی اور دلوں کا سخت ہونا مراد

ہے۔''غلظ القلوب''غلاظ کی جمع ہے سختی کے معنی میں ہے۔

اب سوال یہ ہے ان دونوں لفظوں میں کیا فرق ہے؟

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس میں ترادف ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ قسوت دلوں کی اس سختی اور قساوت کو کہتے ہیں جو کسی کے وعظ سے نرم نہ ہو اور غلظ دلوں کی اس حالت کا نام ہے کہ ان میں سمجھنے کی صلاحیت ہی نہ ہو نرم ہونا تو دور کی بات ہے۔

''فی الفدادین''یعنی اوپر کی دونوں صفتیں غلظ اور قسوت، فدادین میں ہیں اب سوال یہ ہے کہ یہ فدادین کون ہیں اور اس کا مطلب کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ فدادین فداد کی جمع ہے اور فداد کی دو تشریحات ہیں، ایک تشریح یہ ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے اونٹ بہت زیادہ ہوں جو دوسو سے لیکر ایک ہزار تک پہنچ جاتے ہوں،''الفدید اهل کثیرہ''کو کہتے ہیں دوسری تشریح یہ ہے کہ امام لغت شیخ اصمعیؒ فرماتے ہیں کہ فدادین وہ لوگ ہیں جو اپنے جانوروں کے پیچھے زور زور سے چیختے چلاتے ہوں اور اس کو ہنکاتے بھگاتے ہوں اور ہل جوتنے کے وقت بیلوں پر ھوھو کی آوازیں نکالتے ہوں اس مفہوم کے مطابق فدادین کا مصداق زمیندار، چوھدری، ملک، نواب اور خرناٹ قسم کے وڈیرے جو کھیتی باڑی اور اونٹوں کی کثرت کی وجہ سے ہر وقت چیختے رہتے ہیں''عند اصول اذناب الابل''کے الفاظ اس معنی پر واضح قرینہ ہے کہ بیلوں کی دموں کے پاس شور کرتے رہتے ہیں۔

امام لغت علامہ ثعلب فرماتے ہیں''الفَدَّادُوْنَ الْجَمَّالُوْنَ الْبَقَّارُوْنَ الْحَمَّارُوْنَ وَالرُّعْیَان''یعنی فدادین اونٹوں والے بیلوں بھینسوں والے گدھوں والے اور بکریوں والے چرواہے ہیں اس سے پہلی تشریح اور اوپر والے معنی کی تائید ہوتی ہے۔

بہر حال ان جانوروں کے اختلاط کی وجہ سے ان میں جانوروں کی صفات آگئیں کیونکہ جو آدمی جس حیوان کے ساتھ رہتا ہے اس کی صفات اس میں آجاتی ہیں تو بکریوں میں مسکنت ہے لیکن اونٹوں، بیلوں اور گدھوں میں تو حماقت وغضب وحسد ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ شیطان کے دوسینگوں کے ظاہر ہونے کا کیا مطلب ہے تو جواب یہ ہے کہ خود شیطان کا وجود مراد ہے تفصیل یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت نے مدینہ منورہ سے یا تبوک سے جو اشارہ نجد کی طرف کیا ہے تو یہ علاقے مدینہ سے مشرق کی جانب واقع ہیں تو صبح کے وقت جب سورج طلوع ہوتا ہے تو شیطان سامنے کھڑا ہو جاتا ہے تاکہ جو لوگ سورج کو پوجتے ہیں اس سے شیطان کی پوجا بھی ہو جائے اس طرح سورج شیطان کے سر کے دونوں جانبوں سے نکل کر آتا ہے بتانا یہی ہے کہ مشرقی علاقوں میں فتنے ظاہر ہونگے۔

علامہ ابی مالکی فرماتے ہیں کہ قرن جماعت کو بھی کہتے ہیں تو یہاں قرنان سے دو جماعتیں مراد ہیں جو مضر اور ربیعہ ہیں، یہ لوگ اسلام کے بہت زیادہ مخالفت کرتے تھے تو اس کو شیطان کے دوسینگ کہا گیا ہے۔ آئندہ''رأس الکفر''کی تشریح میں تفصیل آرہی ہے۔

''فی ربیعة ومضر''یہ فدادین سے متعلق ہے یعنی یہ فدادین ربیعہ اور مضر میں ہیں اس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں اشارہ انہی دو جماعتوں کی طرف ہے مولوی رسول سعیدی نے مسلم کی شرح میں یہاں لکھا ہے کہ اس مشرقی علاقہ سے نجد مراد ہے اور نجد ہی سے مسیلمہ کذاب اٹھا تھا اور محمد بن عبدالوہاب نکلا تھا یہ شیطان کے دوسینگ ہیں۔ میرے خیال میں اس نے شروحات کا خیال

نہیں کیا بلکہ وہابیوں کے ساتھ کینہ وحسد کی وجہ سے ایسا لکھا مسیلمہ کذاب کی بات تو صحیح ہے لیکن محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں ان کا قول شاید حسد کا نتیجہ ہے اگر چہ ہمیں عبدالوہاب سے دلچسپی نہیں ہے۔

عام شارحین لکھتے ہیں کہ مدینہ سے مشرقی جانب جو علاقے ہیں اس سے بڑے بڑے فتنے ظاہر ہونگے، دجال اور یاجوج ماجوج وغیرہ بڑے بڑے فتنے اسی طرف سے آئیں گے دجال ایک جزیرہ میں بند ہے رستاباذ سے نمودار ہو کر اصفہان ایران میں ظاہر ہوگا۔ مولانا مفتی رفیع صاحب نے لکھا ہے کہ پاکستان بھی مدینہ سے مشرقی جانب میں ہے ہمیں بھی اہتمام کے ساتھ فتنوں سے پناہ مانگنی چاہیے۔

''حیث یطلع قرنا الشیطان'' یہاں حیث ظرف مکان ہے جگہ کے معنی میں ہے یعنی جہاں شیطان کے دو سینگ ظاہر ہونگے اس سے مراد وہ علاقے ہیں جو مدینہ سے مشرقی جانب میں واقع ہیں کہ یہاں سے فتنے ظاہر ہونگے مدینہ اور تبوک سے نجد مشرق میں واقع ہے، علامہ ابی نے اس سے نجد مراد لیا ہے۔

۱۸۲ـ **حَدَّثَنَا** اَبُو الرَّبِيعِ الزَّهْرَانِيُّ اَنْبَانَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا اَيُّوبُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ اَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ اَرَقُّ اَفْئِدَةً اَلْاِيْمَانُ يَمَانٍ وَالْفِقْهُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ ـ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل یمن آگئے ہیں وہ نرم دل لوگ ہیں۔ ایمان بھی یمانی، فقہ بھی یمانی اور حکمت بھی یمانی ہے۔

## تشریح

''ارق افئدة'' یہ فؤاد کی جمع ہے دل کو کہتے ہیں مگر فؤاد اور قلب میں معمولی سا فرق ہے وہ یہ کہ قلب دل کے اوپر حصہ پر بولا جاتا ہے اور فؤاد اس کے اندر حصہ کو کہتے ہیں اسی معمولی فرق کے لحاظ سے شاید فؤاد کے ساتھ ارق کا لفظ لگایا گیا ہے جو نسبتاً زیادہ نرمی کی طرف اشارہ ہے اور قلب کے ساتھ اضعف کا لفظ لگایا گیا ہے جو نسبتاً کم نرمی کی طرف اشارہ ہے۔

''یمان'' اصل میں ''یَمَنِيٌّ'' تھا، ی نسبتیہ کو گرا کر الف عوض میں دیا گیا تو یمان ہو گیا امام طحاوی نے ایک قصہ لکھا ہے کہ عیینہ بن حصن فزاری نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہا کہ ایمان میں اہل نجد افضل ہیں تو آنحضرت نے فرمایا ''کذبت ان الایمان یمان''۔ (علامہ الابی)

''الفقه'' فقہ سے مطلقاً دین کی سمجھ بوجھ مراد ہے متعارف فقہ مراد نہیں وہ اصطلاح بعد میں آئی ہے یہاں فقہ سے دین کی سمجھ بوجھ عقل وفہم تدبر و دانش و فراست اور ہر شعبہ میں دین کی مہارت مراد ہے۔ آج کل کی اصطلاحی فقہ کی تعریف یہ ہے

''هو العلم بالاحكام الشرعية العملية المكتسب من ادلتها التفصيلية''۔ (تعریفات)

فقہ اکبر میں امام ابو حنیفہؒ نے فقہ کی یہ تعریف کی ہے۔

"معرفة النفس مالها وما عليها"۔

"الحكمة" عواقب امور اور انجام پر نظر رکھنے کو حکمت کہتے ہیں ابن ذرید فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو عظمت اور بزرگی کا باعث بنے اور پستی اور قباحت سے منع کرے وہ حکمت ہے، عربی عبارت یہ ہے

"كل كلمة وعظتك اوزجرتك اودعتك الى مكرمة او نهتك عن قبيح فهى حكمة"۔

"الايمان يمان" یعنی ایمان تو اہل یمن کا ایمان ہے۔

## سوال

یہاں سوال یہ ہے کہ جب ایمان یمانی ہے، فقہ یمانی ہے، حکمت یمانی ہے، تو اہل حجاز کے لئے کیا رہ گیا؟ حالانکہ ایمان کا نزول مکہ میں ہوا، عرفان وایمان وایقان کا مرکز مکہ ہے یہ مہبط وحی ہے آخر زمانہ میں ایمان سمٹ کر مکہ ومدینہ میں رہ جائے گا غرضیکہ ابتدا وانتہاء مکہ سے ہے تو یہ فضیلت یمن کی کیسی؟ حالانکہ اس باب کی آخری حدیث میں یہ الفاظ ہیں "والايمان فى الحجاز" کہ ایمان کا مرکز مکہ ومدینہ ہے اس تعارض واعتراض کا جواب کیا ہے ؟

## جواب

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ لفظ یمان خود مکہ مکرمہ پر بولا گیا ہے کیونکہ مکہ کا کچھ حصہ اطراف یمن سے ملتا ہے خانہ کعبہ کے ایک کونے کا نام رکن یمانی ہے گویا یہ الفاظ "الايمان مكى" کے معنی میں ہیں یہ ایک جواب ہے لیکن اس کے دینے سے نہ دینا بہتر ہے۔

## دوسرا جواب

یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ ارشاد فرمایا اس وقت آپ تبوک میں تھے اور آپ نے دائیں طرف اشارہ فرمایا اور دائیں طرف مکہ اور مدینہ ہے گویا الايمان يمان مکہ اور مدینہ کی طرف اشارہ تھا نہ کہ یمن کی طرف، یہ جواب اس قابل ہے کہ اس کو ذکر کیا جائے لیکن یہ تسلی کے لئے کافی نہیں ہے۔

## تیسرا جواب

یہ ہے کہ اس سے انصار کی جماعت مراد ہے کیونکہ انصار کے بڑے قبائل کا سلسلۂ نسب اہل یمن سے جا ملتا ہے گویا آپ نے انصار کے ایمان کی تعریف فرمائی، یہ جواب بھی حقیقت سے بہت دور معلوم ہوتا ہے۔

## چوتھا جواب

یہ ہے کہ یہ تعریف اس زمانہ کے موجودہ چیدہ چیدہ اہل یمن کی تعریف تھی مطلقاً اہل یمن یا ہمیشہ کے لئے اہل یمن کی تعریف نہیں تھی اس وقت یمن میں اویس قرنی، ابو مسلم خولانی اور ابو موسیٰ اشعریؓ کا قبیلہ موجود تھا تو یہ مخصوص اہل یمن کی تعریف تھی یہ

جواب اچھا ہے۔

## پانچواں جواب

یہ ہے کہ الایمان یمان فی نفسہ اہل یمن کی تعریف ہے اس کا منفی پہلو مراد نہیں ہے کہ اہل یمن اچھے ہیں اور اہل حجاز اچھے نہیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اہل یمن کا ایمان بہت اچھا ہے کسی اور کے ایمان کی نفی نہیں ہے بلکہ ''الایمان فی الحجاز'' کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ کسی اور کی نفی نہیں ہے نہ مفہوم مخالف ہے بلکہ اس حدیث کا ایک پس منظر ہے اس کو یوں سمجھ لیں کہ بنو تمیم کا ایک وفد آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بنو تمیم ایمان کی دولت قبول کرلو انہوں نے کہا کہ ایمان ہم لے آئے ہیں ہمیں پیسہ دیدو حضرت ناراض ہوگئے پھر اہل یمن آئے آپ نے ان کے سامنے وہی بات رکھی تو انہوں نے آنحضرت کے منشاء کے مطابق جواب دیا تو آپ نے فرمایا ایمان تو اہل یمن کا ایمان ہے یہ جواب اچھا ہے۔

ان جوابات میں پہلے تین جوابات میں مجاز کی طرف جانا پڑتا ہے، شارحین نے لکھا ہے کہ جب حقیقت پر عمل ممکن ہو تو مجاز کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

۱۸۳۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عَدِیٍّ ح وَ حَدَّثَنِیْ عَمْرٌو النَّاقِدُ حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ یُوْسُفَ الْاَزْرَقُ کِلَاهُمَا عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهٖ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بھی سابقہ روایت کی طرح نقل کرتے ہیں۔

۱۸۴۔ **وحَدَّثَنِیْ** عَمْرٌو النَّاقِدُ وَحَسَنٌ الْحُلْوَانِیُّ قَالَا حَدَّثَنَا یَعْقُوْبُ وَهُوَ ابْنُ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا اَبِیْ عَنْ صَالِحٍ عَنِ الْاَعْرَجِ قَالَ قَالَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَاکُمْ اَهْلُ الْیَمَنِ هُمْ اَضْعَفُ قُلُوْبًا وَاَرَقُّ اَفْئِدَةً اَلْفِقْهُ یَمَانٍ وَالْحِکْمَةُ یَمَانِیَةٌ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس یمن کے لوگ آئے ہیں، وہ نرم دل اور رقیق القلب ہیں، فقہ یمانی ہے اور حکمت بھی یمانی ہے۔

۱۸۵۔ **حَدَّثَنَا** یَحْیَی بْنُ یَحْیَی قَالَ قَرَأْتُ عَلٰی مَالِکٍ عَنْ اَبِی الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَأْسُ الْکُفْرِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ وَالْفَخْرُ وَالْخُیَلَاءُ فِیْ اَهْلِ الْخَیْلِ وَالْاِبِلِ الْفَدَّادِیْنَ اَهْلِ الْوَبَرِ وَالسَّکِیْنَةُ فِیْ اَهْلِ الْغَنَمِ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کفر کا مرکز مشرق کی طرف ہے فخر اور تکبر گھوڑوں اور اونٹوں والوں میں ہے جو چیختے چلاتے ہیں، وبر والے ہیں جب کہ سکون و نرمی بکریوں والوں میں ہے۔

## تشریح

''رأس الکفر نحو المشرق ''یعنی کفر کا امام اور سرغنہ مشرق کی جانب میں ہے مدینہ منورہ سے مشرق میں نجد، عراق، ایران کے علاقے واقع ہیں ان تمام کفریہ طاقتوں کا سرغنہ اس زمانہ میں مجوس فارس تھے جو کفر میں بہت سخت تھا، ربیعہ و مضر بھی کفر میں سخت تھے تاتاری فتنہ بھی مشرق سے اٹھا تھا دجال بھی اسی علاقے ''استاباذ'' سے نکل کر اصفہان میں ظاہر ہوگا، یاجوج ماجوج بھی اسی علاقے درہ داریال کے پیچھے ہیں۔ لہٰذا راس الکفر کے تحت یہ تمام فتنے ملحوظ نظر رکھنا چاہئے، صرف عبدالوہاب نجدی کو اس کا مصداق قرار دینا بریلویوں کا مشغلہ ہے جبکہ ہم اہل حق طائفہ منصورہ کے لوگ ہیں نہ ہم نجدی ہیں نہ وھابی ہیں نہ اس چیز کو پسند کرتے ہیں۔

''الخیلاء'' خود پسندی تکبر مراد ہے خود تکبر کرے اور دوسرے کو حقیر سمجھے یہ خیلاء کا مطلب ہے۔ ''الغنم'' یعنی سکینہ عاجزی اور وقار بکریوں کے پالنے والوں میں ہے کیونکہ بکری ایک مسکین جانور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء کرام نے بکریاں چرائی ہیں آنے والی روایت میں الشاء کا لفظ ہے اس کا مفرد شاۃ ہے بکری کو کہتے ہیں۔ ''الوبر'' وبر پشم کو کہتے ہیں اونٹوں کے پشم سے خیمے بنا کر اس میں رہنے والے خانہ بدوش اھل وبر ہیں وبر کا اطلاق جس طرح اونٹوں کے بالوں پر ہوتا ہے اسی طرح گھوڑے کے بال پر بھی وبر کا اطلاق ہوتا ہے۔

۱۷۶۔ **حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ ابْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ أَخْبَرَنِي الْعَلَاءُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْإِيمَانُ يَمَانٍ وَالْكُفْرُ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالسَّكِينَةُ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ وَالْفَخْرُ وَالرِّيَاءُ فِي الْفَدَّادِينَ أَهْلِ الْخَيْلِ وَالْوَبَرِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان یمانی ہے کفر مشرق کی طرف ہے سکون و اطمینان اہل غنم میں ہے، فخر و ریاء کا شکاروں میں ہے جو گھوڑوں والے اور اونٹوں والے ہیں۔

۱۸۷۔ **وَحَدَّثَنِي** حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِي الْفَدَّادِينَ أَهْلِ الْوَبَرِ وَالسَّكِينَةُ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فخر و تکبر چیخنے والوں میں ہے جو اونٹوں والے ہیں جبکہ سکون و اطمینان بکریوں والوں میں ہے۔

۱۸۸۔ **وَحَدَّثَنَا** عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ أَخْبَرَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ وَزَادَ الْإِيمَانُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ۔

عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی، ابوالیمان سے وہ شعیب سے وہ زہری سے اسی طرح روایت نقل کرتے ہے مگر اس میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ ایمان بھی یمنی اور حکمت بھی یمنی ہے۔

۱۸۹۔ **حدثنا** عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا اَبُوالْيَمَانِ عَنْ شُعَيْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ اَنَّ اَبَاهُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ جَاءَ اَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ اَرَقُّ اَفْئِدَةً وَاَضْعَفُ قُلُوْبًا اَلْاِيْمَانُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ اَلسَّكِيْنَةُ فِيْ اَهْلِ الْغَنَمِ وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِي الْفَدَّادِيْنَ اَهْلِ الْوَبَرِ قِبَلَ مَطْلَعِ الشَّمْسِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرمایا: یمن والے آئے ہیں یہ بہت نرم دل اور ضعیف القلب ہیں۔ ایمان بھی یمنی اور حکمت بھی یمنی ہے، نرمی بکری والوں میں ہے اور فخر وغرور مشرق کی طرف سخت دل اونٹ والوں میں ہے۔

۱۹۰۔ **حدثنا** اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاَبُوْ كُرَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَاكُمْ اَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ اَلْيَنُ قُلُوْبًا وَاَرَقُّ اَفْئِدَةً اَلْاِيْمَانُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ رَاْسُ الْكُفْرِ قِبَلَ الْمَشْرِقِ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس یمن والے آئے ہیں جو بہت نرم دل اور رقیق القلب ہوتے ہیں ایمان بھی یمن والوں کا ہے اور حکمت بھی اور کفر کی چوٹی مشرق کی طرف ہے۔

۱۹۱۔ **وحدثنا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ وَلَمْ يَذْكُرْ "رَاْسُ الْكُفْرِ قِبَلَ الْمَشْرِقِ"۔

اعمش سے یہ روایت سابقہ روایت کی طرح اسی سند کے ساتھ مذکور ہے مگر اس میں اخیر کا جملہ نہیں۔

۱۹۲۔ **وحدثنا** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ عَدِيٍّ ح: وَحَدَّثَنِيْ بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ يَعْنِيْ ابْنَ جَعْفَرٍ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَ حَدِيْثِ جَرِيْرٍ وَزَادَ وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِيْ اَصْحَابِ الْاِبِلِ وَالسَّكِيْنَةُ وَالْوَقَارُ فِيْ اَصْحَابِ الشَّاءِ۔

اعمش رحمہ اللہ سے یہ روایت حدیث سابق کی طرح منقول ہے مگر اس میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ فخر وغرور اونٹوں والوں میں ہے اور مسکینی وعاجزی بکری والوں میں۔

۱۹۳۔ **وحدثنا** اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْحَارِثِ الْمَخْزُوْمِيُّ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَبُوالزُّبَيْرِ اَنَّهٗ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غِلَظُ الْقُلُوْبِ وَالْجَفَاءُ فِي

الْمَشْرِقِ وَالْإِيْمَانُ فِي أَهْلِ الْحِجَازِ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دلوں کی سختی اور جفا مشرق میں ہے اور ایمان اہل حجاز میں ہے۔

## تشریح

''الجفاء'' تہذیب سے عاری گنوار لوگ جس میں جفا اور سختی و سنگ دلی اور گنوار پن ہوتا ہے وہ مراد ہیں ''مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا'' حدیث ہے۔

''والایمان فی الحجاز'' اس جملے سے معلوم ہوا کہ اہل حجاز مکہ و مدینہ کو ایمان کی مرکزیت حاصل ہے اور اہل یمن میں کچھ چیدہ چیدہ افراد کی وجہ سے وقتی طور پر ایمان کا اعزاز حاصل تھا یا اہل یمن فی نفسہ اچھے ایمان والے تھے یہ مطلب نہیں کہ حجاز میں اچھے ایمان والے نہیں تھے اس حدیث میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے تفصیل گذر چکی ہے۔

## باب لایدخل الجنة الا المؤمنون

## جنت میں مؤمنین کے سوا کوئی نہیں جائیگا

اس باب میں امام مسلم نے دو حدیثوں کا اخراج کیا ہے۔

یہ بات تو طے ہے کہ ایمان کے بغیر جنت میں کوئی داخل نہیں ہوسکتا مگر یہاں اس عنوان کے تحت دو حدیثوں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جس ایمان کے ذریعہ سے جنت میں جانا ممکن ہے وہ ایمان کیسے حاصل ہوگا؟ تو اس ترتیب کو یہاں اس طرح بتایا گیا ہے کہ ایمان کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان آپس میں محبت پیدا کریں اور محبت تب پیدا ہوگی جب آپس میں جوڑ پیدا ہو جائے اور جوڑ پیدا کرنے کے لئے بڑا ذریعہ سلام کو عام کرنا ہے جب سلام عام ہوگا تو محبت آئے گی جب محبت آئے گی تو ایمان کامل ہوگا جب ایمان کامل ہوگا تو جنت ملے گی۔ خلاصہ یہ نکلا کہ سلام کو جتنا عام کرسکتے ہو عام کرو اس سے بغض و حسد اور تقاطع و فساد ختم ہونگے اور تواضع اور انکساری اور دیگر اچھی صفات پیدا ہونگی جو دخول جنت کے اسباب ہیں۔

۱۹۴۔ حَدَّثَنَا أَبُوْبَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُوْمُعَاوِيَةَ وَوَكِيْعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَاتُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا أَوَلَاأَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جنت میں داخل نہیں ہوگے یہاں تک کہ صاحب ایمان ہو جاؤ اور تم مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرنے لگو، کیا میں تمہیں ایسی

بات نہ بتلاؤں جب تم اسے کرو تو آپس میں محبت کرنے لگو، اپنے درمیان سلام کی کثرت کیا کرو۔

۱۹۵ ۔ وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ! لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا بِمِثْلِ حَدِيثِ أَبِي مُعَاوِيَةَ وَوَكِيعٍ ۔

سابقہ حدیث اس سند سے اعمش کے طریق پر منقول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ صاحب ایمان ہو جاؤ۔

## باب بيان الدين النصيحة

## دین خیر خواہی کا نام ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چھ احادیث کو ذکر کیا ہے۔

۱۹۶ ۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ الْمَكِّيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ قُلْتُ لِسُهَيْلٍ إِنَّ عَمْرًا حَدَّثَنَا عَنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِيكَ قَالَ وَرَجَوْتُ أَنْ يُسْقِطَ عَنِّي رَجُلًا قَالَ فَقَالَ سَمِعْتُهُ مِنَ الَّذِي سَمِعَهُ مِنْهُ أَبِي كَانَ صَدِيقًا لَهُ بِالشَّامِ ثُمَّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدِّينُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا لِمَنْ ؟ قَالَ لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ ۔

حضرت تمیم داریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے عرض کیا کس کے لئے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کے لئے اللہ کے رسول کے لئے، مسلمانوں کے ائمہ کے لئے اور عامۃ المسلمین کے لئے۔

### تشریح

''ورجوت'' اس سند میں کچھ پیچیدگی ہے اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ سہیل کے باپ کا نام ابو صالح ہے جو کنیت سے مشہور ہے، سفیان نے سہیل سے کہا کہ میرے اور آپ کے والد ابو صالح کے درمیان ایک واسطہ ہے جو قعقاع ہے اگر آپ اپنے والد ابو صالح سے براہ راست روایت نقل کر دیں تو قعقاع کا واسطہ ساقط ہو جائے گا جس سے میری سند آپ کے والد ابو صالح تک عالی ہو جائے گی۔ محدثین کے ہاں واسطے جتنے کم ہوں سند عالی ہو جاتی ہے مگر صوفیاء کے نزدیک سلسلہ میں جتنے واسطے زیادہ ہوں سند عالی ہو جاتی ہے۔ بہر حال سفیان کے سوال کے جواب میں سہیل نے کہا کہ میرے باپ نے جس استاذ سے یہ حدیث سنی ہے میں نے بھی انہی سے سنی ہے یہ کہہ کر سہیل نے مختصر سند بیان کی لہٰذا اب درمیان سے قعقاع اور ابو صالح کے دو واسطے ساقط ہو گئے اور سفیان کی سند انتہائی عالی ہو گئی کیونکہ سہیل، عمرو کی جگہ پر آ گئے اور اس نے براہ راست عطا بن یزید سے روایت نقل کی جس کو امام مسلم نے آخر تک بیان کیا ہے۔ سہیل نے یہ وضاحت بھی کی کہ میرے باپ نے جس سے یہ حدیث سنی وہ شام میں

تھے اور میرے باپ کے دوست تھے جن کا نام عطاء بن یزید ہے جس طرح ان سے میرے باپ نے روایت لی میں نے بھی انہی سے لی اور اس نے تمیم داری سے روایت کی۔

''تمیم داری'' آپ کا نام تمیم بن اوس ہے یہ پہلے عیسائی تھے پھر مسلمان ہو گئے ''داری'' یہ نسبت ہے، اس میں اختلاف ہے کہ یہ نسبت کس وجہ سے ہے، جمہور علماء کی رائے ہے کہ دار بن ہانئ ان کے دادا تھے انہی کی طرف داری نسبت ہے۔ دیگر علماء کا خیال ہے کہ یہ نسبت اصل میں دیری ہے، دیر ایک علاقے کا نام ہے اسی کی طرف یہ منسوب ہیں لیکن تمام منقولہ روایات میں تمیم داری ہے اب ہم دیری کی طرف کیسے جائیں گے، بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ نسبت ان کے قبیلہ بنی عبد الدار کی طرف ہے۔ بہر حال حضرت تمیم داریؓ کی خصوصیات میں سے ہیں کہ آنحضرت نے حدیث ''جساسہ'' میں فرمایا کہ حدثنی تمیم داری، یہ بڑا اعزاز ہے آپ ایک رکعت میں صبح تک ایک قرآن پڑھتے تھے ایک دفعہ تہجد قضا ہوا تو ایک سال تک رات کو جاگتے رہے۔ تمیم داری سے امام بخاری نے کوئی حدیث نہیں لی ہے البتہ امام مسلمؒ نے ان سے صرف یہ ایک حدیث بیان کی ہے تمیم داری ۹ھ میں اسلام لائے مدینہ میں رہے پھر شام کی طرف منتقل ہو گئے وہاں وفات پائی۔

''الدین النصیحۃ'' یعنی دین کا سب سے بڑا ستون خیر خواہی ہے، یہ جملہ جوامع الکلم میں سے ہے جس کے الفاظ مختصر ہیں مگر معانی کثیرہ پر مشتمل ہے۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ ''النصیحۃ'' کی تعریف اور جامع مفہوم یہ ہے کہ یہ ایسے کلام کو کہتے ہیں جس سے سامع کی ہر قسم کی بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہو۔ (الابی)

''قال للہ'' اللہ تعالیٰ کی خیر خواہی درحقیقت آدمی کی اپنی خیر خواہی ہے کیونکہ اس کا نفع خود ان کو حاصل ہوتا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن صفات کے مستحق ہیں وہ ساری کی ساری صفات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص مان لیا جائے تفصیل یہ کہ عبادات صرف اللہ کے لئے کرے اس کے تمام احکامات پر عمل کرے، مخلوق سے ان کی عدم مشابہت کا عقیدہ رکھے اس کو ہر قسم عیب سے پاک اور ہر خوبی سے متصف مانے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین نے ان سے پوچھا کہ ''النصح للہ'' کیا ہے ؟

آپ نے فرمایا کہ النصح للہ یہ ہے کہ ''ان یقدمہ فی کل شیء عن جمیع العالمین'' یعنی ہر شعبہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو تمام عالم پر مقدم مانا جائے۔

''النصح لکتابہ'' کتاب اللہ کی خیر خواہی یہ کہ اس پر ایمان لایا جائے اس کے تمام مندرجات اور تعلیمات کو مانا جائے اور دنیا کے تمام قوانین سے اس کا قانون بالاتر مانا جائے اسکو اللہ تعالیٰ کا ابدی کلام تسلیم کیا جائے ہر قسم کی تحریف سے اس کو پاک مانا جائے اس کو اللہ تعالیٰ کا منزل کلام مانا جائے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا معجزہ تسلیم کیا جائے اس کو قدیم کلام کے طور پر تسلیم کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ

رَدَّتْ بَلَاغَتُهَا دَعْوَى مُعَارِضِهَا رَدَّ الْغَيُوْرِ يَدَ الْجَانِيْ عَنِ الْحَرَمِ

قرآن کی فصاحت اور بلاغت نے مقابل باطل کو ایسا دفع کیا جس طرح ایک غیور آدمی مجرم کا ہاتھ اپنے اہل وعیال سے دفع کرتا ہے۔

''النصح للرسول ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی یہ ہے کہ آپ کو نبی برحق نبی آخر الزمان مان کر ایمان لایا جائے آپ کی تعلیمات کو قبول کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے آپ کو خاتم النبیین تسلیم کیا جائے آپ کو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ہر صغیرہ وکبیرہ گناہ سے معصوم مانا جائے، آپ کو اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ انسان تسلیم کیا جائے آپ کو عالیشان بشر یعنی افضل البشر مانا جائے آپ کی سنتوں پر چلنے کی کوشش کی جائے اور یہ عقیدہ رکھا جائے۔

جہاں تک آپکی تقلید ہے اسی حد تک سلیقۂ بشریت بشر کو ملتا ہے

آپ کو امت کا سب سے بڑا خیر خواہ مانا جائے اور اللہ تعالیٰ کی امانت کو احسن طریقہ سے امت تک پہنچانے والا مانا جائے آپ سے قلبی محبت رکھی جائے اور تمام رسولوں کے سردار مانا جائے اور یہ اقرار کیا جائے۔

فاق النبيين في خلق وفي خلق ولم يدانوه في علم ولا كرم

''النصح للائمة ''مسلمانوں کے بادشاہوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ جب تک وہ اسلام پر قائم ہیں ان کی اطاعت کی جائے بغاوت نہ کی جائے اگر ہو سکے تو ان کو آخرت یاد دلانے کی نصیحت اور وعظ کیا جائے ان کے لئے غائبانہ دعا کی جائے اور ان کی ہر قسم اصطلاح کی کوشش کی جائے۔

''وعامتهم ''عام مسلمانوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان سے جھگڑا نہ کریں مصافحہ اور سلام کی کوشش کریں ان کی مدد کی بھرپور کوشش کریں ان کی تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھیں ان کے غم میں شرکت کریں اور ان کی ہر لحاظ سے تعاون کریں۔

بہرحال ان کلمات کی تشریح میں مختلف شراح نے مختلف ادبیانہ کلام کیا ہے کوئی متعین تشریح نہیں ہے خیر خواہی کا ایک جامع مفہوم ہے۔

۱۹۷۔ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ سُفْيَانُ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِيْ صَالِحٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ تَمِيْمٍ الدَّارِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ۔

سابقہ سند سے تمیم داری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بھی نقل کرتے ہیں۔

۱۹۸۔ وَحَدَّثَنِيْ أُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ يَعْنِي ابْنَ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا رَوْحٌ وَهُوَ ابْنُ الْقَاسِمِ حَدَّثَنَا سُهَيْلٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ سَمِعَهُ وَهُوَ يُحَدِّثُ أَبَا صَالِحٍ عَنْ تَمِيْمٍ الدَّارِيِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بھی مثل سابق نقل کرتے ہیں۔

۱۹۹۔ وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ وَأَبُوْ أُسَامَةَ عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ أَبِيْ خَالِدٍ عَنْ قَيْسٍ عَنْ

جَرِيرٍ قَالَ بَايَعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ۔

حضرت جریر بن عبداللہ البجلی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان سے خیر خواہی کرنے پر۔

## تشریح

''عن جرير بن عبدالله البجلي'' یہ شان والے صحابی ہیں بجل قبیلہ کی طرف منسوب ہے تو بجلی ہے بجلی کی طرح خوبصورت تھے ان کا لقب ''یوسف هذه الامة'' تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں حضور انور کی وفات سے چالیس دن پہلے مسلمان ہوا تھا اور مجھے جب بھی حضور اکرم نے دیکھا تو آپ نے تبسم فرمایا آخر میں کوفہ میں رہنے لگے پھر قرقیسیا کی طرف منتقل ہو گئے اور ۵۱ھ میں وفات پائی بعض نے لکھا ہے کہ حضرت جریر بن عبداللہ دس ہجری کے رمضان میں مسلمان ہوئے اور آنحضرت کا انتقال اسی سال بارہ ربیع الاول میں ہوا گویا چند ماہ قبل آپ مسلمان ہوئے تھے۔

## عجیب حکایت

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے متعلق طبرانی میں سند کے ساتھ ایک عجیب واقعہ لکھا ہے علامہ اُبی نے بھی اس کو نقل کیا ہے دونوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جریرؓ نے اپنے غلام سے کہا کہ میرے لئے ایک گھوڑا خرید لو، اس نے تین سو درہم کا خرید لیا مگر پیسہ ابھی تک ادا نہیں کیا قیمت ادا کرنے کی غرض سے حضرت جریرؓ گھوڑے کے مالک کے پاس گئے یا گھوڑے کا مالک ان کے پاس آ گئے تاکہ قیمت وصول کرے حضرت جریرؓ نے ان سے کہا کہ آپ کا یہ گھوڑا تین سو سے زیادہ قیمت کا ہے آپ مجھے چار سو درہم پر دو گے؟ اس نے کہا یہ آپ کی مرضی پر ہے پھر حضرت جریر نے (جب گھوڑا ٹٹولا تو) فرمایا کہ آپ کا گھوڑا چار سو درہم سے زیادہ کا ہے کیا آپ پانچ سو درہم کے دو گے؟ اس نے کہا یہ آپ کی مرضی پر ہے اسی طرح حضرت جریر بن عبداللہ ایک ایک سو درہم بڑھاتے رہے اور فرماتے رہے کہ یہ گھوڑا اس سے زیادہ قیمت کا ہے یہاں تک کہ آٹھ سو درہم تک قیمت بڑھا کر اس کو ادا کر دی پوچھنے والوں نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا تو فرمانے لگے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی حضرت نے فرمایا کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کرو گے یہ شخص دیہاتی ہے اس کو مارکیٹ ریٹ کا پتہ نہیں ہے اس لئے میں نے یہ خیر خواہی کی۔ ''فرضي الله عنه وعن جميع الصحابة''۔

فتح الملہم میں لکھا ہے کہ جریر جب کسی سے خرید و فروخت کرتے تو فرماتے ''اعلم ان ما اخذنا منك احب الينا مما اعطيناك فاختر''۔ یعنی ہم نے تم سے جو سودا لیا وہ اس سے بہتر ہے جو کچھ قیمت ہم نے دیا ہے تم کو سوچنے اور اقالہ کرنے کا اختیار ہے۔

''بايعت'' شرعی ترتیب کے لئے اپنے آپ کو کسی کے حوالے کرنے کا نام بیعت ہے، یہ شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ

شریعت ہی کا ایک حصہ ہے شریعت ابتدا ہے اور طریقت انتہا ہے جیسے ڈرائیونگ جب گراؤنڈ میں ہو تو یہ ابتدا ہے اور ہاتھ کی صفائی کے لئے جب روڈ پر گاڑی لائی جائے تو یہ انتہاء ہے یا جب تک دلائل کی کشمکش ہو، تو یہ شریعت ہے جب طمانیت آجائے تو یہ طریقت ہے ایک ایمان واسلام کا مقام ہے یہ شریعت ہے ایک احسان کا درجہ ہے یہ طریقت ہے۔ بیعت کی چار اقسام ہیں۔

۱۔ بیعت علی الاسلام ۲۔ بیعت علی الجهاد ۳۔ بیعت علی الاعمال الصالحة ٤۔ بیعت علی الخلافة

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پہلی تین اقسام کی بیعت ہوتی رہتی تھی، چوتھی بیعت صدیق اکبر کے زمانہ سے شروع ہوئی آج کل جو بیعت ہے اس کا اصل شریعت میں موجود ہے قرآن کریم میں بھی صراحت کے ساتھ اس کا ذکر ہے یہ الگ بات ہے کہ اس کی تفصیلات اور پھر خانقاہی نظام کا وجود صحابہ کے دور میں نہیں تھا وہ ان کاموں کے لئے جہاد سے فارغ کہاں تھے بس ان کے مدارج عالیہ کے حصول کے لئے مجلس نبوی کافی تھی اور یا میدان جہاد کافی تھا۔ کچھ خشک لوگ بیعت کا انکار کرتے ہیں یہ مناسب نہیں ہے البتہ آج کل ٹھگوں کا زور ہے جنہوں نے اس پاکیزہ طریقہ کو بدنام کیا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ صحیح چیز کا بھی انکار کیا جائے اب زیر بحث حدیث میں بیعت علی الاعمال ہے اس کا انکار کون کرسکتا ہے۔

۲۰۰۔ حَدَّثَنَا اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُبْنُ حَرْبٍ وَابْنُ نُمَيْرٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ سَمِعَ جَرِيْرَ بْنَ عَبْدِاللهِ يَقُوْلُ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى النُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر مسلمان کی خیر خواہی پر بیعت کی۔

۲۰۱۔ حَدَّثَنَا سُرَيْجُ بْنُ يُوْنُسَ وَيَعْقُوْبُ الدَّوْرَقِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ سَيَّارٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَرِيْرٍ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فَلَقَّنَنِي فِيْمَا اسْتَطَعْتَ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ قَالَ يَعْقُوْبُ فِيْ رِوَايَتِهٖ قَالَ حَدَّثَنَا سَيَّارٌ۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی کہ سنوں گا اور اطاعت کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ تلقین فرمائی کہ بیعت کے الفاظ میں "فیما استطعت" میری استطاعت کے مطابق، کے الفاظ بڑھالو اور ہر مسلمان کی خیر خواہی پر بیعت کی۔

## تشریح

"فلقنني فيما استطعت" تلقین تعلیم کے معنی میں ہے یعنی آنحضرت نے یہ اصلاح فرمادی کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے کا مطلب یہ ہے جو تیرے بس اور تیری طاقت میں ہو یہ آنحضرت کی طرف سے امت پر بڑی شفقت ہے کیونکہ ہر چیز

میں ہر مسلمان کی خیر خواہی تو انسان کے بس میں نہیں ہے جو تکلیف مالا یطاق ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو استطاعت کے ساتھ مقید فرما دیا" قال یعقوب فی روایته قال حدثنا سیار " یہاں ایک دقیق نکتہ کی طرف امام مسلم نے اشارہ کیا ہے، وہ یہ کہ یہاں امام مسلم کے دو شیخ ہیں ایک سریج بن یونس ہے دوسرا یعقوب دورقی ہے ان دونوں نے مذکورہ سند میں ھشیم سے یہ روایت نقل کی ہے مگر ھشیم نے عن سیار کا لفظ استعمال کیا ہے اور ھشیم مدلس ہے اور مدلس کا عنعنہ معتبر نہیں ہے اس نقص کو دور کرنے کے لئے امام مسلم نے ایک تابع کو ذکر کیا جس میں یعقوب فرماتے ہیں کہ ھشیم نے" حدثنا سیار " کہا ہے جس سے عنعنہ ختم ہوگیا" سبحان اللہ امام مسلم کی احتیاط اور علمی گہرائی"۔

## باب نقصان الایمان بالمعاصی و الزنا

## گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے ایمان کا نقصان ہوتا ہے

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں آٹھ احادیث کو ذکر کیا ہے۔ اس سے پہلے امام مسلم رحمہ اللہ نے ایمان کے مختلف شعبوں کو بڑی تفصیل سے بیان کیا اور اشارۃً کنایۃً و تصریحاً اپنے مسلک الایمان یزید و ینقص کو ثابت کرنے کی بھرپور کوشش فرمائی اب یہاں سے ابواب الوسوسہ تک کئی ابواب میں امام مسلم نے کفر کے شعبوں کو بیان کرنا شروع کر دیا آپ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کفر ایمان کی ضد ہے جب کفر ذو اجزاء ہے تو اس کا مقابل ایمان بھی ذو اجزاء ہے اور جب ذو اجزاء ہے تو یزید و ینقص ہے اور ضد سے چیز کا تعارف ہوتا ہے شاعر ساحر کہتا ہے۔

ونذیمهم وبهم عرفنا فضله و بضدها تتبین الاشیاء

یعنی ہم انکی مذمت کرتے ہیں لیکن ممدوح کی فضیلت کو ہم نے انہی کی وجہ سے پہچان لیا ہے اور ہر چیز ضد سے پہچانی جاتی ہے۔

۲۰۲۔ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عِمْرَانَ التُّجِيبِيُّ أَنْبَأَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ وَسَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولَانِ قَالَ أَبُوهُرَيْرَةَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِي عَبْدُالْمَلِكِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَابَكْرٍ كَانَ يُحَدِّثُهُمْ هٰؤُلَاءِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ثُمَّ يَقُولُ وَكَانَ أَبُوهُرَيْرَةَ يُلْحِقُ مَعَهُنَّ وَلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً ذَاتَ شَرَفٍ يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيهَا أَبْصَارَهُمْ حِينَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زانی جب زنا کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا، چور جب چوری کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا، شرابی جب شراب پیتا ہے تو شراب

پیتے وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ ابن شہابؒ فرماتے ہیں کہ مجھے عبدالملک بن ابی بکر نے بتلایا کہ ابوبکر یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے اور فرماتے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے اس کے ساتھ یہ بھی اضافہ کیا کہ کوئی مال لوٹنے اور اچکنے والا ایسا نہیں کہ وہ ایسا مال جس کی طرف لوگوں کی نگاہ اٹھی ہوا سے لوٹے مگر یہ کہ وہ لوٹتے وقت مومن نہیں ہوتا۔

## تشریح

''لا یزنی الزانی'' یہ مسئلہ پہلے کتاب الایمان میں گزر چکا ہے کہ معتزلہ وخوارج کے ہاں مرتکب کبیرہ خارج عن الاسلام مخلد فی النار ہے پھر معتزلہ کے ہاں داخل فی الکفر نہیں ہے کیونکہ ان کے ہاں منزلۃ بین المنزلتین ہے کہ نہ مسلمان ہے کیونکہ اسلام سے نکل گیا ہے نہ کافر ہے کیونکہ اس میں عمداً داخل نہیں ہوا ہے ان کے ہاں دوزخ میں بھی اس طرح منزلۃ بین المنزلتین کا مقام ہوگا۔ خوارج نے تو داخل فی الکفر بھی مان لیا، اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک مرتکب کبیرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، یہ حدیث معتزلہ اور خوارج کی دلیل ہے کیونکہ ''وھو مومن'' کے لفظ میں ایمان کی نفی ہے نیز بظاہر یہ حدیث دیگر نصوص قرآنیہ اور فرامین نبویہ سے متعارض بھی ہے مثلاً

۱۔ ﴿ان اللہ لایغفران یشرك بہ ویغفرمادون ذلك لمن یشاء﴾ اگر شرک کے علاوہ کبائر موجب کفر ہوتے تو ان کی مغفرت کی گنجائش کہاں ہوتی۔ معلوم ہوا مرتکب کبیرہ اسلام سے خارج نہیں ہے۔

۲۔ ﴿وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما﴾ یہاں آپس میں لڑنے والوں کو مومن کے نام سے یاد کیا ہے، حالانکہ لڑنا کبیرہ گناہ ہے۔

۳۔ حدوداللہ اور قصاص کی جتنی آیتیں ہیں ان میں مرتکب کبیرہ کے لئے ایک سزا مقرر ہے اگر وہ خارج اسلام ہوتا تو مرتد ہو جاتا اور مرتد کی سزا اس پر نافذ ہوتی معلوم ہوا مرتکب کبیرہ خارج اسلام نہیں۔

۴۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث ''وان زنی وان سرق'' جیسی احادیث سے بھی جمہور نے استدلال کیا ہے کہ ارتکاب کبیرہ کے باوجود جنت جائیگا تو یہ جمہور کے مستدلات بھی ہیں اور زیر بحث حدیث سے معارض بھی ہیں معتزلہ نے چونکہ زیر نظر حدیث سے استدلال کیا ہے اس لئے اس حدیث کی توجیہ اور تاویل اور اس کو صحیح محمل پر حمل کرنا ضروری ہے تاکہ تمام نصوص میں توافق اور تطابق آجائے۔

۱۔ توجیہ اول یہ کہ یہاں زانی کے ایمان کی جو نفی آئی ہے یہ کمال ایمان کی نفی ہے اصل ایمان کی نفی نہیں ہے۔

۲۔ توجیہ دوم علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کلام لفظوں میں خبر ہے مگر معنوی طور پر انشاء ہے یعنی زانی اگر مومن ہے تو وہ زنا کا عمل نہ کرے اس توجیہ کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں ''لا یزن'' جزم اور ''لا'' نہی کے ساتھ ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ بھی یہی توجیہ کرتے ہیں مگر اس پر یہ اعتراض ہے کہ حین ظرف اس توجیہ کا انکار کرتا ہے کیونکہ زنا کی نہی مطلقاً

ہے حین یزنی کے ساتھ مقید کرنے کا کیا فائدہ ؟

۳۔ توجیہ سوم علامہ طیبی رحمہ اللہ نے یہ توجیہ کی ہے کہ یہاں ایمان کے ایک اہم شعبہ حیاء کی نفی ہے جو یہ قبیح فعل کرتا ہے وہ مومن نہیں یعنی باحیاء نہیں رہتا ہے ایمان کا اہم شعبہ حیاء اس سے چلا جاتا ہے جیسے کہا گیا ہے ''بے حیا باش وہر چہ خواہی کن''۔

۴۔ توجیہ چہارم یہ کہ یہاں نور ایمان کی نفی مراد ہے امام نووی رحمہ اللہ نے بھی یہی توجیہ کی ہے کہ نور ایمان باقی نہیں رہتا۔

۵۔ توجیہ پنجم یہ کہ اس سے ایمان شہودی کی نفی مراد ہے کہ اگر یہ شخص اللہ کو حاضر ناظر مانتا تو اس حضوری کی حالت میں بھی یہ حرکت نہ کرتا۔ جبکہ چھوٹے بچے کی موجودگی میں کوئی شخص ایسی حرکت نہیں کرسکتا ہے۔

۶۔ توجیہ ششم یہ کہ یہ حکم زجر و توبیخ اور تغلیظ و تشدید پر محمول ہے کہ اس قبیح حرکت کا مرتکب مومن نہیں رہا بلکہ فاسق فاجر بن گیا۔

۷۔ توجیہ ہفتم امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباس کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اس قبیح حرکت کی وجہ سے ایمان دل سے نکل کر سر پر چھتری کی طرح کھڑا رہتا ہے پھر واپس آتا ہے نیز ترمذی میں مرفوع حدیث بھی اسی طرح ہے۔

''ینتھب'' انتھاب کسی کا مال زبردستی چھیننا ''نھبۃ'' لوٹے ہوئے مال کو کہتے ہیں ''یرفع الناس الیھا ابصارھم'' یعنی اس کی جرأت پر تعجب کریں گے اس کے ظلم سے ڈرتے ہوئے صرف اس کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھیں گے اور کچھ کر نہیں سکیں گے۔ کیونکہ ڈاکہ ڈالنے والے سے لوگ ڈرتے ہیں۔

''ولا یغل'' غلول مال غنیمت میں خیانت کو کہتے ہیں پھر مطلق خیانت پر اس کا اطلاق ہوا ہے اور بدعہدی پر بولا جانے لگا ہے۔

''فایاکم ایاکم'' یہ تاکید کے لئے ہے یا تحذیر ہے کہ تم ان گناہوں سے بچو بچاؤ اس حدیث میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا ذکر آگیا ہے یعنی حالت ایمان کا تقاضا ہے کہ آدمی ان دونوں حقوق میں تجاوز نہ کرے۔

''ھؤلاء'' اس سے لوگوں کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ اوپر مذکورہ معاصی کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی زنا سرقہ اور شرب خمر کی طرف اشارہ ہے پھر ان تین گناہوں کو بطور خاص ذکر کیا کیونکہ یہ تمام مفاسد کی جڑیں ہیں زنا ان تمام شہوات کی جڑ ہے چوری، حب الدنیا کی جڑ ہے اور شراب حقوق اللہ اور حقوق العباد سے غفلت واعراض کی جڑ ہے اور ڈاکہ زنی لوگوں کے مال وجان کی توہین کی جڑ ہے اس لئے اسلام میں یہ بڑے گناہ شمار ہوتے ہیں اور اسی کی تقبیح بیان کرنا مقصود ہے، دوسری سند میں ڈاکہ ڈالنے کو بھی اس کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ بہر حال یہ وعید کبائر کے ارتکاب پر ہے صغائر پر نہیں ہے ''وکان ابو ھریرہ'' یعنی حضرت ابوہریرہ اوپر مذکورہ کبائر کے ساتھ ڈاکہ ڈالنے کو بھی ملاتے تھے۔

## سوال

امام مسلم کے اس طرز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ''لا ینتھب نھبۃ'' کے الفاظ مرفوع حدیث کا حصہ نہیں ہیں بلکہ حضرت ابوہریرہؓ پر موقوف ہیں اور ان کی طرف سے ادراج فی الحدیث ہے۔

### جواب

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ابونعیم نے امام مسلم پر جن احادیث کا استخراج کیا ہے اس میں ہمام بن منبہ کی سند سے اس نے اس لفظ کو مرفوع حدیث ثابت کیا ہے لہٰذا امام مسلم کے طرز بیان سے شک میں نہیں پڑنا چاہیے، حدیث نمبر ۲۰۲ میں دیکھو!
"واقتص الحدیث بمثله مع ذکر النهبة" کے الفاظ ہیں۔

### دوسرا جواب

یہ ہے کہ یلحقهن کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ اس کو نبی مکرم کی حدیث کی حیثیت سے سابقہ کبائر کے ساتھ ملاتے تھے یہ مطلب نہیں کہ اپنی طرف سے اضافہ فرماتے تھے۔

### تیسرا جواب

یہ ہے کہ امام مسلمؒ نے بھی دیگر سندوں میں اس کو مرفوع حدیث قرار دیا ہے تو شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔
پھر بعض راویوں نے ذات شرف کو ذکر کیا ہے بعض نے ذکر نہیں کیا ہے یہ تصرف رواۃ میں سے ہے۔
"ذات شـرف" شرف کے دو مطلب ہیں ایک عظیم الشان اور عظیم القدر ڈاکہ کے معنی میں ہے دوسرا مشہور کے معنی میں ہے کہ لوگ جھانک جھانک کر ان کو دیکھیں اور حیران رہ جائیں کہ دن دھاڑے کیسے ڈاکہ ڈال رہا ہے۔

۲۰۳۔ وَحَدَّثَنِي عَبْدُالْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي أَبُوبَكْرِ ابْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزْنِي الزَّانِي وَاقْتَصَّ الْحَدِيثَ بِمِثْلِهِ مَعَ ذِكْرِ النُّهْبَةِ وَلَمْ يَذْكُرْ ذَاتَ شَرَفٍ۔ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ حَدَّثَنِي سَعِيدُبْنُ الْمُسَيَّبِ وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ أَبِي بَكْرٍ هٰذَا إِلَّا النُّهْبَةَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت سابقہ روایت کی طرح نقل کرتے ہیں مگر اس میں شرف کے ہونے کا تذکرہ نہیں۔ اور ابن شہاب بیان کرتے ہیں مجھ سے سعید بن المسیب اور ابو سلمہ نے ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت بھی اسی طرح نقل کی ہے، مگر اس میں لوٹ کا تذکرہ نہیں ہے۔

۲۰۴۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُبْنُ مِهْرَانَ الرَّازِيُّ قَالَ أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَذَكَرَ النُّهْبَةَ وَلَمْ يَقُلْ "ذَاتَ شَرَفٍ"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مثل سابق نقل کرتے ہیں اور اس میں لوٹ کا تذکرہ ہے مگر عمدہ بہترین کا ذکر نہیں۔

۲۰۵۔ **وَحَدَّثَنِي** حَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيزِ بْنُ الْمُطَّلِبِ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ مَوْلَى مَيْمُونَةَ وَحُمَيْدِبْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حسن بن الحلوانی یعقوب بن ابراہیم عبدالعزیز ابن مطلب صفوان بن سلیم، عطاء بن یسار حمید ابن عبدالرحمن ابو ہریرہؓ سے (وہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے (روایت کرتے ہیں)۔

۲۰۶۔ **وَحَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيزِ يَعْنِي الدَّرَاوَرْدِيَّ عَنِ الْعَلَاءِ ابْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

قتیبہ بن سعید عبدالعزیز علاء بن عبدالرحمن بواسطہ والد ابو ہریرہؓ سے (وہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (روایت کرتے ہیں)۔

۲۰۷۔ **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ رَافِعٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌعَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ هٰؤُلَاءِ بِمِثْلِ حَدِيثِ الزُّهْرِيِّ غَيْرَأَنَّ الْعَلَاءَ وَصَفْوَانَ ابْنَ سُلَيْمٍ لَيْسَ فِي حَدِيثِهِمَا يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيهَاأَبْصَارَهُمْ وَفِي حَدِيثِ هَمَّامٍ يَرْفَعُ إِلَيْهِ الْمُؤْمِنُونَ أَعْيُنَهُمْ فِيهَاهُوَحِينَ يَنْتَهِبُهَامُؤْمِنٌ وَزَادَ وَلَايَغُلُّ أَحَدُكُمْ حِينَ يَغُلُّ وَهُوَمُؤْمِنٌ فَإِيَّاكُمْ إِيَّاكُمْ۔

محمد بن رافع، عبدالرزاق معمر ہمام بن منبہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم سے نقل کرتے ہیں باقی یہ تمام حدیثیں زہری کی حدیث کی طرح ہیں۔ مگر عطاء اور صفوان بن سلیم کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ لوگ اپنی آنکھیں اس لوٹ کی طرف اٹھائیں تو وہ مؤمن نہیں اور یہ بھی زیادتی ہے کہ تم میں سے کوئی مال غنیمت میں خیانت نہ کرے اس لئے کہ وہ اس خیانت کے وقت مؤمن نہیں لہذا ان چیزوں سے بچو اور احتراز کرو۔

۲۰۸۔ **حَدَّثَنِي** مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَاابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ ذَكْوَانَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَمُؤْمِنٌ وَلَايَسْرِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَمُؤْمِنٌ وَلَايَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُهَاوَهُوَمُؤْمِنٌ وَالتَّوْبَةُ مَعْرُوضَةٌ بَعْدُ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے سابقہ روایت بعینہ نقل کی گئی ہے مگر اس فرق سے کہ اس روایت میں لوٹ کا ذکر نہیں ہے، جب کہ اس حدیث کے آخر میں فرمایا: اور توبہ اس کے بعد پیش ہوگی۔

## تشریح

''والتوبة معروضة بعد'' یعنی ان بڑے کبائر کے ارتکاب کے بعد اگر کوئی آدمی گناہ سے توبہ کرنا چاہتا ہے تو اس کی گنجائش ہے

توبہ کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کیا تو یہ شخص معاف ہو کر جنت میں داخل ہوگا اس جملہ میں معتزلہ اور خوارج پر صریح رد ہے جو مرتکب کبیرہ کے لئے توبہ کی گنجائش کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عدل کا تقاضا ہے کہ اب یہ شخص دوزخ میں جائیگا اور پھر کبھی واپس نہیں آئیگا یہ نظریہ معتزلہ اور خوارج کے خرافات میں سے ہے یہ لوگ عام شریعت کو نہیں دیکھتے بلکہ اپنی من پسند شریعت کو پسند کرتے ہیں۔

۲۰۹۔ **حَدَّثَنِي** مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ ذَكْوَانَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ قَالَ لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي ثُمَّ ذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيثِ شُعْبَةَ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زنا کرنے والا زنا نہیں کرتا مگر یہ کہ اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا...... باقی شعبہ والی روایت کی طرح بیان کرتے ہیں۔

## باب بیان خصال المنافق

## منافق کی خصلتوں کا بیان

اس باب میں امام مسلم نے پانچ حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۲۱۰۔ **حَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ ح وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَلَّةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَلَّةٌ مِنْ نِفَاقٍ حَتَّى يَدَعَهَا إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ سُفْيَانَ وَإِنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار خصلتیں جس کے اندر ہوں وہ خالص منافق ہے جس کے اندر ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو اس کے اندر نفاق کی ایک خصلت ہے یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے۔(۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۲) معاہدہ کرے تو غداری کرے (۳) وعدہ کرے تو اس کی مخالفت کرے (۴) جھگڑا کرے تو گالم گلوچ پر اتر آئے۔

## تشریح

"اربع من کن فیہ"

# نفاق کی تعریف اور پس منظر

نفاق اور نافقاء جنگلی چوہے یربوع کے دھوکے والے سوراخ اور سرنگ کو کہتے ہیں اس چوہے کی عادت ہے کہ نرم زمین میں خاص طریقہ پر لمبا سرنگ بناتا ہے اور اس میں مختلف جہات سے نکلنے کے راستے چھوڑتا ہے یہ سب چور راستے ہوتے ہیں منافق آدمی بھی اسی طرح اسلام میں دھوکہ سے کام لیتا ہے ایک جہت سے اسلام میں داخل ہو کر اسلام کا اظہار کرتا ہے مگر دوسری جانب سے اسلام سے نکل جاتا ہے۔ چنانچہ نفاق کی تعریف میر سید سند شریف نے اپنی کتاب "التعریفات" میں اس طرح کی ہے

"النفاق اظهار الایمان باللسان و کتمان الکفر بالقلب"۔ (ص ۱۶۸ حرف النون)۔

نفاق کی دوسری تعریف اس طرح ہے"النفاق هو اظهار خلاف ما ابطن"۔

نفاق کا پس منظر اس طرح ہے کہ جب کوئی نئی تحریک شروع ہوتی ہے تو ابتداء میں دو جماعتیں میدان میں ہوتی ہے ایک جماعت تحریک کے حامی ہو کر مرنے مارنے پر تیار ہو جاتی ہے اس کے مقابل دوسری جماعت اس تحریک کو مٹانے پر اتر آتی ہے اور جان دینے تک اس کی مخالفت کرتی ہے اس سخت مقابلے میں دونوں طرف سے کھرے لوگ میدان میں ہوتے ہیں لیکن جب اس نئی تحریک کے کامیاب ہونے کے کچھ آثار نمودار ہو جاتے ہیں تو ایک مطلب پرست خود غرض تیسری جماعت پیدا ہو جاتی ہے جو ان دونوں جماعتوں کے ساتھ روابط قائم کر دیتی ہے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ نئی تحریک کامیاب ہو جاتی ہے تو ہمارے تعلقات ان سے رہیں گے اور اگر یہ نئی تحریک ناکام ہو جاتی ہے تو ہمارے تعلقات پرانے لوگوں سے برقرار رہیں گے مکہ میں خود غرض جماعت نہیں تھی لیکن مدینہ منورہ میں جب اسلام کے غلبہ کے آثار ظاہر ہونے لگے تو منافقین کی یہ تیسری جماعت وہاں پیدا ہو گئی درحقیقت منافقین نے ہر زمانے میں اسلام کو بڑا نقصان پہنچایا ہے قرآن عظیم میں سورت بقرہ کی ابتدائی پانچ آیتیں مخلص مسلمانوں کے بارے میں اور ختم اللہ سے ایک آیت خالص کفار کے بارے میں اتری اور منافقین کے بارے میں تیرہ آیتیں اتریں کیونکہ ان کے احوال پوشیدہ تھے اور خطرناک تھے۔

زیر بحث ان چند احادیث میں منافقین کی چند علامات بیان کی گئی ہیں تاکہ ان مار آستین سے مسلمان بچ جائیں۔

"اربع من کن فیه" یعنی جس شخص میں نفاق کی چار خصلتیں آ گئیں وہ خالص منافق ہو گا۔

## سوال

شبہ یہ ہے کہ اس حدیث میں منافق کی چار علامات کا ذکر ہے جبکہ اس کی بعد والی روایت میں تین کا ذکر ہے تو کیا یہ تعارض نہیں ہے؟

## جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ اس عدد میں حصر کرنا مقصود نہیں ہے کبھی تین کا ذکر آ گیا کبھی چار کا آ گیا۔

## دوسرا جواب

یہ ہے کہ اعداد میں ایک عدد کا دوسرے سے تعارض نہیں ہوتا کیونکہ عدد اکثر عدد اقل کا منافی نہیں ہوتا۔

## تیسرا جواب

یہ ہے کہ وحی کے ذریعہ سے اضافہ ہوتا رہتا تھا تو پہلے تین علامات کا بیان آ گیا پھر اس میں اضافہ ہو کر چار کا بیان آ گیا۔

## سوال

یہاں ایک اور اہم سوال ہے وہ یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص مسلمان ہے کلمہ شہادت پر قائم ہے مگر اس میں تین چار خصلتیں منافقین کی موجود ہیں تو کیا وہ منافق بن جائیگا اگر ایسا ہوا تو مسلمان تو بہت کم رہ جائیں۔

اس سوال کے کئی جوابات ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

## پہلا جواب

یہ ہے کہ یہ خصلتیں منافقین میں بطور طبیعت ثانیہ کے ہوتی ہیں اس پر لفظ ''اذا'' دلالت کررہا ہے، یعنی جب بھی بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے جب بھی وعدہ کرتا ہے تو دھوکہ کرتا ہے مسلمان میں اس طرح نہیں ہوتا ہے۔

## دوسرا جواب

یہ ہے کہ اس کلام میں تشبیہ ہے یعنی ان خصلتوں کا مرتکب منافقین کی طرح ہے خود منافق نہیں ہے۔

## تیسرا جواب

یہ ہے کہ یہ شخص پوری شریعت کے اعتبار سے منافق نہیں ہے ہاں جس کے ساتھ جھوٹ کا معاملہ ہوا یا بدعہدی کا معاملہ ہوا یا خیانت کا معاملہ ہوا تو اس میں یہ شخص منافق ہے نہ کہ پوری شریعت میں تو جس طرح کفر دون کفر ہے اسی طرح نفاق دون نفاق ہے۔

## چوتھا جواب

یہ ہے کہ جو شخص ان خصلتوں کو جائز سمجھتا ہے وہ حقیقی اور خالص منافق ہے ورنہ نہیں۔

## پانچواں جواب

یہ ہے کہ یہ کوئی خاص جماعت تھی جو حضور اکرم کے زمانہ میں تھی جس کی یہ خصلتیں تھیں ان کی طرف اشارہ ہے عام مسلمانوں کی بات نہیں ہے گویا المنافق میں الف لام عہدی ہے کوئی خاص جماعت مراد تھی۔

## چھٹا جواب

یہ ہے کہ یہ چاروں خصلتیں ایک ساتھ جب کسی کے قلب میں جمع ہو جائیں تو وہ منافق خالص ہے لیکن اگر الگ الگ ایک ایک

خصلت کسی میں آگئی تو وہ منافق نہیں بنے گا۔ بہرحال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حقیقی منافق ہوتے تھے کہ وحی سے ان کا پتہ چلتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد عملی نفاق کا حکم تو لگایا جا سکتا ہے مگر نفاق حقیقی کا حکم لگانا مشکل ہے کیونکہ دل کے ایمان کا کسی کو علم نہیں ہو سکتا تو حکم لگانا مشکل ہوگا تعین مشکل ہے ورنہ اعتقادی منافقین کی کوئی کمی نہیں ہے۔

''واذا وعد غدر'' یہ وعید اس وعدہ خلافی پر ہے کہ آدمی وعدہ کرتے وقت دل میں یہ خیال جمالے کہ وعدہ پورا نہیں کروں گا لیکن اگر وعدہ پورا کرنے کا پکا ارادہ ہو مگر کوئی عذر اور مجبوری آگئی تو اس وعدہ خلافی پر یہ وعید نہیں ہے، ان وعیدات سے معلوم ہوتا ہے کہ عذر کے بغیر وعدہ خلافی حرام ہے ہاں اگر عطیہ کا وعدہ کیا پھر خلاف کیا تو وہ مکروہ تنزیہی ہے حرام نہیں وعـــــد کا لفظ خیر اور شر دونوں میں استعمال ہوتا ہے ہاں اگر وعد کے ساتھ مفعول کا ذکر آجائے تو پھر خیر اور شر دونوں میں استعمال ہوتا ہے جیسے'' وعدتہ خیرا و وعدتہ شرا''۔ حدیث میں خیر کا وعدہ مراد ہے شر کے وعدے کو پورا نہ کرنا مستحب ہے۔

''خان'' یہ خیانت سے ہے خلاف وعدہ کے عموم میں داخل ہے۔ ''فجر'' یعنی جھگڑے کے وقت گالی دیتا ہے تو فجور کا لفظ تقویٰ کی ضد ہے یعنی حق سے ہٹ جاتا ہے جس میں گالیاں وغیرہ برائیاں جمع ہو جائیں گی۔ ''خلۃ'' یہ خصلۃ کی معنی میں ہے یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ نووی، فتح الملہم، الابی اور دیگر کتب کا خلاصہ ہے۔

ایک حدیث میں من علامات المنافق کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ ان مذکورہ علامات کے علاوہ دیگر علامات بھی ہیں'' مولی الحرقہ '' حرقہ ایک قبیلہ کا نام ہے جو قبیلہ جھینہ کی ایک شاخ ہے'' العمی '' بنو العم کی طرف منسوب ہے قبیلہ تمیم کی شاخ ہے آنے والی روایت کا لفظ ہے۔

۲۱۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى قَالَا حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سُهَيْلٍ نَافِعُ بْنُ مَالِكِ بْنِ أَبِي عَامِرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منافق کی تین علامات ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے۔

## تشریح

''آیۃ المنافق ثلاث '' یہاں پر ایک فنی اشکال ہے وہ یہ کہ'' آیۃ ''مفرد ہے اور مبتدا واقع ہے اور'' ثلاث'' اس کی خبر ہے جو جمع ہے تو مبتدا اور خبر میں مطابقت نہیں ہے؟

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ'' آیۃ '' کے ساتھ جنس کا معاملہ کیا گیا ہے اور جنس قلیل و کثیر سب پر بولا جاتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں تین علامات میں سے ہر ایک کو الگ الگ علامت قرار دیا گیا ہے تو یہ بھی مفرد ہے اور" آیۃ" بھی مفرد ہے بعض روایات میں علامات جمع کا لفظ بھی آیا ہے۔

آنے والی روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعیدات منافق اعتقادی کے لئے ہیں کیونکہ وہاں" وان صلی وصام" کے الفاظ آئے ہیں تو منافق عملی نہیں ہوا۔

۲۱۲۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِ بْنُ اِسْحَاقَ اَخْبَرَنَا ابْنُ اَبِي مَرْيَمَ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ اَخْبَرَنِي الْعَلَاءُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْقُوبَ مَوْلَى الْحُرَقَةِ عَنْ اَبِيهِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَلَامَاتِ الْمُنَافِقِ ثَلَاثَةٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا ائْتُمِنَ خَانَ ۔

اس سند سے بھی سابقہ روایت منقول ہے آیۃ المنافق کی جگہ علامات المنافق ہے اس روایت میں۔

۲۱۳۔ **حَدَّثَنَاهُ** عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْعَمِّيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسٍ اَبُوزُكَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ الْعَلَاءَ بْنَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ يُحَدِّثُ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ وَقَالَ اٰيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهُ مُسْلِمٌ ۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہے۔ (اس اضافہ کے ساتھ) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر چہ وہ روزہ بھی رکھے، نماز بھی پڑھے اور اپنے آپ کو مسلمان بھی خیال کرے۔

۲۱۴۔ **وَحَدَّثَنِي** اَبُونَصْرٍ التَّمَّارُ وَعَبْدُالْاَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ دَاوُدَ بْنِ اَبِي هِنْدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ الْعَلَاءِ وَذَكَرَ فِيهِ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بھی یحیی بن محمد کے طریقہ پر نقل کرتے ہیں اور اس میں بھی یہی الفاظ ہیں کہ اگر چہ روزہ رکھے نماز پڑھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔

## باب ایمان من قال لاخیہ المسلم یا کافر

## اس شخص کا حکم جس نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہدیا

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے۔

۲۱۵۔ **حَدَّثَنِي** اَبُوبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ وَعَبْدُاللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَكْفَرَ الرَّجُلُ اَخَاهُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا اَحَدُهُمَا ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے مسلمان

بھائی کی تکفیر کرے تو بے شک دونوں میں سے ایک کفر کو لیکر جاتا ہے۔

## تشریح

''اذا اکفر'' باب افعال سے اکفار کا معنی کسی کو کافر قرار دینا اور کافر کہنا ہے باب تفعیل سے بھی یہی معنی ہے ''الا باء بھا'' باء یبوء لوٹنے کے معنی میں ہے دوسری روایت میں حسار کا لفظ ہے اس کا معنی بھی یہی ہے۔ جو رجع کے معنی میں ہے یعنی جس شخص نے اپنے مؤمن بھائی کو کافر کہدیا تو کہنے والا کافر بنے گا یا جس کو کہا گیا ہے وہ کافر ہوگا۔

## سوال

یہاں ایک مشہور اشکال ہے وہ یہ کہ اس حدیث کے ظاہر مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے حالانکہ اھل السنّت والجماعۃ کا مسلک یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے آدمی کافر نہیں ہوتا اب اگر ایک شخص نے دوسرے کو کافر کہدیا اور اس کا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ دین اسلام باطل ہے اور یہ آدمی کافر ہے تو یہ ایک کبیرہ گناہ ہے اس سے اس آدمی پر کفر کا حکم ان احادیث میں کیسے لگایا گیا ہے؟ اس سوال کے کئی جوابات ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

### ۱۔ پہلا جواب

یہ ہے کہ جو شخص اس گناہ کبیرہ کو جائز اور حلال سمجھتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے کیونکہ حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے کیونکہ اس نے عقیدہ ایمان اور کلمۂ شہادت پر حملہ کیا ہے اور اس کو کفر کہا ہے تو کافر ہو گیا۔

### ۲۔ دوسرا جواب

یہ ہے کہ یہ جملہ اس کو کفر تک لیجائیگا یعنی یہ عمل مفضی الی الکفر ہے جس میں کافر ہو جانے کا خوف ہے آج اگر یہ شخص کافر نہیں ہوا تو بار بار کہنے سے ایک نہ ایک دن کفر تک پہنچ جائے گا۔

### ۳۔ تیسرا جواب

یہ ہے کہ رجعت کا مطلب یہ ہے کہ اس کا گناہ اس پر لوٹ کر آئے گا جس طرح ایک حدیث میں ہے کہ یہ جملہ زمین و آسمان میں گھومتا ہے کہ کہیں ٹھکانہ مل جائے پھر اس کے پاس جاتا ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے اگر وہاں جگہ نہیں ہے تو پھر کہنے والے پر لوٹ کر آتا ہے یعنی گناہ اس پر آتا ہے۔

### ۴۔ چوتھا جواب

یہ ہے کہ کفر سے یہاں کفر دون کفر مراد ہے اور کفر دون کفر کی اصطلاح حضرت ابن عباس کی اصطلاح ہے جو آج تک جاری ہے۔

## ۵۔ پانچواں جواب

یہ ہے کہ یہ حکم زجراً وتوبیخاً، تھدیداً وتشدیداً اورتغلیظاً ہے، یہ جواب اچھا ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں پڑے گی یہ جوابات ہر جگہ جاری ہونگے۔

۲۱۶۔ **وَحَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ جَمِيعًا عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا امْرِئٍ قَالَ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ! فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ وَإِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بھی اپنے بھائی کو کافر کہا تو بے شک اس نے اس کا دونوں میں سے ایک کے لئے اقرار کیا ہے اگر وہ کافر ہی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ کفر کہنے والے پر لوٹ جائے گا۔

۲۱۷۔ **وَحَدَّثَنِي** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالصَّمَدِ بْنُ عَبْدِالْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ أَنَّ أَبَا الْأَسْوَدِ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَيُّمَا رَجُلٍ ادَّعَى لِغَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُهُ إِلَّا كَفَرَ وَمَنِ ادَّعَى مَا لَيْسَ لَهُ فَلَيْسَ مِنَّا وَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ وَمَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكُفْرِ أَوْ قَالَ عَدُوَّ اللّٰهِ! وَلَيْسَ كَذٰلِكَ إِلَّا حَارَ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جس شخص نے جانتے بوجھتے اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا تو اس نے کفر کیا اور جس نے کسی ایسی چیز پر دعویٰ کیا جو اس کی نہیں ہے تو وہ ہم میں سے نہیں اور اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے اور جس نے کسی کو کافر کہہ کر پکارا، یا کہا اے اللہ کے دشمن! اور حقیقتاً وہ ایسا نہیں ہے تو یہ کفر اسی کہنے والے کی طرف لوٹے گا۔

## تشریح

''وھو یعلمہ'' یعنی جان بوجھ کر کہتا ہے تو اس وقت وعید ہے ورنہ نہیں ہے جان بوجھ کر کی صورت یہ ہے کہ اپنا باپ زیادہ شہرت والا نہیں یہ کسی مشہور آدمی کو اپنا باپ قرار دیتا ہے۔ ''الا کفر'' اس میں ایک تاویل یہ ہے کہ جب اسکو حلال سمجھے تو کافر ہے دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ کفران نعمت ہے گویا کفر دون کفر پر محمول ہے۔ ''ادعیٰ مالیس لہ'' یعنی کسی خاندان یا نسب میں نہیں اس کی طرف نسبت کرتا ہے جیسے جولاہا ہے مگر اپنے آپ کو انصاری کہتا ہے یا قصائی ہے اپنے آپ کو قریشی کہتا ہے یا عالم و پیر نہیں ہے

مگر جبہ قبہ پہن کر اپنے آپ کو عالم فاضل اور پیر فقیر کہتا ہے یا کسی کمال سے متصف نہیں ہے اور اپنے آپ کو اس کی طرف دعویٰ کر کے منسوب کرتا ہے "فلیس منا" اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ دین سے خارج ہو گیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس خاص شعبہ میں وہ مسلمانوں کے طرز پر نہیں ہے باقی اسلام میں ہے یا یہ اسلوب حکیم کے طرز پر ہے کہ حضرتؐ نے جس کو کہا کہ مجھ سے اس کا کوئی تعلق نہیں تو وہ روتا ہوا آئے گا اور توبہ کریگا اور معافی مانگے گا گناہ چھوڑیگا اور یہی مقصود حاصل کرنا مطلوب ہے یا یہ کلام زجر و توبیخ اور تشدید و تغلیظ اور تہدید پر مبنی ہے "ولیتبوء مقعدہ" یہ کلام امر و انشاء بمعنی خبر ہے یعنی ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیا۔ "او قال عدو اللّٰہ" یہ منادیٰ بحذف حرف ندا ہے منصوب ہے اصل عبارت یہ ہے یا عدو اللّٰہ اے اللہ کے دشمن یہ سب الفاظ اور اس کی حقیقت واپس جا کر کہنے والے کی گردن پر پڑ جاتی ہے۔

## باب حال ایمان من رغب عن ابیہ

## اس شخص کے ایمان کا حکم جس نے اپنے باپ کا انکار کیا

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تین احادیث کا اخراج کیا ہے۔

۲۱۸۔ **حَدَّثَنِي** هَارُوْنُ بْنُ سَعِيْدٍ الْاَيْلِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عَمْرٌو عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيْعَةَ عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَاهُرَيْرَةَ يَقُوْلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَرْغَبُوْا عَنْ اٰبَائِكُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ اَبِيْهِ فَهُوَ كُفْرٌ۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آباء سے مت پھرو جس نے اپنے باپ سے انحراف کیا اس نے کفر کیا۔

## تشریح

"رغب عن ابیہ" اعراض و انکار کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ اپنے باپ کی جگہ کسی اور کی طرف نسبت کرتا ہے کیونکہ اپنا باپ غریب ہے اور صاحب شہرت بھی نہیں ہے اور جس کی طرف نسبت کرتا ہے وہ مشہور ہے صاحب جاہ و جائیداد ہے۔

رغب عن ابیہ ای ترک الانتساب الیہ و جحدہ یقال رغبت عن الشیء ترکتہ و کرھتہ۔

"فھو کفر" اہل سنت والجماعت کے نزدیک مرتکب کبیرہ کافر نہیں تو اس جملہ کو صحیح محمل پر حمل کرنا ہوگا۔

۱۔ ایک محمل یہ ہے کہ اس کفر سے عام کفر مراد نہیں بلکہ خاص کفر مراد ہے وہ یہ کہ یہ شخص صرف اسی شعبہ میں کفر پر ہے عام نہیں۔

۲۔ دوسرا محمل یہ ہے کہ یہ تشبیہ ہے کہ اس شخص نے کافروں والا کام کیا اب یہ کافر ہوا یا نہیں اس سے بحث نہیں ہے۔

۳۔ یہ کفر دون کفر ہے ایک کفر مخرج عن الملۃ ہوتا ہے یہ وہ کفر نہیں ہے جو ملت سے آدمی کو نکالدے۔

۴۔ یہ کفران نعمت ہے یہ آدمی ناشکرا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باپ دیا یہ اس سے انکار کر رہا ہے۔

۵۔ یہ حکم زجراً و توبیخاً تشدیداً و تغلیظاً و تہدیداً ہے۔

۲۱۹۔ **حَدَّثَنِي** عَمْرٌو النَّاقِدُ حَدَّثَنَا هُشَيْمُ بْنُ بَشِيرٍ أَخْبَرَنَا خَالِدٌ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ قَالَ لَمَّا ادُّعِيَ زِيَادٌ لَقِيتُ أَبَا بَكْرَةَ فَقُلْتُ لَهُ مَا هَذَا الَّذِي صَنَعْتُمْ؟ إِنِّي سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ يَقُولُ سَمِعَ أُذُنَايَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُولُ مَنِ ادَّعَى أَبًا فِي الْإِسْلَامِ غَيْرَ أَبِيهِ يَعْلَمُ أَنَّهُ غَيْرُ أَبِيهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ فَقَالَ أَبُو بَكْرَةَ وَأَنَا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ابوعثمانؒ کہتے ہیں کہ جب زیاد کے بارے میں دعویٰ کیا گیا تو میں ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے کہا کہ یہ تم نے کیا عمل کیا ہے میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سنا فرماتے تھے کہ میرے دونوں کانوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا: جس نے اسلام کی حالت میں اپنے باپ کے علاوہ کسی غیر کو باپ بنانے کا دعویٰ کیا جانتے بوجھتے کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے۔ تو ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بھی اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

## تشریح

''لما ادعی زیاد'' دعویٰ نسب کے معنی میں ہے دَعِیٌّ کی جمع ادعیاء ہے دو غلے اور غیر ثابت شدہ نسب والے کو کہتے ہیں یہاں مطلب یہ ہے کہ جب حضرت معاویہؓ نے زیاد کے بھائی ہونے اور ابوسفیان کے بیٹے ہونے کا دعویٰ کیا تو اس پر ابوعثمان نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اعتراض کیا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ چونکہ ابوبکرہؓ زیاد کے ماں شریک بھائی تھے دونوں سمیہ کے بطن سے تھے اس لئے ان پر اعتراض ہوا۔

## زیاد کے استلحاق کا پس منظر

دور جاہلیت میں آٹھ قسم کے نکاح تھے اس میں ایک نکاح تعیین ونامزدگی کے نام سے مشہور تھا اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ چند آدمی کسی عورت سے نوبت بنوبت جماع کرتے تھے جب بچہ پیدا ہو جاتا تو یہ عورت سب کو بلا کر کہتی کہ تم نے جو کچھ کیا وہ تمہیں معلوم ہے اب یہ بچہ پیدا ہوا ہے اے فلاں یہ تیرا بچہ ہے اس نامزدگی اور تعیین سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا تھا سمیہ نامی ایک عورت بھی جو عرب کے مشہور حکیم حارث بن کلدہ کی باندی تھی جاہلیت میں لونڈیاں مختلف مردوں سے اشتراک عمل کے ساتھ جز وقتی برائے نام نکاح کر کے اس طرح جماع کرتی تھیں ابوسفیان نے اسلام سے پہلے اسی طرح عمل سمیہ کے ساتھ کیا جس سے زیاد پیدا ہوا۔ ابوسفیان نے اس پر دو گواہ بھی بنا لئے تھے، جب اسلام آیا تو اس نے آٹھ نکاحوں میں صرف نکاح شرفاء کو باقی چھوڑا دوسرے تمام نکاحوں کو باطل قرار دیا لیکن اس قسم کے نکاح سے جو بچے پیدا ہوئے تھے اسلام نے اس کو ثابت النسب قرار

دیا زیاد کا معاملہ بھی اسی طرح تھا لیکن چونکہ اسلام پھیل چکا تھا اسلئے زیاد کے باپ کو ماننے کے لئے کوئی تیار نہیں تھا کہ ان کی طرف نسبت کرے اس لئے کسی نے ان کو زیاد بن ابیہ سے کسی نے زیاد بن سمیہ سے اور کسی نے زیاد بن امہ کے نام سے یاد کیا زیاد جب جوان ہوا تو یہ بہت قابل تھا لیڈر تھا ہوشیار اور مدبر اور بہادر تھا زندگی کا اکثر حصہ حضرت علیؓ کے ساتھ گذارا اور بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز رہا، زیاد نے حضرت معاویہ کو خط لکھا اور گواہوں کو پیش کیا کہ میں آپ کا بھائی ہوں مجھے قبول کرو، حضرت معاویہؓ نے گواہوں کی بنیاد پر زیاد کو اپنا بھائی بنالیا یہ استلحاق کی ایک شکل تھی مگر عام لوگوں نے اس کو قبول کرنے میں تأمل سے کام لیا اور زیاد کو ابوسفیان کا بیٹا کہنے کے لئے تیار نہیں ہوئے بلکہ اس استلحاق پر اعتراض بھی کیا یہی اعتراض ابوعثمان نے ابوبکرہ پر کیا چونکہ زیاد، ابوبکرہ کا ماں شریک بھائی تھا اور حضرت معاویہ کا باپ شریک بھائی تھا لہٰذا دونوں پر اعتراض ہوا کہ جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے اس پر جنت حرام ہے تم لوگوں نے یہ کیا کیا کہ حارث بن کلدہ کے بجائے زیاد کو ابوسفیان کی طرف منسوب کیا اور سب کو معلوم ہے کہ زیاد ابوسفیان کا بیٹا نہیں بلکہ حارث بن کلدہ کا ہے کیونکہ ''الولد للفراش وللعاھر الحجر ''حضرت ابوبکرہؓ نے اعتراف کیا کہ میں نے بھی یہ حدیث سنی ہے اس طرح نہیں ہونا چاہیے تھا مگر ہو گیا۔ شارحین نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرہؓ نے زندگی بھر زیاد سے قطع تعلق کیا تھا۔

بہرحال مودودی صاحب نے بھی حضرت معاویہؓ پر خلافت وملوکیت میں چند اعتراضات کیئے ہیں اس میں ایک اعتراض یہ بھی ہے۔ مگر مودودی صاحب نے یہ نہیں سوچا کہ یہ جاہلیت کے نکاح کا معاملہ تھا اسلام سے پہلے کا واقعہ تھا ابوسفیان اس وقت مسلمان بھی نہیں تھا اسلام نے جاہلیت کے اس قسم کے واقعات کے نسب کو تسلیم کیا ہے حضرت عائشہؓ نے بھی زیاد کو ایک موقع پر زیاد بن ابی سفیان کے نام سے یاد کیا ہے یہ کوئی ایسا مسئلہ بھی نہیں ہے کہ عام مسلمانوں کو اس کی ضرورت پڑتی ہے اس کو مودودی صاحب نے صرف اس لئے چھیڑا ہے تاکہ حضرت معاویہؓ پر طعن وتشنیع کا ایک موقع ہاتھ آجائے یہ تو انصاف نہیں ہے۔ آج اگر ایک آدمی اٹھ کھڑا ہو اور مودودی صاحب کی اس زندگی کو چھیڑنا شروع کردے جس میں مودودی صاحب داڑھی منڈا، کوٹ پتلون اور ٹائی میں نظر آرہے ہیں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جوان لڑکیوں کے ساتھ گھوم پھر رہے ہیں پارکوں اور جھیلوں میں مختلف تفریحات میں اچھل کود میں مصروف ہیں تو کیا یہ اس مودودی صاحب کے حق میں اچھا ہوگا جو لمبی داڑھی کا مالک ہے عمدہ شیروانی ہے منبر پر بیٹھے ہوئے قرآن وحدیث کا درس دے رہے ہیں؟

بہرحال یہ زیاد وہی ہے جس کا بیٹا عبید اللہ بن زیاد تھا جس نے حضرت حسینؓ کے قتل میں بنیادی کردار ادا کیا تھا۔

''فالجنۃ علیہ حرام'' اس میں وہی تاویلات کرنی پڑیگی جو اس قسم کی احادیث میں کرنی پڑتی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ جنت حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دخول اولی کے ساتھ داخل نہیں ہوگا سزا بھگتنے کے بعد داخل ہوگا۔

۲۔ اس ناجائز کو اگر حلال جانے تو کافر ہوگیا پھر ہمیشہ کے لئے جنت اس پر حرام ہوگی۔

۳۔ یہ حکم زجراً و توبیخاً تغلیظاً و تشدیداً و تھدیداً ہے۔

''وانا سمعتہ'' سائل نے جو سوال کیا تھا اس کو معلوم نہیں تھا کہ حضرت ابوبکرہ ؓ کو اس کا علم ہے اس لئے حضرت ابوبکرہ ؓ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے بھی آنحضرت ؐ سے یہ حدیث سنی ہے مجھے بھی معلوم ہے میں بھی خوش نہیں ہوں مگر کیا کروں۔

۲۲۰۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ زَكَرِیَّاءَ بْنِ اَبِیْ زَائِدَةَ وَاَبُوْمُعَاوِیَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِیْ عُثْمَانَ عَنْ سَعْدٍ وَاَبِیْ بَكْرَةَ كِلَاهُمَا یَقُوْلُ سَمِعَتْهُ اُذُنَایَ وَوَعَاهُ قَلْبِیْ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنِ ادَّعَی اِلٰی غَیْرِاَبِیْهِ وَهُوَیَعْلَمُ اَنَّهٗ غَیْرُاَبِیْهِ فَالْجَنَّةُ عَلَیْهِ حَرَامٌ۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور ابوبکرہ رضی اللہ عنہ دونوں سے یہی سابقہ حدیث منقول ہے مگر ذرا سے فرق کے ساتھ۔

## باب بيان سباب المسلم فسوق وقتاله كفر

## مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۲۲۱۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ بَكَّارِ بْنِ الرَّیَّانِ وَعَوْنُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ طَلْحَةَ ح وَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِیٍّ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ كُلُّهُمْ عَنْ زُبَیْدٍ عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ كُفْرٌ قَالَ زُبَیْدٌ فَقُلْتُ لِاَبِیْ وَائِلٍ اَنْتَ سَمِعْتَهٗ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ یَرْوِیْهِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ؟ قَالَ نَعَمْ وَلَیْسَ فِیْ حَدِیْثِ شُعْبَةَ قَوْلُ زُبَیْدٍلِاَبِیْ وَائِلٍ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔ زبید بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے ابووائل سے کہا کہ کیا آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے خود سنا ہے کہ وہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے، ابووائل نے کہا کہ جی ہاں۔ شعبہ کی حدیث میں زبید اور ابووائل کا یہ قول نہیں ہے۔

### تشریح

''سباب المسلم فسوق'' سب یسب، باب نصر ینصر سے مصدر ہے جس طرح قتل کے مصادر میں قتال اور کذب میں کذاب آتا ہے اسی طرح سب کا مصدر سباب آتا ہے۔

علامہ نووی سب کی اس طرح تعریف کرتے ہیں ''السب فی اللغة الشتم والتكلم فی عرض الانسان بمایعیبه۔ (نووی جلد ۱ ص ۲۴۳)

علامہ میر سید سند شریف ؒ نے شتم کی تعریف اس طرح کی ہے "الشتم وصف الغیر بمافیه نقص و زدراء"۔ (حرف الشین)
ان دونوں تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب وشتم دونوں میں ترادف ہے کہ کسی انسان کی عزت کو بٹہ لگانا اور گالی گلوچ دینا سب وشتم ہے بعض علماء نے معمولی سا فرق کیا ہے کہ "سب" مطلق بدگوئی کو کہتے ہیں کبھی اس میں گالی بھی ہوجاتی ہے۔ لیکن شتم فقط گالی پر بولا جاتا ہے امت کا اس پر اجماع ہے کہ کسی کو ناحق گالی دینا حرام ہے۔ "فسوق" فسق لغت میں خروج کے معنی میں ہے کہتے ہیں "فسقت الفارة" یعنی چوہا اپنے سوراخ سے باہر آگیا۔
اصطلاح شرع میں فسق کی تعریف اس طرح ہے "هو الخروج عن طاعة الله ورسوله"۔ "قتال" قتال بمعنی مقاتلہ ہے صرف لڑنے جھگڑنے کو کہتے ہیں خالص قتل کرنے کو نہیں کہتے ہیں البتہ قتال کے ضمن میں کبھی قتل متحقق ہوجاتا ہے کبھی نہیں ہوتا۔

۲۲۲۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَابْنُ الْمُثَنّٰى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مَنْصُوْرٍ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْاَعْمَشِ كِلَاهُمَا عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سابقہ حدیث کی طرح یہ حدیث بھی منقول ہے۔

"کفر"

## تشریح

## سوال

اس پر وہی اشکال ہے کہ اس حدیث سے معتزلہ وخوارج کا مسلک ثابت ہورہا ہے کہ مرتکب کبیرہ اسلام سے خارج ہے۔

### ۱۔جواب

اس سوال کا ایک جواب یہ ہے کہ مسلمان سے لڑنے کو حلال سمجھنا کفر ہے کیونکہ حرام کو حلال کہنا کفر ہے۔
قرآن کا اعلان ہے کہ "ولا یحرمون ماحرم الله رسوله"۔ اس جواب پر یہاں فتح الملہم نے اعتراض کیا ہے کہ اس سے سباب اور قتال میں فرق کرنا لغو ہوجاتا ہے کیونکہ قتال کی طرح سباب کو حلال سمجھنا بھی کفر ہے نہ کہ فسق اور حدیث میں فسق کا لفظ ہے۔

### ۲۔دوسرا جواب

یہ ہے کہ یہاں کفر دون کفر بمعنی کفران نعمت مراد ہے کہ امن وامان کی نعمت کو بدامنی میں تبدیل کررہا ہے۔

### ۳۔تیسرا جواب

یہ ہے کہ یہاں "فعل کفعل الکافرین" کے معنی میں ہے کافر نہیں کافروں کی طرح ہے گویا صرف تشبیہ ہے۔

### ۴۔ چوتھا جواب

یہ ہے کہ یہ حکم تشدیداً و تغلیظاً زجراً و توبیخاً و تہدیداً ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ ایمان کے شعبوں کے بیان سے فارغ ہو کر مسلسل کفر کے شعبے بیان فرما رہے ہیں۔

## باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاترجعوا بعدی کفارا

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ میرے بعد کافر نہ بنو

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے۔

۲۲۳۔ **حَدَّثَنَا** أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ جَمِيعًا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ ح وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُاللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُدْرِكٍ سَمِعَ أَبَا زُرْعَةَ يُحَدِّثُ عَنْ جَدِّهِ جَرِيرٍ قَالَ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ اسْتَنْصِتِ النَّاسَ ثُمَّ قَالَ لَاتَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔

حضرت جریر بن عبداللہ البجلی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر مجھ سے فرمایا: لوگوں کو خاموش کراؤ، پھر فرمایا: میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ تم میں سے بعض لوگ بعض کی گردنیں مارنے لگیں۔

### تشریح

"حجۃ الوداع" ودع وداعاً اور ودع تودیعاً رخصت کرنے کے معنی میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حج میں اپنی امت کو رخصت کیا اور فرمایا کہ شاید آئندہ سال تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے، یہ خطبہ آپ نے منیٰ میں یوم النحر کے دن یا تین ماہ بعد ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ میں آپ انتقال فرما گئے۔ "استنصت الناس" سین اور تا مبالغہ کے لئے ہے اصل باب انصات ہے خاموش کرنے کے معنی میں ہے۔ "بعدی" اس سے آپ نے اپنے وفات کی طرف اشارہ کیا جس سے معلوم ہو گیا کہ آپ کی زندگی میں ایسا نہیں ہوگا چنانچہ آپ کی وفات کے بعد فتنۂ ارتداد شروع ہو گیا جس میں ایک دوسرے کی گردنیں ماری گئیں پھر یہ سلسلہ چلتا رہا اور آج بھی جاری وساری ہے۔ "کفارا" یہ کافر کی جمع ہے یہ لفظ مفسر ہے "یضرب بعضکم رقاب بعض" کفارا کے لئے تفسیر ہے مطلب یہ ہے کہ آپس کی گردنیں اڑا کر کافر نہ بنو۔

### سوال

اب سوال یہ ہے کہ آپس کی گردنیں اڑانا اور قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے اس کے مرتکب کو کافر کیسے کہا گیا، اہل سنت والجماعت کے نزدیک تو یہ کافر نہیں ہے گناہ گار ہے معتزلہ کے نزدیک کافر ہے۔

اس اعتراض کے کئی جوابات کئی بار دے چکا ہوں اب تھک گیا ہو علامہ نووی چلاتا رہتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک عمداً قتل کرنے والا مسلمان اس قتل سے کافر ہو جاتا ہے۔ ویسے ان کی بات سمجھ میں آتی ہے کہ مثلاً ایک آدمی خوب نشانہ باندھتا ہے تاکہ کسی مسلمان یا عالم دین کو قتل کردے نشانہ خطا نہ جائے تو اس کا عقیدہ یہ بنتا ہے کہ مجھے اس کا قتل کرنا جائز ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے تو آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

''ویحکم ویلکم'' یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں تعجب اور ہمدردی کے لئے استعمال ہوتے ہیں عرب نے اس کو بددعا کے لئے وضع کیا مگر اس کو تعجب اور ترحم میں استعمال کرتے ہیں ویل میں کچھ شدت ہے اور ویح میں کچھ نرمی ہے وہ اس طرح کہ ویل اس کے لئے بولا جاتا ہے جو ہلاکت میں واقع ہو گیا اور ویح اس کے لئے ہے کہ جو ہلاکت میں واقع ہونے والا ہے۔

۲۲۴۔ وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاقِدِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت سابقہ روایت کی طرح نقل کرتے ہیں۔

۲۲۵۔ وَحَدَّثَنِي أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُوبَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاقِدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَيْحَكُمْ أَوْقَالَ وَيْلَكُمْ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: تمہارے اوپر افسوس ہے میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم سے بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں۔

۲۲۶۔ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ شُعْبَةَ عَنْ وَاقِدٍ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی شعبۃ عن واقد کی روایت کی طرح نقل کرتے ہیں۔

## باب اطلاق اسم الكفر على الطعن في النسب والنياحة

## نسب میں طعن کرنے اور نوحہ کرنے پر کفر کا اطلاق

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے صرف ایک حدیث کو نقل کیا ہے۔

۲۲۷۔ وَحَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُومُعَاوِيَةَ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَا أَبِي وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ كُلُّهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِثْنَتَانِ فِي

النَّاسِ هُمَابِهِمْ كُفْرٌ الطَّعْنُ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں دو باتیں ایسی ہیں جوان کے لئے کفریہ باتیں ہیں (۱) نسب میں عیب جوئی کرنا (۲) میت پر نوحہ (چیخنا، گریہ) کرنا۔

## تشریح

"اثنتان" ای خصلتان یعنی لوگوں میں دو عادتیں ایسی ہیں جو کفر کے درجہ میں ہیں۔ "الطعن فی النسب" یعنی لوگوں کے انساب میں طعن کرنا تو جس طرح اپنا جھوٹا نسب بیان کرنا حرام ہے اسی طرح دوسروں پر نسب میں طعن کرنا بھی حرام ہے سب انسان حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور حضرت آدم مٹی سے پیدا ہیں پھر نسب میں طعن کا کیا مطلب ہوا کہ فلاں ایسا ہے فلاں ویسا ہے اسلام میں کفوٗ کا اعتبار ہے تو اچھا نسب اچھا ہے مگر یہ تعارف کے لئے ہے لڑائی کے لئے نہیں، اللہ تعالیٰ نے نسب کے بارے میں "لتعارفوا" فرمایا ہے "لتحاربوا" نہیں فرمایا ہے نسب کی حفاظت ضروری ہے لیکن اچھوت کا معاملہ تو ہندوؤں کا ہے۔ "والنیاحة" میت پر بین کرنے کو نوحہ کہتے ہیں کہ بے جا اس کی تعریف و بڑائی ہو زبان پر شکایت ونفرت کے الفاظ ہوں چیخ چیخ کر مردے کو "واجبلاہ واویلاہ" کہا جائے جاہلیت میں اس کام کے لئے کرایہ پر نوحہ کے ماہرین کو بلایا جاتا تھا آج کے دور میں شیعہ اور روافض نے اس کام کو سنبھالا ہے اسلام نے اس کو حرام قرار دیا ہے یہاں اس کو کفر کہا گیا ہے تو وہی جوابات یہاں بھی ہیں جو اس سے پہلے لکھے گئے ہیں یہ کفر دون کفر ہے یا مستحل کے لئے یہ وعید ہے یا یہ کافروں والا کام ہے یا زجراً و توبیخاً تغلیظاً و تشدیداً و تہدیداً ہے۔

## باب تسمية العبد الآبق كافرا

## بھگوڑے غلام پر کافر کا اطلاق

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں تین حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۲۲۸۔ حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ يَعْنِي ابْنَ عُلَيَّةَ عَنْ مَنْصُورِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَرِيرٍ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ أَيُّمَا عَبْدٍ أَبَقَ مِنْ مَوَالِيهِ فَقَدْ كَفَرَ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَيْهِمْ ۔ قَالَ مَنْصُورٌ قَدْ وَاللّٰهِ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنِّي أَكْرَهُ أَنْ يُرْوٰى عَنِّي هٰهُنَا بِالْبَصْرَةِ ۔

منصور بن عبدالرحمٰن، شعبی رحمۃ اللہ سے روایت کرتے کہ انہوں نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ: جو غلام بھی اپنے آقا سے بھاگ جائے اس نے کفر کیا یہاں تک کہ وہ واپس آجائے تو منصور نے کہا خدا کی قسم! یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے لیکن میں نہیں پسند کرتا کہ یہ حدیث بصرہ میں مجھ سے روایت

کی جائے (اس لئے موقوف بیان کیا)۔

## تشریح

''ابق'' سمع ونصر وضرب تینوں ابواب سے ہے غلام کے بھاگنے کو کہتے ہیں۔

''فقد کفر'' یہاں بھی کفر کے اطلاق میں وہی جوابات ہونگے جو اس سے پہلے لکھے جا چکے ہیں۔

''وقال منصور'' منصور نے اس مرفوع روایت کو جریر بن عبداللہ پر موقوف کر کے بیان کیا اب وضاحت فرماتے ہیں کہ میرے بھائیو دوستو اور بزرگو غور سے سنو یہ حدیث مرفوع الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے لیکن میں نے اس کو موقوف کیوں بیان کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ میں یہاں بصرہ میں رہتا ہوں جو معتزلہ کا گڑھ ہے جن کا عقیدہ ہے کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار ہے اب اگر میرے واسطے سے ان کو ایک مرفوع حدیث مل گئی تو وہ اس کو میرے حوالے سے بہت مشہور کریں گے اور اپنے غلط مذہب کو رواج دیں گے، لوگ بعد میں تاویلیں کریں گے مگر فتنہ برپا ہو چکا ہوگا اس لئے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ اس کو مرفوع بیان کروں۔ شیخ منصور کے اس طرز عمل سے معلوم ہوا کہ اگر حکمت کے پیش نظر بعض مسائل کو بعض مقامات میں نہ چھیڑا جائے تو یہ درست ہوگا۔

بہر حال زیر بحث حدیث مرفوع حدیث ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

۲۲۹۔ حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِیَاثٍ عَنْ دَاوٗدَ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ جَرِیْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا عَبْدٍ اَبَقَ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْہُ الذِّمَّۃُ۔

حضرت جریر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو غلام اپنے آقا سے بھاگ گیا اس سے ذمہ ساقط ہو گیا۔

## تشریح

''الذمۃ'' اس سے قدر و قیمت اور احترام بھی مراد لیا جا سکتا ہے اور اس سے امان وضمان اور حفاظت ورعایت بھی مراد لیا جا سکتا ہے مطلب یہ کہ اس غلام کی جان پہلے محفوظ تھی اب مالک کی طرف سے اس کی جان کی حفاظت باقی نہیں رہی اور شریعت نے اس پر جو حفاظت کی چادر ڈالی تھی وہ بھی اٹھالی گئی اب یہ غیر محفوظ ہے اور یہ سب کچھ اس کے بھاگنے کی وجہ سے ہوا۔

۲۳۰۔ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ یَحْیٰی اَخْبَرَنَا جَرِیْرٌ عَنْ مُغِیْرَۃَ عَنِ الشَّعْبِیِّ قَالَ کَانَ جَرِیْرُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ یُحَدِّثُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَبَقَ الْعَبْدُ لَمْ تُقْبَلْ لَہٗ صَلَاۃٌ۔

حضرت جریر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب غلام اپنے آقا سے بھاگ جائے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

تشریح

"لم تقبل له صلوۃ" فرض نماز کا قبول نہ ہونا اس کی دلیل ہے کہ یہ غلام مسلمان نہیں رہا تو بات پھر کفر کی طرف چلی جائے گی جس کے جوابات بار بار دیئے گئے ہیں۔ بہر حال نماز قبول نہ ہونا اور چیز ہے اور جائز نہ ہونا اور چیز ہے جب شرائط کی صحت کے ساتھ نماز پڑھے گا تو جائز ہو جائے گی لہٰذا نماز پڑھنا پڑیگا مگر ثواب نہیں ملے گا۔

## باب بیان کفر من قال مطرنا بالنوء

## گردش کواکب سے بارش کے نزول کا عقیدہ کفر ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چار حدیثوں کو ذکر کیا ہے۔

۲۳۱۔ **حدثنا** یَحْیَى بْنُ یَحْیَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَیْسَانَ عَنْ عُبَیْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِیِّ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَیْبِیَةِ فِیْ إِثْرِ السَّمَاءِ كَانَتْ مِنَ اللَّیْلِ فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ قَالَ أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِیْ مُؤْمِنٌ بِیْ وَكَافِرٌ فَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِیْ كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ وَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِیْ مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ۔

حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی حدیبیہ کے مقام پر رات میں آسمان ابر آلود تھا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف رخ کیا اور فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ لوگوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندوں نے صبح کی مجھ پر ایمان کی ساتھ اور کفر کے ساتھ، پس جس نے یہ کہا کہ اللہ نے اپنے فضل ورحمت سے ہم پر بارش برسائی تو وہ مجھ پر ایمان رکھنے والا اور ستاروں کا منکر ہے۔ اور جس نے کہا کہ ہم پر فلاں فلاں ستارے کی گردش کی وجہ سے بارش برسی ہے تو اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔

تشریح

"بالحدیبیة" مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام ہے جس کو حدیبیہ کہتے ہیں جس کو آج کل عرب شمیسی کہتے ہیں جدہ کی طرف جاتے آتے وقت یہ حرم کی آخری حد ہے جہاں غیر مسلمین کا داخلہ منع ہے۔

"اثر سماء" سماء سے مراد بارش ہے اور یہ اطلاق ہوتا ہے شاعر کہتا ہے۔

اذا نزل السماء بارض قوم رعیناها وان کانوا غضابا

یہاں آسمان سے بارش کا نزول مراد ہے"اثر" بعد کے معنی میں ہے یعنی بارش کے بعد۔
"مطرنا بنوء کذا" نوء مفرد ہے اس کی جمع انواء ہے شاعر ساحر کہتا ہے۔

حمد القطار و لو رأته کما تری بُهتت فلم تتحس الانواء

اب سوال یہ ہے کہ نوء کیا چیز ہے تو حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ چاند کے مختلف برجوں اور منازل القمر پر بولا جاتا ہے یہ ستاروں کے ناموں سے کنایہ ہے یہ کل اٹھائیس ستارے ہیں جو چاند کے اٹھائیس منازل کہے جاتے ہیں۔ جب ان میں سے ایک ستارہ مشرق میں سے طلوع ہوتا ہے تو اسی وقت ایک ستارہ مغرب میں غروب ہو جاتا ہے یہاں تک کہ سال بھر میں ان کا یہ عمل مکمل ہو جاتا ہے ہر ستارے کے حصے میں تیرہ دن آتے ہیں۔ علماء ہیئت کہتے ہیں سات آسمانوں میں سے ہر آسمان میں ایک گردش کرنے والا ستارہ ہے جس کو وہ کوکب سیارہ کہتے ہیں پہلے آسمان پر قمر ہے، دوسرے پر عطارد ہے، تیسرے پر زہرہ ہے چوتھے پر شمس ہے پانچویں پر مریخ ہے چھٹے پر مشتری اور ساتویں پر زحل ہے آٹھویں آسمان پر ثوابت ستارے ہیں جو حرکت نہیں کرتے اور نواں آسمان فلک اطلس ہے ان پر کوئی ستارہ نہیں ہے۔ علماء ہیئت کہتے ہیں کہ آسمان نو ہیں آٹھواں آسمان وہ ہے جس کو شریعت نے کرسی کہا ہے اور نواں آسمان وہ ہے جس کو شریعت نے عرش کہا ہے۔ آٹھویں آسمان پر ستاروں کے جھمگٹے سے مختلف شکلیں بن جاتی ہیں یہ بارہ شکلیں ہیں نام یہ ہیں حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت، ستاروں سے بنے ہوئے حیوانات کی شکلوں میں یہ بارہ شکلیں درحقیقت آسمانوں کے بارہ برج ہیں اگر شیر کی شکل ہے تو یہ برج اسد ہے اگر کیکڑے کی شکل ہے تو یہ برج عقرب ہے۔ بہرحال یہی بارہ برج کواکب سیارہ کے منازل ہیں اہل نجوم اور عرب جاہلیت کا عقیدہ تھا کہ جو ستارہ جس برج میں جاتا ہے اس کی تاثیر پیدا ہوتی ہے مثلاً بارش ہوتی ہے یا بڑا آدمی پیدا ہوتا ہے جس کا ستارہ جس طرح گردش میں ہوگا اسی طرح اثر ظاہر ہوگا اسلام نے ان چیزوں کو فساد عقیدہ قرار دیکر منع کیا ہے اور نو آسمانوں کا بھی انکار کیا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عرب کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ ان ستاروں میں سے جو مغرب میں ڈوب کر غروب ہو جاتا ہے اس کی وجہ سے بارش ہوتی ہے ان ستاروں کو اردو میں پچھتر ستارے کہتے ہیں موسم ربیع میں بارشیں ہوتی ہیں عرب کے ہاں وہ اسی پچھتر سے ہوتی ہیں، ہمارے صوبہ سرحد کے علاقے میں لوگوں نے اسی طرح ستاروں کے نام رکھے ہیں اور بارش کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں ایک ستارے کا نام سُہیل رکھا ہے اس کی جوڑی کا نام سہیلئی رکھا ہے ایک کا نام مُوپ رکھا ہے اسکی جوڑی کا نام گُمبز میں رکھا ہے ویسے اس رات میں سخت بارش ہوتی ہے جب لوگ کہتے ہیں کہ سہیل طلوع ہوگیا۔ زیر بحث حدیث میں اس عقیدہ کو کفر قرار دیا ہے۔ "کافر بی" مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے اس ستارے کو بارش کے لئے مؤثر حقیقی سمجھ لیا اور عقیدہ رکھا کہ یہی ستارہ بارش برساتا ہے تو یہ حقیقی کفر ہے آدمی کافر ہے تاویل کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص ستارے کو مؤثر بالذات نہیں سمجھتا مؤثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے مگر پھر بھی کراہت سے خالی نہیں ہے۔ باقی محکمہ موسمیات والے علامات اور حسابات سے کچھ غیر

یقینی فیصلے کرتے ہیں جو علم غیب نہیں ہے اور فیصلہ بھی کبھی سچا کبھی جھوٹا ثابت ہوجاتا ہے وہ علم نجوم کا حصہ ہے۔

۲۳۲۔ **حَدَّثَنِي** حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى وَعَمْرُو بْنُ سَوَّادٍ الْعَامِرِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ قَالَ الْمُرَادِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ وَقَالَ الْآخَرَانِ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَمْ تَرَوْا إِلَى مَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالَ مَا أَنْعَمْتُ عَلَى عِبَادِي مِنْ نِعْمَةٍ إِلَّا أَصْبَحَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِهَا كَافِرِينَ يَقُولُونَ الْكَوَاكِبُ وَبِالْكَوَاكِبِ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نہیں دیکھتے تمہارے پروردگار عزوجل نے کیا فرمایا؟ فرمایا کہ: میں نے اپنے بندوں کو کوئی نعمت ایسی نہیں جو تندی ہو مگر ان میں سے ایک جماعت نے ان نعمتوں کا کفران کیا وہ کہتے ہیں کہ ستارے اور ستاروں سے بارش ہوئی (یعنی سب ستاروں کے گردش کی وجہ سے ہے)۔

## تشریح

"الکواکب" ای الکواکب امطرت، یعنی کواکب اور ستاروں نے بارش برسائی یہ کفر ہے۔

"وبالکواکب" ای المطر بالکواکب، یعنی کواکب کی وجہ سے بارش ہوگئی یہ غلط عقیدہ ہے۔

۲۳۳۔ **وَحَدَّثَنِي** مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ ح: وَحَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ سَوَّادٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ أَنَّ أَبَا يُونُسَ مَوْلَى أَبِي هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ بَرَكَةٍ إِلَّا أَصْبَحَ فَرِيقٌ مِنَ النَّاسِ بِهَا كَافِرِينَ يُنْزِلُ اللّٰهُ الْغَيْثَ فَيَقُولُونَ الْكَوْكَبُ كَذَا وَكَذَا وَفِي حَدِيثِ الْمُرَادِيِّ بِكَوْكَبِ كَذَا وَكَذَا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہی نے آسمان سے بارش (برکت) نازل فرمائی مگر یہ کہ لوگوں میں سے ایک گروہ نے صبح کو اس کا انکار کیا۔ بارش تو اللہ تعالیٰ نازل فرماتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش نازل ہوئی یا فلاں کا کام ہوا۔

۲۳۴۔ **وَحَدَّثَنِي** عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ وَهُوَ ابْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو زُمَيْلٍ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ مُطِرَ النَّاسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْبَحَ مِنَ النَّاسِ شَاكِرٌ وَمِنْهُمْ كَافِرٌ قَالُوا هَذِهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَقَدْ صَدَقَ نَوْءُ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ﴾ (الواقعۃ: ۷۵) حَتَّى بَلَغَ ﴿وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ﴾۔ (الواقعۃ: ۸۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک بار لوگوں پر بارش نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں سے کچھ نے شکر کرتے ہوئے صبح کی اور کچھ لوگوں نے کفر کرتے ہوئے صبح کی۔ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور بعض نے کہا کہ فلاں فلاں ستارے کی گردش صحیح ثابت ہوئی۔ فرمایا کہ پھر یہ آیات نازل ہوئیں ﴿فلا اقسم بمواقع النجوم﴾ سے ﴿تجعلون رزقکم انکم تکذبون﴾ تک۔

## تشریح

''لقد صدق نوء کذا و کذا'' یعنی فلاں فلاں ستارے نے سچ مچ بارش برسائی دیکھو جو شخص اس طرح عقیدہ رکھتا ہے اس کے کفر میں کیا شک ہے۔ ''فلا اقسم'' یعنی قسم کی ضرورت نہیں ہے پھر بھی قسم کھاتا ہوں، یا لفظ ''لا'' تحسین کلام کے لئے ذکر کیا جاتا ہے ترجمہ میں نہیں آتا، یا ''لا'' سے سابقہ کلام کی نفی مراد ہے یعنی ایسا نہیں جس طرح تم سمجھ رہے ہو۔

''و تجعلون رزقکم'' یعنی تم نے اپنا کام ہی یہی بنالیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو جھٹلاتے ہو اور ستاروں کی طرف غلط نسبت کرتے ہو آیت کریمہ کے اسی آخری جملہ سے استشہاد کیا گیا ہے۔ بہر حال امام مسلم خوب زور و شور سے کفر کے شعبوں کو بیان فرما رہے ہیں درمیان میں ایمان کے اجزاء کے لئے ایک باب باندھا ہے جو ابھی آرہا ہے۔

## باب حب الانصار و علی من الایمان

## انصارؓ اور علیؓ کی محبت ایمان کا حصہ ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چھ احادیث کو درج فرمایا ہے۔

۲۳۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَبْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آيَةُ الْمُنَافِقِ بُغْضُ الْاَنْصَارِ وَآيَةُ الْمُؤْمِنِ حُبُّ الْاَنْصَارِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منافق کی نشانی یہ ہے کہ اس کے دل میں انصار کا بغض بھرا ہوتا ہے اور مومن کی نشانی یہ ہے کہ اس کے دل میں انصار کی محبت ہوتی ہے۔

## تشریح

مکہ مکرمہ سے جو صحابہ ہجرت کرکے مدینہ چلے گئے ان کو مہاجرین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور مدینہ میں جن صحابہ نے مہاجرین کو سینہ سے لگایا، ان کو ٹھکانہ دیا اور ایمان کو اپنے دلوں میں جگہ دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے مدینہ لائے اور اسلام پر دل و جان سے عمل کیا اور جانی و مالی قربانیاں دیں ان صحابہ کو انصار کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسلام کی اس بنیادی خدمت کی وجہ

سے دشمنان اسلام سب سے زیادہ انصار سے جلتے تھے کہ یہی لوگ مدینہ میں اسلام کے پھیلنے پھولنے کا ذریعہ بنے ہیں مدینہ کے منافقین کی سب سے زیادہ حسد انہی انصار سے تھی اس لئے انصار سے محبت رکھنے کو اسلام نے ہر مسلمان کے لئے ایمان کا حصہ اور علامت قرار دیا، اسی طرح حضرت علیؓ کی جرأت وشجاعت کو دیکھ کر منافقین جلتے تھے ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی! تیری مثال عیسیٰ کی طرح ہے ایک فریق اس کی محبت کے افراط میں گمراہ ہوا اور ایک فریق اس کی عداوت کی تفریط میں گمراہ ہوا، چنانچہ روافض شیعہ حضرت علیؓ کی محبت میں افراط کر کے گمراہ ہوگئے اور ناصبی خوارج آپ کی عداوت میں گمراہ ہوگئے اس لئے ان احادیث میں انصار کے ساتھ حضرت علی کو بھی معیار قرار دیا گیا ہے کہ انصار اور علی سے محبت رکھنا ایمان کا حصہ اور نشانی ہے اور بغض رکھنا نفاق کا حصہ اور نشانی ہے۔ ''فلق الحبة'' دانے کو زمین میں پھاڑ کر پودا اگانا اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے ''فالق الاصباح'' میں فلق کی اسی عظیم قدرت کی طرف اشارہ ہے'' وبرأ النسمه'' برأ پیدا کرنے کو کہتے ہیں اور نسمہ روح کو کہتے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی دلیل ہے بہر حال قسم میں تاکید پیدا کرنے کے لئے حضرت علیؓ نے ان چیزوں کا ذکر کیا اور پھر فرمایا کہ مجھ سے محبت صرف مؤمن رکھتا ہے اور جو کوئی بغض رکھے گا وہ منافق ہوگا، شیعہ ان احادیث کو سن کر خوش ہو جاتے ہیں کہ ہم مؤمن ہیں اور اہل سنت منافق ہیں یہ ان حضرات کی بڑی غلطی ہے اور یہ یہود ونصاریٰ کی طرح صرف آرزوئیں اور تمنائیں ہیں اسلام کردار کا نام ہے صرف گفتار کا نام نہیں اگر کردار کے میدان میں دیکھا جائے تو شیعہ روافض سب سے زیادہ حضرت علیؓ سے دور ہیں اور اہل سنت قریب تر ہیں۔

''ایای حدث'' یعنی مجھ ہی کو تو بیان کیا میں اکیلا تھا کہ حضرت براء بن عازب نے مجھے بیان کیا یہ آنے والی آیت کا ترجمہ ہے۔

۲۳۶۔ **حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ حُبُّ الْأَنْصَارِ آيَةُ الْإِيْمَانِ وَبُغْضُهُمْ آيَةُ النِّفَاقِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انصار کی محبت ایمان کی نشانی ہے اور ان سے بغض نفاق کی نشانی ہے۔

۲۳۷۔ **وَحَدَّثَنِي** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي مُعَاذُ بْنُ مُعَاذٍ ح: وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ ابْنُ مُعَاذٍ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ فِي الْأَنْصَارِ لَا يُحِبُّهُمْ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضُهُمْ إِلَّا مُنَافِقٌ مَنْ أَحَبَّهُمْ أَحَبَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ أَبْغَضَهُ اللّٰهُ۔

قَالَ شُعْبَةُ قُلْتُ لِعَدِيٍّ سَمِعْتَهُ مِنَ الْبَرَاءِ؟ قَالَ إِيَّايَ حَدَّثَ۔

حضرت عدی بن ثابت فرماتے ہیں کہ میں نے براء بن عازب سے سنا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل

کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں کہ محبت نہیں کرتا ان سے سوائے مومن کے اور سوائے منافق کے کوئی ان سے بغض نہیں رکھتا، جو ان سے محبت کرے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرے اور جو ان سے بغض وعداوت رکھے اللہ اس سے بغض وعداوت کرے۔ حضرت شعبہ فرماتے ہیں کہ میں نے عدی سے پوچھا کہ کیا آپ نے اسے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے سنا ہے؟ فرمایا کہ ہاں! خاص مجھ ہی سے انہوں نے حدیث بیان کی۔

۲۳۸۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْقَارِيَّ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُبْغِضُ الْاَنْصَارَ رَجُلٌ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ انصار سے بغض نہیں رکھ سکتا۔

۲۳۹۔ وَحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ح وَحَدَّثَنَا اَبُوبَكْرِ ابْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُو اُسَامَةَ كِلَاهُمَا عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِي صَالِحٍ عَنْ اَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُبْغِضُ الْاَنْصَارَ رَجُلٌ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو وہ انصار سے کبھی بغض نہیں رکھے گا۔

۲۴۰۔ حَدَّثَنَا اَبُوبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَاَبُومُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ ح وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَاللَّفْظُ لَهُ اَخْبَرَنَا اَبُومُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ زِرٍّ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَاَ النَّسَمَةَ اِنَّهُ لَعَهْدُ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيَّ اَنْ لَا يُحِبُّنِي اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضُنِي اِلَّا مُنَافِقٌ۔

حضرت زر بن حبیش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو پھاڑا اور جان کو پیدا کیا بے شک نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عہد فرمایا تھا کہ مجھ سے محبت نہیں کرے گا مگر مومن اور مجھ سے دشمنی وبغض نہیں رکھے گا مگر منافق۔

## باب نقصان الايمان بنقص الطاعات

## اعمال کے نقصان سے ایمان کے نقصان کا بیان

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے کوشش کی ہے کہ ایمان کی زیادت ونقصان کو نمایاں کرے تو عنوان اس طرح باندھا جو آپ کے سامنے

ہے ہم نے مختلف جگہوں میں اس کی تفصیلی گفتگو لکھدی ہے یہ بخاری کا مسئلہ ہے وہاں مزہ آتا ہے یہاں تو ہم کو چاہئے کہ امام بخاری کے عظیم میدان کا صرف نظارہ کریں، احناف جواب دیتے ہیں کہ'' کماً ''ایمان میں نہ زیادت ہے نہ نقصان ہے البتہ کیفاً ایمان زیادہ بھی ہوجاتا ہے اور کم بھی ہوجاتا ہے یا اجزائے نورانی میں کمی بیشی ہوتی ہے یا نزول وحی میں مؤمن بہ کی وجہ سے ایسا ہوتا تھا اب نہیں یا اجزائے تکمیلیہ تحسینیہ میں ایسا ہوتا ہے اجزاء ترکیبیہ میں نہیں ہوتا۔

۲۴۱۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحِ بْنِ الْمُهَاجِرِ الْمِصْرِيُّ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ الْهَادِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ يَامَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَأَكْثِرْنَ الِاسْتِغْفَارَ فَإِنِّي رَأَيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ جَزْلَةٌ وَمَالَنَا يَارَسُولَ اللَّهِ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ؟ قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ وَمَارَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ أَغْلَبَ لِذِي لُبٍّ مِنْكُنَّ قَالَتْ يَارَسُولَ اللَّهِ! وَمَانُقْصَانُ الْعَقْلِ وَالدِّينِ؟ قَالَ أَمَّا نُقْصَانُ الْعَقْلِ فَشَهَادَةُ امْرَأَتَيْنِ تَعْدِلُ شَهَادَةَ رَجُلٍ فَهَذَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ وَتَمْكُثُ اللَّيَالِيَ مَاتُصَلِّي وَتُفْطِرُ فِي رَمَضَانَ فَهَذَا نُقْصَانُ الدِّينِ۔

حضرت عبداللہ بن ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جماعت خواتین! صدقہ دیا کرو اور کثرت سے استغفار کیا کرو کیونکہ میں نے تمہیں دیکھا ہے کہ جہنم میں سب سے زیادہ تم ہی ہو۔ ان میں سے ایک صائب الرائے خاتون کہنے لگیں یا رسول اللہ! ہم کس وجہ سے جہنم میں سب سے زیادہ ہیں؟ فرمایا کہ تم لعن طعن بہت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری بہت کرتی ہو، میں نے تم سے زیادہ کسی کم عقل اور ناقص الدین کو نہیں دیکھا کہ صاحب عقل و دانش کے اوپر غالب آجاتی ہو۔ وہ خاتون کہنے لگیں یارسول اللہ! (ہماری) عقل و دین میں کیا کمی ہے؟ فرمایا کہ عقل کا نقصان تو یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر (اللہ تعالیٰ نے کردی) ہے، یہ عقل میں کمی کی وجہ سے ہے اور تم چند دن اور رات اس حالت میں رہتی ہو کہ نہ نماز پڑھتی ہو نہ روزہ رکھتی ہو رمضان میں یہ دین میں کمی ہے۔

## تشریح

''یامعشر النساء'' اس کی جمع معاشر ہے مختلف جماعتوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے معشر الانس معشر الجن معشر الرجال معشر النساء وغیرہ وغیرہ جماعت اور گروہ کے معنی میں ہے تین سے نو تک اور اس سے زیادہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

''تصدقن'' چونکہ صدقہ کفارہ سیئات بنتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے ''الصدقة تطفي غضب الرب'' اور ''اتقوا النار ولو بشق تمرة'' اور ''كل امرء في ظل صدقته'' اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا اور پہلے سے عورتوں کو آگ سے بچنے کا علاج بتلا دیا تاکہ عورتیں مایوس و پریشان نہ ہوں پھر عورتوں کا دوزخ میں زیادہ ہونا دنیا کی محبت کی وجہ سے ہے تو صدقہ کرنے سے حب دنیا اور بخل و کنجوسی کی خصلت ختم ہوجائے گی۔ ''اکثر اهل النار'' یعنی میں نے دیکھا کہ دوزخ

میں عورتیں زیادہ تھیں اس وہ عورتیں مراد ہیں جو مر چکی تھیں۔

''اکثرنا الاستغفار'' کثرت سے استغفار بھی آفات سے بچاؤ کا نسخہ ہے بعد میں تکثرن اللعن کا لفظ بھی آیا ہے۔تو کثرت لعنت کی نحوست کو دور کرنے کے لئے کثرت استغفار کا وظیفہ بتادیا دونوں جملوں میں مشاکلت ہے ادھر بھی کثرت ہے ادھر بھی کثرت ہے۔

''اریتکن'' اگر رؤیت سے رؤیت قلبی مراد ہے تو پھر یہ قلبی رؤیت یا صلوۃ کسوف میں ہوئی ہوگی، یا بطور وحی ہوئی ہوگی یا کشف وانکشاف کی صورت میں ہوئی ہوگی اور اگر رؤیت بصری ہے تو پھر معراج کی رات آپ کو جنت اور دوزخ کی سیر کرائی گئی تھی۔ وہ مراد ہوگی''رای''بمعنی''اعلم''تین مفعول چاہتا ہے۔مفعول اول''اریتکن''میں نائب فاعل کی تا ہے،مفعول ثانی''کن'' اور''اکثر اھل النار''مفعول ثالث ہے۔''اکثر اھل النار''یعنی میں نے دیکھا کہ دوزخ میں عورتیں زیادہ ہیں اس سے وہ عورتیں مراد ہیں جو مر چکی تھیں۔

## سوال

یہاں یہ اشکال ہے کہ جنت میں ہر جنتی کو دو عورتیں ملیں گی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں جنت میں زیادہ ہوں گی اور یہاں دوزخ میں زیادہ بتلائی گی ہیں ان دونوں باتوں میں واضح تعارض ہے۔

## پہلا جواب

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ عورتوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے اور ان کی پیدائش لڑکوں کی نسبت اتنی کثرت سے ہے کہ جنت میں دو دو ملنے کے باوجود دوزخ میں زیادہ ہوں گی۔

## دوسرا جواب

یہ ہے کہ ابتداء میں دوزخ میں زیادہ ہوں گی پھر سزا بھگتنے کے بعد جب جنت میں جائیں گی تو دوزخ میں کم رہ جائیں گی۔

## تیسرا جواب

یہ ہے کہ یہاں اکثر اہل النار فرمایا تو یہ مردوں کے مقابلے میں نہیں کہا بلکہ فی نفسہ جو تعداد تھی وہ کثیر تھی اس کو کثیر کہا گیا یعنی اتنی نہیں ہونی چاہیے تھی۔

''فقالت امرأة منهن جزلة''ہوشیار سنجیدہ باوقار عقل و دانش اور جسمانی ڈیل ڈول والی عورت، یہ سب معانی اس لفظ میں ہیں۔ ''و مالنا؟''یعنی کس وجہ سے اور کس سبب سے ہم دوزخ میں زیادہ ہوں گی؟''قال تکثرن اللعن''لعنت اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پر ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا''ابعاد الله تعالیٰ العبد من رحمته''اور اگر بندے کی طرف سے ہو تو''الدعاء بابعاد العبد من رحمة الله''کے معنی میں ہوگی۔اب اگر کوئی شخص کسی پر لعنت بھیجتا ہے تو وہ یا خبر دیتا ہے کہ یہ شخص ملعون ہے یعنی

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اللہ نے نکال دیا ہے یہ دعویٰ علم غیب ہے جو بڑا جرم ہے اور یا وہ شخص بددعا دیتا ہے کہ اللہ اس شخص کو اپنی رحمت سے باہر فرماوے تو یہ بہت بڑا بخل اور بہت بڑا حسد ہے جو ناجائز ہے۔

ملا علی قاریؒ نے لکھا کہ تعیین کے ساتھ کسی پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے جب تک کہ کفر پر موت واقع ہونے کا یقین نہ ہو جیسے گزشتہ لوگوں میں ابوجہل وفرعون وغیرہ ہیں اور آنے والوں میں ابلیس ہے۔

پھر لعنت کی بڑی دو قسمیں ہیں۔ ایک لعنت ''خروج عن رحمة الله العامة'' ہے یہ لعنت کفار کے ساتھ خاص ہے دوسری لعنت خروج عن رحمة الله الخاصة ہے یہ فساق فجار مسلمانوں کے لئے بھی اجمالاً بغیر تفصیل وتعیین جائز ہے جیسے ''لعن الله الواشمة والمستوشمة'' اور ''لعن الله السارق'' وغیرہ جائز ہے کہ لعن وصف کے تذکرہ کے ساتھ ہوا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے فسادی پر لعنت کرے تو اس میں اجمال ہے تعیین نہیں ہے یہ جائز ہے۔ پھر یہاں ''تکثرن اللعن'' فرمایا کیونکہ تھوڑی لعن تو عورتوں کی عادت بن چکی ہے وہ ان کے مزاج کا حصہ ہے تو اس میں کچھ نرمی کی گئی ہے جیسے غیبت کے بارے میں بعض ائمہ نے کہا ہے کہ یہ کبیرہ کے بجائے صغیرہ ہے ورنہ پوری امت اور خاص کر خواص امت فاسق بن جائیں گے یہ ایک رائے ہے ورنہ غیبت بڑا جرم ہے۔ ''وتکفرن العشیر'' عشیر سے مراد شوہر ہے یعنی پوری زندگی شوہر کے احسانات سے مالا مال رہتی ہے لیکن ذرا سی بات پر سب کو فراموش کردیتی ہے اور کہتی ہے ''ما رأیت منك خیرا قط'' نکرہ تحت النفی کے ساتھ کلی طور پر ہر چیز کی نفی کرتی ہے۔ ''من ناقصات عقل'' یعنی باوجود اس نقص اور کمزوری عقل کے تعجب ہے کہ ایک تجربہ کار ہوشیار عقل مند جہاندیدہ شخص کو کس طرح برباد کر کے رکھ دیتی ہے یہ کچھ بھی نہ کیے ان کو دیکھنے سے بھی دوسرا برباد ہو جاتا ہے کسی نے سچ کہا:

| | |
|---|---|
| یصرعن ذا اللب حتی لا حراك به | وهن اضعف خلق الله ارکانا |
| شاہوں کے تاج چھینے راجوں کے راج چھینے | گردن کشوں کی گردن نیچا دکھا کے چھوڑا |
| اکبر دبے نہ تھے کسی ظالم کی فوج سے | لیکن دبے ہوئے عورت کی موج سے |

''تعدل شهادة رجل'' آنحضرت نے نہایت آسان انداز سے عورتوں کے ناقصات العقل کا مسئلہ شہادت سے ثابت فرمایا کہ عورت کی گواہی مردوں کے مقابلے میں آدھی ہے تو یہ عقل کی کمی کی وجہ سے ہے۔

## سوال

عورتوں کی طرف سے بہت شور اور احتجاج ہو رہا ہے کہ یہ ہماری توہین ہے اور ہمارے حقوق پامال ہو رہے ہیں ہم تو مردوں کے شانہ بشانہ جانا چاہتی ہیں۔

### جواب

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ حقوق کا تعین اللہ تعالیٰ نے کیا ہے ان سے شکایت کرو مولویوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئی ہوں؟

### دوسرا جواب

یہ ہے کہ کچھ معاملات میں عورتوں کو اس درجہ میں رکھا گیا ہے مگر بہت سارے مسائل ایسے ہیں کہ وہاں اکیلی عورت کی گواہی معتبر ہوتی ہے جبکہ ان مسائل کا تعلق عورتوں کے پوشیدہ معاملات سے ہوا''استھلال صبی '' کے مسئلہ میں ایک عورت کی گواہی معتبر ہے، پھر شور کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

### تیسرا جواب

یہ ہے کہ بعض مسائل میں مردوں کی گواہی کا بھی دوسروں کی بجائے چار مردوں کا اعتبار کیا گیا ہے مثلاً ثبوت زنا میں دو کی بجائے چار مردوں کی گواہی لازم قرار دی گئی ہے تو کیا مرد احتجاج کریں گے؟ پروفیسر محمد احمد غامدی نے عورتوں کی گواہی کے بارے میں بہت غلط باتیں کی ہیں اور دین اسلام وقرآن کی توہین کی ہے ان کے منشور میں سب گمراہی موجود ہے۔

### سوال

یہاں عورتوں کو مردوں کے مقابلہ میں ناقص العقل کہا گیا ہے جب کہ بعض عورتیں مردوں کی نسبت بہت تیز ہوتی ہیں سیاست کرتی ہیں اور حکومت چلاتی ہیں۔

### جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک ہی زمانے، ایک ہی تعلیم، ایک ہی علاقے، ایک ہی خاندان کے مردوں اور عورتوں میں اگر موازنہ کیا جائے تو عورت ہر استعداد میں مرد کی آدھی ہوتی ہے خواہ عقل میں ہو خواہ دیکھنے میں ہو یا سننے بولنے چلنے دوڑنے میں ہو ہر قوت میں آدھی ہوتی ہے لیکن اگر آپ کسی دیہات کا مرد جنگل سے اٹھا کر لاؤ گے اور عورت کسی ماڈرن شہر کے تعلیم یافتہ طبقہ سے لاؤ گے تو ظاہر ہے فرق ہوگا کہ عورت ہوشیار، عیار، مکار اور دعار ہوگی عورت بھی جنگل سے لاؤ تا کہ پتہ چلے۔ تاہم اس عموم سے بعض کامل خواتین مستثنیٰ ہیں جیسے مریم، آسیہ عائشہ رضی اللہ عنھن۔

پھر یہاں ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ حیض کی بیماری قدرتی طور پر غیر اختیاری طریقے سے عورت کے ساتھ لگی ہوئی ہے تو اس کو دین کا نقصان کیوں بتایا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو دین کا حصہ ہی اتنا دیا ہے اب یہ عورت کا قصور نہیں ہے نہ اس کو قصور وار ٹھہرایا جارہا ہے بلکہ اس کی تخلیق اور تخلیقی حصہ کی نشاندہی کی گئی ہے جو امر واقعی تھا وہ بتلایا گیا کہ ان کو دین اور عقل میں حصہ کم ملا ہے۔ پھر دیکھیں کہ اسی حدیث میں نقصان عقل پتہ چل گیا کہ عورتوں نے کلام میں ترتیب نبوی کو تبدیل کر دیا حضور نے

نقصان عقل کو مقدم رکھا تھا کیونکہ عقل ہی مدار ومعیار ہے عورتوں نے جواب میں اس کو موخر کر کے دین کا ذکر پہلے کر دیا، انہوں نے دین کے اہتمام کی وجہ سے اس کو مقدم ذکر کیا۔ یہ روایت مسلم ہی میں ایک اور مقام پر ہے یہاں تو عقل مقدم ہے دین موخر ہے۔

''لذی لب'' ہوشیار مرد کے ساتھ جب عورت یہ کھیل کھیل سکتی ہے کہ اس کے جسم کے سب سے زیادہ حساس حصہ عقل ہی کو مفلوج کر کے رکھ دیتی ہے تو غیر ہوشیار کم تجربہ کار کے ساتھ کیا کھیل کھیلے گی۔ ''من ناقصات'' میں ''من'' زائد ہے استغراق کی غرض سے لایا گیا ہے یہ جملہ صفت ہے، موصوف محذوف کے لئے یعنی مارأیت احدا من ناقصات عقل الخ۔

''اغلب لذی لب منکن'' یہ صفت ہے یا رأیت کے لئے مفعول ثانی ہے تقدیر عبارت یوں ہے ای الرجل ذی لب۔

## عقل اور لُب کی تعریف

① العقل نور فی القلب یعرف به الحق والباطل ② العقل جوھر روحانی خلقه الله تعالیٰ متعلقاً بالبدن ③ اللب ھو العقل الخالص عن شوب الھوی۔ (تعریفات حرف العین)

عقل کا محل امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دماغ ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک عقل کا محل ومسکن دل ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ عقل کا مسکن دماغ ہے لیکن اس کی تدبیر اور کارکردگی دل میں ہے عقل کی جمع عقول ہے اور لب کی جمع الباب ہے۔

۲۴۲۔ وَحَدَّثَنِیهِ اَبُوالطَّاهِرِ اَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ بَکْرِ بْنِ مُضَرَ عَنِ ابْنِ الْهَادِ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

ابن الہاد سابقہ سند کے ساتھ ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

۲۴۳۔ وَحَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ الْحُلْوَانِیُّ وَاَبُوبَکْرِ بْنُ اِسْحَاقَ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِی مَرْیَمَ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ اَخْبَرَنِی زَیْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ عِیَاضِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ح وَحَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ اَیُّوْبَ وَقُتَیْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالُوا حَدَّثَنَا اِسْمَاعِیْلُ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ اَبِی عَمْرٍو عَنِ الْمَقْبُرِیِّ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ مَعْنٰی حَدِیْثِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت ابو ہریرہؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے طریقہ پر نقل کرتے ہیں۔

## باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة

## نماز چھوڑنے والے پر کفر کا اطلاق

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں چار احادیث کو بیان کیا ہے۔

۲۴۴۔ حَدَّثَنَا اَبُوبَکْرِ بْنُ اَبِی شَیْبَةَ وَاَبُوکُرَیْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُومُعَاوِیَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِی صَالِحٍ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَاقَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِي يَقُوْلُ يَاوَيْلَهُ وَفِي رِوَايَةِ أَبِي كُرَيْبٍ يَاوَيْلِي أُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَأُمِرْتُ بِالسُّجُوْدِ فَأَبَيْتُ فَلِيَ النَّارُ۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ابن آدم آیت سجدہ تلاوت کر کے سجدہ کرتا ہے تو شیطان آہ وبکا کرتا ہوا اس سے دور ہو جاتا ہے اور کہتا ہے میری یا ان کی تباہی ہو۔ ابن آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کر لیا تو اسے جنت ملے گی اور مجھے سجدہ کا حکم ہوا تو میں نے انکار کیا لہٰذا میرے لئے جہنم کا وعدہ ہے۔

## تشریح

''اذاقرأ ابن آدم السجدة'' اس سجدہ سے سجدۂ تلاوت مراد ہے۔

''الشیطان'' اس سے خود ابلیس مراد ہے ''یبکی'' یہ پشیمانی کی وجہ سے نہیں رو رہا ہے بلکہ حسد اور عناد کی وجہ سے رو رہا ہے، کہ جس سجدہ کے ترک کرنے سے میں اور میری اولاد مستحق دوزخ بن گئے یہ انسان سجدہ تلاوت اور دیگر سجدوں کے کرنے سے جنت میں چلا گیا یہ حسد ہے کہ اولاد آدم جنت میں کیوں داخل ہوئی اگر ابلیس کو پشیمانی ہوتی تو جب اس کو ایک موقع ملا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام سے اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے پوچھ لیں کہ میری توبہ کی گنجائش ہے یا نہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدم تو اب نہیں مگر قبر موجود ہے کہ قبر کو سجدہ کرے حضرت موسیٰ نے جب ابلیس سے کہا کہ مسئلہ حل ہو گیا بس آدم علیہ السلام کی قبر کے سامنے سجدہ لگاؤ تو ابلیس نے کہا کہ اچھا خود آدم کو تو سجدہ نہیں کیا اب پتھروں کے سامنے کیسے سجدہ لگاؤں۔ آدم علیہ السلام کے سامنے جو سجدہ تھا یہ عبادت کا نہیں تھا بلکہ سجدہ تحیہ تھا یا یوں سمجھ لیں کہ ان کی خلافت تسلیم کرنے کے لئے یہ ایک طریقہ تھا جس طرح کسی کی خلافت تسلیم کرنے کیلئے بیعت کرتے ہیں یا آج کل ووٹ دیتے ہیں، یا مطلب یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کی شریعت میں اس طرح تعظیم کا سجدہ جائز تھا ہماری شریعت میں جائز نہیں ہے۔

''ویلتاہ'' یہاں الف ندبہ کے لئے ہے یعنی الف فریادی ہے، احناف نے سجدہ تلاوت کی اس بحث سے اسکے واجب ہونے کو ثابت کیا ہے کہ ابلیس نے کہا کہ ابن آدم کو امر ہوا اور ظاہر ہے کہ امر وجوب کے لئے ہے۔ لہٰذا سجدہ تلاوت واجب ہے۔ جمہور کے نزدیک سجدہ تلاوت سنت ہے، احناف کے زیر بحث لفظ امر سے استدلال کے بارے میں علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ امر کا تذکرہ تو ابلیس نے کیا ہے اور ابلیس کے قول سے استدلال نہیں کیا جا سکتا ہے ہم نے کہا سبحان اللہ کہاں سے کہاں چلے گئے کہاں حدیث اور کہاں قول ابلیس؟۔ (الابی مالکی ونووی)

۲۴۵۔ وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ فَعَصَيْتُ فَلِيَ النَّارُ۔

کچھ تغیر کے ساتھ یہ روایت بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سابقہ سند سے ہے۔

۲۴۶ ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ كِلَاهُمَا عَنْ جَرِيرٍ قَالَ يَحْيَى أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرًا يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ ـ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرمارہے تھے کہ انسان اور اس کے کفر وشرک کے درمیان فرق ترک صلوۃ ہے۔

## تشریح

''ترك الصلوة'' اس پورے جملے کا مفہوم یہ ہے کہ

''ان الذی یمنع من کفرہ کونه لم یترك الصلوة فاذا ترکھا لم یبق بینه وبین الشرك حائل بل دخل فیه''۔

یعنی اس شخص کے کافر ہونے سے جو چیز روکتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ شخص نماز نہیں چھوڑتا جب یہ نماز چھوڑ دے گا تو اس کے کفر اور شرک کے درمیان کوئی حائل اور رکاوٹ نہ رہی بلکہ یہ کفر میں داخل ہو گیا۔

## تارک صلوۃ کا حکم

عمداً فرض نماز چھوڑنے والے مسلمان کے بارے میں اس سے پہلے بھی لکھا جا چکا ہے یہاں بھی مختصر اشارہ کرتا ہوں اگر تارک صلوۃ مسلمان ہے مگر نماز سے انکار کرتا ہے اور نہیں پڑھتا ہے تو یہ بالاجماع کافر ہے ملت اسلام سے خارج ہے مرتد ہے، واجب القتل ہے اور اگر نماز کا انکار تو نہیں کرتا ہے مگر سستی کی وجہ سے نہیں پڑھتا ہے نماز کو فرض مانتا ہے تو اس جیسے شخص میں فقہاء کا اختلاف ہے جمہور کے نزدیک اس طرح شخص فاسق ہے کافر نہیں ہے اس کو اس فسق سے توبہ کرایا جائے گا اور باز رکھا جائے گا اگر باز نہیں آتا ہے تو اس کو بطور سزا قتل کیا جائے گا یا جیل میں ڈالا جائے گا۔

لیکن امام احمد بن حنبل اور صحابہ کرام کا ایک طبقہ اس طرف گیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان نماز کا انکار نہیں بھی کرتا ہے مگر عمداً نماز چھوڑ دیتا ہے تو ایسا شخص بھی کافر ہے پھر جمہور یعنی شوافع اور مالکیہ وغیرہ کے نزدیک یہ شخص واجب القتل ہے مگر بطور سزا نہ کہ بطور ارتداد لیکن امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس کو قتل کیا جائے گا یہ مرتد ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عمداً تارک صلوۃ کو جیل میں بند کرنا چاہیے یا توبہ کریگا یا وہیں مرجائے گا۔ امام شافعی اور امام احمد رحمھما اللہ کے درمیان تارک صلوۃ کے بارے میں مناظرہ ہوا تھا امام شافعیؒ نے فرمایا اگر تارک صلوۃ عمداً کافر ہے تو وہ مسلمان کیسے بنے گا؟ امام احمدؒ نے فرمایا کہ کلمہ پڑھ لے، امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کلمہ شہادت تو وہ پہلے سے پڑھ رہا ہے نماز نہیں پڑھتا ہے امام احمدؒ نے فرمایا کہ نماز پڑھے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جب وہ کافر ہے تو کافر کی نماز کیسے صحیح ہوگی؟ اس پر احمد بن حنبل رحمہ اللہ خاموش ہو گئے۔

سعدی بابا نے کہا کہ بے نمازی کو قرض مت دو جو شخص اللہ کا قرض نہیں ادا کرتا ہے وہ تمہارا قرض کیسے ادا کریگا۔

سلطان باہو نے کہا کہ بے نمازی کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کرو۔

بہر حال تارک صلوۃ عمداً پر کفر کا اطلاق کفر دون کفر کے اعتبار سے ہے یا مستحل کے لئے ہے یا یہ حکم زجراً و توبیخاً تشدیداً و تغلیظاً و تہدیداً ہے۔

۲۴۷۔ حَدَّثَنَا اَبُوْغَسَّانَ الْمِسْمَعِیُّ حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبُوالزُّبَیْرِ اَنَّهٗ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ بَیْنَ الرَّجُلِ وَبَیْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرمارہے تھے انسان اور اس کے کفر و شرک کے درمیان فرق ترک صلوۃ ہے۔

## باب کون الایمان باللّٰہ تعالٰی افضل الاعمال

## اللہ تعالٰی پر ایمان لانا سب سے افضل عمل ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے نو احادیث کو ذکر کیا ہے۔

۲۴۸۔ حَدَّثَنَا مَنْصُوْرُ بْنُ اَبِیْ مُزَاحِمٍ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ سَعْدٍ ح وَحَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرِ بْنِ زِیَادٍ اَخْبَرَنَا اِبْرَاهِیْمُ یَعْنِیْ ابْنَ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ ؟ قَالَ اِیْمَانٌ بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا ؟ قَالَ الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا ؟ قَالَ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ وَفِیْ رِوَایَةِ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ اِیْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔

حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اعمال میں سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ فرمایا: اللہ پر ایمان لانا، پوچھا گیا پھر اس کے بعد فرمایا: اللہ تعالٰی کی راہ میں جہاد کرنا۔ سوال کیا گیا پھر کیا؟ فرمایا: نیکیوں والا حج۔

## تشریح

"ای الاعمال افضل ؟"

سب سے افضل عمل ایمان ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کیونکہ چند سورتوں کو چھوڑ کر باقی پورا قرآن مکہ مکرمہ میں ایمان کے فضائل ومسائل و دلائل پر نازل ہوا ہے البتہ اس میں کلام ہے کہ ایمان کے بعد سب سے افضل عمل کونسا ہے اس باب کی پہلی حدیث میں ایمان کے بعد جہاد کو سب سے افضل قرار دیا گیا ہے اس باب کی تیسری حدیث میں بھی جہاد کو افضل عمل کہا گیا ہے اس باب کی

حدیث نمبر ۵ میں نماز کو ایمان کے بعد افضل عمل کہا گیا ہے۔ پھر والدین سے حسن سلوک اور پھر جہاد کو افضل کہا گیا ہے حدیث نمبر ۶ اور پھر نمبر ۷ اور پھر حدیث نمبر ۹ میں اسی طرح ترتیب ہے کہ ایمان کے بعد نماز کو افضل عمل قرار دیا گیا ہے اب ایمان کے بعد کونسا عمل افضل ہے؟ اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

علماء کے ایک بڑے طبقے نے فرض نماز کو ایمان کے بعد سب سے افضل عمل کہا ہے، علماء کے دوسرے طبقے نے ایمان کے بعد جہاد کو افضل عمل قرار دیا ہے، زیر بحث احادیث میں دونوں جانب دلائل موجود ہیں مگر محققین علماء نے بطور محاکمہ یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر جہاد فرض کفایہ کے درجہ میں ہو تو فرض نماز اس سے افضل ہے لیکن اگر جہاد فرض عین کے درجہ میں ہو تو مطلق جہاد نماز سے افضل ہے، علامہ شبیر احمد فتح الملہم میں لکھتے ہیں۔

"قيل المراد بالجهاد هنا ماليس بفرض عين لانه يتوقف على اذن الوالدين فيكون برهما مقدما عليه"۔

یعنی جہاد اور نماز کا جو تقابل ہے تو کہتے ہیں کہ وہ جہاد فرض کفایہ اور نماز میں ہے کیونکہ وہاں والدین سے اجازت کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ اس سے مقدم ہے البتہ اگر جہاد فرض عین ہو تو وہ ان دونوں سے افضل ہے۔

علامہ عثمانی نے ایک اور عبارت بھی نقل فرمائی ہے۔

قال ابن بزيزة الذى يقتضيه النظر تقديم الجهاد على جميع اعمال البدن لان فيه بذل النفس الاان الصبر على المحافظة على الصلوة واداتها فى اوقاتها الخ۔

یعنی دقیق نظر کا تقاضا یہ ہے کہ جہاد ایمان کے بعد تمام بدنی اعمال سے افضل ہے کیونکہ اس میں جان کی قربانی دینی پڑتی ہے لیکن نماز کی حفاظت اور والدین کی اطاعت پر مسلسل صابر رہنا اور اس کی نگرانی کرنا سچے اور پکے لوگوں کا کام ہے لہذا یہ بھی درجہ میں کوئی کم درجہ کی چیز نہیں ہے۔

بہر حال ظاہری نصوص جو قرآن وحدیث میں وارد ہیں اس سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ ایمان کے بعد جہاد مطلقاً افضل عمل ہے بخاری کتاب الجہاد میں ہے۔

جاء رجل الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال دلنى على عمل يعدل الجهاد قال لا اجده۔

قرآن کی آیت ہے ﴿وفضل الله المجاهدين على القاعدين اجرا عظيما﴾

جہاد سے متعلق تفصیل انشاء اللہ مسلم جلد ثانی میں آئے گی اللہ تعالی مجھے اس وقت تک زندہ رکھے تا کہ میں اس کی تفصیل جی بھر کر لکھ دوں۔ (یوسف زئی)

"حج مبرور" حج مبرور یعنی حج مقبول وہ ہوتا ہے جس میں گناہ کا اختلاط نہ ہو ﴿فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فى الحج﴾

حج مبرور کی علامت یہ ہوتی ہے کہ انسان کی سابقہ زندگی سے حج کی بعد والی زندگی اچھی ہوجائے ''من علامات المقبول ان یزداد بعده خیرا''۔(فتح الملہم)

۲۴۹۔ **وحدثنیه** محمد بن رافع وعبد بن حمید عن عبد الرزاق اخبرنا معمر عن الزهری بهذا الاسناد مثله ۔

ابن شہاب زہریؒ اسی سند کے ساتھ سابقہ روایت کی طرح یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

۲۵۰۔ **حدثنی** ابو الربیع الزهرانی حدثنا حماد بن زید حدثنا هشام بن عروة ح و حدثنا خلف بن هشام واللفظ له حدثنا حماد بن زید عن هشام بن عروة عن ابیه عن ابی مراوح اللیثی عن ابی ذر قال قلت یارسول الله ! ای الاعمال افضل ؟ قال الایمان بالله والجهاد فی سبیله قال قلت ای الرقاب افضل ؟ قال انفسها عند اهلها واکثرها ثمنا قال قلت فان لم افعل ؟ قال تعین صانعا او تصنع لاخرق قال قلت یارسول الله ارایت ان ضعفت عن بعض العمل ؟ قال تکف شرک عن الناس فانها صدقة منک علی نفسک ۔

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اعمال میں افضل عمل کونسا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا۔ میں نے عرض کیا کونسا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ فرمایا وہ غلام جو اس کے مالک کے نزدیک قیمتی ہو اور قیمت کے اعتبار سے بھی زیادہ ہو۔ میں نے عرض کیا اگر میں ایسا نہ کروں تو؟ فرمایا کہ کسی ہنرمند کی مدد کر یا کسی بے ہنر آدمی کے لئے کوئی کام کردے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر میں بعض اعمال سے کمزور ہوجاؤں تو؟ فرمایا کہ اپنے شر سے لوگوں کو محفوظ رکھو بے شک یہی تمہارے لئے اپنی ذات کے واسطے صدقہ ہے۔

## تشریح

''ای الرقاب افضل'' رقاب رقبة کی جمع ہے گردن کو کہتے ہیں مراد غلام ہے یعنی آزاد کرنے میں سب سے اچھا غلام کونسا ہوتا ہے''انفسها'' یعنی جو غلام سب سے نفیس اور عمدہ ہو اور سب سے زیادہ قیمت والا ہو۔''تعین صانعا'' یعنی جو آدمی خود کاریگر ہے فن اس کے پاس ہے مگر سرمایہ نہیں تو اس کے ساتھ سرمایہ کی مدد کرنا بہترین عمل ہے۔

''او تصنع لاخرق'' اخرق اناڑی بدو جٹ کو فن سکھانا افضل اعمال میں سے ہے کہ فن کے سیکھنے کے بعد وہ کمائی میں خود کفیل ہوجائے گا۔''ان ضعفت'' یعنی اگر میں ان اچھے کاموں سے عاجز آجاؤں اور کسی کے ساتھ کوئی مدد نہ کرسکوں تو پھر ثواب کیسے کماؤں گا۔''تکف شرک'' یعنی لوگوں کو اپنی شرارت سے محفوظ رکھو کسی سے کوئی شرارت نہ کرو یہ بھی صدقہ ہے اور یہ بھی نیکی ہے اگلی روایت میں ہے''فما ترکت استزیده الا ارعاء علیه'' یعنی میں نے مزید سوال کرنا چھوڑ دیا تاکہ آپ کی طبیعت پر گراں نہ ہو''ارعاء'' رعایت کرنے کے معنی میں ہے۔

۲۵۱ ـ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ عَبْدٌ أَخْبَرَنَا وَقَالَ ابْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حَبِيبٍ مَوْلَى عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ أَبِي مُرَاوِحٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِهِ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ فَتُعِينُ الصَّانِعَ أَوْ تَصْنَعُ لِأَخْرَقَ ـ

کچھ تغیر کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بھی سابقہ حدیث کی طرح منقول ہے۔

۲۵۲ ـ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنِ الْوَلِيدِ ابْنِ الْعَيْزَارِ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِيَاسٍ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ ؟ قَالَ الصَّلَاةُ لِوَقْتِهَا قَالَ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمَا تَرَكْتُ أَسْتَزِيدُهُ إِلَّا إِرْعَاءً عَلَيْهِ ـ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ فرمایا نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔ میں نے عرض کیا پھر اس کے بعد کونسا؟ فرمایا والدین کے ساتھ حسن سلوک اور نیکی کرنا، میں نے عرض کیا پھر کونسا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا، پھر میں نے مزید سوال کرنا چھوڑ دیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر گراں نہ ہو۔

۲۵۳ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ الْفَزَارِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو يَعْفُورٍ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ الْعَيْزَارِ عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ ! أَيُّ الْأَعْمَالِ أَقْرَبُ إِلَى الْجَنَّةِ ؟ قَالَ الصَّلَاةُ عَلَى مَوَاقِيتِهَا قُلْتُ وَمَاذَا يَا نَبِيَّ اللَّهِ ؟ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ وَمَاذَا يَا نَبِيَّ اللَّهِ ؟ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ـ

ابوعمرو الشیبانی کہتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن مسعود نے حدیث بیان کی کہ میں نے حضور علیہ السلام سے پوچھا یا نبی اللہ! کونسا کام جنت سے زیادہ نزدیکی پیدا کرتا ہے آپ نے فرمایا: نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا میں نے عرض کیا اس کے بعد اور کونسا یا نبی اللہ! فرمایا: والدین کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا معاملہ کرنا۔ میں نے عرض کیا یا نبی اللہ! اس کے بعد پھر کونسا؟ فرمایا! اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنا۔

۲۵٤ ـ وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ الْعَيْزَارِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا عَمْرٍو الشَّيْبَانِيَّ قَالَ حَدَّثَنِي صَاحِبُ هَذِهِ الدَّارِ وَأَشَارَ إِلَى دَارِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ ؟ قَالَ الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ ثُمَّ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي بِهِنَّ وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي ـ

ابوعمرو شیبانی سے روایت ہے کہ مجھ سے اس گھر والے نے بیان کیا اور اس نے عبداللہ بن مسعود کے گھر کی طرف اشارہ کیا فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کونسا عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: والدین کے ساتھ نیکی کرنا میں نے دریافت کیا پھر کونسا عمل فرمایا؟ نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا۔ میں نے دریافت کیا پھر کونسا عمل؟ فرمایا: راہ خدا میں جہاد کرنا۔ آپ نے ان ہی کاموں کا مجھے بتلایا اگر میں اور زیادہ دریافت کرتا تو اور زیادہ بتلا دیتے۔

۲۵۵۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهُ وَزَادَ وَاَشَارَ اِلٰى دَارِ عَبْدِاللّٰهِ وَمَا سَمَّاهُ لَنَا۔

شعبہ نے اسی سند کیساتھ یہ روایت بیان کی ہے لیکن اس میں یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے گھر کی طرف اشارہ کیا لیکن ان کا نام نہیں لیا۔

۲۵۶۔ **حَدَّثَنَا** عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِيْ عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اَوِ الْعَمَلِ الصَّلَاةُ لِوَقْتِهَا وَبِرُّ الْوَالِدَيْنِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام اعمال میں افضل عمل اپنے وقت پر نماز کی ادائیگی اور والدین کے ساتھ نیکی کرنا ہے۔

## سوال

مذکورہ روایات میں افضل اعمال کا سوال کیا گیا ہے آنحضرت نے مختلف جوابات دیے ہیں حالانکہ افضل عمل تو ایک ہو سکتا ہے ؟

## جواب

اس سوال کے جوابات اس سے پہلے لکھے جا چکے ہیں مگر کچھ مزید وضاحت کے ساتھ دوبارہ لکھتا ہوں۔

### پہلا جواب

یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے مخاطب کے اعتبار سے مختلف جوابات دیے ہیں جس میں جو کمی تھی اس پر تنبیہ کی کہ تیرے لئے سب سے افضل عمل یہی ہے۔

### دوسرا جواب

یہ ہے کہ آنحضرت نے زمانے کا لحاظ رکھ کر جواب دیا ہے تو رمضان میں روزہ کو افضل فرمایا حج کے ایام میں حج کو افضل فرمایا اور جہاد کے موقع پر جہاد کو سب سے افضل فرمایا وغیرہ وغیرہ۔

تیسرا جواب

یہ ہے کہ افضل ایک نوع ہے اس کے تحت بہت سارے افراد ہیں تو ہر فرد کو افضل کہا جا سکتا ہے، یہ بھی افضل ہے وہ بھی افضل ہے کیونکہ ایک نوع کے افراد میں آپس میں تضاد نہیں ہوتا ہے بلکہ توافق ہوتا ہے امام طحاوی نے یہی جواب دیا ہے۔

چوتھا جواب

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے دیا ہے کہ افضل ہونے میں اعتبارات مختلف ہیں مثلاً صدیق اکبر ارحم امتی کے اعتبار سے افضل ہیں عمر فاروق اشدھم فی امر اللہ کے اعتبار سے اور حضرت عثمان اصدقہم حیاء عثمان اور حضرت علی اقضاھم علی کے اعتبار سے افضل ہیں جب اعتبارات مختلف ہوں تو اس میں تضاد و تعارض نہیں ہوتا ہے۔

پانچواں جواب

تطبیق کی صورت میں اس طرح ہے کہ عقائد کے باب میں ایمان باللہ سب سے افضل ہے اور اعمال میں بعض حقوق اللہ اور بعض حقوق العباد ہیں حقوق اللہ میں بعض صرف بدنی عبادات ہیں اور بعض صرف مالی اور بعض مالی اور بدنی دونوں کا مجموعہ ہے حقوق العباد میں والدین اور عام مسلمانوں کے حقوق ہیں۔

اب دیکھو کہ حقوق اللہ کے اعتبار سے بدنی عبادات میں وقت پر نماز پڑھنا سب سے افضل ہے مالی عبادات میں زکوۃ سب سے افضل ہے اور مالی و بدنی عبادات کے مجموعہ میں حج سب سے افضل ہے اور جان کی قربانی میں جہاد سب سے افضل ہے اور حقوق العباد کے اعتبار سے والدین کے ساتھ نیکی کرنا اور عام لوگوں کو کھانا کھلانا اور خوش اخلاق سے پیش آنا اور ان کو اپنے شر سے محفوظ رکھنا سب سے افضل ہے۔

## باب كون الشرك اقبح الذنوب وبيان اعظمها بعده

## شرک اور شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ

اس باب میں امام مسلم نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۲۵۷۔ **حَدَّثَنَا** عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ وَقَالَ عُثْمَانُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيلَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللَّهِ ؟ قَالَ أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ قَالَ قُلْتُ لَهُ إِنَّ ذَلِكَ لَعَظِيمٌ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ مَخَافَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ ثُمَّ أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت

کیا کہ کونسا گناہ اللہ کے نزدیک سب سے عظیم ہے؟ فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے باوجود کہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ بلاشبہ یہ تو بہت بڑا گناہ ہے میں نے کہا کہ اس کے بعد کونسا گناہ فرمایا کہ تو اپنے بچے کو اس اندیشہ وخوف سے قتل کردے کہ وہ تیرے ساتھ کھانے میں شریک ہوگا میں نے عرض کیا اس کے بعد کونسا؟ فرمایا کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔

## تشریح

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے، قدیم الاسلام ہیں، بعض نے کہا چھٹے مسلمان ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگے رہے، یہاں تک کہ لوگ ان کو گھر کا آدمی سمجھنے لگے، آنحضرت کے وضو کا لوٹا، جائے نماز، مسواک کی خدمت آپ کے ذمہ تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دان بھی تھے، حبشہ کی ہجرت کی، پھر بدر میں شریک ہوئے اور بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جنتی ہونے کی شہادت دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

"رضیت لامتی مارضی لہا ابن ام عبد و سخطت لہا ما سخط لہا ابن ام عبد"۔

میں اپنی امت کے لئے اس حکم پر راضی ہوں جس کے لئے ابن مسعودؓ ہے اور اس حکم سے ناخوش ہوں جس سے ابن مسعود ناخوش ہو۔

آپ چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے اور سیرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے، کوفہ کے قاضی اور معلم مقرر ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل کوفہ سے فرمایا کہ میں اپنے آپ پر تمہیں ترجیح دے دی کہ ابن مسعود تمہیں دے دیا، پھر فرمایا "کُنَیفٌ مُلِئَ عِلْماً" یعنی علم کا بھرا ہوا کمرہ ہے علم کا کھٹلہ ہے، ۳۲ھ میں مدینہ میں انتقال ہوا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے آپ کی عمر ساٹھ سال سے کچھ زیادہ تھی۔

"ای ذنب اکبر" الذنب مایذم بہ الاتی شرعاً، علامہ میر سید سند شریف نے ذنب کی تعریف اس طرح کی ہے "الذنب مایحجبک عن اللہ"۔ (تعریفات حرف دال) یعنی ہر وہ چیز جو حجاب بن کر تجھے اللہ تعالیٰ سے دور کرے وہ ذنب ہے، علماء نے معاصی میں ترتیب اس طرح رکھی ہے کہ سب سے پہلے خطا ہے پھر سیئہ ہے پھر ذنب ہے اور پھر سب سے بڑا گناہ معصیت و معاصی ہیں۔

## ذنب کی چار قسمیں ہیں

۱۔ ایک قسم وہ ہے کہ جو بغیر توبہ وایمان معاف نہ ہو وہ کفر ہے۔

۲۔ دوسری قسم وہ ہے جس کی مغفرت کی امید استغفار اور حسنات کے ذریعہ سے کی جاتی ہے وہ صغائر ہیں۔

۳۔ اور تیسری قسم وہ ہیں جو اللہ کی مشیت کے تحت ہو جو توبہ اور بغیر توبہ دونوں صورتوں میں معاف ہوسکتے ہیں وہ حقوق اللہ ہیں۔

۴۔ اور چوتھی قسم وہ گناہ ہیں جو بدلہ دینے یا معاف کرانے کے بغیر معاف نہیں ہوتے ہیں وہ حقوق العباد ہیں۔

"ندا" ای مثلاً ونظیرا فی الدعاء والعبادۃ۔ کفر کی اقسام میں شرک کو خاص کر بیان فرمایا، اس لئے کہ ﴿ان الشرک لظلم عظیم﴾ میں شرک کو عظیم ظلم کہا گیا ہے۔

"وھو خلقك" میں شرک کی مزید شناعت وقباحت کی طرف اشارہ کردیا ہے کہ تم نہ تھے اس نے وجود بخشا جب بولنے لگے تو شرک کیا، یہ جملہ حالیہ ہے۔ "ثم ای" یہاں "ای" کا لفظ استفہام کے لئے ہے، ای "ای الشیء اکبر من الذنب بعد الکفر" یہاں یہ ثم تراخی زمانہ یا تراخی رتبہ کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ یہ تراخی فی الاخبار کے لئے ہے۔

"تقتل ولدك" شرک کے بعد نفس مسلم کا قتل سب سے بڑا گناہ ہے، پھر چھوٹے معصوم کو قتل کرنا دوسرا گناہ ہے پھر قتل بھی بدترین انداز سے کہ زندہ درگور کردیا یہ تیسرا جرم ہے۔ پھر خوف رزق سے قتل کرنا کہ میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کیوں کھائے؟ اور اللہ تعالیٰ کو رازق نہ سمجھنا یہ چوتھا جرم ہے، صلہ رحمی کو نظر انداز کر کے قتل کرنا یہ پانچواں گناہ ہے، اس لئے اس کو شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا۔ بلکہ حضرت ابن عباسؓ کا مسلک ہے کہ عمداً قتل کرنے والا مسلمان نہیں رہتا اور ہمیشہ جہنم میں رہیگا وہ فرماتے ہیں کہ سورۃ فرقان میں قاتل کی توبہ کی جو بات ہے وہ اس کافر کے لئے ہے جو بعد میں مسلمان ہوجائے مسلمان قاتل کا حکم سورت نساء میں ہے کہ ہمیشہ دوزخ میں رہیگا۔

زمانہ جاہلیت میں دو قسم کے عرب اولاد کو قتل کیا کرتے تھے، ایک تو وہ لوگ تھے جو فی الحال غریب ومفلس تھے ان کو اولاد کے پالنے اور کھلانے کا غم تھا قرآن کریم نے عجیب بلاغت سے ان کو سمجھایا ﴿ولا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقکم وایاھم﴾ اولاد کے کھلانے کو مؤخر کیا کیونکہ ان لوگوں کو فی الحال اپنے کھانے کی پریشانی تھی پہلے اسی وہم کو قرآن نے دور کردیا، دوسرے وہ لوگ اولاد کو مارتے تھے جو فی الحال تو مالدار تھے مگر آئندہ فقیر ہونے کا خوف تھا ان کے لئے فرمایا ﴿ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم﴾ یہاں اولاد کے کھلانے کو مقدم کیا کہ تم کو ان کا زیادہ خوف ہے تو ہم ان کو بھی دیں گے اور تم کو بھی فی الحال دے رہے ہیں، یہ قرآن عظیم کی عظیم بلاغت اور عجیب اسلوب بیان ہے۔

"ان یطعم معك" یہ کوئی قید احترازی نہیں ہے بلکہ یا تو قید اتفاقی ہے کہ وہ لوگ اسی کی وجہ سے اولاد کو مارتے تھے۔ یا یہ مزید شناعت وقباحت ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ تیرے پیالہ میں تیرے گوشہ جگر نے ہاتھ ڈال کر ایک لقمہ اٹھایا اس پر اس کو قتل کردیا، شرم کرو ڈوب مرو۔

"وان تزانی حلیلۃ جارك" تزانی اور تزنی، دو لغت ہیں زنا کے معنی میں ہیں حلیلہ بیوی کو کہتے ہیں تزانی میں مفاعلہ کا معنی پڑا ہے اور زنا طرفین ہی سے ہوتا ہے اور حلیلہ یا حلال سے ہے تو بیوی شوہر کے لئے حلال بھی ہوتی ہے اور اس میں حلول بھی ہوتا ہے۔

اس گناہ کو اکبر الکبائر میں سے اس لئے شمار کیا ہے کہ ایک تو اس میں زنا ہے، دوسرا اس جگہ میں ہے جو اسی کی پناہ وپڑوس میں ہے

تو اس میں ایک تو ابطال حق جوار آگیا، دوسرا اس میں خیانت آگئی، تیسرا اس سے معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے کیونکہ پڑوسی اگر خائن اور چور بن جائے تو اس سے بچاؤ بہت مشکل ہے، پھر ہر آدمی اپنے گھر کا چوکیدار بن جائے گا اور کسی کام کے لئے باہر نہیں جا سکے گا۔

## سوال

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ہاں کبائر کی تعداد (۷۰) ستر ہے، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کی تعداد سات سو ہے، ابو طالب مکی کے ہاں ستر ہے، مذکورہ حدیث میں تین کا ذکر ہے، بعض میں چار کا ذکر آیا ہے اور کسی روایت میں سات کا ذکر آیا ہے تو اس کی کیا وجہ ہے ؟

## جواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطب کی احتیاج کے تحت کا کبائر کا ذکر فرمایا ہے، احصاء اور پوری گنتی مقصود نہ تھی، نہ تحدید کا آپ نے ارادہ کیا ہے، نیز عدد میں تعارض نہیں ہوتا، یہاں ہر گناہ کے ساتھ جو قید لگی ہوئی ہے یہ مزید تقبیح اور تشنیع وشناعت کے لئے ہے جیسا کہ اس کی تشریح ہوگئی ہے۔

۲۵۸۔ **حَدَّثَنَا** عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعًا عَنْ جَرِيرٍ قَالَ عُثْمَانُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيلَ قَالَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ قَالَ رَجُلٌ يَارَسُولَ اللّٰهِ ! أَيُّ الذَّنْبِ أَكْبَرُ عِنْدَاللّٰهِ ؟ قَالَ أَنْ تَدْعُولِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ قَالَ ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ مَخَافَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ قَالَ ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ تَصْدِيقَهَا ﴿وَالَّذِينَ لَايَدْعُونَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا﴾ (الفرقان : ٦٨)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا کہ اللہ کے ساتھ تو کسی کو شریک ٹھہرائے باوجود اس کے کہ اس نے تجھے پیدا کیا۔ اس نے کہا پھر کونسا گناہ ؟ فرمایا کہ اپنے لڑکے کو تو اس خوف سے قتل کردے کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھائے گا۔ اس نے کہا پھر کونسا؟ فرمایا کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق وتائید ان آیات سے کی ﴿والذین لایدعون سے یلق اثاما تک﴾۔

# باب بیان الکبائر واکبرھا

## عام کبائر اور سب سے بڑے کبیرہ کا بیان

اس باب میں امام مسلم نے چھ احادیث کو بیان کیا ہے۔

یہاں ایک تنبیہ کی بھی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے کبائر کے عنوان سے لیکر باب الوسوسۃ تک عمومی طور پر کبائر ہی کا ذکر فرمایا ہے لہٰذا یہ ایک ہی باب ہونا چاہئے تھا مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہاں علامہ نووی نے بہت سارے عنوان قائم کردیے ہیں۔اس سے پہلے "کون الشرك اقبح الذنوب وبیان اعظمہابعدہ "کو عنوان بنا کر رکھدیا جو سمجھ سے بالاتر ہے جس کی بالکل ضرورت نہیں تھی یہی مذکورہ ایک عنوان سب کی طرف سے باب الوسوسہ تک کافی تھا۔ساری احادیث بھی اپنے مضمون کے اعتبار سے ایک جیسی ہیں۔لیکن اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ۔

مَا کُلُّ مَا یَتَمَنَّی الْمَرْءُ یُدْرِکُہ     تَجْرِیْ الرِّیَاحُ بِمَا لَاتَشْتَهِی السُّفُنُ

یعنی سب چیزیں انسان کی چاہت کے مطابق نہیں ہوتی کچھ چیزیں طبیعت کے خلاف بھی آتی ہیں۔

ع فکم من حسرۃ تحت التراب

بہر حال اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے کبائر اور اکبرالکبائر گناہوں کو بیان کیا ہے،لیکن اس کی تفصیل میں جانے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ کبائر وصغائر کی تقسیم کس طرح ہے نیز صغیرہ وکبیرہ کی تعریف کیا ہے اور علماء کرام کے اقوال کیا ہیں تو لیجئے۔

## گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی تقسیم میں اختلاف

قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ "کل شئی نھی اللہ عنہ فھو کبیرۃ" استاذ ابو اسحاق اسفرائنی شافعی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں "کل شئی نھی اللہ عنہ فھو کبیرۃ" نیز قیاس کا بھی تقاضا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخالفت کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کے پیش نظر گناہ کبیرہ ہونا چاہئے۔اس لئے یہ محققین حضرات کبیرہ اور صغیرہ کی طرف گناہ کی تقسیم نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک سارے گناہ کبیرہ ہیں لیکن جمہور امت سلفاً وخلفاً کے نزدیک گناہ میں صغیرہ اور کبیرہ کی تقسیم جاری ہے۔بدلیل قول اللہ تعالیٰ

﴿ان تجتنبوا کبائر ماتنھون عنہ﴾الآیۃ،ای کبائر الذنوب،نکفر سیئاتکم ای نغفر لکم صغائر کم،کمافی البیضاوی۔

اس قرآنی آیت کے علاوہ احادیث الباب کی کئی احادیث بھی اس پر واضح دلالت کرتی ہیں کہ گناہ کی تقسیم صغیرہ وکبیرہ کی طرف ہوتی ہے اسی لئے امام غزالی رحمہ اللہ نے کتاب البسیط میں لکھا ہے کہ کبیرہ گناہ اور صغیرہ میں فرق نہ کرنا یا اس فرق کا انکار کرنا، نادانی اور نا سمجھی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کے قول کا جواب یہ ہے کہ انہی سے یہ قول بھی منقول ہے۔

"کل ذنب ختم الله علیه النار او العذاب او اللعنة او الغضب فهو کبیرة والا فهو صغیرة"۔

ان کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ گناہ کی دو نسبتیں ہیں ایک اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی نسبت ہے، اس نسبت کی وجہ سے اگر چہ سب گناہ کبیرہ ہیں لیکن گناہوں کی دوسری نسبت ان کے آپس میں ہے، اس میں بعض گناہ بعض دوسرے گناہوں سے بڑے یا چھوٹے ہوتے ہیں، اسی اعتبار سے جمہور کے ہاں گناہوں کی تقسیم کبیرہ اور صغیرہ کی طرف ضروری ہے۔

## صغیرہ اور کبیرہ گناہ کی تعریف میں اختلاف

پھر جمہور کے ہاں آپس میں کبائر اور صغائر کی تعریف میں بڑا اختلاف ہے اور مختلف اقوال ہیں سب کے نقل کرنے میں فائدہ ہے۔

### پہلا قول

یہ کہ جو گناہ نماز، روزہ، حج وغیرہ حسنات سے معاف نہیں ہوتے وہ کبائر ہیں اور جو گناہ اعمال حسنہ سے معاف ہو جاتے ہیں وہ صغیرہ ہیں۔

### دوسرا قول

بعض محققین ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کی روشنی میں کبیرہ ہر اس گناہ کو کہتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے دوزخ کا حتمی وعدہ کیا ہو یا عذاب یا لعنت اور یا غضب کا قطعی حکم دیا ہو اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ صغیرہ ہے۔

### تیسرا قول

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: "الاقرب ان الکبیرة کل ذنب کتب الشارع علیه حدا او صرح بالوعید فیه والا فصغیرة"۔

### چوتھا قول

بعض حنفیہ نے فرمایا کہ ہر وہ گناہ جس کے لئے شریعت نے "فاحشة" کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس پر منصوص سے دنیوی یا اخروی عقوبت کو مقرر کیا ہے وہ کبیرہ ہے ورنہ صغیرہ ہے۔

### پانچواں قول

امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہر گناہ اپنے مافوق کے اعتبار سے صغیرہ اور اپنے ماتحت کے اعتبار سے کبیرہ ہے۔

### چھٹا قول

ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو گناہ دوسرے گناہوں کے لئے وسیلہ اور ذریعہ کی حیثیت رکھتا ہے، وہ صغیرہ ہے جیسے "النظر الی الاجنبیة واللمس" جو ذریعہ زنا ہے یہ جب تک ذرائع کے درجہ میں ہیں تو صغیرہ ہیں اور جو گناہ مقصود بالذات ہو جیسے زنا تو وہ کبیرہ ہے، اس تعریف کو حضرت قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے پسند فرمایا اور شیخ الہند محمود حسن رحمہ اللہ نے سورۃ نساء آیت نمبر ۳۱ کی

تفسیر میں کبیرہ اور صغیرہ پر جو مفصل محقق مدقق کلام کیا ہے وہ بھی اسی تعریف کے قریب قریب ہے۔

## ساتواں قول

ملاعلی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی رجال اور اشخاص کے احوال کے پیش نظر گناہ کی حالت کبیرہ یا صغیرہ ہو جاتی ہے ایک گناہ ایک شخص کے لئے کبیرہ ہے تو دوسرے کے لئے صغیرہ ہے مثلاً غیر عالم کے لئے ایک گناہ صغیرہ سمجھا جاتا ہے مگر وہی گناہ عالم کے لئے کبیرہ تصور کیا جاتا ہے، ایک گناہ مقبول بندہ بارگاہِ الٰہی کے لئے کبیرہ شمار کیا جاتا ہے، مگر غیر مقبول بندہ کے لئے وہی گناہ صغیرہ سمجھا جاتا ہے اسی لئے کہا گیا ''حسنات الابرار سیئات المقربین'' اور کہا گیا ہے۔

لَا یَحْقِرُ الرَّجُلُ الْكَبِیْرُ دَقِیْقَةً  فِی السَّهْوِ فِیْهَا لِلْوَضِیْعِ مَعَاذِرُ

فَكَبَائِرُ الرَّجُلِ الصَّغِیْرِ صَغَائِرُ  وَصَغَائِرُ الرَّجُلِ الْكَبِیْرِ كَبَائِرُ

ترجمہ: ''بڑا آدمی چھوٹے گناہ کو حقیر نہ سمجھے کیونکہ ان کی بھول کو بھی کمتر آدمی اپنے لئے عذر اور جواز بنادے گا۔

پس چھوٹے آدمی کے کبائر بھی صغائر سمجھے جاتے ہیں مگر مقتدا اور بڑے آدمی کے صغائر کو بھی کبائر سمجھا جاتا ہے''۔

## آٹھواں قول

بعض نے کہا ہے کہ حالات اور مکان کے اعتبار سے گناہ میں فرق آجاتا ہے، مثلاً بیت اللہ کے اندر اور زمین حرم میں دل کا وسوسہ بھی بڑا گناہ ہے، مگر حرم سے باہر کچھ نہیں یا ایک گناہ مسجد کے اندر کیا گیا تو وہ کبیرہ ہے لیکن وہی گناہ مسجد سے باہر صغیرہ بن جاتا ہے۔

اس کے بعد یہ بات سمجھ لیں کہ کبائر کی تعداد جو احادیث میں وارد ہے یہ کوئی حتمی نہیں ہے بلکہ مختلف احوال کے مطابق کبھی کم اور کبھی زیادہ بیان کی گئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ عدد ستر تک جا پہنچا ہے، مظاہر حق والے نے کبائر کی تعداد ۴۸ لکھی ہے اور مظاہر حق نے سب کو ذکر بھی کیا ہے بعض احادیث میں سات کا ذکر آتا ہے۔ علامہ ابی مالکی، علامہ نووی شافعی، علامہ شبیر احمد عثمانی حنفی سب نے لکھا ہے کہ صغیرہ گناہ پر اصرار کرنے سے وہ کبیرہ بن جاتا ہے یہ حضرات حضرت ابن عباسؓ کے اس قول کو نقل کر کے استدلال کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا:

''لا کبیرۃ مع الاستغفار ولا صغیرۃ مع الاصرار''۔

یعنی توبہ واستغفار کے ساتھ کوئی گناہ کبیرہ نہیں رہتا اور بار بار کرنے سے کوئی گناہ صغیرہ نہیں رہتا۔

بار بار گناہ کرنے کو اصرار کہتے ہیں اس کے لئے کوئی حد بندی نہیں ہے مثلاً ایک شخص نسوار یا تمبا کو والا پان کھاتا ہے اور مسلسل کھاتا ہی رہتا ہے یا سگریٹ پیتا ہے تو ہمیشہ کے لئے پیتا ہی رہتا ہے۔ یہ اصرار علی الصغیرہ ہے جو کبیرہ بن جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

۲۵۵۔ حَدَّثَنِی عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ بُكَیْرِ بْنِ مُحَمَّدٍ النَّاقِدُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِیلُ بْنُ عُلَیَّةَ عَنْ سَعِیدٍ الْجُرَیْرِیِّ حَدَّثَنَا

عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِیْ بَکْرَۃَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ کُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِاَکْبَرِ الْکَبَائِرِ؟ ثَلَاثًا اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَشَہَادَۃُ الزُّوْرِ اَوْ قَوْلُ الزُّوْرِ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَّکِئًا فَجَلَسَ فَمَازَالَ یُکَرِّرُھَا حَتّٰی قُلْنَا لَیْتَہٗ سَکَتَ!

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر خدمت تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں کبیرہ گناہ نہ بتلاؤں؟ تین بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اور پھر فرمایا (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا (۲) والدین کی نافرمانی کرنا (۳) جھوٹی گواہی یا جھوٹی بات کہنا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے، پھر آپ بیٹھ گئے اور مسلسل اسی بات کا اعادہ فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم کہنے لگے کہ کاش آپ خاموش ہو جائیں۔

## تشریح

''الاشراک باللہ'' یہاں شرک سے مراد مطلقاً کفر ہے لیکن شرک کا لفظ اس لئے اختیار کیا گیا کہ عرب لوگ کفر کے درجہ شرک اور شعبۂ شرک میں مبتلا تھے۔ مشرک اللہ تعالیٰ کے وجود کا قائل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا بھی انکار نہیں کرتا ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ ذات یا صفات یا عبادات میں دوسروں کو حصہ دار بناتا ہے۔ اور کافر یا تو اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کرتا ہے یا ضروریات دین میں سے کسی اہم ضرورت کا انکار کرتا ہے، شرک اور کفر اور مشرک و کافر میں یہی فرق ہے۔

## شرک کی دو قسمیں ہیں

ایک شرک اکبر ہے جو اوپر بیان ہوا، دوسرا شرک اصغر ہے: جو ریا کاری دکھاوے اور تصنع و سمع فی العبادۃ کا نام ہے جو مخلوق کو دکھانے کے لئے کی جائے شرک کی تفصیل آگے آنے والی ہے۔

''وعقوق الوالدین'' العق ھو الشق والعاق یقطع حقوق ابویہ، ایذاء رسانی کا ہر قول وعمل عقوق والدین میں داخل ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے، ہاں والدین کے خلاف شرع حکم ماننا جائز نہیں ہے کیونکہ ''لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق'' ''والدین'' سے مراد مومن والدین ہیں اور پھر اس میں اجداد وجدات سب داخل ہیں۔ عقوق والدین کو اشراک باللہ کے ساتھ جوڑ دیا جس سے اشارہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ انسان کے وجود کا حقیقی خالق و مالک ہے، اس کے بعد مجازی طور پر والدین اپنے بیٹے کے وجود کے لئے ظاہری سبب ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کے ساتھ والدین کے حقوق کو جوڑ کر فرمایا ﴿وقضٰی ربک ان لاتعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا﴾ بخاری کی روایت میں اور دوسری جگہ صحیح مسلم کی روایت میں یمین غموس کا ذکر بھی ہے تو اس کی تشریح بھی لکھی جاتی ہے۔

"والیمین الغموس" غموس غمس سے غوطہ کھانے کے معنی میں ہے چونکہ یمین غموس کے لئے کوئی کفارہ نہیں ہوتا تو بس دوزخ کی آگ میں غوطہ ہی کھائے گا۔ یہی اس کی سزا ہے یمین غموس اس قسم کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص زمانہ ماضی کے کسی فعل یا واقعہ پر دانستہ طور پر جھوٹی قسم کھائے، یہ قسم اس لئے کبیرہ گناہ ہے کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کا نام بطور ضمانت استعمال کیا اور اس میں جھوٹ کہہ دیا۔ ایک یمین منعقدہ ہے جس میں کفارہ دینا پڑتا ہے، وہ اس کو کہتے ہیں کہ ایک شخص مستقبل میں کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھاتا ہے اور پھر اس کی خلاف ورزی کرتا ہے، تیسری قسم یمین لغو ہے وہ زبان پر چڑھے ہوئے ان کلمات کا نام ہے جن سے قسم کا ارادہ نہیں کیا جاتا ہے بس تکیہ کلام ہوتا ہے جیسے عربی میں لا واللہ وغیرہ کلمات ہوتے ہیں، اردو میں کہتے ہیں "قسم سے کہہ رہا ہوں، قسم ہے خدا کی" وغیرہ وغیرہ ان کلمات کا ارتکاب بھی مناسب نہیں ہے تاہم اس قسم میں باقاعدہ گرفت نہیں ہے۔
قسم کھانے کی اسلام میں اجازت ہے لیکن اس کی حفاظت کا بھی اسلام حکم دیتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے نام کی توہین نہ ہو، امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے زندگی میں کبھی نہ سچی قسم کھائی ہے نہ جھوٹی۔ باب الایمان میں تمام قسموں کی تفصیل مذکور ہے۔
"وشهادة الزور" جھوٹی شہادت یہ ہے کہ جس سے کسی کا حق باطل کیا جائے یا مال دبا دیا جائے یہ بھی کبائر میں سے ایک کبیرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاضر جان کو جھوٹ بولتا ہے، ورنہ وہ بھی ناحق مال دبانے کے لئے۔
"لیته سکت" یعنی آنحضرت بیٹھ گئے اور نہایت اہتمام کے ساتھ شہادت الزور کے الفاظ کو دہراتے رہے ہم نے کہا کہ ہم تو سمجھ چکے ہیں اب آنحضرت کو تکلیف ہو رہی ہے کاش اگر آپ خاموش ہو جاتے تو تکلیف ختم ہو جاتے آنحضرت نے جھوٹی گواہی کو نہایت اہتمام سے بیان کیا اس سے جھوٹی گواہی کی شناعت وقباحت ومضرت واضح ہوگئی کیونکہ جھوٹی گواہی معاشرہ کی تباہی ہے۔

۲۶۰ ـ وَحَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ وَهُوَ ابْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْكَبَائِرِ قَالَ الشِّرْكُ بِاللَّهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَقَوْلُ الزُّورِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی، کسی جان کا قتل کرنا اور جھوٹی بات ہے۔

۲۶۱ ـ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ بْنِ عَبْدِ الْحَمِيدِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ الْكَبَائِرَ أَوْ سُئِلَ عَنِ الْكَبَائِرِ فَقَالَ الشِّرْكُ بِاللَّهِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَالَ أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟ قَالَ قَوْلُ الزُّورِ أَوْ قَالَ شَهَادَةُ الزُّورِ قَالَ شُعْبَةُ وَأَكْبَرُ ظَنِّي شَهَادَةُ الزُّورِ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبائر کا تذکرہ فرمایا: یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبائر کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کیساتھ شرک کرنا، کسی جان کا قتل کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا ہے۔ اور فرمایا کہ میں تمہیں کبائر میں سب سے کبیرہ گناہ نہ بتلاؤں؟ وہ جھوٹی بات جھوٹی گواہی

ہے۔شعبہ فرماتے ہیں کہ میرا غالب گمان یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی گواہی فرمایا۔

۲۶۲ ـ حَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الأَيْلِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ ابْنُ بِلالٍ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ قِيلَ يَارَسُولَ اللّٰهِ! وَمَا هُنَّ؟ قَالَ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ وَأَكْلُ الرِّبَا وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلاتِ الْمُؤْمِنَاتِ ـ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات ہلاک وبرباد کرنی والی باتوں سے اجتناب کرو، کہا گیا کہ وہ سات باتیں کونسی ہیں؟ فرمایا: (۱) شرک مع اللہ (۲) جادو (۳) جس نفس کا قتل اللہ نے حرام کردیا ہے اسے قتل کرنا مگر کسی حق کے عوض۔(۴) یتیم کا مال کھانا (۵) سود کھانا (۶) جنگ کے روز دشمن سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا (۷) اور پاکدامن مؤمن عفیفہ عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانا۔

## تشریح

''قال الشرك بالله'' شرک ایک گھناونا جرم ہے جو عقل ودانش کے حوالہ سے فطرت انسانی پر ایک بدنما داغ ہے اور جناب باری تعالیٰ کی ذات وصفات کی عظمت میں بڑی کوتاہی اور بڑا ظلم ہے، جس میں غیر شعوری طور پر ایک شخص گویا یہ تصور قائم کرتا ہے کہ میرا فلاں کام فلاں بزرگ کرے گا، اس کے کرنے میں نہ دیر ہے نہ اندھیر ہے اور اللہ تعالیٰ یہ کام یا نہیں کرتا ہے یا نہیں کرسکتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں عظیم تنقیص وتوہین اور ظلم عظیم ہے کیونکہ جس پروردگار کے ہاتھ میں ذرہ ذرہ کا تصرف اور اختیار کلی اور قدرت کاملہ موجود ہے اس کو غیر شعوری طور پر کمزور بلکہ مفلوج جان کر مشرک اوروں کے پیچھے دوڑنے لگتا ہے، مشرک یہ عقیدہ رکھے یا نہ رکھے لیکن اس کے فعل اور طرز عمل کا نتیجہ یہی ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ جس گناہ پر ناراض ہوتا ہے وہ شرک کا گناہ ہے فرمایا۔﴿ان الشرك لظلم عظيم﴾ اور ﴿ان الله لايغفر ان يشرك به ويغفر مادون ذلك لمن يشاء﴾ اور فرمایا ﴿ومن يشرك بالله فكأنما خر من السماء﴾۔

خلاصہ یہ کہ شرک انسانی فطرت سے سعادت کا تخم اور استعداد جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے اور انسان کی روحانی ترقی کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے شرک سے ایک انسان اپنے خالق پر سب سے بڑا افتراء باندھتا ہے اور اپنی تخلیق اور فطری استعداد کے خلاف بغاوت کرتا ہے اس لئے حدیث پاک میں اس کو بڑے بڑے مہلکات میں سرفہرست رکھا گیا ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ شرک کی تعریف میں لکھتے ہیں، کہ شریعت کی اصطلاح میں شرک اسے کہتے ہیں کہ جو صفات خاص اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور میں ثابت کرنا شرک ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو بھی عالم الغیب

کہا جائے یا کسی دوسرے کو بھی کائنات میں متصرف اور قادر مانے، یا مصائب اور مشکلات کے وقت غائبانہ طور پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پیر وفقیر کو مدد کے لئے پکارے یا عبادات مالیہ اور عبادات قولیہ اور عبادات بدنیہ میں سے کسی عبادت کو غیر اللہ کے لئے کرے یہ سب شرک کی صورتیں ہیں۔ جیسا کو آج کل کے مشرک لوگ کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں

بندہ قادر کا بھی قادر ہے عبدالقادر سر باطن بھی ہے ظاہر بھی ہے عبدالقادر

ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی ہے مختار بھی ہے کار عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر

ایک موحد کو شرک سے بیزاری کے لئے سلطان باھو کے یہ اشعار یادر کھنے چاہئیں۔

یقین دانم دریں عالم کہ لا معبود الا ھو ولا مقصود فی الکونین و لا موجود الا ھو

چوں تیغ لا بدست آری بیا تنہا چہ غمداری مجوازغیر حق یاری لا فتاح الا ھو

## جادو کی تعریف واقسام

والسحر (۱) کل مالطف مأخذہ ودق فھو سحر (۲) اخراج الباطل فی صورۃ الحق (۳) مایفعل الانسان من الحیل۔
سحر اور جادو کے سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ چند خوارق عادت چیزوں کا ذکر ہو جائے چنانچہ خوارق عادت چیزیں کل سات ہیں۔

### قسم اول

''ارھاصات'' ہیں: یہ ایسے خارق عادت افعال ہوتے ہیں جو کسی نبی کی نبوت سے پہلے بطور تمہید اور نبی کی آمد سے پہلے آمد آمد کے اعلان کے لئے پیش آتے ہیں جیسے نبوت سے پہلے پتھروں اور درختوں کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنا بادل کا سایہ کرنا پیدائش کے وقت عالم انسان پر انقلابی واقعات کا پیش آنا سب ''ارھاصات'' تھے۔

### قسم دوم

''معجزات'' ہیں: یہ ایسے خارق عادت امور ہیں جو کسی نبی کی دعوی نبوت کے اثبات اور اس کی تصدیق کے لئے اور مخالفین کو عاجز کرنے کے لئے مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہو جاتے ہیں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر قمر اور چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا اور انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹنا وغیرہ وغیرہ سارے معجزات ہیں۔

### قسم سوم

''کرامات'' ہیں: یہ ایسے خارق عادت امور ہیں جو متبع سنت اور صاحب ایمان شخص کے ہاتھ پر اس کے اعزاز واکرام کے طور پر ظاہر ہوتے ہیں، پیغمبر کو اپنے معجزہ کا علم بھی ہوتا ہے اور قصد بھی ہوتا ہے مگر ولی کے لئے یہ ضروری نہیں۔

## قسم چہارم

''معونات'' ہیں: یہ ایسے خارق عادت امور ہیں جو کسی مسلمان کی مدد واعانت کے لئے ظاہر ہوں جیسے حالت مجبوری ومخمصہ میں کسی کے سامنے کھانے آنا یا پانی پر چلنا یا ہوا میں اڑنا وغیرہ وغیرہ سب اعانت ومدد کی صورتیں ہیں۔

## قسم پنجم

''استدراج'' ہے: یہ ایسے خارق عادت امور کو کہتے ہیں جو کسی کافر کے ہاتھ یا فاسق فاجر کے ہاتھوں اس کے مقصود کے مطابق ظاہر ہو جائیں جیسے دجال کے احوال میں عجیب تصرفات کا ذکر ہے۔ یا اسود عنسی جھوٹے مدعی نبوت کے ہاتھوں سے عجائب کا ظاہر ہونا یہ سب استدراج ہے۔

## قسم ششم

''اہانات'' ہے: یہ ایسے خارق عادت امور ہیں جو کسی کافر کے ہاتھوں ظاہر ہوں لیکن اس کے مطلوب ومقصود کے خلاف ظاہر ہوں جیسے مسیلمہ کذاب نے کسی کانے یک چشم کی آنکھ پر ہاتھ پھیرا تا کہ یہ آنکھ درست ہو جائے تو اس شخص کی صحیح آنکھ بھی اندھی ہوگئی یا باغ میں وضو کا بچا ہوا پانی پھینکا تا کہ برکت آجائے تو باغ کے سارے درخت سوکھ گئے۔ یا کلی کر کے کنوئیں میں پانی پھینکا تو جو کنوئیں میں تھا وہ بھی خشک ہوگیا یا ایک بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کے دماغ نے کام چھوڑ دیا وغیرہ وغیرہ۔

## قسم ہفتم

''سحر اور جادو'' ہے: مگر اس کی حقیقت میں اختلاف ہے معتزلہ کے ہاں سحر کی کوئی حیثیت نہیں ہے یہ صرف وہم اور خیال وتصور ہے اور اس کے اثرات بھی اسی وہم کا ایک حصہ ہے، مگر جمہور اہل سنت کے ہاں سحر ایک نفس الامری حقیقت کا نام ہے جس کے ذریعہ سے انسان پر مخصوص کیفیات واثرات طاری کیے جاسکتے ہیں۔

## سحر وساحر کا حکم

سحر وساحر کے حکم میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ واحمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً ساحر کافر ہے واجب القتل ہے اور جادو کا سیکھنا سکھانا بھی کفر ہے، حرام ہے۔

میرے استاذ حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمہ اللہ نے اس موقع پر ایک جامع کلام ارشاد فرمایا تھا، کہ جو سحر ضروریات دین کے انکار پر مبنی ہو وہ کفر ہے کسی کا اس میں اختلاف نہیں اور جس میں کلمات شرکیہ ہوں وہ شرک ہے اور اگر سحر منافی اعمال صالحہ ہو تو گناہ کبیرہ ہے۔ اور اگر کوئی غلط عمل اس میں نہ ہو بلکہ اصلاح اور غرض صحیح کے لئے ہو مثلاً اصلاح بین الزوجین وغیرہ کے لئے ہو

یہ جادو مباح ہے (گویا یہ جادو مسلمان ہو گیا مگر دنیا میں ایسا صالح جادو کہاں ہے؟)۔

''التولی یوم الزحف'' یعنی میدان جہاد سے بھاگنا یہ کبیرہ گناہ ہے، میدان سے بھاگنے میں ایک عزیمت ہے کہ مجاہد میدان سے بالکل نہ بھاگے کیونکہ اس موت میں زندگی پڑی ہوئی ہے جب یہ عقیدہ ہو کہ موت میں حیات ہے تو کون بھاگے گا۔

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے　　　شہید کا جو خون ہے وہ خون کی زکوۃ ہے

دوم رخصت ہے کہ دو سے زیادہ کافروں سے بوقت مقابلہ بھاگنا جائز ہے دو سے کم سے بھاگنا یا دو سے بھاگنا کبیرہ ہے۔

''وقذف المحصنات'' گول پتھر اٹھا کر کسی کے سر پر دے مارنا یہ قذف ہے، پھر عفیفہ پاک دامن عورت پر تہمت باندھنے کے لئے استعمال ہونے لگا، یعنی پاک دامن، مسلمان اور آزاد شریف عورت پر تہمت لگانا کبیرہ میں سے ہے اگر عورت کافرہ ہے تو اس پر تہمت لگانا کبیرہ نہیں بلکہ صغیرہ ہے یہ کل سات مہلکات اور تباہ کن گناہ ہیں جن سے بچنا انتہائی ضروری ہے۔

## شرک کی تعریف واقسام

مندرجہ بالا احادیث میں کئی بار شرک واشراک کا نام آیا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں شرک کی تعریف اور اس کی اقسام کا بیان ہو جائے چنانچہ شرک کی تعریف اس طرح ہے شرک واشراک کا لغوی معنی شریک کرنا ہے اور اصطلاح میں شرک اسکو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں یا اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات میں کسی کو شریک کیا جائے مشرکین مکہ اور بت پرست لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ اپنے بتوں اور دیوتاؤں کو شریک بناتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات غیروں میں مانتے تھے جیسے غیر اللہ کو غائبانہ حاجات میں پکارنا غیر اللہ کے سامنے سجدہ لگانا یا اس کو غیب دان سمجھنا یا عبادت میں اس کے لئے حصہ مقرر کرنا جس طرح آج کل بعض ناسمجھ بدعت پسند مسلمان بھی ایسا کرتے ہیں۔ محققین علماء کرام اور مفسرین نے شرک کی چار قسمیں بتائی ہیں۔

۱۔ شرك في العلم: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت مثلاً علم غیب کسی اور کے لئے ثابت کیا جائے۔

۲۔ شرك في التصرف: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو تدبیر عالم میں تصرف کرنے کا اختیار دیا جائے۔

۳۔ شرك في الدعاء: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو غائبانہ حاجت میں پکارا جائے۔

۴۔ شرك في الفعل: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام نذر و نیاز دیا جائے، اور غیر اللہ کے لئے عبادات شرعیہ میں کوئی عبادت مختص کر لیا جائے اور کسی چیز کے حرام کرنے یا حلال کرنے کا درجہ ان کو دیا جائے۔ شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے سورت بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۱ ﴿ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن﴾ کے فوائد اور تفسیر میں شرک کی تعریف اس طرح کی ہے۔

پہلے مسلمان اور کافر میں (رشتہ) ناتا جاری تھا اس آیت سے حرام ٹھہرا اگر مرد نے یا عورت نے شرک کیا (تو) اس کا نکاح ٹوٹ گیا۔

شرک یہ کہ اللہ کی صفت کسی اور میں مانے، مثلاً کسی کو سمجھے کہ اس کو ہر بات معلوم ہے یا وہ جو چاہتا ہے سو کر سکتا ہے ہمارا بھلا یا برا کرنا اس کے اختیار میں ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کسی اور پر خرچ کرے مثلاً کسی چیز کو سجدہ کرے اور اس سے حاجت طلب کرے اسکو مختار جان کر۔ (تفسیر موضح القرآن آیت ۲۲۱ سورت بقرہ)

## توحید کی تعریف اور اس کی اقسام

میر سید سند شریف جرجانی حنفی متوفی ۸۱۶ھ اپنی کتاب تعریفات مطبع قدیمی ص ۱۵۱ پر توحید کی لغوی اور اصطلاحی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔
توحید لغت میں کسی چیز پر واحد ہونے کا حکم لگانے کو کہتے ہیں اور محققین کی اصطلاح میں اس کی تعریف یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ کو ہر اس چیز سے پاک مانا جائے جو کسی انسان کے وہم وفہم اور ذہن وگمان کے احاطہ تصور میں آجائے۔ بابا سعدی اسی تناظر میں کہتے ہیں ۔

اے برتر از قیاس و گمان و وہم — وز ہر چہ گفتہ اند وشنیدم وخواندہ یم
دفتر تمام گشت و بہ پایان رسید عمر — ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ یم

توحید کی حقیقت تین اشیاء پر مشتمل ہے۔
ا۔ اللہ تعالیٰ کو رب ہونے کی حیثیت سے پہچاننا۔
۲۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنا۔
۳۔ تمام معبودان باطلہ کی نفی کرنا جیسے شاعر کہتا ہے ۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہدے — یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے تھا

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں توحید پر نہایت عمدہ کلام فرمایا ہے کچھ حصہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں کہ جتنی نیکیاں اور عبادات ہیں اس کی جڑ اور بنیاد توحید ہے اللہ کے سامنے عاجزی کا وصف توحید پر منحصر ہے توحید کی وجہ سے آدمی اللہ تعالیٰ کے غیبی نظام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی عظمت پر تنبیہ فرمائی ہے اور اس کو تمام عبادات کے لئے بمنزلہ دل قرار دیا ہے اگر توحید صحیح اور درست ہے تو تمام عبادات درست ہیں اور اگر توحید فاسد ہے تو تمام اعمال اور نیکیاں فاسد ہیں۔ شاہ صاحب نے مزید فرمایا کہ معلوم ہونا چاہئے کہ توحید کے چار مرتبے ہیں۔
ا۔ صرف ایک اللہ تعالیٰ کو واجب الوجود ماننا دوسرا کسی کو واجب الوجود تسلیم نہ کرنا۔
۲۔ صرف ایک اللہ تعالیٰ کو ساری کائنات کا خالق و مالک تسلیم کرنا دوسرا کسی کو نہیں۔ توحید کے ان دو مرتبوں کو تمام انسان مانتے ہیں بلکہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین عرب نے بھی ان مرحلوں میں اختلاف نہیں کیا۔
۳۔ زمین وآسمان اور اس کے درمیان جو کچھ ہیں اس کا مدبر اور چلانے والا صرف ایک اللہ تعالیٰ کو سمجھنا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہستی عبادت کا مستحق نہیں۔

یہ دونوں صفات ایک دوسرے سے لازم و ملزوم ہیں اور انسانوں نے انہی دو صفات میں اختلاف کیا ہے، توحید کے خلاف یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کے سارے فرقے انہیں دو صفات کے مخالف ہیں۔

بہرحال ایک توحید فی الربوبیت ہے اس میں گزشتہ زمانوں کے مشرکین نے زیادہ اختلاف نہیں کیا ہے اور آج کل کے مشرک لوگ بھی صاف الفاظ میں توحید فی الربوبیت کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کا اختیار رکھتا ہے۔ وہ قدرت والا ہے۔ طاقت والا ہے، روزی دیتا ہے بارش برساتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ دوسری توحید فی الالوہیت ہے۔ اس میں گزشتہ زمانوں میں بھی اختلاف اور جھگڑے ہوئے ہیں اور آج کل بھی جھگڑے اسی میں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشکل کشا ہے کوئی اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ مدد کرنے والا ہے کوئی اور نہیں، عبادت صرف اللہ کے لئے ہے کوئی اور عبادت کا مستحق نہیں ہے، بہرحال بندہ نے اس بحث کو یہاں اس لئے چھیڑا ہے کہ زیر بحث احادیث میں شرک کا بار بار ذکر آیا ہے اور شرک کا مقابل توحید ہے تو دونوں کا بیان لکھدیا ہو سکتا ہے فائدہ ہو۔

۲۶۳۔ **حَدَّثَنَا** قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ عَنِ ابْنِ الْهَادِ عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ حُمَیْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنَ الْکَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَیْهِ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَهَلْ یَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَیْهِ؟ قَالَ نَعَمْ یَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ فَیَسُبُّ اَبَاهُ وَیَسُبُّ اُمَّهٗ فَیَسُبُّ اُمَّهٗ۔

حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبیرہ گناہوں میں سے یہ ہے آدمی کا اپنے والدین کو گالی دینا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا کوئی اپنے والدین کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ فرمایا کہ ہاں! آدمی کسی دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور یہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔

۲۶۴۔ **وَحَدَّثَنَا** اَبُوْبَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی وَابْنُ بَشَّارٍ جَمِیْعًا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ ح: وَحَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا یَحْیٰی بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ کِلَاهُمَا عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِیْمَ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهٗ۔

سعد بن ابراہیم سے اسی سند کے ساتھ یہ روایت بھی منقول ہے۔

## باب تحریم الکبر وبیانه

## تکبر کے حرام ہونے کا بیان

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں تین احادیث کو بیان کیا ہے۔

٢٦٥ ۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ دِينَارٍ جَمِيعًا عَنْ يَحْيَى بْنِ حَمَّادٍ قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبَانَ بْنِ تَغْلِبَ عَنْ فُضَيْلِ بْنِ عَمْرٍو الْفُقَيْمِيِّ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ قَالَ رَجُلٌ إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً قَالَ إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہوگا، ایک آدمی نے عرض کیا کہ: ایک شخص کو یہ بات ناپسند ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو اور جوتا اچھا ہو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خود بھی صاحب جمال ہے اور خوبصورتی اور جمال کو پسند فرماتا ہے، تکبر تو حق بات کو رد کردینے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا نام ہے۔

### تشریح

''الکبر'' جیسا کہ میں نے پہلے اشارہ کیا ہے کہ امام مسلم نے باب الکبائر سے باب الوسوسہ تک جتنے ابواب قائم کئے ہیں ان سب میں آپ نے کبائر کی تفصیل بیان کی ہے ہر ہر کبیرہ کے لئے الگ الگ باب اور عنوان قائم کیا ہے تو یہاں تکبر بھی انہی کبائر میں سے ایک کبیرہ ہے تکبر انسان کی باطنی صفات رذیلہ اور اخلاق مذمومہ میں سے ایک مذموم صفت ہے جس کا تعلق دل کی بیماریوں سے ہے تکبر کی تعریف مفردات القرآن میں امام راغب نے یوں لکھا ہے:

الکبر هو الحالة التي يتخصص بها الانسان من اعجابه بنفسه وذلك ان يرى نفسه اكبر من غيره واعظم ذالك ان يتكبر على ربه بان يمتنع عن قبول الحق ۔ (ص۴۳۸)

یعنی تکبر انسان کے اس باطنی کیفیت اور پندار اور بڑائی کا نام ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا متصور کرتا ہے اور سب سے غلیظ تکبر یہ ہے کہ انسان اپنے رب کے بارے میں تکبر شروع کرے وہ اس طرح کہ اس کی اطاعت سے گردن کشی کرکے قبول حق سے اعراض کرلے۔ اس تعریف کے پیش نظر تکبر کفر کے قریب قریب چلا جاتا ہے اور زیر بحث حدیث میں جو تعریف ہے ''بطر الحق وغمط الناس'' یعنی لوگوں کو حقیر سمجھنا اور حق کو ٹھکرانا یہ تعریف بھی کفر کی سرحدوں کو چھور ہی ہے لہٰذا

حدیث میں جو حکم لگا ہے کہ ذرہ برابر تکبر کسی کے دل میں ہو تو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا یہ بات اب سمجھ میں آرہی ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے "غمط" یہ لفظ ضرب یضرب اور سمع یسمع سے غمطا اور غمصا مصدر ہے جو لوگوں کو حقیر جاننے کے معنی میں ہے "بطر" یہ نصر ینصر سے ہے ٹھکرانے کے معنی میں ہے۔

تکبر کے دو مقامات اور دو اطلاقات ہیں پہلا اطلاق اس طرح ہے کہ کسی میں ذاتی طور پر افعال حسنہ اور صفات محمودہ دوسروں سے زیادہ ہوں جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے کیونکہ وہ ان کا ذاتی استحقاق اور حق اور صفت ہے اس لئے یہ اطلاق محمود ہے اور اللہ تعالیٰ پر "المتکبر" کا اطلاق اسی اعتبار سے ہے یہ اطلاق "الکبریاء ردائی" میں ہوا ہے کہ بڑائی اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی ذاتی صفت ہے۔ دوسرا اطلاق اس طرح ہے کہ ایک شخص تصنع اور بناوٹ سے اپنے آپ کو ان صفات سے متصف کر کے دوسروں پر بڑائی جتلاتا ہے یہ اطلاق مذموم ہے عام لوگ اسی مکروہ تکبر میں مبتلا ہیں یہاں تکبر کا عمومی مفہوم یہی ہے جو گناہ کبیرہ کے درجہ میں ہے۔

یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ایک اعجاب بنفسہ ہے اور ایک تکبر ہے ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ عجب ایسے تکبر کو کہتے ہیں کہ آدمی اپنے طور پر اپنے آپ کو اندر اندر سے بڑا سمجھتا ہے دوسرے لوگوں سے اس کا تعلق نہیں ہوتا ہے لیکن تکبر اس بڑائی کو کہتے ہیں کہ اپنے آپ کو دوسروں پر بڑا سمجھتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے عمومی طور پر یہی تکبر معروف اور مشہور ہے۔ (فتح الملہم)

"ان اللہ جمیل" ایک لفظ جمیل ہے اور ایک لفظ حسین ہے اللہ تعالیٰ پر جمیل کا اطلاق ہوا ہے اور حسین کا اطلاق نہیں ہوا ہے۔

علماء لغت کہتے ہیں کہ حسن ظاہری اعضاء کے تناسب کا نام ہے اس لئے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں ہوسکتا ہے اور جمال باطنی صفات کی خوبی کا نام ہے اس لئے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ہوسکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام خوبیوں کا مالک ہے یہاں یہی اطلاق ہوا ہے۔ اب یہاں ایک الگ بحث ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کن اسماء کا اطلاق ہوسکتا ہے اور کن اسماء کا اطلاق نہیں ہوسکتا ہے تو علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں جہاں شریعت نے اطلاق کیا ہے ہم اطلاق کریں گے اور جہاں شریعت کی طرف اطلاق نہیں ہوا ہے ہم نہیں کریں گے اور جہاں اسلام نے نہ منع کیا ہے نہ اجازت دی ہے وہاں ہم بھی خاموش رہیں گے اور کوئی فیصلہ نہیں کریں گے یہاں مزید ایک بات ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ صفات اور کمال مدح وجلال پر مشتمل کسی اچھے نام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو کیا یہ جائز ہوگا جبکہ شریعت میں اس نام کا ذکر نہ ہو؟ تو اہل سنت والجماعۃ کے علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے ایک طائفہ نے کہا ہے کہ اس طرح جائز ہے مگر دوسرے طائفہ نے کہا ہے کہ جب تک شریعت میں اس کا ذکر نہ ہو ایسے نام کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں کرنا چاہئے ہاں اگر خبر واحد سے اس طرح ثابت ہوجائے تو قاضی عیاض کے کہنے کے مطابق راجح یہ ہے کہ اس کا اطلاق جائز ہوگا۔ (فتح الملہم نووی)

"لا یدخل الجنۃ" یعنی اگر ذرہ برابر تکبر بھی کسی کے دل میں ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

## سوال

اب یہاں ایک سوال ہے کہ اتنا معمولی تکبر تو انسان میں ہوتا ہے پھر تکبر گناہ کبیرہ ہے اس کے مرتکب پر دخول جنت کی ممانعت کا حکم کیسے لگایا گیا ہے ؟

## جواب

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس طرح تکبر کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے کیونکہ حق کو ٹھکرانا اور دبانا کفر ہے لہٰذا اس میں تاویل کی ضرورت نہیں ہے ایسا شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔

## دوسرا جواب

قاضی عیاضؒ نے دیا ہے کہ یہاں جنت میں دخول اولی کی نفی ہے سزا بھگتنے کے بعد یہ شخص جنت میں داخل ہوگا ہاں اگر اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو معاف کر دیا تو پھر یہ شخص ابتدا میں جنت جائیگا۔

''مثقال'' مقدار کے معنی میں ہے''ذرۃ'' دھوپ جب کھڑکی کے اندر داخل ہو جائے اس میں چھوٹے چھوٹے ذرات نظر آتے ہیں اسی کو ذرہ کہا گیا ہے نہایت قلیل چیز سے کنایہ ہے''خردل'' رائی کے دانہ کو خردل کہتے ہیں یہ سرسوں کا بیج ہے اکثر لوگ اس سے غافل ہیں۔

۲۶۶۔ **حَدَّثَنَا** مِنْجَابُ بْنُ الْحَارِثِ التَّمِيمِيُّ وَسُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ كِلَاهُمَا عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُسْهِرٍ قَالَ مِنْجَابٌ أَخْبَرَنَا ابْنُ مُسْهِرٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ وَلَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرِيَاءَ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا جہنم میں نہیں جائے گا اور جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی کبر اور بڑائی ہوگی وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

۲۶۷۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبَانَ بْنِ تَغْلِبَ عَنْ فُضَيْلٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے دل میں ذرہ بھر بھی بڑائی ہوگی وہ جنت میں دخول سے محروم رہے گا۔

## باب من مات لا يشرك بالله شيئا دخل الجنة

## جو شخص مرگیا اور اس نے کوئی شرک نہیں کیا وہ جنت میں داخل ہوگیا

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چھ احادیث کو بیان کیا ہے۔

٢٦٨۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي وَوَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ وَكِيعٌ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ وَقُلْتُ أَنَا وَمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور ابن نمیر کی روایت کے الفاظ ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہوا اور اسی حالت میں مرجائے تو جہنم میں داخل ہوگا اور میں کہتا ہوں کہ جو شخص اس حالت میں وفات پائے کہ شرک نہ کرتا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

## تشریح

"قال وكيع قال رسول الله صلى الله عليه وسلم"

اس سند میں امام مسلمؒ نے زبردست احتیاط کی طرف اشارہ کیا ہے اور ایک گہرے عمیق علم کو ظاہر کیا ہے وہ اس طرح کہ اس سند میں شیخ وکیعؒ حضرت ابن مسعودؓ سے جب روایت کرتے ہیں تو حضرت ابن مسعود اس حدیث کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر روایت کرتے ہیں اور جب شیخ ابن نمیرؒ اس حدیث کو حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں تو حضرت ابن مسعودؓ قال کے بجائے سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں اب جمہور امت اس پر متفق ہیں کہ سمعت سے روایت کرنا اتصال پر محمول ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن قال کے الفاظ سے نقل کرنا اگرچہ جمہور کے نزدیک اتصال پر محمول ہے مگر علماء کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ اس طرح نقل کرنے کو اتصال پر حمل نہیں کیا جاسکتا جب تک مضبوط دلیل نہ ہو، اس طرح ان کے نزدیک یہ روایت مرسل صحابی بن گئی اسی فرق کو ظاہر کرنے کے لئے اور اسی اختلاف کی طرف اشارہ کرنے کے لئے امام مسلمؒ نے واضح کردیا کہ وکیع اس طرح کہتا ہے اور ابن نمیر اس طرح کہتا ہے۔

''ماالموجبتان'' یہ ایک طویل حدیث ہے اس میں ایک جملہ اس طرح آیا ہے ''ای ماالخصلتان الموجبتان''۔

''وقلت انا'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ دونوں جملے مرفوع ثابت ہیں اور یہ دونوں جملے مرفوع حدیث کے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں لیکن حضرت ابن مسعودؓ کو ایک جملہ آنحضرت سے سننے کا یقین تھا تو اس کو مرفوع نقل

کر دیا مگر دوسرے جملے میں ان کو وھم تھا ایک زمانہ میں نقل کرنے کے بعد دوسرے زمانہ میں ذہن میں نہیں آرہا تو نہایت احتیاط سے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے اپنی طرف منسوب کر دیا کہ حضرت نے شرک کرنے والے کے لئے آگ واجب قرار دی اور میں شرک نہ کرنے والے کے لئے جنت واجب ہونے کا کہتا ہوں۔

۲۶۹۔ **وَحَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَاَبُوْكُرَیْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِیَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ سُفْیَانَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! مَاالْمُوْجِبَتَانِ ؟ فَقَالَ مَنْ مَاتَ لَایُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ مَاتَ یُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَیْئًا دَخَلَ النَّارَ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! دو واجب کرنے والی باتیں کونسی ہیں؟ فرمایا: جو شخص اس حال میں وفات پائے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو وہ جنت میں داخل ہو گیا اور جو شرک کرتا ہوا موت سے جا ملا وہ جہنم میں داخل ہو گیا۔

۲۷۰۔ **وَحَدَّثَنِیْ** اَبُوْاَیُّوْبَ الْغَیْلَانِیُّ سُلَیْمَانُ بْنُ عُبَیْدِاللّٰهِ وَحَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُالْمَلِكِ بْنِ عَمْرٍو حَدَّثَنَا قُرَّةُ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ حَدَّثَنَا جَابِرُبْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ لَقِیَ اللّٰهَ لَایُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ لَقِیَهٗ یُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا دَخَلَ النَّارَ ۔ قَالَ اَبُوْاَیُّوْبَ قَالَ اَبُوالزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرٍ۔

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو شخص اللہ سے اس حالت میں ملا کہ شریک نہیں بناتا تھا اللہ کے ساتھ وہ جنت میں داخل ہوا اور جو اس سے اس کے ساتھ شریک بناتا ہوا ملا وہ جہنم میں داخل ہو گیا۔

۲۷۱۔ **وَحَدَّثَنِیْ** اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا مُعَاذٌ وَهُوَابْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِمِثْلِهٖ ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سابقہ روایت کی طرح نقل کیا ہے۔

۲۷۲۔ **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰی وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَ ابْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاصِلٍ الْاَحْدَبِ عَنِ الْمَعْرُوْرِ بْنِ سُوَیْدٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَاذَرٍّ یُحَدِّثُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَبَشَّرَنِیْ اَنَّهٗ مَنْ مَاتَ مِنْ اُمَّتِكَ لَایُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ ؟ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبرئیل آئے اور مجھے بشارت دی کہ آپ کی امت میں سے جو شخص اس حال میں وفات پائے کہ شرک نہیں کرتا

تھا اللہ کے ساتھ وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے عرض کیا اگر وہ زنا کاری کرے اور چوری کرے؟ فرمایا اگر چہ وہ زنا کاری کرتا ہو یا چوری کرتا ہو۔

۲۷۳۔ **حَدَّثَنِي** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَاَحْمَدُ بْنُ خِرَاشٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا اَبِيْ قَالَ حَدَّثَنِيْ حُسَيْنُ الْمُعَلِّمُ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ اَنَّ يَحْيَى بْنَ يَعْمَرَ حَدَّثَهُ اَنَّ اَبَا الْاَسْوَدِ الدِّيْلِيَّ حَدَّثَهُ اَنَّ اَبَا ذَرٍّ حَدَّثَهُ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ نَائِمٌ عَلَيْهِ ثَوْبٌ اَبْيَضُ ثُمَّ اَتَيْتُهُ فَاِذَا هُوَ نَائِمٌ ثُمَّ اَتَيْتُهُ وَقَدِ اسْتَيْقَظَ فَجَلَسْتُ اِلَيْهِ فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰى ذٰلِكَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ؟ قَالَ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ؟ قَالَ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ؟ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ فِي الرَّابِعَةِ عَلٰى رَغْمِ اَنْفِ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ فَخَرَجَ اَبُوْ ذَرٍّ وَهُوَ يَقُوْلُ وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِيْ ذَرٍّ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے جسم مبارک پر سفید کپڑا تھا میں پھر آیا تو اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے دوبارہ آیا تو آپ بیدار ہو چکے تھے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس بندہ نے بھی لا الٰہ الا اللہ کہا اور پھر اسی پر قائم رہتے ہوئے مر گیا تو جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے عرض کیا: اگر وہ زنا کاری یا چوری بھی کرتا ہو؟ فرمایا کہ اگر چہ زنا اور چوری کرے۔ تین بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور چوتھی مرتبہ فرمایا کہ خواہ ابوذر کی ناک خاک آلودہ ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ وہاں سے نکلے تو یہی جملہ کہتے ہوئے کہ ''وان رغم انف ابی ذر'' ابوذر کی مرضی کے خلاف۔

## تشریح

''ابو الاسود الدیلی'' راجح قول کے مطابق ابو الاسود کا نام ظالم بن عمرو ہے۔ حضرت علیؓ کے خصوصی ساتھیوں میں سے تھے آپ نے ان کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا تھا ابو الاسود نے حضرت علی کے حکم پر علم نحو کے قواعد وضع کیے تھے الدیلی ان کی نسبت ہے جو ان کے قبیلہ کی طرف ہے قبیلہ کا نام دوئل تھا تو الدوئلی بھی ہے اور الدیلی بھی ہے۔

''علیہ ثوب ابیض'' محبوب کی اداسے لطف اٹھانا کوئی پوشیدہ بات نہیں حضرت ابوذرؓ آنحضرت کی کیفیات اور ھیئات سے یہی مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے، دوسرا فائدہ یہ حاصل کیا کہ اپنی روایت کو قابل اعتماد بنانے کی غرض سے کیفیات کا تذکرہ کیا کہ میں ہوش وحواس اور اردگرد کی کیفیات کو جانتے بوجھتے بیان کر رہا ہوں کوئی انکل یا اندازے والی بات نہیں ہے۔

''قلت ان زنی وان سرق'' حضرت ابوذر غفاریؓ معاصی سے نفرت وکراہت رکھنے میں مشہور تھے اس لئے آپ نے واضح الفاظ میں اپنے مدعا کو بیان کیا پھر کمال یہ کیا کہ وان زنی وان سرق ایسا جامع جملہ بولا کہ جس میں شریعت کے تمام احکام آگئے، کیونکہ

وان زنی میں حقوق اللہ کی طرف اشارہ ہے اور وان سرق میں حقوق العباد کا تذکرہ ہے تو یہ دو کلمے حقوق اللہ اور حقوق العباد کے لئے جامع ہیں جو پوری شریعت پر محیط ہیں۔ حضرت ابوذرؓ نے جتنی تاکید سے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ اتنے بڑے گناہوں کے ہوتے ہوئے انسان جنت میں کیسے جائیگا اتنی ہی تاکید سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات کو مسترد کیا بلکہ ان کے تعجب ونفرت وکراہت کی کیفیت پر بطور نکیر محبت بھرا جملہ ارشاد فرمایا کہ ''وان رغم انف ابی ذر'' رغام مٹی کو کہتے ہیں جب ناک مٹی میں مل جاتی ہے تو آدمی کمال درجہ کی رسوائی اٹھا کر کراہت محسوس کرتا ہے۔ آنحضرت کا مقصد یہ ہے کہ تم خوش ہو یا ناخوش ہو کلمہ پڑھنے والا آدمی ان تمام گناہوں کے باوجود جنت جائے گا ان احادیث میں نہایت واضح طور پر معتزلہ وخوارج اور دیگر اہل باطل پر رد ہے جو مرتکب کبیرہ کو مخلد فی النار کہتے ہیں اہل سنت کے لئے یہ حدیثیں بھرپور دلائل ہیں کہ اگر یہ زانی وسارق توبہ کریں اور معاف ہو جائیں تو دخول اوّلی کے ساتھ داخل ہونگے ورنہ سزا کے بعد جنت میں داخل ہونگے مخلد فی النار نہیں ہونگے۔

''فخرج ابو ذر'' حضرت ابوذر غفاریؓ نے آنحضرت کے اس جملہ کو اپنے لئے اعزاز تصور کیا اور بطور اعزاز اس کو ذکر فرماتے رہے کسی نے اسی موقع کے لئے کہا ہے۔

بدم گفتی وخرسندم عفاک اللہ نکو گفتی — جواب تلخ می زیبد لب لعل وشکر خارا

ترجمہ: آپ نے مجھے ٹوک کر برا کہدیا، اللہ تجھے معاف کرے آپ نے اچھا کہدیا کیونکہ خوبصورت اور شیریں ہونٹوں سے تلخ جواب اچھا لگتا ہے۔

وہ لب کہ جیسے ہو شاخ گلاب پر غنچہ — جوابات بھی نہ کرے باکمال لگتا ہے

## باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ لا الٰہ الا اللہ

## کلمہ پڑھنے کے بعد کافر کو قتل کرنا حرام ہے

اس باب میں امام مسلمؒ نے چھ حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۲۷٤۔ **حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا لَيْثٌ ح وَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ وَاللَّفْظُ مُتَقَارِبٌ قَالَ اَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ اَنَّهُ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ لَقِيْتُ رَجُلاً مِنَ الْكُفَّارِ فَقَاتَلَنِيْ فَضَرَبَ اِحْدٰى يَدَيَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا ثُمَّ لَاذَ مِنِّيْ بِشَجَرَةٍ فَقَالَ اَسْلَمْتُ لِلّٰهِ اَفَاَقْتُلُهُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ بَعْدَ اَنْ قَالَهَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْهُ قَالَ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهُ قَدْ قَطَعَ يَدِيْ ثُمَّ قَالَ ذٰلِكَ بَعْدَ اَنْ قَطَعَهَا اَفَاَقْتُلُهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْهُ فَاِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ اَنْ تَقْتُلَهُ وَاِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهِ قَبْلَ اَنْ يَقُوْلَ كَلِمَتَهُ الَّتِيْ۔

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کیا فرماتے ہیں اگر میری کافروں

میں سے کسی سے مڈبھیڑ ہو جائے اور وہ مجھ سے لڑائی کرے اور میرا ایک ہاتھ تلوار سے کاٹ ڈالے اور پھر وہ مجھ سے بچ کر درخت کی آڑ لے لے اور کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہو گیا تو کیا میں اسے قتل کر سکتا ہوں جب کہ وہ اسلام کا قول کر چکا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسے قتل نہیں کر سکتے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس نے تو میرا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے اور ہاتھ کاٹنے کے بعد اسلام کا کلمہ کہنے لگا کیا میں اسے قتل کر سکتا ہوں؟ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اسے مت قتل کرو۔ اگر تم نے اسے قتل کر دیا تو وہ تمہارے اس مقام پر ہوگا جس پر تم اسے قتل کرنے سے پہلے ہو اور تم اس کے اس مقام پر ہو جاؤ گے جس پر وہ اسلام کا کلمہ کہنے سے پہلے تھا۔

## تشریح

''ارأیت'' یہ ایک فرضی مسئلہ سے متعلق سوال ہے جو ابھی واقع نہیں ہوا ہے اس کو ''مسائل النوازل'' کہتے ہیں جمہور کے نزدیک ایسے مسائل فرضیہ سے متعلق سوال کرنا جائز بلا کراہت ہے مگر بعض علماء نے اس طرح سوال کو مکروہ کہا ہے ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔

''ثم لاذمنی'' یعنی مجھے مارنے میں بھرپور کوشش کی مگر جب ناکام ہوا تو ایک درخت کی پناہ لیکر ایمان کا اعلان کیا لاذ بلوذ نصر سے پناہ پکڑنے کے معنی میں ہے۔ ''فان قتلتہ'' یعنی کلمہ پڑھنے کے بعد اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو وہ اس طرح بے گناہ ہوگا جس طرح تم اس کے قتل کرنے سے پہلے سے بے گناہ تھے اب اگر تم نے اس کو کلمہ کے بعد قتل کر دیا تو تم اس مقام پر پہنچ جاؤ گے جس مقام پر وہ کلمہ پڑھنے سے پہلے کھڑا تھا یعنی کفر پر تھا اور تم اس کی جگہ پر کھڑے ہو جاؤ گے کیونکہ تم نے ایک بے گناہ کو قتل کر دیا تو یہ اگرچہ کفر مخرج عن الملت نہیں ہے لیکن کفر دون کفر تو ہے۔ ''فلما اھویت'' جھکنے کے معنی میں ہے یعنی جب مارنے کے لئے جھکا اور تلوار جھکائی تو اس نے لا الہ الا اللہ پڑھا، پہلی روایت میں ''اسلمت'' کا لفظ ہے کہ میں نے اسلام قبول کر لیا دونوں کا مطلب ایک ہے۔

۲۷۵۔ **وَحَدَّثَنَا** إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ جَمِيعًا عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ أَمَّا الْأَوْزَاعِيُّ وَابْنُ جُرَيْجٍ فَفِي حَدِيثِهِمَا قَالَ أَسْلَمْتُ لِلَّهِ كَمَا قَالَ اللَّيْثُ فِي حَدِيثِهِ وَأَمَّا مَعْمَرٌ فَفِي حَدِيثِهِ فَلَمَّا أَهْوَيْتُ لِأَقْتُلَهُ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ منقول ہے۔ ابن جریج کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے اسلام لے آیا اور معمر کی روایت میں ہے کہ جب میں اس کے قتل کے لئے جھکوں تو وہ لا الہ الا اللہ کہے۔

۲۷۶۔ **وَحَدَّثَنِي** حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ اللَّيْثِيُّ ثُمَّ الْجُنْدَعِيُّ أَنَّ عُبَيْدَ اللَّهِ بْنَ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ أَخْبَرَهُ أَنَّ الْمِقْدَادَ بْنَ عَمْرٍو ابْنَ الْأَسْوَدِ الْكِنْدِيَّ

وَكَانَ حَلِيفًا لِبَنِي زُهْرَةَ وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ إِنْ لَقِيتُ رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ؟ ثُمَّ ذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيثِ اللَّيْثِ۔

حضرت مقداد بن الاسود کندی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور وہ بنی زہرہ کے حلیف تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ غزوہ بدر میں شرکت فرمائی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! آپ کا کیا حکم ہے اگر میں کفار کے کسی آدمی سے ملوں۔ آگے سابقہ روایت کی طرح بیان فرمایا۔

## تشریح

"ان المقداد بن عمرو ابن الاسود" حضرت مقداد اسلام کے بڑے جرنیلوں میں سے تھے آپ نے قبیلہ کندہ سے حلف محالفہ کیا تھا اس لئے کندی کہلاتے ہیں اسود نامی شخص نے حضرت مقداد کی پرورش کی تھی اور متبنّٰی بنایا تھا اس لئے ابن الاسود کہلاتے ہیں آپ چھٹے مسلمان ہیں ۳۳ھ میں ستر سال کی عمر میں مدینہ منورہ کے قریب مقام جرف میں آپ کا انتقال ہوا اور بقیع میں دفن کیا گیا یہاں ابن الاسود میں ہمزہ کے برقرار رکھنے نہ رکھنے کا ضابطہ اس طرح ہے کہ جب دو اسمین متناسلین کے درمیان ابن واقع ہو جائے تو اس سے الف کو گرایا جاتا ہے یہ ہمزہ نہ پڑھنے میں باقی رہتا ہے اور نہ لکھنے میں باقی رہتا ہے لیکن اس کی ایک شرط تو یہی ہے کہ اسمین متناسلین کے درمیان ہو متناسلین کا مطلب یہ ہے کہ ایک باپ ہو ایک بیٹا ہو دونوں کی نسل ایک ہو اور ابن کا لفظ ماقبل کے لئے صفت اور مابعد کے لئے مضاف بن رہا ہو جیسے یہاں مقداد بن عمرو میں ہے یا محمد بن اسماعیل میں ہے اگر دو اسمین متناسلین نہ ہوں تو الف لکھا جائے گا مگر پڑھا نہیں جائے گا جیسے یہاں مقداد بن عمرو ابن الاسود ہے۔ چونکہ اسود باپ نہیں ہے تو اسمین متناسلین نہیں ہوئے "حليفا لبني زهره" کا مطلب وہی ہے کہ حضرت مقداد اسود کے حلیف تھے اور متبنّٰی بھی تھے ان کا قبیلہ کندہ ہے۔ اگر ابن علمین متناسلین کے درمیان واقع ہو لیکن ماقبل کے لئے صفت نہیں بن رہا ہو بلکہ اس کے لئے خبر ہو تو وہاں پر الف لکھا جائیگا جیسے زید ابن عمرو یعنی زید عمرو کا بیٹا ہے۔ اگر لفظ ابن علمین متناسلین کے درمیان واقع ہو دیگر شرائط بھی پوری ہوں مگر لفظ ابن سطر کے شروع میں آ رہا ہو تو وہاں بھی الف لکھا جائے گا۔ "شهد بدرا" یہ حضرت مقداد کی دوسری صفت ہے کہ آپ شان والے صحابی ہیں جو بدر کی جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ حضرت مقداد کا نام تین طرح استعمال میں آتا ہے کبھی مقداد بن عمرو آتا ہے یہ باپ کی طرف نسبت ہے کبھی مقداد بن الاسود آتا ہے یہ متبنّٰی ہونے کی نسبت ہے اور کبھی مقداد بن عمرو ابن الاسود آتا ہے جس طرح زیر بحث حدیث میں آیا ہے کہ باپ اور متبنّٰی دونوں کی نسبت موجود ہے۔

۲۷۷۔ **حَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ كِلَاهُمَا عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي ظَبْيَانَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ وَهٰذَا حَدِيثُ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ بَعَثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ فَصَبَّحْنَا الْحُرُقَاتِ مِنْ جُهَيْنَةَ فَاَدْرَكْتُ رَجُلًا فَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَطَعَنْتُهُ فَوَقَعَ فِي نَفْسِي مِنْ ذٰلِكَ فَذَكَرْتُهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ قَتَلْتَهُ؟ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا قَالَهَا خَوْفًا مِنَ السِّلَاحِ قَالَ اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتّٰى تَعْلَمَ اَقَالَهَا اَمْ لَا فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَيَّ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ اَنِّي اَسْلَمْتُ يَوْمَئِذٍ قَالَ فَقَالَ سَعْدٌ وَاَنَا وَاللّٰهِ! لَا اَقْتُلُ مُسْلِمًا حَتّٰى يَقْتُلَهُ ذُو الْبُطَيْنِ يَعْنِي اُسَامَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ اَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّٰهِ﴾(الانفال:۳۹)فَقَالَ سَعْدٌ قَدْ قَاتَلْنَا حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَاَنْتَ وَاَصْحَابُكَ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تُقَاتِلُوْا حَتّٰى تَكُوْنَ فِتْنَةٌ۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک سریہ میں بھیجا۔ صبح حرقات کے مقام پر قبیلہ جھینہ والوں سے ہماری جنگ ہوئی۔ ایک شخص کو میں نے جالیا کہ اس نے کہا لا الہ الا اللہ میں نے اسے نیزہ مارا سواس سے میرے دل میں خلجان پیدا ہوا لہٰذا اس واقعہ کا تذکرہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا پھر بھی تم نے اسے قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اس نے اسلحہ کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ تم جان لیتے کہ یہ کلمہ اس نے کہا تھا یا نہیں؟ پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل اسی بات کو مجھ سے دھراتے رہے یہاں تک کہ میں یہ تمنا کرنے لگا کہ میں اسی روز مسلمان ہوا ہوتا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے فرمایا کہ میں خدا کی قسم! کسی مسلمان کو قتل نہیں کروں گا اس وقت تک جب تک کہ ذوالبطین یعنی اسامہ اسے قتل نہ کرے۔ ایک آدمی نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا؟ تم ان کفار سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سب اللہ کے لئے ہو جائے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا بے شک ہم نے اسی لئے قتال کیا یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو گیا البتہ تو اور تیرے ساتھی چاہتے ہیں کہ فتنہ باقی رکھنے کے لئے قتال کریں۔

## تشریح

"بعثنا" کسی کے مقابلہ پر چھاپہ مار دستہ بھیجنے کے لئے بعث کا لفظ بولا جاتا ہے۔ "فی سریۃ" اس کی جمع سرایا ہے اس فوجی دستہ کو کہتے ہیں جس میں آنحضرت ﷺ تشریف نہ لے گئے ہوں اگر آپ موجود ہوں تو وہ غزوہ کہلاتا ہے سریہ ایک سو سے لیکر پانچ سو افراد پر مشتمل ہوتا ہے اگر اس سے زیادہ ہو جائیں تو وہ منسر کہلاتا ہے اگر یہ افراد آٹھ سو ہو جائیں تو اس کو جیش کہتے ہیں اگر چار ہزار سے افراد زیادہ ہو گئے تو اس کو جیش جرار کہتے ہیں۔ (فتح الملہم)

اگر سریہ کے افراد منتشر ہو کر بٹ جائیں تو اس کو بعث کہتے ہیں جس کا ذکر اس حدیث میں ہے۔ "فصبحنا" فوجی کاروائی کے لئے صبح کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور فوجی کارروائی اکثر و بیشتر صبح کے وقت ہوتی جیسے آیت میں ہے ﴿فساء صباح المنذرين﴾

اور ﴿یاصباحا واصباحا﴾ کی فریاد اسی مصیبت کے وقت ہوتی ہے۔ ''الحرقات'' یہ حرقۃ کی طرف منسوب ہے، حرقہ ایک آدمی کا لقب ہے جس کا نام جھیش بن عامر تھا اس نے ایک قوم کو آگ میں اتنا جلایا کہ اس کا لقب ''الحرقہ'' پڑ گیا جھینہ اس شخص کے قبیلے کا نام ہے اور حرقات علاقے کا نام ہے۔ ''رجلا'' اس شخص کے ساتھ کافی لمبی لڑائی ہوگئی تھی تفصیلی روایات میں ہے کہ حضرت اسامہ اور یہ شخص جھاڑیوں کے پیچھے سے ایک دوسرے کو مار رہے تھے یہاں تک کہ تلواروں کی زد میں جھاڑیاں آگئیں جب اس شخص نے دیکھا کہ اب موت سر پر منڈلا رہی ہے تو اس نے کلمہ پڑھا مگر حضرت اسامہ نے ان کو مہلت نہ دی آپ کا خیال تھا کہ یہ شخص اسلام کی وجہ سے کلمہ نہیں پڑھ رہا ہے بلکہ جان بچانے کی وجہ سے زبانی طور پر پڑھ رہا ہے۔ ''افلاشققت عن قلبه'' یعنی اسلام کے معلوم کرنے کے لئے کوئی پوشیدہ پیمانہ تو نہیں ہے صرف ظاہری زبانی اقرار کو قبول کرنا ہوگا اگر ظاہری طور پر اسلام قبول نہیں ہے تو پھر دل کو چیر کر اندر جھانک کر دیکھ لو کہ ایمان ہے یا نہیں ہے اگر یہ ممکن نہیں ہے تو پھر ظاہری طور پر اقرار کو جان کی حفاظت کے لئے کافی سمجھنا ہوگا۔

## سوال

یہاں ایک سوال ہے جو آج کل کے احوال کے تناظر میں گردش کر رہا ہے وہ یہ ہے کہ مجاہدین ایسے لوگوں کو قتل کر رہے ہیں جو کلمہ پڑھتے ہیں یہ اعتراض اس حدیث کے پیش نظر کیا جاتا ہے جو یہاں مذکور ہے۔

## جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ افغانستان کے مجاہدین جن غیر ملکی افواج یا مقامی اتحادی قوتوں کے مقابلہ میں لڑ رہے ہیں اس کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم دونوں میں جو اصلی فرق ہے اس فرق کو پہچان لیں وہ اس طرح کہ حضرت اسامہؓ کے مقابلہ میں جو شخص تھا وہ کافروں کے ساتھ کھڑا تھا اور لڑ رہا تھا سب کچھ کر رہا تھا لیکن پھر ان سے علیحدہ ہوگیا اور ہتھیار ڈال دیئے اور لڑائی روک دی کلمہ پڑھنے لگا تو اس کا اسلام معتبر سمجھا گیا، اس کے برعکس یہاں افغانستان میں ایک شخص کلمہ گو ہے اور کافروں کے ساتھ مل چکا ہے کلمہ بھی پڑھتا ہے نماز بھی پڑھتا ہے مگر اسلام کے قانون کی بالادستی کا سخت مخالف ہے اللہ تعالیٰ کے دین کو نافذ نہیں ہونے دیتا ہے خود بھی اس پر لڑتا ہے اور اس کی پشت پر روس یا امریکہ یا انڈیا کا کافرانہ نظام کھڑا ہے اب یہ شخص کافروں کے نظام کے بالادستی کے لئے سر توڑ کوشش کر رہا ہے مجاہدین سے کہتا ہے کہ تم ہتھیار ڈال دو اور ہمارے ساتھ آکر شامل ہو جاؤ ہم مسلمان ہیں ہمارے خلاف لڑنا جائز نہیں ہے ہم کلمہ پڑھتے ہیں نماز پڑھتے ہیں، اس منافقت کے ساتھ وہ دنیا کو دھوکہ دیتا ہے کہ مجاہدین مسلمانوں کو مارتے ہیں بے خبر غافل مسلمان اس پروپیگنڈہ کا شکار ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ جہاد نہیں ہے کیونکہ مسلمان آپس میں لڑ رہے ہیں حالانکہ آج بھی جو شخص کلمہ پڑھ کر کفار کی صف سے علیحدہ ہو کر ہتھیار رکھدے اس کو مارنا کسی کے ہاں جائز نہیں بلکہ مجاہدین تو اس کو گلے لگاتے ہیں۔

''انی اسلمت یومئذ'' یعنی مجھے افسوس ہوا کہ اگر آج مسلمان ہوجاتا تو یہ بڑا گناہ اسلام سے معاف ہوجاتا اور اسلام کی حالت میں اتنا بڑا گناہ نہ کرتا حضرت اسامہؓ نے پھر قسم کھائی کہ میں مسلمانوں کے آپس کی جنگوں میں حصہ نہیں لوں گا۔

''فقال سعد'' یہ ایک حدیث کے مضمون کے اندر دوسری حدیث کا مضمون داخل ہوگیا ہے جس کا تعلق مسلمانوں کے آپس کی جنگوں سے ہے حضرت سعد بن ابی وقاص ان جنگوں سے اسی طرح لاتعلق ہو چکے تھے جس طرح حضرت اسامہ نے لاتعلق ہونے کی قسم کھائی تھی حضرت سعد اسی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ جب تک اسامہ جنگ میں حصہ نہیں لیں گے میں بھی حصہ نہیں لوں گا۔ ''ذو البطین'' اس سے آپ نے حضرت اسامہ مراد لیا ہے ان کا پیٹ کچھ بڑھ گیا تھا اس لئے تصغیر استعمال کرکے فرمایا کہ جب تک ''خیبٹڑیں'' کسی جنگ میں حصہ نہیں لے گا میں نہیں لونگا۔

آپس کی جنگوں میں صحابہ کی دو طرح کی تقسیم تھی ایک اس طرح کہ کچھ صحابہ حضرت علی کے ساتھ ہوگئے یہ ایک قسم تھی دوسری قسم ان صحابہ کی تھی جو حضرت معاویہ کے ساتھ ہوگئے اور تیسری قسم ان صحابہ کی تھی جو دونوں سے علیحدہ ہوکر غیر جانب دار بن گئے حضرت سعد بن ابی وقاص اسی تیسری قسم میں تھے۔ دوسری تقسیم مشاجرات صحابہ کا ہے اس میں ایک قسم صحابہ وہ تھے جنہوں نے حق کا ساتھ دیا، دوسری قسم وہ تھے جنہوں نے گھروں میں بیٹھنے کا فیصلہ کیا تلواریں توڑ دیں اور الگ رہے۔ تیسری قسم وہ تھے کہ صرف دفاع پر عمل کیا کہ جب فتنہ دروازہ پر پہنچا تو دفاع کیا ورنہ نہیں، تینوں کے لئے احادیث میں استدلال کا موقع تھا اس لئے تقسیم ہوگئے۔ بہر حال مشاجرات صحابہ میں خاموشی سب سے بہتر موقف ہے کہ ہم اپنی زبانوں کو لگام دیں اور خاموش رہیں۔ ''قال رجل'' یعنی ایک آدمی نے حضرت سعدؓ پر اشکال کیا کہ قرآن میں تو یہ صریح حکم ہے کہ فتنہ کے خاتمے تک لڑا کرو، اس پر حضرت سعد نے کہا کہ ہم نے کفار کے مقابلے میں لڑائی لڑ کر فتنہ کو ختم کر دیا اب تم لوگ لڑ کر فتنہ لا رہے ہو۔ بہر حال حضرت سعدؓ نے اپنے الگ رہنے کے موقف کو واضح کر دیا جمہور صحابہ اور جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ جب حق واضح ہو تو اس کا ساتھ دینا چاہئے۔

۲۷۸۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ الدَّوْرَقِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ اَخْبَرَنَا حُصَيْنٌ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ ظَبْيَانَ قَالَ سَمِعْتُ اُسَامَةَ بْنَ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ يُحَدِّثُ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْحُرَقَةِ مِنْ جُهَيْنَةَ فَصَبَّحْنَا الْقَوْمَ فَهَزَمْنَاهُمْ وَلَحِقْتُ اَنَا وَرَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ رَجُلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا غَشِيْنَاهُ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَكَفَّ عَنْهُ الْاَنْصَارِيُّ وَطَعَنْتُهُ بِرُمْحِيْ حَتّٰى قَتَلْتُهُ قَالَ فَلَمَّا قَدِمْنَا بَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِيْ يَا اُسَامَةُ! اَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ؟ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا كَانَ مُتَعَوِّذًا قَالَ فَقَالَ اَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ؟ قَالَ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَيَّ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ اَنِّيْ لَمْ اَكُنْ اَسْلَمْتُ قَبْلَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ۔

حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حرقہ کے مقام پر قبیلہ جہینہ کی

طرف بھیجا۔ ہم نے ان پر صبح کے وقت حملہ کیا اور انہیں شکست سے دوچار کردیا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اور ایک انصاری صحابی نے ان میں سے ایک شخص کو جا پکڑا۔ جب ہم نے اسے چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا تو وہ کہنے لگا لا الہ الا اللہ، یہ سن کر انصاری نے تو ہاتھ روک لیا اور میں نے اسے اپنے نیزہ سے مار کر قتل کردیا۔ جب ہم واپس آئے تو اس کی اطلاع جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے اسامہ! تم نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی قتل کردیا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بلاشبہ وہ تو پناہ پکڑنے کے لئے اس نے کہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے باوجود قتل کردیا؟ پھر آپ مسلسل اسی بات کو دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ میرے دل میں یہ تمنا ہونے لگی کہ میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوتا۔

۲۷۹۔ **حَدَّثَنَا** اَحْمَدُ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ خِرَاشٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ اَبِي يُحَدِّثُ اَنَّ خَالِدًا الْاَثْبَجَ ابْنَ اَخِي صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ حَدَّثَ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ اَنَّهُ حَدَّثَ اَنَّ جُنْدَبَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ الْبَجَلِيَّ بَعَثَ اِلَى عَسْعَسِ بْنِ سَلَامَةَ زَمَنَ فِتْنَةِ ابْنِ الزُّبَيْرِ فَقَالَ اجْمَعْ لِي نَفَرًا مِنْ اِخْوَانِكَ حَتّٰى اُحَدِّثَهُمْ فَبَعَثَ رَسُوْلًا اِلَيْهِمْ فَلَمَّا اجْتَمَعُوْا جَاءَ جُنْدَبٌ وَعَلَيْهِ بُرْنُسٌ اَصْفَرُ فَقَالَ تَحَدَّثُوْا بِمَا كُنْتُمْ تَحَدَّثُوْنَ بِهِ حَتّٰى دَارَ الْحَدِيْثُ فَلَمَّا دَارَ الْحَدِيْثُ اِلَيْهِ حَسَرَ الْبُرْنُسَ عَنْ رَاْسِهِ فَقَالَ اِنِّي اَتَيْتُكُمْ وَلَا اُرِيْدُ اَنْ اُخْبِرَكُمْ عَنْ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَى قَوْمٍ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَاَنَّهُمُ الْتَقَوْا فَكَانَ رَجُلٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِذَا شَاءَ اَنْ يَقْصِدَ اِلَى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَصَدَ لَهُ فَقَتَلَهُ وَاِنَّ رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَصَدَ غَفْلَتَهُ قَالَ وَكُنَّا نُحَدِّثُ اَنَّهُ اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ فَلَمَّا رَفَعَ عَلَيْهِ السَّيْفَ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَتَلَهُ فَجَاءَ الْبَشِيْرُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهُ فَاَخْبَرَهُ حَتّٰى اَخْبَرَهُ خَبَرَ الرَّجُلِ كَيْفَ صَنَعَ فَدَعَاهُ فَسَاَلَهُ فَقَالَ لِمَ قَتَلْتَهُ؟ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَوْجَعَ فِي الْمُسْلِمِيْنَ وَقَتَلَ فُلَانًا وَفُلَانًا وَسَمّٰى لَهُ نَفَرًا وَاِنِّي حَمَلْتُ عَلَيْهِ فَلَمَّا رَاَى السَّيْفَ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقَتَلْتَهُ؟ قَالَ نَعَمْ! قَالَ فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اسْتَغْفِرْ لِي قَالَ وَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ فَجَعَلَ لَا يَزِيْدُهُ عَلَى اَنْ يَقُوْلَ كَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟

حضرت صفوان بن محرز بیان کرتے ہیں کہ حضرت جندب بن عبداللہ البجلی نے عسعس بن سلامہ کو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے فتنہ کے زمانہ میں کہلوایا کہ لوگوں کو جمع کرو اپنے بھائی بندوں میں سے تاکہ ان سے کچھ گفتگو کروں۔ عسعس نے لوگوں کو بلا بھیجا۔ جب لوگ جمع ہوگئے تو حضرت جندب رضی اللہ عنہ تشریف لائے زرد رنگ کی

ٹوپی اوڑھے ہوئے اور لوگوں سے کہا کہ تم اپنے گفتگو میں لگے رہو جو باتیں تم کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی طرف روئے سخن ہوا۔ جب روئے سخن جندب رضی اللہ عنہ کی طرف ہوا تو انہوں نے برنس اتار دی اپنے سر سے اور فرمایا کہ میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں تا کہ تمہیں تمہارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتلاؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار مشرکین کی ایک قوم کی طرف مسلمانوں کا لشکر روانہ فرمایا: دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ مشرکین میں سے ایک شخص جب چاہتا کسی مسلمان کو تاک کر حملہ کرتا اور اسے قتل کر ڈالتا آخر کار ایک مسلمان نے اس کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر اسے تاک لیا۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم آپس میں بات کرتے تھے کہ وہ مسلمان اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ تھے۔ جب انہوں نے اس پر تلوار اٹھائی تو اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد خوشخبری لے کر ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سب حال احوال دریافت فرمایا تو انہوں نے سب بتلا دیا اور ان صاحب کی بات بھی بتلا دی کہ انہوں نے کیا کر ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا اور ان سے پوچھا کہ تم نے اسے کیوں قتل کیا؟ فرمایا کہ یا رسول اللہ! اس نے مسلمانوں کو بہت اذیت پہنچائی اور فلاں فلاں مسلمان کو قتل کر دیا پوری جماعت کا نام لے کر بتلایا۔ میں نے اس پر تلوار اٹھائی۔ جب اس نے تلوار دیکھی تو کہا کہ لا الہ الا اللہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے اسے قتل کر دیا؟ فرمایا کہ ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو تم اس لا الہ الا اللہ کا کیا جواب دو گے جب وہ قیامت کے روز اس کلمہ کے ساتھ آئے گا؟ وہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! میرے لئے استغفار کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کیا جواب دو گے اس کے لا الہ الا اللہ کا جب وہ قیامت کے دن اس کے ساتھ آئے گا؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زیادہ کچھ نہیں فرمایا اور یہی فرماتے رہے کہ جب وہ روز قیامت لا الہ الا اللہ کے ساتھ آئے گا تو تم کیا کرو گے؟۔

## تشریح

''فتنة ابن الزبير'' عبداللہ بن زبیر کے خلاف یزید نے جو کارروائی کی تھی یہ اس کی طرف اشارہ ہے، اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ جب حضرت معاویہؓ نے یزید کو اچھا جان کر اپنا ولی عہد مقرر کیا تو آپ نے اہل مدینہ کو بیعت کا پیغام بھیجا اہل مدینہ اس سے پہلے جنگوں کے مصائب اٹھا چکے تھے اس لئے سب نے ولی عہد کی بیعت کر لی مگر چار آدمیوں نے انکار کیا ایک حضرت حسین تھے دوسرے محمد بن ابی بکر تھے تیسرے عبداللہ بن زبیرؓ تھے اور چوتھے عبداللہ بن عمرؓ تھے، حضرت معاویہ کو جب ان چار کے انکار کا پتہ چلا تو آپ نے یزید کو بلا کر اس طرح وصیت کی۔ دیکھو حسین بن علی نواسہ رسول ہے ان سے نہایت نرمی کرو اور محمد بن ابی بکر کو پیسے دیکر خاموش کراؤ اور ابن عمر صوفی آدمی ہیں وہ مقابلہ نہیں کریگا۔ البتہ عبداللہ بن زبیر ایک چالاک آدمی ہے ان کا خوب مقابلہ کرو،

چنانچہ محمد بن ابی بکر تو مر گئے اور ابن عمر کنارہ کش ہو گئے حضرت حسین اور عبداللہ بن زبیر مکہ کی طرف چلے گئے عبداللہ بن زبیر نے مکہ میں پناہ لے لی اور حضرت حسین کوفہ کی طرف روانہ ہوئے اور کربلا کا واقعہ پیش آ گیا کربلا کے واقعہ کے بعد اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی اور عبداللہ بن زبیر نے مکہ میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا یزید نے اہل مدینہ پر شامی لشکر کے ذریعہ سے حملہ کیا مدینہ میں عمرو بن سعید جس کا ایک لقب اشدق تھا دوسرا لقب لطیم الشیطان تھا اس نے مدینہ میں لوٹ مار کی کیونکہ ان لوگوں نے عبداللہ بن زبیر کی حمایت کا اعلان کر دیا تھا عمرو بن سعید نے مکہ کی طرف بھی فوجوں کو روانہ کر دیا جس پر ابو شریح صحابی نے ان کو بہت موثر انداز سے نصیحت فرمائی اسی فتنہ کے زمانہ میں حضرت جندبؓ نے عسعس بن سلامہ کے نام پیغام بھیجا کہ آپ اپنے ساتھیوں کو ایک جگہ جمع کرا دو میں آتا ہوں اور ان سے اصلاح کی بات کرتا ہوں عسعس بن سلامہ چونکہ جنگی قائد تھے اس لئے انہوں نے سب کو اکٹھا کیا تو حضرت جندب نے آ کر پہلے ان سے کہا کہ تم اپنی گفتگو جاری رکھو، چنانچہ بات کی نوبت جب ان تک پہنچی تو آپ نے سر سے ٹوپی ہٹا کر تسلی سے حضرت اسامہ بن زید کا قصہ سنا دیا اور خونِ مسلم کے گرانے کی شدت کو بیان کیا۔

"حسر البرنس" حسر سر سے ٹوپی ہٹانے کو کہتے ہیں برنس اس ٹوپی کو کہتے ہیں جو جبہ یا قمیص یا کوٹ کے ساتھ لگی ہوئی ہو سمندر میں کام کرنے والے مزدوروں کی ٹوپی اسی طرح ہوتی ہے۔ "ولا ارید" یہاں پر سوال ہے کہ حضرت جندب نے پہلے وعدہ کیا کہ میں حدیث سنانے آ رہا ہوں اور اب فرما رہے ہیں کہ میں کوئی حدیث نہیں سناؤں گا اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہاں "لا" کا کلمہ زائد ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ صحابی نے فرمایا کہ میں تمہارے پاس اس لئے نہیں آیا تھا کہ تمہیں حدیث سناؤں بلکہ میں نے چاہا کہ تمہیں اپنی طرف سے وعظ کہدوں لیکن یہاں پہنچ کر اب میرا ارادہ بن گیا ہے کہ میں تمہیں آنحضرت کی حدیث سنا دوں چنانچہ سنا دیا۔ تیسرا جواب یہ ہے بعض شارحین نے متن کی عبارت اس طرح نقل کی ہے "انی اتیتکم ولا ارید الا ان اخبرکم" یعنی میں تمہارا پاس آیا ہوں میرا کوئی دوسرا ارادہ نہیں سوائے اس حدیث کو سنانے کے اب حدیث سنو، اگر اس طرح عبارت مل جائے تو یہ بہت اچھا جواب ہے۔ بعض شارحین نے "لا" کے لفظ کو زائد مانا ہے جس طرح پہلے لکھا گیا ہے۔ "فلما رجع" یہ رفع کے معنی میں ہے یعنی جب اسامہ نے تلوار سونت کر اٹھالی تا کہ اس شخص کو قتل کر دے۔ "فجاء بشیر" جنگ میں فتح کی صورت میں ایک گروپ مقرر ہوتا تھا وہ آ کر بشارت دیا کرتا تھا اسی کو بشیر کہا گیا۔ "استغفر لی" حضرت اسامہ نے آنحضرت سے استغفار کی درخواست کی مگر آنحضرت نے کوئی توجہ نہ دی اور وہی الفاظ دہراتے رہے کہ قیامت میں اس کلمہ کے ساتھ کیا کرو گے جب یہ تیرے خلاف آئے گا، تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ سے قصاص یا دیت نہیں لی کیونکہ قصاص قتل عمد میں ہوتا ہے آپ کو اجتہادی غلطی ہوئی تھی اسی طرح دیت قتل خطاء میں ہوتی ہے، اسامہ قتل خطاء کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ خطاء اجتہادی کے مرتکب تھے جس میں دیت نہیں آتی، علامہ ابن رشد نے اس قصہ میں یہی فرمایا ہے۔

بہر حال آنحضرت نے شدت سے تنبیہ فرمائی مگر جنگوں میں ایسا ہو جاتا ہے جس میں مجاہدین بعض دفعہ مجبور ہو جاتے ہیں اس لئے

عموی طور پر ایسے موقعوں پر قصاص یا دیت کی سزا نہیں ہوتی ہے آنحضرت نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔

## باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حمل علینا السلاح فلیس منا

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ جس نے ہم پر اسلحہ اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے۔

۲۸۰۔وَحَدَّثَنِی زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيَى وَهُوَ الْقَطَّانُ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ وَابْنُ نُمَيْرٍ كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَاللَّفْظُ لَهُ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ہم پر اسلحہ اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں۔

## تشریح

''فلیس منا'' یہ لفظ مختلف احادیث میں آیا ہے یہاں بھی اس باب میں تین مرتبہ آیا ہے اس کے بعد والے باب میں دو دفعہ آیا ہے پھر اس کے بعد والے باب میں دو دفعہ آیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس گناہ کا مرتکب ہم مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔

## سوال

اہل سنت والجماعۃ کا معروف ومشہور مسلک یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر نہیں ہے معتزلہ کا مسلک ہے کہ مرتکب کبیرہ خارج عن الاسلام ہے یہ الفاظ بظاہر معتزلہ وخوارج کے دلائل ہیں اس کا کیا جواب ہے۔

## جواب

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ اگر حلال سمجھ کر یہ گناہ کرے تو کافر ہو گیا اور اگر گناہ کا کام سمجھ کر کرے تو گناہ کبیرہ ہوگا۔

## دوسرا جواب

یہ ہے کہ آنحضرت کا یہ کلام علی اسلوب الحکیم ہے تاکہ ایک مسلمان کو اس گناہ سے باز رکھے تو آپ نے ایسا جملہ ارشاد فرمایا کہ جس نے یہ کام کیا اس کا ہم سے اور ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، اس کلام کو جب ایک وفادار مسلمان سنے گا تو چیخنے گا چلائے گا اور اس گناہ کو چھوڑ کر گناہ کے قریب بھی نہیں جائے گا اور یہی مقصود کلام ہے اور اسی کو اسلوب حکیم کہتے ہیں گویا یہ ضابطہ نہیں ہے بلکہ ایک حکمت ہے۔

## تیسرا جواب

یہ ہے کہ اس خاص شعبہ میں یہ شخص مسلمانوں کے طرز پر نہیں ہے یہ مطلب نہیں کہ پورے دین سے خارج ہوگیا یہ جوابات اور تاویلات آنے والی احادیث میں بھی جاری ہونگی۔ حضرت سفیان بن عیینہ ان تاویلات سے بہت ناراض ہوتے تھے کہ اس سے مقصد شارح فوت ہو جاتا ہے۔ (فتح الملہم نووی)

''حمل علینا'' اسلحہ اٹھانے کا مطلب یہ ہے اس شخص نے بغاوت کی مگر حق کی حمایت کے لئے نہیں بلکہ ظلم کرنے کے لئے بغاوت کی تو ایسے شخص کے لئے یہ وعید شدید ہے اگر حق کی حمایت کے لئے ظالم کے خلاف بغاوت کرتا ہے وہ الگ مسئلہ ہے اسلحہ اٹھانے سے لڑنا اور قتل مراد ہے۔

۲۸۱۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَابْنُ نُمَيْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُصْعَبٌ وَهُوَابْنُ الْمِقْدَادِ قَالَ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ عَنْ اِيَاسِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَلَّ عَلَيْنَا السَّيْفَ فَلَيْسَ مِنَّا ۔

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہمارے خلاف تلوار کھینچی وہ ہم میں سے نہیں۔

۲۸۲۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَعَبْدُاللّٰهِ بْنُ بَرَّادٍ الْاَشْعَرِىُّ وَاَبُوكُرَيْبٍ قَالُوا حَدَّثَنَا اَبُواُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ اَبِىْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِىْ مُوْسَى عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السَّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا ۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہمارے خلاف اسلحہ اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں۔

## باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غشنافلیس منا

## آنحضرت نے فرمایا جس نے ہم سے دھوکہ کیا وہ ہم میں سے نہیں

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں دو حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۲۸۳۔ **حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ وَهُوَابْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْقَارِىُّ ح: وَحَدَّثَنَا اَبُوالْاَحْوَصِ مُحَمَّدُ بْنُ حَيَّانَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِىْ حَازِمٍ كِلَاهُمَا عَنْ سُهَيْلِ بْنِ اَبِىْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السَّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا وَمَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہمارے اوپر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں اور جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔

## تشریح

"ومن غشنا فلیس منا" دھوکہ چاہے علمی میدان میں ہو چاہے عملی میدان میں ہو مادیات اور معاملات میں ہو یا روحانیات میں سب کے لئے یہ وعید ہے اس وعید کے مطلب پر سوال اور اس کے جوابات اس سے پہلے گذر چکے ہیں یہاں دوسری حدیث میں یہ تفصیل ہے کہ آنحضرت نے غلے کے ڈھیر میں ہاتھ ڈالا تو اندر سے گیلا تھا آپ نے مالک سے پوچھا تو وہ بہانہ کرنے لگا کہ رات کو شبنم یا بارش سے اس طرح ہوا تو آنحضرت نے فرمایا کہ اندر کا گیلا غلہ اوپر رکھتے تاکہ دھوکہ نہ ہوتا اس موقع پر آپ نے فرمایا "من غشنا فلیس منا" یا فرمایا "من غشنی فلیس منی"۔

"بللا" تری کو بلل کہا جاتا ہے یہ تری اوس سے یا شبنم سے یا بارش سے آئی تھی مالک کو چاہئے تھا کہ تری والا حصہ اوپر رکھتے۔

۲۸۴۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ جَمِيعًا عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ ابْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ أَخْبَرَنِي الْعَلَاءُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى صُبْرَةِ طَعَامٍ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلًا فَقَالَ مَا هَذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟ قَالَ أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک اناج کی ڈھیر کے پاس سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ڈھیر کے اندر اپنا ہاتھ ڈالا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انگلیوں میں تری محسوس ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کیا ہے اے غلہ کے مالک؟ اس نے کہا اس پر پانی پڑ گیا تھا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو تم نے اس گیلے غلہ کو اوپر کیوں نہیں کیا تاکہ لوگ اسے دیکھ سکتے، جس نے دھوکہ دیا وہ مجھ سے نہیں۔

## باب تحریم ضرب الخدود وشق الجیوب

## ماتم میں رخساروں کا پیٹنا اور گریبانوں کا چاک کرنا حرام ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے پانچ احادیث کو بیان کیا ہے۔

۲۸۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ وَوَكِيعٌ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي جَمِيعًا عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُودَ أَوْ شَقَّ الْجُيُوبَ أَوْ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ۔ هَذَا حَدِيثُ يَحْيَى وَأَمَّا ابْنُ نُمَيْرٍ وَأَبُو بَكْرٍ فَقَالَا وَشَقَّ وَدَعَا بِغَيْرِ أَلِفٍ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص ہم میں سے نہیں

ہے جو اپنے رخساروں کو پیٹے اور گریبان پھاڑے یا جاہلیت کی باتیں کرے، یہ یحییٰ کی روایت کے الفاظ ہیں اور ابن نمیر وابوبکر کی روایت میں لفظ ''او'' نہیں ہے۔

## تشریح

''الخدود'' خدود جمع ہے اس کا مفرد خد ہے رخسار کو کہتے ہیں۔ ''جیوب'' جمع ہے اس کا مفرد جیب ہے گریبان کو کہتے ہیں یعنی رخساروں کو تھپڑ رسید کرنا اور گریبانوں کا چاک کرنا۔ ''لیس منا من ضرب الخدود'' غم اور ماتم میں تین دن سے زیادہ سوگ منانا عام انسانوں کے لئے جائز نہیں ہے البتہ بیوی اپنے شوہر کے غم میں چار ماہ دس دن تک سوگ کریگی سوگ ماتم اور غم میں فرق ہے غم قلبی صدمہ اور رنج کو کہتے ہیں جبکہ سوگ اور ماتم ایک عملی اقدام ہے مثلاً نئے کپڑے نہ پہننا گھر کا کھانا نہ کھانا، عام معاشرت کو اختیار نہ کرنا بیوی سے مباشرت نہ کرنا یہ تین دن سے زیادہ جائز نہیں ہے ہاں قلبی غم کے لئے کوئی حدبندی نہیں ہے اس گناہ کو کبائر میں شمار کیا گیا ہے تو اگر کوئی شخص اس غم و ماتم میں اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر پر اعتراض کرتا ہے تو یہ شخص کافر ہو گیا ہے اس کے لئے'' فلیس منا'' تاویل کے بغیر لینا ہوگا کہ ملت اسلام سے خارج ہو گیا لیکن اگر یہ شخص ایسا نہیں کرتا ہے تو پھر اس طرح ماتم کرنا اور رونا دھونا کبائر میں سے ہے پھر اس حدیث میں وہی تاویلات ہونگی جو اس سے پہلے حدیثوں میں ہو گئی ہیں۔

آج کل اس حدیث کا پہلا مصداق شیعہ ہیں یہ لوگ صدیوں سے ماتم کرتے ہیں کبھی آگ پر ماتم ہوتی ہے کبھی خشکی میں ماتم کرتے ہیں کبھی پانی میں ماتم کرتے ہیں رخساروں کو پیٹتے ہیں گریبانوں کو چاک کرتے ہیں اور زبان سے جاہلیت کے عجیب عجیب نعرے مارتے ہیں صحابۂ کرام پر تبرا بازی کرتے ہیں اور حضرت حسینؓ سے عدم معاونت پر پوری امت کو کافر قرار دیتے ہیں حضرت حسینؓ اور تمام مسلمانوں کے درمیان مخالفت کے تذکرے کرتے ہیں جبکہ کوئی عقلمند اس طرح رسوائی کی باتیں اپنے بڑوں کی طرف منسوب نہیں کرسکتا ہے ایک شاعر نے خوب کہا ہے۔

هتكوا الحسين بكل عام مرة      و تمثلوا بعلوة و تصورا

ہر سال ماتم میں شیعہ حضرت حسین کی عزت پامال کرتے ہیں اور ان کو تمام مسلمانوں کے دشمن کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

ويلاه من تلك الفضيحة انها      تطوا وفي ايدي الروافض تنشرا

اس رسوائی کا برا ہو یہ تو چھپانے کی چیز ہے مگر روافض کے ہاں اس کی تشہیر کی جاتی ہے۔

''او شق'' اس روایت میں ''او'' کا لفظ موجود ہے جبکہ دوسری روایت میں صرف واؤ ہے وہ زیادہ واضح اور درست ہے۔ ''او دعا بدعوی الجاهلية'' دعوی جاہلیت اس طرح ہے کہ یا ویلاہ یا جبلاہ یا سیداہ یا اسی طرح روافض کے شرکیہ کفریہ نعرے ہوں۔

''بغیر الف'' یعنی واؤ کے ساتھ الف کا ذکر نہیں کیا اور او نہیں کہا بلکہ صرف واؤ ذکر کیا۔

۲۸۶۔ وَحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِیْرٌ ح: وَحَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ وَعَلِیُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَا اَخْبَرَنَا عِیْسَی بْنُ یُوْنُسَ جَمِیْعًا عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ وَقَالَا وَشَقَّ وَدَعَا۔

اعمش سے اسی سند کے ساتھ سابقہ روایت کی طرح منقول ہے صرف الف نہیں۔

۲۸۷۔ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ مُوْسَى الْقَنْطَرِیُّ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ حَمْزَةَ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ یَزِیْدَ بْنِ جَابِرٍ اَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُخَیْمِرَةَ حَدَّثَهُ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْبُرْدَةَ بْنُ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ وَجِعَ اَبُوْمُوْسٰی وَجَعًا فَغُشِیَ عَلَیْهِ وَرَأْسُهُ فِیْ حَجْرِ امْرَاَةٍ مِنْ اَهْلِهِ فَصَاحَتْ امْرَاَةٌ مِنْ اَهْلِهِ فَلَمْ یَسْتَطِعْ اَنْ یَرُدَّ عَلَیْهَا شَیْئًا فَلَمَّا اَفَاقَ قَالَ اَنَا بَرِیْءٌ مِمَّا بَرِیَٔ مِنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَرِیٌّ مِنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَّةِ۔

حضرت ابوبردہ بن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مرض میں مبتلا ہوگئے اور آپ پر غشی کے دورے پڑنے لگے۔ ان کا سر گھر کی کسی عورت کے گود میں رکھا تھا کہ اچانک ان کے گھر کی ایک عورت زور سے چلائی۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو اسے منع کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ جب وہ صحت یاب ہوگئے تو فرمایا میں بری اور بیزار ہوں اس سے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیزار ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیزار ہیں اس عورت سے جو چیخ چلا کر روئے اور بال کاٹنے والی عورت سے اور مارے غم کے کپڑے پھاڑنے والی عورت سے۔

## تشریح

''وجع'' یعنی بیماری اور تکلیف اتنی زیادہ ہوگئی کہ حضرت ابوموسیٰؓ بیہوش ہوگئے گھر کی کسی عورت نے چیخ ماری اور زور زور سے رونے لگی آپ بیہوش تھے تو منع نہ کرسکے لیکن جب ہوش میں آگئے تو اس عورت کو سمجھا دیا کہ اس طرح کرنا جائز نہیں ہے میں تو اس سے بیزار ہوں کیونکہ آنحضرت نے اس سے بیزاری کا اعلان فرمایا ہے، یہاں کسی عورت کا تعین نہیں ہے مگر آگے حدیث نمبر ۲۸۸ میں تصریح ہے کہ یہ ابوموسیٰ اشعری کی بیوی تھی۔ ''الصالقة'' یہ لفظ صاد کے ساتھ بھی ہے اور سین کے ساتھ بھی ہے میت پر رونے میں چیخنے چلانے والی عورت کو کہتے ہیں۔ ''الحالقة'' حلق سے ہے میت پر رونے میں بال نوچنے والی عورت کو کہا گیا ہے۔ ''الشاقة'' یہ شق سے ہے میت پر رونے گریبان وغیرہ کپڑے پھاڑنے والی عورت مراد ہے اگلی حدیث میں خرق کا لفظ ہے ایک ہی مفہوم ہے یہ تمام صفات عورتوں کی بیان کی گئی ہیں کیونکہ اس طرح میت پر بین کرنا عورتوں کا کام ہوتا تھا یہ عورتیں کرایہ پر بھی حاصل کی جاتی تھیں یہ منٹوں میں پورے مجمع کو رلا دیتی تھیں اور عجیب کیفیت بنا کر لوگوں کو حیرت میں ڈالتی تھیں۔ ''بری'' یعنی اس طرح حرام کام کرنے والی عورتوں سے نبی مکرم نے برأت کا اعلان کیا ہے۔ ''القنطری'' قنطرۂ بردان کی طرف منسوب ہے جو بغداد میں ایک پل کا نام ہے ''تصیح برنة'' گانے کی طرح آواز سے رونا یعنی بین کرنا۔

۲۸۸۔ **حَدَّثَنَا** عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَا أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ أَخْبَرَنَا أَبُو عُمَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا صَخْرَةَ يَذْكُرُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ وَأَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى قَالَا أُغْمِيَ عَلَى أَبِي مُوسَى وَأَقْبَلَتْ امْرَأَتُهُ أُمُّ عَبْدِ اللَّهِ تَصِيحُ بِرَنَّةٍ قَالَا ثُمَّ أَفَاقَ قَالَ أَلَمْ تَعْلَمِي وَكَانَ يُحَدِّثُهَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَنَا بَرِيءٌ مِمَّنْ حَلَقَ وَسَلَقَ وَخَرَقَ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید اور ابو بردہ بن ابی موسیٰ دونوں سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ پر غشی طاری ہوگئی ان کی اہلیہ ام عبداللہ روتی پیٹتی چیختی چلاتی ہوئی ان کی طرف متوجہ ہوئیں۔ جب حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو مرض سے افاقہ ہوگیا تو فرمایا میں بری اور بیزار ہوں اس سے جو مصیبت کے وقت بال منڈواد ے اور چلائے اور کپڑے پھاڑ دے۔

۲۸۹۔ **وَحَدَّثَنِي** عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُطِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ عِيَاضٍ الْأَشْعَرِيِّ عَنْ امْرَأَةِ أَبِي مُوسَى عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح: وَحَدَّثَنِيهِ حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَنَا دَاوُدُ يَعْنِي ابْنَ أَبِي هِنْدٍ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح: وَحَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْحَدِيثِ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ عِيَاضٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ لَيْسَ مِنَّا وَلَمْ يَقُلْ بَرِيءٌ۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے یہی روایت دوسری سند سے منقول ہے۔ لیکن اس روایت میں ''بری'' کے بجائے ''لیس منا'' کے الفاظ ہیں۔

## باب بیان غلظ تحریم النمیمة

## چغل خوری کی شدید حرمت کا بیان

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تین احادیث کا ذکر کیا ہے۔

۲۹۰۔ **وَحَدَّثَنِي** شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ الضُّبَعِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ وَهُوَ ابْنُ مَيْمُونٍ حَدَّثَنَا وَاصِلٌ الْأَحْدَبُ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَجُلًا يَنُمُّ الْحَدِيثَ فَقَالَ حُذَيْفَةُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ۔

حضرت حذیفہ بن یمان کو اطلاع ملی کہ فلاں شخص گفتگو میں چغلی لگاتا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

## تشریح

''نمام'' نم ینم نماً ضرب یضرب اور نصر ینصر سے نمام چغلخور کو کہتے ہیں، اور "النمیمة" چغلی کو کہتے ہیں، نمام کو ''قتات'' بھی کہتے ہیں جو ''قت یقت'' نصر سے جمع کرنے کے معنی میں ہے چغلخور بھی باتوں کو جمع کرتا ہے اور پھر نقل کرتا ہے جس میں جاسوسی کا مفہوم بھی پڑا ہے نمام بھی نقل کرنے والے کو کہتے ہیں ''نمیمة'' کی تعریف اس طرح ہے۔

النمیمة ھی نقل کلام بعض الناس الی بعضھم علی جھة الافساد۔ (نووی)

اسلامی معاشرہ کو تباہ کرنے والی دو چیزیں زیادہ خطرناک ہیں ایک چغلی ہے اور دوسری غیبت ہے اسلام میں بُرے اخلاق میں سب سے زیادہ مذمت غیبت کی اور پھر چغلی کی آئی ہے۔

نمام اور قتات میں تھوڑا سا فرق ہے وہ یہ کہ نمام اس چغلخور کو کہتے ہیں جو مجلس میں حاضر ہو کر خود سے پھر آگے فساد کی غرض سے بات پھیلائے اور قتات وہ ہوتا ہے جو خفیہ طور پر کسی جگہ سے کسی کی بات سن لیتا ہے اور پھر آگے فساد کی غرض سے پھیلاتا ہے تو قتات کے عمل میں باتوں کی چوری بھی ہوتی ہے اور جاسوسی بھی ہوتی ہے، چغلی اور غیبت میں یہ فرق ہے کہ غیبت میں غائب ہونا شرط ہے افسادیت شرط نہیں مگر چغلی میں افسادیت شرط ہے غیوبت شرط نہیں ہے۔ ''ینم الحدیث'' یعنی چغلی کھاتا ہے اور باتیں وقت کے بادشاہ تک پہنچاتا ہے آنے والی حدیث میں "الامیر" سے مراد حضرت عثمان بن عفان ہیں۔ ''لایدخل الجنة'' دخول جنت کی یہ نفی یا تو اس وجہ سے ہے کہ آدمی اس کو حلال سمجھے یا مراد یہ ہے کہ اوّل وھلت میں داخل نہیں ہوگا، یا یہ حکم زجراً و توبیخاً تغلیظاً تھدیداً و تشدیداً ہے۔

۲۹۱۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اِسْحَاقُ اَخْبَرَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يَنْقُلُ الْحَدِيْثَ اِلَى الْاَمِيْرِ فَكُنَّا جُلُوْسًا فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ الْقَوْمُ هٰذَا مِمَّنْ يَنْقُلُ الْحَدِيْثَ اِلَى الْاَمِيْرِ قَالَ فَجَاءَ حَتّٰى جَلَسَ اِلَيْنَا فَقَالَ حُذَيْفَةُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ۔

ہمام بن الحارث بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص لوگوں کی باتیں حاکم سے نقل کر دیا تھا کہ (فلاں تمہارے بارے میں کہتا ہے اور فلاں یہ) ایک بار ہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، لوگوں نے کہا کہ یہ ہے وہ شخص جو امیر تک دوسروں کی باتیں پہنچاتا ہے۔ اس دوران وہ شخص ہمارے قریب آکر بیٹھ گیا تو حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "چغلخور جنت میں داخل نہیں ہوگا"۔

۲۹۲۔ حَدَّثَنَا اَبُوبَکْرِبْنُ اَبِی شَیْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُومُعَاوِیَةَ وَوَکِیعٌ عَنِ الْاَعْمَشِ ح وَحَدَّثَنَا مِنْجَابُ بْنُ الْحَارِثِ التَّمِیمِیُّ وَاللَّفْظُ لَهُ اَخْبَرَنَا ابْنُ مُسْهِرٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِیمَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا مَعَ حُذَیْفَةَ فِی الْمَسْجِدِ فَجَاءَ رَجُلٌ حَتّٰی جَلَسَ اِلَیْنَا فَقِیلَ لِحُذَیْفَةَ اِنَّ هٰذَا یَرْفَعُ اِلَی السُّلْطَانِ اَشْیَاءَ فَقَالَ حُذَیْفَةُ اِرَادَةَ اَنْ یُسْمِعَهُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُولُ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ۔

ہمام بن الحارث کہتے ہیں کہ ہم ایک بار حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آکر ہمارے پاس بیٹھ گیا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا یہ شخص حاکم کے پاس بہت سی باتیں پہنچاتا ہے۔ تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس کو سنانے کے لئے فرمایا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ چغل خور جنت میں نہیں داخل ہوگا۔

## باب غلظ تحریم اسبال الازار

## ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانا کبیرہ گناہ ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے سات احادیث کو بیان کیا ہے۔

۲۹۳۔ حَدَّثَنَا اَبُوبَکْرِبْنُ اَبِی شَیْبَةَ وَمُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰی وَابْنُ بَشَّارٍ قَالُوْا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَلِیِّ بْنِ مُدْرِكٍ عَنْ اَبِی زُرْعَةَ عَنْ خَرَشَةَ بْنِ الْحُرِّ عَنْ اَبِی ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ وَلَا یُزَكِّیهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیمٌ قَالَ فَقَرَاَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ مِرَارٍ قَالَ اَبُوذَرٍّ خَابُوا وَخَسِرُوا مَنْ هُمْ یَارَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی ہیں کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ ان سے بات بھی نہیں فرمائیں گے اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائیں گے اور نہ ہی ان کو پاک کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار یہی الفاظ ادا فرمائے تو انہوں نے فرمایا کہ: یہ لوگ تو تباہ و برباد ہو گئے، یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانے والا، احسان کر کے جتلانے والا اور اپنے سامان کو جھوٹی قسمیں کھا کر نکالنے والا۔

### تشریح

''ثــــلاثة'' اس سے صرف تین آدمی مراد نہیں ہیں بلکہ تین قسم کے لوگ مراد ہیں اس باب میں دیگر احادیث میں کچھ اور قسم کے لوگوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ تین قسم کے لوگوں میں حصر مقصود نہیں بلکہ بیان کرنے میں فرق ہے۔ ''لایکلمهم الله''.

اس سے کلام رحمت کی نفی مراد ہے جو عدم رضا سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تین قسم کے لوگوں سے راضی نہیں ہونگے نہ خود ان سے بات فرمائیں گے نہ بواسطہ فرشتہ بات کریں گے۔ "ولا ینظر الیھم" مخلوق تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہوتی ہیں، یہاں نظر رحمت کی نفی ہے کہ لطف وکرم کے ساتھ ان کی طرف نہیں دیکھیں گے مراد اعراض کرنا ہے۔ "ولا یزکیھم" یعنی گناہوں سے ان کو پاک نہیں کریں گے نہ ان کا تزکیہ فرمائیں گے بلکہ یہ لوگ گناہوں کی گندگی میں آلودہ رہیں گے تو دوزخ میں جائیں گے کیونکہ گندے لوگ گندگی کے ساتھ جنت میں نہیں جا سکتے اسی لئے فرمایا "ولھم عذاب الیم" عذاب کے مفہوم میں دفع کا معنی پڑا ہے کیونکہ عذاب اور سزا کا خوف انسان کو جرم کے ارتکاب سے دفع کر کے دور رکھتا ہے پانی کی صفت میں بھی "عذب" کا لفظ آتا ہے کیونکہ پانی بھی پیاس کو دفع کرتا ہے۔ "المسبل" اسبال باب افعال سے کپڑا لٹکانے کے معنی میں ہے خواہ قمیص ہو یا تہبند یا شلوار یا پاجامہ اور پتلون ہو یا عمامہ ہو یا چادر ہو۔ اسبال ازار کی یہ بیماری عرب لوگوں میں بہت زیادہ ہے پھر افغانوں، پنجابیوں پھر پنجاب کے عوام کے علاوہ علماء میں یہ مرض بہت زیادہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ تمام اقوام میں یہ وبا عام ہے اہل بدعت علماء اور عوام اس کو اہل حق علماء کا شعار سمجھ کر مخالفت پر اتر آئے اور اس کبیرہ گناہ کو جائز سمجھنے لگے، حالانکہ احادیث میں اس گناہ سے متعلق سخت وعیدات ہیں زیر بحث احادیث کسی پر پوشیدہ نہیں ہیں مشکوۃ شریف میں سابقہ امتوں کے ایک شخص کا قصہ مشہور ہے کہ وہ اسبال ازار کی وجہ سے زمین میں دھنسایا گیا "فھو یتجلجل" یعنی قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جا رہا ہے مشکوۃ میں ایک اور حدیث ہے کہ آنحضرت نے ایک شخص کو نماز لوٹانے کا حکم دیا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ نئے سرے سے وضو بھی بناؤ اس نے پوچھا کہ یہ کیوں تو آنحضرت نے فرمایا کہ تم نے ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکایا۔ یہ سب کچھ اس جرم کی شدت جتانے کے لئے تھا لہٰذا یہ کسی بریلوی دیوبندی کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ دین کا مسئلہ ہے۔ ایک بریلوی مولوی غلام رسول صاحب نے مسلم کی شرح لکھی ہے وہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ وعید اس شخص کے لئے ہے جو ازراہ تکبر ایسا کرتے ہو گویا بریلوی حضرات جو یہ جرم کرتے ہیں یہ جرم نہیں رہا کیونکہ وہ بطور تکبر نہیں کرتے ہیں میرے خیال میں یہ ایک بہانہ ہے ورنہ یہ عمل خود متکبرانہ ہے اس میں عدم تکبر کی صورت نکالنا بہت مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت نے صرف صدیق اکبر کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ان کے علاوہ کسی صحابی کو مستثنیٰ نہیں کیا حضرت صدیق نے بھی عدم القصد کی بات کی اور فرمایا کہ یا رسول اللہ! میں بہت خیال رکھتا ہوں لیکن پیٹ کچھ بڑا ہے کبھی بے خیالی میں ازار نیچے چلا جاتا ہے اس پر آنحضرت نے صرف ان کو مستثنیٰ فرمایا اگر اس طرح صورت ہو تو بعض فقہاء نے اس مجبوری کے تحت اسبال کی گنجائش کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں استمرار نہ ہو۔ ائمہ احناف کا عام فیصلہ اس طرح ہے کہ اسبال مطلقاً ناجائز ہے اور اگر تکبراً ہو تو پھر یہ گناہ کبیرہ ہے، رد المختار، ج ۱ص ۶۳۹ پر اسی طرح تفصیل موجود ہے۔ "المنان" احسان کر کے اس کو جتلانے والے کو کہا گیا ہے یہ رذیلہ اخلاق میں سے ہے جو دل کی بیماری ہے شریف آدمی کی علامت یہ ہے کہ خود احسان کر کے بھول جاتا ہے اور دوسرے کا احسان یاد رکھتا ہے اور رذیل آدمی کی علامت یہ ہے کہ دوسرے کا احسان بھول

جاتا ہے اور اپنا احسان ہمیشہ یاد رکھتا ہے۔ "والمنفق" یہ تنفیق سے ہے بیع وشرا میں اپنے سامان تجارت کو رواج دینا اور عام تشہیر کے ساتھ اسکو بازار میں چلا کر مقبول بنانے کو کہتے ہیں اس تشہیر کے لئے جھوٹی قسم کھا کر لوگوں کو دھوکہ میں ڈالنا گناہ کبیرہ ہے۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس جھوٹی قسم میں چار جرائم جمع ہیں ایک تو یہ جھوٹی قسم ہے دوسرا اس میں دھوکہ ہے تیسرا یہ کہ دوسروں کا مال ناحق طور پر ہتھیانا ہے چوتھا یہ کہ جھوٹی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ کے نام کی توہین کرنا ہے۔

۲۹۴۔ **وَحَدَّثَنِي** أَبُو بَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى وَهُوَ الْقَطَّانُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ الْأَعْمَشُ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُسْهِرٍ عَنْ خَرَشَةَ بْنِ الْحُرِّ عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمَنَّانُ الَّذِي لَا يُعْطِي شَيْئًا إِلَّا مَنَّهُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْفَاجِرِ وَالْمُسْبِلُ إِزَارَهُ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین لوگوں سے روز قیامت اللہ تعالیٰ کلام نہیں فرمائیں گے، ایک وہ شخص جو احسان جتلانے والا ہو کہ بغیر احسان جتلائے کسی کو کچھ نہ دیتا ہو، دوسرا وہ شخص جو اپنا سامان ناجائز قسم کھا کر فروخت کرتا ہو، تیسرا اپنا ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا۔

۲۹۵۔ **وَحَدَّثَنِيهِ** بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَ ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث کچھ فرق کے ساتھ منقول ہے۔

۲۹۶۔ **حَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ قَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ شَيْخٌ زَانٍ وَمَلِكٌ كَذَّابٌ وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین اشخاص ہیں کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں فرمائیں گے اور نہ ہی انہیں پاک فرمائیں گے نہ ان کی طرف نظر فرمائیں گے اور ان کے واسطے دردناک عذاب ہے۔ (۱) بوڑھا زانی (۲) جھوٹا بادشاہ (۳) مغرور و متکبر محتاج۔

## تشریح

"شیخ زان" زنا تو ویسے بھی ایک قباحت ہے لیکن ایک بوڑھا جب زنا کرتا ہے تو یہ اس کے وقار اور جسمانی ساخت کے اعتبار سے کتنا بُرا لگتا ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے احترام کا دوسروں کو پابند بنایا ہے خود بھی اللہ تعالیٰ بوڑھے کی قدر کرتا ہے پھر اس کو بھی دیکھئے کہ اس کی شادی ہو چکی ہے سارے جذبات کا انتظام ہو گیا ہے ہیجانی جذبات کا زمانہ بھی گذر چکا ہے اس کے باوجود

جب بوڑھا زنا کرتا ہے تو یہ جنسی مجبوری نہیں بلکہ اس کی خباثتِ نفس پر دلالت کرتا ہے اس لئے یہ گناہ زیادہ اشد اور کبیرہ ہے۔

''ملك كذاب'' جھوٹ بولنے کی ضرورت کسی مجبور آدمی کو پڑتی ہے بادشاہ سربراہ ہوتا ہے اس کو جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی ہے اس کے باوجود جب وہ جھوٹ بولتا ہے تو یہ اس کی خباثت نفس کی علامت ہے اس لئے یہ گناہ اور زیادہ سنگین اور کبیرہ ہو جاتا ہے پھر بادشاہ کا جھوٹ بھی بادشاہ ہوگا جو پورے عوام پر پڑیگا۔ ''عائل متكبر'' یعنی عیالدار ہے فقیر و مسکین ہے لیکن صدقہ وخیرات لینے میں تکبر کرتا ہے تو یہ شخص درحقیقت اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کا مقابلہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو مستحق صدقہ فقیر بنایا ہے اس طرح یہ اپنے آپ کو اور اپنے عیال کو ہلاک کر کے رکھدیگا اس لئے اس کا یہ تکبر ناپسندیدہ اور کبیرہ گناہ ہے ان تینوں آدمیوں میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ ہر ایک میں گناہ کرنے کے اسباب ودواعی موجود نہیں ہیں پھر بھی یہ گناہ کر رہے ہیں۔

۲۹۷۔ حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاَبُوْ كُرَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَهٰذَا حَدِيْثُ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ لَايُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ رَجُلٌ عَلٰى فَضْلِ مَاءٍ بِالْفَلَاةِ يَمْنَعُهُ مِنِ ابْنِ السَّبِيْلِ وَرَجُلٌ بَايَعَ رَجُلًا بِسِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ فَحَلَفَ لَهُ بِاللّٰهِ لَاَخَذَهَا بِكَذَا وَكَذَا فَصَدَّقَهُ وَهُوَ عَلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ وَرَجُلٌ بَايَعَ اِمَامًا لَايُبَايِعُهُ اِلَّا لِدُنْيَا فَاِنْ اَعْطَاهُ مِنْهَا وَفٰى وَاِنْ لَمْ يُعْطِهِ مِنْهَا لَمْ يَفِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین طرح کے آدمی ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان سے کلام کریں گے نہ ان کا تزکیہ فرمائیں گے اور ان کے واسطے دردناک عذاب ہے۔ (۱) وہ شخص جس کے پاس اس کی ضرورت سے زائد پانی ہو اور وہ بیابان علاقہ میں ہو اور کسی مسافر کو پانی نہ دے۔ (۲) وہ شخص جو عصر کے بعد اپنا سامان فروخت کرے اور قسم کھائے کہ یہ اس نے اتنے اتنے پیسوں میں لیا ہے اور خریدار اسے سچا جانے حالانکہ وہ جھوٹا تھا۔ (۳) وہ شخص جو حاکم اور امام المسلمین کے ہاتھ پر صرف دنیا طلبی کی وجہ سے ہی بیعت کرتا ہے۔ اگر حاکم اور امام اسے مال ودولت دیتا ہے تو یہ بھی وفاداری کرتا ہے اور اگر نہیں دیتا تو یہ بھی اس سے وفا نہیں کرتا۔

## تشریح

''على فضل ماءٍ'' فضل کا لفظ فاضل کے معنی میں ہے اور یہاں صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے'' ای علی ماء فاضل '' یعنی ضرورت سے زیادہ پانی اس کے پاس موجود ہے۔

''بالفلاة'' اس کی جمع فلوات ہے صحراء کو کہتے ہیں اب یہ کبیرہ گناہ اس لئے ہے کہ پانی زائد موجود ہے مسافر پیاس سے مر رہا ہے صحراء ہے کسی اور جگہ پانی نہیں ہے اور یہ آدمی خدا کے چلائے ہوئے اس پانی کو خدا کی مخلوق پر بند کر رہا ہے، یہ نہایت

سنگ دلی ہے اس لئے گناہ کبیرہ میں سے ہے۔ "بعد العصر" اس قید کو اس لئے بڑھایا گیا ہے کہ اس گناہ کی شدت کی طرف اشارہ ہو جائے کیونکہ گناہ تو ہر وقت گناہ ہے لیکن ایسے مبارک وقت میں گناہ کا ارتکاب نہایت قبیح ہے۔ اول تو اس شخص نے بیع میں جھوٹ بولا جو خود ایک گناہ ہے پھر دھوکہ دینا دوسرا گناہ ہے، پھر جھوٹی قسم کھانا تیسرا گناہ ہے پھر یہ تمام گناہ عصر کے بعد ایک مبارک وقت میں کیے جس میں دن بھر کے اعمال آسمان پر جاتے ہیں اس لئے اس گناہ میں شدت آگئی اور کبائر میں شمار ہونے لگا۔ "بایع اماما" یعنی حاکم یا امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت صرف دنیاوی اغراض و مقاصد کے لئے کرتا ہے حالانکہ ایک مؤمن جب بادشاہ کی بیعت کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ فیصلہ صرف دین وملت کی سربلندی اور عزت وعظمت کے پیش نظر کرے مگر یہ شخص صرف دنیا کے حصول کے لئے ضمیر کا سودا کرتا ہے اس لئے یہ ایک گھناؤنا جرم ہے پھر بیعت کے وقت یہ دل میں خیال پکاتا ہے کہ اگر مقصد حاصل نہیں ہوا تو بیعت توڑ دوں گا یہ سب ایک غلط کھیل ہے اس لئے کبیرہ گناہ ہے۔

۲۹۸۔ **وَحَدَّثَنِي** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ح وَحَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو الْأَشْعَثِيُّ أَخْبَرَنَا عَبْثَرٌ كِلَاهُمَا عَنِ الْأَعْمَشِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ جَرِيرٍ وَرَجُلٌ سَاوَمَ رَجُلًا بِسِلْعَةٍ۔

اعمش کی یہ روایت بھی سابقہ کی طرح ہے مگر اس میں "جس نے ایک سامان کا نرخ کیا" کا اضافہ ہے۔

۲۹۹۔ **وَحَدَّثَنِي** عَمْرٌو النَّاقِدُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أُرَاهُ مَرْفُوعًا قَالَ ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ رَجُلٌ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ بَعْدَ صَلَاةِ الْعَصْرِ عَلَى مَالِ مُسْلِمٍ فَاقْتَطَعَهُ وَبَاقِي حَدِيثِهِ نَحْوُ حَدِيثِ الْأَعْمَشِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہی حدیث ان الفاظ کے فرق کے ساتھ منقول ہے۔ تین آدمی ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ کلام نہیں فرمائیگا اور نہ ان کی جانب نظر اٹھائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ایک تو وہ شخص جس نے عصر کے بعد کسی مسلمان کے مال پر قسم کھائی پھر اس کا مال مار لیا۔ بقیہ حدیث اعمش کی سابقہ روایت کی طرح ہے۔

## باب غلظ تحريم قتل الانسان نفسه

## خودکشی کرنا کبیرہ گناہ ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے نو احادیث کو بیان کیا ہے۔

۳۰۰۔ **حَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ شَرِبَ سُمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا

وَمَنْ تَرَدّٰى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَهُوَ يَتَرَدّٰى فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا اَبَدًا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی تیز دھار لوہے سے خودکشی کی تو وہ تیز دھار لوہا اس کے ہاتھ میں ہوگا جسے وہ اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ جس نے زہر پینے کے ذریعہ خودکشی کی وہ ہمیشہ جہنم میں زہر ہی چوستا رہے گا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں پڑا رہے گا اور جس نے پہاڑ سے اپنے آپ کو گرا کر اپنے آپ کو ہلاک کیا وہ بھی جہنم میں ہمیشہ اسی عمل میں مبتلا رہے گا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

## تشریح

''من قتل نفسہ'' خودکشی کرنا گناہ کبیرہ ہے اور حرام ہے البتہ کفر نہیں ہے جس طرح بعد کے ایک باب میں اس کی تفصیل آرہی ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ کہ دوسرے انسان کے قتل کرنے سے اپنے آپ کو قتل کرنا زیادہ سنگین ہے لیکن ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ اگر عقیدہ کا فساد نہ ہو تو صرف قتل کے اعتبار سے دوسرے کو قتل کرنا خودکشی سے زیادہ سنگین ہے دراصل یہاں کچھ تفصیل ہے وہ یہ کہ انسان حقیقت میں روح کا نام ہے اوپر جسم صرف ڈھانچہ اور لفافہ ہے گویا یہ کرائے کا مکان ہے تو جو آدمی کسی کے کرایہ کے مکان میں رہتا ہے تو کرایہ دار، لک مکان کی اجازت کے بغیر مکان میں توڑ پھوڑ نہیں کرسکتا ہے اسی طرح ایک انسان اپنے جسم میں وہی تصرف کرسکتا ہے جس کی اس کے خالق و مالک کی طرف سے اجازت ہو یہی وجہ ہے کہ تغییر خلق اللہ حرام ہے مثلاً داڑھی کٹوانا، وشم کرنا، ناک یا کان کاٹنا اب جو آدمی خودکشی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس عمارت کو گراتا ہے تو اس کے دو اسباب ہوسکتے ہیں ایک سبب یہ ہے کہ یہ شخص سوچتا ہے کہ میرا رب مجھے کھلاتا نہیں میرا کام نہیں کرتا ہے یہ عقیدہ کفر ہے کیونکہ رزق کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، دوسرا یہ عقیدہ قائم ہوجاتا ہے کہ یہ آدمی سمجھتا ہے کہ میرا رب مجھے رزق نہیں دے سکتا ہے یہ عقیدہ پہلے سے زیادہ کفر پر مبنی ہے۔

علامہ دقیق العید رحمہ اللہ نے اس مضمون کی طرف کچھ اشارات کیے ہیں عربی عبارت فتح الملہم نے یوں نقل کی ہے۔

ويؤخذ منه ان جناية الانسان على نفسه كجنايته على غيره في الاثم. لان نفسه ليست ملكا له مطلقاً بل هي لله تعالى فلا يتصرف فيها الا بما اذن له فيه ۔ (ج۲،ص۱۵۱)

''فحديدته في يده'' یعنی جس انداز سے اس نے اپنے آپ کو مارا ہے اسی انداز سے قیامت میں اس کو سزا ملے گی ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں کہ هذا من باب مجانسة العقوبات الاخروية للجنايات الدنيوية۔

اس کو دوسرے الفاظ میں یوں تعبیر کرتے ہیں ''جزاء العمل بمثل مافعل'' یعنی جیسا کروگے ویسا بھروگے۔

''يتوجأ'' وجأ فتح سے کچلنے کے معنی میں ہے یہاں گھونپنا مراد ہے یعنی چھری چاقو وغیرہ اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا خود یہ آدمی دوزخ میں بھی ہوگا اور اضافی طور پر یہ سزا اپنے آپ کو دیتا رہیگا۔ ''سمّا'' اس لفظ کو سین کے فتح ضمہ اور کسرہ تینوں طرح پڑھا

جاسکتا ہے البتہ سین کا فتح فصیح تر ہے زہر قاتل کو کہتے ہیں۔ "یتحساہ" گھونٹ گھونٹ انڈیلنے اور پینے کے معنی میں ہے۔

"تردی" باب تفعل سے ہے اپنے آپ کو پہاڑ وغیرہ اونچی جگہ سے گرانے کے معنی میں ہے خود دوزخ میں بھی ہوگا اور یہ اضافی سزا بھی اٹھاتا رہیگا۔ "خالدا مخلدا" یعنی ہمیشہ کے لئے دوزخ میں پڑا رہیگا۔

## سوال

اب سوال یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک مرتکب کبیرہ مخلد فی النار نہیں ہوتا ہے، حالانکہ اس حدیث میں اس کو دائمی دوزخی بتایا گیا ہے جس سے معتزلہ کا مسلک ثابت ہوتا ہے۔

## پہلا جواب

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے جو اس گناہ کو حلال سمجھتا ہے اور حلال سمجھنے والا کافر ہے۔

## دوسرا جواب

یہ ہے کہ یہ حکم زجراً و توبیخاً و تغلیظاً و تشدیداً و تهدیداً ہے۔

## تیسرا جواب

یہ ہے کہ اس خلود سے طول مدت مراد ہے کہ بہت زیادہ عرصہ دوزخ میں رہیگا پھر نکل جائے گا۔

۳۰۱۔ **وَحَدَّثَنِي** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ح: وَحَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو الْأَشْعَثِيُّ حَدَّثَنَا عَبْثَرٌ هُوَ ابْنُ الْقَاسِمِ ح: وَحَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ كُلُّهُمْ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ وَفِي رِوَايَةِ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ ذَكْوَانَ۔

مذکورہ سب طریقوں سے بعینہ حسب سابق روایت منقول ہے۔

## تشریح

"وفی روایة شعبة" یعنی شعبہ کی روایت میں آپ نے سلیمان اعمش سے عنعنہ کی جگہ سمعت ذکوان کا لفظ نقل کیا ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ تصریح اس لئے فرمائی کہ اس سے ماقبل سند میں عن الاعمش عن ابی صالح کے الفاظ تھے جس میں اعمش عنعنہ کے ساتھ ابو صالح سے جس کا نام ذکوان ہے روایت کرتے ہیں چونکہ اعمش مدلس ہے اس لئے امام مسلم نے اس کے عنعنہ کو دوسری روایت کے ذریعہ سے ختم کر دیا، ذکوان کی کنیت ابو صالح ہے اور اعمش کا نام سلیمان بن مہران ہے اللہ تعالیٰ امام مسلم کو جنت الفردوس کا اعلیٰ مقام عطا فرمائے یہ احادیث بیان کرنے میں کس قدر احتیاط کرتے ہیں۔

۳۰۲۔ **حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَّامِ بْنِ أَبِي سَلَّامٍ الدِّمَشْقِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ أَنَّ أَبَا

قِلَابَةَ اَخْبَرَهُ اَنَّ ثَابِتَ بْنَ الضَّحَّاكِ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ بَايَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ وَاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ بِمِلَّةٍ غَيْرِ الْاِسْلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ عُذِّبَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَيْسَ عَلٰى رَجُلٍ نَذْرٌ فِيْ شَيْءٍ لَا يَمْلِكُهُ۔

حضرت ثابت بن الضحاک فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت کے نیچے بیعت فرمائی اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام کے علاوہ کسی اور ملت ودین کی جھوٹی قسم کھائی تو وہ ایسا ہی ہوگا جیسے کہ اس نے کہا اور جس نے خودکشی کی کسی چیز سے تو قیامت کے روز اسی چیز سے اسے عذاب دیا جائے گا۔ انسان کے اوپر کسی ایسی چیز کی نذر واجب نہیں جو اس کی ملکیت میں نہ ہو۔

## تشریح

"تحت الشجرة" بیعت رضوان کی طرف اشارہ ہے۔ "غیر الاسلام" یعنی اسلام کے علاوہ ملت کفریہ پر قسم کھالی مثلاً کہا کہ "ان سرقتُ فانایھودی" یہ تعلیق کی صورت ہے یا تعلیق کے بغیر یوں قسم کھائی "احلف بالدین الیھودی انی لست سارقا" اب اگر کسی نے سچ مچ عقیدہ رکھ کر اپنے آپ کو یہودی قرار دیا یا ملت یہود کو دل سے معظم سمجھ لیا اور جھوٹی قسم کھالی تو وہ کافر ہوگیا اور اگر اس طرح نیت نہیں تھی صرف قسم میں تاکید پیدا کرنے کے لئے کہا تو یہ گناہ کبیرہ ہے۔ ابواب الایمان والنذور میں ان شاء اللہ تفصیل آئے گی اگر میں زندہ رہا (یوسف زئی)۔

"نذر" نذر کے مسائل آئندہ ان شاء اللہ آئیں گے، یہاں صرف اتنی بات ہے کہ انسان جس چیز کا مالک نہیں ہے اس کی نذر صحیح نہیں ہے تو اس کو پورا کرنا بھی ضروری نہیں ہے مثلاً یوں کہا کہ اگر میرا بیمار تندرست ہوگیا تو میں زید کی گائے کی نذر مانتا ہوں۔

۳۰۳۔ **حَدَّثَنِي** اَبُوْ غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ حَدَّثَنَا مُعَاذٌ وَهُوَ ابْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِيْ كَثِيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبُوْ قِلَابَةَ عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ عَلٰى رَجُلٍ نَذْرٌ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ وَلَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ فِي الدُّنْيَا عُذِّبَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنِ ادَّعٰى دَعْوٰى كَاذِبَةً لِيَتَكَثَّرَ بِهَا لَمْ يَزِدْهُ اللّٰهُ اِلَّا قِلَّةً وَمَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنِ صَبْرٍ فَاجِرَةٍ۔

حضرت ثابت بن الضحاک رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس چیز پر انسان کی ملکیت نہ ہو اس میں اس کی نذر واجب نہیں، مومن پر لعنت کرنا اس کے قتل کے مترادف ہے، جس نے دنیا میں کسی چیز سے اپنے کو ہلاک کر ڈالا، قیامت کے روز اسی چیز سے اسے عذاب دیا جائے گا، جس نے جھوٹا دعویٰ کیا اپنے مال کو بڑھانے کے واسطے تو اللہ تعالیٰ مال میں زیادتی کے بجائے کمی ہی کریں گے جس نے

حاکم کے حکم سے جھوٹی قسم کھائی وہ بھی اسی کی طرح ہے۔

## تشریح

"لعن المؤمن کقتلہ" اگر لعنت اس طرح ہو کہ لعنت دینے والا خبر دے رہا ہے کہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے باہر کر دیا ہے تو یہ بھی کبیرہ گناہ ہے کیونکہ یہ غیب کی خبر دے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نکالنے کی بددعا دے رہا ہے تو یہ بھی گناہ ہے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہ تشبیہ درحقیقت اس میں ہے کہ جس طرح مؤمن کا قتل حرام ہے اسی طرح اس پر لعنت بھی حرام ہے یہ مطلب بہت اچھا ہے۔

بہرحال مشخص مسلمان پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے الا یہ کہ لعنت زبان پر آتی رہتی ہو تو جس طرح یمین لغو ہے یہ بھی لغو ہے ہاں کافر اگر کفر پر مرا ہو اور یقین ہو تو اس پر لعنت جائز ہے جس طرح ابوجہل وفرعون ملعون ہیں۔ بہرحال لعنت کفر پر متفرع ہے جو شخص یقیناً کفر پر مرا ہے تو اس پر لعنت بھیجنا مباح ہے ضروری نہیں اور جس شخص کی موت کفر پر یقینی نہیں ہے اس پر لعنت جائز نہیں ہے ہاں مبہم لعنت کسی وصف پر جائز ہے جیسے "لعن اللہ سارقا، لعن اللہ کاذبا"۔ "دعوی کاذبۃ" یعنی ایک شخص عالم فاضل محدث پیر اور شیخ نہیں ہے اور وہ اس کا دعوی کر رہا ہے یا کوئی شخص مالدار نہیں عالی نسب نہیں اور وہ اس کا جھوٹا دعوی کر رہا ہے یا کوئی عورت اپنے شوہر کے بارے میں سوکن کے سامنے بڑے دعوے کر رہی ہے کہ مجھے شوہر نے یہ دیا وہ دیا حالانکہ اس نے کچھ نہیں دیا یہ سب گناہ کے کام ہیں "یستکثر بہا" کا مطلب یہی ہے کہ اس جھوٹے دعوے سے وہ آدمی اپنا وزن بڑھاتا ہے فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ "یمین صبر فاجرۃ" یمین صبر کے دو مطلب ہیں ایک مطلب یہ ہے کہ اس سے جھوٹی قسم مراد ہے اور یہاں فاجرۃ کا لفظ کاذبۃ کے معنی میں ہے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص ہے اس کی قسم پر عدالت کا پورا کیس موقوف ہے قاضی نے اس کو روک رکھا ہے کہ تم قسم کھاؤ گے اب اگر وہ سچی قسم کھاتا ہے تو اہل حق کا حق ان کو مل سکتا ہے مگر یہ شخص جھوٹی قسم کھاتا ہے جس سے دوسرے کا حق ضائع ہو جاتا ہے وہ بھی صبر کرتا ہے تو اس طرح قسم سے پورا نقشہ بدل جاتا ہے لہٰذا یہ بڑا گناہ ہے۔

## سوال

یہاں یہ سوال ہے کہ یہ جملہ ناتمام ہے نہ خبر کا پتہ ہے اور نہ جزاء کا پتہ ہے یہ کیسے صحیح ہوگا۔

## پہلا جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں جزا محذوف ہے جو اس حدیث میں پہلے جملہ میں مذکور ہے وہ اس طرح ہے۔ "لم یزدہ اللہ الا قلۃ" یہ جملہ اس جملہ پر عطف ہے تو وہاں کی پوری عبارت یہاں ہوگی۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ یہاں شرط کا جواب محذوف ہے "ای لقی اللہ وھو علیہ غضبان"۔ (الابی)

۳۰۴۔ **حَدَّثَنَا** إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ وَعَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ كُلُّهُمْ عَنْ عَبْدِ الصَّمَدِ بْنِ عَبْدِ الْوَارِثِ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ الْأَنْصَارِيِّ ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ عَنِ الثَّوْرِيِّ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ بِمِلَّةٍ سِوَى الْإِسْلَامِ كَاذِبًا مُتَعَمِّدًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ عَذَّبَهُ اللّٰهُ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ۔ هٰذَا حَدِيثُ سُفْيَانَ وَأَمَّا شُعْبَةُ فَحَدِيثُهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ بِمِلَّةٍ سِوَى الْإِسْلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَمَنْ ذَبَحَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ ذُبِحَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

حضرت ثابت بن الضحاک الانصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام کے علاوہ کسی اور ملت ودین کی قسم کھائی قصداً جھوٹی تو وہ ایسا ہی ہے جیسا اس نے کہا اور جس نے کسی بھی چیز سے خودکشی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے اسی چیز سے جہنم کی آگ میں عذاب دیں گے، یہ روایت سفیان کی طریق سے ہے۔ جب کہ شعبہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام کے سوا کسی دوسرے مذہب کی جھوٹی قسم کھائی تو اپنے کہے کے مطابق ہوگیا اور جس نے کسی چیز سے اپنے آپ کو ذبح کرلیا، قیامت کے روز اسی چیز سے ذبح کیا جائے گا۔

۳۰۵۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ جَمِيعًا عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ قَالَ ابْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ شَهِدْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُنَيْنًا فَقَالَ لِرَجُلٍ مِمَّنْ يُدْعَى بِالْإِسْلَامِ هٰذَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَلَمَّا حَضَرْنَا الْقِتَالَ قَاتَلَ الرَّجُلُ قِتَالًا شَدِيدًا فَأَصَابَتْهُ جِرَاحَةٌ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! الرَّجُلُ الَّذِي قُلْتَ لَهُ آنِفًا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَإِنَّهُ قَاتَلَ الْيَوْمَ قِتَالًا شَدِيدًا وَقَدْ مَاتَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى النَّارِ فَكَادَ بَعْضُ الْمُسْلِمِينَ أَنْ يَرْتَابَ فَبَيْنَمَا هُمْ عَلَى ذٰلِكَ إِذْ قِيلَ إِنَّهُ لَمْ يَمُتْ وَلٰكِنَّ بِهِ جِرَاحًا شَدِيدًا فَلَمَّا كَانَ مِنَ اللَّيْلِ لَمْ يَصْبِرْ عَلَى الْجِرَاحِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَأُخْبِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ فَقَالَ اللّٰهُ أَكْبَرُ أَشْهَدُ أَنِّي عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ ثُمَّ أَمَرَ بِلَالًا فَنَادَى فِي النَّاسِ أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ وَأَنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ حنین میں حاضر تھے آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ایک شخص کو جو مسلمان کہلایا جاتا تھا فرمایا کہ یہ جہنم والوں میں سے ہے۔ جب لڑائی کا وقت آیا تو وہ شخص خوب بے جگری سے لڑا اور اسے کافی زخم لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! جسے آپ نے ابھی فرمایا تھا کہ وہ اہل جہنم میں سے ہے تو وہ آج خوب بہادری سے لڑا اور لڑائی میں ہی مرگیا؟ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ جہنم کو گیا، بعض مسلمان قریب تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بارے میں شک میں مبتلا ہو جاتے کہ اسی اثناء میں کسی نے کہا کہ وہ مرا نہیں۔ البتہ شدید زخمی ہو گیا ہے جب رات ہوئی تو وہ اپنے زخموں کی شدت و تکلیف کو برداشت نہ کر سکا اور خودکشی کر لی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی تو فرمایا اللہ اکبر، چنانچہ انہوں نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ جنت میں نہیں جائیگا مگر مسلمان ہی۔ بیشک اللہ تعالیٰ فاسق و فاجر آدمی سے بھی اس دین کی تائید و نصرت کا کام لیتے ہیں۔

## تشریح

''حنینا'' قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حنین کا لفظ صحیح نہیں خیبر کا صحیح ہے کیونکہ یہ واقعہ خیبر کا ہے حنین کا نہیں ہے۔ ''یدعی بالاسلام'' یعنی اسلام کی طرف منسوب تھا اس سے معلوم ہوا کہ یہ شخص خالص مسلمان نہیں تھا۔ علامہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ شخص مسلمان نہیں تھا اس وجہ سے اس پر دوزخ کا حکم لگا دیا گیا۔ ''الانفس مسلمة'' اس اطلاق سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مسلمان نہیں تھا۔ اس شخص کے لئے الرجل الفاجر کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فاجر سے کافر مراد ہے۔ ''الاشاذة ولا فاذة'' جو آدمی جماعت سے خارج ہو وہ شاذۃ ہے لیکن جو بالکل الگ تھلگ ہو جائے وہ فاذہ ہے۔ بعض نے کہا یہ مترادف الفاظ ہیں دونوں کا معنی ایک ہی ہے، بعض نے کہا کہ فاذۃ تابع کے طور پر آیا ہے جیسے مُتَعٌ بُتَعٌ چائے شائے۔

''ذبابه'' تلوار کی دھار کے اوپر نوک کو ذبابہ کہتے ہیں ''ثدييه'' سینہ مراد ہے ''قرحة'' پھوڑے کو قرحۃ کہتے ہیں۔ ''ينكأها'' پھوڑے کو چھیل کر توڑنا مراد ہے ''فلم يرقأ'' یعنی خون بند نہ ہوا ''خراج'' دانہ اور پھوڑے کو کہتے ہیں۔ ''ممن كان قبلكم'' اس باب کی آخری دو حدیثوں میں جس شخص کا تذکرہ ہوا ہے وہ سابقہ امتوں کے کسی فرد کا قصہ ہے اس امت کا فرد نہیں تھا۔

''الی النار'' یہ آدمی مرا نہیں تھا مگر خبر آئی تھی کہ مر گیا تو آنحضرت نے فرمایا کہ دوزخ گیا یہ چونکہ پیشین گوئی تھی جس کا سچا ہو جانا بہت ضروری تھا کیونکہ نبی کی اس طرح خبر نبوت کا درجہ رکھتی ہے، ادھر وہ آدمی فوق العادۃ سخت جنگ کر رہا تھا تو لوگوں کو شک ہوا کہ دیکھو یہ پیش گوئی صحیح ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ اس کے لئے ایک صحابی تیار ہو گئے کہ میں ان کی خبر گیری کرتا ہوں انجام یہ نکلا کہ اس شخص نے خودکشی کر لی۔

## سوال

یہاں یہ سوال ہے کہ اس شخص نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے اس کو دوزخی اھل النار کیسے کہا گیا؟

## جواب

اس کا جواب یہ ہے جیسا پہلے لکھا گیا ہے کہ یہ شخص کافر یا منافق تھا اس لئے دوزخ چلا گیا خودکشی کی وجہ نہیں تھی کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ خیبر کا نہیں بلکہ احد کا ہے اس شخص کا نام "قزمان" تھا یہ قومیت کی بنیاد پر لڑ رہا تھا اس وجہ سے اہل النار ہوا۔

۳۰۶۔ **حدثنا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِيُّ حَيٌّ مِنَ الْعَرَبِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْتَقَى هُوَ وَالْمُشْرِكُونَ فَاقْتَتَلُوا فَلَمَّا مَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى عَسْكَرِهِ وَمَالَ الْآخَرُونَ إِلَى عَسْكَرِهِمْ وَفِي أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ لَا يَدَعُ لَهُمْ شَاذَّةً إِلَّا اتَّبَعَهَا يَضْرِبُهَا بِسَيْفِهِ فَقَالُوا مَا أَجْزَأَ مِنَّا الْيَوْمَ أَحَدٌ كَمَا أَجْزَأَ فُلَانٌ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ أَنَا صَاحِبُهُ أَبَدًا قَالَ فَخَرَجَ مَعَهُ كُلَّمَا وَقَفَ وَقَفَ مَعَهُ وَإِذَا أَسْرَعَ أَسْرَعَ مَعَهُ قَالَ فَجُرِحَ الرَّجُلُ جُرْحًا شَدِيدًا فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ فَوَضَعَ نَصْلَ سَيْفِهِ بِالْأَرْضِ وَذُبَابَهُ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ ثُمَّ تَحَامَلَ عَلَى سَيْفِهِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَخَرَجَ الرَّجُلُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ قَالَ وَمَا ذَاكَ ؟ قَالَ الرَّجُلُ الَّذِي ذَكَرْتَ آنِفًا أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَأَعْظَمَ النَّاسُ ذٰلِكَ فَقُلْتُ أَنَا لَكُمْ بِهِ فَخَرَجْتُ فِي طَلَبِهِ حَتّٰى جُرِحَ جُرْحًا شَدِيدًا فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ فَوَضَعَ نَصْلَ سَيْفِهِ بِالْأَرْضِ وَذُبَابَهُ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ ثُمَّ تَحَامَلَ عَلَيْهِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذٰلِكَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ ۔

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کا آمنا سامنا ہوگیا تو لڑائی ہوئی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کی طرف واپس ہوئے اور دوسرے اپنے لشکر کی طرف پلٹے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں ایک شخص ایسا تھا جو الگ تھلگ کسی لشکری کو چھوڑتا نہ تھا مگر اس کا پیچھا کر کے اپنی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیتا تھا۔ تو صحابہ میں سے بعض نے کہا کہ ہم میں سے آج کوئی اتنا کام نہ آیا جتنا فلاں شخص آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جان لو وہ اہل جہنم میں سے ہے۔ ایک آدمی کہنے لگا کہ میں مستقل اس کے ساتھ رہوں گا۔ چنانچہ وہ شخص اس آدمی کے ساتھ جا نکلا۔ وہ جب بھی کہیں ٹھہرتا تو یہ بھی ٹھہر جاتا اور جب وہ تیز چلتا تو یہ بھی تیز چلنے لگتا وہ آدمی جنگ میں شدید زخمی ہوگیا اور جلدی موت کی تمنا کرنے لگا اور اپنی تلوار کا دستہ زمین میں گاڑا اور اس کی نوک اپنی چھاتیوں کے درمیان رکھی پھر اپنی تلوار پر دباؤ ڈالا یہاں تک کہ اپنے آپ کو ہلاک کر لیا اس وقت وہ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا پہنچا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے

سچے رسول ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قصہ کیا ہے؟ اس شخص نے کہا کہ آپ کچھ دیر قبل بتلایا تھا کہ یہ آدمی جہنمی ہے تو لوگوں کو یہ بات بہت بری لگی تھی اور میں نے کہا تھا کہ میں تم لوگوں کی خاطر اس کی نگرانی کروں گا۔ میں اس کی طلب میں نکلا یہاں تک کہ وہ شدید زخمی ہوگیا اور جلدی موت کی تمنا کرنے لگا اور اسی جلدی میں اپنے تلوار کا دستہ زمین میں گاڑا اور اس کی نوک کو اپنے سینے پر کیا اور تلوار پر اپنا دباؤ ڈال دیا اور خودکشی کرلی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا: بے شک ایک آدمی اہل جنت کے سے اعمال کرتا رہتا ہے بظاہر لوگوں کی نظروں میں وہ اہل جنت میں سے ہوا لیکن حقیقتاً وہ اہل جہنم میں سے ہوتا ہے اور بعض اوقات انسان لوگوں کی نظروں میں جہنم کے اعمال کرتا رہتا ہے اور فی الواقع وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے۔

۳۰۷۔ **حَدَّثَنِي** مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا الزُّبَيْرِيُّ وَهُوَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ قَالَ سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُوْلُ إِنَّ الرَّجُلَ كَانَ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ خَرَجَتْ بِهِ قَرْحَةٌ فَلَمَّا آذَتْهُ انْتَزَعَ سَهْمًا مِنْ كِنَانَتِهِ فَنَكَأَهَا فَلَمْ يَرْقَأِ الدَّمُ حَتّٰى مَاتَ قَالَ رَبُّكُمْ قَدْ حَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ ثُمَّ مَدَّ يَدَهُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَقَالَ إِيْ وَاللّٰهِ! لَقَدْ حَدَّثَنِي بِهٰذَا الْحَدِيْثِ جُنْدَبٌ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذَا الْمَسْجِدِ۔

حضرت حسن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ تم میں سے پہلی امتوں میں ایک شخص تھا اس کے ایک پھوڑا نکل آیا۔ جب اس پھوڑے نے اسے زیادہ اذیت دی تو اس نے اپنے ترکش سے تیر نکالا اور اسے پھوڑ دیا۔ اس سے خون بہنے لگا اور بند نہ ہوا یہاں تک کہ وہ مرگیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے اس کے اوپر جنت حرام کردی۔ پھر حضرت حسن بصریؒ نے اپنا ہاتھ مسجد کی طرف پھیلایا اور کہا کہ خدا کی قسم! یہ حدیث مجھ سے حضرت جندب بن عبداللہ البجلی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہوئے بیان فرمائی اس مسجد میں۔

۳۰۸۔ **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ أَبِيْ بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِيْ قَالَ سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُوْلُ حَدَّثَنَا جُنْدَبُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيُّ فِيْ هٰذَا الْمَسْجِدِ فَمَا نَسِيْنَا وَمَا نَخْشٰى أَنْ يَكُوْنَ جُنْدَبٌ كَذَبَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ بِرَجُلٍ فِيْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ خُرَاجٌ فَذَكَرَ نَحْوَهُ۔

حضرت حسنؒ نے فرمایا کہ جندب بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ نے ہم سے اس مسجد میں حدیث بیان کی۔ پس نہ ہم اسے بھولے اور نہ ہی ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ جندب رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھا ہو۔ آگے سابقہ حدیث بھی الفاظ کے معمولی ردوبدل سے بیان فرمائی۔

## باب غلظ تحریم الغلول وانه لایدخل الجنة الاالمؤمنون

## مال غنیمت میں خیانت کی شدید حرمت

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے دوحدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۳۰۹۔ **حَدَّثَنِی** زُهَیْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ قَالَ حَدَّثَنِی سِمَاكٌ اَبُوزُمَیْلٍ الْحَنَفِیُّ قَالَ حَدَّثَنِی عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِی عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ قَالَ لَمَّا كَانَ یَوْمُ خَیْبَرَ اَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ صَحَابَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِیْدٌ فُلَانٌ شَهِیْدٌ حَتّٰی مَرُّوْا عَلٰی رَجُلٍ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِیْدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا اِنِّیْ رَاَیْتُهُ فِی النَّارِ فِیْ بُرْدَةٍ غَلَّهَا اَوْعَبَاءَةٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَاابْنَ الْخَطَّابِ! اِذْهَبْ فَنَادِفِی النَّاسِ اِنَّهُ لَایَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّاالْمُؤْمِنُوْنَ قَالَ فَخَرَجْتُ فَنَادَیْتُ اَلَااِنَّهُ لَایَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّاالْمُؤْمِنُوْنَ۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خیبر کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت آئی اور کہا کہ فلاں فلاں شہید ہے۔ یہاں تک کہ ایک شخص کے پاس سے گزرے اور کہنے لگے کہ فلاں بھی شہید ہے۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرگز نہیں میں نے اسے جہنم میں دیکھا ہے ایک چادر یا عبا کی چوری کے نتیجہ میں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن الخطاب! جاؤ اور لوگوں میں اعلان کردو کہ جنت میں سوائے اہل ایمان کے کوئی داخل نہیں ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ میں وہاں سے نکلا اور اعلان کیا کہ خبردار! جنت میں صرف مومنین ہی داخل ہوں گے۔

### تشریح

''فی بردة'' بردة، منقش چادر کو کہتے ہیں اس کو ''شملہ'' اور ''نمرة'' بھی کہتے ہیں یہاں فی سببیت کے لئے ہے۔ ''او عباءة عباءة'' او، شک کے لئے ہے عباء، چوغہ کو کہتے ہیں اس کو عبایہ بھی کہتے ہیں۔ ''غلھا'' مال غنیمت میں خیانت کرنے کو غلول کہتے ہیں مطلق خیانت کو بھی کہتے ہیں۔ ''لایدخل الجنة'' یعنی صرف خالص ایمان والا شخص دخول اولی کیساتھ جنت میں جائیگا، خیانت والا سزا بھگتنے کے بعد داخل ہوگا اس قسم کی وعیدات زجر و توبیخ پر بھی حمل کیا جا سکتا ہے، یہ شخص شاید ''کرکرہ'' ہو جس کی تصریح دیگر روایات میں ہے۔

۳۱۰۔ **حَدَّثَنِی** اَبُوالطَّاهِرِ قَالَ اَخْبَرَنِی ابْنُ وَهْبٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَیْدٍ الدِّیْلِیِّ عَنْ سَالِمٍ اَبِی الْغَیْثِ مَوْلَی ابْنِ مُطِیْعٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ح وَحَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ وَهٰذَاحَدِیْثُهُ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِیْزِ یَعْنِی ابْنَ مُحَمَّدٍ

عَنْ ثَوْرٍ عَنْ اَبِی الْغَیْثِ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی خَیْبَرَ فَفَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْنَا فَلَمْ نَغْنَمْ ذَهَبًا وَلَا وَرِقًا غَنِمْنَا الْمَتَاعَ وَالطَّعَامَ وَالثِّیَابَ ثُمَّ انْطَلَقْنَا اِلَی الْوَادِی وَمَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَبْدٌ لَهٗ وَهَبَهٗ لَهٗ رَجُلٌ مِنْ جُذَامٍ یُدْعٰی رِفَاعَةَ بْنَ زَیْدٍ مِنْ بَنِی الضُّبَیْبِ فَلَمَّا نَزَلْنَا الْوَادِیَ قَامَ عَبْدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَحُلُّ رَحْلَهٗ فَرُمِیَ بِسَهْمٍ فَکَانَ فِیْهِ حَتْفُهٗ فَقُلْنَا هَنِیْئًا لَهُ الشَّهَادَةُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَلَّا وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ اِنَّ الشَّمْلَةَ لَتَلْتَهِبُ عَلَیْهِ نَارًا اَخَذَهَا مِنَ الْغَنَائِمِ یَوْمَ خَیْبَرَ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ قَالَ فَفَزِعَ النَّاسُ فَجَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاكٍ اَوْ شِرَاکَیْنِ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَصَبْتُ یَوْمَ خَیْبَرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شِرَاكٌ مِنْ نَارٍ اَوْ شِرَاکَانِ مِنْ نَارٍ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خیبر نکلے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی۔ ہم نے سونا چاندی مال غنیمت اسباب وسامان غلہ واناج اور کپڑے وغیرہ حاصل کئے۔ ہم لوگ خیبر کی وادی کی طرف چلے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کا ایک غلام تھا۔ اور اسے آپ کو بنوضبیب کے ایک آدمی نے جسے رفاعہ بن زید کے نام سے پکارا جاتا تھا اور وہ جذام قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا ہدیہ دیا تھا۔ جب ہم وادی خیبر میں اتر گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ غلام کھڑا ہوا آپ کی سواری کی زین کھول رہا تھا کہ اچانک ایک تیر اسے لگا جس میں اس کی اجل تھی ہم نے کہا کہ اسے شہادت مبارک ہو یا رسول اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرگز نہیں۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے بے شک وہ شملہ اس کے اوپر آگ کا شعلہ بن کر لپک رہا ہے جو اس نے خیبر کی فتح کے دن مال غنیمت میں سے لے لیا تھا اور اس وقت تک مال غنیمت تقسیم نہیں ہوئی تھی۔ یہ سن کر لوگ گھبرا اٹھے اور ایک شخص ایک یا دو تسمے لے کر حاضر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگ کا ایک تسمہ ہے یا آگ کے دو تسمے ہیں۔

## تشریح

''عبدلہ'' دیگر روایات میں وضاحت ہے کہ غلام ''مدعم'' تھا یا کرکرہ تھا علامہ واقدی کہتے ہیں کہ رفاعہ بن زید خیبر کے موقع پر آنحضرت کے پاس ایک وفد میں آئے تھے اس نے یہ غلام آپ کو نذر کیا تھا اور ان کا تعلق جذام قبیلہ سے تھا۔ ''حتفہ'' موت کو حتف کہتے ہیں ''الشملة'' میں میم پر فتح بھی پڑھا جا سکتا ہے شملہ بردہ نمرہ ایک ہی چیز ہے یمنی منقش چادر پر بولا جاتا ہے۔

''تلتھب'' التھاب آگ کے شعلے کو کہتے ہیں یعنی یہ چادر اس شخص پر آگ بھڑکا رہی ہے۔ ممکن ہے کہ خود یہ چادر آگ کا حصہ بن کر آگ سلگھا رہی تھی یا اس کا گناہ باعث نار رہوا۔ ''شراك'' جوتے کے تسمے کو شراک کہتے ہیں یعنی اگر یہ تسمے واپس نہ کرتا تو اس

کی وجہ سے آگ میں داخل ہو جاتا۔'' او شــراکــان ''یہ روای کو شک ہے کہ ایک تسمہ کا لفظ بولا تھا یا دو تسمے کا لفظ استعمال فرمایا تھا، غور کا مقام ہے کہ ایک چادر یا ایک تسمہ کوئی بڑی چیز نہیں ہے لیکن مال غنیمت میں خیانت کرنا اتنا سنگین جرم ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی دوزخ میں داخل ہو گیا ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اجتماعی اموال میں خیانت سے بہت دور رہے۔

## باب الدليل على ان قاتل نفسه لايكفر

## یہ دلیل کہ قاتل نفس کافر نہیں ہوتا

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے صرف ایک حدیث کو بیان کیا ہے۔

۳۱۱۔ **حَدَّثَنَا** أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعًا عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ أَبُوبَكْرٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُبْنُ زَيْدٍ عَنْ حَجَّاجِ الصَّوَّافِ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ الطُّفَيْلَ بْنَ عَمْرٍو الدَّوْسِيَّ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ! هَلْ لَكَ فِي حِصْنٍ حَصِينٍ وَمَنَعَةٍ؟ قَالَ حِصْنٌ كَانَ لِدَوْسٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَأَبَى ذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلَّذِي ذَخَرَ اللّٰهُ لِلْأَنْصَارِ فَلَمَّا هَاجَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَدِينَةِ هَاجَرَ إِلَيْهِ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو وَهَاجَرَ مَعَهُ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهِ فَاجْتَوَوُا الْمَدِينَةَ فَمَرِضَ فَجَزِعَ فَأَخَذَ مَشَاقِصَ لَهُ فَقَطَعَ بِهَا بَرَاجِمَهُ فَشَخَبَتْ يَدَاهُ حَتَّى مَاتَ فَرَآهُ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو فِي مَنَامِهِ فَرَآهُ وَهَيْئَتُهُ حَسَنَةٌ وَرَآهُ مُغَطِّيًا يَدَيْهِ فَقَالَ لَهُ مَاصَنَعَ بِكَ رَبُّكَ؟ فَقَالَ غَفَرَلِي بِهِجْرَتِي إِلَى نَبِيِّهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَالِي أَرَاكَ مُغَطِّيًا يَدَيْكَ؟ قَالَ قِيلَ لِي لَنْ نُصْلِحَ مِنْكَ مَاأَفْسَدْتَ فَقَصَّهَا الطُّفَيْلُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ! وَلِيَدَيْهِ فَاغْفِرْ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ طفیل بن عمر الدوسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یارسول اللہ! کیا آپ کو مضبوط قلعہ اور فصیل والے قلعہ کی ضرورت ہے؟ یہ قبیلہ دوس کا زمانہ جاہلیت میں ایک قلعہ تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمادیا اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے انصار کے لئے یہ بات مقرر فرمادی تھی کہ آپ انکی طرف ہجرت کریں گے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے ایک اور آدمی نے بھی ہجرت کی۔ مدینہ طیبہ کی آب وہوا اس کو راس نہ آئی وہ بیمار پڑ گیا۔ بیماری سے گھبرا کر اس نے تیر کے پھل سے اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے اس کے ہاتھوں سے خون بہنے لگا یہاں تک کہ مر گیا۔ طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ نے اسے خواب میں دیکھا کہ بڑی اچھی حالت میں ہے مگر اپنے دونوں ہاتھوں کو چھپائے ہوئے ہے۔ انھوں نے اس سے کہا کہ تیرے پروردگار نے تیرے ساتھ کیا معاملہ

فرمایا؟ کہنے لگا کہ میری ہجرت کے عمل کی بناء پر مغفرت فرمادی جو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ تم نے دونوں ہاتھ کیوں ڈھانپے ہوئے ہیں؟ کہنے لگا کہ مجھ سے کہا گیا کہ جس حصہ جسم کو تو نے خود بگاڑا ہے ہم ہرگز اسے نہیں ٹھیک کریں گے۔ طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ قصہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرمایا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! اور اس کے دونوں ہاتھوں کو بھی بخش دے۔

## تشریح

''طفیل بن عمرو'' یہ شخص شان والے صحابی ہیں حضرت ابوہریرہؓ کے قبیلے دوس سے اس کا تعلق ہے یہ شخص قدیم الاسلام ہیں آنحضرت کی ہجرت سے پہلے مسلمان ہوئے تھے بلکہ مکہ مکرمہ میں آنحضرت کے پاس آئے اور آپ کو اپنے ہاں قبیلہ دوس میں لے جانے اور ہجرت کرنے کی درخواست کی مگر آنحضرت نے اس کی درخواست کو قبول نہیں کیا کیونکہ ہجرت کی فضیلت اللہ تعالیٰ نے انصار مدینہ کے لئے لکھدی تھی جب آنحضرت نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اس کے بعد طفیل بن عمرو دوسی نے بھی مدینہ کی طرف خود ہجرت کی آپ کے ساتھ آپ کے قبیلے کا ایک اور ساتھی بھی تھا۔ آنحضرت کے انتقال کے بعد آپ مدینہ ہی میں رہے اور خلافت صدیقی میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے اس حدیث میں طفیل بن عمرو کی درخواست کا ذکر ہے پھر آپ کے ساتھی کی خودکشی اور مغفرت کا ذکر ہے۔ ''ھل لك'' یعنی طفیل بن عمرو نے آنحضرت سے درخواست کی کہ کیا آپ کو ایک مضبوط و محفوظ قلعہ کی طرف ہجرت کی رغبت ہے؟۔ ''حصن حصین'' محفوظ قلعہ کے معنی میں ہے حصن قلعہ اور حصین محفوظ قلعہ تاکید کے لئے ہے۔ ''ومنعة'' یہ مانع کی جمع ہے یعنی ایک مضبوط جماعت جو حفاظت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ ''منعة'' محفوظ جگہ کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے تو یہ حصن حصین کی تفصیل ہوجائے گی۔ ''فاجتووا'' اجتواء، پیٹ کی بیماری کو کہتے ہیں۔ کسی مقام کی آب و ہوا کے مخالف آنے سے جو پیٹ کی بیماری پیدا ہوتی ہے اس کو اجتواء کہتے ہیں۔ یہاں جمع کا صیغہ طفیل اور ان کے ساتھیوں کی وجہ سے استعمال کیا گیا ہے۔ ''فجزع'' یعنی طفیل بن عمرو کا ساتھی بیمار پڑ گیا مگر صبر نہ کرسکا جزع فزع اور گھبراہٹ میں مبتلا ہوگیا۔

''مشاقص'' یہ جمع ہے اس کا مفرد مِشْقَص ہے تمام شارحین نے اس کا ترجمہ تیر سے کیا ہے پھر تیر سے انگلیاں کیسے کاٹی گئیں اس میں شارحین توجیہات کرتے ہیں کہ دھار والا تیر تھا چوڑائی والا تیر تھا وغیرہ وغیرہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ تیر نہیں ہے بلکہ ایک قسم کی قینچی ہے جس کو لوہار اپنے ہاتھ سے بناتے ہیں اس کے دو چوڑے پھلکے ہوتے ہیں جس سے بھیڑ بکریوں کے بال کاٹے جاتے ہیں دو پھلکوں کی وجہ سے اس کو جمع لایا گیا ہے۔ پشتو میں اس کو ''کات'' کہتے ہیں جو درزی کی قینچی کی طرح ہوتی ہے مگر اس میں انگلیاں دینے کی جگہ نہیں ہوتی ہے بلکہ مٹھی سے دبانا پڑتا ہے یہ قبائلی نقشہ ہے شہری علماء اس کو نہیں سمجھ سکتے۔

''براجمه'' یہ ''برجمه'' کی جمع ہے انگلیوں کے جوڑوں کو کہتے ہیں۔ ''فشخبت'' یعنی کاٹنے کی وجہ سے دونوں ہاتھوں سے خون جاری ہوا جو کسی صورت میں نہیں رُکا جس سے وہ مر گیا یہ صیغہ باب نصر ینصر سے ہے۔ ''غفرلی'' یعنی آنحضرت کی طرف ہجرت اور صحابیت کی

برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے معاف کیا خودکشی کا جرم تو معاف ہوگیا مگر انگلیاں کاٹنے کا جرم معاف نہیں ہوا وہ اسی طرح کٹی ہوئی ہیں ۔"اللھم ولیدیہ فاغفر" یہاں واؤ عطف کے لئے ہے "ای اللھم فاغفرلہ ولیدیہ" مولیٰ اس کو بھی بخش دے اور اس کے دونوں ہاتھوں کو بھی بخش دے، ہاتھوں کا مسئلہ چونکہ اہم تھا اس لئے آنحضرت نے اس کو عجیب انداز سے مقدم کیا اور دعا مانگ لی تو دعا قبول ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انگلیوں کے ٹھیک نہ کرنے کا جو فرمایا تھا وہ مشروط تھا کہ اگر نبی مکرم دعا مانگیں گے تو پھر ٹھیک کروں گا۔

اس حدیث سے ایک بڑا ضابطہ اہل سنت کو مل گیا وہ یہ کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار نہیں ہوتا ہے لہٰذا اس میں معتزلہ اور خوارج پر صریح رد ہے نیز اس میں مرجۂ پر بھی رد ہے جو کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ گناہ کا نقصان نہیں ہوتا، دیکھو یہاں کس طرح نقصان ہوگیا ہے یہاں اگر چہ خواب کا معاملہ ہے جو حجت نہیں ہے مگر آنحضرت کی توثیق وتائید سے اب یہ وحی کا حصہ بن گیا ہے۔

## باب الریح التی تکون فی قرب القیامۃ

## قیامت کے قریب ایک نرم ہوا چلنے کا بیان

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے صرف ایک حدیث کو بیان کیا ہے۔

۳۱۲۔**حَدَّثَنَا** اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ وَاَبُوْعَلْقَمَةَ الْفَرْوِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلْمَانَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ رِيْحًا مِنَ الْيَمَنِ اَلْيَنَ مِنَ الْحَرِيْرِ فَلَا تَدَعُ اَحَدًا فِيْ قَلْبِهِ قَالَ اَبُوْعَلْقَمَةَ مِثْقَالُ حَبَّةٍ وَقَالَ عَبْدُالْعَزِيْزِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ اِيْمَانٍ اِلَّا قَبَضَتْهُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بے شک ایک ہوا یمن کی طرف سے بھیجے گا جو ریشم سے زیادہ ملائم ہوگی، اور وہ کسی صاحب ایمان کو نہیں چھوڑے گی جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو مگر اسے ختم کردے گی۔

### تشریح

"ریحا من الیمن" ریشم سے زیادہ نرم یہ ہوا مؤمنین کو موت دینے کے لئے چلے گی تاکہ مؤمنین قیامت کے زلزلے اور اس کے ہولناک واقعات سے بچ جائیں یہاں یمن کی طرف سے اس ہوا کے چلنے کا ذکر ہے مگر مسلم شریف میں ذکر دجال کے مباحث میں اس ہوا کا چلنا شام کی طرف سے بتایا گیا ہے ہوسکتا ہے دو ہوائیں ہوں اور ہوسکتا ہے ایک جگہ سے شروع ہو دوسری جگہ تک اس کی پہنچ ہو۔ یہ ہوا قرب قیامت کے وقت چلے گی اس کی تفصیلات ان شاء اللہ علامت قیامت کے مباحث میں آئے گی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ سے ایک موقوف حدیث مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس ہوا اور قیامت کے قائم ہونے کے درمیان سو سال کا فاصلہ ہوگا۔ (بحوالہ کتاب الفتن لنعیم بن حماد)

## باب الحث علی الاعمال قبل تظاهر الفتن

## فتنوں کے ظہور سے پہلے اعمال کی ترغیب کا بیان

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے صرف ایک حدیث کو نقل کیا ہے۔

۳۱۳۔ **حَدَّثَنِي** يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ جَمِيعًا عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ ابْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ أَخْبَرَنِي الْعَلَاءُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا وَيُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جلدی کرو نیک اعمال میں فتنوں سے پہلے پہلے جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح آئیں گے صبح کو آدمی مومن ہوگا اور شام کو کافر یا شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر اور دنیا کے معمولی سامان و مال کے عوض اپنے دین کو بیچ ڈالے گا۔

### تشریح

''بادروا'' مبادرہ سے امر کا صیغہ ہے جلدی کرنے کے معنی میں ہے اعمال سے نیک اعمال مراد ہیں۔''المظلم'' یعنی تاریک رات کے فتنے ہونگے جس میں کچھ بھی نظر نہیں آئے گا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے اگر چاندنی رات ہوتی تو کچھ بات ہوتی، اس تعبیر میں اشارہ ہے کہ فتنوں کا اتنا زور ہوگا کہ دن اور رات کے مختصر اوقات میں اس طرح انقلابات آئیں گے کہ آدمی صبح کسی ایک حال میں ہوگا اور شام کو کسی دوسری حالت میں ڈوب چکا ہوگا لیکن یہ حالت اس کے عقیدے سے پیدا ہوگی کہ یہ شخص دنیا کے چند فانی ٹکوں کے عوض اپنے ایمان کو بیچ ڈالے گا بس اس کا ایمان اور پان کی دکان ایک جیسے ہوگی آج کل پاکستانی عوام اور افغانستان کے عوام امریکی ڈالروں کے حصول کے لئے یہی منظر پیش کر رہے ہیں۔ اس حدیث سے بھی مرجئہ پر واضح رد ہو رہا ہے۔

## باب مخافة المؤمن ان يحبط عمله

## مومن کا خوف کہ ان کا اعمال ضائع نہ ہو جائے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چار حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۳۱۴۔ **حَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ (الحجرات:۲) إِلَى آخِرِ الْآيَةِ جَلَسَ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ فِي بَيْتِهِ وَقَالَ أَنَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَاحْتَبَسَ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ فَقَالَ يَا أَبَا عَمْرٍو مَا شَأْنُ ثَابِتٍ؟ إِشْتَكَى؟ قَالَ سَعْدٌ إِنَّهُ لَجَارِي وَمَا عَلِمْتُ لَهُ بِشَكْوَى قَالَ فَأَتَاهُ سَعْدٌ فَذَكَرَ لَهُ قَوْلَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ثَابِتٌ أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ أَنِّي مِنْ أَرْفَعِكُمْ صَوْتًا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَذَكَرَ ذٰلِكَ سَعْدٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیت ﴿یاایھا الذین امنوا لاترفعوا اصواتکم﴾ نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے انہوں نے فرمایا کہ میں تو جہنمی ہوں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے سے رُک گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے ابوعمرو! ثابت کا کیا حال ہے؟ کیا وہ بیمار ہوگئے ہیں؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ میرے پڑوسی ہیں اور مجھے تو کوئی علم نہیں کہ انہیں کوئی مرض ہے۔ اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ذکر کی تو ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت نازل ہو چکی ہے اور تم تو جانتے ہو کہ میں تم میں سے سب سے زیادہ بلند آواز والا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر (یعنی میری آواز اونچی ہے) لہٰذا میں تو اہل دوزخ میں سے ہوں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ساری بات ذکر کردی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ وہ تو اہل جنت میں سے ہے۔

## تشریح

''احتبس ثابت'' یعنی آیت کے نزول کے بعد حضرت ثابت بن قیس گھر میں بیٹھ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جانے سے رک گئے ثابت بن قیس بن شماس انصار کے مشہور خطیب تھے ان کی آواز میں قدرتی بلندی تھی ادھر آیت میں حکم آیا کہ جس نے نبی مکرم کی آواز پر آواز بلند کی تو اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ حضرت ثابت بن قیس خوف خدا اور محبت رسول کی وجہ سے اس پریشانی میں مبتلا ہو گئے ورنہ رفع الصوت کی حرمت کا حکم تو اب آیا ہے قبل الحرمت تو مواخذہ نہیں ہوتا یا ہوسکتا ہے کہ حضرت ثابت آئندہ رفع الصوت کے خطرے کے پیش نظر پریشان ہو گئے تھے بہرحال ''ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون'' سے علامہ زمخشریؒ نے استدلال کیا ہے کہ ارتکاب کبیرہ سے اعمال حبط ہو جاتے ہیں تو آدمی بے ایمان رہ جائیگا اور یہی معتزلہ کا مذہب ہے۔ اہل سنت نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ اس آیت سے دو چیزیں ہوتی ہیں ایک تو رفع الصوت فوق صوت النبی ہے یہ کبائر میں سے ہے دوسری چیز ایذاء النبیؐ ہے یہ کفر ہے تو یہاں حبط اعمال ایذاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے نہ کہ ارتکاب کبیرہ کی وجہ سے حضرت ثابت نے یہ سمجھ لیا کہ رفع الصوت اگرچہ کبیرہ ہے لیکن یہ ایذاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لازم ہے لہٰذا آپ نے اپنے اوپر اھل النار ہونے کا حکم لگا دیا لیکن اسی خوف خدا اور محبت رسول کی بدولت آنحضرت نے

ان کو اہل جنت میں سے قرار دیا اس کے بعد صحابہ ایک چلتے پھرتے جنتی کا نظارہ کرتے تھے معلوم ہوا خوف خدا بڑی نعمت ہے۔

''اشتکی'' یہاں ایک ہمزہ محذوف ہے جو ہمزۂ وصل ہے یعنی ''ٲشتکی'' کیا ثابت بیمار ہو گئے ہیں جو مجلس میں حاضر نہیں ہو رہے ہیں؟ اس سے ایک یہ بات ثابت ہو گئی کہ آنحضرت اپنے اصحاب کا مستقل تفقد و نگرانی فرماتے تھے اور حاضر و غائب کی خبر گیری کرتے تھے اس سے آج کل مدارس میں طلبہ کی حاضری اور غیر حاضری کا پورا نظام ثابت ہو جاتا ہے۔

## فائدہ

علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت کی قبر مبارک کے پاس آواز بلند کرنا بھی منع ہے اسی طرح جس مجلس میں آنحضرت کی احادیث کا درس ہوتا ہو وہاں بھی آواز بلند کرنا منع ہے کیونکہ آنحضرت کا احترام حیاً و میتاً امت پر لازم ہے۔ (فتح الملہم)

''فسأل النبی سعد بن معاذ'' یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ثابت بن قیس مجلس میں نہیں آرہا ہے کیا وہ بیمار ہے؟ حضرت سعدؓ نے کہا کہ وہ میرا پڑوسی ہے میں معلوم کر کے بتاتا ہوں۔

## سوال

یہاں سوال یہ ہے کہ مذکورہ آیت ۹ ہجری میں اقرع بن حابس اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور حضرت سعد بن معاذ پانچ ہجری میں شہید ہو گئے ہیں تو آنحضرت کا نو ہجری میں سعد بن معاذ سے پوچھنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

## جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ زیر بحث حدیث میں سعد بن معاذ کا لفظ محل بحث ہے صحیح یہ ہے کہ یہ سعد بن عبادہ ہے اور سعد بن عبادہ کا ہونا قرین قیاس بھی ہے کیونکہ ثابتؓ ان کے پڑوسی تھے دونوں کا قبیلہ بھی ایک ہے جو خزرج ہے اور سعد بن عبادہ ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ کی خلافت میں انتقال کر گئے ہیں اور حضرت سعد بن معاذؓ اوس قبیلہ سے ہیں اور پانچ ہجری میں انتقال کر گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ ابن منذر کی تفسیر میں اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں ''فقال سعد بن عبادۃ یارسول اللہ ھو جاری''۔

امام مسلم رحمہ اللہ اس پہلی حدیث کے بعد تینوں حدیثوں میں یہ تصریح فرما رہے ہیں کہ ان روایتوں میں سعد بن معاذ کا ذکر نہیں ہے یہ اسی اعتراض کی طرف اشارہ ہے جو امام مسلم رحمہ اللہ کی گہری نظر پر دلالت کرتا ہے۔''الحمدللہ الذی ھدانی الی ھذا''۔

۳۱۵۔ وَحَدَّثَنَا قَطَنُ بْنُ نُسَيْرٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ ثَابِتُ بْنُ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ خَطِيبَ الْأَنْصَارِ فَلَمَّا أُنْزِلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ بِنَحْوِ حَدِيثِ حَمَّادٍ وَلَيْسَ فِي حَدِيثِهِ ذِكْرُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہی سابقہ حدیث معمولی فرق سے منقول ہے۔اس میں شروع میں یوں فرمایا کہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس انصار کے خطیب تھے اور اس حدیث میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے۔

۳۱۶۔ **وَحَدَّثَنِیْهِ** اَحْمَدُ بْنُ سَعِیْدِ بْنِ صَخْرٍ الدَّارِمِیُّ حَدَّثَنَا حَبَّانُ حَدَّثَنَا سُلَیْمَانُ ابْنُ الْمُغِیْرَةِ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ﴿لَاتَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ﴾ (الحجرات: ۲) وَلَمْ یَذْكُرْ سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ فِی الْحَدِیْثِ ۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت ﴿یاایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم﴾ نازل ہوئی اور اس روایت میں سعد بن معاذ کا تذکرہ نہیں ہے۔

۳۱۷۔ **وَحَدَّثَنَا** هُرَیْمُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰی الْاَسَدِیُّ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَیْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ یَذْكُرُ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰیَةُ وَاقْتَصَّ الْحَدِیْثَ وَلَمْ یَذْكُرْ سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ وَزَادَ فَكُنَّا نَرَاهُ یَمْشِیْ بَیْنَ اَظْهُرِنَا رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ ۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہے اس کے آخر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم دیکھتے تھے حضرت ثابت کو کہ ہمارے درمیان ایک جنتی شخص چل رہا ہے۔

## باب هل یؤاخذ باعمال الجاهلیة ؟

## کیا جاہلیت کے افعال پر مواخذہ ہوگا؟

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے۔

۳۱۸۔ **حَدَّثَنَا** عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِیْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ اُنَاسٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! اَنُؤَاخَذُ بِمَا عَمِلْنَا فِی الْجَاهِلِیَّةِ ؟ قَالَ اَمَّا مَنْ اَحْسَنَ مِنْكُمْ فِی الْاِسْلَامِ فَلَا یُؤَاخَذُ بِهَا وَمَنْ اَسَاءَ اُخِذَ بِعَمَلِهٖ فِی الْجَاهِلِیَّةِ وَالْاِسْلَامِ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ لوگوں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہمارے ان اعمال کا جو ہم نے زمانۂ جاہلیت میں کیے ہیں مواخذہ ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص اچھی طرح اسلام لایا اس سے اس کے اعمالِ کفر کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ البتہ جو بری نیت سے اسلام لایا تو اس سے اسلام اور کفر دونوں حالتوں میں کیے اعمال کا مواخذہ ہوگا۔

### تشریح

"من احسن فی الاسلام" احسن اسلام سے مراد صحیح اور حقیقی اسلام ہے جس میں شک اور نفاق اور شرک نہ ہو اور "اساء" سے مراد نفاق والا اسلام ہے، اب یہ بات تو طے ہے کہ اسلام قبول کرنے سے سابقہ تمام گناہ مٹ جاتے ہیں آنے والے باب میں اس کی وضاحت ہے زیر بحث حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر سچا اسلام ہے تو جاہلیت کے اعمال کا مواخذہ نہیں ہوگا وہ سب مٹ

گے لیکن اگر نفاق والا اسلام ہے تو پھر جاہلیت کے اعمال کا مؤاخذہ بھی ہوگا اور اسلام میں برے اعمال کرنے کا مؤاخذہ بھی ہوگا یہ جمہور کا مسلک ہے بعض گمنام قسم کے حضرات فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جس شخص نے جاہلیت والے برے اعمال کو اسلام کی حالت میں بھی جاری رکھا اور اس کو ترک نہیں کیا مثلاً پہلے شراب پیتا تھا اب بھی پیتا ہے تو اس شخص سے جاہلیت کے گناہوں کے مؤاخذہ بھی ہوگا گویا اس شخص نے اسلام کو تو قبول کیا اور کفر سے تائب ہوگیا مگر اس گناہ سے اس نے توبہ نہیں کی ہے لہٰذا دونوں حالتوں کے اعمال کا مؤاخذہ ہوگا۔

۳۱۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبِيْ وَوَكِيْعٌ ح وَحَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ ابْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! اَنُؤَاخَذُ بِمَا عَمِلْنَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ ؟ قَالَ مَنْ اَحْسَنَ فِي الْاِسْلَامِ لَمْ يُؤَاخَذْ بِمَا عَمِلَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَمَنْ اَسَاءَ فِي الْاِسْلَامِ اُخِذَ بِالْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہمارے جاہلیت کے اعمال کا مؤاخذہ ہوگا؟ فرمایا جس نے حسن نیت سے اسلام قبول کیا اس کے اعمال جاہلیت کا مؤاخذہ نہیں ہوگا اور جو بری نیت سے اسلام لایا اس کے اول وآخر کے اعمال کا مؤاخذہ کیا جائے گا۔

۳۲۰۔ حَدَّثَنَا مِنْجَابُ بْنُ الْحَارِثِ التَّمِيْمِيُّ اَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهُ ۔

اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت اسی سند سے منقول ہے۔

## باب كون الاسلام يهدم ما كان قبله وقصة عمرو بن العاص

## اسلام سے سابقہ گناہ مٹتے ہیں، عمرو بن عاصؓ کا قصہ

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۳۲۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى الْعَنَزِيُّ وَاَبُوْمَعْنٍ الرَّقَاشِيُّ وَاِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ كُلُّهُمْ عَنْ اَبِيْ عَاصِمٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ يَعْنِيْ اَبَا عَاصِمٍ قَالَ اَخْبَرَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ يَزِيْدُ بْنُ اَبِيْ حَبِيْبٍ عَنِ ابْنِ شُمَاسَةَ الْمَهْرِيِّ قَالَ حَضَرْنَا عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ وَهُوَ فِيْ سِيَاقَةِ الْمَوْتِ فَبَكٰى طَوِيْلًا وَحَوَّلَ وَجْهَهُ اِلَى الْجِدَارِ فَجَعَلَ ابْنُهُ يَقُوْلُ يَا اَبَتَاهُ ! اَمَا بَشَّرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَذَا ؟ اَمَا بَشَّرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَذَا ؟ قَالَ فَاَقْبَلَ بِوَجْهِهِ فَقَالَ اِنَّ اَفْضَلَ مَا نُعِدُّ شَهَادَةُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ اِنِّيْ قَدْ كُنْتُ عَلٰى اَطْبَاقٍ ثَلَاثٍ لَقَدْ رَاَيْتُنِيْ وَمَا اَحَدٌ اَشَدَّ بُغْضًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنِّيْ وَلَا اَحَبَّ اِلَيَّ اَنْ اَكُوْنَ قَدِ اسْتَمْكَنْتُ مِنْهُ فَقَتَلْتُهُ فَلَوْ مُتُّ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ لَكُنْتُ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَلَمَّا جَعَلَ اللّٰهُ الْاِسْلَامَ فِيْ قَلْبِيْ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ ابْسُطْ یَمِیْنَكَ فَلْأُبَایِعْكَ فَبَسَطَ یَمِیْنَهٗ قَالَ فَقَبَضْتُ یَدِی قَالَ مَالَكَ یَاعَمْرُو ؟ قَالَ قُلْتُ اَرَدْتُ اَنْ اَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ بِمَاذَا ؟ قُلْتُ اَنْ یُغْفَرَ لِیْ ۔ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ یَاعَمْرُو اَنَّ الْاِسْلَامَ یَهْدِمُ مَاكَانَ قَبْلَهٗ ؟ وَاَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَاكَانَ قَبْلَهَا ؟ وَاَنَّ الْحَجَّ یَهْدِمُ مَاكَانَ قَبْلَهٗ ؟ وَمَاكَانَ اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَا اَجَلَّ فِیْ عَیْنِیْ مِنْهُ وَمَا كُنْتُ اُطِیْقُ اَنْ اَمْلَأَ عَیْنَیَّ مِنْهُ اِجْلَالًا لَهٗ وَلَوْ سُئِلْتُ اَنْ اَصِفَهٗ مَا اَطَقْتُ لِاَنِّیْ لَمْ اَكُنْ اَمْلَأُ عَیْنَیَّ مِنْهُ وَلَوْمُتُّ عَلٰی تِلْكَ الْحَالِ لَرَجَوْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ ثُمَّ وَلِیْنَا اَشْیَاءَ مَا اَدْرِیْ مَاحَالِیْ فِیْهَا فَاِذَا اَنَا مُتُّ فَلَا تَصْحَبْنِیْ نَائِحَةٌ وَلَا نَارٌ فَاِذَا دَفَنْتُمُوْنِیْ فَشُنُّوْا عَلَیَّ التُّرَابَ شَنًّا ثُمَّ اَقِیْمُوْا حَوْلَ قَبْرِیْ قَدْرَ مَا تُنْحَرُ جَزُوْرٌ وَیُقْسَمُ لَحْمُهَا حَتّٰی اَسْتَاْنِسَ بِكُمْ وَاَنْظُرَ مَاذَا اُرَاجِعُ بِهٖ رُسُلَ رَبِّیْ ۔

حضرت ابن شماسہ المہری فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمرو بن العاص کے پاس گئے جب کہ وہ بالکل موت کے قریب تھے وہ بہت دیر تک روتے رہے اور اپنا چہرہ دیوار کی طرف کرلیا۔ ان کے صاحبزادے کہنے لگے کہ ابا جان! آپ کو کس چیز نے رُلا دیا؟ کیا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت نہیں دی؟ کیا آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں بشارت نہیں دی؟ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنا چہرہ ان کی طرف کیا اور فرمایا کہ ہم اپنے تمام اعمال میں سب سے افضل عمل شہادتین لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اقرار کو شمار کرتے ہیں۔ بے شک میں تین مختلف حالتوں میں رہا ہوں میں نے اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت نفرت وبغض مجھ سے زیادہ کسی کو نہ تھی۔ اور مجھے اس سے زیادہ کوئی بات پسند نہ تھی کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قابو پا کر آپ کو قتل کردوں اگر میں اسی حالت میں مرجاتا تو میں جہنمی ہوتا، پھر اللہ عز وجل نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا تو میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اپنا دایاں ہاتھ پھیلایئے تاکہ میں آپ سے بیعت کروں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک پھیلا دیا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، آپ نے فرمایا: اے عمرو! کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ میں ایک شرط رکھنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا شرط رکھنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا میری مغفرت ہو جائے۔ فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام ماقبل کے تمام گناہوں کو ڈھا دیتا ہے اور ہجرت سابقہ تمام گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اور حج بھی پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اس وقت میری یہ حالت تھی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی محبوب نہیں تھا، نہ ہی میری نگاہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی جلالت شان والا تھا اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان ورعب کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھ بھر کر دیکھنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ اگر مجھ سے آپ کے بارے میں سوال کیا جاتا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان نہ کرسکتا کیونکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اگر اسی حالت

پر میں مرجاتا تو مجھے امید ہوتی کہ میں اہل جنت میں سے ہو جاؤں گا۔ لہذا پھر ہم کو بہت سے معاملات کا نگران بنادیا گیا۔ میں نہیں جانتا کہ میرا اس میں کیا حال ہوگا۔ اور جب میں مرجاؤں تو کوئی نوحہ کرنے والی عورت میرے ساتھ نہ ہو نہ ہی آگ ساتھ ہو، جب تم مجھے دفن کردو تو مجھ پر اچھی طرح مٹی چھڑک دینا پھر میری قبر کے گرد اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر میں اونٹ کو نحر کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تمہارے وجہ سے مانوس رہوں اور میں دیکھ لوں کہ میں اپنے پروردگار کے قاصدوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔

## تشریح

''عمرو بن العاص ''حضرت عمرو بن العاصؓ جلیل القدر صحابی ہیں، پانچ ہجری میں اسلام لائے آپ اور حضرت خالدؓ اور عثمان طلحہ ایک ساتھ مدینہ آکر مسلمان ہوئے آنحضرت نے آپ کو عمان کا حاکم مقرر کیا آنحضرت کی وفات تک وہاں کے گورنر رہے پھر حضرت عثمان اور حضرت معاویہ نے آپ کو گورنر مقرر کیا آپ فاتح مصر ہیں اور وفات تک مصر کے حاکم رہے دس سال تک آپ نے مصر پر حکومت کی، آنحضرتؐ کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک رہے۔

جنگ صفین میں حضرت معاویہ کے ساتھ تھے واقعہ تحکیم میں شامل تھے، حضرت عمرو بن العاصؓ فصاحت و بلاغت، رائے اور عقل و تدبر میں عرب کے بڑے پائے کے لوگوں میں شمار ہوتے تھے، حضرت عمر فاروق جب کسی آدمی سے بات فرماتے اور وہ سمجھ نہ پاتے تو آپ فرماتے ''سبحان الله الذی خلقك و خلق عمرو بن العاص ''پاک ہے وہ اللہ جس نے تجھے پیدا کیا اور عمرو بن العاص کو پیدا کیا، یعنی وہ کتنا فصیح اور سمجھدار ہے اور تو کس طرح ناسمجھ ہے، موت کے وقت آپ نے جب اپنے اموال کو دیکھا تو فرمایا کہ کاش یہ مال نہ ہوتا بلکہ مینگنیاں ہوتیں کاش میں غزوہ ذات سلاسل میں مرجاتا، میں ایسے امور میں گھس گیا جس کے انجام کا کوئی پتہ نہیں اب میں نہیں جانتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے پاس کیا عذر پیش کروں گا میں نے معاویہ کی دنیا بنائی اور اپنی آخرت خراب کرلی اس کے بعد آپ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ ایک رسی لاؤ اور میرے ہاتھوں کو میری گردن کے ساتھ باندھ لو بیٹے نے ایسا ہی کیا تو آپ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور کہا کہ میرے مولا! میں نے تیری نافرمانی کی ہے میں نے گناہ کیے ہیں میں طاقت نہیں رکھتا کہ اپنے آپ کو بچالوں اور نہ میرے پاس کوئی عذر ہے کہ پیش کروں بس صرف میں کلمہ شہادت اور نبی مکرم کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں، یہ کہہ کر آپ نے اپنی انگلی منہ میں رکھ لی گویا سخت پشیمان ہیں پھر سوچنے لگے سوچتے سوچتے آپ کی موت واقع ہوگئی۔ (فتح الملہم ملخصا)

آپ ۴۳ھ میں نوے سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

''فی سیاقة الموت ''یعنی سکرات الموت میں تھے۔ ''اطباق ثلاث ''یعنی مجھ پر زندگی کے تین دور گذرے ہیں وہ اس طرح ہیں۔

ا۔ پہلا دور جاہلیت کا گذرا ہے اگر اس میں مرجاتا تو سیدھا دوزخ چلا جاتا۔

۲۔ دوسرا دور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اس میں اگر اسلام پر مرجاتا تو سیدھا جنت چلا جاتا۔

۳۔ تیسرا دور سیاست کا گذر رہا ہے جس میں ہم نے حکومت کی سرپرستی کی ہے اسی دور کا خطرہ ہے۔

''اجلالاً لہ'' یعنی آنحضرت کو میں عظمت کی وجہ سے آنکھیں بھر کر نہیں دیکھ سکتا تھا یہ حال بڑے صحابہ کا تھا یہی وجہ ہے کہ آنحضرت کے شمائل اور حلیہ مبارکہ صغار صحابہ کرام نے بیان کیا ہے کبار نے بیان نہیں کیا کیونکہ وہ عظمت کی وجہ سے آنکھ بھر کر دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔''فاذا انامت'' یہاں حضرت عمروؓ نے چند وصیتیں فرمائی ہیں اور ہر آدمی کو وصیت کرنی چاہئے۔

''نائحہ'' یعنی رونے والی کوئی عورت نہ ہو جو بین کرے جس طرح جاہلیت میں ہوتا تھا۔''ولانار'' جاہلیت میں آگ روشن کر کے میت کے ساتھ ساتھ لیجاتے تھے اس کو منع کیا۔''فسنوا علی التراب'' سَنّ و شَنّ، دونوں کا معنی ایک ہے قبر پر مٹی ڈالنے کو کہتے ہیں بعض نے کہا کہ ''سن'' آہستہ آہستہ مٹی ڈالنے کو کہتے ہیں اور ''شن'' تیز تیز مٹی ڈالنے کو کہتے ہیں۔''ثم اقیموا حول قبری'' یعنی ایک اونٹ کے ذبح کرنے اور گوشت تقسیم کرنے کی مقدار تک میری قبر کے پاس کھڑے ہو جاؤ تاکہ میں تم سے تسلی حاصل کرتا رہوں اور یہ دیکھوں کہ میں قبر میں فرشتوں کا جواب کیسے دیتا ہوں اس میں اتنی بات تو ثابت ہے کہ کچھ دیر تک قبر کے پاس آدمی ٹھہر جائے یہ مستحب ہے لیکن اس سے سماع موتیٰ ثابت کرنا یا قبر پر قرآن لا کر پڑھنا ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے پھر یہ ایک صحابی کا اجتہادی قول ہے شریعت کا عام ضابطہ نہیں ہے سماع موتی کی بحث کا یہ مقام نہیں ہے۔

''ابسط یمینک'' آپ اپنا داہنا ہاتھ آگے پھیلا دیجئے تاکہ میں اس پر آپ سے بیعت کروں معلوم ہوا زبانی بیعت کی نسبت ہاتھ میں ہاتھ دینا اصل اور افضل ہے عورتوں کی بیعت میں کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ نہیں دیا وہاں صرف زبانی بیعت اصل ہے، یہ بیعت اسلام کی تھی اور ہر پیر و مرشد کو چاہئے کہ کسی اجنبی عورت کے ہاتھ کو بوقت بیعت ہاتھ نہ لگائیں۔

''فلابایعک'' میں عین پر نصب اور ضمہ دونوں جائز ہیں۔ پہلا احتمال اس طرح ہے کہ فا کلمۂ زائد ہو اور اس کے بعد لام کلمہ بمعنی لام ''کی'' تعلیلیہ ہو جو ناصب فعل ہوتا ہے یعنی ''کی ابایعک'' تو عین منصوب ہے۔ دوسرا احتمال یہ کہ لام زائد ہو اس صورت میں عین پر ضمہ آئے گا اور فا تفریعیہ ہو گی یعنی ''ابسط یمینک فابایعک''۔''ان اشترط'' معلوم ہوا کہ بیعت سے پہلے شرط لگانی جائز بھی ہے اور مناسب بھی ہے تاکہ خوب تسلی ہو۔''قال تشترط ماذا؟'' ماذا کلمہ چونکہ استفہام ہے اس لئے یہ صدارت کلام کو چاہتا ہے یہاں صدارت نہیں؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہاں ماذا کلام کی ابتداء میں محذوف ہے اور مذکورہ ماذا آخر میں اس کی تفسیر ہے یعنی ماذا تشترط ماذا۔ یا یوں سمجھ لیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور انکار و تعجب استفہام کے ساتھ یہ پوچھا اتشترط؟ یعنی اسلام میں شرط لگاتے ہو؟ پھر پوچھا ماذا یعنی کیا شرط لگاتے ہو تو یہ ماذا الگ کلمہ ہے جو الگ سوال کے ساتھ آیا ہے جو صدارت پر واقع ہے پھر مجموعہ کلام اس طرح بن گیا تشترط ماذا، ہمزہ استفہام کو حذف کیا گیا۔''یغفرلی'' معروف و مجہول دونوں طرح پڑھا گیا معروف کی ضمیر لفظ اللہ کی طرف لوٹتی ہے۔''اما علمت یا عمرو'' یعنی تم عقلمند ہوشیار اور جہاندیدہ سمجھدار آدمی

ہو گیا تم پر یہ بات پوشیدہ ہے جو کسی عقل مند پر پوشیدہ نہیں رہنی چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عقل کا حوالہ دیا ورنہ حضرت عمرؓ مذکورہ مسئلہ سے ایمان سے بے کیا واقف ہو سکتے تھے۔ ''الاسلام یھدم ما کان قبلہ'' علماء نے یہاں اسلام سے مراد حربی کا اسلام لیا ہے کیونکہ ذمی کا حکم اس طرح نہیں ہے۔ ''والھجرۃ'' یعنی میری زندگی میں مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت اور فتح مکہ کے بعد دارالحرب سے دار اسلام کی طرف ہجرت کرنا یعنی اسلام ہجرت اور حج تینوں اعمال ماسبق تمام گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔

## سابقہ گناہ مٹنے کا ضابطہ اور علماء کی آراء

اسلام

جمہور علماء کے نزدیک جب کوئی غیر مسلم حربی یعنی غیر ذمی اسلام قبول کرتا ہے تو اسلام اس کے صغائر گناہ اور کبائر سب کو مٹا دیتا ہے نیز حقوق اللہ اور حقوق العباد مظالم اور غیر مظالم سب گناہوں کو مٹا کر رکھ دیتا ہے، اس میں اتفاق ہے۔

### ہجرت اور حج

البتہ ہجرت اور حج میں اختلاف ہے کہ آیا وہ صغائر و کبائر کو مٹا دیتے ہیں یا نہیں جس کا ذکر یہاں حدیث میں اسلام کے ساتھ ہوا ہے تو حافظ تورپشتی'' اور متقدمین شارحین کا خیال ہے کہ ھادم صرف اسلام ہے اور حج اور ہجرت سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں مطلقاً اور کبائر اس وقت معاف ہوں گے جب کہ اس کے ساتھ توبہ ملحق ہو جائے بشرطیکہ اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو اور اگر وہ کبائر حقوق العباد سے متعلق ہوں تو صاحب حق سے معاف کرائے بغیر صرف توبہ سے وہ بھی معاف نہیں ہوں گے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ ہجرت و حج سے کبائر معاف نہیں ہوتے ہیں۔ حافظ تورپشتی'' فرماتے ہیں کہ نصوص قرآن سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے جیسے ﴿ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم﴾ کی نص مقیدہ سے صغائر کی معافی معلوم ہوتی ہے لہٰذا نصوص مطلقہ کو نصوص مقیدہ پر حمل کر کے صغائر و کبائر کی قید کا لحاظ رکھنا ہوگا۔

### علامہ طیبی کی تحقیق

علامہ طیبی اور علامہ قسطلانی رحمہما اللہ کی رائے یہ ہے کہ اسلام کی طرح حج اور ہجرت سے بھی تمام صغائر و کبائر معاف ہو جاتے ہیں اور جو حکم ہادم ہونے میں اسلام کا ہے وہی حج و ہجرت کا بھی ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں علماء متقدمین پر رد کرنا نہیں چاہتا ان کی رائے اور تحقیق اپنی جگہ پر صحیح ہے اور عام قواعد کے مطابق ہے لیکن میں نفس حدیث کو دیکھ کر اس کے سیاق و سباق اور اسلوب کلام اور بلاغت و فصاحت کے اصولوں کو دیکھ کر یہ کہنے کا حق رکھتا ہوں کہ اسلام کے لئے جس خصوصیت کا ذکر کیا گیا ہے وہ خصوصیت حج و ہجرت کے لئے بھی حاصل ہے کیونکہ نفس حدیث میں چند قرائن ایسے ہیں جس سے واضح طور پر اسلام، ہجرت اور حج کی خصوصیت یکساں طور پر معلوم ہو جاتی ہے مثلاً

۱۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے بیعت اسلام سے پہلے اپنے تمام گناہوں کی مغفرت کی شرط لگائی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے علاوہ ہجرت وحج کو بھی ان کے اطمینان کے لئے ذکر کیا کہ تم تو اسلام کی بات کرتے ہو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مغفرت کی یہ خصوصیت تو اسلام کے علاوہ حج اور ہجرت میں بھی ہے۔

۲۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اسلام کی تشبیہ گناہوں کے مٹانے میں مکان و پہاڑ توڑنے والے ھادم آلے سے دی ہے بعینہ یہی تشبیہ حج اور ہجرت کی بھی دی ہے کہ ھدم ذنوب میں حج اور ہجرت بھی اسلام کی طرح عام اور مطلق ہے۔

۳۔ اسلام حج اور ہجرت کو یہاں عطف کے ذریعہ سے ذکر کیا گیا ہے اور معطوف معطوف علیہ میں کمال مناسبت ضروری ہے یہاں مناسبت تو یہ کی شکل مساوات فی الحکم میں ظاہر ہوگی کہ جو حکم اسلام کا ہے وہی اس کے معطوفات حج اور ہجرت کا ہے لہذا جس طرح صغائر کبائر سب کے لئے ھادم ہے حج اور ہجرت بھی اسی طرح ہے۔

۴۔ صیغہ یھــــدم کا ہر بار مستقلاً تکرار کے ساتھ آنا خود اس بات کی دلیل بھی ہے اور تاکید بھی ہے کہ جو کام اسلام ہے وہی کام مستقل طور پر حج اور ہجرت کا بھی ہے علامہ طیبیؒ کی یہ تحقیق بہت عمدہ ہے اور جس آیت کو علامہ تورپشتیؒ نے بطور استدلال پیش کیا ہے اس سے معتزلہ نے بھی استدلال کیا ہے لیکن آیت کی اپنی صحیح اور واضح تفسیر بھی ہے جو علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنی تفسیر عثمانی میں نقل فرمائی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔ ویسے جو لوگ حج کی مشقتیں برداشت کر کے کئی ماہ وہاں گزارتے ہیں کیا وہ گناہوں سے توبہ نہیں کرتے ہوں گے اور حقوق العباد کا انتظام نہیں کرتے ہوں گے؟ اسی طرح ہجرت جیسی بڑی قربانی کیا توبہ سے خالی ہوگی؟ جب توبہ عقلاً وعرفاً ملحق ہے تو پھر مغفرت میں کیا شک ہے۔

## قتل عمد کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کا مسلک

۳۲۲۔ حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ مَیْمُونٍ وَاِبْرَاهِیْمُ بْنُ دِیْنَارٍ وَاللَّفْظُ لِاِبْرَاهِیْمَ قَالَا حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ وَهُوَ ابْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ یَعْلَی بْنُ مُسْلِمٍ اَنَّهٗ سَمِعَ سَعِیْدَ بْنَ جُبَیْرٍ یُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ نَاسًا مِنْ اَهْلِ الشِّرْكِ قَتَلُوْا فَاَكْثَرُوْا وَزَنَوْا فَاَكْثَرُوْا ثُمَّ اَتَوْا مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اِنَّ الَّذِیْ تَقُوْلُ وَتَدْعُوْ لَحَسَنٌ وَلَوْ تُخْبِرُنَا اَنَّ لِمَا عَمِلْنَا كَفَّارَةً فَنَزَلَ ﴿وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا﴾ (الفرقان:۶۸) وَنَزَلَ ﴿یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ ۔ (الزمر:۵۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مشرکین میں سے چند لوگ جنہوں نے بہت قتل اور بہت زنا کئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ بے شک جو بات آپ کہتے ہیں اور جس چیز

کی آپ دعوت دیتے ہیں بلاشبہ اچھی بات ہے۔ کاش آپ ہمیں یہ بتلادیں کہ ہم نے بداعمالیاں کی ہیں ان کا کوئی کفارہ ہے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿والذین لایدعون مع الله الٰھاآخر﴾ یعنی وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ نہیں پکارتے دوسرے معبود کو اور نہ ہی قتل کرتے ہیں کسی جان کو مگر کسی حق کی وجہ سے اور نہ بدکاری وزنا کاری کرتے ہیں اور جو یہ کام کرے گا وہ گناہ میں جا پڑے گا، قیامت کے روز اسے دوگنا عذاب دیا جائے گا اور اس میں ہمیشہ ذلیل ورسوا ہو کر پڑا رہے گا، مگر جس نے توبہ کی اور ایمان اور اعمال صالحہ کرتا رہا تو اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو حسنات سے تبدیل کردے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ اور یہ آیت بھی نازل ہوئی ﴿یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمة الله﴾ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں سے زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

## تشریح

''کفارۃ'' یہاں تک شرط واقع ہے اور جملہ شرطیہ ہے اس کی جزا محذوف ہے وہ اس طرح ہے ''لاَسلمنا'' یعنی ہم نے جو غلط کام جاہلیت میں کیے ہیں اگر اسلام اس کا کفارہ بنتا ہے تو ہم اسلام لے آئیں گے اس پر قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ قتل وغیرہ گناہ جاہلیت میں کیے ہیں اسلام لانے کے بعد وہ سب معاف ہوگئے ''الامن تاب وامن وعمل عملاً صالحاً الخ'' سے اس کی وضاحت ہوگئی اب قرآن عظیم کی دو آیتیں آمنے سامنے ہیں ایک سورت فرقان کی آیت ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قتل عمد کے مرتکب کی توبہ مقبول ہے۔

دوسری سورت نساء کی آیت ہے کہ

﴿ومن قتل مؤمنامتعمداً فجزائه جھنم خالداً فیھا وغضب الله علیه ولعنه واعدله عذابا عظیما﴾۔

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ قتل عمد کا مرتکب ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیگا۔ اب ان آیتوں کے پیش نظر علماء امت کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا کہ آیا قتل عمد کرنے والے شخص کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟ حضرت ابن عباسؓ کا مسلک ہے کہ قتل عمد کے مرتکب کی توبہ قبول نہیں ہے، ایسا شخص مخلدفی النار ہے۔ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ قتل عمد کے بعد توبہ کرنا مقبول ہے۔ جمہور نے عام احادیث سے استدلال کیا ہے اور سوت فرقان کی آیت سے بھی استدلال کیا ہے، اور سورت نساء کی آیات میں مناسب تاویل کی ہے کہ اس سے طویل خلود مراد ہے یا زجراً وتغلیظاً ہے مگر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سورت فرقان ان مشرکین کے بارے میں ہے جنہوں نے بہت زیادہ گناہ کئے زنا کیا قتل کیا اور پھر مسلمان ہوگئے اور حضرت پاک سے عرض کیا کہ اسلام لانے سے ہمارے گناہ معاف ہو جائیں گے یا نہیں؟ تو سورت فرقان کی آیتیں نازل ہوئیں گویا ان آیتوں کا تعلق کافروں سے ہے مسلمانوں سے نہیں مسلمانوں کے بارے میں وہی آیتیں ہیں جو سورت نساء میں ہیں کہ قتل عمد والا شخص مخلد فی النار ہوگا اس کی توبہ قبول نہیں۔

علامہ عثمانی فتح الملہم میں لکھتے ہیں

"وقول ابن عباسؓ بأن المؤمن اذاقتل مؤمناً متعمداً لاتوبة له مشهور عنه"

فتح الملہم میں حضرت عباس سے مزید تفصیل بھی منقول ہے۔ جس میں آپ نے کئی احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جمہور نے حضرت ابن عباس کے مستدلات میں تاویل کر کے جواب دیا ہے اہل سنت کا اصولی موقف یہی ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر نہیں ہے خوارج اور معتزلہ اس کو کافر کہتے ہیں۔

## محاکمہ

اس اختلاف کا بہتر محاکمہ یہ ہے کہ جو آدمی کسی کو قتل کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے نشانہ سیدھا کرتا ہے کہ گولی خطا نہ جائے اور خوب نشانہ باندھ کر ایک مؤمن جیسے یوسف لدھیانوی یا مفتی جمیل خان یا مفتی نظام الدین شہید کو قتل کرتا ہے تو نشانہ باندھتے وقت اس شخص کا قطعی عقیدہ بنتا ہے کہ میرے لئے اس شخص کا مارنا جائز ہے اور اس طرح عقیدہ کی بنیاد پر تمام امت کا فیصلہ ہے کہ یہ شخص کافر ہے مخلد فی النار ہے اسکی توبہ نہیں ہے۔ بہر حال امام مسلمؒ نے ان آیتوں کو اس مقصد کے لئے پیش کیا ہے کہ جس طرح "الاسلام یھدم ما کان قبلہ" سنت سے ثابت شدہ حکم ہے۔ اسی طرح سورت فرقان کی آیتوں سے بھی یہ حکم ثابت ہے کہ "الاسلام یھدم ما کان قبلہ"۔

## باب بیان حکم عمل الکافر اذااسلم بعدہ

## اسلام لانے کے بعد کافر کے سابقہ اعمال حسنہ کا حکم

اس باب میں امام مسلمؒ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے۔

۳۲۳۔ **حَدَّثَنِی** حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَأَيْتَ أُمُورًا كُنْتُ أَتَحَنَّثُ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ هَلْ لِي فِيهَا مِنْ شَيْءٍ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْلَمْتَ عَلَى مَا أَسْلَفْتَ مِنْ خَيْرٍ ۔ وَالتَّحَنُّثُ: التَّعَبُّدُ ۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: آپ کی کیا رائے ہے ان کاموں کے بارے میں جنہیں میں زمانۂ جاہلیت میں عبادت کے طور پر کیا کرتا تھا۔ کیا مجھے ان کاموں میں کوئی اجر ملے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسلام لائے ہو ان تمام اعمال خیر پر جو تم کر چکے ہو۔

### تشریح

"حکیم بن حزام" اس صحابی کے فضائل میں سے یہ ہے کہ جوف کعبہ میں پیدا ہوئے ہیں اس فضیلت میں یہ یکتا ہے ساٹھ

سال جاہلیت اور ساٹھ سال اسلام میں رہے فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئے تھے اور ۵۴ھ مدینہ میں فوت ہوئے۔

''اتحنث'' یہ لفظ اتعبد کے معنی میں ہے حنث گناہ کو کہتے ہیں۔اور یہاں باب تفعل سلب ماخذ کے لئے ہے جواز الۂ حنث ہے اور ازالہ حنث خود عبادت ہے لہٰذا یہ عبادت کے معنی میں ہے آئندہ حدیث میں ''اتبرر'' کا لفظ آیا ہے جو نیکی کے معنی میں ہے۔

''اسلمت علی ماسلفت من خیر'' تم نے جو اچھا کام کیا اسی کی بدولت اسلام نصیب ہوا۔

## سوال

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جاہلیت میں نیک کاموں کے بارے میں سوال کیا کہ اس کا ثواب ملے گا یا نہیں آنحضرت نے اوپر جملہ سے ایسا جواب دیا ہے جس سے معلوم نہیں ہوسکا کہ ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

## جواب

اس جملہ کے مطلب میں کئی احتمالات ہیں جن سے جواب کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

۱۔ اس جملہ میں ''علی'' سببیت کے لئے ہے یعنی جاہلیت کے اچھے کاموں کی برکت اور سبب سے اللہ تعالیٰ نے تجھے اسلام کی توفیق دیدی تو یہ جاہلیت کے اعمال خیر کا تجھے فائدہ ہوا یہ جواب سب سے اچھا ہے۔

۲۔ اس جملہ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جاہلیت میں تم نے جو نیک کام کیے تو تجھے اس کی عادت پڑ گئی اب اسلام میں اسی طرح اعمال کرو گے یہ فائدہ ہوا۔اس مفہوم کی طرف حکیم بن حزام نے اشارہ بھی کیا ہے کہ میں اُن اعمال کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔

۳۔ تیسرا مفہوم یہ ہے کہ جاہلیت کے اچھے اعمال کے بدلے میں لوگوں نے تیری تعریف کی ہے یہ تعریف اچھا بدلہ ہے جو تجھے ملا ہے اس جواب سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ کفار دنیا میں جو رفاہی کام کرتے ہیں یا خدمت خلق کرتے ہیں اس کا بدلہ ان کو دنیا ہی میں مل جاتا ہے کہ وہ اچھے اچھے کھانے کھاتے ہیں اور دنیا کی دیگر نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں لوگ تعریف کرتے ہیں۔

۳۲۴۔وَحَدَّثَنَا حَسَنٌ الْحُلْوَانِيُّ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ الْحُلْوَانِيُّ حَدَّثَنَا وَقَالَ عَبْدٌ حَدَّثَنِي يَعْقُوبُ وَهُوَ ابْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ رَسُولَ اللَّهِ ! أَرَأَيْتَ أُمُورًا كُنْتُ أَتَحَنَّثُ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ صَدَقَةٍ أَوْ عَتَاقَةٍ أَوْ صِلَةِ رَحِمٍ أَفِيهَا أَجْرٌ ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْلَمْتَ عَلَى مَا أَسْلَفْتَ مِنْ خَيْرٍ۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کیا فرماتے ہیں کہ ان اعمال کے بارے میں جنہیں بطور عبادت جاہلیت میں کیا کرتا تھا مثلاً صدقہ،غلام کو آزاد کرنا،صلہ رحمی کرنا کیا مجھے ان اعمال کا اجر ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:تم اسلام لائے ہو ان اعمال

خیر پر جنہیں تم کر چکے ہو۔

۳۲۵۔وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَشْيَاءَ كُنْتُ أَفْعَلُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ قَالَ هِشَامٌ يَعْنِي أَتَبَرَّرُ بِهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْلَمْتَ عَلَى مَا أَسْلَفْتَ لَكَ مِنَ الْخَيْرِ قُلْتُ فَوَاللَّهِ! لَا أَدَعُ شَيْئًا صَنَعْتُهُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِلَّا فَعَلْتُ فِي الْإِسْلَامِ مِثْلَهُ۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں جاہلیت میں بعض اعمال کیا کرتا تھا یعنی نیک کام کیا کرتا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسلام لائے ہو ان نیک اعمال پر جو تم نے کئے ہیں۔تو میں نے کہا کہ خدا کی قسم! میں کوئی وہ کام نہیں چھوڑوں گا جسے میں نے زمانہ جاہلیت میں کیا تھا مگر اس کے مثل کرتا رہوں گا اسلام میں بھی۔

۳۲۶۔حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ أَعْتَقَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِائَةَ رَقَبَةٍ وَحَمَلَ عَلَى مِائَةِ بَعِيرٍ ثُمَّ أَعْتَقَ فِي الْإِسْلَامِ مِائَةَ رَقَبَةٍ وَحَمَلَ عَلَى مِائَةِ بَعِيرٍ ثُمَّ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِهِمْ۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت میں سو غلام آزاد کئے تھے اور سو اونٹ سواری کے لئے دیئے تھے، پھر حالت اسلام میں بھی سو غلام آزاد کئے اور سو اونٹ سواری کے لئے دیئے۔پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آگے بعینہ سابقہ حدیث ذکر فرمائی۔

## باب صدق الایمان واخلاصہ

## سچے دل سے ایمان لانے کا بیان

اس باب میں امام مسلمؒ نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۳۲۷۔حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ وَوَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾(الانعام:۸۲) شَقَّ ذَلِكَ عَلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالُوا أَيُّنَا لَا يَظْلِمُ نَفْسَهُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ هُوَ كَمَا تَظُنُّونَ إِنَّمَا هُوَ كَمَا قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ ﴿يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾(لقمان:۱۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب آیت کریمہ ﴿الذین آمنوا ولم یلبسوا

ایمانھم بظلم﴾ نازل ہوئی وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے ملایا نہیں تو وہی لوگ ہیں جن کے لئے امن ہے، تو یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر نہایت شاق گذری اور انہوں نے کہا کہ ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہ کیا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آیت کا مفہوم وہ نہیں جو تم خیال کر رہے ہو بلکہ ظلم سے مراد یہاں پر صرف یہ ہے کہ جیسے لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ ﴿یابنی لاتشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم﴾ اے میرے بیٹے! شرک مت کرنا، بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

## تشریح

''اینا لا یظلم نفسہ'' یہاں اصل مسئلہ یہ ہے کہ قرآن عظیم کی ایت ﴿ولم یلبسو ایمانھم بظلم﴾ میں لفظ ظلم نکرہ واقع ہے اور جب نکرہ تحت النفی واقع ہو جاتا ہے تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ جس شخص کا ایمان ایک ذرہ برابر ظلم کے ساتھ آلودہ ہوا تو وہ ایمان معتبر نہیں ہے اور ایسا شخص امن اور ہدایت پر نہیں ہے اس ایت سے صحابہ کرام بہت پریشان ہو گئے کہ کون شخص ایسا ہو سکتا ہے کہ جس کے ایمان کے ساتھ ظلم کی کچھ نہ کچھ آمیزش نہ ہو، نیز ''ظلم وضع الشیء فی غیر موضعہ'' کا نام ہے جو ہر قسم چھوٹے بڑے گناہ کو شامل ہے تو ہر صغیرہ و کبیرہ گناہ ظلم میں داخل ہو گیا اس لئے صحابہ کرام پر یہ بات بہت شاق گزری اور آنحضرت سے اس پریشانی کی شکایت کی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو تسلی دی کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے، لہٰذا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ ایت عام ظلم کے بارے میں نہیں ہے بلکہ خاص ظلم شرک کے بارے میں ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورت لقمان میں کیا ہے۔ بہرحال حضرت لقمان نے جس بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی اس کا نام انعم یا مشکم تھا کہتے ہیں زیادہ نصیحت سے مر گئے۔ بہرحال اس حدیث کا خلاصہ یہ نکلا کہ ایمان میں ظلم کی آمیزش نہیں ہونی چاہئے بلکہ خالص ایمان کا ہونا کامیابی کے لئے ضروری ہے اس تشریح و تفصیل سے علامہ نووی کا لگایا ہوا عنوان سمجھ میں آ جاتا ہے۔ ورنہ بظاہر اس حدیث پر یہ عنوان لگانا سمجھ میں نہیں آتا ہے بلکہ بعید تر ہے۔

۳۲۸۔ **حَدَّثَنَا** اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَعَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَا اَخْبَرَنَا عِيْسَى وَهُوَ ابْنُ يُوْنُسَ ح وَحَدَّثَنَا مِنْجَابُ بْنُ الْحَارِثِ التَّمِيْمِيُّ اَخْبَرَنَا ابْنُ مُسْهِرٍ ح وَحَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ اَخْبَرَنَا ابْنُ اِدْرِيْسَ كُلُّهُمْ عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ قَالَ اَبُوْ كُرَيْبٍ قَالَ ابْنُ اِدْرِيْسَ حَدَّثَنِيْهِ اَوَّلًا اَبِيْ عَنْ اَبَانَ بْنِ تَغْلِبَ عَنِ الْاَعْمَشِ ثُمَّ سَمِعْتُهُ مِنْهُ۔

یہ روایت بھی سابق سند کی طرح ہے کچھ فرق ہے۔

## تشریح

"ثم سمعنه منه" امام مسلم رحمہ اللہ اس جملہ سے علوِ سند کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ اس دوسری سند میں دو راوی ساقط ہو گئے کیونکہ ابن ادریس نے براہ راست اس حدیث کو شیخ اعمش سے سنا تو دو واسطے گر گئے۔

## باب بیان ان اللہ لم یکلف الا مایطاق

## اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں دو حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

ہر پڑھنے والے کو یاد رکھنا چاہیے کہ علامہ نوویؒ نے یہاں پر جو عنوان رکھا ہے وہ احادیث کے مضمون کے مطابق نہیں ہے یہ عنوان یہاں پر علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی الابی المالکی رحمہ اللہ نے قائم کیا ہے جو بہت ہی مناسب ہے۔

۳۲۹۔ **حَدَّثَنِی** مُحَمَّدُ بْنُ مِنْهَالٍ الضَّرِیرُ وَاُمَیَّةُ بْنُ بِسْطَامَ الْعَیْشِیُّ وَاللَّفْظُ لِاُمَیَّةَ قَالَا حَدَّثَنَا یَزِیْدُ بْنُ زُرَیْعٍ حَدَّثَنَا رَوْحٌ وَهُوَ ابْنُ الْقَاسِمِ عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ﴿لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَاءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ (البقرة: ۲۸۴) قَالَ فَاشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلٰی اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ بَرَکُوْا عَلَی الرُّکَبِ فَقَالُوْا اَیْ رَسُوْلَ اللّٰهِ! کُلِّفْنَا مِنَ الْاَعْمَالِ مَا نُطِیْقُ: الصَّلَاةُ وَالصِّیَامُ وَالْجِهَادُ وَالصَّدَقَةُ وَقَدْ اُنْزِلَتْ عَلَیْكَ هٰذِهِ الْاٰیَةُ وَلَا نُطِیْقُهَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَقُوْلُوْا کَمَا قَالَ اَهْلُ الْکِتَابَیْنِ مِنْ قَبْلِکُمْ سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا؟ بَلْ قُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ فَلَمَّا اقْتَرَاَهَا الْقَوْمُ ذَلَّتْ بِهَا اَلْسِنَتُهُمْ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِیْ اِثْرِهَا ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِکَتِهِ وَکُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ﴾ (البقرة: ۲۸۵) فَلَمَّا فَعَلُوْا ذٰلِكَ نَسَخَهَا اللّٰهُ تَعَالٰی فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اکْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا﴾ (البقرة: ۲۸۶) قَالَ نَعَمْ ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَهُ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا﴾ قَالَ نَعَمْ ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ﴾ (البقرة: ۲۸۶) قَالَ نَعَمْ ﴿وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ﴾ (البقرة: ۲۸۶) قَالَ نَعَمْ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ فرماتے ہیں کہ جب آیت کریمہ: ﴿لله ما فی السموت وما فی الارض﴾ نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمان میں اور زمین میں اور اگر تم ظاہر کرو گے اسے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا اسے چھپاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تم سے اس کا محاسبہ کرے گا، پھر بخش دے گا جسے چاہے اور عذاب دے گا جسے چاہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ تو یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ پر بہت سخت اور شاق گذری اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ یارسول اللہ! ہمیں اعمال میں اُن احکام کا مکلف بنایا گیا جن کی ہماری اندر طاقت ہے نماز، روزہ، جہاد، صدقہ وغیرہ۔ اب یہ آیت نازل ہوئی اور ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم بھی وہی کہو جو تم سے قبل دونوں آسمانی کتب والوں نے کہا کہ ہم نے سُن لیا اور نافرمانی کی۔ بلکہ تم کہو ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ اے ہمارے رب! مغفرت کردے اور تیری طرف ہی ہمیں لوٹنا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ہم نے سن لیا اور اطاعت کی اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور تیری طرف ہی لوٹنا ہے، جب لوگوں نے یہ جملہ پڑھ لیا اور اپنی زبانوں سے بھی اس کا تلفظ کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اس کے بعد فوراً ہی نازل فرمائی ﴿امن الرسول﴾ سے آخر سورۃ تک۔ ایمان لے آئے رسول اس پر جوان پر نازل کیا گیا ان کے رب کی طرف سے اور مومنین بھی سب ایمان لے آئے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، کہتے ہیں کہ ہم اس کے رسولوں کے درمیان بھی امتیاز نہیں کرتے، اور کہہ اٹھے کہ ہم نے سنا اور قبول کرلیا، تیری مغفرت کے طلبگار ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے، اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجائش کے مطابق، اس کو ملتا ہے اس کا جو اس نے کمایا اور اس پر پڑتا ہے اس کا جو اس نے کمایا اے ہمارے رب! مت مؤاخذہ فرما اگر ہم سے بھول ہو جائے یا ہم خطا کر گزریں اے ہمارے رب! مت رکھئے ہمارے اوپر بھاری بوجھ جیسے رکھا تھا آپ نے ہم سے پہلے لوگوں پر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ہمارے رب! اور نہ ہم سے اٹھوایئے وہ بوجھ جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمایئے، ہماری مغفرت فرمایئے، ہم پر رحم فرمایئے، آپ ہمارے رب و آقا ہیں پس ہماری مدد کیجئے کافر قوم پر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا!۔

## تشریح

''فاشتد ذلک ''یعنی صحابۂ کرام پر بہت گراں گذرا کیونکہ آیت میں ﴿یحاسبکم به الله﴾ میں یہ حکم ہے کہ کوئی بات زبان پر آئے یا کوئی اختیاری یا غیر اختیاری وسوسہ دل میں گذرے اس پر اللہ تعالیٰ مواخذہ کریگا اس سے صحابہ کرام بے انتہاء پریشان ہوگئے کہ غیر اختیاری وساوس کا مؤاخذہ تو تکلیف مالایطاق ہے جو انسان کے بس سے باہر ہے اس پر اگر مؤاخذہ شروع ہو جائے

تو کسی کی نجات ممکن نہیں ہوگی آنحضرت کے سامنے صحابہ نے عاجزی کے ساتھ گھٹنے ٹیک کر فریاد کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اہل کتاب کی طرح ''سمعنا وعصینا'' نہ کہو بلکہ ''سمعنا واطعنا'' کہدو۔ صحابہ کرام نے ''سمعنا واطعنا'' کا ایسا اقرار کیا کہ یہ آیت ان کی زبانوں پر چڑھ گئی اور جاری ہوگئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف وتحسین فرمائی کہ ان سب نے ایمان واطاعت کا اقرار کیا پھر اللہ تعالیٰ نے سابقہ ایت کا حکم موقوف کیا اور ''لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا'' کا حکم جاری فرمادیا اس میں جو دعا، بندے کی زبان سے کہلائی گئی اس پر اللہ تعالیٰ نے بطور رحمت نعم فرمایا کہ ہاں میں تمکو تمہاری دعا کے مطابق عطا کروں گا۔ اس کے ساتھ والی حدیث میں نعم کی جگہ قد فعلت کا لفظ ہے کہ میں نے تمہاری دعا کے مطابق ایسا کردیا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے سورت بقرہ کی ان آخری آیتوں سے متعلق اپنی تفسیر عثمانی میں اس طرح لکھا ہے۔

پہلی ایت سے جب یہ معلوم ہوا کہ دل کے خیالات پر بھی حساب اور گرفت ہے تو اس پر حضرات صحابہ گھبرائے اور ڈرے اور ان کو اتنا صدمہ ہوا کہ کسی ایت پر نہ ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا ''قولوا سمعنا واطعنا'' یعنی اشکال نظر آئے یا وقت (پیش آئے) مگر حق تعالیٰ کے ارشاد کی تسلیم میں ادنیٰ توقف بھی مت کرو اور سینہ ٹھوک کر ''سمعنا واطعنا'' عرض کردو، (جب صحابہ نے) آپؐ کے ارشاد کے تعمیل کی تو انشراح کے ساتھ یہ کلمات زبان پر بے ساختہ جاری ہوگئے مطلب ان کا یہ ہے کہ ہم ایمان لائے اور اللہ کے حکم کی اطاعت کی یعنی اپنی دقت اور خلجان سب کو چھوڑ کر ارشاد کی تعمیل میں مستعدی اور آمادگی ظاہر کی حق تعالیٰ کو یہ بات پسند ہوئی تب یہ دونوں ایتیں اتریں اول یعنی ''امن الرسول'' الخ اس میں رسول کریم اور ان کے بعد صحابہ کہ جن کو اشکال مذکور پیش آیا تھا ان کے ایمان کی حق سبحانہ نے تفصیل کے ساتھ مدح فرمائی اس کے بعد دوسری ایت لایکلف اللہ نفسا الخ میں فرمادیا کہ مقدور سے باہر کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی۔ اب اگر کوئی دل میں گناہ کا خیال اور خطرہ پائے اور اس پر عمل نہ کرے تو کچھ گناہ نہیں اور بھول چوک بھی معاف ہے غرض صاف فرمادیا کہ جن باتوں سے بچنا طاقت سے باہر ہے جیسے بُرے کام کا خیال وخطرہ یا بھول چوک ان پر مواخذہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی ص ۶۲)

''برکوا'' گھٹنوں کے بل بیٹھنے اور عاجزی کرنے کو کہتے ہیں۔ ''اقتراء'' پڑھنے اور زبان پر چڑھنے کو کہتے ہیں۔

''ذلت بھا'' یعنی زبانوں پر یہ ایت جاری ہوگئی اور زبانیں اس کے لئے رام ہوگئیں۔

۳۳۰۔ حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَاَبُوْ كُرَیْبٍ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ وَاللَّفْظُ لِاَبِیْ بَكْرٍ قَالَ اِسْحَاقُ اَخْبَرَنَا وَقَالَ الْاٰخَرَانِ حَدَّثَنَا وَكِیْعٌ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ آدَمَ بْنِ سُلَیْمَانَ مَوْلٰی خَالِدٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِیْدَ بْنَ جُبَیْرٍ یُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰیَةُ ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَافِیْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ (البقرۃ: ۲۸۴) قَالَ دَخَلَ قُلُوْبَهُمْ مِنْهَا شَیْءٌ لَمْ یَدْخُلْ قُلُوْبَهُمْ مِنْ شَیْءٍ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُوْلُوْا سَمِعْنَا

وَاَطَعْنَا وَسَلَّمْنَا قَالَ فَاَلْقَى اللّٰهُ الْاِيْمَانَ فِي قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا﴾ (البقرة:٢٨٦) قَالَ قَدْ فَعَلْتُ ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا﴾ (البقرة:٢٨٦) قَالَ قَدْ فَعَلْتُ ﴿وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلَانَا﴾ (البقرة:٢٨٦) قَالَ قَدْ فَعَلْتُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿وان تبدوا مافی انفسکم﴾ تو صحابہ کے قلوب میں وہ چیز پیدا ہوگئی جو ان کے قلوب میں کسی اور چیز سے پیدا نہ ہوئی تھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہو ہم نے سن لیا اور مان لیا اور تسلیم کرلیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب میں ایمان القاء فرمادیا اور یہ آیت نازل فرمائی: ﴿لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا﴾ اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے بقدر، اس کے لئے ہے جو اس نے کئے اور اس کے اوپر ہے جو اس نے کمائے۔ اے ہمارے رب! ہمارے بھول چوک پر مؤاخذہ نہ فرمایئے اللہ نے فرمایا کہ میں نے ایسا کردیا۔ اے ہمارے رب! ہم پر وہ بھاری بوجھ نہ ڈالئے جیسا کہ آپ نے ہم سے قبل لوگوں پر ڈالا تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ میں نے ایسا کردیا۔ اور ہمیں معاف فرمایئے، ہماری مغفرت فرمایئے، ہم پر رحم فرمایئے، آپ ہمارے مولا ہیں اللہ نے فرمایا کہ میں نے ایسا کردیا۔

## باب بيان تجاوز الله تعالىٰ عن حديث النفس

## قلبی وساوس اور خیالات سے اللہ تعالیٰ نے درگذر فرمایا ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے اس جگہ یہ عنوان علامہ ابی نے قائم کیا ہے، علامہ نووی نے صرف عنوان کا حوالہ دیا۔

۳۳۱۔ **حَدَّثَنَا** سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْغُبَرِيُّ وَاللَّفْظُ لِسَعِيْدٍ قَالُوْا حَدَّثَنَا اَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ اَوْفٰى عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِاُمَّتِيْ مَا حَدَّثَتْ بِهِ اَنْفُسَهَا مَا لَمْ يَتَكَلَّمُوْا اَوْ يَعْمَلُوْا بِهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے نظرانداز فرمادیا میری امت کے لئے ان خیالوں کو جو ان کے دلوں میں پیدا ہوں جب تک کہ وہ بات نہ کریں یا اس خیال پر عمل نہ کریں۔

### تشریح

''ماحدثت به انفسها'' لفظ انفسها یا منصوب بنا بر ظرفیت ہے تو یہ حدثت کے لئے مفعول فیہ ہوجائے گا اور حدثت میں

ضمیر فاعل امت کی طرف لوٹتی ہے اور امت سے مراد امت اجابت ہے نہ امت دعوت۔ ترجمہ اس طرح ہوگا کہ امت کے وہ وساوس اور خیالات معاف ہیں جو یہ امت اپنے دلوں میں سوچتی ہیں، یا الفاظ انفسھا مرفوع ہے جو حدثت کے لئے فاعل ہے ترجمہ یہ ہوگا کہ امت کے وہ وساوس معاف ہیں جو وساوس ان کے نفس اور دل پیدا کر کے سوچتے ہیں۔

"مالم یتکلموا" دل کے اندر جو وساوس آتے ہیں وہ تو معاف ہیں لیکن جن وساوس کا تعلق عمل سے ہے یا قول سے ہے وہ مشروط طور پر معاف ہیں اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اگر وسوسہ قولی ہے تو اس پر تکلم نہ کیا جائے اور اگر وسوسہ عملی ہے تو اس پر عمل نہ کیا جائے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہاں وسوسہ سے مراد عزم کے علاوہ ہے عزم معاف نہیں ہے وہ دیگر نصوص کی وجہ سے اس عموم سے خارج ہے جیسے "والاثم ماحاك فی نفسك" یا "القاتل والمقتول في النار الى ان قال فانه حريص على قتله"۔

۳۳۲۔ حَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ح وَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ وَعَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ كُلُّهُمْ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِي عَمَّا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَكَلَّمْ بِهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے معاف کر دیا ان خیالات کو جو ان کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں جب تک کہ وہ اس پر عمل نہ کرلیں یا اسے زبان سے نہ نکالدیں۔

۳۳۳۔ وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ وَهِشَامٌ ح وَ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ شَيْبَانَ جَمِيعًا عَنْ قَتَادَةَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

اس سند سے بھی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے سابقہ حدیث منقول ہے۔

## باب اذاھم العبد بحسنة كتبت واذاھم بسيئة لم تكتب

## نیکی کا ارادہ لکھا جاتا ہے برائی کا نہیں لکھا جاتا

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس باب میں چھ احادیث کو بیان کیا ہے۔ علامہ نووی نے یہاں عنوان قائم نہیں کیا ہے صرف ۵۷/ ۵۸/ ۵۹/ سے عنوان کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۳۳۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَاللَّفْظُ لِأَبِي بَكْرٍ قَالَ إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ وَقَالَ الْآخَرَانِ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَزَّ وَجَلَّ إِذَا هَمَّ عَبْدِي بِسَيِّئَةٍ فَلَا تَكْتُبُوهَا عَلَيْهِ فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا سَيِّئَةً وَإِذَا هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ

يَعْمَلْهَا فَاكْتُبُوهَا حَسَنَةً فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا عَشْرًا ـ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میرا بندہ کسی گناہ کا ارادہ کرے تو اس کے نامۂ اعمال میں اسے مت لکھو۔ اگر وہ اس پر عمل کرلے تو اسے لکھ لو اور جب وہ کسی نیکی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو ایک نیکی لکھ لو، پھر اگر وہ اس نیکی کو کر گزرے تو دس نیکیاں لکھو۔

## تشریح

''اذاهم عبدى بسيئة '' اس حدیث اور اس کے ساتھ دیگر چند احادیث میں قلبی وساوس کے بارے میں تفصیل ہے کہ اس پر کب مؤاخذہ ہوگا اور کب نہیں ہوگا یہاں زیادہ تر ''هم'' کا لفظ بار بار آیا ہے حدیث النفس کا لفظ بھی آیا ہے اور ارادہ کا لفظ بھی آیا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب سے پہلے وسوسہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کو سمجھیں اور اس کے بعد اس کے اقسام کو سمجھیں اور پھر اس کے احکام کو سمجھیں، وسوسہ سے متعلق اتنی بات یاد رکھنی چاہئے کہ وسوسہ تو بری چیز ہے لیکن اس کا آنا برائی کی علامت نہیں ہے بلکہ انسان کی بھلائی کی علامت ہے کیونکہ جب درخت میں پھل ہو تو لوگ اس پر پتھر مارتے ہیں اگر خالی درخت کھڑا ہے اس کو پتھر کون مارتا ہے اور کیوں مارتا ہے بس اسی طرح جس دل میں ایمان ہوتا ہے شیطان وہیں پر حملہ کرتا ہے ایمان سے خالی دل سے شیطان کا کیا کام ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہمارے اور یہود کی نمازوں میں یہ فرق ہے کہ ہمیں نماز میں وسوسے آتے ہیں یہود کو وسوسے نہیں آتے، ظاہر ہے جب ایمان دل میں نہیں تو وسوسہ ڈالنے کی کیا ضرورت ہے شیطان اپنا وقت فضول میں ضائع نہیں کرتا۔

بہرحال یہاں اس باب میں اگرچہ وسوسہ کا لفظ صراحت کے ساتھ مذکور نہیں ہے آنے والا باب وسوسہ سے متعلق زیادہ واضح ہے لیکن یہاں وسوسوں کی اقسام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور کچھ اقسام کا نام بھی لیا گیا ہے اس لئے میں وسوسہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف اور پھر اس کی اقسام کو یہیں پر لکھ دیتا ہوں ملاحظہ ہو۔

## وسوسہ کی تعریف واقسام

وسوسہ لغت میں نرم آواز اور زیورات کی جھنکار کو کہتے ہیں شاعر کہتا ہے۔

ضَوْءُ الْجَبِيْنِ وَوَسْوَاسُ الْحُلِيِّ وَمَا　　　يَفُوْحُ مِنْ عَرَقٍ كَالْعَنْبَرِ الْعَبِقِ

ترجمہ: محبوبہ چہرہ کی چمک اور زیورات کی جھنکار اور اس کے پسینے کی عنبرین خوشبو کا کیا کہنا۔

وسواس اور وساوس بھی وسوسہ کے معنی میں ہیں پھر وسواس وسوسہ ڈالنے والے شیطان کو بھی کہا گیا ہے زید عدل کے طرز پر یعنی مبالغہ کے طور شیطان کو وسواس کہا گیا۔ کیونکہ شریعت نے ہر بری نسبت شیطان کی طرف کی ہے تاکہ اس خطرناک دشمن کی نفرت

وعداوت دلوں میں بیٹھ جائے اور ہر خیر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے اگر چہ خالق خیر وشر اللہ ہی ہے۔ بہر حال وہ خیالات فاسدہ اور وہ افکار ردیئہ جو شیطان کی مداخلت سے انسان کو کفر یا معصیت تک لے جائیں ان کا نام وسوسہ ہے۔

دوسری تعریف اس طرح ہے، جو قلبی خطرات رذائل کی طرف بلاتے ہوں وہ وسوسہ ہیں اور جو قلبی خطرات فضائل کی طرف داعی ہوں وہ الہام ہیں غیر معصوم ہستی کا الہام حجت نہیں ہے ہاں اگر شریعت کے موافق ہو تو باعث تسلی ہے۔

اس سے ملتی جلتی ایک تعبیر اس طرح بھی ہے کہ قلب پر آنے والے جو خطرات شر کے ہوں وہ وسوسہ ہیں اور قلب پر آنے والے جو خطرات خیر کے ہوں وہ الہام ہیں وسوسہ کی پانچ اقسام ہیں جس کو کسی شاعر نے اس نظم میں پیش کیا ہے۔

مَرَاتِبُ الْقَصْدِ خَمْسٌ هَاجِسٌ ذَكَرُوْا فَخَاطِرٌ فَحَدِيْثُ النَّفْسِ فَاسْتَمِعَا

يَلِيْهِ هَمٌّ فَعَزْمٌ كُلُّهَا رُفِعَتْ سِوَى الْأَخِيْرِ فَفِيْهِ الْأَخْذُ قَدْ وَقَعَا

۱۔"هاجس" جو خطرات دل پر ایک بار وارد ہو جائیں اور پھر رفع ہو جائیں یہ هاجس ہیں۔

۲۔"خاطر" جو خیال دل میں بار بار آتا جاتا ہے اور قرار نہیں پکڑتا وہ خاطر کہلاتا ہے۔

۳۔"حدیث النفس" اگر ان خطرات کا استقرار دل میں آگیا مگر اتنا ضعیف ہے کہ فعل کے کرنے اور نہ کرنے میں کسی جانب ترجیح نہیں ہوئی تو یہ"حدیث النفس"کہلاتا ہے۔

۴۔"هم" اگر خیالات کا استقرار دل میں اتنا مضبوط اور قوی ہو جائے کہ موجب فعل ہو مگر فعل مرجوح رہے تو یہ"هم"کا درجہ ہے۔

۵۔"عزم" اگر"هم"کا درجہ دل میں اتنا قوی ہو جائے کہ جانب فعل راجح ہو کر موجب فعل ہو جائے یعنی صرف موقع کا انتظار ہے تو یہ"عزم"ہے۔

اول تین قسموں پر نہ ثواب ہے نہ عقاب ہے بالکل معاف ہیں کیونکہ یہ غیر اختیاری ہیں"هم"کے درجہ میں جو وسوسہ ہے یہ شر میں معاف ہے جو اس امت کا اعزاز ہے اور کار خیر اور ثواب میں دس کے بجائے ایک نیکی ملے گی اور عزم میں اگر گناہ کا عزم ہے تو عذاب کا مستحق ہوگا اور اگر حسنہ اور نیکی کا عزم ہے۔"تو من جاء بالحسنة فله عشر امثالها"حسب وعدہ دس گنا ثواب ملے گا پھر عزائم قلبیہ اگر اچھے عقائد ہیں تو اس پر ثواب ہے اور برے عقائد ہیں تو ان پر عذاب ہے اس میں اتفاق ہے۔

اور اگر یہی عزائم قلبیہ اخلاقیات کے قبیل سے ہوں تو اچھے اخلاق وصفات پر ثواب ملے گا اور برے پر عذاب ہوگا اس پر بھی اتفاق ہے اچھے اخلاق صبر، شکر فکر آخرت، تواضع وغیرہ ہیں۔ برے اخلاق تکبر، عجب، کینہ وحسد وغیرہ ہیں۔"فلا تکتبوها عنه"یہ امر ان فرشتوں کو ہے جو نامۂ اعمال کے لکھنے پر مامور ہیں اور انسان کے کندھوں کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں قرآن میں ہے ﴿ما يلفظ من قول الا لديه رقيب عتيد﴾ دائیں کندھے کا فرشتہ نیکی پر مامور ہے اور بائیں کندھے والا برائی لکھنے پر مامور

ہے کہتے ہیں کہ دائیں کندھے والا دوسرے پر امیر ہے یہ جب تک لکھنے کا نہیں کہتا بائیں کندھے والا گناہ نہیں لکھتا۔

۳۳۵۔ **حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالُوا حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِذَا هَمَّ عَبْدِي بِحَسَنَةٍ وَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبْتُهَا لَهُ حَسَنَةً فَإِنْ عَمِلَهَا كَتَبْتُهَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ وَإِذَا هَمَّ بِسَيِّئَةٍ وَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ أَكْتُبْهَا عَلَيْهِ فَإِنْ عَمِلَهَا كَتَبْتُهَا سَيِّئَةً وَاحِدَةً۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جب میرا بندہ کسی نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا تو میں اس کے واسطے ایک نیکی لکھتا ہوں اور اگر وہ اس نیکی کو کر لیتا ہے تو دس نیکیاں لکھتا ہوں۔ یہاں تک کہ سات سو گناہ تک بڑھا دیتا ہوں اور جب برائی کا ارادہ کرتا ہے اور اسے کرتا نہیں تو اسے نہیں لکھتا اور اگر اسے کر لے تو صرف ایک ہی برائی لکھتا ہوں۔

۳۳۶۔ **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِذَا تَحَدَّثَ عَبْدِي بِأَنْ يَعْمَلَ حَسَنَةً فَأَنَا أَكْتُبُهَا لَهُ حَسَنَةً مَا لَمْ يَعْمَلْ فَإِذَا عَمِلَهَا فَأَنَا أَكْتُبُهَا بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا وَإِذَا تَحَدَّثَ بِأَنْ يَعْمَلَ سَيِّئَةً فَأَنَا أَغْفِرُهَا لَهُ مَا لَمْ يَعْمَلْهَا فَإِذَا عَمِلَهَا فَأَنَا أَكْتُبُهَا لَهُ بِمِثْلِهَا۔ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ رَبِّ! ذَاكَ عَبْدُكَ يُرِيدُ أَنْ يَعْمَلَ سَيِّئَةً وَهُوَ أَبْصَرُ بِهِ فَقَالَ ارْقُبُوهُ فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ بِمِثْلِهَا وَإِنْ تَرَكَهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ حَسَنَةً إِنَّمَا تَرَكَهَا مِنْ جَرَّايَ۔ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحْسَنَ أَحَدُكُمْ إِسْلَامَهُ فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ وَكُلُّ سَيِّئَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِمِثْلِهَا حَتَّى يَلْقَى اللَّهَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے مختلف احادیث ذکر فرمائی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب میرا بندہ دل میں ارادہ کرتا ہے کہ نیکی کرے گا تو میں اس کے لئے ایک نیکی لکھ لیتا ہوں، جب کہ اس پر عمل نہ کرے، جب اسے کر لے تو میں دس نیکیاں ایک کے بدلے لکھتا ہوں اور جب میرا بندہ دل میں ارادہ کرتا ہے کسی برائی کے کرنے کا تو میں اس کو معاف کر دیتا ہوں جب تک کہ وہ عمل نہ کر لے، جب وہ گناہ کر لیتا ہے تو میں اسے لکھ لیتا ہوں اسی کے مثل۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے کہتے ہیں کہ اے رب! وہ آپ کا بندہ گناہ کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسے نظر میں رکھو حالانکہ

وہ خوب سے زیادہ نظر رکھنے والا ہے۔ اگر وہ گناہ کے داعیہ پر عمل کرتا ہے تو ایک ہی گناہ لکھ لو۔ اور اگر اس گناہ کے داعیہ کو ترک کر دے تو اس پر ایک نیکی لکھ لو، کیونکہ اس نے اسے ترک کیا ہے صرف میرے خوف سے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کا اسلام اچھا ہوتا ہے تو ہر نیکی جسے وہ کرتا ہے اس کے بدلے میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں سات سوگنا تک۔ اور ہر گناہ جو وہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات تک ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے۔

## تشریح

''یرید'' اس حدیث میں حدیث النفس اور ارادہ دونوں کا ذکر آ گیا ہے۔ ''وھو ابصربہ'' یعنی اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ معلوم ہے اور وہ سب سے زیادہ دیکھنے والا ہے مگر پھر بھی فرشتوں سے فرماتا ہے ''ارقبوہ'' یعنی تم انتظار کرو کہ یہ بندہ کیا کرتا ہے'' بمثلھا '' یعنی اگر اس بندہ نے گناہ کر لیا تو صرف ایک گناہ لکھدو اور اگر گناہ نہیں کیا تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ ہی دو کیونکہ اس نے میری وجہ سے یہ گناہ چھوڑا ہے۔ "من جرائی" ای من اجلی، یعنی میرے خوف سے اس نے گناہ کو چھوڑ دیا ہے معلوم ہوا ترک گناہ بھی ثواب ہے۔ ''ضعف'' زیادہ اور دوگنا کرنے کے معنی میں ہے یعنی سات سو تک اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے، دوگنا کرنے اور بڑھانے کا قاعدہ اس طرح ہے کہ اصولی طور پر ایک نیکی کا دس گنا ثواب تو اس امت کا اکرام و اعزاز ہے یہ ان کا حق ہے مکہ میں یہ نیکی ایک لاکھ تک جاتی ہے مدینہ میں پچاس ہزار تک اور بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ میں ۲۵ ہزار تک بڑھ جاتی ہے یہ تو قاعدہ اور ضابطہ ہے اس کے بعد اخلاص کی وجہ سے ایک نیکی سات سوگنا تک بڑھ سکتی ہے ''واللہ یضاعف لمن یشاء'' اس آیت میں اشارہ کر دیا کہ اخلاص کی بناء پر اس سے بھی نیکی آگے بڑھ سکتی ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ جو شخص گھر میں بیٹھ کر مجاہدین کے لئے ایک درہم بھیجتا ہے تو اس کو سات سو درہم کا ثواب ملے گا لیکن اگر یہ شخص خود بھی جہاد میں گیا اور اپنے اوپر ایک درہم خرچ کیا تو اس کے بدلے سات لاکھ درہم کا ثواب ملے گا۔

تضعیف ثواب کے متعلق علماء نے کہا ہے کہ جہاں تک شریعت نے تعین کیا ہے تو ہم تعین کریں گے اگر شریعت نے تعین نہیں کیا ہے بلکہ یوں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ عطا کریگا تو ایسے مقام میں کسی فرد بشر کو خاص عدد تک تعین و تحدید کرنے کا حق حاصل نہیں مثلاً یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کروڑوں عطا فرمائے گا لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی پر اونچاس کروڑ عطا کریگا یہ تحدید ناجائز ہے تحفۃ الاحوذی میں لکھا ہے ''والفضائل لاتوخذ بالقیاس'' یعنی فضائل اعمال قیاس کے ذریعہ ثابت نہیں ہو سکتے اس لئے شریعت کا تعین ضروری ہے۔

۳۳۷۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الأَحْمَرُ عَنْ هِشَامٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةٌ وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَعَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ (عَشْرًا) إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ وَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ ـ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے نیکی کا ارادہ کر کے اس پر عمل نہیں کیا تو ایک نیکی اس کے واسطے لکھی جاتی ہے اور جس نے ارادۂ نیکی کر کے اس پر عمل کرلیا تو اس کے واسطے سات سو گنا تک ثواب لکھا جاتا ہے اور جو برائی کا ارادہ کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا تو اسے نہیں لکھا جاتا اور اگر اسے کر لیتا ہے تو لکھا جاتا ہے۔

۳۳۸۔ **حدثنا** شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَارِثِ عَنِ الْجَعْدِ اَبِي عُثْمَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْرَجَاءِ الْعُطَارِدِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَايَرْوِي عَنْ رَبِّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ ثُمَّ بَيَّنَ ذٰلِكَ فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً وَاِنْ هَمَّ بِهَافَعَمِلَهَا كَتَبَهَااللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ اِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ اِلَى اَضْعَافٍ كَثِيْرَةٍ وَاِنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَااللّٰهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً وَاِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَااللّٰهُ سَيِّئَةً وَاحِدَةً۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار سے نقل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اللہ نے نیکیوں اور برائیوں کو لکھ لیا اور انہیں بیان کر دیا پس جو شخص نیکی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے واسطے ایک مکمل نیکی لکھ لیتا ہے اور جو ارادہ حسنہ پر عمل کر لیتا ہے تو اس کے واسطے اللہ تعالیٰ دس سے لے کر سات سو گناہ تک نیکیاں لکھتے ہیں اور بہت زیادہ بھی لکھی جاتی ہیں اور اگر کوئی گناہ کا قصد کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ ایک مکمل نیکی اس کے واسطے لکھ لیتے ہیں اور اگر ارادۂ گناہ پر عمل کر لے تو اللہ تعالیٰ صرف ایک گناہ ہی لکھتے ہیں۔

۳۳۹۔ **وحدثنا** يَحْيَى بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا جَعْفَرُبْنُ سُلَيْمَانَ عَنِ الْجَعْدِ اَبِي عُثْمَانَ فِي هٰذَاالْاِسْنَادِ بِمَعْنَى حَدِيْثِ عَبْدِالْوَارِثِ وَزَادَ اَوْمَحَاهَا اللّٰهُ وَلَايَهْلِكُ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا هَالِكٌ۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہے اس اضافہ کے ساتھ کہ فرمایا: اور یا اللہ تعالیٰ کسی کی برائی کو اپنے کرم سے مٹا دیں گے اور اللہ کے یہاں کوئی بھی ہلاکت میں نہیں پڑے گا مگر وہ جس کے مقدر میں ہی ہلاکت وتباہی ہے۔

## تشریح

''ولا یھلك علی الله الاھالك ''یعنی اللہ تعالیٰ کی اس وسیع رحمت کی موجودگی میں وہی ہلاک ہوسکتا ہے جو تباہ شدہ بدبخت قسم کا آدمی ہوگا۔''علی الله ای مع رحمة الله''بہرحال وسوسوں کی معافی کی جو احادیث ہیں اس کے مجموعہ سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنے غفور ورحیم ہیں کہ ایک طرف نیکی کے ارادے پر اجر ملتا ہے اور نیکی کرنے پر سات سو گنا ثواب دیتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ عطا فرماتے ہیں دوسری طرف گناہ کے غیر ارادی خیال پر گرفت بھی نہیں کرتے ہیں اور اگر گناہ کرلیا تو صرف ایک

گناہ لکھا جاتا ہے اس کے مٹانے کے بھی دسیوں مواقع موجود ہیں لہٰذا ان رحمتوں کی موجودگی میں کوئی عقلمند انسان تباہی کے گڑھے میں نہیں گرسکتا ہے ہاں جس کے مقدر ہی میں تباہی لکھی ہوگی وہ اتنی رحمتوں کی موجودگی میں تباہ ہوجائے گا۔

بہر حال ان احادیث میں اللہ تعالیٰ نے گناہ کو اپنے کرم سے عفو اور عقوبت کے درمیان رکھا ہے اگر معاف نہ ہوا تو ڈبل بھی نہیں ہوگا۔ ''محاھا اللہ'' اور ''غفر'' کے الفاظ اسی رحمت کی طرف اشارہ ہے اور ''فجزاها بمثلها'' بھی اسی کا حصہ ہے۔

## باب بيان الوسوسة في الايمان

## حالت ایمان میں وسوسہ آنے کا بیان

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تیرہ احادیث کو بیان کیا ہے اس سے پہلے چند ابواب وسوسہ سے متعلق ہیں لیکن وہ وسوسہ کی جزئیات پر مشتمل ہیں یہ باب خالص وسوسہ کی حدیثوں پر مشتمل ہے اور کافی طویل ہے وسوسہ کے لغوی اصطلاحی تحقیق ہوگئی ہے۔

۳۴۰۔**حدثني** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلُوهُ إِنَّا نَجِدُ فِي أَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ أَحَدُنَا أَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِ قَالَ أَوَقَدْ وَجَدْتُمُوهُ؟ قَالُوا نَعَمْ قَالَ ذَاكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بعض صحابہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم اپنے دل میں بہت سے ایسے خیالات پاتے ہیں کہ جن کے بارے میں زبان سے کچھ بات کرنا ہمیں بہت بھاری لگتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ایسے وساوس پاتے ہو؟ کہنے لگے کہ جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو صریح ایمان ہے۔

### تشریح

''مایتعاظم'' یعنی اس کا تصور اور اسکو زبان پر لانا بھی ہم بڑا جرم سمجھتے ہیں جیسے کوئی کہے ''من خلق اللہ'' و این ھو و کیف ھو؟۔ تعاظم باب تفاعل سے مبالغہ کے لئے آیا ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ باب مفاعلہ اگر مبالغہ کے لئے استعمال نہ بھی ہو پھر بھی اس میں مبالغہ ہوتا ہے ''ای نستعظم غاية الاستعظام'' ایک اور روایت میں ہے کہ ہم اس کو اتنا بڑا سمجھتے ہیں کہ جل کر راکھ ہونے کو پسند کرتے ہیں مگر یہ وسوسہ برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔ ''او قدوجدتموه'' یہ محذوف پر عطف ہے ای ''او قد حصلتموه وقد وجدتموه'' ''ذاك صريح الايمان'' وسوسہ آنا صریح ایمان نہیں بلکہ وسوسہ کو اتنا بڑا اور بھاری سمجھنا یہ خالص ایمان ہے یعنی جب زبان پر نہیں لاسکتا ہے تو دل کتنا متنفر ہوگا اس جملہ میں آنحضرت نے اپنی امت کو تسلی دی ہے کہ وسوسہ آئے یا جائے تم پروانہ کرو یہ تمہارے ایمان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا بلکہ وسوسہ آنا تو ایمان کی علامت ہے کیونکہ چور اسی گھر میں آتا ہے جہاں مال

موجود ہو یا پتھر اسی درخت پر مارا جاتا ہے جس میں پھل ہو خالی ٹہنیوں کو کوئی پتھر نہیں مارا کرتا ساتھ والی روایت میں "تلك محض الایمان" کے الفاظ ہیں اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ خالص ایمان ہے۔

۳۴۱۔ **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ ح: وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ ابْنُ عَمْرِو بْنِ جَبَلَةَ بْنِ أَبِي رَوَّادٍ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ إِسْحَاقَ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو الْجَوَّابِ عَنْ عَمَّارِ بْنِ رُزَيْقٍ كِلَاهُمَا عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْحَدِيثِ۔

اس سند سے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سابقہ حدیث منقول ہے۔

۳۴۲۔ **حَدَّثَنَا** يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ الصَّفَّارُ حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ عَثَّامٍ عَنْ سُعَيْرِ بْنِ الْخِمْسِ عَنْ مُغِيرَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوَسْوَسَةِ قَالَ تِلْكَ مَحْضُ الْإِيمَانِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وساوس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا: یہ تو خالص ایمان ہے۔

۳۴۳۔ **حَدَّثَنَا** هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ وَاللَّفْظُ لِهَارُونَ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ حَتَّى يُقَالَ هَذَا خَلَقَ اللَّهُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللَّهَ؟ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ آمَنْتُ بِاللَّهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ تو ہمیشہ پوچھتے پاچھتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ کہا جائے گا۔ ساری مخلوقات کو تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ اگر کوئی شخص ایسی بات پائے تو کہے "امنت باللہ" میں اللہ پر ایمان لایا۔

## تشریح

"یتساء لون" یعنی انسان آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے رہیں گے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ انسان خود اپنے دل میں اپنے آپ سے سوال کرتا رہتا ہے یعنی آئندہ اس طرح ہوگا "ھذا خلق اللہ الخلق" ھذا مبتدا ہے اور اس کی خبر لفظ مشہور ہے عبارت اس طرح ہے:

ھذا القول مشھور ومسلّم وھو ان اللہ خلق الخلق فما تقول فی اللہ فان اللہ شیء وکل شیء مخلوق فمن خلق اللہ۔

"فلیقل امنت باللہ ورسولہ" یعنی یہ قول اور یہ خیال یہ سوال وجواب چونکہ کفر ہے اس لئے اس وسوسہ کے آنے کے بعد عقیدہ کی تجدید کے لئے امنت باللہ ورسلہ کہنا چاہیے یہ وساوس کے دفع کرنے کا ایک علاج بتایا گیا ہے ایک علاج یہ بھی ہے کہ آدمی

ہر نماز کے بعد سات مرتبہ یہ آیت پڑھے ﴿رب اعوذبك من همزات الشياطين و اعوذبك رب ان يحضرون ﴾ ابن قیم رحمہ اللہ نے دفع وسواس کے لئے دس تعوذات کا وظیفہ بتایا ہے (۱) اعوذ باللہ کا ورد (۲) قرأت معوذتین (۳) آیۃ الکرسی (۴) قرأۃ سورت بقرہ (۵) امن الرسول پڑھنا (۶) ختم المؤمن والیه المصیر تک (۷) کثرت ذکر اللہ (۸) کثرت لا الہ الا اللہ (۹) مداومت وضو (۱۰) اجنبیات سے نگاہیں بچانا۔

٣٤٤ـ وَحَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُو النَّضْرِ حَدَّثَنَا اَبُوْ سَعِيْدٍ الْمُؤَدِّبُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَاتِي الشَّيْطَانُ اَحَدَكُمْ فَيَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ ؟ مَنْ خَلَقَ الْاَرْضَ ؟ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ ثُمَّ ذَكَرَ بِمِثْلِهٖ وَزَادَ وَرُسُلِهٖ۔

حضرت ہشام بن عروہؒ اسی سند سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان تم میں سے کسی کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ آسمان کس نے پیدا کیا؟ زمین کس نے پیدا کی؟ آخر یہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ آگے سابقہ حدیث کے مثل ذکر فرمایا۔ اتنا اضافہ ہے کہ یوں کہے میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔

٣٤٥ـ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ جَمِيْعًا عَنْ يَعْقُوْبَ قَالَ زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ اَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاتِي الشَّيْطَانُ اَحَدَكُمْ فَيَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ كَذَا وَكَذَا ؟ حَتّٰى يَقُوْلَ لَهٗ مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ ؟ فَاِذَا بَلَغَ ذٰلِكَ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ وَلْيَنْتَهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان تم میں سے کسی کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں کو کس نے پیدا کیا؟ فلاں چیز کس نے پیدا کی؟ یہاں تک کہ کہتا ہے تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب یہاں تک پہنچ جائے تو فوراً اعوذ باللہ پڑھنا چاہئے یعنی شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے اور ایسے خیالات سے آئندہ باز رہے۔

## تشریح

''فاذابلغ ذلك'' اس جملہ میں بلغ کی ضمیر فاعل یا تو آدمی کی طرف راجع ہے یا یہ ضمیر شیطان کی طرف راجع ہے کہ شیطان وسوسہ ڈالتے ڈالتے جب اس درجہ تک پہنچ جائے تو آدمی تعوذ کرے۔ ''فليستعذ'' یعنی آدمی اعوذ باللہ پڑھے علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ اغوائے شیطانی اور اس کے وساوس کا سلسلہ غیر متناہی ہے اگر شیطان کو مہلت دیدی تو معاملہ ختم نہ ہوگا بلکہ خطرناک بنتا چلا جائے گا لہذا استفادہ کر کے معاملہ ختم کردے گا کیونکہ تعوذ سے شیطان بھاگتا ہے نیز انسان تعوذ اور معوذتین پڑھ کر یہ تصور قائم کرے کہ اب وہ بڑے بادشاہ کی پناہ میں آگیا ہے اب وہ میری حفاظت فرمائے گا۔ ''ولينته'' یہ لام امر کا صیغہ ہے یعنی یہ

آدمی باز آجائے اور اس قسم کا خیال دفع کرے اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی عظمت میں سوچا کرے ان کی ذات میں نہ سوچیں اور یہ عقیدہ قائم کرے کہ ''کل ما یخالک فاللہ مخالف ذلک'' یعنی جو کچھ تیرے وہم و گمان میں آتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے وراء الوراء ہے۔

تُو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

۳۴۶۔ **حَدَّثَنِي** عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي الْعَبْدَ الشَّيْطَانُ فَيَقُولُ مَنْ خَلَقَ كَذَا وَكَذَا حَتَّى يَقُولَ لَهُ مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ؟ فَإِذَا بَلَغَ ذَلِكَ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ وَلْيَنْتَهِ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ۔

اس سند سے بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان بندے کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کس نے پیدا کیا اور یہ کس نے پیدا کیا؟ اس کے بعد بقیہ حدیث کو اسی ابن شہاب کے طریقہ پر بیان کیا ہے۔

۳۴۷۔ **حَدَّثَنَا** عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ النَّاسُ يَسْأَلُونَكُمْ عَنِ الْعِلْمِ حَتَّى يَقُولُوا هَذَا اللَّهُ خَلَقَنَا فَمَنْ خَلَقَ اللَّهَ۔ قَالَ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ رَجُلٍ فَقَالَ صَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ قَدْ سَأَلَنِي اثْنَانِ وَهَذَا الثَّالِثُ أَوْ قَالَ سَأَلَنِي وَاحِدٌ وَهَذَا الثَّانِي۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ ہمیشہ تم سے علم کی باتیں پوچھتے رہیں گے یہاں تک کہ کہیں گے، اللہ نے ہمیں پیدا کیا، اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ راوی فرماتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرتے وقت ایک آدمی کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، فرمانے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل سچ فرمایا۔ مجھ سے دو افراد پہلے بھی یہی سوال کر چکے ہیں اور یہ تیسرا شخص ہے یا فرمایا ایک نے پہلے سوال کیا اور یہ دوسرا ہے۔

## تشریح

''قال وھو اٰخذ'' راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ نے ایک شخص کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا اور فرمایا کہ میرے خلیل محبوبؐ نے سچ فرمایا تھا کہ اس طرح سوالات لوگ کریں گے مجھ سے دو آدمیوں نے پہلے سوال کیا اور یہ تیسرا ہے آنے والی روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے مٹھی میں سنگریزے لیکر ان پر مار دیئے اور کہا کہ میرے پاس سے بھاگ نکلو۔

۳۴۸۔ **وَحَدَّثَنِيهِ** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَيَعْقُوبُ الدَّوْرَقِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ وَهُوَ ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ

قَالَ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ لَايَزَالُ النَّاسُ بِمِثْلِ حَدِيْثِ عَبْدِالْوَارِثِ غَيْرَ اَنَّهُ لَمْ يَذْكُرِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْاِسْنَادِ وَلٰكِنْ قَدْقَالَ فِيْ آخِرِ الْحَدِيْثِ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ۔

ایوب محمد سے اس کو موقوفاً ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں اس حدیث کی سند میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ نہیں ہے لیکن اخیر حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا۔

۳۴۹۔ وَحَدَّثَنِیْ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الرُّوْمِيِّ حَدَّثَنَا النَّضْرُبْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ وَهُوَابْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيٰى حَدَّثَنَا اَبُوْسَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَزَالُوْنَ يَسْاَلُوْنَكَ يَااَبَاهُرَيْرَةَ ! حَتّٰى يَقُوْلُوْا هٰذَااللّٰهُ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ ؟ قَالَ فَبَيْنَا اَنَافِي الْمَسْجِدِ اِذْجَاءَنِيْ نَاسٌ مِنَ الْاَعْرَابِ فَقَالُوْايَااَبَاهُرَيْرَةَ هٰذَااللّٰهُ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ ؟ قَالَ فَاَخَذَ حَصًى بِكَفِّهِ فَرَمَاهُمْ ثُمَّ قَالَ قُوْمُوْا قُوْمُوْا ! صَدَقَ خَلِيْلِيْ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: لوگ ہمیشہ تجھ سے سوال کرتے رہیں گے، اے ابو ہریرہ! یہاں تک کہیں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہے آخر اللہ کو کس نے پیدا کیا؟۔ راوی کہتے ہیں کہ اسی دوران ایک بار ہم مسجد میں بیٹھے تھے کہ کچھ دیہاتی لوگ آئے اور کہنے لگے کہ اے ابو ہریرہ! یہ اللہ ہے (یعنی خالق) اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مٹھی بھر کنکریاں لیکر انہیں مارا اور کہا کہ کھڑے ہو جاؤ، کھڑے ہو جاؤ۔ میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا۔

۳۵۰۔ حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُبْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا كَثِيْرُبْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ بُرْقَانَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُبْنُ الْاَصَمِّ قَالَ سَمِعْتُ اَبَاهُرَيْرَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَسْاَلَنَّكُمُ النَّاسُ عَنْ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى يَقُوْلُوْا اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَمَنْ خَلَقَهُ ؟۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ تم سے ضرور ہر شیٔ کے بارے میں سوال کریں گے حتیٰ کہ کہیں گے اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ اسے کس نے پیدا کیا؟۔

۳۵۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَامِرِ بْنِ زُرَارَةَ الْحَضْرَمِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ فُضَيْلٍ عَنْ مُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ اُمَّتَكَ لَايَزَالُوْنَ يَقُوْلُوْنَ مَاكَذَا ؟ حَتّٰى يَقُوْلُوْا هٰذَا اللّٰهُ خَلَقَ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: بے شک آپ کی امت کے افراد مستقل کہتے رہیں گے کہ فلاں چیز کیا ہے؟ فلاں کیا ہے؟ یہاں تک کہ کہیں گے یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا۔ تو اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟۔

۳۵۲۔ وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ ح وَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ زَائِدَةَ كِلَاهُمَا عَنِ الْمُخْتَارِ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ غَيْرَ أَنَّ إِسْحَاقَ لَمْ يَذْكُرْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّ أُمَّتَكَ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت حسب سابق نقل کرتے ہیں مگر اسحاق نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ذکر نہیں کیا۔

## باب وعيد من اقتطع حق مسلم بيمين فاجرة

## جھوٹی قسم سے کسی کا حق دبانے کی شدید وعید

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے سات احادیث کو بیان کیا ہے۔

۳۵۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ جَمِيعًا عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ ابْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ أَخْبَرَنَا الْعَلَاءُ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مَوْلَى الْحُرَقَةِ عَنْ مَعْبَدِ بْنِ كَعْبٍ السُّلَمِيِّ عَنْ أَخِيهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينِهِ فَقَدْ أَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ وَإِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيرًا يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ وَإِنْ قَضِيبٌ مِنْ أَرَاكٍ۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی مسلمان کا حق مار لیا قسم کھا کر، بے شک اللہ نے اس کے لئے جہنم کی آگ واجب کردی اور جنت اس پر حرام کردی۔ ایک شخص کہنے لگا کہ یارسول اللہ! اگرچہ وہ چیز بہت معمولی ہی ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگرچہ وہ پیلو کی ایک لکڑی ہی کیوں نہ ہو۔

### تشریح

''العلاء'' یہ ایک راوی کا نام ہے جس کے والد کا نام عبدالرحمٰن ہے۔ ''الحرقۃ'' یہ ایک قبیلے کا نام ہے جو جھینہ قبیلے کی ایک شاخ ہے اسی قبیلہ کی طرف راوی منسوب ہے حرقہ ایک آدمی کا لقب بھی پھر علاقہ کا نام پڑ گیا۔

''اقتطع'' یہ لفظ قطع بھی ہو سکتا ہے اقتطع افتعل کے وزن پر لایا گیا ہے کیونکہ اس میں عمد کا مفہوم زیادہ واضح ہے۔

''وحرم علیہ الجنۃ'' بار ہا اس طرح کلام کی توجیہات کا بیان ہو چکا ہے اب دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

''وان قضیب'' اس نسخہ میں عبارت اسی طرح ہے مگر بعض دیگر نسخوں میں ''وان قضیبا'' آیا ہے تو وہاں محذوف ہے یہ اس کی خبر ہے ''ای وان کان قضیبا'' یعنی شی قلیل کیا بلکہ کیکر کی تر شاخ اور ٹہنی کیوں نہ ہو اس پر بھی جھوٹی قسم کھانا بڑا جرم ہے۔ علامہ ابی نے لکھا ہے کہ یہاں فعل محذوف بھی ہو سکتا ہے ''ای وان قطع قضیبا''۔

## سوال

یہاں اس سند پر بعض شارحین نے اشکال کیا ہے کہ ابو امامہ حارثی اُحد کے سال وفات پا گئے تھے تو ان سے عبداللہ بن کعب کی ملاقات نہیں ہوئی لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے۔

## جواب

علامہ نووی نے اس اعتراض کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ ابو امامہ حارثی کی وفات کو احد کے سال نقل کرنا نقل کرنے والوں کی غلطی ہے اسی لئے امام مسلم نے دوسری ساتھ والی سند میں تحدیث کے الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس حدیث میں جس صحابی کا ذکر آیا ہے یہ ابو امامہ حارثی ہیں جن کا نام ایاس بن ثعلبہ ہے جو انصاری ہیں بنو الحارث قبیلہ سے ان کا تعلق ہے ایک اور مشہور صحابی ابو امامہ باھلی ہیں وہ یہاں مراد نہیں ہیں۔

۳۵۴۔ **وَحَدَّثَنَاهُ** اَبُوبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَهَارُوْنُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ جَمِيْعًا عَنْ اَبِيْ اُسَامَةَ عَنِ الْوَلِيْدِ بْنِ كَثِيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ اَنَّهُ سَمِعَ اَخَاهُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ كَعْبٍ يُحَدِّثُ اَنَّ اَبَااُمَامَةَ الْحَارِثِيَّ حَدَّثَهُ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ۔

حضرت ابو اسامہ حارثی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب سابق روایت نقل کی ہے۔

۳۵۵۔ **وَحَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ وَوَكِيْعٌ ح وَحَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الْحَنْظَلِيُّ وَاللَّفْظُ لَهُ اَخْبَرَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنِ صَبْرٍ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ هُوَفِيْهَا فَاجِرٌ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَعَلَيْهِ غَضْبَانُ۔ قَالَ فَدَخَلَ الْاَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ فَقَالَ مَايُحَدِّثُكُمْ اَبُوْعَبْدِالرَّحْمٰنِ؟ قَالُوْا كَذَاوَكَذَا قَالَ صَدَقَ اَبُوْعَبْدِالرَّحْمٰنِ فِيَّ نَزَلَتْ كَانَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ رَجُلٍ اَرْضٌ بِالْيَمَنِ فَخَاصَمْتُهُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَلْ لَكَ بَيِّنَةٌ؟ فَقُلْتُ: لَا قَالَ: فَيَمِيْنُهُ قُلْتُ اِذَنْ يَحْلِفَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذٰلِكَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنِ صَبْرٍ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ اِمْرِئٍ مُسْلِمٍ هُوَفِيْهَا فَاجِرٌ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَعَلَيْهِ غَضْبَانُ فَنَزَلَتْ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِاللّٰهِ وَاَيْمٰنِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ (آل عمران:۷۷) اِلٰى آخِرِ الْآيَةِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے جھوٹی قسم کھائی جس کے ذریعہ سے کسی مسلمان کا حق مار لیا اور وہ اس قسم میں جھوٹا تھا تو اس حالت میں اللہ تعالیٰ سے ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوں گے۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود نے جب یہ حدیث بیان کی تو اشعث بن قیس رضی

اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے کہ ابو عبدالرحمٰن تم سے کیا حدیث بیان کرتے ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ ایسی ایسی حدیث انہوں نے بیان کی۔ انہوں نے فرمایا کہ ابو عبدالرحمٰن نے سچ کہا۔ یہ حدیث میرے بارے میں ہی ہے۔ میرے اور ایک شخص کے درمیان یمن کی کسی زمین کے بارے میں جھگڑا چل رہا تھا۔ میں نے مقدمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے پاس گواہ ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تو اس کو قسم کھانی پڑے گی۔ میں نے کہا وہ تو قسم کھالے گا تو اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: جس شخص نے قسم کھائی ناحق کسی مسلمان کا مال دبانے کے لئے اور وہ اس قسم میں جھوٹا تھا تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر ناراض ہوگا۔ چنانچہ یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ﴿ان الذین یشترون بعھد اللہ﴾ ترجمہ: بیشک وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور قسم کے ذریعہ تھوڑی سی قیمت خریدتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ ان سے بات کریں گے، قیامت کے روز نہ ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائیں گے اور نہ انہیں پاک کریں گے۔ اور ان کے واسطے دردناک عذاب ہے۔

## تشریح

''یمین صبر ''صبر والی قسم کی تشریح پہلے گذر چکی ہے۔ عام شارحین اس طرح کہتے ہیں کہ ''ھی التی یحبس الحالف نفسہ علیھا'' لیکن یہ جملہ مجمل ومبہم ہے۔

بعض شارحین نے اس کو یمین کاذب کہا ہے لیکن اس صورت میں ''وھو فیھا فاجر'' کے الفاظ زائد بن جائیں گے اگرچہ ملا علی قاریؒ نے اس کو متعین کیا ہے، مگر مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے جھوٹی قسم اس نیت سے کھائی تاکہ کسی کا مال ضائع ہوجائے اور وہ صبر کرے۔ بعض شارحین نے یہ مطلب لیا ہے کہ ایک آدمی ہے اس کی قسم پر محکمہ عدالت کا پورا دارومدار ہے کسی کا حق مارا جاتا ہے کسی کا حق بچ سکتا ہے۔ حکومت نے اس کو قسم کے لئے قید کر رکھا ہے تاکہ سچی قسم کھا کر حق حقدار تک پہنچ جائے ایسے عادل حاکم کے حکم کی اطاعت اس شخص پر واجب بھی ہے ایسے نازک موقع پر یہ شخص جھوٹی قسم کھاتا ہے اور پورا نقشہ خراب کرتا ہے اس لئے اس کی وعید زیادہ ہے یہ قسم یمین غموس کی طرح ہے وہ کبائر میں سے ہے تو یہ بھی کبائر میں سے ہوگی۔

''غضبان'' اس لفظ کے علاوہ ''ساخط'' کا لفظ بھی آیا ہے تیسرا لفظ ''معرض'' بھی آیا ہے۔ سب کا مطلب یہ ہے کہ اس جھوٹی قسم پر اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دیگا اور اس سے ناراض ہوجائے گا۔ یہ وعید اس وقت ہے جبکہ یہ شخص توبہ کے بغیر مرجائے لیکن اگر اس نے توبہ کرلی اور صاحب حق کا حق ادا کردیا تو پھر یہ وعید نہیں ہوگی۔

''فدخل الاشعث'' زمین کا یہ جھگڑا جس میں قسم کی نوبت آگئی تھی اس کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں اشعث بن قیس نے آپ کو کنیت کے ساتھ ذکر کیا ہے جو ابو عبدالرحمٰن ہے اشعث بن قیس کا مدمقابل جو شخص تھا وہ کندی تھا کندہ یمن میں

ایک علاقہ ہے جو کوفہ کے قریب ہے ان تمام روایات کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ ایک واقعہ ہے کیونکہ اشعث اپنے مدمقابل کو یمن کا ایک آدمی قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا جھگڑا زمین پر تھا۔ ساتھ والی روایت میں ہے کہ جھگڑا پانی کے کنویں پر تھا اس کے بعد روایت نمبر ۳۵۸ میں ہے کہ ایک آدمی حضر موت کا تھا دوسرا آدمی کندہ کا تھا ان روایات میں تطبیق دینا تو ممکن ہے کیونکہ حضر موت اور یمن اور کندہ ایک ہی چیز ہے زیادہ فرق نہیں لیکن اس باب کی آخری روایت میں دونوں خصمین کے نام مذکور ہیں ایک کا نام ربیعہ بن عبدان ہے اور دوسرے کا نام امرأ القیس بن عابس ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل الگ واقعہ ہے۔

شارحین نے اس طرف توجہ نہیں دی ہے اس باب میں جتنی احادیث ہیں سب کا مضمون ایک ہے مگر ایک واقعہ پر حمل کرنا مشکل ہے۔ میں سفر میں ہوں کتابوں کا ذخیرہ سامنے نہیں ہے صرف نووی اور الابی سے مقصود حاصل نہیں ہو رہا ہے۔

۳۵۶۔**حَدَّثَنَا** اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ اَخْبَرَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ يَسْتَحِقُّ بِهَا مَالًا هُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ حَدِيْثِ الْاَعْمَشِ غَيْرَ اَنَّهُ قَالَ كَانَتْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ رَجُلٍ خُصُوْمَةٌ فِيْ بِئْرٍ فَاخْتَصَمْنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ شَاهِدَاكَ اَوْ يَمِيْنُهُ۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے قسم اٹھائی اور اس کے ذریعہ کسی کے مال کا مستحق بن گیا حالانکہ وہ اپنے حلف میں جھوٹا تھا تو وہ اللہ سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ اس پر سخت غصہ میں ہوگا۔ آگے سابقہ حدیث کے مثل ہی بیان کیا۔ یہاں تک کہ فرمایا میرے اور ایک شخص کے درمیان ایک کنویں کے بارے میں جھگڑا تھا۔ ہم دونوں نے جھگڑا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دو گواہ لاؤ یا وہ قسم کھائے۔

## تشریح

"شَاهِدَاكَ اَوْ يَمِيْنُهُ" یعنی مدعی کے لئے دو گواہ پیش کرنا پڑیگا ورنہ مدعی علیہ سے قسم لینا ہوگا۔ یہ اسلام کا عادلانہ منصفانہ نظام ہے جس میں کسی بڑے مقدمہ میں بھی ایک دن سے زیادہ وقت نہیں لگتا کیونکہ گواہ پیش کرنا منٹوں کا کام ہے اگر گواہ نہیں تو چند منٹ میں منکر قسم کھالے گا اور قصہ ختم ہو جائے گا اس کے مقابلہ میں انگریزی عدالتیں ہیں جو پیسوں کا دھندہ ہے ایک ایک مقدمہ پر دس دس سال لگتے ہیں وقت بھی ضائع اور پیسہ بھی تباہ اور آپس کی عداوت الگ گناہ۔

۳۵۷۔**وَحَدَّثَنَا** ابْنُ اَبِيْ عُمَرَ الْمَكِّيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ جَامِعِ بْنِ اَبِيْ رَاشِدٍ وَعَبْدِ الْمَلِكِ ابْنِ اَعْيَنَ سَمِعَا شَقِيْقَ بْنَ سَلَمَةَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ حَلَفَ عَلٰى مَالِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقِّهِ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ ثُمَّ قَرَاَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِصْدَاقَهُ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ (العمران: ۷۷) اِلٰى آخِرِ الْاٰيَةِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے جو شخص کسی کے مال پر ناحق قسم کھائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملے گا کہ وہ اس پر ناراض ہوگا۔ عبداللہ بیان کرتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کی تصدیق کے لئے ہمارے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿ان الذین یشترون بعهد الله...... ﴾ الخ۔

۳۵۸۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَأَبُوْبَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَهَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ وَأَبُوْعَاصِمٍ الْحَنَفِيُّ وَاللَّفْظُ لِقُتَيْبَةَ قَالُوْا حَدَّثَنَا أَبُوْالْأَحْوَصِ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ وَرَجُلٌ مِنْ كِنْدَةَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ هٰذَا قَدْ غَلَبَنِيْ عَلٰى أَرْضٍ لِيْ كَانَتْ لِأَبِيْ فَقَالَ الْكِنْدِيُّ هِيَ أَرْضِيْ فِيْ يَدِيْ أَزْرَعُهَا لَيْسَ لَهُ فِيْهَا حَقٌّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَضْرَمِيِّ أَلَكَ بَيِّنَةٌ؟ قَالَ لَا قَالَ فَلَكَ يَمِيْنُهُ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا يُبَالِيْ عَلٰى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ فَقَالَ لَيْسَ لَكَ مِنْهُ إِلَّا ذٰلِكَ فَانْطَلَقَ لِيَحْلِفَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَدْبَرَ أَمَا لَئِنْ حَلَفَ عَلٰى مَالِهِ لِيَأْكُلَهُ ظُلْمًا لَيَلْقَيَنَّ اللّٰهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ۔

حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرموت اور کندہ سے ایک آدمی آیا۔ حضرمی نے کہا یارسول اللہ! بے شک اس نے میری ایک زمین پر جو میرے والد کی تھی قبضہ کرلیا ہے۔ کندی نے کہا کہ وہ تو میری زمین ہے، میرے قبضہ میں ہے میں اس میں زراعت وغیرہ کرتا ہوں۔ اس شخص کا اس میں کوئی حق نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تم اس سے حلف لے لو۔ حضرمی نے کہا یارسول اللہ! یہ شخص تو فاجر آدمی ہے، اسے تو قسم اٹھانے میں کوئی عار نہیں اور نہ ہی وہ ایسی چیز سے اجتناب کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لئے اس سے حلف لینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ لہٰذا وہ حلف لینے چلا جب اس نے پیٹھ موڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار اگر اس نے اس کے مال پر قسم کھائی ظلماً اسے ہڑپ کرنے کے لئے تو یہ ضرور بالضرور اللہ عزوجل سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے منہ پھیر لیں گے۔

## تشریح

''ھی ارضی فی یدی'' یہ شخص اپنے استدلال میں قبضہ کی ترجیح بتاتا ہے کہ میرے قبضہ میں اور میں اسے کاشت کرتا ہوں لہٰذا اس شخص کا دعویٰ باطل ہے۔ ''لیس یتورع'' یعنی کسی چیز سے پرہیز نہیں کرتا ابھی ابھی جھوٹی قسم کھالیگا اور میری زمین ہڑپ کر جائے گا ...وبالت گا۔ ''فانطلق'' جانے کا مطلب یہ ہے کہ شاید یہ شخص قسم کھانے کے لئے وضو بنانا چاہتا ہو، شوافع حضرات اس کو مستحب کہتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے تفسیر عزیزی کی سورۃ القلم میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ عقلمندی میں سے یہ تھا کہ آپ نے اس شخص سے متعلق ایسا جملہ ارشاد فرمایا جس سے اس کے دل کی دنیا بدل گئی اور حق کا کھل کر اقرار کیا اور طرفین کا بڑا تنازع منٹوں میں ختم ہو گیا۔

۳۵۹۔ وَحَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ جَمِيْعًا عَنْ أَبِي الْوَلِيْدِ قَالَ زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَبْدِالْمَلِكِ حَدَّثَنَا أَبُوعَوَانَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَاهُ رَجُلَانِ يَخْتَصِمَانِ فِيْ أَرْضٍ فَقَالَ أَحَدُهُمَا إِنَّ هٰذَا انْتَزٰى عَلٰى أَرْضِيْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَهُوَ امْرُؤُ الْقَيْسِ بْنُ عَابِسٍ الْكِنْدِيُّ وَخَصْمُهُ رَبِيْعَةُ بْنُ عِبْدَانَ قَالَ بَيِّنَتُكَ قَالَ لَيْسَ لِيْ بَيِّنَةٌ قَالَ يَمِيْنُهُ قَالَ إِذَنْ يَذْهَبُ بِهَا قَالَ لَيْسَ لَكَ إِلَّا ذٰلِكَ قَالَ فَلَمَّا قَامَ لِيَحْلِفَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَطَعَ أَرْضًا ظَالِمًا لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ قَالَ إِسْحَاقُ فِيْ رِوَايَتِهِ رَبِيْعَةُ بْنُ عَيْدَانَ۔

حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ آپ کے پاس دو افراد کسی زمین کا جھگڑا لائے۔ان میں سے ایک نے کہا کہ بے شک اس نے زمانہ جاہلیت میں میری زمین کو غصب کر لیا ہے اور وہ امرأالقیس بن عابس الکندی تھا اور اس کا مخالف ربیعہ بن عبدان تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا کوئی گواہ ہے؟ کہنے لگا کہ میرے پاس گواہ تو نہیں ہے۔فرمایا: پھر اس سے قسم لے لو۔کہنے لگا کہ پھر تو وہ میرا مال اڑا لے جائے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔جب وہ حلف لینے کے لئے کھڑا ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ظلماً کسی کی زمین دبالی تو اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ اس پر غضبناک ہوگا۔

## تشریح

''انتزا علی ارضی'' نزو، اصل میں حیوان کا حیوان پر چڑھنے کو کہتے ہیں یہاں غالب آنا اور قبضہ کے معنی میں ہے۔اس روایت میں عبدان کا نام ابن عبدان ہے مگر اسحاق کی روایت اور سند میں ابن عیدان ہے یعنی عین کے زبر کے ساتھ ہے، اس روایت میں دونوں خصمین کے ناموں کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں جس واقعہ کا ذکر ہے وہ ایک نہیں بلکہ دو واقعے ہیں۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس باب کے فوائد میں لکھا ہے کہ ان احادیث سے ایک بات یہ ثابت ہوگئی کہ صاحب ید اور صاحب قبضہ شخص کی بات غیر صاحب ید سے اولیٰ اور بہتر ہے دوسری بات یہ کہ جب گواہ نہ ہو تو قسم کھانا لازم ہے، تیسری بات یہ ثابت ہوگئی کہ فاسق آدمی کی قسم کا اسی طرح اعتبار ہوتا ہے جس طرح عادل کا اعتبار ہے، چوتھی بات یہ معلوم ہوگئی کہ گواہ قسم پر مقدم ہے، پانچویں بات یہ ثابت ہوگئی کہ دو خصمین اگر ایک دوسرے کے خلاف دوران مخاصمت محکمہ عدالت میں ظالم فاسق فاجر کے الفاظ استعمال کریں تو اس کی گنجائش ہے۔

## باب من قصد اخذ مال غيره كان القاصد مهدر الدم

## جس نے ظلماً کسی کا مال چھیننا چاہا اس کا خون رائیگاں ہے

اس باب میں امام مسلم نے تین احادیث کو بیان کیا ہے۔

۳۶۰۔ حَدَّثَنِیْ اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ يَعْنِي ابْنَ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمَنِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! اَرَاَيْتَ اِنْ جَاءَ رَجُلٌ يُرِيْدُ اَخْذَ مَالِي ؟ قَالَ فَلَا تُعْطِهٖ مَالَكَ قَالَ اَرَاَيْتَ اِنْ قَاتَلَنِيْ ؟ قَالَ قَاتِلْهُ قَالَ اَرَاَيْتَ اِنْ قَتَلَنِيْ ؟ قَالَ فَاَنْتَ شَهِيْدٌ قَالَ اَرَاَيْتَ اِنْ قَتَلْتُهٗ ؟ قَالَ هُوَ فِي النَّارِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کا کیا حکم ہے اس بارے میں کہ اگر میرے مال کو لوٹنے کے لئے کوئی شخص آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنا مال اسے مت دو۔ اس نے کہا کہ اگر وہ مجھ سے لڑنے لگے تو پھر آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے لڑو۔ وہ کہنے لگے اگر وہ مجھے قتل کردے تو؟ فرمایا کہ پس تم شہید ہوگے۔ اس نے کہا اگر میں اسے قتل کردوں تو؟ فرمایا کہ وہ جہنم میں جائے گا۔

### تشریح

"قاتله" یہ امر کا صیغہ مطلب یہ کہ اس سے لڑو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عزت نفس کا حق عطا کیا ہے اس لئے جب کوئی شخص کسی کی عزت یا مال یا جان پر حملہ کرتا ہے تو اللہ نے اس مظلوم کو دفاع کا پورا حق دیا ہے، اگر حملہ آور نے اس کو مار ڈالا تو یہ شہید ہے اور اگر اس نے حملہ آور کو مار ڈالا تو وہ دوزخ میں جائے گا جب اسلام نے دار اسلام میں ایک مسلمان حملہ آور کو مارنے کی اجازت دی ہے تو دار حرب میں اگر ایک مسلمان اپنی عزت و جان کی حفاظت کے لئے ایک کافر حملہ آور کو ماریگا تو وہ بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ جہاد سے نفرت رکھنے والے لوگ کشمیر اور افغانستان یا فلسطین میں اس طرح حملہ آور کے مارنے کو مظلوم مجاہدین کے لئے جائز نہیں کہتے ہیں حالانکہ اس حدیث میں "قاتله" سے قتال کرنے کا حکم ہے۔

## شہید کی تعریف اور اقسام

معرکہ حق و باطل کے میدان کارزار میں جو شخص مارا جائے یا ظلماً کوئی شخص مارا جائے اور زندگی سے فائدہ اٹھائے بغیر مر جائے وہ شہید کہلاتا ہے۔ "فانت شهيد" "شہید کے کئی معنی ہیں:

(۱) ایک قول یہ ہے کہ یہ شہد سے ہے جو حاضر ہونے کے معنی میں ہے شہید بھی جنت میں موت کے بعد متصل حاضر ہو جاتا ہے

دوسرے لوگ قیامت کے بعد جائیں گے۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ شہید کو اس لئے شہید کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے اس کے جنتی ہونے کی گواہی دیتے ہیں تو شہید بمعنی مشہود لہ بالجنۃ ہے۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ شہید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امم سابقہ پر گواہی دیں گے تو شہید بمعنی شاہد ہے۔

۴۔ چوتھا قول یہ ہے کہ شہید کو اس لئے شہید کہتے ہیں کہ یہ اپنی موت کے وقت جنت میں اپنے ٹھکانہ کو دیکھتا ہے اور نظارہ کرتا ہے۔

## شہداء کی تین اقسام

شہداء تین اقسام پر ہیں ایک وہ شہید ہے جو کفار سے جنگ کرتے ہوئے مارا جائے خواہ سبب قتل کچھ بھی ہو یہ دنیا و آخرت دونوں کے اعتبار سے شہید ہے آخرت میں ثواب ہے دنیا میں غسل وکفن نہیں، دوسرا وہ شہید ہے جو آخرت کے اعتبار سے شہید ہے کہ اس کو شہید کا ایک قسم ثواب ملتا ہے مگر دنیا کے اعتبار سے شہید نہیں ہے لہٰذا اس کو غسل دیا جائے گا کفن دیا جائے گا جیسے طاعون سے مارا جائے، تیسرا وہ شہید ہے جو صرف دنیا کے اعتبار سے شہید ہے آخرت کے اعتبار سے شہید نہیں ہے یہ وہ منافق شخص ہے جو کفار سے لڑتا ہوا مارا جائے منافق شہید نہیں ہوتا اس کو دنیا میں اگرچہ غسل نہیں دیا جائے گا کفن بھی نہیں ڈالا جائے گا مگر یہ صرف دنیوی رسمی کارروائی ہے اس لئے کہ منافق شخص کو آخرت میں کفار کی طرح سزا ہوگی ثواب نہیں ملے گا۔

۳۶۱۔ **حَدَّثَنِي** الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ وَإِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَأَلْفَاظُهُمْ مُتَقَارِبَةٌ قَالَ إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ الْأَحْوَلُ أَنَّ ثَابِتًا مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ لَمَّا كَانَ بَيْنَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَبَيْنَ عَنْبَسَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ مَا كَانَ۔ تَيَسَّرُوا لِلْقِتَالِ فَرَكِبَ خَالِدُ ابْنُ الْعَاصِ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو فَوَعَظَهُ خَالِدٌ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ۔

حضرت ثابت مولیٰ عمر بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت عنبسہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف ہوا اور وہ دونوں قتال کے لئے کمربستہ ہوئے تو حضرت خالد بن عمرو سوار ہوئے اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہیں سمجھایا۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا آپ نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔

## تشریح

"وبین عنبسة" عنبسہ تابعی ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں یہ ان کی طرف سے طائف اور مکہ کے گورنر تھے یہ

وہاں طائف سے نہر کھود کر لے جا رہے تھے راستہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی زمین اور مکان تھا انہوں نے نہر کھودنے کو منع کیا مگر جناب عنبسہ نے کہا نہر کھودی جائے گی اس پر حضرت عبداللہ بن عمروؓ لڑنے کے لئے تیار ہو گئے عنبسہ نے بھی لڑنے کی تیاری کی اس نازک صورت حال کو دیکھ کر حضرت خالد بن العاص گھوڑے پر سوار ہو گئے اور اپنے بھتیجے کو سمجھانے لگے اس کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے زیر بحث حدیث پڑھ کر سنائی اور جنگ کے جواز پر استدلال پیش کیا۔

''تیسرو اللقتال'' یعنی دونوں طرف سے جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔

۳۶۲۔**وحَدَّثَنِیهِ** مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ ح و حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ النَّوْفَلِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ كِلَاهُمَا عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

ابن جریج سے اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہے۔

## استحقاق الوالی الغاش لرعیته النار

## اپنی رعایا پر ظلم کرنے والا حاکم دوزخ کا مستحق ہے

اس باب میں امام مسلم نے چار احادیث کو بیان کیا ہے۔

۳۶۳۔**حَدَّثَنَا** شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَشْهَبِ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ عَادَ عُبَيْدُ اللَّهِ ابْنُ زِيَادٍ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ الْمُزَنِيَّ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ قَالَ مَعْقِلٌ إِنِّي مُحَدِّثُكَ حَدِيثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ عَلِمْتُ أَنَّ لِي حَيَاةً مَا حَدَّثْتُكَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللَّهُ رَعِيَّةً يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ إِلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ عبیداللہ بن زیاد حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی عیادت کرنے کے لئے ان کے مرض موت میں حاضر ہوا۔ حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ میرے لئے ابھی زندگی کی مہلت باقی ہے تو میں یہ حدیث تجھ سے بیان نہ کرتا بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: کوئی بندہ ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے رعیت کا نگران بنائے اور وہ اپنی موت کے دن اس حال میں مرے کہ اپنی رعایا کے حقوق میں خیانت کا مرتکب ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیں گے۔

## تشریح

''عبیداللہ'' یہ زیاد کا بیٹا ہے نابکار تھا ذاتی دلچسپی لیکر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا میں شہید کیا اس کا باپ زیاد بن سمیہ تھا جو

مستحق تھا حضرت معاویہؓ نے اپنا بھائی بنایا تھا جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ ''دخل عبیداللہ'' گویا ایک گورنر ایک صحابی کی عیادت کے لئے جاتا ہے اور صحابی معقل بن یسار ان کو نصیحت کرتے ہیں۔ ''یسترعیہ اللہ'' یعنی اللہ اس والی کو رعایا پر گورنر بناتا ہے پھر وہ رعیت کے ساتھ دھوکہ کرتا ہے کہ ان کی مذھبی احوال کی نگرانی نہیں کرتا ہے لوگ بھوک سے مر رہے ہیں اور والی ڈانس کی محفل میں ڈانس کر رہا ہے۔ ''الا حرم اللہ'' یعنی دخول اوّلی کے ساتھ دخول حرام ہے یا مراد یہ ہے کہ رعیت کے ساتھ دھوکہ کو حلال سمجھتا ہے تو کافر ہو گیا تو جنت حرام ہے یا ت غلیظاً تشدیداً زجراً و توبیخاً ہے۔

۳٦٤۔ **حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ دَخَلَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ زِيَادٍ عَلَى مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ وَهُوَ وَجِعٌ فَسَأَلَهُ فَقَالَ إِنِّي مُحَدِّثُكَ حَدِيثًا لَمْ أَكُنْ حَدَّثْتُكَهُ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَسْتَرْعِي اللهُ عَبْدًا رَعِيَّةً يَمُوتُ حِينَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهَا إِلَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ قَالَ أَلَّا كُنْتَ حَدَّثْتَنِي هَذَا قَبْلَ الْيَوْمِ؟ قَالَ مَا حَدَّثْتُكَ أَوْ لَمْ أَكُنْ لِأُحَدِّثَكَ۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ عبیداللہ بن زیاد، حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے پاس آئے مبتلائے مرض تھے، معقل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک حدیث جو اس سے قبل میں نے تم سے بیان نہیں کی تھی بیان کرتا ہوں کہ بیشک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بندہ ایسا نہیں جسے اللہ نے رعیت پر نگران حاکم بنایا ہو اور وہ اس حال میں مرے کہ رعیت کے حقوق میں خیانت کرتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دیں گے۔ ابن زیاد نے کہا کہ کیا تم نے مجھ سے اس سے قبل یہ حدیث کیوں بیان نہیں کی؟ معقل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے یہ حدیث بیان نہیں کی یا میں تجھ سے یہ حدیث بیان نہ کرتا۔

## تشریح

''الا حدثتنی'' یعنی پہلے یہ حدیث کیوں بیان نہیں کی؟ جواب میں صحابی نے فرمایا نہیں بیان کیا حالات سازگار نہیں تھے یا بیان کرنا ہی نہیں تھا مگر موت کے وقت کتمان علم سے ڈر کر بیان کیا موت ویسے بھی سر پر آ کھڑی ہے اب موت سے کیا خوف رہا ادھر سلطان جائر کے سامنے حق کا کلمہ کہہ کر جہاد عظیم کا ثواب بھی حاصل کرنا ہے۔

۳٦٥۔ **وَحَدَّثَنِي** الْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّا حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ يَعْنِي الْجُعْفِيَّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ هِشَامٍ قَالَ قَالَ الْحَسَنُ كُنَّا عِنْدَ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ نَعُودُهُ فَجَاءَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ زِيَادٍ فَقَالَ لَهُ مَعْقِلٌ إِنِّي سَأُحَدِّثُكَ حَدِيثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ ذَكَرَ بِمَعْنَى حَدِيثِهِمَا۔

ہشام سے روایت ہے کہ حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ہم حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی عیادت کے

واسطے بیٹھے ہوئے تھے کہ عبید اللہ بن زیاد آ گیا۔ حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ میں ابھی ایک حدیث بیان کرتا ہوں جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے پھر آگے سابقہ دونوں حدیثوں کی مانند بیان فرمائی۔

۳۶۶۔ **وَحَدَّثَنَا** اَبُوْغَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ وَمُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰى وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اِسْحَاقُ اَخْبَرَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ حَدَّثَنَا مُعَاذُبْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِي الْمَلِيْحِ اَنَّ عُبَيْدَاللّٰهِ بْنَ زِيَادٍ عَادَمَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ فِيْ مَرَضِهٖ فَقَالَ لَهٗ مَعْقِلٌ اِنِّيْ مُحَدِّثُكَ بِحَدِيْثٍ لَوْلَا اَنِّيْ فِي الْمَوْتِ لَمْ اُحَدِّثْكَ بِهٖ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَامِنْ اَمِيْرٍيَلِيْ اَمْرَالْمُسْلِمِيْنَ ثُمَّ لَايَجْهَدُ لَهُمْ وَيَنْصَحُ اِلَّالَمْ يَدْخُلْ مَعَهُمُ الْجَنَّةَ۔

ابو المليح سے روایت ہے کہ عبید اللہ بن زیاد نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی عیادت کی ان کے مرض میں۔ حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: میں تجھ سے ایک حدیث بیان کرنے والا ہوں اور اگر میں مرض الموت میں نہ ہوتا تو میں تجھ سے یہ حدیث بیان نہ کرتا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر وہ حاکم جسے مسلمانوں کے امور ومعاملات سپرد کئے جائیں پھر وہ ان کے واسطے کوشش نہ کرے اور ان کی خیر خواہی نہ کرے وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

## تشریح

"یلی" یہ ولی یلی ولایت سے ہے والی بننے کے معنی میں ہے۔ "لایجھد" یعنی رعایا کی دنیا و آخرت دونوں کے بنانے میں جدوجہد نہیں کرتا" وینصح" یہ خیر خواہی کے معنی میں ہے والنصح لکل مسلم اسی سے ہے "لم یدخل" وہی سابقہ توجیہات ملحوظ خاطر رہیں۔

## باب رفع الامانة وعرض الفتن على القلوب

## ایمان وامانت کا اٹھ جانا اور دلوں پر فتنوں کا ظہور

اس باب میں امام مسلمؒ نے پانچ احادیث کو بیان کیا ہے۔

۳۶۷۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ وَوَكِيْعٌ ح: وَحَدَّثَنَا اَبُوْكُرَيْبٍ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ زَيْدِبْنِ وَهْبٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثَيْنِ قَدْرَاَيْتُ اَحَدَهُمَا وَاَنَااَنْتَظِرُالْاٰخَرَحَدَّثَنَا اَنَّ الْاَمَانَةَ نَزَلَتْ فِيْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ فَعَلِمُوْا مِنَ الْقُرْاٰنِ وَعَلِمُوْا مِنَ السُّنَّةِ ثُمَّ حَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِ الْاَمَانَةِ قَالَ يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْاَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهٖ فَيَظَلُّ اَثَرُهَا مِثْلَ الْوَكْتِ ثُمَّ يَنَامُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْاَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهٖ فَيَظَلُّ اَثَرُهَا مِثْلَ الْمَجْلِ كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهٗ عَلٰى رِجْلِكَ فَنَفِطَ فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَلَيْسَ

فِیْهِ شَیْءٌ ثُمَّ اَخَذَ حَصًی فَدَحْرَجَهٗ عَلٰی رِجْلِهٖ فَیُصْبِحُ النَّاسُ یَتَبَایَعُوْنَ لَا یَکَادُ اَحَدٌ یُؤَدِّی الْاَمَانَةَ حَتّٰی یُقَالَ اِنَّ فِیْ بَنِیْ فُلَانٍ رَجُلًا اَمِیْنًا حَتّٰی یُقَالَ لِلرَّجُلِ مَا اَجْلَدَهٗ! مَا اَظْرَفَهٗ! مَا اَعْقَلَهٗ! وَمَا فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِیْمَانٍ۔ وَلَقَدْ اَتٰی عَلَیَّ زَمَانٌ وَمَا اُبَالِیْ اَیُّکُمْ بَایَعْتُ لَئِنْ کَانَ مُسْلِمًا لَیَرُدَّنَّهٗ عَلَیَّ دِیْنُهٗ وَلَئِنْ کَانَ نَصْرَانِیًّا اَوْ یَهُوْدِیًّا لَیَرُدَّنَّهٗ عَلَیَّ سَاعِیْهِ وَاَمَّا الْیَوْمَ فَمَا کُنْتُ لِاُبَایِعَ مِنْکُمْ اِلَّا فُلَانًا وَفُلَانًا۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے دو باتیں بیان فرمائیں۔ ان میں سے ایک بات میں دیکھ چکا ہوں اور دوسری کا انتظار کر رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان کیا کہ امانت دلوں کی گہرائی میں نازل ہوئی لوگوں میں۔ پھر قرآن کریم نازل ہوا پھر لوگوں نے قرآن کو سیکھا اور حدیث کا علم حاصل کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا امانت کے اٹھ جانے سے متعلق اور فرمایا کہ آدمی رات کو سوئے گا تو اس کے دل سے امانت اٹھالی جائے گی اور اس کا اثر صرف ایک پھیکا بے رنگ داغ رہ جائے گا۔ پھر وہ دوبارہ سوئے گا تو امانت اس کے دل سے اٹھالی جائے گی تو اس کا اثر ایک آبلہ کی طرح رہ جائے گا۔ مثل اس انگارہ کے جسے تم اپنی ٹانگ پر لڑھکا دو۔ پھر وہ آبلہ بن جائے تو تم اسے پھولا ہوا دیکھو حالانکہ اندر کچھ نہیں۔ پھر آپ نے ایک کنکری لے کر اپنی ٹانگ پر لڑھکائی اور فرمایا کہ لوگ آپس میں خرید وفروخت کے معاملات کریں گے اور بہت ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی نہیں ہوگا جو امانت کو ادا کرے، یہاں تک کہ یہ بات کہی جائیگی کہ فلاں قوم کا فلاں شخص ایک امانتدار آدمی ہے۔ اور اسی طرح یہاں تک کہا جائے گا ایک آدمی کو کہ وہ کتنا چالاک ہے، کیا خوش مزاج ہے، کتنا عقلمند ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔ اور بیشک مجھ پر ایک زمانہ گزرا ہے کہ مجھے یہ پروا نہیں ہوتی تھی کہ میں کس سے بیع وشراء کر رہا ہوں۔ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اسے اس کا دین ضرور بالضرور میرے ساتھ بے ایمانی سے باز رکھتا۔ اور اگر وہ عیسائی یا یہودی ہوتا تو اس کا حاکم اسے مجھ سے بے ایمانی کرنے سے باز رکھتا لیکن آج میں تم میں سے کسی سے معاملات نہیں کروں گا سوائے فلاں فلاں آدمی کے۔

## تشریح

''حدیثین'' حدیثین سے صرف دو حدیثیں مراد نہیں ہیں بلکہ فتنوں سے متعلق دو حدیثیں مراد ہیں ایک یہ کہ دلوں پر امانت آسمانوں سے کس طرح اتر آئی دوسری حدیث یہ کہ پھر یہ امانت دلوں سے کس طرح اُٹھ کر چلی جائے گی۔

''الامانة نزلت'' یہاں یہ اہم بحث ہے کہ امانت سے کیا مراد ہے۔ تو علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امانت سے مراد ہر انسان کے قلب میں قبولیت حق کی استعداد ہے جس کی طرف حدیث میں اس طرح اشارہ ہے۔

''کل مولود یولد علی الفطرة فابواہ یهودانه'' حق کی یہ استعداد جس پر ہر بچہ پیدا ہوتا ہے ہر انسان کے دل میں تخم کی طرح

بودی گئی پھر قرآن وحدیث اس کے لئے بمنزلہ بارش آئی اوراس حق کو روشن سبزہ زار بنادیا اب یہ شخص دین اسلام پر قائم ہوگیا یا یوں سمجھیں کہ قبولیت حق کی یہ قلبی استعداد بمنزلہ چراغ اور تیل ہے قرآن عظیم کے لئے بمنزلہ آگ اور دیا سلائی ہے یہ قرآن اس استعداد کو روشن کرتا ہے اگر قرآن وحدیث نے اس استعداد کو روشن نہ کیا تو ماحول اس کو خراب کر کے رکھدیگا جس کی طرف "فابواہ یھودانہ" میں اشارہ ہے اگر ماحول نے استعداد کو بالکل خراب کردیا تو یہی مہر جباریت ہے جس کی طرف ﴿کلا بل ران علی قلوبھم﴾ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

"عن رفعھا" یعنی ہدایت وامانت کے اترنے اور پھیلنے کے بعد اس کے اٹھ جانے اور نور ہدایت کے ثمرات کے ختم ہونے کا ذکر فرمایا۔

"ینام نومۃ" اس نیند سے یا حقیقی نیند مراد ہے کہ سوکر اٹھنے کے بعد اس استعداد کی ایک مقدار دل سے اٹھ گئی، یا نیند سے غفلت مراد ہے کہ معاشرہ کی وجہ سے جب آدمی مکمل غافل ہوجاتا ہے تو دلوں پر اثر پڑتا ہے "الوکت" واو پر فتح ہے کاف ساکن ہے معمولی اثر کو کہتے ہیں جیسے کام کرنے سے ہاتھوں پر کچھ اثر اور نشان ہوجاتا ہے "المجل" میم پر زبر ہے جیم ساکن ہے چھالہ کو کہتے ہیں جیسے کام کرنے سے ہاتھوں میں چھالہ پڑجاتا ہے اندر گندہ پانی ہوتا ہے اوراوپر پھولا ہوا چھالہ ہوتا ہے جگہ سخت اور سیاہ ہوجاتی ہے۔

"جمر" جمرۃ کی جمع ہے آگ کے انگارہ کو کہتے ہیں "دحرجتہ" یعنی جس طرح کوئی آدمی اپنے پاؤں وغیرہ پر انگارہ رکھ کر لڑکھڑائے جس سے جگہ جل کر آبلہ پڑجائے پھر وہ پھول جائے تو جس طرح یہ آبلہ پھولا ہوا ہے اندر کچھ نہیں اسی طرح اس آدمی کا دل ایمان وامانت سے خالی ہوکر رہ جائے گا اگر آدمی باہر سے ایمان دار نظر آئے گا مگر اندر کچھ نہیں ہوگا۔ "فنفط" آگ سے جلنے کی وجہ سے جسم پر جو چھالہ پڑجاتا ہے اس کو "نفط" کہا گیا ہے۔ "منتبرا" پھولنے اور منبر کی طرح بلند ہونے کی تعبیر ہے "فدحرجہ" یعنی حضرت حذیفہؓ نے ایک کنکری لے لی اور سمجھانے کے لئے اپنے پاؤں پر لڑکھڑا دیا یہ معقول کی مثال کو محسوس کی مثال سے سمجھا دیا تو امانت اٹھنے کا پہلا مرحلہ جب گذر جاتا ہے تو جسم پر "وکت" جیسے نشان رہ جاتا ہے یہ محبت کے کام کی وجہ سے ہوجاتا ہے جب دوسرا مرحلہ گذر جاتا ہے تو "مجل" جیسے نشان رہ جاتا ہے یہ بھی محنت کے کام کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پھر تیسرے مرحلے میں جب امانت مکمل اٹھ جاتی ہے تو انگارہ کے جلانے کی طرح نشان رہ جاتا ہے اور ایمان جل کر خاکستر بن جاتا ہے یہی مہر جباریت ہے پھر انسانوں میں تمیز ختم ہوجاتی ہے اس کے بعد حضرت حذیفہ نے دیانت وامانت کے اٹھ جانے سے معاشرہ پر خارجی اثر پڑنے کا ذکر کیا کہ امانت پہلے دور کے لوگوں میں زیادہ تھی دوسرے دور میں خال خال رہ گئی پھر یہ بھی ختم ہوجائے گی لوگ چالاکی کریں گے اور چالاک لوگوں کی تعریفیں کریں گے کہ واہ واہ فلاں کتنا عقلمند ہے کتنا ہوشیار ہے کتنا چست وچالاک ہے حالانکہ اس کے دل میں ایمان کا ذرہ بھی نہیں ہوگا اس لئے میں سوچ سمجھ کر لوگوں سے معاملہ کرتا ہوں ایک وقت آجائے گا کہ لوگ کہیں گے کہ ہم نے سنا ہے کہ فلاں شہر میں ایک آدمی ہے جس کا معاملہ صحیح ہے۔

۳۶۸۔ وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي وَوَكِيعٌ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ جَمِيعًا عَنْ

الْاَعْمَشِ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهٗ۔

اس سند کے ساتھ بھی سابقہ حدیث بعینہ اعمش سے روایت ہے۔

۳۶۹۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ خَالِدٍ يَعْنِيْ سُلَيْمَانَ بْنَ حَيَّانَ عَنْ سَعْدِ بْنِ طَارِقٍ عَنْ رِبْعِيٍّ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عُمَرَ فَقَالَ اَيُّكُمْ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ الْفِتَنَ؟ فَقَالَ قَوْمٌ نَحْنُ سَمِعْنَاهُ فَقَالَ لَعَلَّكُمْ تَعْنُوْنَ فِتْنَةَ الرَّجُلِ فِيْ اَهْلِهٖ وَجَارِهٖ؟ قَالُوْا اَجَلْ۔ قَالَ تِلْكَ تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصِّيَامُ وَالصَّدَقَةُ وَلٰكِنْ اَيُّكُمْ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ الْفِتَنَ الَّتِيْ تَمُوْجُ مَوْجَ الْبَحْرِ؟ قَالَ حُذَيْفَةُ فَاَسْكَتَ الْقَوْمُ فَقُلْتُ اَنَا قَالَ اَنْتَ لِلّٰهِ اَبُوْكَ! قَالَ حُذَيْفَةُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَى الْقُلُوْبِ كَالْحَصِيْرِ عُوْدًا عُوْدًا فَاَيُّ قَلْبٍ اُشْرِبَهَا نُكِتَ فِيْهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ وَاَيُّ قَلْبٍ اَنْكَرَهَا نُكِتَ فِيْهِ نُكْتَةٌ بَيْضَاءُ حَتّٰى تَصِيْرَ عَلٰى قَلْبَيْنِ عَلٰى اَبْيَضَ مِثْلِ الصَّفَا فَلَا تَضُرُّهٗ فِتْنَةٌ مَا دَامَتِ السَّمٰوَاتُ وَالْاَرْضُ وَالْاٰخَرُ اَسْوَدُ مُرْبَادًّا كَالْكُوْزِ مُجَخِّيًا لَا يَعْرِفُ مَعْرُوْفًا وَلَا يُنْكِرُ مُنْكَرًا اِلَّا مَا اُشْرِبَ مِنْ هَوَاهُ۔ قَالَ حُذَيْفَةُ وَحَدَّثْتُهٗ اَنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا يُوْشِكُ اَنْ يُكْسَرَ قَالَ عُمَرُ اَكَسْرًا؟ لَا اَبَا لَكَ! فَلَوْ اَنَّهٗ فُتِحَ لَعَلَّهٗ كَانَ يُعَادُ قُلْتُ لَا بَلْ يُكْسَرُ وَحَدَّثْتُهٗ اَنَّ ذٰلِكَ الْبَابَ رَجُلٌ يُقْتَلُ اَوْ يَمُوْتُ حَدِيْثًا لَيْسَ بِالْاَغَالِيْطِ۔ قَالَ اَبُوْ خَالِدٍ فَقُلْتُ لِسَعْدٍ يَا اَبَا مَالِكٍ! مَا اَسْوَدُ مُرْبَادًّا؟ قَالَ شِدَّةُ الْبَيَاضِ فِيْ سَوَادٍ قَالَ قُلْتُ فَمَا الْكُوْزُ مُجَخِّيًا؟ قَالَ مَنْكُوْسًا۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتنوں کا تذکرہ فرماتے سنا ہے؟ ایک جماعت کہنے لگی کہ ہم نے سنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شاید فتنوں سے تم انسان کے گھر والوں، ماں اور پڑوسی کے بارے میں فتنے مراد لیتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں! ہم نے یہی مراد لیا ہے فرمایا کہ یہ فتنے تو ایسے ہیں کہ نماز، روزہ اور صدقہ ان کا کفارہ بن جاتے ہیں۔ لیکن تم میں سے کسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان فتنوں کے بارے میں سنا ہے جن کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ سمندر کی موجوں کی طرح امڈتے چلے آئیں گے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سارے لوگ خاموش رہے تو میں نے کہا کہ میں نے سنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا تم نے؟ "لله ابوك" یعنی تمہارے ابو بہت تعریف والے انسان تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ فتنے قلوب انسانی پر اس طرح پیش آتے چلے جائیں گے جیسے کہ چٹائی کی تیلیاں۔ پس جس قلب میں وہ فتنہ رچ بس گیا تو اس قلب میں ایک سیاہ داغ لگا دیا جائے گا اور جس قلب نے اس سے انکار کر دیا، اس میں

ایک سفید نقطہ لگا دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ دو طرح کے قلوب ہو جائیں گے ایک تو سفید خالص قلوب چکنے پتھر کی طرح صاف ہوں گے اور جب تک زمین و آسمان قائم ہیں انہیں فتنے کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے اور دوسری قسم کے قلوب سیاہ اور مٹیالے ہوں گے اوندھے کوزہ کی طرح۔ کہ نیکی اور معروف کو نیکی نہ سمجھیں گے اور نہ ہی گناہ کو گناہ سمجھیں گے مگر وہی بات جو ان کی خواہش کے مطابق ہو جائے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی کہ آپ اور ان فتنوں کے درمیان ایک بند دروازہ ہے قریب ہے کہ وہ توڑ دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا ٹوٹے گا "لاابالک" (تیرا باپ نہ ہو) اگر وہ دروازہ کھل جائے تو ممکن ہے کہ پھر بند ہو جاتا۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں بلکہ توڑ دیا جائے گا۔ اور ان سے یہ حدیث بیان کی کہ یہ دروازہ ایک شخص ہے جسے قتل کر دیا جائے گا یا وہ مر جائے گا۔ یہ حدیث کوئی غلط سلط بات نہیں ہے۔ ابو خالد کہتے ہیں کہ میں نے سعد سے کہا کہ اے ابو مالک! سیاہ مٹیالے دل سے کیا مراد ہے؟ فرمایا کہ سیاہی میں شدت بیاض۔ میں نے کہا کہ اوندھے کوزہ سے مراد کیا ہے؟ فرمایا کہ پانی کا کوزہ جس کو الٹا کر دیا گیا ہو۔

## تشریح

## فتنہ کی بحث

"یذکر الفتن" فتن کے اصل مباحث جلد ثانی میں ہیں یہاں عارضی ضمنی بحث ہے۔

"الفتن" فتنہ کی جمع ہے اور فتنہ کے کئی معنی آتے ہیں مثلاً آزمائش، امتحان، گناہ، ابتلاء، عذاب، مال و اولاد، بیماری و جنون، گمراہی اور شرک وغیرہ سب پر موقع بموقع فتنہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ مگر فتنہ کا واضح مفہوم وہ آفت ہے جو قدرت کی طرف سے کسی آدمی پر نازل ہو جائے، آفتوں کی اقسام بھی بہت ہیں مگر دو قسمیں زیادہ واضح ہیں ایک قسم وہ آسمانی آفت ہے جس کی علت اور سبب اور وجہ معلوم نہ ہو، سبب اور علت بالکل مخفی ہو ظاہر میں کچھ بھی نظر نہ آتا ہو صرف آفت نظر آ رہی ہو۔ فتنہ اور آفت کی دوسری قسم وہ ہے جس کی علت اور سبب ایک حد تک معلوم ہو پہلی قسم کو "فتنۃ عمیاء" کہتے ہیں جس میں کوئی شخص یہ تمیز نہیں کر سکتا کہ حق کس طرف ہے اور باطل کس طرف ہے جیسے بلا وجہ قتل و غارت گری ہو کہ نہ قاتل کو معلوم ہو کہ اس نے کیوں قتل کیا اور نہ مقتول کو پتہ ہو کہ اس کو کیوں قتل کیا گیا۔ فتنہ کی دوسری قسم میں اس طرح ابہام نہیں ہوتا بلکہ کچھ نہ کچھ اسباب کا پتہ چلتا ہے، یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ فتنوں کا تعین اور ان کا مصداق بتانا بہت ہی مشکل کام ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ فتنوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی پیشگوئی کو کسی خاص فتنہ اور خاص واقعہ و حادثہ پر چسپاں کرنا اور اس کے ساتھ خاص طور پر جوڑنا بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ آنحضرت کی ایک پیشگوئی کا مصداق مختلف زمانوں کے مختلف واقعات و حادثات ہوں گویا اپنے اپنے وقت پر آنے والے مختلف فتنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کا مصداق بن گئے ہوں اس

لئے تعین مشکل ہے۔یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ بسا اوقات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیشگوئی میں کسی حادثہ کی طرف اشارہ فرمادیتے ہیں بظاہر وہ معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن جب وہ حادثہ اور فتنہ ظاہر ہوکر سامنے آجاتا ہے تو وہ پورے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور ہر خاص وعام پر آفتاب نصف النہار کی طرف واضح ہوجاتا ہے تب معلوم ہوتا ہے کہ علمی اعتبار سے یہ بات کتنی چھوٹی اور پوشیدہ تھی مگر عملی طور پر یہ کتنی مشہور اور بڑی ہے۔''لله ابوك'' تیرے ابا جان کا بھلا ہو بتادو تو ہی بتا سکتا ہے حضرت حذیفہ صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔''الحصیر'' چٹائی کو کہتے ہیں اس کے بنانے کے وقت ایک ایک تنکا جوڑا جاتا ہے اسی کو عودا عودا سے بیان کیا گیا ہے۔''فلبیس'' یعنی لوگوں کی دو قسمیں بن جائے گی اچھے اور برے''مثل الصفا'' سفید سنگ مرمر کی طرح صاف ہوگا ہر خیر کو قبول کریگا کوئی فتنہ وہاں نہیں آئے گا۔''مربادا'' میم پر کسرہ ہے را ساکن ہے میم پر ضمہ بھی ہے جو زیادہ مشہور ہے''ای صار کلون الرماد'' یعنی راک کی طرح سیاہ خاکستر بن جائے گا یعنی ہدایت سے خالی ہوکر کالی راک کی طرح بن جائے گا ہر فتنہ کو قبول کریگا۔''کالکوز'' عربی، فارسی، اردو، پشتو اکثر زبانوں میں اس کو کوزہ ہی کہتے ہیں لوٹا مراد ہے لوٹا ویسے بھی بدنام ہے وضو میں ہر ہاتھ میں جاتا ہے پھر لوٹا کریسی سیاست دان بھی بڑے بدنام ہیں۔''مجخیا'' میم پر ضمہ ہے جیم پر زبر ہے خا پر شد اور زیر ہے مائل اور سرنگوں لوٹے کو کہتے ہیں اس کو جب الٹا کردیا جائے گا تو اندر کچھ نہیں رہیگا اسی طرح اس دل میں کوئی ایمان وخیر باقی نہیں رہیگی۔

۳۷۰۔ وَحَدَّثَنِي ابْنُ اَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ الْفَزَارِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْمَالِكٍ الْاَشْجَعِيُّ عَنْ رِبْعِيٍّ قَالَ لَمَّاقَدِمَ حُذَيْفَةُ مِنْ عِنْدِ عُمَرَ جَلَسَ يُحَدِّثُنَا فَقَالَ اِنَّ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَمْسِ لَمَّا جَلَسْتُ اِلَيْهِ سَاَلَ اَصْحَابَهُ اَيُّكُمْ يَحْفَظُ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتَنِ ؟ وَسَاقَ الْحَدِيْثَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ اَبِي خَالِدٍ وَلَمْ يَذْكُرْ تَفْسِيْرَاَبِي مَالِكٍ لِقَوْلِهِ مُرْبَادًا مُجَخِّيًا ۔

حضرت ربعی فرماتے ہیں کہ جب حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس سے واپس تشریف لائے تو ہمارے پاس بیٹھ کر ہم سے گفتگو فرمانے لگے اور فرمایا کہ کل جب میں امیر المؤمنین کے پاس بیٹھا تو آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ تم میں سے کسی کو فتنوں کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال یاد ہیں؟ آگے سابقہ حدیث بیان فرمائی۔البتہ اس میں سابقہ حدیث کے مثل ابو مالک کی وضاحت نہیں بیان کی۔

۳۷۱۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُبْنُ الْمُثَنّٰى وَعَمْرُوبْنُ عَلِيٍّ وَعُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْعَمِّيُّ قَالُوْاحَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ اَبِي عَدِيٍّ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ نُعَيْمِ بْنِ اَبِي هِنْدٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ عُمَرَ قَالَ مَنْ يُحَدِّثُنَا اَوْقَالَ اَيُّكُمْ يُحَدِّثُنَا وَفِيْهِمْ حُذَيْفَةُ مَاقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتْنَةِ ؟ قَالَ حُذَيْفَةُ اَنَا وَسَاقَ الْحَدِيْثَ

كَنَحْوِ حَدِيثِ أَبِي مَالِكٍ عَنْ رِبْعِيٍّ وَقَالَ فِي الْحَدِيثِ قَالَ حُذَيْفَةُ حَدَّثْتُهُ حَدِيثًا لَيْسَ بِالْأَغَالِيطِ وَقَالَ يَعْنِي أَنَّهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت ربعی بن حراش، حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیان کیا تم میں سے کون ہم میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتنوں کے بارے میں احادیث بیان کرتا ہے؟ ان میں حذیفہ رضی اللہ عنہ بھی تھے انہوں نے جواب دیا میں بیان کرتا ہوں پھر حدیث کو ابو مالک والی حدیث کی طرح بیان کیا اور اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا میں نے ان سے ایک حدیث بیان کی جو غلط نہ تھی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی تھی۔

## تشریح

''لیس بالاغالیط'' یعنی یہ کوئی چیستان اور غلط باتیں نہیں ہیں بلکہ نبی مکرم کی صحیح احادیث ہیں جس کا اقرار حضرت عمر فاروق نے بھی کیا ہے جب پوچھا کہ یہ دروازہ کھولا جائیگا یا توڑا جائے گا جب حضرت حذیفہؓ نے توڑنے کی بات کی تو حضرت عمرؓ نے افسوس کیا اور فرمایا کہ پھر فتنوں کے روکنے کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں رہیگی۔

کتاب الفتن کی بحث جلد ثانی میں آرہی ہے یہاں یہ سب احادیث ضمنی طور پر آئی ہیں۔

## باب بیان ان الاسلام بدأ غريباً وسيعود غريباً

## اسلام کی ابتداء گمنام لوگوں سے ہوئی آخر میں بھی ایسا ہو جائے گا

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تین احادیث کو نقل کیا ہے۔

۳۷۲۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ جَمِيعًا عَنْ مَرْوَانَ الْفَزَارِيِّ قَالَ ابْنُ عَبَّادٍ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ عَنْ يَزِيدَ يَعْنِي ابْنَ كَيْسَانَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اسلام غربت و اجنبیت کی حالت میں شروع ہوا اور دوبارہ عنقریب غرباء کی طرف لوٹ جائے گا پس خوشخبری ہو غرباء کے لئے۔

## تشریح

''بدأ الاسلام غریباً'' ''بدأ یبدأ'' ہمزہ کے ساتھ ابتداء کے معنی میں ہے ''غریباً'' ناواقف مسافر اور پردیسی شخص کو غریب کہتے ہیں جو اپنے علاقے سے دور اور عام لوگوں میں گمنام ہوتا ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی ابتداء ایسی حالت میں ہوئی کہ

عام لوگوں میں اس کے افراد بالکل قلیل تھے معاشرہ کے عام لوگوں میں گنے چنے اوپرے اور گمنام تھے کمزور اور بے بس تھے پورے معاشرہ سے کٹے ہوئے سمجھے جاتے تھے، نہ غم میں اور نہ خوشی میں ان کو شریک کیا جاتا تھا نہ کسی قومی اور اجتماعی کام میں ان کو یاد کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اب بھی یہی حال ہے کہ ملکوں اور شہروں اور محلوں میں معاشرہ کے ہر قسم کے افراد کو غم اور خوشی میں موقع بموقع یاد کیا جاتا ہے لیکن علماء اور اہل دین کو نظر انداز کیا جاتا ہے گویا یہ لوگ معاشرہ کا حصہ نہیں ہیں بالکل گمنام ہیں۔ اس حدیث کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ حاملین اسلام ابتداء میں بھی تھوڑے تھے اور آئندہ بھی یہ لوگ تھوڑے ہونگے کمزور ہونگے گمنام ہونگے ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوگا البتہ درمیان میں یہ لوگ ترقی کریں گے، الحمد للہ قرون وسطی میں اسلام کے حاملین مشرق و مغرب اور جنوب وشمال پر چھا گئے تھے خلفاء راشدین اور خلفاء بنوامیہ اور خلفاء بنوعباس اور خلافت عثمانیہ میں اسلام کا جھنڈا اکثر عالم پر بلند ہوکر لہرانے لگا تھا۔ امام مالکؒ نے اس حدیث کا مصداق مدینہ منورہ کے ساتھ خاص کیا ہے کہ یہ حالت صرف مدینہ منورہ کی ہوگی مگر عام شارحین اور علماء نے اس حدیث کو عام عالم اسلام کے لئے عام کیا ہے۔

''فطوبیٰ'' طوبیٰ طیب سے ہے خوش عیشی قابل رشک زندگی عزت وعظمت اور کمال وشرافت مراد ہے۔ بعض علماء نے اس سے جنت مراد لیا ہے ''للغرباء'' اس سے وہی لوگ مراد ہیں جو غریب کے مفہوم میں بیان کیا گیا ہے۔ یہاں بعض شارحین نے مہاجرین مراد لیا ہے کیونکہ انہوں نے بھی اپنے ملک کو چھوڑ کر غربت ومہاجرت کی زندگی اختیار کی ایک حدیث میں تفصیل ہے کہ ''وھم النزاع من القبائل'' یعنی غرباء سے قبائل کے وہ لوگ مراد ہیں جو قبائل سے نکل کر اسلام کی طرف آگئے مراد مہاجرین ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف ہجرت کی اور وطن کو چھوڑا بعض اہل حدیث نے اپنا نام غرباء اہل حدیث رکھا ہے تاکہ وہ اس حدیث کا مصداق بن جائیں یہ ان کی ایک تمنا ہے۔

وکل یدعی وصلا بلیلی      ولیلا لا تقرلہ بذاک

۳۷۳۔ حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَالْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ الْأَعْرَجُ قَالَا حَدَّثَنَا شَبَابَةُ بْنُ سَوَّارٍ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ وَهُوَ ابْنُ مُحَمَّدٍ الْعُمَرِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ غَرِيبًا كَمَا بَدَأَ وَهُوَ يَأْرِزُ بَيْنَ الْمَسْجِدَيْنِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ فِي جُحْرِهَا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اسلام غربت کی حالت میں شروع ہوا تھا اور عنقریب دوبارہ غربت کی طرف لوٹ جائے گا یعنی سمٹ جائے گا دو مسجدوں کے درمیان جیسے کہ سانپ اپنے بل میں سمٹ جاتا ہے۔

## تشریح

''وھو یازر'' ارزیارز، ضرب یضرب سے ہے بعض نے نصر سے بھی کہا ہے رجوع اور ضم ہونے اور سمٹنے کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ اسلام آخر زمانہ میں مکہ اور مدینہ کی طرف اس طرح سمٹ کر لوٹ جائیگا جس طرح سانپ اپنے بل میں داخل ہو کر سمٹ سمٹ کر اور لپیٹ لپیٹ کر محفوظ بیٹھ جاتا ہے یہ اسلام کی ابتداء اور انتہاء کی حالت کی طرف اشارہ ہے کہ اسلام اور حاملین اسلام ابتدا میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مکہ اور مدینہ میں اسلام کی غرض سے یا نبی آخر الزمان کی زیارت کی غرض سے آتے جاتے پھر خلفاء راشدین کے زمانہ میں جہاد کی غرض سے اور عدل وانصاف کے مشاہدہ کرنے کی غرض سے آتے تھے پھر بعد میں مسلسل اہل علم اور طالب علم حصول علم کی غرض سے مدینہ منورہ آتے تھے اس کے بعد قیادت تک اہل اسلام نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی غرض سے اور حج کی غرض سے مکہ اور مدینہ تشریف لاتے ہیں اور انشاء اللہ لاتے رہیں گے اس حدیث میں ''المسجدین'' سے مکہ ومدینہ کی مسجد حرام اور مسجد نبوی مراد ہے۔ (قاضی عیاض)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ میں حقیقی ایمان قرب قیامت تک باقی رہیگا اور بدعت اور اہل بدعت یہاں غلبہ نہیں پاسکیں گے قاضی عیاض نے یہاں قبر نبی کی زیارت اور اس کے مشاہدہ سے برکت حاصل کرنے کا ذکر کیا ہے اور آثار صحابہ سے تبرک حاصل کرنے کا ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ ''فلایاتیھا الا المؤمن'' کہ صرف مؤمن اس زیارت کے لئے آتا ہے۔

(کذا فی النووی)

۳۷۴۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِی شَیْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ نُمَیْرٍ وَاَبُواُسَامَةَ عَنْ عُبَیْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ح: وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَیْرٍ حَدَّثَنَا اَبِیْ حَدَّثَنَا عُبَیْدُاللّٰهِ عَنْ خُبَیْبِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْاِیْمَانَ لَیَاْرِزُ اِلَى الْمَدِیْنَةِ كَمَاتَاْرِزُ الْحَیَّةُ اِلٰى جُحْرِهَا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک ایمان سمٹ کر رہ جائے گا مدینہ منورہ میں جیسے کہ سانپ اپنے سوراخ میں سمٹ جاتا ہے۔

## باب ذهاب الایمان فی آخر الزمان

## آخر زمانے میں ایمان کے اُٹھنے کا بیان

اس باب میں امام مسلم نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے۔

۳۷۵۔ **حَدَّثَنِیْ** زُهَیْرُبْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَایُقَالَ فِی الْاَرْضِ : اَللّٰهُ ، اَللّٰهُ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ زمین میں اللہ اللہ کہا جارتا رہا ہے۔

## تشریح

''اللّٰہ اللّٰہ'' یہ الفاظ نصب کے ساتھ بھی ہیں بعض نے اس کو مبتدا کی وجہ سے مرفوع بھی پڑھا ہے لفظ اللہ کائنات کے لئے بنیاد ہے اور یہی اسم اعظم ہے اسی کی برکت سے کائنات کی بقاء ہے، کائنات کی بقا اور قیامت واقع نہ ہونے کے لئے تین چیزیں اساس وبنیاد ہیں۔(۱) قرآن کریم (۲) لفظ اللہ (۳) بیت اللہ۔ ان تینوں چیزوں کے اٹھنے سے ایمان بھی اٹھ جائے گا اور کائنات کی ٹوٹ پھوٹ شروع ہوجائے گی اور قیامت قائم ہوجائے گی۔

اللہ اللہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ صحیح عقیدہ کے ساتھ آدمی پڑھے غلط عقیدہ کے ساتھ پڑھنے کا فائدہ نہیں نہ قیامت کے لئے رکاوٹ ہے۔علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر مفرد یعنی صرف اللہ اللہ کے ذکر کو منع کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ جملہ غیر مفید ہے لیکن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر مفرد جائز ہے علماء کرام اور صوفیاء عظام کا اس پر عمل ہے۔ابن ابی جعفر نے اللہ اللہ کے بجائے لا الٰہ الا اللہ نقل کیا ہے دونوں درست ہیں۔اس حدیث کا مفہوم وہی ہے جو دوسری حدیث میں صراحت کے ساتھ مسند احمد میں ہے کہ

''لاتقوم الساعة الا علی شرار الخلق و حثالتهم''۔ (رواہ احمد فی مسندہ)

یہ اس وقت کی بات ہوگی جب خروج الدجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام ہوچکا ہوگا اور یمن کی طرف سے وہ ہوا چل چکی ہوگی جس سے سارے مسلمان مرجائیں گے اور صرف کفار رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح زندگی گزاریں گے۔

## سوال

یہاں ذہنوں میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کا کوئی آدمی مسلمان باقی نہیں رہیگا سب کفار رہ جائیں گے حالانکہ دوسری حدیث میں ہے کہ میری امت پوری کی پوری گمراہ نہیں ہوسکتی ہے۔

## جواب

اس کا جواب علامہ ابی نے یہ دیا ہے کہ امت کا مجموعی طور پر مرتد ہونا اور چیز ہے اور امت کا ختم ہونا اور چیز ہے اس حدیث میں امت کے خاتمے کا ذکر ہے کہ امت کا پورا نظام سمٹ کر اٹھا لیا جائیگا اس کے بعد مرتد آتے ہیں یا کفار آتے ہیں اس سے بحث نہیں۔

''فی الارض'' اس لفظ سے اشارہ ملتا ہے کہ زمین میں ایسا ہوجائیگا مگر آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کا نام ختم نہیں ہوگا وہاں فرشتوں کا نظام برقرار رہیگا اس طرح یہ لفظ قید احترازی بن جائے گا۔

۳۷۶۔حَدَّثَنِی عَبْدُ بْنُ حُمَیْدٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ عَلَى اَحَدٍيَقُوْلُ : اَللّٰهُ ، اَللّٰهُ ـ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی ایسے شخص پر قیامت نہیں آئے گی جو اللہ اللہ کہتا ہو۔

## باب جواز الاستسرار بالایمان للخائف

## خوف کے وقت ایمان کو پوشیدہ رکھنے کا بیان

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے صرف ایک حدیث کو بیان کیا ہے۔

۳۷۷۔حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَاَبُوْ كُرَيْبٍ وَاللَّفْظُ لِاَبِیْ كُرَيْبٍ قَالُوْاحَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ شَقِيْقٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْصُوْالِیْ كَمْ يَلْفِظُ الْاِسْلَامَ قَالَ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! اَتَخَافُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ مَابَيْنَ السِّتِّ مِائَةِ اِلَى السَّبْعِ مِائَةِ ؟ قَالَ اِنَّكُمْ لَاتَدْرُوْنَ لَعَلَّكُمْ اَنْ تُبْتَلَوْا قَالَ فَابْتُلِيْنَا حَتّٰى جَعَلَ الرَّجُلُ مِنَّالَايُصَلِّیْ اِلَّا سِرًّا ـ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے شمار کر کے بتلاؤ کتنے لوگ ہیں جو اسلام کا اظہار کرتے ہیں؟ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ کو ہمارے بارے میں کوئی خوف واندیشہ ہے حالانکہ ہماری تعداد ۶۰۰ سے ۷۰۰ کے درمیان ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نہیں جانتے۔ممکن ہے تم لوگ کسی فتنہ میں مبتلا ہو جاؤ۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر ہم ایک فتنہ میں مبتلا ہو گئے حتی کہ ہم میں سے بعض افراد نماز بھی چھپ کر پڑھتے تھے۔

### تشریح

''احصوالی''یعنی گن کر لاؤ مدینہ میں کتنے لوگ ہیں جو اسلام کا اقرار کرتے ہیں یہ مدینہ منورہ میں ابتدائی دور کی بات ہے مکہ مکرمہ میں تو مجموعی طور پر شاید دوسو مسلمان ہونگے مدینہ میں اسلام میں جہاد کا پرزہ لگ گیا جس کی برکت سے اسلام پھیل گیا اور آخر میں حجۃ الوداع کے موقع پر ڈیڑھ لاکھ صحابہ نے آنحضرتؐ کے ساتھ حج کیا۔

''فقلنا''صحابہ کرام نے سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی قلت کی وجہ سے یہ خطرہ محسوس کر رہے ہیں کہ کوئی قوت ان کو ختم نہ کردے اس لئے صحابہ نے فرمایا کہ یارسول اللہ! اب خوف کی کوئی بات نہیں اب تو ہم چھ سے لیکر سات سو تک ہیں اس کے جواب میں آنحضرت نے فرمایا کہ مجھے خطرہ ہے کہ تم فتنوں اور آزمائشوں میں مبتلا ہو جاؤ گے پھر کھل کر عبادت نہیں کر سکو گے۔

''الستماۃ''

### سوال

یہاں نحات نے اعتراض کیا ہے کہ مضاف پر الف لام نہیں آتا یہاں کیسے آگیا ہے۔

### پہلا جواب

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ الف لام زائد ہے علامہ ابی نے یہی جواب دیا ہے۔

### دوسرا جواب

یہ ہے کہ الف لام دیکھنے میں تو ہے مگر کام کا نہیں ہے۔

### تیسر جواب

یہ ہے کہ قواعد نحو اور صرف بعد میں مرتب ہوئے ہیں وہ اگر پیغمبر اسلام کے کلام اور اطلاقات کے موافق ہوں تو قابل قبول ہیں ورنہ اصل معیار تو افصح العرب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہوگی کہ عرب کے بہت سارے قبائل تھے ان کے ہاں مختلف قسم کی لغات چلتی تھیں جو محاورۂ عرب کے مطابق تھیں یہ انہیں کی ایک قسم ہے جو فصاحت کے معیار پر قائم ہے اعتراض کی ضرورت نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ بخاری کی روایات میں چھ سو کے بجائے پندرہ سو کا ذکر ملتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ صرف مدینہ کی تعداد چھ سو تھی اور دیگر اطراف کو ملا کر پندرہ سو ہو جاتی تھی۔

''فابتلینا'' حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت کی پیش گوئی صحیح تھی آپ کی وفات کے بعد ہم فتنوں میں مبتلا ہو گئے یہاں تک کہ کھل کر مسجد میں آکر نماز پڑھنا مشکل ہو گیا ہم چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے موقع پر ایسا ہوا جنگ صفین وجمل میں ایسا ہوا کہ کھل کر میدان میں نماز پڑھنا مشکل ہو گیا پھر یزید کے زمانہ میں تین دن تک مسجد نبوی میں نہ اذان ہوئی اور نہ جماعت کے ساتھ نماز ہوئی انہیں خطرات کی طرف آنحضرتؐ نے اشارہ کیا۔

## باب تألف قلب من يخاف على ايمانه لضعفه

## جس کے ایمان پر خوف ہو اس کے ساتھ تألیف قلب کا معاملہ

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے۔

۳۷۸۔ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسْمًا فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اَعْطِ فُلَانًا فَاِنَّهُ مُؤْمِنٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ مُسْلِمٌ اَقُوْلُهَا ثَلَاثًا وَيُرَدِّدُهَا عَلَيَّ ثَلَاثًا اَوْ مُسْلِمٌ ثُمَّ قَالَ اِنِّيْ لَاُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْهُ مَخَافَةَ اَنْ يَكُبَّهُ اللّٰهُ فِي النَّارِ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال لوگوں میں تقسیم فرمایا: میں نے عرض

کیا کہ یا رسول اللہ! فلاں شخص کو دیجئے کہ وہ مومن ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یا مسلم ہے۔ میں نے تین بار یونہی کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں بار مجھے یہی جواب دیا کہ یا مسلم ہے۔ پھر فرمایا کہ میں کسی شخص کو مال دیتا ہوں حالانکہ اس کے علاوہ کئی دوسرے مجھے زیادہ محبوب ہوتے ہیں لیکن دینے والے کو صرف اس ڈر سے دیتا ہوں کہ کہیں اللہ عزوجل اسے اوندھے منہ جہنم میں نہ جھونک ڈالیں۔

## تشریح

سعد بن ابی وقاصؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ کے ماموں ہیں آنحضرتؐ ان پر فخر فرماتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص میرے ماموں ہیں لاؤ کوئی شخص میرے ماموں کی طرح پیش کرو۔ یہ مستجاب الدعوات تھے آنحضرت نے ان کو دعا دی تھی جس سے آپ مستجاب الدعوات بنے تھے، کوفہ کے ایک بوڑھے گستاخ کو آپ نے تین بددعائیں دیں جو لگ گئیں۔ آپ فاتح عراق ہیں جنگ قادسیہ میں بڑے کارنامے انجام دیئے کسریٰ کے مدائن کو آپ نے فتح کیا تھا۔ زیر بحث حدیث میں آنحضرت نے مال غنیمت کی تقسیم میں ایک کھرے مسلمان کو نہیں دیا اور ایک کچے مسلمان کو دیا آپ نے بار بار اصرار کیا کہ ایک پکے مسلمان کو چھوڑ کر کچے مسلمان کو مال کیوں مل رہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیف قلب کی طرف اشارہ کیا کہ بعض دفعہ کسی انسان کے ایمان بچانے کے لئے بطور تالیف دینا حکمت ہے کیونکہ پکے مسلمان کے جسم کے ٹکڑے بھی ہو جائیں وہ اسلام کو نہیں چھوڑ سکتا کچا مسلمان امتحان کو برداشت نہیں کر سکتا آئندہ حدیث میں ایک جماعت کا ذکر ہے کہ آنحضرت نے ایک جماعت کو مال دیا اور ایک پکے مسلمان کو چھوڑ دیا حضرت کے اصرار پر آنحضرت نے فرمایا کہ سعد کیا لڑنا چاہتے ہو یعنی اتنا اصرار نہ کرو پھر آنحضرتؐ نے وجہ بتادی۔

''اَوْ مُسْلِم'' یہاں واؤ ساکن ہے اس پر فتح پڑھنا غلط ہے اور یہ ''او'' تنویع کے لئے ہے بعض نے شک کے لئے بھی بتایا ہے مطلب یہ ہے کہ حضرت سعدؓ نے اس شخص کے مؤمن ہونے کو یقینی بتایا آنحضرت نے فرمایا کہ مؤمن ہے یا مسلم ہے یہ نکیر کا ایک لطیف انداز ہے کہ ایمان تو قلبی معاملہ ہے جو پوشیدہ ہے اس کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ کر سکتا ہے ایک انسان کسی انسان کو مسلم ہی کہہ سکتا ہے کیونکہ اسلام کا معاملہ ظاہر بدن سے متعلق ہے اس حدیث میں نکیر کا تعلق حضرت سعدؓ کے قطعی اور یقینی حکم لگانے سے ہے نکیر کا تعلق اس آدمی سے نہیں ہے جس کو حضرت سعد نے مؤمن کہا تھا آنحضرتؐ نے ان کے ایمان سے متعلق کچھ نہیں فرمایا صرف حضرت سعدؓ کے کلام کی اصلاح فرمائی۔ اس شخص کے ایمان اور محبوب ہونے کی تصریح تو اسی حدیث میں ہے کہ ''وغیرہ احب الی منہ۔ ان یکبہ اللہ'' کب یکب منہ کے بل جہنم میں گرانے کے معنی میں ہے مطلب یہ کہ ایک کچے مسلمان کی تالیف قلب اور ان کو ایمان پر قائم رکھنے کے لئے میں ان سے تعاون کرتا ہوں ورنہ کچا مسلمان اسلام کو چھوڑ دیگا تو دوزخ میں منہ کے بل گرا دیا جائیگا۔

۳۷۹۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهِ قَالَ أَخْبَرَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيهِ سَعْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى رَهْطًا وَسَعْدٌ جَالِسٌ فِيهِمْ

قَالَ سَعْدٌ فَتَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ مَنْ لَمْ يُعْطِهِ وَهُوَ اَعْجَبُهُمْ اِلَيَّ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ؟ فَوَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ مُسْلِمًا قَالَ فَسَكَتُّ قَلِيْلًا ثُمَّ غَلَبَنِيْ مَا اَعْلَمُ مِنْهُ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ؟ فَوَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْمُسْلِمًا اِنِّيْ لَاُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْهُ خَشْيَةَ اَنْ يُكَبَّ فِي النَّارِ عَلٰى وَجْهِهٖ ـ

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو کچھ مال وغیرہ عطا فرمایا، اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان کے درمیان ہی بیٹھے تھے۔ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بعض کو نہیں دیا حالانکہ وہ ان میں سے میرے نزدیک سب سے بہتر تھے۔ لہٰذا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ نے فلاں کو کیوں عطا نہیں فرمایا؟ حالانکہ خدا کی قسم! میں تو اسے مومن گردانتا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یا مسلم! فرماتے ہیں کہ میں ذرا خاموش رہا پھر مجھ پر اسی خیال نے غلبہ پالیا کہ میں تو اس سے زیادہ مومن کسی کو تصور نہیں کرتا، لہٰذا میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے فلاں کو کیوں عطا نہیں فرمایا؟ خدا کی قسم میں تو اسے مومن تصور کرتا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا مسلم! فرماتے ہیں کہ میں پھر کچھ دیر خاموش رہا۔ لیکن پھر اسی خیال میں میرے اوپر غلبہ پالیا جو میں اس کے بارے میں جانتا تھا۔ لہٰذا میں نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے فلاں سے اعراض کیا حالانکہ خدا کی قسم میں تو اسے مومن تصور کرتا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میں کسی آدمی کو کچھ دیتا ہوں حالانکہ اس کے علاوہ دوسرے کئی لوگ مجھے اس کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہوتے ہیں۔ صرف اس خدشہ کے بناء پر کہ کہیں وہ جہنم میں اوندھے منہ نہ جھونکا جائے۔

۳۸۰۔**حَدَّثَنَا** الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ وَهُوَ ابْنُ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا اَبِيْ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ سَعْدٍ اَنَّهُ قَالَ اَعْطٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا وَاَنَا جَالِسٌ فِيْهِمْ بِمِثْلِ حَدِيْثِ ابْنِ اَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهٖ وَزَادَ فَقُمْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَارَرْتُهُ فَقُلْتُ مَالَكَ عَنْ فُلَانٍ؟

اس سند سے بھی سابقہ حدیث معمولی فرق کے ساتھ منقول ہے حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے کچھ لوگوں کو دیا اور میں انہیں میں بیٹھا ہوا تھا۔ بقیہ حدیث ابن اخی ابن شہاب کی طرح بیان کی ہے صرف اس میں یہ الفاظ زائد ہیں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے چپکے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا یا رسول اللہ! آپ نے فلاں شخص کو کیوں چھوڑ دیا؟

۳۸۱۔**وَحَدَّثَنَا** الْحَسَنُ الْحُلْوَانِيُّ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ حَدَّثَنَا اَبِيْ عَنْ صَالِحٍ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ سَمِعْتُ

مُحَمَّدَ بْنَ سَعْدٍ يُحَدِّثُ هٰذَا فَقَالَ فِي حَدِيثِهِ فَضَرَبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ بَيْنَ عُنُقِي وَكَتِفِي ثُمَّ قَالَ أَقِتَالًا ؟ أَيْ سَعْدُ ! إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہے اس فرق کے ساتھ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے اور گردن کے درمیان ہاتھ مارا اور فرمایا کہ اے سعد! کیا لڑائی کر رہے ہو؟۔

## باب زيادة طمانينة القلب بتظاهر الادلة

## دلائل کی مضبوطی سے قلبی اطمینان مزید مضبوط ہو جاتا ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تین احادیث کو ذکر کیا ہے۔

۳۸۲۔ **حَدَّثَنِي** حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذْ قَالَ ﴿رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَى وَلٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي﴾ (البقرة:۲٦) قَالَ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ لُوطًا لَقَدْ كَانَ يَأْوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ وَلَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ طُولَ لَبْثِ يُوسُفَ لَأَجَبْتُ الدَّاعِيَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم زیادہ مستحق ہیں شک کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہ نسبت، جب انہوں نے فرمایا کہ اے میرے رب! مجھے دکھا دیجئے کہ آپ کیسے مُردوں کو زندہ کریں گے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تو ایمان نہیں رکھتا؟ فرمایا: کیوں نہیں! اپنے دل کے اطمینان کے لئے ایسا چاہتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے بے شک وہ کسی مضبوط قلعہ کی پناہ پکڑنا چاہتے تھے، اور اگر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے برابر قید میں رہتا تو بلانے والے کی دعوت کو قبول کر لیتا۔

### تشریح

"نحن احق بالشك" اس حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین انبیاء کرام کا تذکرہ فرمایا ہے ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں دوسرے حضرت لوط علیہ السلام اور تیسرے حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے اقوال کا مطلب سمجھا دیا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر اور ثابت قدمی کی تعریف فرمائی ہے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ آنحضرت ان پر اعتراض فرما رہے ہیں لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں اعتراض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ بر حق نبی کسی نبی پر اعتراض کر سکتا ہے یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کا مطلب سمجھایا

کہ حضرت ابراہیم نے جو یہ فرمایا کہ ﴿رب ارنی کیف تحی الموتیٰ﴾ تو اس میں ابراہیم علیہ السلام کو احیاء موتی کے بارے کوئی شک نہیں تھا بلکہ اس نے اطمینان قلب اور احیاء موتی کی کیفیت معلوم کرنے کی غرض سے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اے اللہ! مجھے دکھادے کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کو شک نہیں تھا اگر ان کو شک ہوتا تو ہم ان کی اولاد ہیں ہم کو ان سے زیادہ شک ہوتا لیکن جب ہم کو ذرہ برابر شک نہیں ہے تو حضرت ابراہیم کو کیسے شک ہوسکتا ہے حضرت ابراہیم موحد اعظم تھے جد الانبیاء تھے نمرود نے جب آگ میں ڈالنا چاہا تو جبریل امین آئے اور فرمایا ''الک حاجۃ'' آپ نے جواب میں فرمایا ''اما الیک فلا'' جبریل نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرو آپ نے فرمایا کہ ''علمہ بحالی یغنینی عن سوالی'' پھر آپ نے فرمایا ''اللھم انت فی السماء احد وانا فی الارض احد اعبدک'' خلاصہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شک نہیں تھا کیونکہ نبی معصوم ہوتا ہے اور معصوم کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر کبھی شک نہیں ہوسکتا۔

## سوال

یہاں یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ اگر ابراہیم علیہ السلام کو احیاء موتی میں شک نہیں تھا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے احیاء موتی کے بارے میں سوال کیوں کیا؟

جواب اس سوال کے کئی جوابات ہیں۔

## پہلا جواب

ابراہیم علیہ السلام نے یہ سوال شک کے ازالہ کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ یقین کے اضافہ کے لئے کیا تھا کہ جو چیز دلیل سے معلوم تھی وہ معائنہ ومشاہدہ سے معلوم ہوجائے اور ''ولیس الخبر کالمعاینۃ'' ایک معروف ضابطہ ہے۔

## دوسرا جواب

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سوال احیاء موتی کی کیفیت سے متعلق تھا کہ احیاء کی کیفیت کیسی ہے وہ مجھے دکھادے قدرت الٰہی سے متعلق سوال نہیں تھا، آیت میں کیفیت کی تصریح موجود ہے۔

## تیسرا جواب

نمرود کے ساتھ مناظرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میرا رب مردوں کو زندہ کرتا ہے اس پر نمرود نے کہا تم نے دیکھا ہے کہ تیرا رب ایسا کرتا ہے اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے احیاء موتیٰ کا سوال کیا تاکہ خود دیکھے پھر پرندوں کے احیاء کا نمونہ دکھادیا گیا۔

''ویرحم اللہ لوطا'' اس کلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت لوط علیہ السلام پر اعتراض نہیں کیا بلکہ آنحضرت نے ان

کی مجبوری اوران کی طرف سے عذر کو بیان فرمایا ہے کہ آپ اتنے مجبور ہوئے کہ ظاہری قبیلہ یا ظاہری قلعہ کی طرف پناہ پکڑنے کی تمنا کی حالانکہ اللہ تعالی کی پناہ سب سے قوی تر اور مضبوط تر پناہ تھی مگر اللہ ان پر رحم فرمائے وہ اتنے مجبور ہو گئے تھے کہ اس طرف ان کا خیال نہیں گیا۔ بہرحال "یرحم اللہ لوطا" کے الفاظ حضرت لوط علیہ السلام کی مدح وتعریف ہے ان پر تنقید نہیں ہے۔ عربی محاورہ میں مدح کے موقع پر ایسا کہتے ہیں حدیث میں ہے "یرحم اللہ خالد بن الولید لقد کان یبلی فی العدو" یہ مدح ہے۔

"ولو لبثت فی السجن" اس جملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ اپنی ذات کی صفائی اور پاکدامنی کے لئے اتنے مخلص تھے کہ سات سال تک جیل میں رہے لیکن جب بادشاہ کا قاصد آیا تو انہوں نے جیل سے نکلنے سے انکار کیا تاکہ اپنی صفائی اور پاکی اور بے قصور ہونے کو ثابت کریں یہ حضرت یوسف کا عظیم استقلال اور ثابت قدمی تھی اگر میں اتنے عرصے بے گناہ جیل میں رہتا اور قاصد آکر باہر جانے کا کہتا تو میں فوراً نکل جاتا۔

۳۸۳۔ **وَحَدَّثَنِي** بِهِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى عَبْدُاللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ الضُّبَعِيُّ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ وَأَبَاعُبَيْدٍ أَخْبَرَاهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَفِي حَدِيثِ مَالِكٍ وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ ثُمَّ قَرَأَ هَذِهِ الْآيَةَ حَتَّى جَازَهَا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ روایت بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح نقل کرتے ہیں لیکن مالک کی روایت میں ہے کہ آپ نے اس آیت کو پڑھا حتی کہ اسے پورا کر دیا۔

## تشریح

امام مسلم رحمہ اللہ نے انتہائی احتیاط کی بنیاد پر لفظ ان شاء اللہ کہا ورنہ یہاں کوئی شک والی بات نہیں تھی صرف اس طرف اشارہ ہے کہ سابق حدیث کو مجھے میرے استاد عبداللہ بن محمد نے بھی بیان کیا دونوں کے الفاظ ومعانی اور مفہوم ان شاء اللہ ایک جیسے ہونگے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ یا ان شاء اللہ کے لفظ کو بطور تبرک ذکر کیا ہے۔

"حتی جازھا" یعنی آیت آخر تک پڑھ لی ساتھ والی روایت میں انجزھا ہے انجاز بھی مکمل پڑھنے کے معنی میں ہے۔

۳۸٤۔ **حَدَّثَنَاهُ** عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنِي يَعْقُوبُ يَعْنِي ابْنَ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُوَيْسٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ كَرِوَايَةِ مَالِكٍ بِإِسْنَادِهِ وَقَالَ ثُمَّ قَرَأَ هَذِهِ الْآيَةَ حَتَّى أَنْجَزَهَا۔

حضرت زہری رحمہ اللہ سے اسی سند کے ساتھ سابقہ روایت منقول ہے۔ لیکن اس روایت میں بعض الفاظ میں اضافہ ہے۔

## باب وجوب الایمان برسالة نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

## ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانا فرض ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے۔

۳۸۵۔ **حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا قَدْ أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ وَحْيًا أَوْحَى اللَّهُ إِلَيَّ فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی نبی ایسا نہیں انبیاء علیہم السلام میں سے جسے وہی معجزے نہ دیئے گئے ہوں جو اس سے پہلے نبی کو دیئے گئے اور اس پر لوگ ایمان لائے اور بے شک مجھے جو معجزہ دیا گیا وہ وحی الٰہی ہے جسے اللہ عزوجل نے مجھ وحی کے ذریعہ القاء فرمایا اور مجھے امید ہے کہ میں قیامت کے روز انبیاء میں سب سے زیادہ متبعین والا ہوں گا۔

### تشریح

''ما مثله آمن عليه البشر'' یعنی دیگر انبیاء کرام کو جو معجزات دیئے گئے وہ اسی حد اور اسی مقدار تک تھے جتنا کہ اس پر بشر اور انسان ایمان لائے جب تک معجزات تھے لوگ اس پر ایمان لاتے رہے مگر چونکہ معجزات وقتی اور عارضی تھے جب نبی دنیا سے اٹھ کر چلا گیا تو ان کے ساتھ ان کا معجزہ بھی چلا گیا تو اس کے بعد اس پر ایمان لانا اور اس سے فائدہ اٹھانا ممکن نہ رہا مثلاً عصاء موسیٰ اور ید بیضا اور فلق البحر وغیرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ساتھ ختم ہو گئے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احیاء موتی وغیرہ کے معجزات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد ختم ہو گئے جب تک یہ معجزات موجود تھے لوگ اس کی وجہ سے ایمان لاتے تھے مگر پھر یہ سلسلہ منقطع ہو گیا گویا دیگر انبیاء کرام کے معجزات فعلی تھے لیکن نبی اکرم کے معجزات میں سے ایک بڑا معجزہ علمی ہے جو قرآن عظیم ہے آگے اسی کا بیان ہے۔

''اوتیت وحیا'' یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے جو معجزہ دیا وہ قرآن ہے اور کلام اور وحی کی شکل میں ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن قیامت تک اللہ تعالیٰ کی زندہ و تابندہ کتاب ہے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بھی قیامت تک ہے تو قیامت تک لوگ اس معجزاتی کلام سے استفادہ کریں گے اور ایمان لائیں گے جس کا واضح مطلب یہ نکلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار تمام انبیاء کرام کے پیروکاروں سے زیادہ ہونگے اور اسی کو حدیث کے آخری جملہ میں آنحضرت نے بیان فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ میرے متبعین زیادہ ہونگے۔

انبیاء کرام کو معجزات دینے میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاری ہے کہ جس نبی کے زمانے میں معاشرہ پر جس چیز کا غلبہ ہوا اور اس چیز

کا پورے معاشرہ پر احاطہ ہو، اللہ تعالیٰ اسی چیز کو توڑنے کے لئے اس نبی کو ایسا معجزہ دیتا ہے جس کے سامنے معاشرہ کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے اور حق اور باطل کا واضح فیصلہ ہو جاتا ہے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا بڑا زور تھا اس کے توڑنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا اور عصاء موسیٰ کا معجزہ دیا گیا جس سے معاشرہ پر حاوی جادو کا طلسم ٹوٹ گیا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا بڑا چرچا تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کو احیاء موتی اور ابراء اکمہ کا ایسا معجزہ دیا جس سے معاشرہ پر حاوی طب وحکمت کا طلسم پاش پاش ہو کر رہ گیا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عرب معاشرہ پر کلام کی فصاحت وبلاغت کا قبضہ تھا اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن عظیم کا ایسا معجزہ عطا کیا جس کا مقابلہ سارے عرب نہ کر سکے۔ وہ جانوں کے قربان کرنے اور اولاد کو یتیم بنانے اور مارنے مرنے کے لئے میدان کارزار میں تو اتر گئے مگر زبان کی نوک سے اس معجز کلام کا مقابلہ نہ کر سکے جو قرآن کی صورت میں آنحضرت پر اترا تھا چنانچہ اسی قرآن نے عرب کو ہلا کر رکھ دیا اور بالآخر وہ مسلمان ہو گئے اور آئندہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہیگا تو یہ دائمی معجزہ ہے اس لئے اس پر ایمان لانے والے زیادہ ہو نگے۔

۳۸۶۔ حَدَّثَنِي يُونُسُ بْنُ عَبْدِالْاَعْلٰى اَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ وَاَخْبَرَنِي عَمْرٌو اَنَّ اَبَا يُونُسَ حَدَّثَهُ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَا يَسْمَعُ بِي اَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ يَهُوْدِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوْتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي اُرْسِلْتُ بِهِ اِلَّا كَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے۔ اس امت کا کوئی بھی یہودی یا نصرانی میری بات اور دعوت کو سنے اور پھر بھی ایمان نہ لائے اس چیز پر جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں مگر یہ کہ وہ اہل جہنم میں سے ہے۔

## تشریح

''والذی نفس محمد بیدہ'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کے بغیر قسم کھائی ہے جس میں چند فائدے ہیں ایک فائدہ یہ ہے کہ امت کے لئے ضرورت کے بغیر سچی قسم کھانا جائز ہے اگر چہ اس سے بچنا امت کے لئے مستحب ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے نام کی نہ جھوٹی قسم کھائی ہے نہ سچی قسم کھائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھانے کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ امت کو تعلیم ملی کہ قسم صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی کھانی چاہئے غیر اللہ کی قسم جائز نہیں، تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ آنحضرت کی قسم سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار ہوا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان جس ذات کے قبضہ میں ہو وہ ذات کتنی بڑی ہوگی دوسری طرف امت کو یہ تعلیم ملی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں اللہ تعالیٰ خالق ہے یہ مخلوق ہیں مشرکین مکہ نے آنحضرت کو بندہ مان لیا رسول نہیں مانا آج کل کے مشرکین بریلویوں نے آنحضرت کو رسول تو مان

کیا بندہ نہیں مانا صحیح عقیدہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور شان والے رسول ہیں۔
''لا یسمع بی احد'' یعنی امت دعوت میں سے جس نے بھی میری رسالت کی بات سنی خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی ہو یا کفار کے افراد میں سے کوئی اور فرد ہو اور سننے کے بعد اس نے مجھ پر ایمان نہیں لایا تو وہ دوزخ میں جائے گا امت سے یہاں امت اجابت یعنی مسلمان مراد نہیں بلکہ امت دعوت یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار مراد ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی وہ معذور ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی ہے کہ ﴿وما کنامعذبین حتی نبعث رسولا﴾۔ علامہ ابی مالکیؒ نے لکھا ہے کہ یاجوج ماجوج کو آنحضرت کی دعوت پہنچی ہے خواہ کسی بھی طریقہ پر ہو پھر آپ نے فرمایا کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یاجوج ماجوج کو دعوت دی تھی، علامہ ابی لکھتے ہیں کہ جن اعاجم کو عربی لغت سمجھ میں نہیں آرہی ہے وہ بھی ان لوگوں کی طرح ہیں جن تک دعوت نہیں پہنچی ہے، علامہ ابی مزید لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ پر اور اسی طرح زمانہ ''فترت'' کے لوگوں کے ایمان کے بارے میں آئندہ اسی شرح میں تفصیل آئے گی۔
اس حدیث کی ابتداء سے پتہ چلتا ہے کہ صرف دعوت کا پہنچنا کافی ہے مگر آخری حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ کا پہنچنا بھی ضروری ہے ''الذی اسلت'' اس پر دال ہے اس لئے بعض علماء کہتے ہیں کہ معجزہ کا پہنچنا بھی ضروری ہے لیکن دیگر علماء نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ ''لا یسمع بی'' کے ساتھ ''و نبین معجزتی'' کے الفاظ بھی ملحوظ ہیں یعنی دعوت کے ساتھ میرے معجزہ کی وضاحت بھی ان کے سامنے ہوگئی اور اس نے قبول نہیں کیا وہ دوزخ میں جائے گا۔ بہر حال صرف دعوت کا پہنچنا کافی ہے اور دعوت بھی حقیقۃً ہو یا حکماً ہو اتمام حجت کے لئے دونوں میں سے کوئی بھی کافی ہے، عام علماء کی رائے یہی ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس طرح دعویٰ صرف نبی کرسکتا ہے کہ میرے کام کے علاوہ سب گمراہی ہے مگر امت کے کسی فرد کے لئے یہ حرام ہے کہ وہ کہے کہ میری تحریک میں جو کوئی شریک نہیں ہوا وہ کتے کی موت مرے گا یا یہ کہنا کہ میرا کام کشتی نوح کی طرح ہے جو شخص اس کشتی میں سوار نہیں ہوا تو وہ غرق ہو جائے گا۔ بھائی! دین کے بیشمار شعبے ہیں آپ ساری امت کو ایک شعبے کے تحت جمع کرنے کو کیوں فرض قرار دیتے ہو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''و لتکن منکم امۃ'' یہاں منکم میں صرف ایک شعبہ کا حکم ہے سارے شعبے تو نہیں ہیں۔

۳۸۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ عَنْ صَالِحِ بْنِ صَالِحٍ الْهَمْدَانِيِّ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ رَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ خُرَاسَانَ سَأَلَ الشَّعْبِيَّ فَقَالَ يَا أَبَا عَمْرٍو! إِنَّ مَنْ قِبَلَنَا مِنْ أَهْلِ خُرَاسَانَ يَقُولُونَ فِي الرَّجُلِ إِذَا أَعْتَقَ أَمَتَهُ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فَهُوَ كَالرَّاكِبِ بَدَنَتَهُ فَقَالَ الشَّعْبِيُّ حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ بْنُ أَبِي مُوسَى عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَأَدْرَكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَآمَنَ بِهِ وَاتَّبَعَهُ وَصَدَّقَهُ فَلَهُ أَجْرَانِ وَعَبْدٌ مَمْلُوكٌ أَدَّى حَقَّ اللَّهِ تَعَالَى وَحَقَّ سَيِّدِهِ فَلَهُ أَجْرَانِ وَرَجُلٌ كَانَتْ لَهُ أَمَةٌ

فَغَذَاهَا فَأَحْسَنَ غِذَاءَ هَا ثُمَّ أَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ أَدَبَهَا ثُمَّ أَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ أَجْرَانِ ثُمَّ قَالَ الشَّعْبِيُّ لِلْخُرَاسَانِيِّ خُذْ هٰذَا الْحَدِيْثَ بِغَيْرِ شَيْءٍ فَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يَرْحَلُ فِيْمَا دُوْنَ هٰذَا إِلَى الْمَدِيْنَةِ۔

حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل خراسان میں سے ایک شخص کو دیکھا۔ اس نے شعبیؒ سے سوال کیا اور کہا اے ابوعمر! ہمارے ہاں اہل خراسان میں لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب آدمی اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے تو وہ اپنی ہی ہدی کے جانور پر سوار ہونے والے کی طرح ہے۔ تو شعبیؒ نے فرمایا کہ مجھ سے ابوبردہ بن ابی موسیٰ نے اپنے والد کے واسطہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی وہ ہیں جنہیں دوہرا ثواب ملے گا۔ ایک وہ شخص جو اہل کتاب میں سے ہو اور وہ اپنے نبی پر بھی ایمان لائے اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بھی پائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع وتصدیق کرے تو اسے دوہرا اجر ملے گا، دوسرے وہ مملوک غلام جو حقوق اللہ کو بھی ادا کرے جو اس کے ذمہ ہیں اور اپنے مالک وآقا کے حقوق بھی ادا کرے تو اسے بھی دوہرا اجر ہے۔ تیسرے وہ شخص جس کی کوئی باندی ہو اور وہ اسے اچھی طرح کھلائے پلائے اور پھر اس کی بہترین تربیت کرے اور پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کرلے تو اسے بھی دوہرا اجر ملے گا۔ پھر شعبیؒ نے اس خراسانی سے کہا کہ لے یہ حدیث بغیر کسی مشقت ومحنت کے حاصل کرلے، جب کہ پہلے تو آدمی اس سے بھی چھوٹی حدیث کے حصول کے واسطے مدینہ منورہ تک کا سفر کیا کرتا تھا۔

## تشریح

''یا اباعمرو'' یہ شعبی کی کنیت ہے اس خراسانی شخص نے شعبیؒ سے ایک ایسا مسئلہ پوچھا جو خراسان میں عام لوگوں کے ہاں گشت کر رہا تھا کہ اپنی لونڈی آزاد کر کے اس سے نکاح کرنے پر دو اجر کیسے ملتے ہیں جبکہ وہ شخص لونڈی سے جماع کرتا ہے اور لطف اٹھاتا ہے یہ تو ایسا ہوا گویا ''کالراکب بدنہ'' یعنی ایک شخص اپنے اونٹ پر سواری کر رہا ہے تو جو شخص اپنے ہی فائدہ کے لئے اپنے اونٹ پر سواری کر رہا ہے اس میں اس کو دو اجر کیوں ملیں گے؟

شعبی نے جواب میں حدیث سنادی کہ ایسا حدیث سے ثابت ہے کہ دو اجر ملیں گے مزید بحث نہ کرو۔

یہاں ایک جملہ ہے کہ اس کو سمجھنا چاہئے وہ یہ ہے ''اِنَّ مَنْ قِبَلَنَا مِن اهل خراسان'' اس میں لفظ من موصولہ ہے جو الذی کے معنی میں ہے قبلنا کا مطلب یہ ہے کہ ہماری طرف ایسے لوگ ہیں ''من اهل'' میں من بیانیہ ہے جو من موصولہ کے لئے بیان ہے ترجمہ یہ ہے کہ بیشک ہماری طرف خراسان کے کچھ لوگ ایسا کہتے ہیں۔

''ثلاثة يؤتون'' ثلاثة مبتدا ہے اور یؤتون اس کی خبر ہے۔

''رجل من اهل الكتاب'' ای احدهم رجل من اهل الكتاب۔

شارحین کا اس میں اختلاف ہے کہ اہل کتاب سے مراد صرف عیسائی ہیں یا عیسائی اور یہودی دونوں مراد ہیں۔

## اہل کتاب کے مصداق میں اختلاف رائے

امام طحاوی اور حافظ تورپشتی کی رائے یہ ہے کہ اس حدیث میں اہل کتاب سے صرف عیسائی مراد ہیں۔
مگر شاہ عبدالعزیز اور علامہ طیبی کی رائے یہ ہے کہ اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ دونوں مراد ہیں دونوں طرف دلائل ہیں

## دلائل

حافظ تورپشتی اور امام طحاوی وغیرہ کے پاس نقلی دلیل وہ روایات ہیں جن میں تصریح موجود ہے کہ اہل کتاب سے مراد نصاریٰ ہیں مثلاً بخاری کی روایت ہے "اذا امن بعیسیٰ ثم امن بی فلہ اجران"۔ (بخاری ج اص ۴۹۰)
نیز ایک اور روایت میں ہے "الذی امن بعیسیٰ ثم ادرک زمان نبینا محمد فآمن بہ"۔
ان حضرات نے عقلی دلیل بھی پیش کی ہے وہ یہ کہ یہود نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا وہ کافر ہوگئے لہٰذا ان کا وہ ایمان ختم ہوگیا جو حضرت موسیٰ پر لائے تھے تو "آمن بنبیہ" کی صفت ختم ہوگئی اب اگر وہ مسلمان ہوتے ہیں تو "امن بنبیہ" کی شرط نہ ہونے کی وجہ سے ان کو دوہرا اجر کیسے مل سکتا ہے؟ لہٰذا اہل کتاب سے یہود مراد نہیں ہو سکتے ہیں بلکہ اس ڈبل ثواب سے وہ عیسائی بھی محروم ہیں جو تثلیث کے قائل ہیں ہاں اس سے عیسائیوں کے وہ بقایاجات مراد ہیں جو سابقہ عیسائیت پر قائم تھے اور پھر حضور اکرم پر ایمان لائے۔ امام طحاوی نے مشکل الآثار میں اپنے مدعا پر کئی روایات نقل کرنے کے بعد یہ روایت نقل فرمائی ہے۔
"عن عیاض بن حمار المجاشعیؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ عزوجل اطلع علی عبادہ فمقتہم عربہم و عجمہم الابقایا من اھل الکتاب"
خلاصہ یہ کہ اہل کتاب عام نہیں بلکہ خاص ہے۔ شاہ عبدالعزیز اور علامہ طیبیؒ اپنے استدلال میں فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں اہل کتاب کا لفظ عام استعمال ہوتا ہے جس سے یہود و نصاریٰ دونوں مراد لیے جاتے ہیں۔ ملا علی قاری ان حضرات کی موافقت میں یہ آیت نقل کرتے ہیں:

﴿الذین آتیناھم الکتاب من قبلہ ھم بہ یؤمنون اولئک یؤتون اجرھم مرتین بما صبروا﴾
ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہاں "اھل الکتاب" سے مراد تورات وانجیل ہے اور اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اس میں ایک فائدہ اور بھی ہے کہ جن یہود تک حضرت عیسیٰ کی دعوت نہیں پہنچی تھی اور وہ اپنے دین پر صحیح طور پر قائم تھے اور پھر انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور ان پر ایمان لائے تو وہ لوگ دو اجر کے مستحق بن جائیں گے جس طرح یمن کے بعض یہودی ایسے تھے لہٰذا اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ دونوں مراد ہیں اور نصوص سے متبادر یہی ہے اور ان شاء اللہ یہی راجح ہوگا۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ

آیت عبداللہ بن سلام اور سلمان فارسی کے بارے میں اتری ہے ان میں سے اول الذکر یہودی تھے اور ثانی الذکر عیسائی تھے لہذا عموم لینا زیادہ بہتر ہے۔ بعض شارحین کہتے ہیں کہ علماء کرام کا ایک طبقہ اس طرف گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی شریعت حضرت موسیٰ کی شریعت کے لئے ناسخ نہیں تھی کیونکہ حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کے ایک محدود طبقہ کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے لہذا جن یہود نے آپ کی شریعت کو قبول نہیں کیا وہ کافر نہیں ہوئے لہذا وہ دوہرے اجر کے مستحق ہونگے اسی طرح جن عیسائیوں نے کسی نبی کا انکار نہیں کیا اور حضرت عیسیٰ کو نبی مانتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے وہ بھی دوہرے اجر کے مستحق ہونگے یہود و نصاریٰ کو دو اجر ملنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر اپنے پہلے مرکز ایمان کے بعد نئے مرکز ایمان کو قبول کیا یہ مذہب کا معاملہ ہے جو اتنا آسان نہیں ہے اس لئے ثواب زیادہ ہے ان تین اشخاص میں سے دوسرا شخص وہ مملوک غلام ہے جو مسلمان ہو کر اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کر رہا ہے اور اپنے مولیٰ کی خدمت کا حق بھی ادا کر رہا ہے لہذا اس کو بھی دوہرا ثواب ملتا ہے۔

''ورجل کانت لہ امۃ'' یعنی لونڈی کو پالا کھلایا پلایا بہترین تعلیم و ادب اور ہنر سے اس کو آراستہ کیا پھر اس کو آزاد کیا اور پھر اس کو اپنے گھر کی ملکہ بنا کر اس سے نکاح کیا اس بے آسرا لونڈی کو اس عالیشان مقام دینے پر دو اجر ملیں گے اگرچہ وہ شخص اس سے وطی اور جماع بھی کرتا ہے مگر پھر بھی یہ اجر ملیگا۔

''فلہ اجران'' ایک اجر تو لونڈی کی تعلیم و تربیت اور ادب سکھانے پر ملا اور دوسرا اجر آزاد کرنے اور پھر نکاح کرنے اور گھر کی ملکہ بنانے پر ملا بعض علماء نے کہا ہے کہ ایک اجر آزاد کرنے پر ملا اور دوسرا اجر نکاح کرنے پر ملا کیونکہ تعلیم و تربیت اور ادب سکھانا تو ویسے بھی ہر انسان کا حق ہے۔ بہرحال یہاں اہتمام کے ساتھ ''فلہ اجران'' کا اعادہ کیا گیا تا کہ یہ وہم نہ رہے کہ لونڈی سے تو یہ شخص فائدہ بھی اٹھا رہا ہے جماع بھی کر رہا ہے پھر دو اجر کیوں ملتے ہیں۔

## سوال

یہاں ایک مشہور اعتراض ہے وہ یہ کہ ان اشخاص کو اگر دو اجر ملتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دو بڑے کام کیے تو جو شخص بھی دو نیکیاں کرتا ہے اس کو دو ثواب ملتے ہیں پھر ان اشخاص کی کیا خصوصیت ہے؟۔

## جواب

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ دو اجر اصل ثواب سے زائد ہیں ثواب کا اصل قاعدہ تو وہی ہے کہ ایک نیکی کے بدلے دس ثواب ہیں سات سو تک بھی جاتا ہے یہاں دو اجر اس پر مستزاد ہیں۔

## دوسرا جواب

یہ ہے کہ ان تین اشخاص کا ہر عمل دوہرے ثواب کا باعث ہے یعنی نماز ایک پڑھی وہ دو کے قائم مقام ہوگی تو عام لوگوں کی اگر ایک

نماز دیں کے قائم مقام ہے تو اسکی نماز بیس کے قائم مقام ہوگی۔

## تیسرا جواب

یہ ہے کہ یہ ثواب صرف ان اعمال پر ملتا ہے کہ جس میں عمل کا ٹکراؤ ہو مثلاً ایک نبی پر ایمان کے بعد اس کے مذہب کو چھوڑ کر نئے برحق نبی کی مذہب کو اپنانا یہ آسان کام نہیں ہے۔

اسی طرح ایک غلام دو آقاؤں کے احکامات کو مانتا ہے تو ایک آقا مثلاً نماز کا حکم دیتا تو دوسرا کہتا ہے کہ پہلے میرا کام کرو اب دونوں کاموں میں ٹکراؤ ہے اس پر عمل کرنا کتنا دشوار ہوتا ہے اسی طرح لونڈی کو بیوی بنا کر سابقہ بیوی کے برابر لا کر بٹھانا کتنا مشکل کام ہے تو ایسے ٹکراؤ والے امور پر یہ دوہرا اجر ملتا ہے، عام اعمال کی بات نہیں ہے یہ بھی ایک توجیہ ہے مگر حدیث کو عام رکھنا زیادہ بہتر ہے۔

''ثم قال الشعبی ''یعنی شعبی نے اس خراسانی شاگرد سے کہا کہ یہ حدیث مفت میں لے جاؤ مجھے ثواب تو ملیگا مگر تجھ سے کوئی معاوضہ نہیں لیتا پہلے تو لوگ دور دراز علاقوں سے اونٹوں پر سوار ہوکر بڑے خرچے کر کے ایک حدیث کے لئے مدینہ کا سفر کیا کرتے تھے تجھے یہ حدیث مفت میں مل گئی۔

علامہ ابی لکھتے ہیں کہ حضرت جابر نے صرف ایک حدیث کے لئے ایک مہینہ کا طویل سفر کیا حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ میں بھی ایک حدیث کے لئے کئی کئی دن کا سفر کرتا ہوں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو کسی نے اس کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ تیرے ساتھ رب تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا تو کہنے لگے کہ ایک حدیث کے لئے میں نے سفر کیا تھا اس سفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت کردی۔

۳۸۸۔ **وَحَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِى شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ اَبِى عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ح وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا اَبِى حَدَّثَنَا شُعْبَةُ كُلُّهُمْ عَنْ صَالِحِ بْنِ صَالِحٍ بِهٰذَاالْاِسْنَادِ نَحْوَهُ۔

یعنی اس سند سے بھی سابقہ روایت منقول ہے۔

## باب نزول عيسى ابن مريم حاكما بشريعة نبينا محمد صلى الله عليه وسلم

## شریعت محمدیہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے سات احادیث کو نقل کیا ہے۔

۳۸۹۔ **حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ رُمْحٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَاهُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِى نَفْسِى بِيَدِهٖ لَيُوشِكَنَّ اَنْ يَنْزِلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُقْسِطًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيرَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَيَفِيضُ الْمَالُ حَتّٰى لَا يَقْبَلَهُ اَحَدٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، بہت قریب ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تمہارے درمیان نزول فرمائیں گے حاکم اور انصاف کرنے والے بن کر۔ پھر وہ صلیب کو توڑ دیں گے خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ موقوف کردیں گے اور مال بہت پھیلادیں گے یہاں تک کہ کوئی اسے قبول کرنے والا نہ ہوگا۔

## تشریح

''ان ینزل فیکم ابن مریم '' یعنی قسم بخدا عنقریب اس امت کے آخری حصہ میں مریم کا بیٹا یعنی عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونگے۔

## نزول عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ

نزول عیسیٰ کا عقیدہ اسلام کے بنیادی اساسی عقائد میں سے ایک عقیدہ ہے اس کا انکار ایک مسلمان نہیں کرسکتا ہے جو کوئی انکار کریگا گمراہ ہوجائیگا حضرت عیسیٰ نے آنحضرت کے امتی بننے کی دعا مانگی تھی جو قبول ہوگئی اور آپ کو آسمانوں پر اُٹھایا گیا دوسرے آسمان پر آپ کا قیام ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرشتوں کی صفات سے متصف کردیا اور بشریت کی صفات ان سے سلب کردیں اس لئے وہاں نہ کھانا پینا ہے اور نہ بشریت کا کوئی تقاضا ہے آپ کو آسمان پر اُٹھائے جانے کا قصہ اس طرح ہے کہ وقت کے بادشاہ نے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیدیا۔ یہود نے آپ کا تعاقب کیا جبریل امین ابتدائے پیدائش سے آپ کے ساتھ رہتے تھے یہود سے بچنے کے لئے آپ ایک مکان میں جاکر چھپ گئے۔ حیات الحیوان میں لکھا ہے کہ ایک عیسائی نے تیس روپے لے کر آپ کی مخبری کردی یہود نے اس مکان کا محاصرہ کیا اور اپنے ایک آدمی کو اندر بھیجا حضرت جبریل نے آپ کو مکان کی چھت کے راستے سے آسمان پر اُٹھالیا اور اندر داخل ہونے والے یہودی شخص پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی شبیہ ڈالدی جب وہ اندر سے نکلا تو باہر کے لوگوں نے اسے حضرت عیسیٰ سمجھ کر قتل کردیا اور اپنے ساتھی کو تلاش کرنے کے لئے مکان میں داخل ہوگئے مکان خالی تھا تو یہود نے کہا کہ اگر ہم نے عیسیٰ کو مارا ہے تو ہمارا ساتھی کہاں گیا اور اگر ہم نے اپنے ساتھی کو مارا ہے تو عیسیٰ کہاں گئے یہی شبہ اس وقت سے آج تک چل رہا ہے یہود کے علاوہ عیسائی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مختلف طبقات میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک طبقہ کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ سولی پر لٹکائے گئے ہیں اور وہ پوری انسانیت کے لئے گناہوں کا کفارہ بن گئے حتی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش بھی اس سے معاف ہوگئی ان عیسائیوں کا خیال ہے کہ ان کے گناہ نہیں لکھے جاتے ہیں اور نہ عبادت کی ضرورت ہے۔ عیسائیوں کے دوسرے طبقے کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ مردہ حالت میں آسمانوں پر اُٹھائے گئے ہیں۔
عیسائیوں کے تیسرے طبقے کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ زندہ حالت میں آسمانوں پر اُٹھائے گئے ہیں اس طبقے کا خیال اس عقیدہ

کے موافق ہے جو مسلمانوں کا عقیدہ ہے قرآن عظیم کا واضح اعلان ہے کہ ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ مسلمانوں کے ہاں حضرت عیسیٰ دوبارہ آسمان سے نزول فرمائیں گے وہ قیامت کی علامات کبریٰ میں سے ہیں قرآن کریم میں ہے ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا﴾ یعنی حضرت عیسیٰ قیامت کی علامت ہے اس میں شک نہ کرو۔ بہر حال ظہور مہدی سے قیامت کی بڑی علامات شروع ہونگی حضرت عیسیٰ ظہور مہدی کے سات سال بعد نزول فرمائیں گے حضرت مہدی قسطنطنیہ پر فوج کشی کریں گے اس وقت افواہ پھیل جائے گی کہ دجال آگیا حضرت مہدی آدمی بھیجیں گے مگر یہ خبر جھوٹی ہوگی پھر دوبارہ اطلاع آجائے گی کہ دجال آگیا ہے حضرت مہدی اپنا کام موقوف کریں گے کہ اب حضرت عیسیٰ دجال کا مقابلہ کریں گے حضرت عیسیٰ دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ ڈالے ہوئے دمشق کے مشرقی مینار پر اتر آئیں گے نیچے چونکہ عالم اسباب کا عالم ہے اس لئے آپ مینار کے پاس سے سیڑھی منگا کر اس پر اتریں گے جمعہ کا دن ہوگا عصر کی نماز تیار ہوگی حضرت مہدی امامت کے لئے کہیں گے تو حضرت عیسیٰ فرمائیں گے کہ امامت وقیادت تمہاری ہے میں ایک خاص کام کے لئے آیا ہوں عصر کی نماز کے بعد حضرت عیسیٰ میدان کارزار میں اتر جائیں گے جہاں تک آپ کی نگاہ جائے گی اس سے کفار مرجائیں گے مگر دجال نہیں مریگا تاکہ اپنے ہاتھ سے حضرت عیسیٰ اس کو قتل کردیں دل بھی ٹھنڈا ہوجائے گا اور شبہ بھی نہیں رہیگا کہ خود دجال مرگیا یا کسی اور نے مارا "باب لُد" جو اسرائیل میں تل ابیب کے پاس ایک جگہ ہے وہاں دجال مارا جائے گا آج کل وہاں "الــد" کے نام سے ایئر پورٹ موجود ہے اور دجال کو بچانے بھگانے کے لئے ایک جہاز تیار کھڑا ہے۔ حضرت مہدی کی افواج اور حضرت عیسیٰ مل کر یہود کو قتل کریں گے ایک یہودی باقی نہیں رہیگا بلکہ کوئی کافر زندہ نہیں بچے گا یا اسلام یا موت کا نعرہ بلند ہوگا کفار کے خاتمہ پر جزیہ کا نظام ختم ہوجائے گا حضرت مہدی آٹھواں سال امور مملکت کے انتظام میں گذاریں گے اور نویں سال میں آپ کا انتقال ہوجائیگا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام عام قیادت کو سنبھال لیں گے مسلم شریف جلد ثانی میں مزید تفصیلات آئیں گی، اگر بندہ ناچیز زندہ رہا ورنہ توضیحات میں تفصیل لکھی جاچکی ہیں۔

"لیوشکن" او شک افعال مقاربہ سے ہے یعنی عنقریب ایسا ہوکر رہیگا "فیکم" یہ خطاب اگرچہ صحابہ کرام کو ہے مگر اس سے امت محمدیہ مراد ہے "ابن مریم" قرآن کریم میں تقریباً تیس مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو ابن مریم سے یاد کیا ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہیں بلکہ مریم کا بیٹا ہے نیز یہ اشارہ ہے کہ وہ "الٰہ" نہیں بلکہ ایک عورت کے بطن سے پیدا شدہ ایک انسان ہے نیز یہ اشارہ ہے کہ حضرت مریم اللہ تعالیٰ کی بندی ہے اللہ کی بیوی نہیں اگر بیوی ہوتی تو مجالس میں اس طرح بیوی کا نام نہیں لیا جاتا ان اشاروں میں عیسائیوں کے کئی غلط عقائد پر واضح رد موجود ہے۔

"حکما" یہ حاکم کے معنی میں ہے یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے دین کی تجدید کا کام کریں گے حضرت عیسیٰ نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ آنحضرت کے ایک امتی کی حیثیت سے آئیں گے اور شریعت کے تابع ہونگے

اگر چہ آپ کی نبوت آپ کے پاس ہوگی وہ آپ سے سلب نہیں ہوگی۔

''فیکسر الصلیب''صلیب چونکہ عیسائیوں کا مذہبی شعار بلکہ ان کے معبود کے درجے میں ہے اس لئے صلیب کا توڑنا ان کی کمر توڑنا ہے جس سے ان کی انتہائی تذلیل ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر طاقت ہو تو منکرات کے آلات کا توڑنا جائز ہے۔

''ویقتل الخنزیر''خنزیر بھی نصاریٰ کا محبوب حیوان ہے اور ان کا قومی نشان ہے اس کے قتل سے بھی نصاریٰ کی تذلیل مقصود ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسانوں میں مبغوض ترین لوگ یہود ہیں اور جانوروں میں مبغوض ترین جانور خنزیر ہے مسلمانوں کی شرعی ذمہ داری ہے کہ جہاں خنزیر آئے اسے قتل کردیں۔

''ویضع الجزیۃ''یعنی جزیہ کو موقوف کریں گے کیونکہ جب کسی کافر کو ذمی کی حیثیت سے باقی رکھنا نہیں ہے تو جزیہ کیسے باقی رہ سکتا ہے حضرت عیسیٰ شریعت کے کسی حکم کو منسوخ نہیں کرسکتے ہیں لہٰذا جزیہ کی منسوخی کا یہ حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے یا انتہائے حکم بسبب انتہاء علت ہے یعنی کافر نہیں رہا تو جہاد نہ رہا تو جزیہ نہ رہا۔

غلام محمد قادیانی دجال نے کہا کہ حضرت عیسیٰ مرچکے ہیں اور کشمیر میں ان کی قبر ہے اور احادیث میں جس مسیح موعود کے نزول کا تذکرہ ہے وہ مسیح موعود میں ہوں لہٰذا میں جزیہ اور جہاد کو منسوخ کرتا ہوں تحفہ گولڑویہ میں اس دجال نے اس طرح اشعار گائے ہیں۔

| | |
|---|---|
| اب چھوڑ دو اے دوستو! جہاد کا خیال | دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال |
| اب آگیا مسیح جو دین کا امام ہے | دین کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے |
| اب آسمان سے نور خدا کا نزول ہے | اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے |
| دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد | منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد |

اس دجال نے یہاں نبی کے لفظ سے خود اپنے آپ کو مراد لیا ہے۔

''ویفیض المال''فاض یفیض بہنے کے معنی میں ہے المال اس فعل کا فاعل ہے یعنی مال سیلاب کی طرح بہنے لگ جائے گا اس کی وجہ برکات کی کثرت ہوگی نیز قرب قیامت کی وجہ سے لوگ مال میں دلچسپی نہیں لیں گے نیز زمین اپنے سارے خزانے باہر پھینک دیگی تو مال عام ہوجائے گا۔

۳۹۰۔ **وَحَدَّثَنَاهُ** عَبْدُالْاَعْلٰی بْنُ حَمَّادٍ وَاَبُوْبَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَزُهَیْرُبْنُ حَرْبٍ قَالُوْاحَدَّثَنَا سُفْیَانُ ابْنُ عُیَیْنَۃَ ح: وحَدَّثَنِیْهِ حَرْمَلَۃُ بْنُ یَحْیٰی اَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ یُوْنُسُ ح: وَحَدَّثَنَا حَسَنٌ الْحُلْوَانِیُّ وَعَبْدُبْنُ حُمَیْدٍ عَنْ یَعْقُوْبَ بْنِ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا اَبِیْ عَنْ صَالِحٍ کُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِیِّ بِهٰذَاالْاِسْنَادِ وَفِیْ رِوَایَۃِ ابْنِ عُیَیْنَۃَ اِمَامًا مُقْسِطًا وَحَکَمًا عَدْلًا وَفِیْ رِوَایَۃِ یُوْنُسَ حَکَمًا عَادِلًا وَلَمْ یَذْکُرْ اِمَامًا مُقْسِطًا وَفِیْ حَدِیْثِ صَالِحٍ حَکَمًا

مُقْسِطًا كَمَاقَالَ اللَّيْثُ وَفِي حَدِيثِهِ مِنَ الزِّيَادَةِ وَحَتّٰى تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيهَا ثُمَّ يَقُولُ أَبُوهُرَيْرَةَ اقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ ﴿وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾ (النساء: ۱۵۹) الآية۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہے راویوں کے بعض مختلف الفاظ کے ذکر کے ساتھ، اس میں اتنا زائد ہے کہ فرمایا: اس وقت ایک سجدہ کرنا دنیا و مافیہا سے زیادہ بہتر ہوگا اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے بعد فرماتے تھے کہ اگر تم چاہو تو قرآن کریم کی یہ آیت پڑھ لو، اور کوئی نہیں اہل کتاب میں سے مگر یہ کہ وہ ان کی موت سے قبل ان پر ایمان ضرور لائے گا۔

## تشریح

''السجدة الواحدة خيرا'' چونکہ قرب قیامت کا وقت ہوگا لوگ آسودہ حال بھی ہونگے لہٰذا اخلاص اور یکسوئی کی وجہ سے پُر سکون سجدہ ہوگا عبادات میں لوگوں کا عظیم شوق بھی ہوگا سجدہ سے پوری نماز بھی مراد ہوسکتی ہے۔

''قبل موته'' یہاں ''ہ'' کی جو ضمیر ہے اس کے مرجع میں دو احتمال ہیں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد سارے عیسائی اور یہودی ان پر ایمان لائیں گے کیونکہ اس وقت جزیہ قبول نہیں ہوگا تو یا اسلام ہوگا اور یا موت ہوگی تو سب یہود و نصاریٰ حضرت عیسیٰ پر ان کی موت سے پہلے ایمان لائیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور حضرت مریم کے بیٹے ہیں اور برگزیدہ رسول ہیں۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ ''موته'' میں ضمیر عام اہل کتاب کی طرف لوٹ رہی ہے مطلب یہ ہوگا کہ جب کسی کتابی کی موت کا وقت آئیگا تو تکوینی طور پر وہ اقرار کریگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں اور حضرت مریم کے بیٹے ہیں مگر یہ ایمان چونکہ حالت نزع کے وقت ہوگا اس لئے اس کا فائدہ اور اعتبار نہیں ہوگا۔ علامہ نوویؒ نے اس احتمال کو راجح قرار دیا ہے اور فرمایا کہ ایک قرأت میں ''قبل موتهم'' ہے جو اس احتمال کی تائید ہے۔

۳۹۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ مِينَاءَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ! لَيَنْزِلَنَّ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَادِلًا فَلَيَكْسِرَنَّ الصَّلِيبَ وَلَيَقْتُلَنَّ الْخِنْزِيرَ وَلَيَضَعَنَّ الْجِزْيَةَ وَلَتُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَايُسْعٰى عَلَيْهَا وَلَتَذْهَبَنَّ الشَّحْنَاءُ وَالتَّبَاغُضُ وَالتَّحَاسُدُ وَلَيَدْعُوَنَّ إِلَى الْمَالِ فَلَايَقْبَلُهُ أَحَدٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم! ابن مریم علیہ السلام ضرور نزول کریں گے انصاف کرنے والے حاکم بن کر، پھر وہ صلیب کو ضرور توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ

کو موقوف کردیں گے اور اونٹنیوں کو بے رغبتی کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے گا اس پر کوئی محنت مشقت نہیں کی جائے گی۔ اور البتہ لوگوں کے دلوں سے کینہ، بغض، حسد وغیرہ نکل جائیں گے اور وہ لوگوں کو مال لینے کے لئے بلایا جائے گا مگر کوئی اسے قبول کرنے والا نہ ہوگا۔

## تشریح

''حکما'' ان احادیث میں لفظ حکم یہ حاکم کے معنی میں ہے فیصلہ کرنے کے معنی میں ہے یعنی شریعت محمدیہ کے مطابق فیصلے کریں گے نئی شریعت نہیں لائیں گے بلکہ سابق شریعت کی تجدید فرمائیں گے۔

''لتترکن'' لام ابتدائیہ تاکید کے لئے ہے نون تاکید ثقیلہ کے ساتھ مجہول کا صیغہ ہے چھوڑنے کے معنی میں ہے۔

''القلاص'' جوان اور نہایت مرغوب محبوب اونٹنیوں کو قلاص کہتے ہیں کہ کثرت اموال کی وجہ سے اور لوگوں کی عدم رغبت کی وجہ سے اور قرب قیامت کی وجہ سے لوگ اس طرح اونٹنیوں کی طرف توجہ نہیں کریں گے بلکہ نگرانی کے بغیر چھوڑ دیں گے ''فلا یسعی علیھا'' کا یہی مطلب ہے اور دوسری آیت ﴿واذا العشار عطلت﴾ یہ بھی اسی منظر کی طرف اشارہ ہے۔

''الشحنا'' حسد اور کینہ کے معنی میں ہے اموال کی حرص سے حسد پیدا ہوتا ہے جب مال کی پرواہ نہیں تو حسد کرنے کی کیا ضرورت ہوگی۔

''ولیدعون'' یعنی مال کی طرف بلانے اور رغبت دلانے پر بھی کوئی مال کو قبول نہیں کریگا، نہ مال کی محبت ہوگی نہ رغبت ہوگی نہ حاجت ہوگی قرب قیامت ہوگی تو یہ حالت ہوگی۔

۳۹۲۔ **حَدَّثَنِیْ** حَرْمَلَۃُ بْنُ یَحْیٰی اَخْبَرَنَا اَبُوْ وَھْبٍ اَخْبَرَنِیْ یُوْنُسُ عَنْ اِبْنِ شِھَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ نَافِعٌ مَوْلٰی اَبِیْ قَتَادَۃَ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّ اَبَاھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ ؟۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا کیا حال ہوگا جب ابن مریم تمہارے درمیان نازل ہوں گے اور تم میں سے تمہارے امام ہوں گے۔

۳۹۳۔ **وَحَدَّثَنِیْ** مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا یَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ حَدَّثَنَا اِبْنُ اَخِیْ اِبْنِ شِھَابٍ عَنْ عَمِّہٖ قَالَ اَخْبَرَنِیْ نَافِعٌ مَوْلٰی اَبِیْ قَتَادَۃَ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّہٗ سَمِعَ اَبَاھُرَیْرَۃَ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ فَاَمَّکُمْ ؟۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا کیا حال ہوگا جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تمہارے درمیان اتریں گے اور تمہاری امامت کریں گے۔

## تشریح

''کیف انتم'' اس میں خوشحالی کی طرف اشارہ ہے کہ تم کس خوش عیشی اور مزوں میں ہونگے دین کا نفاذ ہوگا دین کا غلبہ ہوگا حضرت مہدی بھی ہونگے اور حضرت عیسیٰ بھی ہونگے قیادت وسیادت تمہارے ہاتھ میں ہوگی کیونکہ حضرت عیسیٰ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی تمنا اور دعا کی تھی۔ وہ ایک امتی کی حیثیت سے آئیں گے تاکہ 'علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل'' کی جھلکی دیکھ لیں امام تو تمہارا اپنا ہوگا۔

''فامکم''

## سوال

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ امامت کرائیں گے اس سے پہلے مذکور ہے کہ امامکم منکم یہ تعارض ہے۔

## جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں اقوال کے زمانے الگ الگ ہیں جب امام مہدی زندہ ہونگے تو امامکم منکم کا زمانہ ہوگا اور جب ان کا انتقال ہو جائیگا تو ''امکم'' کا زمانہ ہوگا۔

## دوسرا جواب

یہ ہے کہ امامت دو قسم پر ہے ایک امامت صغریٰ ہے جو نماز کی امامت ہے اور ایک امامت کبریٰ ہے جو قیادت وسیادت وبادشاہت کی امامت ہے تو امامکم منکم میں امامت صغریٰ کی طرف اشارہ ہے اور ''وامکم'' میں امامت کبریٰ کی طرف اشارہ ہے لیکن یہ بھی اپنے اپنے زمانے میں ہوگی ساتھ والی روایت میں ابن ابی ذئب نے جو کچھ کہا ہے وہ اسی دوسری توجیہ کی طرف اشارہ ہے اور یہی مطلب انہوں نے بیان کیا ہے تو ''امامکم منکم'' کا مصداق امام مہدی ہے اور امکم کا مصداق حضرت عیسیٰ ہیں پہلی امامت صغریٰ ہے دوسری امامت کبریٰ ہے مگر اپنے اپنے وقت میں۔

۳۹۴۔ **وَحَدَّثَنِي** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنِي الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ فَأَمَّكُمْ مِنْكُمْ؟ فَقُلْتُ لِابْنِ أَبِي ذِئْبٍ إِنَّ الْأَوْزَاعِيَّ حَدَّثَنَا عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ نَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ قَالَ ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ تَدْرِي مَا أَمَّكُمْ مِنْكُمْ؟ قُلْتُ تُخْبِرُنِي قَالَ فَأَمَّكُمْ بِكِتَابِ رَبِّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ وَسُنَّةِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے کیا حال ہوگا جب ابن مریم تمہارے درمیان نازل ہوں گے اور تم میں سے تمہاری امامت کریں گے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی

ذئب سے کہا کہ بے شک اوزاعیؒ نے یہ حدیث ہمیں عن زهری عن نافع عن ابوھریرہ رضی الله عنه کے طریق سے بیان کی اور اس میں فرمایا کہ کہ ابن مریم تمہارے امام ہوں گے تم میں سے۔ ابن ابی ذئب نے کہا کہ تم جانتے ہو کہ تم میں سے تمہارے امام ہوں گے کا کیا مطلب ہے؟ میں نے کہا کہ آپ بتلایئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ تمہارے پروردگار عزوجل کی کتاب اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق تمہاری امامت وقیادت کریں گے۔

۳۹۵۔ **حَدَّثَنَا** الْوَلِيدُ بْنُ شُجَاعٍ وَهَارُونُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ وَحَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالُوا حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ وَهُوَ ابْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ قَالَ فَيَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُولُ أَمِيرُهُمْ تَعَالَ صَلِّ لَنَا فَيَقُولُ لَا إِنَّ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ أُمَرَاءُ تَكْرِمَةَ اللّٰهِ هٰذِهِ الْأُمَّةَ ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کو یہ فرماتے ہوئے سنا میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت حق پر قتال کرتی رہے گی اور غالب رہے گی قیامت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو ان مجاہدین کے امیر کہیں گے حضرت عیسیٰ سے کہ تشریف لایئے اور ہمیں نماز پڑھایئے۔ پھر حضرت عیسیٰ فرمائیں گے کہ نہیں! بے شک تم میں سے بعض بعض پر امیر ہیں۔ اور یہ اللہ کی طرف سے اس امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کا خاص اعزاز ہوگا۔

## تشریح

''لاتزال طائفة من امتی'' اس سے مجاہدین کا طائفہ منصورہ مراد ہے اس کا مقام وٹھکانہ ایک جگہ نہیں بلکہ مشرق ومغرب میں مختلف مقامات میں ان کی کارروائیاں ہونگی آخر زمانہ میں دجال کے ساتھ اس طائفہ کا مقابلہ ہوگا جہاد کی قیادت حضرت عیسیٰ ومہدی کریں گے تو یہ طائفہ قیامت کے قرب تک باقی رہیگا اور جب قیامت کا فیصلہ ہوجائے گا تو یہ طائفہ معدوم ہوجائے گا اور زمین پر اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہیں رہیگا۔ ''فیقول امیرھم'' یعنی حضرت مہدی جو امیر ہونگے وہ حضرت عیسیٰ کو دعوت دیں گے کہ آپ نماز پڑھائیں وہ فرمائیں گے کہ نہیں بلکہ امامت صغری وکبری دونوں تمہارے پاس رہیگی۔ ''تکرمة الله هذه الامة'' تکرمة مصدر ہے جو مضاف ہے فاعل کی طرف جو لفظ اللہ اور ''هذه الامة'' محل نصب میں ہے جو اس کے لئے مفعول بہ ہے مطلب یہ ہے کہ امامت صغری وکبری دونوں اس امت کے قائد کے پاس ہونگی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کے لئے اعزاز واکرام ہے ہاں جب قائد کا انتقال ہوجایگا تو پھر قیادت وسیادت حضرت عیسیٰؑ کی طرف منتقل ہوجائے گی نزول عیسیٰؑ سے متعلق اور خروج دجال سے متعلق مزید تفصیلات صحیح مسلم جلد ثانی کتاب الفتن میں انشاء اللہ آئیں گی۔

## باب بیان الزمن الذی لایقبل فیہ الایمان

## وہ زمانہ جس میں ایمان لانے کا اعتبار نہیں ہوتا

اس باب میں امام مسلم نے سات احادیث کو نقل کیا ہے

۳۹۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالُوا حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ يَعْنُونَ ابْنَ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَإِذَا طَلَعَتْ مِنْ مَغْرِبِهَا آمَنَ النَّاسُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ فَيَوْمَئِذٍ ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا﴾۔(الانعام:۱۵۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہو جائے، پھر جب سورج مغرب کی جانب سے طلوع ہو جائے تو تمام کے تمام لوگ ایمان لے آئیں گے۔ پس اس دن کسی انسان کا ایمان لانا اسے نفع نہیں دے گا اس شخص کو جو اس سے قبل ایمان نہ لا چکا ہو یا جس نے اپنے ایمان میں نیک اعمال نہ کیے ہوں۔

### تشریح

''حتی تطلع الشمس من مغربھا'' رات بھر جب سورج کو واپس جانے کی اجازت نہیں ملی گی تو سورج مشرق کی طرف رات بھر کا سفر نہیں ہو سکے گا صبح جب جانے کی اجازت مل جائے گی تو مغرب سے طلوع ہوگا یہ صرف ایک بار ہوگا اس کے بعد سورج معمول کے مطابق طلوع اور غروب ہوتا رہے گا بہر حال تفصیل یوں ہے کہ ایک عالم دنیا ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ انسان تیسرا عالم آخرت ہے انسان عالم دنیا میں اوامر ونواھی کا مکلف ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ انسان پردۂ غیب میں رہے جب پردۂ غیب ہٹ جاتا ہے تو انسان مکلف نہیں رہتا پھر نہ ایمان لانے کا اعتبار ہے اور نہ کسی نیک کام کرنے کا ثواب ہے توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے مثلاً انسان حالت غرغرہ میں جنت کو دیکھے یا دوزخ کو دیکھے یا فرشتہ کو دیکھے یا پردۂ غیب کی کسی چیز کو دیکھے تو اب کسی چیز کا اعتبار نہیں ہوگا زیر بحث حدیث اور اس باب کی تمام احادیث میں یہی بیان کیا گیا ہے مگر یہاں تین بڑی چیزوں کا بیان ہے ایک مغرب سے سورج کا طلوع ہونا دوسرا خروج دجال کا حادثہ واقع ہونا اور تیسرا دابۃ الارض کا ظاہر ہونا یہ چند دیگر اشیاء میں سے تین بڑی اشیاء کا ذکر ہے۔

تو جس طرح حالت غرغرہ میں آدمی مردہ کے حکم میں ہو جاتا ہے اور اس کے کسی عمل کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، اسی طرح طلوع الشمس من المغرب اور خروج الدجال اور ظہور دابۃ الارض بھی آدمی کے لئے موت کی مانند ہے کہ پردہ غیب فاش

ہو جاتا ہے لہٰذا اب نہ توبہ کا اعتبار ہے اور نہ ایمان کا اعتبار ہے۔حضرت انور شاہ کاشمیریؒ سے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم میں یہ بات نقل کی ہے کہ ان تینوں علامات کے ظاہر ہونے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہوگا۔

''آمن الناس ''یعنی سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے لیکن اس وقت کے ایمان کا کوئی اعتبار اور فائدہ نہیں ہوگا۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ قیامت کی امارات اور علامات دو قسم پر ہیں ایک قسم تو قرب قیامت کی علامات ہیں اور دوسری قسم عین قیامت کی علامات ہیں پہلی قسم میں خروج الدجال یاجوج وماجوج نزول عیسیٰ علیہ السلام اور اطراف عالم میں زمین کا دھنسنا اور پھٹنا ہے اور دوسری قسم قیامت کے وقت دھواں کا اُٹھنا اور مغرب سے سورج کا نکلنا اور دابۃ الارض کا نکلنا اور اس آگ کا ظاہر ہونا جو لوگوں کو محشر کی طرف ہنکا دے گی۔

''او کسبت فی ایمانہا خیراً ''اس ایت سے معتزلہ نے اپنے باطل نظریہ کے اثبات کے لئے استدلال کیا ہے کہ مرتکب کبیرہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہیگا طرز استدلال اس طرح ہے کہ جب علامات قیامت کا ظہور ہو جائے گا اور پردۂ غیب اُٹھ جائے گا تو اب کسی شخص کو اس حالت میں ایمان لانا فائدہ نہیں دیگا جبکہ پہلے سے اس میں ایمان نہ ہو نیز اس شخص کو وہ ایمان بھی فائدہ نہیں دیگا جبکہ اس نے اس ایمان میں کوئی نیک کام نہ کیا ہو دونوں قسم کے لوگ برابر ہیں اور دونوں مخلد فی النار ہیں تو نیک کام جس کے ایمان میں نہ ہو وہ مرتکب کبیرہ ہے لہٰذا مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا معتزلہ اپنے باطل نظریہ کے لئے یہ ایت سب سے زیادہ مضبوط دلیل تصور کرتے ہیں۔

## الجواب

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک مرتکب کبیرہ کافر کی طرح مخلد فی النار نہیں ہے بلکہ سزا بھگتنے کے بعد دوزخ سے نکل آئے گا وہ کہتے ہیں کہ معتزلہ نے اس ایت سے غلط استدلال کیا ہے ایت کا مطلب یہ ہے کہ جب علامات قیامت کا ظہور ہو جائے گا اور پردۂ غیب اُٹھ جائے گا تو اس وقت نہ نئے سرے سے کسی کے ایمان کا اعتبار ہے اور نہ کسی کے عمل صالح کا اعتبار ہے توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا فرشتوں کے لکھنے کا ضابطہ ختم ہو جائے گا رجسٹر بند ہو جائیں گے یہ ایسا ہی ہے جس طرح حالت غرغرہ میں نہ کسی کے عمل صالح کا اعتبار ہے اور نہ ایمان کا اعتبار ہے۔حالت غرغرہ میں تو فرعون نے بھی کھل کر ایمان کا اقرار کیا تھا مگر وہ معتبر نہیں ہوا صحیح حدیث موجود ہے کہ ''تقبل توبۃ العبد مالم یبلغ الغرغرۃ''۔ (فتح الملہم)

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ

لَایَنفَعُ نَفساً اِیمَانُهَا لَم تَکُن اٰمَنَت قَبلَ ظُهُورِ الاٰیَةِ وَلَایَنفَعُ نَفسًا کَسبُهَا العَمَلَ الصَّالِحَ مَاکَسَبَت قَبلَ ظُهُورِ الاٰیَةِ۔

یعنی ظہور علامت کے وقت اور حالت غرغرہ میں نہ ایمان کا اعتبار ہے اور نہ عمل صالح کا اعتبار ہے اس سے پہلے ایمان بھی معتبر ہے

اور عمل صالح بھی معتبر ہے ظہور علامت اور حالت غرغرہ سے پہلے اگر ایمان کے ساتھ عمل صالح نہ ہو اور آدمی مرتکب کبیرہ ہو تو اس سے ایت کا کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا معتزلہ کا اس ایت سے استدلال باطل ہے۔

۳۹۷۔حَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِبْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَابْنُ نُمَيْرٍ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالُوا حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ ح وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ كِلَاهُمَا عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح وَحَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِبْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ ذَكْوَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علاء بن عبد الرحمٰن والی روایت کی طرح نقل کیا ہے۔

۳۹۸۔حَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِبْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُبْنُ حَرْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ح وَحَدَّثَنِيهِ زُهَيْرُبْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ يُوسُفَ الْأَزْرَقُ جَمِيعًا عَنْ فُضَيْلِ بْنِ غَزْوَانَ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَاللَّفْظُ لَهُ أَخْبَرَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ إِذَا خَرَجْنَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَالدَّجَّالُ وَدَابَّةُ الْأَرْضِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین علامات وہ ہیں جن کے ظہور پذیر ہونے کے بعد کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان فائدہ نہیں پہنچائے گا جس نے اس سے قبل ایمان اختیار نہ کیا ہو یا اپنے ایمان میں اعمال صالحہ نہ کئے ہوں۔ (۱) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (۲) خروج دجال (۳) دابۃ الارض کا ظہور۔

## تشریح

"ودابة الارض" اس کا ترجمہ یہ ہے کہ زمین پر چلنے والا ایک حیوان جب نکل آئے گا۔

علامہ روح المعانی فرماتے ہیں کہ دابۃ الارض سے متعلق عجیب عجیب واقعات بیان کیے گئے ہیں جو بعید تر ہیں بحر محیط میں ہے کہ علماء نے دابۃ الارض کی ماہیت میں اس کی شکل میں اس کے نکلنے کی جگہ میں اور اس میں کہ یہ کتنی بار نکل آئے گا اور اس میں کہ یہ لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کریگا بہت مختلف باتیں لکھی ہیں یہ باتیں ایک دوسرے سے متعارض ہیں اس لئے میں نے اس کو ترک کر دیا اور اس بے سروپا باتوں میں وقت ضائع نہیں کیا (روح المعانی)۔ علامہ شبیر احمد عثمانی "فتح الملہم" میں لکھتے ہیں کہ بطور خلاصہ میں یہ کہوں گا کہ دابۃ الارض ایک بڑے جسم کا عظیم الشان حیوان ہے جس کی ٹانگیں ہیں اور یہ قطعاً انسان کی قسم سے نہیں ہے اللہ

تعالیٰ قیامت کے قریب اس کو زمین سے نکالیگا یہ پیدائش کی صورت نہیں ہوگی بلکہ زمین کے پیٹ سے ایک تیار حیوان کو باہر لایا جائے گا۔اس بارے میں امام ترمذی نے جو حدیث نقل فرمائی ہے وہ بہت بہتر ہے جو اس طرح ہے۔

وعن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تخرج دابة الارض ومعها عصاموسی وخاتم سليمان عليهماالسلام فتجلواوجه المومن بالخاتم وتخطم انف الكافر بالعصاحتی يجتمع الناس علی الخوان يعرف المؤمن من الكافر۔ (فتح الملہم ج۱ص۲۹۹)

یعنی حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "دابۃ الارض" نکل آئے گا اس کے ساتھ حضرت موسیٰ کی لاٹھی اور سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی انگوٹھی کی مہر سے مؤمن کا چہرہ چمک اٹھے گا اور عصائے موسیٰ سے کافر کی ناک کچل دی جائے گی یہاں تک کہ لوگ ایک دسترخوان پر جمع ہونگے تو کافر سے مؤمن نمایاں طور پر پہنچانا جائے گا۔

## سورج کا عرش کے نیچے سجدہ کرنے کا مطلب

۳۹۹۔حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُلَيَّةَ قَالَ ابْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ يَزِيدَ التَّيْمِيِّ سَمِعَهُ فِيمَا أَعْلَمُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمًا أَتَدْرُونَ أَيْنَ تَذْهَبُ هَذِهِ الشَّمْسُ؟قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ إِنَّ هَذِهِ تَجْرِي حَتَّى تَنْتَهِيَ إِلَى مُسْتَقَرِّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَخِرُّ سَاجِدَةً فَلَا تَزَالُ كَذَلِكَ حَتَّى يُقَالَ لَهَا ارْتَفِعِي ارْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ فَتَرْجِعُ فَتُصْبِحُ طَالِعَةً مِنْ مَطْلِعِهَا ثُمَّ تَجْرِي لَا يَسْتَنْكِرُ النَّاسَ مِنْهَا شَيْئًا حَتَّى تَنْتَهِيَ إِلَى مُسْتَقَرِّهَا ذَاكَ تَحْتَ الْعَرْشِ فَيُقَالُ لَهَا ارْتَفِعِي أَصْبِحِي طَالِعَةً مِنْ مَغْرِبِكِ فَتُصْبِحُ طَالِعَةً مِنْ مَغْرِبِهَا۔ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَدْرُونَ مَتَى ذَاكُمْ؟ذَاكَ حِينَ ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا﴾ (الانعام:۱۵۸)۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے سب نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی جانتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک یہ چلتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اپنے مرکز و مستقر تک جا پہنچتا ہے جو عرش الٰہی کے نیچے ہے اور وہاں جا کر خضوع سے سجدہ ریز ہو جاتا ہے اور مستقل اسی حالت میں رہتا ہے یہاں تک کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ بلند ہو جا اور وہیں لوٹ جا جہاں سے تو آیا تھا، چنانچہ وہ لوٹ جاتا ہے اور صبح کو اپنے مطلع سے طلوع ہوتا ہے، پھر چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ اپنے مستقر پر پہنچ جاتا ہے عرش کے نیچے اور پھر سجدہ ریز ہو جاتا ہے پھر وہ اسی حالت پر پڑا رہتا ہے یہاں تک کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ بلند ہو جا اور وہیں لوٹ جا جہاں سے تو آیا تھا۔ چنانچہ وہ لوٹ جاتا ہے

اور صبح کو اپنے مطلع سے طلوع ہوتا ہے۔ پھر وہ چلتا رہتا ہے اور لوگوں کو اس میں کوئی تغیر معلوم نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے مستقر پر جا پہنچتا ہے وہیں عرش کے نیچے۔ پھر اس سے کہا جائے گا کہ بلند ہو جا اور صبح کو اپنے مغرب سے طلوع ہو، چنانچہ وہ مغرب کی جانب سے طلوع ہوگا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو ایسا کب ہوگا؟ یہ اس وقت ہوگا جس کسی ایسے نفس کو اس کا ایمان فائدہ نہیں دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا یا اس نے اپنے ایمان میں اعمال صالحہ نہ کیے تھے۔

## تشریح

''الی مستقرھا تحت العرش ''اس حدیث کا بیان تو واضح ہے کہ سورج چلتے چلتے عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور پھر اجازت ملنے پر واپس آتا ہے اور صبح مشرق سے طلوع ہوتا ہے ایک بار ایسا ہوگا کہ سورج کو سجدہ کی حالت میں چھوڑ دیا جائیگا اور صبح واپس جانے کا حکم ہوگا اس طرح غروب سے سورج طلوع کریگا یہ حادثہ ایک بار ہوگا اس کے بعد سورج اپنے معمول کے مطابق چلتا رہیگا۔ یہاں حدیث سمجھنے کے لئے ایک سوال اور اس کا جواب سمجھنا ضروری ہے۔

## سوال

یہ ہے کہ آفتاب عالم تاب ہر وقت طالع رہتا ہے صرف مقامات کا فرق ہے ہر وقت متحرک رہتا ہے اس حالت میں اس کے غروب ہونا اور عرش کے نیچے سجدہ لگانے کا کیا مطلب ہے۔

## جواب

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سورج کا ایک مستقر زمانی ہے اور دوسرا مستقر مکانی ہے۔ یہاں اس جگہ میں مستقر زمانی مراد ہے جو قیامت ہے یعنی سورج قیامت تک چلتا رہیگا اور سجدہ کرتا رہیگا گذرتے گذرتے اپنے احوال کے مطابق سورج سجدہ کرتا ہے جس دیگر طرح جمادات کا سجدہ تسبیح وتحمید ہے اب یہاں اسی سے ملتا جلتا ایک اور سوال ہے اور اس کا ایک جواب ہے تو مسئلہ واضح کرنے کے لئے اس کو بھی لکھتا ہوں۔

## سوال

اس حدیث میں سورج کے بارے میں تغرب کا لفظ مذکور ہے یعنی سورج غروب کر کے غائب ہو جاتا ہے اب سوال یہ ہے کہ عرش ایک بہت بڑا کرہ ہے جو کائنات کے تمام کرات پر محیط ہے آسمان اس کے اندر ہے سورج بھی ہر وقت اس کے اندر ہے تو سورج کے غائب ہونے اور غروب ہونے اور پھر طلوع ہونے کا کیا مطلب ہے سورج عرش کے دائرے سے ادھر ادھر کہاں جا سکتا ہے؟

## جواب

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سورج کا پورا نظام عرش کے نیچے ہے تو سورج کا طلوع ہونا اور غروب ہونا اپنے مقامات اور اپنے مدار کے اعتبار سے ہے ایک مقام سے نکل آتا ہے دوسرے مقام میں جا کر داخل ہوتا ہے تو اپنے مدار میں طلوع اور غروب مراد ہے یہ مطلب نہیں کہ وہ عرش سے غائب ہوجاتا ہے مثلاً پاکستان کے مدار پر آتا ہے تو امریکہ کے مدار سے غائب ہوجاتا ہے یہی اس کا طلوع اور غروب ہے۔ تو تحت العرش بھی ہے اور طلوع وغروب بھی جاری ہے اور سجدہ لگانے اور اجازت مانگنے کے لئے وقفہ کرنے اور ٹھہرنے کی ضرورت نہیں ہے حرکت کرتے کرتے سجدہ بھی ہوجاتا ہے اور اجازت بھی ہوجاتی ہے اور ہر چیز کا سجدہ اپنے انداز سے ہوتا ہے لہٰذا اس میں کوئی تعجب والی بات نہیں ہے۔

اسی حرکت میں سورج لگا ہوا ہے یہاں تک کہ اس کا مستقر زمانی آجائے گا جو قیامت کا زمانہ ہے اسی کی طرف قرآن میں اشارہ ہے ایت مبارکہ اس طرح ہے وسخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمیٰ اب تک جو بحث ہوئی یہ سورج کے مستقر زمانی پر کلام ہوگیا یہاں سورج کا مستقر مکانی بھی مراد لیا جاسکتا ہے مطلب یہ ہے کہ سورج جس مکان اور جس جگہ سے پیدا ہوکر نکل آیا ہے اور پھر حرکت شروع کی وہی وہی جگہ اس کا مستقر مکانی ہے اب سورج حرکت میں ہے یہاں تک وہ اس لفظ پر جائے گا جہاں سے اس کا آغاز ہوا تھا جب وہاں تک پہنچ جائے گا تو اس کی حرکت کا دورانیہ پورا ہوجائے گا تو چلتے چلتے سجدہ بھی ہوجاتا ہے اور اپنے نقطۂ انتہاء پر اجازت لینے کا معاملہ بھی پورا ہوجاتا ہے جب اجازت نہیں ملے گی تو پھر سورج کی حرکت مغرب سے طلوع ہوکر شروع ہوجائے گی یہ غیب کی باتیں ہم لوگ سمجھنے سمجھانے کی غرض سے کرتے ہیں سب سے اچھا جواب یہ ہے کہ یہ افلاک سماویہ کا نظام ہے جس تک ہماری رسائی نہیں ہے لہٰذا اس کی حقیقت اور تحقیق کا معاملہ ہم اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیتے ہیں اور غیب کے اس پورے نظام پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ ان احادیث میں بلا چون وچرا سب کو من وعن مانتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ:

”سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر“۔

۴۰۰۔ **وَحَدَّثَنِي** عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ بَيَانٍ الْوَاسِطِيُّ أَخْبَرَنَا خَالِدٌ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ يُونُسَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمًا أَتَدْرُونَ أَيْنَ تَذْهَبُ هٰذِهِ الشَّمْسُ ؟ بِمِثْلِ مَعْنَى حَدِيثِ ابْنِ عُلَيَّةَ ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسری روایت بھی سابقہ روایت کی طرح منقول ہے۔

۴۰۱۔ **وَحَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ وَاللَّفْظُ لِأَبِي كُرَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فَلَمَّا غَابَتِ

الشَّمْسُ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ هَلْ تَدْرِي أَيْنَ تَذْهَبُ هٰذِهِ الشَّمْسُ ؟ قَالَ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّهَا تَذْهَبُ فَتَسْتَأْذِنُ فِي السُّجُوْدِ فَيُؤْذَنُ لَهَا وَكَأَنَّهَا قَدْ قِيْلَ لَهَا ارْجِعِيْ مِنْ حَيْثُ جِئْتِ فَتَطْلُعُ مِنْ مَغْرِبِهَا قَالَ ثُمَّ قَرَأَ فِي قِرَاءَةِ عَبْدِاللّٰهِ وَذٰلِكَ مُسْتَقَرٌّ لَهَا ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ اسی اثناء میں جب سورج غروب ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ سورج کہاں چلا جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جاتا ہے اور سجدہ کی اجازت مانگتا ہے تو اسے اجازت دے دی جاتی ہے اور پھر ایک بار اس سے کہا جائے گا کہ لوٹ جا جہاں سے آیا تھا۔ چنانچہ پھر وہ مغرب سے طلوع ہوگا۔ پھر آپ نے عبداللہ بن مسعود کی قرات کے مطابق یوں پڑھا ﴿وذالك مستقرلها﴾ (یعنی وہی مرکز ہے سورج کے ٹھہرنے کا)۔

۴۰۲۔ حَدَّثَنَا أَبُوْ سَعِيْدٍ الْأَشَجُّ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا وَقَالَ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا﴾ (یٰس:۳۸) قَالَ مُسْتَقَرُّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ ۔

حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اللہ تعالیٰ اس ارشاد ﴿والشمس تجری لمستقرلها﴾ کے بارے میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا مستقر (مرکز) عرش کے نیچے ہے۔

## باب بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی ابتداء

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے آٹھ احادیث کو بیان کیا ہے۔

۴۰۳۔ حَدَّثَنِيْ أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا قَالَتْ كَانَ أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةَ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرٰى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ فَكَانَ يَخْلُوْ بِغَارِ حِرَاءٍ يَتَحَنَّثُ فِيْهِ وَهُوَ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِيَ أُوْلَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ أَنْ يَرْجِعَ إِلٰى أَهْلِهِ وَيَتَزَوَّدُ لِذٰلِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلٰى خَدِيْجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا حَتّٰى فَجِئَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِيْ غَارِ حِرَاءٍ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ: اقْرَأْ قَالَ مَا أَنَا بِقَارِئٍ قَالَ فَأَخَذَنِيْ فَغَطَّنِيْ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ ثُمَّ أَرْسَلَنِيْ فَقَالَ: اقْرَأْ قُلْتُ مَا أَنَا

بِقَارِئٍ قَالَ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ فَقُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ قَالَ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (العلق: ۱۔۵) فَرَجَعَ بِهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْجُفُ بَوَادِرُهُ حَتّٰى دَخَلَ عَلٰى خَدِيجَةَ فَقَالَ زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي فَزَمَّلُوهُ حَتّٰى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ ثُمَّ قَالَ لِخَدِيجَةَ أَيْ خَدِيجَةُ! مَا لِي؟ وَأَخْبَرَهَا الْخَبَرَ۔ قَالَ لَقَدْ خَشِيتُ عَلٰى نَفْسِي قَالَتْ لَهُ خَدِيجَةُ كَلَّا أَبْشِرْ فَوَاللّٰهِ! لَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا، وَاللّٰهِ! إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ، فَانْطَلَقَتْ بِهِ خَدِيجَةُ حَتّٰى أَتَتْ بِهِ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلِ بْنِ أَسَدِ ابْنِ عَبْدِ الْعُزّٰى وَهُوَ ابْنُ عَمِّ خَدِيجَةَ أَخِي أَبِيهَا وَكَانَ امْرَأً تَنَصَّرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعَرَبِيَّ وَيَكْتُبُ مِنَ الْإِنْجِيلِ بِالْعَرَبِيَّةِ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَكْتُبَ وَكَانَ شَيْخًا كَبِيرًا قَدْ عَمِيَ فَقَالَتْ لَهُ خَدِيجَةُ أَيْ عَمِّ! اسْمَعْ مِنِ ابْنِ أَخِيكَ قَالَ وَرَقَةُ بْنُ نَوْفَلٍ يَا ابْنَ أَخِي! مَاذَا تَرٰى؟ فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَا رَآهُ فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ هٰذَا النَّامُوسُ الَّذِي أُنْزِلَ عَلٰى مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعًا! يَا لَيْتَنِي أَكُونُ حَيًّا إِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ! قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَمُخْرِجِيَّ هُمْ؟ قَالَ وَرَقَةُ نَعَمْ لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا عُودِيَ وَإِنْ يُدْرِكْنِي يَوْمُكَ أَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ: پہلے پہل جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں سچے خواب دکھائے گئے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی خواب نہ دیکھتے مگر یہ کہ وہ سپیدۂ سحر کی طرح روشن ہو کر ظاہر ہو جاتا۔ پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہائی اور خلوت نشینی پسند ہوگئی چنانچہ آپ غار حراء میں خلوت نشین ہو جاتے اور وہاں گوشہ نشین ہو کر راتوں کو عبادت کیا کرتے کئی کئی رات گھر لوٹے بغیر عبادت کیا کرتے، اور اس مقصد کے لئے سامان طعام وغیرہ ساتھ لے کر جایا کرتے۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس لوٹ آتے اور پھر حسب سابق توشۂ زندگی تیار کر لیتے یہاں تک کہ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء میں تھے کہ اچانک وحی حق آپ پر اتری۔ ایک فرشتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور فرمایا کہ: پڑھئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ انہوں نے مجھے پکڑا اور اس زور سے کھینچا کہ میں تھک گیا پھر فرمایا کہ پڑھو میں نے کہا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں انہوں نے پھر مجھے پکڑا اور دوبارہ بھینچا کہ میں تھک گیا، پھر مجھے انہوں نے چھوڑ دیا اور فرمایا کہ پڑھئے! میں نے کہا میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ چنانچہ

انہوں نے تیسری بار مجھے پکڑ کر زور سے دبایا کہ میں تھک گیا، پھر مجھے انہوں نے چھوڑ دیا اور فرمایا: ''پڑھئے اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا، پیدا کیا انسان کو خون کے لوتھڑے سے، پڑھئے اور آپ کا رب بہت عزت وشرف والا ہے جس نے سکھلایا قلم کے ذریعہ انسان کو وہ کچھ سکھلایا جو وہ جانتا نہ تھا۔'' اس آیات کیساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس لوٹے اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مونڈھوں اور گردن کا درمیانی حصہ پھڑک رہا تھا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ عنہا کے پاس داخل ہوئے اور فرمایا کہ مجھے چادر اڑھاؤ، مجھے چادر اڑھاؤ، چنانچہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ: اے خدیجہ! مجھے کیا ہو گیا؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر چادر اڑھایا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوف جاتا رہا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب واقعہ بیان کر دیا اور فرمایا کہ مجھے بیشک اپنی جان کا خوف ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہرگز نہیں! آپ خوش ہو جائیں۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا یا غمزدہ نہیں فرمائیں گے۔ اللہ کی قسم! آپ تو بلاشبہ رشتوں ناتوں کو جوڑتے ہیں، سچی گفتگو فرماتے ہیں اور لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور مفلس ونادار کے لئے کماتے ہیں مہمان نوازی کرتے ہیں اور حقیقی مصائب میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو لے کر چلیں ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی تھے کے پاس۔ وہ آپ کے والد کے بھائی کے بیٹے تھے اور زمانہ جاہلیت میں عیسائیت اختیار کر لی تھی اور عربی لکھنا جانتے تھے اور انجیل کو عربی میں لکھا کرتے تھے جتنا اللہ کو منظور ہوتا وہ لکھتے۔ اور بڑی عمر کے نابینا تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ اے چچا! اپنے بھتیجے کی بات سنئے۔ ورقہ بن نوفل نے کہا اے میرے بھتیجے! آپ نے کیا دیکھا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا سب بیان کر دیا۔ ورقہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یہ تو وہ محترم ومقدس فرشتہ حضرت جبرئیل ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی اترے تھے۔ کاش کہ میں اس موقع پر جوان ہوتا اے کاش! میں اس زمانہ میں زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال لے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا وہ مجھے نکالیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں! دنیا میں کوئی شخص وہ چیز لے کر نہیں آیا جو آپ لائے ہیں مگر یہ کہ اس سے دشمنی کی گئی اور اگر میں آپ کے اس دن کو پاؤں گا تو بھرپور طریقہ سے آپ کی مدد کروں گا۔

## تشریح

''ان عائشة'' بدء الوحی کی اس حدیث کو حضرت عائشہؓ نے نقل کیا ہے حالانکہ وحی کی ابتداء جب ہوئی تو حضرت عائشہ اس وقت پیدا ابھی نہیں ہوئیں تھیں تو آپؓ نے کس طرح اس حدیث کو بیان کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے بعد میں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سن کر نقل کر لی تو یہ حدیث متصل ہے یا حضرت عائشہ نے کسی صحابی سے سن کر نقل کیا تو یہ مراسیل صحابہ کے قبیل سے ہے جو مقبول ہے۔

''اول مابدئ'' بدء، کا یہ لفظ مصدر ہے فتح یفتح سے ہمزہ کے ساتھ ابتداء کے معنی میں ہے اور نصر ینصر سے بدوٌ ہمزہ کے بغیر ظہور کے معنی میں ہے دونوں جائز ہے۔ مکہ مکرمہ میں آنحضرت ۵۳ سال تک رہے چالیس سال کے بعد نبوت ملی نبوت ملنے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی آپ گناہوں سے پاک تھے آپ نے خود بیان کیا کہ مجھے جوانی میں ایک دفعہ کھیل کود کا خیال آیا تو میں مکہ میں شادی کی ایک مجلس میں شریک ہوا جونہی مجلس میں بیٹھ گیا تو مجھ پر نیند طاری ہوگئی جب صبح اٹھا تو نہ کھیل تماشا تھا نہ کوئی انسان تھا آپ نبوت سے پہلے بھی صادق الامین کے لقب سے مشہور تھے آپ معصوم تھے اور معصوم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی گناہ کا ارادہ بھی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ وہ گناہ نہیں کرنے دیتا۔ ''والرؤیا الصادقہ'' نبوت ملنے سے چھ ماہ قبل آپ کو اچھے خواب آنے شروع ہوگئے۔ شارحین لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے مانوس کرنے کے لئے سب سے پہلے بطور تمہید خواب دکھائے گئے پھر اس میں ترقی ہوگئی تو بیداری میں وحی سے پہلے آپ کو پتھروں نے سلام کیا اور عجیب عجیب روشنیاں ظاہر ہونے لگیں اور غیبی آوازیں سنائی دیں حدیث میں ہے کہ خواب نبوت کا چھیالیسواں جزء ہے اور انبیاء کا خواب تو وحی کے حکم میں ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ خواب تین قسم پر ہے (۱) الرؤیا من اللہ (۲) ورؤیا تحزین من الشیطان (۳) ورؤیا مما یحدث به الرجل نفسه فی الیقظة فیراہ فی المنام۔ انہی تین مراتب کی طرف علماء نے اشارہ کیا ہے کہ ایک خواب رحمانی ہے دوسرا شیطانی ہے اور تیسرا نفسانی ہے۔ یہاں حدیث میں رؤیا صادقہ سے رؤیا من اللہ اور رحمانی خواب مراد ہے کتاب الرؤیا میں ان شاء اللہ تفصیل آئے گی۔

''من الوحی'' وحی لغت میں مخفی اشارہ کو کہتے ہیں شاعر کہتا ہے۔

يَرْمُوْنَ بِالْخُطَبِ الطِّوَالِ وَتَارَةً وَحْيَ الْمُلَاحِظِ خِيفَةَ الرُّقَبَاءِ

یعنی محبوبین کبھی طویل خطبوں سے کلام کرتے ہیں اور کبھی رقیبوں کے خوف سے آنکھوں سے اشاروں میں بات کرتے ہیں۔

شرعی اصطلاح میں ''وحی اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے کسی رسول کی طرف بھیجا جائے'' وحی کی بڑی چار قسمیں ہیں چھوٹی تفصیلی قسمیں تو سات تک ہیں لیکن اس کی بڑی قسمیں چار ہیں جو یہ ہیں۔

۱۔ وحی کی ایک قسم وہ ہے کہ براہ راست اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر سے حجاب کے پیچھے گفتگو فرمائے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے۔

۲۔ وحی کی ایک قسم وہ ہے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ کلام کرے۔

۳۔ وحی کی ایک قسم وہ ہے کہ ''القاء فی الروع'' یعنی بطور الہام قلب نبی میں براہ راست اللہ تعالیٰ کچھ ڈالدے۔

۴۔ وحی کی ایک قسم وہ ہے کہ بذریعہ فرشتہ اللہ تعالیٰ اپنا فرمان بھیج دے۔

"فی النوم" مزید وضاحت کے لئے یہ لفظ آیا ہے ورنہ رؤیا تو وہی ہوتا ہے جو نوم میں ہو۔ "مثل فلق الصبح" فلق پھوٹنے کو کہتے ہیں وحی کی تشبیہ صبح کے پھوٹنے اور روشن ہونے سے دی ہے بے حد وضاحت مراد ہے جس طرح صبح کے ساتھ سورج لگا ہے جوں جوں سورج بلند ہوتا جاتا ہے روشنی بڑھتی چلی جاتی ہے انوارات نبوت کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے۔

"الخلاء" مد کے ساتھ خلوت نشینی کو کہتے ہیں خالی مکان کے معنی میں ہے یہاں لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر خلوت اختیار کرنا مراد ہے کیونکہ خلوت سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ جلوت سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے ہیں، اگرچہ لوگوں سے اختلاط کا درجہ بلند ہے جبکہ عبادات میں خلل نہ ہو۔ "بغار حراء" پہاڑوں میں قدرتی ایک سرنگ بنا ہوتا ہے اس کو غار کہتے ہیں حراء میں جو غار ہے وہ دو چٹانوں کے ملنے کی وجہ سے غار نما ایک چھوٹی سی جگہ ہے جس میں آدمی کھڑا نہیں ہو سکتا ہے صرف دو آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے اس کے سامنے حصہ سے بیت اللہ صاف نظر آتا ہے اسی کو غار حراء کہتے ہیں، حراء حراءً منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ مکہ مکرمہ سے جاتے ہوئے بائیں جانب ایک پہاڑ کی پیشانی پر تین میل کے فاصلے پر غار حراء واقع ہے قریش اس غار میں بطور اعتکاف بیٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا نے سب سے پہلے اس کا رواج ڈالا اسی وجہ سے قریش نے نبی اکرمؐ پر اس عبادت میں کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ پسند کیا غار حراء کے علاوہ قریش غار ثور اور کوہ ثبیر کو بھی عبادت کے لئے مختص کر کے معظم سمجھتے تھے ابو طالب نے اپنے قصیدہ لامیہ میں ان تینوں غاروں کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

وثور و من ارسیٰ ثبیراً مکانہ وراقٍ لبرقی فی حراءٍ ونازل

یعنی ہم غارِ ثور اور کوہِ ثبیر میں قیام کرنے والوں اور غارِ حراء میں اترنے اور چڑھنے والوں کا واسطہ اللہ کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ ہم بنو ہاشم پر آسانی فرمائے۔

"یتحنث" حنث، گناہ کو کہتے ہیں یہاں باب تفعل سلب ماخذ کے لئے ہے یعنی ازالہ حنث اور گناہ کا ازالہ عبادت ہے اسی لئے یہاں اس کی تفسیر التعبد سے کی گئی ہے باقی "اللیالی" کا اضافہ سمجھانے کے لئے ہے ورنہ تحنث کا مفہوم صرف عبادت ہے خواہ دن میں ہو یا رات میں ہو۔ "حتی فجئه الحق" فجأ یفجأ، اچانک آنے کے معنی میں ہے دوسری روایت میں "فجاءه الحق" کے الفاظ ہیں یعنی اچانک آپ کے پاس حق آ گیا حق سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا آنا ہے اسی اجمال کی تفصیل اگلے جملے "فجاءه الملك" سے کی گئی ہے روایت میں ہے کہ آنحضرت غارِ حراء سے نکل کر اوپر پہاڑ کی پشت پر کھڑے تھے چاشت کا وقت تھا کہ جبریل امین آئے۔ "اقرأ" سوال یہ ہے کہ آنحضرت پڑھے ہوئے نہیں تھے تو یہ امر تکلیف مالا یطاق ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے وہ سبق پڑھانا مقصود ہے جو پہلے سے پڑھ لیا ہو بلکہ آئندہ پڑھنے کے لئے حکم دیا جارہا ہے جیسے چھوٹے بچے کو استاد کہتا ہے بیٹے پڑھ یا یہ امر صرف بیدار کرنے اور متوجہ کرنے کے لئے ہے۔ بعض علمائے نے لکھا ہے کہ اس مقام میں جبریل امین استاد اور معلم کی حیثیت میں تھے اگرچہ جبریل امین آنحضرتؐ کے استاد نہیں ہے بلکہ آپؐ براہ راست اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں فرشتہ صرف واسطہ ہوتا ہے لیکن معلم کی حیثیت میں تھے۔ ''ما انا بقاری'' یعنی میں نے کسی سے کچھ پڑھا نہیں ہے میں کیا پڑھوں؟ یہ استفہام پر محمول ہے بعض جاہل ملحدین اس لفظ سے اور ''النبی الامی'' کے لفظ سے آنحضرت کو ان پڑھ سمجھنے لگ جاتے ہیں یہ ان کی جہالت ہے۔ ''الامی'' کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنی ماں کی طرف منسوب ہو یعنی وہ اسی حالت میں ہو جس طرح ماں کے پیٹ سے آیا تھا اس نے کسی سے نہیں پڑھا اگر پڑھا تو صرف اپنے رب سے پڑھا اور پھر تمام ملتوں کو حرف غلط کی طرح منسوخ کر کے رکھ دیا سعدی بابا نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست کتب خانہ چند ملت بشست

ترجمہ: یعنی ایسے دریتیم کہ ابھی قرآن عظیم مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ آپ نے چند ملتوں کے کتب خانوں کو دھو ڈالا۔

''فغطنی'' بھینچنے اور دبانے کے معنی میں ہے اس دبانے کا مقصد یہ تھا کہ آنحضرت کی کیفیت بشری کمزور پڑ جائے اور ملکوتی صفت آپ کی طرف منتقل ہو جائے تاکہ وحی کا تحمل آسان ہو جائے اسی مقصد کے لئے تین بار دبایا اور پھر پڑھ کر سنایا بعض صوفیاء حضرات کہتے ہیں کہ پہلی بار دبانا نسبت الٰہی پیدا کرنا تھا دوسری بار دبانے سے نسبت ملکی پیدا کرنا مقصود تھا اور تیسری بار دبانے سے نسبت اتحادی پیدا کرنا مقصود تھا یا یوں کہہ دیں کہ پہلی بار دبانے سے اُنس بالملک پیدا ہو جائے دوبارہ دبایا تاکہ اُنس باللہ پیدا ہو جائے تیسری بار دبایا تاکہ اُنس بالوحی پیدا ہو جائے۔

''حتی بلغ منی الجهد'' الجهد کا لفظ مرفوع بھی ہے اور منصوب بھی ہے اگر مرفوع لیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ جبریل نے مجھے اتنا دبایا کہ میری طاقت برداشت انتہاء کو پہنچ گئی ای بلغ منی الجهد مبلغه'' اگر یہ لفظ منصوب ہو تو مطلب یہ ہے کہ جبریل نے مجھے اتنا بھینچا کہ جبریل اپنی انتہائی طاقت تک پہنچ گئے، فرشتہ جب انسان کی شکل میں آتا ہے تو اس میں انسان کے مطابق طاقت ہوتی ہے بلکہ انسان کے مارنے سے اس کو زخم بھی لگ جاتا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مارنے سے فرشتہ کی آنکھ پھوٹ گئی۔

''فرجع بها'' بها کی ضمیر آیات کی طرف راجع ہے یا القصة کی طرف راجع ہے جو عبارت سے مفہوم ہوتا ہے۔

''ترجف فؤاده'' رجف کانپنے اور کپکپی طاری ہونے کے معنی میں ہے۔ فؤاد قلب کے اندر حصہ کو کہتے ہیں باہر حصہ کو قلب کہتے ہیں عام روایات میں فؤاد کا لفظ ہے لیکن یہاں ''بوادره'' کا لفظ ہے یہ بادرة کی جمع ہے کندھوں کے درمیان شانے کے گوشت کو کہتے ہیں گوشت کا یہ حصہ بدن میں سب سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے جب یہ کانپنے لگ جائے تو باقی جسم پر انتہائی کپکپی طاری ہو جاتی ہے

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جسم پر جب بخار آتا ہے تو قوت غریزی اور بدن کی حرارت دل کے ارد گرد جمع ہوجاتی ہے تاکہ دل کی حفاظت ہوجائے کیونکہ بدن میں دل بادشاہ کی حیثیت رکھتا ہے جب حرارت دل کی طرف چلی جاتی ہے تو باقی بدن ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اس لئے اس پر کپکپی طاری ہوجاتی ہے ڈاکٹر لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں اس لئے انکار کرتے ہیں۔

زملونی ''جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے یہ شرافت کی زبان ہے کہ ایک فرد کو جمع بنا کر یاد کیا کیونکہ گھر میں صرف حضرت خدیجہ تھی ،یا ممکن ہے کہ گھر میں غلام لونڈی وغیرہ دیگر افراد بھی ہوں تو جمع کا صیغہ لایا گیا۔

''الروع'' گھبراہٹ کو کہتے ہیں جیسے ''فلما ذهب عن ابراهيم الروع'' یہ گھبراہٹ بشری تقاضے کے تحت تھی کیونکہ انسان جب مخالف جنس چیز کو دیکھتا ہے جیسا فرشتہ یا جن تو طبعی طور پر گھبراہٹ آتی ہے اور گھبراہٹ نبوت کے منافی نہیں ہے۔

''لقد خشيت على نفسي'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی میں کوئی شک نہیں تھا جیسا کہ ملحدین اعتراض کرتے ہیں۔ بلکہ یہ ابتدائی وحی تھی تفصیل کا علم نہیں تھا گو وحی کا یقین ہوگیا تھا مگر یہ بشری حق ہے کہ آدمی مزید تحقیق وتفتیش کرے اور ہر لحاظ سے خطرات پر غور کرے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس بار وحی سے جو بوجھ مجھ پر پڑا اگر روزانہ ایسا ہو تو میں اس کو برداشت نہیں کرسکوں گا مجھے تو اپنی جان کی فکر پڑگئی حضرت خدیجہؓ نے آپ کو ہر قسم کی تسلی دیدی آپ کے اچھے اوصاف کا ذکر کیا پھر ورقہ کے پاس لے گئی تاکہ تسلی ہوجائے ایک بار خدیجہؓ نے فرمایا کہ یارسول اللہ! جب یہ شخص نظر آجائے تو مجھے بتادیں جب حضرت جبریل آگئے تو خدیجہؓ آنحضرت کی گود میں دوپٹہ اوڑھ کر بیٹھ گئی اور پوچھا کہ وہ شخص نظر آرہا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں نظر آتا ہے پھر حضرت خدیجہؓ نے سر سے دوپٹہ ہٹا کر بیٹھ گئی تو جبریل امین غائب ہوگئے حضرت خدیجہؓ نے فرمایا آپ تسلی رکھیں یہ فرشتہ ہے اگر یہ جن یا شیطان ہوتا تو اس حالت میں زیادہ قریب آجاتا یہ سب تسلی کی صورتیں تھیں شک کی بات نہیں تھی اسی وجہ سے حضرت خدیجہ نے تمام خدشات کو ''کلا'' کے لفظ سے دور فرمایا اور پھر آپ کے عمدہ اوصاف بیان کیے۔ ''الكل'' جہاں کسی پر ناقابل برداشت بوجھ آجائے آپ اس کو خود برداشت کرکے مصیبت زدہ کو سنبھالا دیتے ہو۔ ''وتكسب المعدوم'' یعنی معدوم المال آدمی کے لئے کسب کرکے مال دیتے ہو۔

''وتقري'' قِریٰ مہمان نوازی کو کہتے ہیں یہ عرب کے اچھے اوصاف کا ذکر ہے کہ آپ مہمان نوازی کرتے ہو اس لئے اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں کریگا۔ ''نوائب الحق'' نوائب نائبة کی جمع ہے حادثہ کو کہتے ہیں حادثہ کبھی حق کے راستہ میں آتا ہے کبھی باطل کے راستے میں ہوتا ہے جیسے شاعر نے کہا۔

نوائب من خير وشر كلاهما فلا الخير ممدود ولا الشر لازب

یہاں نوائب کی اضافت حق کی طرف کرکے نوائب شر سے احتراز کیا گیا ہے حضرت خدیجہؓ کا یہ جملہ ایک جامع جملہ ہے جو تمام

بشری صفات کو شامل ہے دوسری طرف حضرت خدیجہؓ کی عظیم رائے کا کمال ملاحظہ ہو کہ یہی رائے ایک قبائلی سردار ابن دغنہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں ظاہر کی تھی۔

''ورقہ بن نوفل'' یہ حنفاء میں سے تھے جو مشرکین کے شرک سے بیزار تھے، زید بن عمرو بن نفیل، ابوذر غفاری امیہ بن ابی الصلت، یہ لوگ حنفاء میں سے تھے بتوں کی مخالفت کرتے تھے ان میں سے کسی نے کہا۔

أربٌّ يبولُ الثعلبانُ برأسه　　لقد هان من بالت عليه الثعالبُ

أربّاً واحداً أم ألف ربٍّ　　أدين إذا تقسّمت الأمورُ

تركتُ اللاتَ والعُزّى جميعاً　　كذلك يفعلُ الرجلُ البصيرُ

''اخی ابیھا'' یہ مجاز کو ختم کرنے کے لئے تصریح کی کیونکہ ابن عم مجازی طور پر چھوٹے کو کہا جاسکتا ہے عرب میں عم اور ابن عم بہت عام ہے حقیقی اور مجازی سب پر بولا جاتا ہے۔

''الکتاب العربی'' بخاری شریف میں العبرانی لفظ آیا ہے مطلب یہ کہ ورقہ عبرانی زبان اور کتابت جانتا تھا یہاں عربی لفظ آیا ہے تو اس میں تضاد نہیں ہے ورقہ دونوں زبانوں کو جانتا تھا اور دونوں میں لکھتا تھا وہ انجیل کو عبرانی سے عربی کی طرف منتقل کرتا تھا تاکہ لوگ اس کو پڑھیں اور اس پر ایمان لائیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تورات وانجیل کا یاد کرنا آسان کام نہیں تھا لہٰذا آسمانی کتابوں میں قرآن کریم ایسی کتاب ہے جس کو خصوصیت کے ساتھ لوگ یاد کرتے ہیں لہٰذا اس امت کی صفت اور مدح میں یہ جملہ قدیم کتابوں میں مذکور ہے ''اناجیلھا فی صدورھا'' یعنی ان کا آسمانی صحیفہ زبانی طور پر انکو یاد ہوگا۔

''ای عم'' دوسری روایت میں ای ابن عم کا لفظ آیا ہے وہ حقیقی معنی میں آیا ہے کیونکہ ورقہ حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی تھے جہاں چچا آیا ہے تو وہ عظمت اور توقیر کے اعتبار سے ہے جس طرح ''اسمع من ابن اخیک'' میں توقیر وعظمت اور عمر کے طور پر ورقہ کو چچا قرار دیا ہے اسی طرح ورقہ نے ''یا ابن اخی'' عربی محاورہ کے تحت بطور مجاز کہا ہے ورنہ حقیقی طور پر آنحضرت ان کے بھتیجے نہیں تھے۔

''الناموس'' صاحب راز اور رازدان کو کہتے ہیں یہ جاسوس کے وزن پر ہے مگر جاسوس برائی میں استعمال ہوتا ہے اور ناموس بھلائی میں استعمال ہوتا ہے۔

الناموس صاحب السر الخیر والجاسوس صاحب سر الشر۔ (فتح الملھم)

یہاں ناموس سے جبریل امین مراد ہے ''علی موسی'' ورقہ بن نوفل نے حضرت موسیٰ کا نام لیا حالانکہ وہ خود عیسائی بن چکے تھے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی نبوت شہرت کے اعتبار سے حضرت عیسیٰ کی نسبت زیادہ عام تھی دوسری وجہ یہ ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت باطل کے مقابلے میں اور دیگر تشبیہات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے ساتھ زیادہ مشابہ تھی۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ ورقہ بن نوفل نے حضرت خدیجہ کے جواب میں ناموس عیسیٰ کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کبھی ناموس موسیٰ کا لفظ بولا ہے اور کبھی ناموس عیسیٰ کا لفظ بولا ہے دونوں صحیح ہے۔ بیہقیؒ نے دلائل نبوت میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت خدیجہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نصرانی شخص کے پاس لے گئی جس کا نام ''عداس'' تھا۔ خدیجہؓ نے ان کو پورا قصہ سنا دیا تو اس نے جواب میں جبریل امین کے بارے میں کہا

"ھو امین اللہ بینہ وبین النبیین ثم ذھبت الی ورقۃ" (فتح الملہم)

"یالیتنی فیھا جذعا" جذع جوان اونٹ کے معنی میں ہے ورقہ نے جوانی کی تمنی کی کہ کاش دعوت اسلام کے زمانے میں میری جوانی ہوتی کہ میں آپ کی مضبوط مدد کرتا اس سے معلوم ہوا کہ ورقہ نے اسلام قبول کرلیا ہے مراسیل ابن میسرہ میں ہے کہ ورقہ نے کہا:

ابشر فانا اشھد انک الذی بشر بہ ابن مریم وانک علی ناموس موسی وانک نبی مرسل وانک ستؤمر بالجھاد۔

آنحضرت نے بھی ورقہ کے اسلام کے بارے میں فرمایا "لا تسبوا ورقۃ فانی رأیت لہ جنۃ او جنتین"۔ نیز آپ نے فرمایا کہ میں نے ورقہ کو خواب میں سفید لباس میں دیکھا اگر وہ دوزخی ہوتا تو کوئی اور لباس ہوتا "او مخرجی ھم" یعنی میری قوم مجھے مکہ سے نکالیگی؟ یہ تو عجیب بات ہوگی کیونکہ مجھے میری قوم صادق الامین کہتی ہے اور مجھ سے محبت رکھتی ہے پھر میرے اندر کوئی بری بات نہیں ہے بلکہ تمام انسانی اچھے ملکات میرے اندر ہیں جس کو خدیجہ نے بیان کیا۔ "او مخرجی" خبر مقدم ہے اور "ھم" مبتدا موخر ہے کلام کے اہتمام شان کے لئے ایسا ہوتا ہے۔

"الا عـــــودی" یہ عداوت سے ہے ورقہ نے نکالنے کی علت بتادی کہ حق اور باطل کے ٹکراؤ میں ایسا ہوتا ہے ذرا دیکھو تو کوہ صفا پر جب آنحضرت نے حق کا اعلان کیا تو ایک گھنٹہ پہلے آپ صادق الامین تھے اور ایک گھنٹہ بعد لوگوں نے ساحر کذاب کہہ دیا معلوم ہوا کہ جن لوگوں سے معاشرہ کے لوگ ہر حالت میں پیار ہی پیار کرتے ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حق کے بیان میں مداہنت کرتے ہیں، اہل حق سے نہ بالکل مخالفت ہوتی ہے اور نہ بالکل موافقت ہوتی ہے۔

"نصرا مؤزرا" ای نصرا قویا، یہ ازر سے ہے جو بازو کو کہتے ہیں جیسے قرآن میں ہے ﴿واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری﴾ وزیر کو بھی اسی وجہ سے وزیر کہتے ہیں کہ وہ قوت کا ذریعہ ہوتا ہے اس کلام سے بھی معلوم ہوگیا کہ ورقہ نے اسلام قبول کیا تھا اور اسلام پر فوت ہوگئے۔

۴۰۴۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ قَالَ قَالَ الزُّهْرِيُّ وَأَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِمِثْلِ حَدِيثِ يُونُسَ غَيْرَ أَنَّهُ

قَالَ فَوَاللّٰهِ ! لَايُحْزِنُكَ اللّٰهُ اَبَدًا وَقَالَ قَالَتْ خَدِيْجَةُ اَیِ ابْنَ عَمِّ ! اِسْمَعْ مِنِ ابْنِ اَخِيْكَ ۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث الفاظ کے معمولی تغیر کے ساتھ منقول ہے۔ مگر اس میں اتنا فرق ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رنجیدہ نہ کرے گا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ورقہ سے کہا اے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے کی بات سن۔

۴۰۵۔ وَحَدَّثَنِيْ عَبْدُالْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ جَدِّيْ قَالَ حَدَّثَنِيْ عُقَيْلُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ يَقُوْلُ قَالَتْ عَائِشَةُ زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَجَعَ اِلٰى خَدِيْجَةَ يَرْجُفُ فُؤَادُهٗ وَاقْتَصَّ الْحَدِيْثَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ يُوْنُسَ وَمَعْمَرٍ وَلَمْ يَذْكُرْ اَوَّلَ حَدِيْثِهِمَا مِنْ قَوْلِهٖ اَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ وَتَابَعَ يُوْنُسَ عَلٰى قَوْلِهٖ فَوَاللّٰهِ ! لَايُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا وَذَكَرَ قَوْلَ خَدِيْجَةَ اَیِ ابْنَ عَمِّ اِسْمَعْ مِنِ ابْنِ اَخِيْكَ ۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ عائشہ زوجہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور آپ کا دل کانپ رہا تھا۔ اور بقیہ حدیث یونس اور معمر کی روایت کی طرح نقل کی ہے اور اس میں حدیث کا پہلا حصہ نہیں کہ سب سے پہلے جو وحی آپ پر شروع ہوئی وہ سچا خواب تھا اور پہلی روایت کی طرح اس میں یہ الفاظ ہیں خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ورقہ سے کہا اے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے سے سن۔

۴۰۶۔ وَحَدَّثَنِيْ اَبُو الطَّاهِرِ اَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ يُوْنُسُ قَالَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ اَخْبَرَنِيْ اَبُوْسَلَمَةَ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ الْاَنْصَارِيَّ وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُحَدِّثُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ قَالَ فِيْ حَدِيْثِهٖ فَبَيْنَا اَنَا اَمْشِيْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ رَاْسِيْ فَاِذَا الْمَلَكُ الَّذِيْ جَاءَنِيْ بِحِرَاءٍ جَالِسًا عَلٰى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجُئِثْتُ مِنْهُ فَرَقًا فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ فَدَثَّرُوْنِيْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى ﴿يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ (المدثر: ١ـ ۵) وَهِيَ الْاَوْثَانُ قَالَ ثُمَّ تَتَابَعَ الْوَحْيُ ۔

حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھے بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے موقوف ہونے کے زمانہ میں فرمایا: اس زمانہ میں ایک بار میں چلا جا رہا تھا کہ آسمان

سے ایک صدائے غیبی میں نے سنی، میں نے سر اٹھایا تو وہی فرشتہ میرے سامنے تھا جو حراء میں میرے پاس آیا تھا، ایک کرسی پر جو زمین و آسمان کے مابین معلق تھی فروکش تھا، میں اسے دیکھ کر خوف سے سہم گیا اور گھر لوٹ آیا اور میں نے کہا کہ مجھے چادر اڑھاؤ، مجھے چادر اڑھاؤ، چنانچہ گھر والوں نے مجھے چادر اڑھائی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ اے چادر اوڑھنے والے اٹھئے اور ڈرایئے اور اپنے رب کی کبرائی بیان کیجئے اور اپنے کپڑوں کو پاکیزہ رکھئے اور گندگی کو چھوڑے رہیے۔ گندگی سے مراد بت ہیں۔ پھر اس کے بعد متواتر وحی نازل ہوتی رہی۔

## تشریح

''فترۃ الوحی'' اصل میں فترت کا زمانہ دو نبیوں کے درمیان والے زمانے کو کہتے ہیں مگر یہاں فترت کا اطلاق وحی کے آنے کے بعد بند ہونے پر کیا گیا ہے وحی کے بند ہونے میں یہ حکمت تھی کہ وحی کی طرف خوب شوق پیدا ہو، نیز یہ اشارہ بھی ہے کہ وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کسی نبی کا اپنا اختیار نہیں جب اللہ تعالیٰ بند کر دیتا ہے تو کوئی نہیں لاسکتا نیز تحمل مشقت میں سہولت پیدا کرنے کی غرض سے بھی وحی بند ہو جاتی ہے، چنانچہ آنحضرت وحی کے شوق اور جستجو میں پہاڑ کی بلندی پر چڑھے جاتے تھے شدت غم میں اپنے آپ کو گرانے کا ارادہ کرتے تو جبرئیل امین نمودار ہو کر فرماتے ''یا محمد! انت رسول اللہ وانا جبریل'' کبھی غیب سے آواز آتی تھی ''یا محمد! انک رسول اللہ حقاً''۔ فترت کا یہ زمانہ چھ ماہ تک تھا، یہ قول امام سہیلی کا ہے ابن اسحاق نے تین سال کی مدت بتائی ہے مگر یہ قول بعید معلوم ہوتا ہے۔

''فجئثت'' یہ لفظ ہمزہ کے ساتھ بھی ہے اور ''جثثت'' دو ثا کے ساتھ بھی ہے مرعوب ہونے اور گھبراہٹ کے معنی میں ہے ''فرقا'' یہ سمع یسمع سے ڈرنے کے معنی میں ہے جیسے ''ولکنھم قوم یفرقون'' ساتھ والی روایت میں ''حتی ھویت'' لفظ آیا ہے، جو ھوی یھوی گرنے کے معنی میں ہے یعنی مدھوش و بے ہوش ہو کر میں زمین پر گرا کیونکہ جبرئیل امین کو آپ نے اس کی اصل صورت میں دیکھا تو خلاف الجنس مخلوق کے مشاہدہ میں طبعی طور پر گھبراہٹ ہوتی ہے۔

''حمی الوحی'' یعنی وحی گرم ہو گئی مطلب یہ کہ مسلسل وحی آنے لگی تتابع اس کی تفصیل اور وضاحت ہے۔

۴۰۷ـ **حَدَّثَنِي** عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلُ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يَقُولُ أَخْبَرَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ثُمَّ فَتَرَ الْوَحْيُ عَنِّي فَتْرَةً فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِي ثُمَّ ذَكَرَ مِثْلَ حَدِيثِ يُونُسَ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ فَجُئِثْتُ مِنْهُ فَرَقًا حَتّٰى هَوَيْتُ إِلَى الْأَرْضِ قَالَ وَقَالَ أَبُو سَلَمَةَ وَالرُّجْزُ الْأَوْثَانُ قَالَ ثُمَّ حَمِيَ الْوَحْيُ بَعْدُ وَتَتَابَعَ۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہے۔ اس میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھبراہٹ کے مارے میں زمین پر گر گیا۔ اور ابو سلمہ نے بیان کیا پلیدی سے مراد بت ہیں پھر وحی برابر آنے لگی اور تانتا بندھ گیا۔

۴۰۸۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الإِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيثِ يُونُسَ وَقَالَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ قَبْلَ أَنْ تُفْرَضَ الصَّلَاةُ وَهِيَ الأَوْثَانُ وَقَالَ فَجُئِثْتُ مِنْهُ كَمَا قَالَ عُقَيْلٌ۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث معمولی تغیر کے ساتھ منقول ہے۔اس میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ نماز فرض ہونے سے پہلے یہ آیت مبارکہ ﴿یاایہا المدثر ...... والرجز فاھجر﴾ تک نازل ہوئی۔

۴۰۹۔ **وَحَدَّثَنَا** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا الأَوْزَاعِيُّ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى يَقُولُ سَأَلْتُ أَبَا سَلَمَةَ أَيُّ الْقُرْآنِ أُنْزِلَ قَبْلُ؟ قَالَ ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ فَقُلْتُ أَوْ ﴿اقْرَأْ﴾ فَقَالَ سَأَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ أَيُّ الْقُرْآنِ أُنْزِلَ قَبْلُ؟ قَالَ ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ فَقُلْتُ أَوْ ﴿اقْرَأْ﴾ قَالَ جَابِرٌ أُحَدِّثُكُمْ مَا حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاوَرْتُ بِحِرَاءٍ شَهْرًا فَلَمَّا قَضَيْتُ جِوَارِي نَزَلْتُ فَاسْتَبْطَنْتُ بَطْنَ الْوَادِي فَنُودِيتُ فَنَظَرْتُ أَمَامِي وَخَلْفِي وَعَنْ يَمِينِي وَعَنْ شِمَالِي فَلَمْ أَرَ أَحَدًا ثُمَّ نُودِيتُ فَنَظَرْتُ فَلَمْ أَرَ أَحَدًا ثُمَّ نُودِيتُ فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَإِذَا هُوَ عَلَى الْعَرْشِ فِي الْهَوَاءِ يَعْنِي جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَخَذَتْنِي رَجْفَةٌ شَدِيدَةٌ فَأَتَيْتُ خَدِيجَةَ فَقُلْتُ دَثِّرُونِي فَدَثَّرُونِي فَصَبُّوا عَلَيَّ مَاءً فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾۔

یحییٰ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سب سے پہلے قرآن کریم کی کونسی آیات نازل ہوئیں؟ انہوں نے کہا کہ (سورت) مدثر، میں نے کہا (سورت) اقرا، نازل ہوئی؟ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہا کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تھا کہ قرآن کی کونسی آیات سب سے پہلے نازل ہوئیں؟ انہوں نے فرمایا کہ مدثر، میں نے یہی عرض کیا کہ اقـراء ...... نازل ہوئی؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تم سے وہ حدیث بیان کرتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان کی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں غار حراء میں ایک ماہ مقیم رہا میری مدت اقامت پوری ہوگئی تو میں اترا اور وادی کے درمیان درمیان چلنے لگا۔معاً مجھے آواز دی گئی تو میں نے اپنے سامنے دیکھا، پیچھے دیکھا، دائیں بائیں دیکھا لیکن کوئی نظر نہ آیا۔اسی اثناء میں مجھے پھر آواز دی گئی۔میں نے سر جو اٹھایا تو وہ فرشتہ یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک تخت پر جو ہوا میں معلق تھا نظر آئے۔مجھے اچانک ایک شدید خوف نے آگھیرا۔میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے چادر اڑھاؤ،انہوں نے مجھے چادر اڑھائی اور مجھ پر پانی بہایا۔پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿یاایہا المدثر الخ﴾۔

کتاب الایمان

## تشریح

''ای القرآن انزل قبل'' یحیٰ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ابوسلمہ سے پوچھا کہ سب سے پہلے قرآن کی کونسی سورت نازل ہوئی ان نے کہا کہ سورت مدثر سب سے پہلے اتری تھی راوی نے پوچھا کہ کیا سورت اقرأ سب سے پہلے نہیں اتری؟ اس کے جواب میں ابوسلمہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت جابر سے پوچھا تو آپ نے فرمایا سورت مدثر سب سے پہلے اتری ہے میں نے کہا کہ کیا سورت اقرأ نہیں اتری ہے؟ حضرت جابر نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے کہ سورت مدثر پہلے اتری ہے صحابہ کرام آنحضرت کے فرمان سننے کے بعد زیادہ بحث میں نہیں پڑتے تھے اس لئے حضرت جابر نے سورت مدثر کے پہلے نازل ہونے کی بات کی ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ''اول ما نزل'' امور اضافیہ میں سے ہے تو ایک مطلق نزول قرآن ہے اور ایک فترت الوحی کے بعد نزول قرآن ہے لہٰذا سورت علق مطلقا سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت ہے لیکن وحی کا نزول جب کچھ عرصہ کے لئے بند ہوا تو اس کے بعد سب سے پہلے جو سورت نازل ہوئی وہ سورت مدثر ہے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ مکمل سورت سب سے پہلے سورت مدثر نازل ہوئی اور سورت علق کی پانچ آیات سب سے پہلے نازل ہوئیں، لہٰذا کوئی تضاد و تعارض نہیں ہے۔

''او اقرأ'' یعنی مشہور تو یہی ہے کہ سورت اقرأ پہلے اتری ہے کیا ایسا نہیں ہے؟

''فاستبطنت بطن الوادی'' یعنی میں وادی کے درمیان میں آگیا ''رجفة شديدة'' اضطراب اور گھبراہٹ کے معنی میں ہے۔

''مدثر'' موٹے کمبل اوڑھنے کے معنی میں ہے یعنی اے موٹے کمبل اوڑھنے والے یہ لیٹنے بیٹھنے کا زمانہ نہیں بلکہ اعباء نبوت زیب تن کرنے کے بعد کمر باندھ کر اٹھنے کا زمانہ ہے اٹھئے اور پوری دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچائیے۔

﴿وثيابك فطهر﴾ یعنی عرب اول کی طرح کپڑا زمین پر نہ گھسیٹیں بلکہ اس کو ٹخنوں سے اوپر رکھیں اور پاک رکھیں، بعض مفسرین نے ''ثوب'' سے دل مرادلیا ہے یعنی اپنے دل کو برے عقائد سے پاک رکھئے، چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

فَشَكَكْتُ بِالرُّمْحِ الْأَصَمِّ ثِيَابَهُ ... لَيْسَ الْكَرِيْمُ عَلَى الْقَنَا بِمُحَرَّمٍ

پس میں نے مضبوط نیزے سے اس کا دل چیر لیا۔ شریف آدمی نیزوں کے لئے حرام نہیں بلکہ نیزوں کی خوراک ہے

امرأالقیس نے بھی ثوب کا اطلاق دل پر کیا ہے۔

فَإِنْ كُنْتِ قَدْ سَاءَتْكِ مِنِّيْ خَلِيْقَةٌ ... فَسُلِّيْ ثِيَابِيْ مِنْ ثِيَابِكِ تَنْسُلِ

۴۱۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ اَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِيْ كَثِيْرٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَ فَإِذَا هُوَ جَالِسٌ عَلٰى عَرْشٍ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہے باقی اتنا اضافہ ہے کہ وہ ایک تخت پر تھے جو آسمان اور زمین کے درمیان تھا۔

تشریح

''علی عرش '' تخت کو عرش کہا گیا ہے جبریل امین کے بیٹھنے کی جگہ مراد ہے، فرشتہ کی ایک اصلی شکل ہوتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ ان کو پیدا فرماتے ہیں یہاں یہی اصلی صورت مراد ہے اصلی شکل کے علاوہ پھر فرشتے مختلف شکلوں میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔

## باب الاسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم الى السماوات وفرض الصلوات

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا بیان

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چودہ احادیث کو بیان کیا ہے۔

۴۱۱۔**حَدَّثَنَا** شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ثَابِتُ الْبُنَانِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُتِيتُ بِالْبُرَاقِ وَهُوَ دَابَّةٌ أَبْيَضُ طَوِيلٌ فَوْقَ الْحِمَارِ وَدُونَ الْبَغْلِ يَضَعُ حَافِرَهُ عِنْدَ مُنْتَهَى طَرْفِهِ قَالَ فَرَكِبْتُهُ حَتَّى أَتَيْتُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ قَالَ فَرَبَطْتُهُ بِالْحَلْقَةِ الَّتِي يَرْبِطُ بِهِ الْأَنْبِيَاءُ قَالَ ثُمَّ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَصَلَّيْتُ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجْتُ فَجَاءَنِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِإِنَاءٍ مِنْ خَمْرٍ وَإِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ فَاخْتَرْتُ اللَّبَنَ فَقَالَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اخْتَرْتَ الْفِطْرَةَ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ فَقِيلَ مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ جِبْرِيلُ قِيلَ وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيلَ وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِآدَمَ فَرَحَّبَ بِي وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقِيلَ مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ جِبْرِيلُ قِيلَ وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيلَ وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِابْنَيِ الْخَالَةِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَيَحْيَى بْنِ زَكَرِيَّا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِمَا وَسَلَّمَ فَرَحَّبَا وَدَعَوَا لِي بِخَيْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ فَقِيلَ مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ جِبْرِيلُ قِيلَ وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيلَ وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِيُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَإِذَا هُوَ قَدْ أُعْطِيَ شَطْرَ الْحُسْنِ فَرَحَّبَ وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قِيلَ مَنْ هٰذَا؟ قَالَ جِبْرِيلُ قِيلَ وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ قَالَ وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِإِدْرِيسَ فَرَحَّبَ وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ (مريم: ۵۸) ثُمَّ عَرَجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ الْخَامِسَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ فَقِيلَ مَنْ هٰذَا؟ قَالَ جِبْرِيلُ قِيلَ وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيلَ وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَرَحَّبَ وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ ثُمَّ عَرَجَ إِلَى السَّمَاءِ

السَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيْلُ فَقِيْلَ مَنْ هٰذَا ؟ قَالَ جِبْرِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ ؟ قَالَ قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ فَفَتَحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِإِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُسْنِدًا ظَهْرَهُ إِلَى الْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ وَإِذَا هُوَ يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ لَا يَعُوْدُوْنَ إِلَيْهِ ، ثُمَّ ذَهَبَ بِيْ إِلَى السِّدْرَةِ الْمُنْتَهٰى وَإِذَا وَرَقُهَا كَآذَانِ الْفِيَلَةِ وَإِذَا ثَمَرُهَا كَالْقِلَالِ قَالَ فَلَمَّا غَشِيَهَا مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ مَا غَشِيَ تَغَيَّرَتْ فَمَا أَحَدٌ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ يَسْتَطِيْعُ أَنْ يَّنْعَتَهَا مِنْ حُسْنِهَا فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيَّ مَا أَوْحٰى فَفَرَضَ عَلَيَّ خَمْسِيْنَ صَلَاةً فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فَنَزَلْتُ إِلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ مَا فَرَضَ رَبُّكَ عَلٰى أُمَّتِكَ ؟ قُلْتُ خَمْسِيْنَ صَلَاةً قَالَ ارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيْفَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا يُطِيْقُوْنَ ذٰلِكَ فَإِنِّيْ قَدْ بَلَوْتُ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ وَخَبَرْتُهُمْ قَالَ فَرَجَعْتُ إِلٰى رَبِّيْ فَقُلْتُ يَا رَبِّ ! خَفِّفْ عَلٰى أُمَّتِيْ فَحَطَّ عَنِّيْ خَمْسًا فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوْسٰى فَقُلْتُ حَطَّ عَنِّيْ خَمْسًا قَالَ إِنَّ أُمَّتَكَ لَا يُطِيْقُوْنَ ذٰلِكَ فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَسَلْهُ التَّخْفِيْفَ ، قَالَ فَلَمْ أَزَلْ أَرْجِعُ بَيْنَ رَبِّيْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَبَيْنَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتّٰى قَالَ يَا مُحَمَّدُ ! إِنَّهُنَّ خَمْسُ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لِكُلِّ صَلَاةٍ عَشْرٌ فَذٰلِكَ خَمْسُوْنَ صَلَاةً وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةً فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ عَشْرًا وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ شَيْئًا فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ سَيِّئَةً وَاحِدَةً قَالَ فَنَزَلْتُ حَتّٰى انْتَهَيْتُ إِلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ ارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيْفَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ قَدْ رَجَعْتُ إِلٰى رَبِّيْ حَتّٰى اسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے براق لایا گیا، وہ سفید، لمبا اور گدھے سے کچھ بڑا اونچا خچر سے کچھ کم چوپایہ تھا، اپنا کھر حد نگاہ پر رکھتا تھا۔ فرمایا کہ میں اس پر سوار ہوا۔ یہاں تک کہ بیت المقدس آیا یہاں میں نے براق کو ایک کڑے سے باندھ دیا اس کڑے سے دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی باندھا کرتے تھے، پھر میں مسجد میں داخل ہوا، اس میں دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر وہاں سے نکلا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس ایک شراب کا جام اور ایک دودھ کا برتن لئے ہوئے آئے، میں نے دودھ کا برتن لے لیا تو جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا ہے۔ پھر وہ ہمیں لے کر آسمان کی طرف چڑھنے لگے، جبرئیل علیہ السلام نے ملائکہ سے دروازہ کھلوانے کی کوشش کی تو کہا گیا کہ آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا جبرئیل علیہ السلام ہوں۔ کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا محمد ہیں۔ کہا گیا کہ کیا ان کی پیغام طرف بھیجا گیا تھا جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں! انہیں بلانے بھیجا گیا تھا ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا تو اچانک میں نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے سامنے دیکھا۔ انہوں نے مجھے مرحبا کہا، دعائے خیر کی۔ پھر ہمارے ساتھ جبرئیل علیہ

السلام دوسرے آسمان پر چڑھے اور دروازہ کھلوانے کا مطالبہ کیا۔ کہا گیا آپ کون ہیں؟ فرمایا: جبرئیل! کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا محمد، پوچھا گیا انہیں بلایا گیا تھا؟ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں! انہیں بلایا گیا تھا۔ چنانچہ آسمان ثانی کا دروازہ کھول دیا گیا تو میں اپنے خالہ زاد بھائیوں حضرت عیسیٰ بن مریم اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے سامنے تھا۔ ان دونوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے دعائے خیر کی۔ پھر جبرئیل علیہ السلام تیسرے آسمان پر لے کر چڑھے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون؟ فرمایا جبرئیل! پوچھا گیا آپ کیساتھ دوسرا کون ہے؟ فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پوچھا گیا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ فرمایا کہ ہاں! بلایا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے واسطے دروازہ کھول دیا گیا تو میں نے اپنے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا انہیں اللہ کی طرف سے حُسن کا نصف حصہ دیا گیا تھا۔ انہوں نے بھی مرحبا کہا اور میرے دعائے خیر فرمائی۔ پھر جبرئیل علیہ السلام مجھے لے کر چوتھے آسمان پر چڑھے اور دروازہ کھلوایا، پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبرئیل! کہا گیا دوسرا ساتھ کون ہے؟ فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا گیا کہ انہیں بلایا گیا تھا؟ فرمایا ہاں! بلانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ لہٰذا ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا تو میں نے اپنے روبرو حضرت ادریس علیہ السلام کو دیکھا۔ انہوں نے بھی مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے خیر کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم نے انہیں بلند جگہ پر اٹھالیا ہے۔ پھر ہمیں لے کر جبرئیل علیہ السلام پانچویں آسمان پر چڑھے، دروازہ کھلوایا تو پوچھا کون ہے؟ فرمایا کہ جبرئیل پوچھا گیا ساتھ کون ہے؟ فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا گیا کہ کیا انہیں بلوایا گیا تھا؟ کہا ہاں! بلایا گیا تھا۔ چنانچہ ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا تو میں نے دیکھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کے سامنے ہوں۔ انہوں نے بھی مجھے مرحبا کہا اور فرمایا دعائے خیر کی۔ پھر ہم کو لے جبرئیل علیہ السلام چھٹے آسمان پر چڑھے۔ دروازہ کھلوایا تو پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبرئیل! پوچھا گیا! ساتھ کون ہے؟ فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پوچھا گیا کیا انہیں بلوایا گیا تھا؟ فرمایا ہاں! پھر ہمارے لئے دروازہ کھول دیا گیا تو میں نے اپنے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ انہوں نے بھی مجھے خیر مقدمی کلمات کہے اور دعائے خیر کی۔ پھر جبرئیل علیہ السلام مجھے لیکر ساتویں آسمان پر چڑھے۔ دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون؟ فرمایا جبرئیل پوچھا گیا ساتھ کون ہے؟ فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا گیا کیا انہیں بلوایا گیا تھا؟ فرمایا ہاں! بلوایا گیا تھا۔ فرمایا ہاں چنانچہ دروازہ کھولا گیا تو میں نے اپنے سامنے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو دیکھا کہ بیت المعمور سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں اور بیت المعمور وہ ہے کہ اس میں روزانہ ۷۰ ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور دوبارہ ان کی باری نہیں آتی۔ پھر مجھے حضرت جبرئیل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے گئے۔ اس کے پتے اتنے بڑے تھے گویا ہاتھی کے کان ہوں اور اس کا پھل بڑے بڑے پانی کے مٹکوں کے برابر تھا۔ پھر جب اس درخت کو اللہ کے حکم سے ڈھانپ لیا اس چیز نے جس نے اسے ڈھانپا تو اس کی حالت بدل گئی اور پوری مخلوق میں کوئی ایسا نہیں جو اس کے حسن وخوبصورتی کی صحیح

توصیف کر سکے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی جو کچھ بھی فرمائی۔ پس مجھ پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض فرمائیں۔ جب میں موسیٰ علیہ السلام تک اترا تو انہوں نے پوچھا آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض فرمایا ہے؟ میں نے کہا شب و روز میں پچاس نماز فرض فرمائی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اپنے پروردگار کے پاس واپس جائیے اور ان نمازوں میں تخفیف اور کمی کا سوال کیجئے کیونکہ آپ کی امت کے افراد اس کی طاقت نہیں رکھیں گے۔ میں تو بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں، ان کا تجربہ کر چکا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں رب العالمین کے پاس واپس لوٹا اور عرض کیا اے میرے رب! میری امت پر تخفیف فرمائیے! پانچ نمازوں کی مجھ سے تخفیف کر دی گئی میں واپس موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹا اور کہا کہ پانچ نمازیں کم کر دی گئی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کی امت بقیہ کی بھی طاقت نہیں رکھتی۔ لہٰذا واپس جائیے اور مزید تخفیف کا سوال کیجئے۔ فرمایا کہ میں مسلسل اپنے پروردگار اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان لوٹتا رہا یہاں تک کہ اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا: اے محمد! بیشک یہ ۵ نمازیں شب و روز کے اندر ہیں ہر نماز کا ثواب دس کے برابر ہے تو اس طرح ۵۰ کے برابر ہو جائیں گی۔ اور فرمایا کہ جس نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل کر لیا تو دس کا اجر لکھا جائے گا۔ جس نے گناہ کا ارادہ کیا اور ارادۂ گناہ پر عمل نہیں کیا تو کچھ نہیں لکھا جائے گا اور جس نے ارادۂ گناہ پر عمل کر لیا تو صرف ایک ہی گناہ لکھا جائے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پھر میں نیچے اترا، موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا اور انہیں ساری بات بتلائی تو انہوں نے فرمایا: آپ دوبارہ اپنے رب کے پاس جائیے اور مزید تخفیف کا مطالبہ کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں اتنی بار اپنے رب کے پاس لوٹ لوٹ کر گیا ہوں کہ اب حیا آتی ہے۔

## تشریح

## لفظ اسراء اور معراج کی تحقیق

قال اللہ تعالیٰ: ﴿سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ﴾ (بنی اسرائیل: ۱) وقال اللہ تعالیٰ ﴿ماکذب الفؤاد ماریٰ﴾ (سورۃ النجم)

سریت من حرم لیلا الی حرم　　　کما سری البدر فی داج من الظلم

وبت ترقی الی ان نلت منزلۃ　　　من قاب قوسین لم تدرک ولم ترم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر ہوا ہے اس کو ''اسراء'' کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ہوں یا علامات نبوت سے متعلق واقعات ہوں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہوں معراج کے اس واقعہ کا تعلق تمام

مضامین سے ہے چونکہ واقعہ معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا بڑا واقعہ ہے اور آپ کی نبوت کا ممتاز اور درخشاں باب ہے اس لئے تاریخ کے علاوہ قرآن مجید میں اور احادیث کی کتابوں میں محدثین نے بھی اس کو نمایاں حیثیت سے بیان کیا ہے۔
اس واقعہ کے لئے احادیث میں دو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ایک لفظ ''اسراء'' ہے جس کو قرآن میں بھی ذکر کیا گیا ہے دوسرا لفظ ''معراج'' ہے جس کا ذکر احادیث میں کئی دفعہ آیا ہے۔
''اسراء'' سیر سے ہے رات کے وقت زمین پر سفر کرنے کو کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو سفر مسجد حرام سے مسجد اقصی تک رات میں ہوا ہے اس کو اسراء کہتے ہیں۔
''معراج'' عروج سے ہے عروج چڑھنے کے معنی میں ہے، مسجد اقصیٰ سے آسمانوں تک اور آسمانوں سے لامکان تک چڑھنے کا جو سفر ہوا ہے اس کو معراج کہتے ہیں۔ اس اطلاق میں کوئی قانونی یا شرعی پابندی نہیں ہے، ایک لفظ کا دوسرے پر اطلاق ہو جاتا ہے البتہ یہ شرعی مسئلہ ہے کہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک معراج کا واقعہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اس کا منکر کافر ہو جاتا ہے اور مسجد اقصیٰ سے اوپر تک سفر احادیث سے ثابت ہے جس کا منکر گمراہ اور بدعتی ہو جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ کئی معراجوں سے نوازے گئے ہیں جو خواب میں ہوئی ہیں لیکن جمہور امت اس پر متفق ہے کہ جس معراج کا ذکر سورت بنی اسرائیل میں کیا گیا ہے وہ معراج جسم عنصری کے ساتھ حالت بیداری میں ہوئی تھی۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۵۱، ۵۲ سال کی ہو چکی تھی، مکہ مکرمہ میں کفار کے ہاتھوں آپ نے تمام تکالیف برداشت کی تھیں، انسانی تصور سے بالاتر مظالم کے پہاڑ کفار قریش نے آپ پر توڑے تھے شعب ابی طالب میں تین سال تک قید وبند اور سوشل بائیکاٹ کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غرض سے طائف کا سفر کیا کہ طائف کے قبائلی سردار اگر مسلمان ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مسلمانوں کو طائف منتقل کر دیں گے اس طرح مظالم کا خاتمہ ہو جائے گا، لیکن طائف کے سرداروں نے مکہ کے چودھریوں کے خوف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرب رواج کے برعکس انتہائی ظالمانہ سلوک کیا بات تک کرنے سے انکار کر دیا اور بچوں اور پاگلوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا اور آپ پر پتھراؤ کیا۔
خلاصہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکالیف کی تمام گذرگاہوں سے گذر چکے تھے اب آپ کی ذات بابرکات اس کے لئے بالکل تیار ہو چکی تھی کہ احکم الحاکمین سے راز و نیاز کی باتیں ہو جائیں کیونکہ لوہے سے جب اعلیٰ زیور بنانا مقصود ہوتا ہے تو اس لوہے کو گرم بھٹیوں سے گزارا جاتا ہے روح انسانی جتنا بدنی اثرات سے آزاد ہو جاتی ہے اتنی ہی اس کی پرواز بلند ہو جاتی ہے اب پرواز کا زمانہ تھا۔
طائف کے سفر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصائب کی انتہاء ہو گئی تھی، وہاں دنیا کے ایک ادنیٰ انسان نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا تاکہ آپ کو تمام رفعتوں، عظمتوں اور برکتوں سے نوازدے دنیا والوں کو بتادے کہ جس ہستی سے تم کلام کرنا نہیں چاہتے، خالق کائنات خود ان سے ہم کلام ہونا چاہتا ہے چنانچہ راجح

قول کے مطابق ۲۷/رجب ۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا یہ عظیم واقعہ پیش آیا اور مکہ مکرمہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل و میکائیل علیہما السلام کے ہمراہ براق پر سوار ہوکر پہلے مسجد اقصیٰ پہنچے اور وہاں سے آسمانوں پر چلے گئے اور پھر اللہ تعالیٰ سے لامکان میں عرش عظیم پر ہم کلام ہوئے۔ زیر بحث باب میں کل چھ احادیث ہیں مگر بعض بہت لمبی ہیں ان میں پوری تفصیل کے ساتھ معراج کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، سات آسمانوں میں سے کن آسمانوں میں کن کن انبیاء کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی ہے اس کے لئے ''اعیاھما'' کے الفاظ کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ا

اس جملہ کا پہلا حرف جس نبی کے نام کا پہلا حرف ہوگا اس نبی سے پہلے آسمان میں ملاقات ہوئی ہوگی اسی طرح اس جملہ کا دوسرا حرف جس نبی کے نام کا پہلا حرف ہوگا اس نبی سے دوسرے آسمان پر ملاقات ہوئی ہوئی ساتویں آسمان تک یہی ترتیب ہوگی۔ مثلاً اس جملہ کا پہلا حرف الف ہے تو پہلے آسمان میں حضرت آدم سے ملاقات ہوئی جس کے نام کا پہلا حرف بھی الف ہے اسی طرح اس جملہ میں دوسرا حرف عین ہے تو دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جن کے نام کا پہلا حرف عین ہے اسی طرح تیسرا حرف یا ہے تو تیسرے آسمان میں یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی چوتھا حرف الف ہے تو چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پانچواں حرف ہا ہے تو پانچویں آسمان میں حضرت ہارون سے ملاقات ہوئی چھٹا حرف میم ہے تو چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اس جملہ کا ساتواں حرف الف ہے اور ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جن کے اسم کا پہلا حرف الف ہے، معراج کی چھ حدیثوں میں اس باب کی پہلی حدیث جو حضرت انس رضی اللہ عنہ اور مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے سب سے زیادہ منضبط اور مرتب ہے اسی حدیث کی بنیاد پر ''اعیاھما'' کے جملہ کی بنیاد ہے۔

## واقعہ معراج پر ملحدین کے اعتراضات

واقعۂ معراج پر قدیم ملحدین فلاسفہ نے بھی اعتراضات اُٹھائے تھے جدید ملحدین فلاسفہ اور سائنسدان بھی اعتراضات اُٹھارہے ہیں چند اعتراضات مع جوابات ملاحظہ ہوں۔

### اعتراض نمبر ا

واقعہ معراج جسم عنصری کے ساتھ بیداری کا واقعہ نہیں تھا بلکہ خواب کا واقعہ تھا، جسد عنصری کا واقعہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ اوپر طبقات زمہریریہ اور طبقات ناریہ ہیں جن سے گذرنا محال ہے۔

### جواب

یہ اعتراض ہٹ دھرمی پر مبنی ہے اور غلط اعتراض ہے کیونکہ اگر معراج کا واقعہ خواب کا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو قرآن کریم میں

اتنے بڑے اہتمام کے ساتھ کیوں بیان کیا؟ چنانچہ ارشاد ہوا کہ ''ہر قسم عجز و نقص سے پاک اللہ تعالیٰ نے رات کے تھوڑے سے حصے میں اپنے خاص بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی''۔ خواب میں تو ہر آدمی دنیا کے کونے کونے کا سفر کرتا ہے، کبھی سمندروں میں تیرتا ہے کبھی ہواؤں میں اُڑتا ہے کبھی آسمانوں میں جاتا ہے کبھی پہاڑوں پر چڑھتا ہے اس میں تعجب کی کیا بات تھی؟ اور اس وقت کے چند کچے عقیدے کے مسلمانوں کے مرتد ہونے کی کیا بات تھی؟ اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ ''ثم اصبحت بمكة'' اگر یہ خواب کا معاملہ تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے غائب کب ہوئے تھے کہ پھر صبح مکہ میں کی؟ معلوم ہوا یہ جسمانی سفر تھا جو بیداری میں تھا جس کی وجہ سے اہل مکہ نے حد سے زیادہ شور مچایا، جبکہ یہ بات یقینی ہے کہ خواب کے واقعہ پر کوئی تعجب نہیں ہوتا ہے نہ اس کی بحث میں کوئی پڑتا ہے اور نہ پڑنے کی ضرورت ہوتی ہے ادھر لفظ ''عبد'' نہ صرف روح کو کہتے ہیں اور نہ صرف بدن کو کہتے ہیں بلکہ روح اور بدن دونوں کے ملاپ پر لفظ عبد کا اطلاق ہوتا ہے، باقی طبقات ناریہ اور زمہریریہ کا اعتراض کرنا فضول اور غلط ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سرکاری اعزازی مہمان تھے تو اللہ تعالیٰ نے زمہریر وغیرہ طبقات سے آپ کو محفوظ گزار دیا یہ بے وزن اعتراض ہے بے وزن لوگوں کا کام ہے، اعتراض نمبر۳ میں اس کا جواب بھی آرہا ہے۔ مگر آج کل اس جدید ٹیکنالوجی کے دور میں اس اعتراض کی حیثیت ختم ہو چکی ہے اب تو کفار بھی کہتے ہیں کہ ہم اوپر چاند پر گئے ہیں۔

## اعتراض نمبر۲

معراج پر ملحدین نے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ یہ اوپر جو آسمان نظر آرہا ہے یہ آسمان نہیں ہے بلکہ نیلگونی ہے جو بُعد مسافت کی وجہ سے آنکھوں کو آسمان معلوم ہوتا ہے جب آسمان نہیں تو معراج کی پوری داستان نہیں۔

## جواب

ملحدین کا یہ اعتراض بھی غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بار بار انسان کو اس علوی کائنات کے عجائبات میں غور کرنے کے لئے متوجہ کیا ہے کہ یہ دیکھو! آسمان ہے وہ دیکھو! ستارے اور چاند اور سورج ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چلتے ہیں آسمان کی بلندی کو دیکھو! اس میں کوئی شگاف نہیں ہے، اس کیلئے کوئی ستون نہیں اگر یہ آسمان نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے غور کرنے کے لئے انسان کو کس چیز کی طرف متوجہ کیا ہے؟۔ نیز اگر یہ نیلگونی ہے، آسمان نہیں ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اس کے اوپر آسمان ہے تمہارے پاس اس کی نفی کی کون سی دلیل ہے؟ آج کل کے اس ماڈرن دور میں ملحدین کا یہ اعتراض بھی ختم ہو گیا ہے بلکہ اب تو یہ ملحدین خود آسمان کا اعتراف کرتے ہیں اور اس پر جانے اور بسنے بسانے کی فضول باتیں بھی کرتے ہیں۔

## اعتراض نمبر ۳

سائنس دان کہتے ہیں کہ آسمانوں کے اوپر کوئی نہیں جاسکتا ہے کیونکہ راستہ میں طبقہ زمہریریہ اور طبقہ ناریہ ہے یعنی آگ کا گرم اور برف کا ٹھنڈا طبق ہے جو جائے گا مرجائے گا لہٰذا معراج کا سفر ممکن نہیں ہے۔

## جواب

اللہ تعالیٰ نے معراج کے واقعہ کی ابتداء میں ''سبحان'' کا لفظ رکھا ہے یعنی وہ پروردگار جو ہر قسم عجز وعیب اور ہر قسم نقص و کمزوری سے پاک ہے وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آج ایک کمزور انسان نے ان طبقات سے بچنے کے لئے ایسے آلات اور اسباب بنائے ہیں کہ بقول اس کے وہ ان آلات کو استعمال کر کے ان طبقات سے بحفاظت گذر جاتا ہے، اگر ایک کمزور مخلوق اپنے آلات کے ذریعہ سے ان طبقات کے مضر اثرات سے بچ سکتی ہے تو قادر مطلق بادشاہ کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ اپنے شاہی مہمان کو ان تمام طبقات سے بحفاظت گذار دے! یہ اعتراض بھی آج کے دور میں مہمل ہو کر رد گیا ہے۔

## اعتراض نمبر ۴

ایک اعتراض جو قدیم وجدید ملحدین کی طرف سے قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے وہ یہ کہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک زمینی راستہ ایک ماہ کی مسافت کا ہے اور زمین سے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے اوپر آسمانوں کی مسافت ہزاروں سال کی ہے اتنی لمبی مسافت ایک رات میں کیسے طے کی گئی یہ ناممکن ہے؟

## جواب

قدیم زمانہ کے فلاسفہ نے لکھا ہے کہ حرکت کی تیزی اور سرعت سیر کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے ہر ''سریع الحرکۃ'' چیز کے بعد بھی ممکن ہے کہ اس سے بھی زیادہ تیز حرکت والی چیز آجائے۔ آج سے چند سو سال قبل جب ہوائی جہاز نہیں بنا تھا تو کسی کو تصور تک نہیں تھا کہ ایسی سریع الحرکت چیز آجائے گی جس کے ذریعہ سے چند گھنٹوں میں انسان دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک اُڑ کر چلا جائے گا لیکن آج یہ سفر مشاہدہ بن گیا ہے اور جہازوں میں بھی ترقی پر ترقی ہورہی ہے اور حرکت کی تیزی تیز تر ہوتی جارہی ہے نیز ہم اپنے جسم کے اندر اپنی نگاہوں پر بھی غور کریں کہ ان کا سفر کتنا تیز ہے چند سیکنڈ میں یہ نظر آسمان تک جاتی بھی ہے اور واپس آتی بھی ہے، چند سیکنڈوں میں اللہ تعالیٰ کا فرشتہ آسمان سے دنیا میں آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتہ ایسا کرسکتا ہے تو صاحب معراج کے لئے کیا مشکل تھا کہ چند لمحوں میں اوپر آسمانوں پر چلے جائیں خصوصاً جب خود شاہی مہمان بھی ہوں؟ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری اتنی تیز تھی کہ جہاں اس کی نظر پڑتی تھی وہاں اس کا قدم پڑتا تھا، نیز سورج کی شعاعوں کو دیکھ لیجئے

کہ آسمان سے نمودار ہونے کے ساتھ چند لمحوں میں دنیا کے کس کونے سے کس کونے تک جا پہنچتی ہیں۔ نیز بجلی کے کرنٹ کے نظام کو دیکھ لیجئے کہ اگر مشرق میں اس کا بٹن دبایا جائے تو بغیر کسی وقفہ کے مغرب میں بلب روشن ہو جاتا ہے نیز ریڈیائی لاسلکی نظام کا مشاہدہ کیجئے کہ مشرق سے مغرب تک بلا وقفہ آواز پہنچتی ہے! اگر سرعت سیر کے یہ شواہد ہمارے مشاہدے میں ہیں تو پھر اس میں شک کرنے کی کہاں گنجائش ہے کہ سید الاولین والآخرین کے اس مبارک سفر میں رفتار کی کوئی پیچیدگی پیدا ہو۔ بہرحال اہل یورپ ومغرب کے تعصب کو ملاحظہ کیجئے کہ جب معراج کے اس عظیم معجزہ اور اعزاز کے انکار پر اتر آئے تو آسمانوں کا انکار کر بیٹھے اور طبقات ناریہ اور زمہریریہ کے مسائل کھڑے کر دیئے اور جب اپنی مطلب کی بات آئی تو چاند پر پلاٹ خرید نے کے منصوبے بنانے لگے۔

فعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ ولکن عین السخط تبدی المساویا

بندہ عاجز فضل محمد یوسف زئی نے تحفۃ المنعم اردو شرح مسلم، فروری میں ۲۰۱۱ء میں کراچی میں اپنے گھر میں لکھنی شروع کی الحمد اللہ جولائی ۲۰۱۱ء میں کتاب الایمان مع مقدمہ مسلم کی تشریحات کی تکمیل ہوگئی مجھے چونکہ عمرہ پر جانا تھا اس لئے میں نے قصد وارادہ کے ساتھ باب المعراج کی احادیث کی تشریحات حرم شریف مکہ مکرمہ میں لکھنے کے لئے مؤخر کیا اگرچہ معراج کا باب اور اس پر اعتراضات وجوابات سفر سے پہلے لکھے گئے ہیں۔ آج چھ رمضان ۱۴۳۲ھ کو میں ان بقیہ تشریحات کے لکھنے کے لئے حرم میں صبح دس بجے کے وقت بیٹھا ہوں وہ سامنے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے اس مکان کے نشانات موجود ہیں جہاں سے جبریل امین نے آنحضرت کو معراج کے لئے اُٹھایا تھا پھر وہ سامنے حطیم نظر آرہا ہے جہاں آنحضرت کو جبریل ومیکائیل شرح صدر کے لئے لائے تھے پھر میں ترکی اذان خانہ کے ساتھ ان دوستونوں کے پاس بیٹھا ہوا ہوں جن کے درمیان جبریل امین نے معراج کی رات براق کو باندھا تھا ان دونوں ستونوں کے اوپر چھت کے قریب کیکر کے پتوں کے نقشے بنے ہوئے ہیں ترکوں نے اس سے یہ اشارہ دیا ہے کہ براق یہاں گیا تھا اور یہ پتے ان کی غذا کی طرف اشارہ ہے ترکوں کی تعمیر میں تاریخی تعبیر ہوتی ہے ان دوستونوں میں سے ایک کے ساتھ ٹیک لگا کر میں معراج کے واقعہ سے متعلق امام مسلم کی لمبی حدیثوں کی تشریح لکھ رہا ہوں الحمد اللہ کتاب الایمان کا اختتام مسلک کے طور پر اللہ تعالیٰ نے مجھے یہاں آنے کی توفیق دیدی اور پھر لکھنے کا انتظام ہوگیا۔ الحمد للہ حمداً کثیراً۔ فضل محمد بن نور محمد یوسف زئی نزیل الحرم المکی وار حاب الطاریۃ السکۃ المکرمۃ۔ ۶ رمضان ۱۴۳۲ھ۔

بہرحال مکہ سے بیت المقدس تک سفر قرآن کریم کے نص قطعی سے ثابت ہے جس کا منکر کافر ہو جاتا ہے بیت المقدس سے آسمانوں کا سفر احادیث سے ثابت ہے جس کا منکر گمراہ ہو جاتا ہے۔

علامہ نووی اپنی شرح میں واقعہ معراج سے متعلق یوں رقمطراز ہیں۔

واقعہ معراج کا باب بہت طویل ہے مگر میں انشاء اللہ اختصار کے ساتھ چند مقاصد کو ذکر کروں گا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ

جمہور امت کے نزدیک معراج کا واقعہ حالت بیداری میں آنحضرت کے جسم عنصری کے ساتھ واقع ہوا ہے قاضی عیاض نے واقعہ معراج سے متعلق اچھا خلاصہ پیش کیا ہے جو حاضر خدمت ہے فرماتے ہیں کہ معراج کے بارے میں کچھ لوگوں نے اختلاف کیا ہے اور کہا کہ یہ پورا واقعہ ایک خواب تھا لیکن اس باطل نظریہ کے مقابلے میں حق بات یہ ہے کہ عام سلف صالحین اور عام متاخرین علماء اور فقہاء اور متکلمین کا متفقہ موقف یہ ہے کہ معراج کا واقعہ آنحضرت کے جسد عنصری کے ساتھ بیداری میں پیش آیا ہے تمام احادیث اسی پر دلالت کرتی ہیں لہذا احادیث کے ان ظاہری نصوص سے ادھر ادھر ہٹنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ کسی تاویل کی ضرورت ہے۔

''اتیت بالبراق'' اہل لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ براق اس حیوان کا نام ہے جس پر آنحضرت نے معراج کی رات سوار ہو کر سفر کیا تھا علامہ زبیدی فرماتے ہیں کہ یہ وہی سواری ہے جس پر تمام انبیاء کرام نے ضرورت کے وقت سواری کی ہے۔ (علامہ کی یہ بات محتاج ثبوت ہے)

ابن درید فرماتے ہیں کہ برق رفتاری اور سرعت سیر کی وجہ سے اس کو براق کہا جاتا ہے بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس حیوان کی چمک دمک اور انتہائی صفائی کی وجہ سے اس کو براق کہا گیا ہے بعض نے کہا کہ زیادہ سفیدی کی وجہ سے اس کو براق کہا گیا قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ سفید و سیاہ دو رنگوں کی آمیزش اور اختلاط کی وجہ سے شاید اس کو براق کہا گیا ہے اور اس طرح رنگ پر سفید کا اطلاق بھی ہوتا ہے ''شاۃ برقاء'' سفید بکری کو کہتے ہیں عجیب بات یہ کہ یہ دونوں ستون چتکبرے ہیں۔

''بیت المقدس'' یہ لفظ مسجد کے وزن پر پاک مکان کو کہتے ہیں یہ لفظ شد کے ساتھ محمد کے وزن پر بھی پڑھا جاتا ہے بتوں کی گندگی سے پاک ہونے کی وجہ سے اس کو بیت المقدس کہا گیا اس کو ''ایلیاء'' بھی کہتے ہیں۔

''فربطته'' باندھنے کے معنے میں ہے یہ احتیاط کی طرف اشارہ ہے جو توکل کے خلاف نہیں ہے۔

''فاخترت اللبن'' لبن دودھ کو کہتے ہیں آج کل عرب لسی کو لبن کہنے لگے ہیں اور دودھ کو حلیب کہتے ہیں لبن کو فطرت کہا گیا ہے اس میں تو کوئی شک نہیں یہ غذا بھی ہے زود ہضم بھی ہے اور مزیدار بھی ہے اب سوال یہ ہے کہ شراب تو ایک گندی چیز ہے اس کو آنحضرت کے سامنے لاکر کیوں پیش کی گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت اس کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا دوسرا جواب یہ ہے کہ فرشتوں پر آنحضرت کا عالی مقام اور فضیلت ظاہر کرنا مقصود تھا تیسرا جواب یہ ہے کہ شراب جنت سے لائی گئی تھی جو حلال تھی پاک تھی۔ ''الفطرۃ'' فطرت سے یہاں اسلام اور اسلام پر استقامت مراد ہے۔

''ثم عرج بنا'' یعنی جبریل نے ہمیں اوپر چڑھا کر لے گئے یہ تین ساتھی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریل امین اور میکائیل علیھم السلام۔ عربی میں عروج چڑھنے کو کہتے ہیں بیت المقدس سے اوپر آسمانوں کا جو سفر ہوا ہے شاید یہ لفٹ کی طرح ایک خود کار سیڑھی کے ذریعے سے ہوا ہے۔

''من انت'' یعنی جبریل امین نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا سامنے سے پوری شناخت اور تحقیق کا سوال کیا گیا جس سے معلوم

ہوتا ہے کہ آسمانوں کا نظام انتہائی منظم ہے شناخت، تعارف اور اجازت کے بغیر مقدس ہستیاں بھی اوپر نہیں جاسکتی ہیں آج کل کے نجس کفار کہتے ہیں کہ ہم آسمانوں سے اوپر گئے ہیں کذابین ہیں۔

''بعثہ'' یہ بعثت نبوت کے معنی میں نہیں ہے وہ تو سب کو معلوم تھا بلکہ یہ بلانے اور دعوت دینے کے معنے میں ہیں۔

''فاذاانا بآدم'' قانونی کاروائی کے مکمل ہونے کے بعد ہر آسمان کے تمام فرشتوں نے آنحضرت کا استقبال کیا ہے اور وہاں مقیم پیغمبروں نے مبارک باد اور خوش آمدید کے کلمات ادا کیے ہیں گویا سب نے کہا ہے

آنا تیرا مبارک تشریف لانے والے خوشیاں منا رہے ہیں سب تیرے چاہنے والے

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنحضرت کو بیٹے کے نام سے یاد کیا ہے باقی انبیاء کرام نے اچھے بھائی اور نبی صالح کے نام سے مرحبا کہا ہے۔

''البیت المعمور'' ساتویں آسمان پر فرشتوں کا کعبہ بیت المعمور واقع ہے جو بالکل بیت اللہ کے محاذات میں ہے اور اوپر عرش ہے کہتے ہیں کہ اگر عرش سے کوئی چیز گرائی جائے تو بیت المعمور پر آکر لگے گی اور پھر نیچے بیت اللہ آکر لگے گی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت المعمور کی طرف پیٹھ کی تھی قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اس سے بیت اللہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھنے کی اجازت ثابت ہوتی ہے۔ ''کـآذان الفیلة'' ہاتھی کے کان بہت بڑے ہوتے ہیں اس کے ساتھ تشبیہ ہے۔ ''القلال'' یہ قلة کی جمع ہے بڑے مٹکے کو کہتے ہیں۔ ''ارجع الی ربک'' چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حالت صحو میں تھے استغراق میں نہیں تھے اور آنحضرت حالت استغراق وانوارات میں تھے جو سنا قبول کر کے آئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل سے واسطہ بھی پڑا تھا وہ تجربہ بھی تھا اس لئے آنحضرت کو مشورہ دیا اس سے کوئی فضیلت کی بات نہیں نکلتی ہے آنحضرت نے نو بار دربار الٰہی میں حاضری دی اور ہر بار پانچ پانچ نمازوں کی تخفیف کی گئی تو پینتالیس معاف ہوگئیں اور پانچ رہ گئیں زمین پر پانچ ہیں آسمانوں میں ثواب کا اعتبار سے وہی پچاس ہیں بعض روایات میں پانچ کے بجائے ''شـطـر'' کا لفظ آیا ہے اس سے مراد جزء ہے وہی پانچ نمازیں مراد ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بار بار دربار الٰہی میں گئے ہیں تاکہ ملاقاتوں کا مزید موقع فراہم ہو کسی نے خوب کہا ہے۔

میں نے کہا میں خود جاؤں کہ نکلے مطلب دل کچھ نہ کچھ میرا جانا اور ہے قاصد کا جانا اور ہے

۴۱۲۔ **حَدَّثَنِي** عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ هَاشِمِ الْعَبْدِيُّ حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ اَسَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيتُ فَانْطَلَقُوا بِي اِلَى زَمْزَمَ فَشُرِحَ عَنْ صَدْرِي ثُمَّ غُسِلَ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ اُنْزِلْتُ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے لایا گیا پھر فرشتے مجھے

زمزم کی طرف لے چلے، میرا سینہ چاک کیا گیا اور قلب کو زمزم کے پانی سے دھویا گیا، پھر مجھے اپنے مقام پر اتار دیا گیا۔

## تشریح

''فشرح عن صدری'' آنحضرت کا ایک دفعہ بچپن میں حضرت حلیمہ سعدیہ کے ہاں شرح صدر ہوا تھا یہ درحقیقت دل کا آپریشن تھا مگر ادباً شرح صدر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ایک روایت میں ''شق'' کا لفظ آیا ہے بہر حال دل کے آپریشن کی رہنمائی سب سے پہلے اسلام نے کی ہے۔'' زمزم '' جنت سے ایمان بھرا پلیٹ تو لایا گیا مگر پانی نہیں لایا جس سے اشارہ ملتا ہے کہ زمزم کا پانی جنت کے پانی سے کم نہیں ہے۔'' ثم انزلت '' قاضی عیاض کہتے ہیں کہ علامہ'' وقشی '' نے کہا ہے اس لفظ میں وہم واقع ہو گیا ہے اور تصحیف ہو گئی ہے اصل میں انزلت نہیں بلکہ'' ترکت '' ہے قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ میں نے ابن سراج سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ عربی لغت میں انزلت ترکت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے لہذا یہاں تصحیف نہیں ترکت کے معنی میں ہے زیر بحث حدیث میں دوسری بار شرح صدر کا ذکر آیا ہے یعنی شرح صدر کے بعد مجھے چھوڑا گیا۔

۴۱۳۔ **حَدَّثَنَا** شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَاهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَأَخَذَهُ فَصَرَعَهُ فَشَقَّ عَنْ قَلْبِهِ فَاسْتَخْرَجَ الْقَلْبَ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ عَلَقَةً فَقَالَ هَذَا حَظُّ الشَّيْطَانِ مِنْكَ ثُمَّ غَسَلَهُ فِي طَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ لَأَمَهُ ثُمَّ أَعَادَهُ فِي مَكَانِهِ وَجَاءَ الْغِلْمَانُ يَسْعَوْنَ إِلَى أُمِّهِ يَعْنِي ظِئْرَهُ فَقَالُوا إِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ فَاسْتَقْبَلُوهُ وَهُوَ مُنْتَقِعُ اللَّوْنِ قَالَ أَنَسٌ وَقَدْ كُنْتُ أَرَى أَثَرَ ذَلِكَ الْمِخْيَطِ فِي صَدْرِهِ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو پکڑ کر زمین پر چت لٹا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک شق کر دیا اور قلب اطہر نکال کر اس میں سے ایک گوشت کا لوتھڑا پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ شیطان کا حصہ تھا آپ کے جسم میں۔ اس کے بعد قلب اطہر کو ایک سونے کے طشت میں زمزم کے پانی سے دھویا، اس کے بعد آپ کے دل کو اس کی جگہ میں رکھ کر جوڑ دیا لڑکے دوڑے دوڑے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ بے شک محمد کو قتل کر دیا گیا۔ لوگ دوڑے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ آپ کا رنگ فق ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے آپ کے سینہ مبارک پر جو سلائی کی تھی اس کا نشان میں آپ کے سینہ مبارک پر دیکھا کرتا تھا۔

## تشریح

"مسع الغلمان" حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جب آپؐ ان کی تربیت میں جبرئیل امین اور میکائیل آئے اور سینے سے دل نکال کر دھویا اور دل کے اندر خون کا ایک لوتھڑا تھا اسے نکال کر پھینک دیا اور کہا کہ یہ انسان کے دل میں شیطانوں کے وسوسوں کا مرکز ہے آپ کا دل اس صاف ہو گیا ہے۔

## سوال

یہاں یہ سوال ہے کہ جب شرح صدر کر کے خون کے اس لوتھڑے کو ہٹایا گیا تو پیدائش کے وقت اس کو کیوں پیدا کیا؟

## جواب

اس کو جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو کامل انسان کی حیثیت سے پیدا فرمایا تا کہ آپ کی تخلیق پر نقص کا اعتراض نہ آئے تکمیل بشریت کے بعد وساوس کے اس مرکز کو ختم کر دیا گیا۔ "طست" طاء پر فتح ہے کسرہ بھی جائز ہے پلیٹ کو کہتے ہیں۔

"لأمة" فتح یفتح سے ملانے اور جوڑنے کے معنی میں آتا ہے یہاں سی لینا مراد ہے چنانچہ حدیث کے آخر میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سیون کا یہ اثر میں دیکھتا رہتا تھا اس پر بالوں کی ایک خوبصورت دھاری گردن کی چنبر سے ناف تک کھنچی چلی گئی تھی۔ "ظئرة" دایہ کو ظئر کہتے ہیں آپ کی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ مراد ہے۔ امام مسلمؒ نے صرف شرح صدر کی نسبت سے اس حدیث کو یہاں نقل کیا ہے معراج سے تعلق نہیں ہے۔

٤١٤۔ **حَدَّثَنَا** هَارُوْنُ بْنُ سَعِيْدٍ الْاَيْلِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ سُلَيْمَانُ وَهُوَابْنُ بِلَالٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ شَرِيْكُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِيْ نَمِرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يُحَدِّثُنَا عَنْ لَيْلَةِ اُسْرِيَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَسْجِدِ الْكَعْبَةِ اَنَّهُ جَاءَهُ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ قَبْلَ اَنْ يُوْحٰى اِلَيْهِ وَهُوَنَائِمٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَسَاقَ الْحَدِيْثَ بِقِصَّتِهٖ نَحْوَ حَدِيْثِ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ وَقَدَّمَ فِيْهِ شَيْئًا وَاَخَّرَ وَزَادَ وَنَقَصَ۔

حضرت شریک بن عبداللہ بن ابی نمرہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی رات کا واقعہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ بیت اللہ کی مسجد سے آپ کو لے جایا گیا۔ تین افراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے وحی آنے سے قبل آپ مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے۔ آگے سابقہ حدیث ہی الفاظ کی کچھ تقدیم وتاخیر اور کمی بیشی کے ساتھ بیان کی جیسے ثابت بنانی کی روایت تھی۔

## تشریح

" قبل ان یوحی الیہ " شریک کی اس روایت میں بہت گڑبڑ ہے اور اس کا ذمہ دار بھی شریک ہے وحی آنے سے پہلے معراج کا کیا مطلب ہو سکتا ہے جب نبوت نہیں ملی تو معراج کیسے ہوئی ہاں خود معراج کی تاریخ میں اختلاف ہے کہ آیا بعثت سے پانچ سال بعد میں ہوئی ہے یا ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی ہے نیز رجب کی ستائیسویں تاریخ میں ہوئی یا ربیع الثانی کی ستائیسویں تاریخ میں ہوئی مشہور قول رجب کے مہینہ کی ستائیس تاریخ ہے لیکن یہ کہنا تو بالکل غلط ہے کہ وحی آنے سے پہلے ہوئی یہی وجہ ہے کہ امام مسلم نے شریک کی اس رویت کے بارے میں کہا کہ اس میں کمی اور زیادتی کی گئی ہے تقدیم اور تاخیر ہوتی ہے۔

" وھو نائم " یہ لفظ بھی آیا ہے جس سے وہم ہوتا ہے کہ یہ خواب کا معاملہ ہے صحیح روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمِّ ھانی کے گھر میں سوئے ہوئے تھے وہاں سے فرشتوں نے اٹھایا اور حطیم وزمزم کے پاس لائے پھر براق کے پاس لائے گئے اور پھر بیت المقدس کی طرف روانہ کر دیئے گئے۔

۴۱۵۔ وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى التُّجِيبِيُّ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ أَبُو ذَرٍّ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُرِجَ سَقْفُ بَيْتِي وَأَنَا بِمَكَّةَ فَنَزَلَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَفَرَجَ صَدْرِي ثُمَّ غَسَلَهُ مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَإِيمَانًا فَأَفْرَغَهَا فِي صَدْرِي ثُمَّ أَطْبَقَهُ ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي فَعَرَجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ فَلَمَّا جِئْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا قَالَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِخَازِنِ السَّمَاءِ الدُّنْيَا افْتَحْ قَالَ مَنْ هَذَا؟ قَالَ هَذَا جِبْرِيلُ قَالَ هَلْ مَعَكَ أَحَدٌ؟ قَالَ نَعَمْ مَعِيَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَأُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ نَعَمْ فَفَتَحَ قَالَ فَلَمَّا عَلَوْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا فَإِذَا رَجُلٌ عَنْ يَمِينِهِ أَسْوِدَةٌ وَعَنْ يَسَارِهِ أَسْوِدَةٌ قَالَ فَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِينِهِ ضَحِكَ وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكَى قَالَ فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالِابْنِ الصَّالِحِ قَالَ قُلْتُ يَا جِبْرِيلُ! مَنْ هَذَا؟ قَالَ هَذَا آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهَذِهِ الْأَسْوِدَةُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ نَسَمُ بَنِيهِ فَأَهْلُ الْيَمِينِ أَهْلُ الْجَنَّةِ وَالْأَسْوِدَةُ الَّتِي عَنْ شِمَالِهِ أَهْلُ النَّارِ فَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِينِهِ ضَحِكَ وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكَى قَالَ ثُمَّ عَرَجَ بِي جِبْرِيلُ حَتَّى أَتَى السَّمَاءَ الثَّانِيَةَ فَقَالَ لِخَازِنِهَا افْتَحْ قَالَ فَقَالَ لَهُ خَازِنُهَا مِثْلَ مَا قَالَ خَازِنُ السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَفَتَحَ، فَقَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ فَذَكَرَ أَنَّهُ وَجَدَ فِي السَّمَاوَاتِ آدَمَ وَإِدْرِيسَ وَعِيسَى وَمُوسَى وَإِبْرَاهِيمَ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ وَلَمْ يُثْبِتْ كَيْفَ مَنَازِلُهُمْ غَيْرَ أَنَّهُ ذَكَرَ أَنَّهُ قَدْ وَجَدَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا وَإِبْرَاهِيمَ فِي السَّمَاءِ السَّادِسَةِ، قَالَ فَلَمَّا مَرَّ جِبْرِيلُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِدْرِيسَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ مَرْحَبًا

بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْاَخِ الصَّالِحِ قَالَ ثُمَّ مَرَّ فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا؟ فَقَالَ هٰذَا اِدْرِيْسُ قَالَ ثُمَّ مَرَرْتُ بِمُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْاَخِ الصَّالِحِ قَالَ قُلْتُ مَنْ هٰذَا؟ قَالَ هٰذَا مُوْسٰى قَالَ ثُمَّ مَرَرْتُ بِعِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْاَخِ الصَّالِحِ فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا؟ قَالَ هٰذَا عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ قَالَ ثُمَّ مَرَرْتُ بِاِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْاِبْنِ الصَّالِحِ قَالَ قُلْتُ مَنْ هٰذَا؟ قَالَ هٰذَا اِبْرَاهِيْمُ. قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَاَخْبَرَنِي ابْنُ حَزْمٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَاَبَا حَبَّةَ الْاَنْصَارِيَّ كَانَا يَقُوْلَانِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ عَرَجَ بِيْ حَتّٰى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى اَسْمَعُ فِيْهِ صَرِيْفَ الْاَقْلَامِ. قَالَ ابْنُ حَزْمٍ وَاَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفَرَضَ اللّٰهُ عَلٰى اُمَّتِيْ خَمْسِيْنَ صَلَاةً قَالَ فَرَجَعْتُ بِذٰلِكَ حَتّٰى اَمُرَّ بِمُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَرَاجِعْ رَبَّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ قَالَ فَرَاجَعْتُ رَبِّيْ فَوَضَعَ عَنِّيْ شَطْرَهَا قَالَ فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَخْبَرْتُهُ فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ قَالَ فَرَاجَعْتُ رَبِّيْ فَقَالَ هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُوْنَ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ قَالَ فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ فَقُلْتُ قَدِ اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّيْ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ بِيْ جِبْرِيْلُ حَتّٰى نَاْتِيَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهٰى فَغَشِيَهَا اَلْوَانٌ لَا اَدْرِيْ مَا هِيَ قَالَ ثُمَّ اُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ فَاِذَا فِيْهَا جَنَابِذُ اللُّؤْلُؤِ وَاِذَا تُرَابُهَا الْمِسْكُ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میں مکہ مکرمہ میں تھا تو ایک بار میرے گھر کی چھت کھول دی گئی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نزول فرمایا اور میرا سینہ چاک کیا، قلب کو، زمزم سے دھویا پھر ایک سونے کا طشت لے کر آئے جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا اسے میرے سینے پر انڈیل دیا اور اس کے بعد میرے سینہ کو ملا دیا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لیکر آسمان کی طرف پرواز کر گئے۔ جب ہم آسمان دنیا پر پہنچے تو جبرئیل علیہ السلام نے آسمان دنیا کے دربان سے کہا دروازہ کھول۔ اس نے کہا کون ہے؟ فرمایا جبرئیل! کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا ہاں! میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پوچھا گیا کیا انہیں بلانے کے لئے بھیجا گیا تھا؟ فرمایا ہاں! لہٰذا دروازہ کھول دو۔ چنانچہ دروازہ کھولا گیا۔ جب ہم آسمان دنیا پر چڑھے تو دیکھا کہ ایک صاحب ہیں ان کے دائیں بائیں جماعتیں بیٹھی تھیں۔ جب وہ اپنے دائیں طرف دیکھتے تو ہنسنے لگتے اور بائیں طرف دیکھتے تو رونے لگتے۔ وہ کہنے لگے کہ مرحبا ہو نیک و صالح نبی اور نیک صالح بیٹے کے لئے۔ میں نے کہا اے جبرئیل! یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ آدم علیہ السلام ہیں اور یہ جو ان کے دائیں بائیں جماعتیں ہیں تو یہ ان کی اولاد ہیں، دائیں طرف والے

تو اہل جنت ہیں اور بائیں طرف والی جماعت کے لوگ اہل جہنم ہیں ،۔ جب یہ دائیں طرف دیکھتے ہیں تو ہنسنے لگتے ہیں اور بائیں طرف دیکھتے ہیں تو رونے لگتے ہیں۔ پھر جبرئیل علیہ السلام مجھے لے کر دوسرے آسمان کی جانب محو پرواز ہوئے وہاں پہنچے تو اس کے دربان سے کہا دروازہ کھولو، اس دربان نے بھی وہی بات کہی جو آسمان دنیا کے دربان نے کہی تھی۔ اس کے بعد دروازہ کھول دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں پر حضرت آدم علیہ السلام ،حضرت ادریس علیہ السلام ،حضرت عیسیٰ علیہ السلام ،حضرت موسیٰ علیہ السلام ،حضرت ابراہیم علیہ الصلوات اللہ علیہم اجمعین کے ملنے کا ذکر فرمایا اور ان کے منازل کو متعین نہیں فرمایا سوائے اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ نے آدم علیہ السلام کو آسمان دنیا پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر پایا۔ فرمایا کہ جب جبرئیل علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انہوں نے فرمایا کہ مرحبا ہو نیک صالح نبی اور صالح بھائی کے لئے ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میں ان کے پاس سے گزرا تو پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ ادریس علیہ السلام ہیں۔ پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے فرمایا مرحبا ہو نیک نبی اور صالح بھائی کو۔ میں نے کہا یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے فرمایا: مرحبا ہو صالح نبی اور صالح بھائی کو۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں۔ پھر میرا گزر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوا تو انہوں نے فرمایا: مرحبا ہو صالح نبی اور صالح بیٹے کے لئے۔ میں نے کہا یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ابن شہاب زہریؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابن حزم نے کہا حضرت ابن عباس اور حضرت ابوحبہ الانصاری رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر مجھے اور اوپر لے جایا گیا یہاں تک کہ میں ایک بلند اور ہموار مقام پر تھا وہاں میں قلموں کے چلنے کی آواز سن رہا تھا، ابن حزم رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض فرمائیں۔ میں ۵۰ نمازوں کا تحفہ لیکر لوٹا۔ موسیٰ علیہ السلام پر گذر ہوا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض فرمایا ہے؟ میں نے کہا کہ امت پر ۵۰ نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے مجھ سے کہا لوٹ جایئے اپنے پروردگار کے پاس کیونکہ آپ کی امت اس کی سکت نہیں رکھتی۔ فرمایا کہ میں اپنے پروردگار سے رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ نے آدھی کم کردی۔ میں واپس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹا تو انہیں بتلایا۔ انہوں نے فرمایا کہ لوٹ جایئے اپنے رب کے پاس کیونکہ آپ کی امت کو اتنی نمازوں کی بھی طاقت نہیں۔ میں نے پھر رب العالمین سے رجوع کیا تو اللہ نے فرمایا یہ کل ۵ نمازیں فرض ہیں اور یہ پانچ ہی پچاس کے برابر ہیں۔ میرے دربار میں فیصلہ تبدیل نہیں ہوتا۔ میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو انھوں نے فرمایا کہ اپنے رب کے

پاس لوٹ جائیے۔ میں نے کہا مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے۔ پھر مجھے جبرئیل علیہ السلام لے کر چلے یہاں تک کہ ہم سدرۃ المنتہی پر آئے تو اسے مختلف رنگوں نے ڈھانپ لیا میں نہیں جانتا کہ وہ کیا تھے؟ اس کے بعد میں جنت میں داخل کیا گیا تو دیکھا اس میں موتیوں کے ٹیلے تھے اور اس کی مٹی مشک کی تھی۔

## تشریح

''عن یمینہ اسودۃ'' یہ سواد کی جمع ہے جیسے زمان واز منۃ ہے شخص اور جسم کے معنی میں ہے بعض نے جماعات کا ترجمہ کیا ہے دوسری روایت میں نسم کا لفظ آیا ہے وہ نسمہ کی جمع ہے نسمہ انسان کی روح کو کہتے ہیں یہاں اولاد آدم کی ارواح مراد ہیں حضرت آدم ان کی بری حالت دیکھ کر تے تھے اور اچھی حالت پر ہنستے تھے یہ نظارہ اپنے خاص خاص مقامات پر نہیں ہوا بلکہ یہ ارواح اس وقت یہاں لائی گئیں تھیں اصل مقامات تو علیین یا سجین ہیں اسی طرح انبیاء کرام سے ملاقات کبھی ان کے اصل مقام پر ہوئی ہے کبھی وہ کسی خاص جگہ میں تشریف لائے ہیں اجسام مثالیہ کے ساتھ کسی جگہ تشریف لانا کوئی بعید نہیں لہذا معراج کے واقعہ میں حضرت ابراہیم کبھی ساتویں آسمان اور کبھی چھٹے آسمان پر ملے ہیں اس میں کوئی تضاد نہیں ہے اس باب کی پہلی حدیث میں جو ترتیب بتائی گئی وہی ترتیب اصل ہے اور اسی پر مدار ہے جس کی طرف ''اعیاھما'' کے حروف کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے کہ جس نبی کے نام کا پہلا حرف اس کلمہ کے پہلے حرف کے مطابق ہو اسی ترتیب سے اس نبی سے ملاقات ہوئی تھی جیسے حضرت آدم کے نام کا پہلا حرف الف ہے اعیاھما میں بھی پہلا حرف الف ہے لہذا پہلے آسمان میں ان سے ملاقات ہوئی پھر دوسرے آسمان میں حضرت عیسیٰ پھر حضرت یوسف پھر حضرت ادریس پھر حضرت ہارون پھر حضرت موسیٰ اور پھر آخر میں حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات ہوئی ترتیب وہی اعیاھما کی ہے سب سے پہلے جو حدیث گذری ہے اس میں حضرت عیسیٰ اور حضرت یحیی دونوں دوسرے آسمان میں ملے ہیں آنحضرت نے ان کو خالہ زاد بھائی فرمایا ہے شارحین کہتے ہیں کہ یہ پھوپھی زاد بھائی تھے بہر حال میں شارحین کے مقصد کو نہیں سمجھ سکا حدیث میں خالہ زاد کا لفظ واضح طور پر موجود ہے۔

''ظھرت'' بلند ہونے کے معنی میں ہے۔ ''لمستوی'' اس سے اس طرح مقام مراد ہے جو بلند بھی ہو اور ہموار بھی ہو۔

''صریف الاقلام'' لوح محفوظ سے فرشتے اللہ تعالی کے نئے نئے صادر کردہ احکام لکھتے رہتے ہیں لکھتے وقت قلم سے کاغذ پر کش کش کی آواز نکلتی ہے اسی صریف الاقلام کہتے ہیں۔ ''خمسین صلوۃ'' پچاس نمازوں کے پڑھنے پر کسی نے عمل نہیں کیا ہے اس کو نسخ قبل العمل کہتے ہیں تاہم زمین پر پڑھنا اگر چہ منسوخ ہو گیا مگر آسمانوں میں ثواب کے اعتبار سے وہیں پچاس نمازیں ہیں۔

''من جاء بالحسنة فله عشر امثالها''۔

''لقد استحییت'' یعنی میں نے بار بار اللہ تعالیٰ سے نمازیں کم کرانے کے لئے کہا اب مجھے حیاء آتی ہے کہ پھر جاؤں جو مسلمان ہوگا وہ

پانچ پڑھے گا۔" حبایذ" یہ حبنذۃ کی جمع ہے قبا اور گنبد کے معنی میں ہے یعنی جنت میں موتیوں کے گنبد تھے اور مشک وعنبر کی مٹی تھی۔

"احد الثلاثة بين الرجلين" اس جملہ کا مطلب نووی نے بیان نہیں کیا نہ علامہ ابی نے بیان کیا ہے علامہ عثمانیؒ نے ایک عجیب مطلب بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ام ھانی کے گھر میں حضرت حمزہؓ اور حضرت جعفرؓ کے درمیان سوئے ہوئے تھے کہ ایک فرشتہ نے کہا کہ ان تین آدمیوں میں سے ایک محمدؐ ہیں جن کو معراج پر لے جانا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ایک فرشتے نے کہا کہ ہم دونوں آدمیوں کے درمیان جو تیسرا آدمی ہے یہی نبی ہیں جس کو معراج پر لے جانا ہے حدیث کا ترجمہ کرنے والوں نے اسی قسم کا ترجمہ کیا ہے۔

٤١٦ـ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ لَعَلَّهُ قَالَ عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ رَجُلٍ مِنْ قَوْمِهِ قَالَ قَالَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا أَنَا عِنْدَ الْبَيْتِ بَيْنَ النَّائِمِ وَالْيَقْظَانِ إِذْ سَمِعْتُ قَائِلًا يَقُولُ أَحَدُ الثَّلَاثَةِ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ فَأُتِيتُ فَانْطُلِقَ بِي فَأُتِيتُ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ فِيهَا مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ فَشُرِحَ صَدْرِي إِلَى كَذَا وَكَذَا. قَالَ قَتَادَةُ فَقُلْتُ لِلَّذِي مَعِي مَا يَعْنِي؟ قَالَ إِلَى أَسْفَلِ بَطْنِهِ فَاسْتُخْرِجَ قَلْبِي فَغُسِلَ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ أُعِيدَ مَكَانَهُ ثُمَّ حُشِيَ إِيمَانًا وَحِكْمَةً ثُمَّ أُتِيتُ بِدَابَّةٍ أَبْيَضَ يُقَالُ لَهُ الْبُرَاقُ فَوْقَ الْحِمَارِ وَدُونَ الْبَغْلِ يَقَعُ خَطْوُهُ عِنْدَ أَقْصَى طَرْفِهِ فَحُمِلْتُ عَلَيْهِ، ثُمَّ انْطَلَقْنَا حَتَّى أَتَيْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقِيلَ مَنْ هَذَا؟ قَالَ جِبْرِيلُ قِيلَ وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيلَ وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفَتَحَ لَنَا وَقَالَ مَرْحَبًا بِهِ وَلَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ قَالَ فَأَتَيْنَا عَلَى آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِقِصَّتِهِ وَذَكَرَ أَنَّهُ لَقِيَ فِي السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ عِيسَى وَيَحْيَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَفِي الثَّالِثَةِ يُوسُفَ وَفِي الرَّابِعَةِ إِدْرِيسَ وَفِي الْخَامِسَةِ هَارُونَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقْنَا حَتَّى انْتَهَيْنَا إِلَى السَّمَاءِ السَّادِسَةِ فَأَتَيْتُ عَلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ رَبِّ! هَذَا غُلَامٌ بَعَثْتَهُ بَعْدِي يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِهِ الْجَنَّةَ أَكْثَرُ مِمَّا يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِي. قَالَ ثُمَّ انْطَلَقْنَا حَتَّى انْتَهَيْنَا إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَأَتَيْتُ عَلَى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَالَ فِي الْحَدِيثِ وَحَدَّثَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ رَأَى أَرْبَعَةَ أَنْهَارٍ يَخْرُجُ مِنْ أَصْلِهَا نَهْرَانِ ظَاهِرَانِ وَنَهْرَانِ بَاطِنَانِ فَقُلْتُ يَا جِبْرِيلُ! مَا هَذِهِ الْأَنْهَارُ؟ قَالَ أَمَّا النَّهْرَانِ الْبَاطِنَانِ فَنَهْرَانِ فِي الْجَنَّةِ وَأَمَّا الظَّاهِرَانِ فَالنِّيلُ وَالْفُرَاتُ ثُمَّ رُفِعَ لِي الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ فَقُلْتُ يَا جِبْرِيلُ! مَا هَذَا؟ قَالَ هَذَا الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ إِذَا خَرَجُوا مِنْهُ لَمْ يَعُودُوا فِيهِ آخِرُ مَا عَلَيْهِمْ ثُمَّ أُتِيتُ بِإِنَاءَيْنِ أَحَدُهُمَا خَمْرٌ وَالْآخَرُ لَبَنٌ فَعُرِضَا عَلَيَّ فَاخْتَرْتُ اللَّبَنَ فَقِيلَ أَصَبْتَ أَصَابَ اللَّهُ بِكَ أُمَّتُكَ عَلَى الْفِطْرَةِ ثُمَّ فُرِضَتْ عَلَيَّ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسُونَ صَلَاةً ثُمَّ ذَكَرَ قِصَّتَهَا إِلَى آخِرِ الْحَدِيثِ ـ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ غالبًا مالک بن صعصعہ سے جوان کی قوم کے ایک شخص تھے سے بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس اثناء میں کہ بیت اللہ کے قریب غنودگی کی حالت میں تھا کہ میں نے سنا کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا کہ یہ ایک ہیں تینوں میں سے دوافراد کے درمیان پس میں لایا گیا اور وہ مجھے لے کر چلے، میرے پاس ایک سونے کا طشت لایا گیا اس میں ماء زمزم تھا۔ میرا سینہ اس طرح چاک کیا گیا۔ قتادہؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ اس کے کیا معنی ہیں؟ اس نے کہا پیٹ سے نیچے کی طرف چاک کیا گیا۔ پھر میرے قلب کو نکالا گیا اسے زمزم کے پانی سے دھویا گیا اور اس کی جگہ پر رکھ دیا گیا پھر اس کو ایمان اور حکمت سے بھر دیا گیا۔ پھر ایک سفید جانور میرے پاس لایا گیا اسے بُراق کہا جاتا تھا۔ گدھے سے کچھ اونچا اور خچر سے کچھ کم تھا۔ اپنے قدم حد نگاہ پر رکھتا تھا مجھے اس پر سوار کیا گیا پھر ہم چلے یہاں تک کہ آسمان دنیا پر پہنچے۔ جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا تو کہا گیا یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ جبرئیل! پوچھا گیا۔ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کہا گیا کیا انہیں بلانے کے لئے بھیجا گیا تھا؟ فرمایا کہ ہاں! چنانچہ دروازہ ہمارے لئے کھول دیا گیا اور کہا مرحبا آپ کا آنا بہت ہی اچھا اور مبارک ہے۔ پھر ہم حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئے، آگے سارا قصہ ذکر فرمایا، فرمایا کہ دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ تیسرے میں یوسف علیہ السلام سے، چوتھے میں حضرت ادریس علیہ السلام سے پانچویں میں حضرت ہارون علیہ السلام سے، فرمایا پھر ہم چلے یہاں تک کہ چھٹے آسمان پر پہنچے، میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا انہیں سلام کیا تو انہوں نے فرمایا: مرحبا ہو نیک بھائی اور نیک نبی کو۔ جب میں ان سے آگے بڑھا تو وہ رونے لگے، ایک آواز آئی کیوں روتے ہو؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے میرے رب! آپ نے اس لڑکے کو میرے بعد مبعوث فرمایا اور اس کی امت کے افراد زیادہ جنت میں داخل ہوں گے میری امت کے افراد کے مقابلہ میں۔ اس کے بعد ہم چلے، یہاں تک کہ ساتویں آسمان پر پہنچے، میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا، اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے چار نہریں دیکھیں کہ سدرۃ المنتہی کی جڑ سے نکل رہی ہیں۔ دو نہریں تو ظاہر تھیں اور دو چھپی ہوئی تھیں، میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اے جبرئیل! ان نہروں کا کیا معاملہ ہے؟ فرمایا جو چھپی ہوئی نہریں ہیں وہ تو جنت کی نہریں ہیں اور جو ظاہری نہریں ہیں وہ دریائے نیل اور دریائے فرات ہیں۔ پھر میرے لئے بیت المعمور کو بلند کیا گیا میں نے کہا اے جبرئیل! یہ کیا ہے؟ فرمایا بیت المعمور ہے، اس میں روزانہ ستر ہزار ملائکہ داخل ہوتے ہیں اور نکلنے کے بعد دوبارہ اس میں نہیں داخل ہوں گے اپنے اخیر تک۔ اس کے بعد میرے پاس دو برتن لائے گئے ایک میں شراب اور دوسرے میں دودھ تھا، دونوں برتن میرے سامنے پیش کئے گئے تو میں نے دودھ اختیار کیا، مجھ سے کہا گیا کہ آپ نے ٹھیک کیا، اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ آپ کی امت کو فطرتِ صحیحہ پر رکھے گا۔ پھر مجھ پر روزانہ پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔

## تشریح

"فوق الحمار" براق کے بارے میں اتنا ہی معلوم ہے کہ خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا حیوان تھا جہاں اس کی نظر پڑتی تھی وہاں اس کا پاؤں پڑتا تھا اس کے علاوہ آج کل لوگ براق النبیؐ کے نام سے جو ایک تصویر بناتے ہیں جو ایک ماڈرن لڑکی ہوتی ہے میک اپ کیا ہوتا ہے پچھلا حصہ گھوڑے کا ہوتا ہے اس کے ساتھ پر لگے ہوتے ہیں یہ تصویر ٹرکوں اور کنٹینروں پر بنائی جاتی ہے جو لوگ یہ کام کرتے ہیں وہ دین اسلام اور نبی آخرزمان کی توہین کرتے ہیں اس طرح ماڈرن لڑکی پر نبی اکرم کو سوار تصور کرنا کتنا بڑا جرم ہے اکثر شیعہ اور بریلوی یہ دھندہ چلاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے ورنہ تباہ وبرباد کردے اور تباہ ہو ہی گئے ہیں۔

"بکی" یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے آپ نے اپنے رونے کی وجہ بتائی ہے کہ ایک نوعمر نوجوان نبی آیا جو زیادہ عمر رسیدہ بھی نہیں اگر ان کی امت اتنی زیادہ ہوگئی کہ میں پیچھے رہ گیا تو اپنی امت کی تاخیر پر روئے ہیں کہ ان کو دین نعمت کم مل گئی وہ کم مسلمان ہوئے کوئی حسد نہیں تھا زیادہ سے زیادہ غبطہ ہوگا جو جائز ہے ساتھ والی روایت میں شرح صدر کے لئے "شق" کا لفظ آیا ہے۔ نحر کے ساتھ بعض روایات میں ثغرۃ النحر کا لفظ آیا ہے یہ گردن کے چنبر اور سینہ کے اوپر حصہ میں جو گڑھا ہوتا ہے اسی کو کہا گیا ہے۔ شق صدر کا واقعہ تین بار پیش آیا ہے بچپن میں دل سے وسوسوں کے مرکز کو ختم کرنے کے لئے ہوا پھر غار حرا کے پاس قبول وحی کی استعداد کے لئے ہوا اور تیسری بار معراج کے موقع پر اونچی پرواز کی غرض سے ہوا۔

"مراق البطن" پیٹ کے نرم حصہ کو مراق کہا گیا ہے اسی کو الی سرۃ سے بھی یاد کیا گیا ہے۔

۴۱۷۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ وَزَادَ فِيهِ فَأُتِيتُ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَإِيمَانًا فَشُقَّ مِنَ النَّحْرِ إِلَى مَرَاقِّ الْبَطْنِ فَغُسِلَ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ مُلِئَ حِكْمَةً وَإِيمَانًا۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث ہی منقول ہے۔ اس اضافہ کے ساتھ کہ فرمایا ایک سونے کا طشت جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا میرے لئے لایا گیا اور میرے سینے کو گلے کے قریب سے پیٹ کے نچلے نرم حصہ تک شق کیا گیا، قلب اطہر کو ماء زمزم سے غسل دیا گیا اور اسے حکمت اور ایمان سے بھر دیا گیا۔

۴۱۸۔ **حَدَّثَنِي** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْعَالِيَةِ يَقُولُ حَدَّثَنِي ابْنُ عَمِّ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ ذَكَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أُسْرِيَ بِهِ فَقَالَ مُوسَى آدَمُ طُوَالٌ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ وَقَالَ عِيسَى جَعْدٌ مَرْبُوعٌ وَذَكَرَ مَالِكًا خَازِنَ جَهَنَّمَ وَذَكَرَ الدَّجَّالَ۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالعالیہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ مجھ سے تمہاری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے واقعۂ اسراء کا ذکر کرتے ہوئے اس میں فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگت والے تھے گویا وہ قبیلہ شنوءہ کے آدمیوں میں سے ہوں۔ اور فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام گھونگھریالے بالوں والے متناسب قدو قامت کے مالک ہیں۔ اسی حدیث میں آپ نے داروغہ جہنم جس کا نام مالک ہے اس کا اور دجال کا بھی ذکر فرمایا۔

۴۱۹۔ وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ أَخْبَرَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ حَدَّثَنَا ابْنُ عَمِّ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عَلٰى مُوسَى بْنِ عِمْرَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَجُلٌ آدَمُ طُوَالٌ جَعْدٌ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ وَرَأَيْتُ عِيسَى بْنَ مَرْيَمَ مَرْبُوعَ الْخَلْقِ إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ سَبِطَ الرَّأْسِ وَأُرِيَ مَالِكًا خَازِنَ النَّارِ وَالدَّجَّالَ فِي آيَاتٍ أَرَاهُنَّ اللّٰهُ إِيَّاهُ ﴿فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَائِهِ﴾ (السجدة:۲۳) قَالَ كَانَ قَتَادَةُ يُفَسِّرُهَا أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ لَقِيَ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

حضرت قتادہؒ، ابوالعالیہ کے واسطہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا مجھ سے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول مقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنی معراج کی رات حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے پاس سے گزرا، وہ گندمی رنگت والے دراز قامت گھونگھریالے بالوں کے مالک آدمی ہیں، گویا کہ وہ شنوءہ قبیلہ کے فرد ہوں۔ اور میں نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو دیکھا وہ درمیانی اور متناسب قامت والے سرخ وسفید رنگت والے ہیں اور سیدھے بالوں والے ہیں۔ اور مجھے دکھلائے گئے داروغہ جہنم جس کا نام مالک ہے اور دجال ان نشانیوں میں جو اللہ تعالیٰ نے خاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دکھلائیں پس آپ شک میں مت پڑیئے۔ موسیٰ علیہ السلام سے اپنی ملاقات میں حضرت قتادہؒ اس آیت ﴿فلا تکن فی مریۃ من لقائہ﴾ کی تفسیر یہ کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ہے۔

## تشریح

"آدم طوال" یعنی موسیٰ علیہ السلام گندم گوں رنگ کے تھے اور طویل قامت والے تھے۔

"شنوءۃ" یہ ایک مشہور قبیلہ کا نام ہے اس کو ازدشنوءۃ بھی کہتے ہیں یمن کے اکثر لوگ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

"مربوع" یعنی حضرت عیسیٰ کا قد درمیانہ تھا حضرت عیسیٰ کے لئے "جعد" کا لفظ بھی آیا ہے مطلب یہ ہے کہ آپ درم

کے مضبوط جسم والے تھے۔ '' جعد '' کا اطلاق جب جسم پر ہوتا ہے تو مضبوط جسم مراد ہوتا ہے جو ممدوح صفت ہے اور جب جعد کا لفظ بالوں پر بولا جاتا ہے۔ تو گنگھریالے بال مراد ہوتے ہیں جو مذموم صفت ہے۔ '' سبط الرأس '' یعنی کھلے بال تھے۔

'' فی مریة من لقائه '' لقائه کی ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے یعنی '' من لقاء موسیٰ علیہ السلام '' اسی کو قتادہ نے بیان کیا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جو کتاب ملی تھی اس میں شک نہ کریں یہ تفسیر واضح نہیں ہے اگرچہ صحیح ہے حضرت ابن عباس کی رائے ہیں۔

۴۲۰۔ **حَدَّثَنَا** اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَسُرَيْجُ بْنُ يُونُسَ قَالَا حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ اَخْبَرَنَا دَاوُدُ ابْنُ اَبِي هِنْدٍ عَنْ اَبِي الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِوَادِي الْاَزْرَقِ فَقَالَ اَيُّ وَادٍ هٰذَا ؟ فَقَالُوْا هٰذَا وَادِي الْاَزْرَقِ قَالَ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ هَابِطًا مِنَ الثَّنِيَّةِ وَلَهُ جُؤَارٌ اِلَى اللّٰهِ بِالتَّلْبِيَةِ ثُمَّ اَتٰى عَلٰى ثَنِيَّةِ هَرْشٰى فَقَالَ اَيُّ ثَنِيَّةٍ هٰذِهِ ؟ قَالُوْا ثَنِيَّةُ هَرْشٰى قَالَ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى يُونُسَ بْنِ مَتّٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلٰى نَاقَةٍ حَمْرَاءَ جَعْدَةٍ عَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنْ صُوفٍ خِطَامُ نَاقَتِهِ خُلْبَةٌ وَهُوَ يُلَبِّيْ ۔ قَالَ ابْنُ حَنْبَلٍ فِي حَدِيثِهِ قَالَ هُشَيْمٌ يَعْنِي لِيفًا ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار '' وادی ازرق '' سے گزرے تو پوچھا کہ یہ کون سی وادی ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یہ وادی ازرق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام گھاٹی سے نیچے اترے ہیں اور با آواز بلند اللہ کو پکار رہے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم '' ہرشی کی گھاٹی '' پر تشریف لائے تو دریافت فرمایا یہ کونسی گھاٹی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا '' ہرشا کی گھاٹی '' ہے۔ فرمایا کہ: میں گویا کہ حضرت یونس بن متی کو ایک سرخ گٹھے ہوئے جسم والی اونٹنی پر دیکھ رہا ہوں ان کے جسم پر اونی جبہ ہے اور ان کی اونٹنی کی نکیل کھجور کی چھال کی بنی ہوئی رسی کی ہے۔ اور وہ تلبیہ پڑھ رہے ہیں۔ ابن حنبلؒ نے اپنی روایت میں فرمایا کہ ہشیم نے فرمایا خلبہ سے مراد پتہ ہے۔

## تشریح

'' وادی الازرق '' مدینہ منورہ میں یہ وادی ہے ثنیہ گھاٹی کو کہتے ہیں '' ھرشی '' ایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ اور شام کے درمیان راستے میں واقع ہے جحفہ کے قریب ہے۔ '' لہ جوار '' بلند آواز سے تلبیہ پڑھنے یا کسی آواز کو بلند کرنے کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے '' ثم الیه تجئرون '' اسی سے ہے۔ '' جعدة '' یہاں حضرت یونس علیہ السلام کی اونٹنی کے جسم کی مضبوطی کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے یعنی گٹھے جسم کی اونٹنی تھی۔ '' لیف '' اور '' خلبة '' ایک ہی چیز ہے کھجور کی چھالوں سے جو رسی بنائی جاتی ہے اس کو کہا گیا ہے۔ آنے والی روایت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ضرب اور مضطرب کے الفاظ آئے ہیں یعنی آپ

چھریرے بدن کے مالک تھے یہ ممدوح صفت ہے شاعر کہتا ہے

انا الرجل الضرب الذی تعرفوننی خشاش کرأس الحیة المتوقد

۴۲۱۔ وَحَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِی عَدِیٍّ عَنْ دَاوُدَ عَنْ اَبِی الْعَالِیَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سِرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ مَکَّۃَ وَالْمَدِیْنَۃِ فَمَرَرْنَا بِوَادٍ فَقَالَ اَیُّ وَادٍ ھٰذَا؟ فَقَالُوْا وَادِی الْاَزْرَقِ فَقَالَ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی مُوْسٰی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ من لونہ وشعرہ شیئا لم یحفظہ داود واضعا اصبعیہ فی اذنیہ لہ جُؤَارٌ اِلَی اللّٰہِ بِالتَّلْبِیَۃِ مَارًّا بِھٰذَا الْوَادِیْ قَالَ ثُمَّ سِرْنَا حَتّٰی اَتَیْنَا عَلٰی ثَنِیَّۃٍ فَقَالَ اَیُّ ثَنِیَّۃٍ ھٰذِہٖ؟ قَالُوْا ھَرْشٰی اَوْلِفْتٌ فَقَالَ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی یُوْنُسَ عَلٰی نَاقَۃٍ حَمْرَاءَ عَلَیْہِ جُبَّۃُ صُوْفٍ خِطَامُ نَاقَتِہٖ لِیْفٌ خُلْبَۃٌ مَارًّا بِھٰذَا الْوَادِیْ مُلَبِّیًا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان سے گزر رہے تھے، ہمارا گزر ایک وادی سے ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا یہ کونسی وادی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا "وادی ازرق" ہے۔ فرمایا: گویا میں دیکھ رہا ہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو، پھر آپ نے ان کے رنگ، بال کے بارے میں ذکر فرمایا جو مجھے یاد نہیں ہے۔ اور آپ نے انگلیاں کانوں میں ڈالی ہوئی ہیں اور با آواز بلند تلبیہ کہتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پھر چلے یہاں تک کہ ہم لوگ ایک گھاٹی پر پہنچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کونسی گھاٹی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا "ہرشا کی گھاٹی" ہے یا "لفت" کی۔ فرمایا کہ گویا میں حضرت یونس علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں کہ ایک سرخ اونٹنی پر تشریف فرما ہیں، جسم پر اونی جبہ ہے۔ ان کی اونٹنی کی نکیل کھجور کی چھال کی رسی سے بنی ہوئی ہے اور اس وادی سے تلبیہ پڑھتے گزر رہے ہیں۔

۴۲۲۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِی عَدِیٍّ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُجَاھِدٍ قَالَ کُنَّا عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَذَکَرُوا الدَّجَّالَ فَقَالَ اِنَّہٗ مَکْتُوْبٌ بَیْنَ عَیْنَیْہِ کَافِرٌ قَالَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَمْ اَسْمَعْہُ قَالَ ذٰلِکَ وَلٰکِنَّہٗ قَالَ اَمَّا اِبْرَاھِیْمُ فَانْظُرُوْا اِلٰی صَاحِبِکُمْ وَاَمَّا مُوْسٰی فَرَجُلٌ آدَمُ جَعْدٌ عَلٰی جَمَلٍ اَحْمَرَ مَخْطُوْمٍ بِخُلْبَۃٍ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلَیْہِ اِذَا انْحَدَرَ فِی الْوَادِیْ یُلَبِّیْ۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے، لوگوں نے دجال کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان "کافر" لکھا ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بات تو میں نے حضور علیہ السلام سے نہیں سنی، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ابراہیم علیہ السلام اپنے ساتھی کو دیکھ لو اور دورہ گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام تو وہ گندمی رنگ اور گٹھے ہوئے جسم کے مالک آدمی ہیں، سرخ اونٹ پر سوار ہیں جس کی نکیل کھجور

کی چال کی رسی سے بنی ہوئی ہے۔ گویا میں انہیں دیکھ رہا ہوں جب وادی میں اترتے ہیں تو تلبیہ پڑھتے ہیں۔

۴۲۳۔ **حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُرِضَ عَلَيَّ الْأَنْبِيَاءُ فَإِذَا مُوسَى ضَرْبٌ مِنَ الرِّجَالِ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ وَرَأَيْتُ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِذَا أَقْرَبُ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُودٍ وَرَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ فَإِذَا أَقْرَبُ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهًا صَاحِبُكُمْ يَعْنِي نَفْسَهُ وَرَأَيْتُ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِذَا أَقْرَبُ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهًا دِحْيَةُ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ رُمْحٍ دِحْيَةُ بْنُ خَلِيفَةَ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے انبیاء علیہم السلام کو پیش کیا گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام تو درمیانہ قد وقامت کے مرد ہیں گویا کہ وہ قبیلہ شنوءہ کے فرد ہوں۔ اور میں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو دیکھا تو میں سب سے زیادہ ان کے مشابہ جسے دیکھتا ہوں وہ عروہ بن مسعود ہیں اور میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو وہ میری نظر میں سب سے زیادہ مشابہ تمہارے ساتھی کے ہیں یعنی خود آپ کی ذات ہے اور میں نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تو میری نظر میں ان کے سب سے زیادہ مشابہ "دحیہ" ہیں۔ ابن رمح کی روایت میں دحیہ بن خلیفہ ہے۔

۴۲۴۔ **وَحَدَّثَنِي** مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَتَقَارَبَا فِي اللَّفْظِ قَالَ ابْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا وَقَالَ عَبْدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ ابْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أُسْرِيَ بِي لَقِيتُ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَنَعَتَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا رَجُلٌ حَسِبْتُهُ قَالَ مُضْطَرِبٌ رَجِلُ الرَّأْسِ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ قَالَ وَلَقِيتُ عِيسَى فَنَعَتَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا رَبْعَةٌ أَحْمَرُ كَأَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِيمَاسٍ يَعْنِي حَمَّامًا قَالَ وَرَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَأَنَا أَشْبَهُ وَلَدِهِ بِهِ قَالَ فَأُتِيتُ بِإِنَائَيْنِ فِي أَحَدِهِمَا لَبَنٌ وَفِي الْآخَرِ خَمْرٌ فَقِيلَ لِي خُذْ أَيَّهُمَا شِئْتَ فَأَخَذْتُ اللَّبَنَ فَشَرِبْتُهُ فَقَالَ هُدِيتَ الْفِطْرَةَ أَوْ أَصَبْتَ الْفِطْرَةَ أَمَا إِنَّكَ لَوْ أَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُكَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مجھے آسمانوں کی سیر کرائی گئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملا، راوی فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کی صورت وصفت بیان کی۔ میرا خیال ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام دراز قامت گھنگریالے بالوں والے تھے گویا کہ قبیلہ شنوءہ کے فرد ہوں۔ اور میں عیسیٰ علیہ السلام سے ملا پھر عیسیٰ علیہ السلام کی صفت بیان کرتے

ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ میانہ قامت اور سرخ رنگت والے تھے گویا ابھی حمام سے نکلے ہوں (تروتازہ)۔ اور میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور میں ہی ان کی اولاد میں سب سے زیادہ ان کے مشابہ ہوں۔ پھر میرے پاس دو برتن لائے گئے، ایک میں دودھ اور دوسرے میں شراب، مجھ سے کہا گیا دونوں میں سے جو چاہیں لے لیں۔ میں نے دودھ والا برتن لیا اور اسے پیا۔ تو جبرئیل نے فرمایا آپ کو فطرت کی ہدایت کی گئی یا فرمایا آپ فطرت کو پہنچ گئے۔ البتہ اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔

## تشریح

''مضطرب'' چھریرے بدن کو کہتے ہیں۔ ''رجل رأس'' بالوں میں کنگھی کرنے کو کہتے ہیں۔ ''دیماس'' حمام کو کہتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان انبیاء کرام کو معراج کی رات میں مختلف مقامات میں دیکھا ہے اور یقین واطمینان کے اظہار کے لئے آپ نے ہر ایک کی خصوصی علامات کو بھی بیان فرمایا ہے تاکہ کوئی شک نہ کرے۔ علامہ نووی نے اشکال کیا ہے کہ یہ انبیاء تو دنیا سے رخصت ہو گئے اب ان کے ان اعمال کرنے کا کیا مطلب ہے؟

اس کا ایک جواب آپ نے یہ دیا ہے کہ یہ شہداء کی طرح ہیں وہ اپنے قبور میں زندہ ہوتے ہیں کھاتے پیتے ہیں اور اعمال کرتے ہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کرام کے اجسام مثالیہ جو دنیا میں تھے اور عمل میں تھے اسی کیفیت کے ساتھ معراج کی رات میں آپ کو دکھائے گئے تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ خواب کا معاملہ تھا تیسرا جواب کمزور ہے۔ واللہ اعلم

الحمدللہ حرم شریف میں چھ رمضان ۱۴۳۲ھ افطار کے وقت میں ان سطور کے لکھنے سے فارغ ہوا چاروں طرف افطار کے وقت کی دعائیں جاری ہیں سامنے بیت اللہ ہے پھر افطار کے لئے زم زم ہے اور کھجوریں ہیں تلاوت کے لئے قرآن ہے میں سمجھتا ہوں یہ منظر تو جنت بھی نہیں ملے گا کیونکہ یہ دنیا کی نعمتوں میں آخری اور انتہائی نعمت وبرکت ہے۔ الحمدللہ حمدا کثیرا

**نوٹ:**

واقعہ معراج میں آسمانوں پر جانے کے لئے جبریل امین نے ہر آسمان کے دروازے کے کھولنے کی اجازت مانگی ہے دروازوں پر مقرر فرشتوں نے مکمل تحقیق اور شناخت کے بعد دروازہ کھولا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوپر کا نظام انتہائی مضبوط بھی ہے اور حساس بھی ہے ایسی مقدس ہستیوں اور سرکاری مہمانوں سے پوچھ پوچھ کر دروازہ کھولنا اس بات کی دلیل ہے کہ آج کل کے سائنسدان جو بلاروک ٹوک آسمانوں پر سیارے چھوڑنے اور کبھی مریخ پر جانے اور کبھی چاند پر جانے کی باتیں کرتے ہیں جبکہ ان کے اپنے ماہرین خلا بازوں اور سائنسدانوں نے کہا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں اور انھوں نے ڈالر کمانے کی غرض سے دھوکہ کیا ہے میں نے ان تمام اخباری بیانات کو تاریخ کے ساتھ محفوظ کر لیا ہے جواب ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

## باب ذکر المسیح ابن مریم والمسیح الدجال

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دجال کا بیان

اس باب میں امام مسلم نے چھ احادیث کو بیان کیا ہے

۴۲۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرَانِي لَيْلَةً عِنْدَالْكَعْبَةِ فَرَاَيْتُ رَجُلًا آدَمَ كَاَحْسَنِ مَااَنْتَ رَاءٍ مِنْ اُدْمِ الرِّجَالِ لَهُ لِمَّةٌ كَاَحْسَنِ مَااَنْتَ رَاءٍ مِنَ اللِّمَمِ قَدْ رَجَّلَهَا فَهِيَ تَقْطُرُ مَاءً مُتَّكِئًا عَلَى رَجُلَيْنِ اَوْعَلَى عَوَاتِقِ رَجُلَيْنِ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ فَسَاَلْتُ مَنْ هٰذَا؟ فَقَالُوْا هٰذَاالْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ثُمَّ اِذَا اَنَابِرَجُلٍ جَعْدٍ قَطَطٍ اَعْوَرِ الْعَيْنِ الْيُمْنٰى كَاَنَّهَاعِنَبَةٌ طَافِيَةٌ فَسَاَلْتُ مَنْ هٰذَا؟ فَقِيْلَ هٰذَاالْمَسِيْحُ الدَّجَّالُ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ایک رات دکھلایا گیا کہ میں کعبۃ اللہ کے پاس ہوں، میں نے ایک آدمی کو جو گندمی رنگت والے تھے دیکھا تم نے جتنے گندمی رنگت والے دیکھے ہیں ان میں سب سے زیادہ حسین، ان کے لمبے بال کندھوں تک تھے، تم نے جتنے بھی لمبے بالوں والے دیکھے ہیں ان میں سب سے زیادہ حسین تھے، انہوں نے بالوں میں کنگھی کی ہوئی تھی اور ان سے قطرہ قطرہ پانی ٹپکتا تھا۔ دو آدمیوں کے سہارے یا ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھے بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں، میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ مسیح بن مریم علیہ السلام ہیں۔ پھر میں نے ایک اور آدمی کو دیکھا سخت گھونگھریالے بال، دائیں آنکھ سے کانا، اس کی دائیں آنکھ پھولے ہوئے انگور کی مانند ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ کہا گیا کہ یہ مسیح الدجال ہے۔

### تشریح

"المسیح بن مریم" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس وجہ سے مسیح کہتے ہیں کہ یہ صدیق کے معنی میں ہے اصل میں یہ لفظ مشیح تھا جو سچے اور بابرکت کو کہتے ہیں عربی زبان میں مسیح ہو گیا تو یہ صدیق کے معنی میں ہے اس لئے مسیح ہے یا اس لئے اس کو کہتے مسیح کہتے ہیں کہ وہ مریضوں کو مسح کرتے تھے ان کے مسح کرنے سے مریض صحت یاب ہو جاتے تھے حضرت ابن عباس کا یہی قول ہے بعض نے کہا کہ وہ خود برکت کے ساتھ مسح کیے گئے تھے جب پیدا ہوئے تھے اس کے مقابلے میں دجال کو اس لئے مسیح کہتے ہیں کہ وہ ایک آنکھ سے بالکل ممسوح العین اور کانا ہے یا اس لئے اس کو مسیح کہتے ہیں کہ وہ دنیا کے اکثر حصہ پر گھوم پھر کر دنیا کو مسح کریگا۔

"ارانی" یعنی میں نے ایک رات اپنے آپ کو دیکھا، ہو سکتا ہے کہ یہ خواب کا معاملہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ بیداری یا انکشاف کے ذریعہ سے ہوا ہو خواب کی تاویل زیادہ واضح ہے۔ "الکعبة" کعبہ کو اس لئے کعبہ کہتے ہیں کہ یہ مربع بھی اور بلند بھی ہے

عرب اس طرح عمارت کو کعبہ کہتے ہیں بعض اہل لغت نے صرف بلند ہونے اور گول ہونے کی وجہ سے اس کو کعبہ قرار دیا ہے پاؤں کے ٹخنوں کو اسی بلندی اور گول ہونے کی وجہ سے کعبین کہتے ہیں اسی طرح جوان عورت کے پستانوں کو بھی بلندی اور گول ہونے کی وجہ سے کعاب کہتے ہیں۔

''اللمة'' لام پر کسرہ ہے میم پر شد ہے اس کی جمع لمم ہے جیسے'' قربة وقرب ''جب بال کانوں کی لو سے تجاوز کرے تو اس کو''لمة'' کہتے ہیں جب کندھوں تک آجائے تو اس کو'' جمة '' کہتے ہیں جب کانوں کے اوپر اوپر ہو تو وہ '' وفرة '' کہلاتے ہیں یہ ایک تحقیق ہے کچھ اور بھی ہے۔'' رجلها '' کنگھی کرنے کو ترجیل کہتے ہیں باب الترجل میں انشاء اللہ تفصیل آئے گی اگر میں زندہ رہا اللہ تعالیٰ مجھے اس شرح کی تکمیل تک زندہ رکھے۔'' جعداً قطعاً '' بال جب شدید مڑے ہوئے گھنگریالے ہوں تو اس کو''جعدا قطعا'' کہتے ہیں آدمی کے جسم پر بھی جعد کا لفظ بولا جاتا ہے جو مضبوطی کی علامت ہوتی ہے دجال کے بالوں کے لئے اگر جعد کا لفظ بولا گیا ہے تو یہ اس کی مذمت ہے اور اگر عیسیٰ علیہ السلام کے جسم پر جعد کا اطلاق ہوا ہے تو وہ مدح ہے کہ مضبوط خوبصورت بدن والا ہے بہر حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح ہدایت ہے اور دجال مسیح ضلالت ہے۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

''اعور عين اليمنى'' یعنی دجال کی دائیں آنکھ کانی ہوگی۔

## سوال

یہاں سوال یہ ہے کہ دجال کی آنکھوں کے بارے میں مختلف الفاظ آئے ہیں کبھی دائیں اور کبھی بائیں آنکھ کانی ہونے کا اطلاق کیا ہے اس میں تطبیق کیا ہے؟۔

## جواب

اس کو جواب یہ ہے کہ دجال خبیث کی دونوں آنکھیں خراب ہیں لہٰذا دونوں کو کانی اور معیوب کہہ سکتے ہیں البتہ عیب میں فرق ہے تو دائیں آنکھ تو بالکل صاف چٹیل میدان ہے نہ اس میں گھڑا ہے نہ بلندی ہے بالکل مسخ شدہ ہے اس کو بھی'' عورا '' کہہ سکتے ہیں اور بائیں آنکھ بھی خراب ہے جو ابھری ہوئی ہے انگور کے دانہ کی طرح ہے تیلی باہر نکلی ہوئی ہے تو یہ بھی گویا کانی ہے لہٰذا کبھی دائیں اور کبھی بائیں پر کانے کا اطلاق کیا گیا ہے۔

## سوال

یہاں ایک مشہور سوال ہے وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کو کعبہ کے ارد گرد طواف کرتے ہوئے دیکھا جبکہ احادیث

میں واضح طور پر مذکور ہے کہ دجال بیت اللہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہوسکتا تو کعبہ کے پاس کیسے آ گیا؟۔

## جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ راجح یہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کو کعبہ کے اردگرد طواف کرتے ہوئے دیکھنا منع نہیں ہے ہاں حقیقت میں دجال بیت اللہ میں داخل نہیں ہوسکتا ہے۔

باقی یہ بات کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دجال کو کیوں دکھایا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں تو ایک قاتل ہے اور دوسرا مقتول ہے تو پیشگوئی کرنے کے لئے یہ مناسب تھا کہ آنحضرتؐ دونوں کے ساتھ ساتھ دیکھے اور چونکہ دجال خدائی کا دعویٰ کریگا اس لئے آنحضرت نے انتہائی وضاحت کے ساتھ اس کے سارے احوال اور جسمانی خدوخال کھول کھول کر بتادیا ہے تاکہ کسی کو خروج دجال کے بعد شبہ نہ رہے امام مسلمؒ نے صحیح مسلم جلد ثانی میں دجال کی پوری تفصیلات بیان کی ہیں۔

۴۲۶۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ الْمُسَيَّبِيُّ حَدَّثَنَا أَنَسٌ يَعْنِي ابْنَ عِيَاضٍ عَنْ مُوسَى وَهُوَ ابْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا بَيْنَ ظَهْرَانَيِ النَّاسِ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَيْسَ بِأَعْوَرَ أَلَا وَإِنَّ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ أَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُمْنَى كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَانِي اللَّيْلَةَ فِي الْمَنَامِ عِنْدَ الْكَعْبَةِ فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ كَأَحْسَنِ مَا تَرَى مِنْ أُدْمِ الرِّجَالِ تَضْرِبُ لِمَّتُهُ بَيْنَ مَنْكِبَيْهِ رَجِلُ الشَّعْرِ يَقْطُرُ رَأْسُهُ مَاءً وَاضِعًا يَدَيْهِ عَلَى مَنْكِبَيْ رَجُلَيْنِ وَهُوَ بَيْنَهُمَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ فَقُلْتُ مَنْ هَذَا؟ فَقَالُوا هَذَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَرَأَيْتُ وَرَاءَهُ رَجُلًا جَعْدًا قَطَطًا أَعْوَرَ عَيْنِ الْيُمْنَى كَأَشْبَهِ مَنْ رَأَيْتُ مِنَ النَّاسِ بِابْنِ قَطَنٍ وَاضِعًا يَدَيْهِ عَلَى مَنْكِبَيْ رَجُلَيْنِ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ فَقُلْتُ مَنْ هَذَا؟ قَالُوا هَذَا الْمَسِيحُ الدَّجَّالُ ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز لوگوں کے مجمع میں مسیح الدجال کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کانا نہیں ہے۔ خبردار مسیح الدجال کانا دائیں آنکھ سے، گویا اس کی آنکھ ایک پھولا ہوا انگور کا دانہ ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک رات میں نے خود کو خواب میں کعبۃ اللہ کے پاس دیکھا، میں نے دیکھا ایک آدمی گندمی رنگت والے تمام افراد جنہیں تم دیکھتے ہو ان میں سب سے زیادہ حسین اپنے لمبے دراز گیسو اپنے شانوں پر ڈالے ہیں، سیدھے بالوں والے جن سے قطرہ قطرہ پانی ٹپکتا تھا، اپنے دونوں ہاتھ دو افراد کے مونڈھوں پر رکھے ان دو افراد کے درمیان بیت اللہ کا طواف کررہے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ

کون ہیں؟ فرمایا کہ یہ مسیح بن مریم ہیں۔ اور میں نے ان کے بعد ایک آدمی سخت گھونگھریالے بالوں والا دیکھا جس کی دائیں آنکھ کانی تھی اور اس کو میں نے لوگوں میں سب سے زیادہ ابن قطن کے مشابہ پایا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ رکھے ہوئے تھا دو افراد کے کندھوں پر بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ کہا گیا یہ مسیح دجال ہے۔

٤٢٧۔ **حَدَّثَنَا** ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبِیْ حَدَّثَنَا حَنْظَلَةُ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَاَيْتُ عِنْدَالْكَعْبَةِ رَجُلًا آدَمَ سَبِطَ الرَّاْسِ وَاضِعًا يَدَيْهِ عَلٰى رَجُلَيْنِ يَسْكُبُ رَاْسُهُ اَوْيَقْطُرُ رَاْسُهُ فَسَاَلْتُ مَنْ هٰذَا؟ فَقَالُوْا عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ اَوِالْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ لَايَدْرِیْ اَیَّ ذٰلِكَ قَالَ قَالَ وَرَاَيْتُ وَرَاءَهٗ رَجُلًا اَحْمَرَ جَعْدَ الرَّاْسِ اَعْوَرَالْعَيْنِ الْيُمْنٰى اَشْبَهُ مَنْ رَاَيْتُ بِهٖ ابْنُ قَطَنٍ فَسَاَلْتُ مَنْ هٰذَا؟ فَقَالُوْا الْمَسِيْحُ الدَّجَّالُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے کعبۃ اللہ کے پاس ایک آدمی کو دیکھا، گندمی رنگت والا، لٹکے بالوں والا، اپنے دونوں ہاتھ دو افراد کے کندھوں پر رکھے ہوئے ہے اس کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ کہا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہیں یا مسیح ابن مریم ہیں اور میں نے ان کے پیچھے ایک آدمی کو دیکھا سرخ رنگت والا گھونگھریالے بالوں والا دائیں آنکھ سے کانا تھا اور میں نے جو دیکھا تو ابن قطن اس سے زیادہ مشابہ ہے، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب دیا مسیح الدجال ہے۔

٤٢٨۔ **حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا كَذَّبَتْنِیْ قُرَيْشٌ قُمْتُ فِی الْحِجْرِ فَجَلَّى اللّٰهُ لِیْ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَطَفِقْتُ اُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهٖ وَاَنَااَنْظُرُ اِلَيْهِ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب قریش مکہ نے میری تکذیب کی تو میں حطیم میں جا کر کھڑا ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے نمایاں کر دیا۔ میں نے بیت المقدس کی نشانیاں ان قریش مکہ کو بتلانا شروع کیں اور میں بیت المقدس کو دیکھ رہا تھا۔

## تشریح

''لما کذبتنی قریش'' واقعہ معراج چونکہ عقلوں کو حیران کرنے والا واقعہ تھا اس لئے ابوجہل اور قریش کو پروپیگنڈہ کرنے کا ایک موقع ملا اور کچھ کچے مسلمان شک میں بھی پڑ گئے ابوجہل نے کہا کہ محمد کے خاص دوست ابوبکر کو بلاؤ جب حضرت ابوبکر آئے تو ابوجہل نے کہا کہ میں تو تم سے کہہ رہا تھا کہ یہ آدمی مجنون ہے اب دیکھو اس کا جنون ظاہر ہو گیا کہ وہ کہتا ہے کہ میں نے ایک رات کے تھوڑے سے حصہ میں آسمانوں کی سیر کی حضرت ابوبکر نے کہا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں تو وہ سچ کہتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ جب ہم نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ چند منٹ میں آسمان سے فرشتہ نیچے آسکتا ہے تو کیا چند لمحوں میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو اوپر نہیں لے جاسکتے۔ پھر آنحضرت ؐ سے صدیق نے اس سفر سے متعلق کچھ سوالات کیے۔ آنحضرت جب جواب دیتے تو حضرت ابوبکر فرماتے "صدقت یارسول اللہ" اس پر ان کو صدیق کا لقب ملا۔ مگر قریش کو اس سے تسلی نہیں ہوئی اور آنحضرت سے حطیم میں بیٹھ کر دور از کار سوالات کیے کہ بیت المقدس کی مسجد کی کھڑکیاں کتنی ہیں دروازے اور ستون کتنے ہیں اس پر آنحضرت ؐ انتہائی پریشان ہوئے کیونکہ جو آدمی راستے پر گذرتا ہے وہ مسجد کی کھڑکیاں اور ستون تو نہیں گنتا اسی پریشانی کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی مسجد کا پورا نقشہ سامنے رکھوادیا قریش سوالات کرتے تھے اور آنحضرت جواب دیتے تھے پھر قریش نے کہا کہ شام کے راستے میں ہمارا ایک قافل آرہا تھا تم نے اس کو بھی دیکھا ہوگا اب بتاؤ کہ وہ قافلہ کب مکہ پہنچے گا آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ ایک مٹیالہ اونٹ اس قافلہ کے اونٹوں کی رہنمائی کررہا ہے اور فلاں گھاٹی سے طلوع آفتاب کے وقت قافلہ نکل آئے گا قریش نے اپنے بندے وہاں بٹھادیے ایک آدمی نے کہا دیکھو بھائی سورج طلوع ہوگیا دوسرے نے کہا لو بھائی وہ قافلہ نمودار ہوگیا اور مٹیالہ رنگ کا اونٹ آگے ہے یہاں اسی لفظ میں اسی پس منظر کی طرف اشارہ ہے ساتھ والی حدیث میں "فکربت کربه شدیدة" کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اس حدیث سے بریلوی حضرات کی خیالی عمارت گر کر منہدم ہوجاتی ہے جو آنحضرت کو حاضر ناظر اور ذرہ ذرہ کا عالم الغیب کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف انبیاء کرام کو مختلف جگہوں میں دیکھا یا اجسام مثالیہ کے ساتھ دیکھا ہے جس میں استبعاد نہیں ہے۔

۴۲۹۔ **حَدَّثَنِي** حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللَّهِ بْنِ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي أَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ فَإِذَارَجُلٌ آدَمُ سَبِطُ الشَّعْرِ بَيْنَ رَجُلَيْنِ يَنْطِفُ رَأْسُهُ مَاءً أَوْ يُهَرَاقُ رَأْسُهُ مَاءً قُلْتُ مَنْ هَذَا ؟ قَالُوا هَذَاابْنُ مَرْيَمَ ثُمَّ ذَهَبْتُ أَلْتَفِتُ فَإِذَا رَجُلٌ أَحْمَرُ جَسِيمٌ جَعْدُالرَّأْسِ أَعْوَرُ الْعَيْنِ كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ قُلْتُ مَنْ هَذَا ؟قَالُوا الدَّجَّالُ أَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا ابْنُ قَطَنٍ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کہ میں اس دوران سویا ہوا تھا دیکھا کہ میں طواف کررہا ہوں کعبۃ اللہ کا کہ آدمی گندمی رنگت اور سیدھے بالوں والے دو افراد کے درمیان نظر آئے۔ ان کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا یا فرمایا کہ اس کے سر سے پانی بہہ رہا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ ابن مریم ہیں پھر میں دوسری طرف چلا اور اُدھر متوجہ ہوا تو دیکھا کہ ایک سرخ بھاری بھرکم، گھونگھریالے بال اور کانی آنکھ والا آدمی ہے۔ گویا کہ اس کی آنکھ پھولا ہوا انگور کا دانہ ہے۔ میں نے کہا یہ کون ہے؟ کہا کہ دجال ہے۔ اور اس کے سب سے زیادہ مشابہ ابن قطن ہے۔

۴۳۰۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حُجَيْنُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيزِ وَهُوَابْنُ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْفَضْلِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي الْحِجْرِ وَقُرَيْشٌ تَسْأَلُنِي عَنْ مَسْرَايَ فَسَأَلَتْنِي عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ أُثْبِتْهَا فَكُرِبْتُ كُرْبَةً مَا كُرِبْتُ مِثْلَهُ قَطُّ قَالَ فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ مَا يَسْأَلُونِّي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْبَأْتُهُمْ بِهِ وَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي جَمَاعَةٍ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ فَإِذَا مُوسٰى قَائِمٌ يُصَلِّي فَإِذَا رَجُلٌ ضَرْبٌ جَعْدٌ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ وَإِذَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَائِمٌ يُصَلِّي أَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُودٍ الثَّقَفِيُّ وَإِذَا إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَائِمٌ يُصَلِّي أَشْبَهُ النَّاسِ بِهِ صَاحِبُكُمْ يَعْنِي نَفْسَهُ فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَأَمَمْتُهُمْ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنَ الصَّلَاةِ قَالَ قَائِلٌ يَا مُحَمَّدُ! هٰذَا مَالِكٌ صَاحِبُ النَّارِ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَالْتَفَتُّ إِلَيْهِ فَبَدَأَنِي بِالسَّلَامِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے حطیم میں اپنے آپ کو دیکھا کہ قریش مجھ سے میری معراج کے بارے میں پوچھ رہے ہیں انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی چند اشیاء کے بارے میں پوچھا جنہیں میں نے محفوظ نہیں کیا تھا۔ مجھے اتنا شدید رنج ہوا کہ اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے سے تمام حجابات اٹھا دیے۔ اور میں بیت المقدس کو دیکھ رہا تھا۔ قریش اب جو سوال کرتے میں انہیں بتلا دیا کرتا اور میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں اور وہ ایک درمیانہ قد وقامت کے گٹھے ہوئے جسم والے آدمی ہیں۔ گویا کہ قبیلہ شنوءہ کے افراد میں سے ہوں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں اور لوگوں میں ان کی سب سے زیادہ مشابہت عروہ بن ثقفی سے ہے میں نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں لوگوں میں سب سے زیادہ ان کے مشابہ تمہارے صاحب ہے یعنی خود آپ کی ذات۔ پھر نماز کا وقت آیا تو میں نے ان سب کی امامت کی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو مجھ سے کسی کہنے والے نے کہا کہ اے محمد! یہ مالک ہے داروغہ جہنم، اسے سلام کیجئے۔ میں نے اس کی طرف توجہ کی تو اس نے خود ہی ابتدا کر دی اور مجھے سلام کیا۔

نوٹ:

اس باب کی احادیث کی تشریح میں نے عرب امارات کے سفر کے دوران ابوظبی میں مولانا علی عبدالکریم صاحب کے گھر میں قیام کے دوران لکھی ہے دن کے بارہ بجے کا وقت ہے باہر انتہائی سخت گرمی ہے۔

فضل محمد بن نور محمد یوسف زئی نزیل ابوظبی شعبان ۱۴۳۲ھ بمطابق جولائی ۲۰۱۱ء

# باب ذکر سدرة المنتهی

## سدرۃ المنتہی کا بیان

اس باب میں امام مسلم نے چار احادیث کو بیان کیا ہے

۴۳۱۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْاُسَامَةَ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ ح: وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَیْرٍ وَزُهَیْرُ بْنُ حَرْبٍ جَمِیْعًا عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَیْرٍ وَاَلْفَاظُهُمْ مُتَقَارِبَةٌ قَالَ ابْنُ نُمَیْرٍ حَدَّثَنَا اَبِیْ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ عَنِ الزُّبَیْرِ بْنِ عَدِیٍّ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ عَنْ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ لَمَّا اُسْرِیَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ انْتُهِیَ بِهٖ اِلٰی سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی وَهِیَ فِی السَّمَاءِ السَّادِسَةِ اِلَیْهَا یَنْتَهِیْ مَایُعْرَجُ بِهٖ مِنَ الْاَرْضِ فَیُقْبَضُ مِنْهَا وَاِلَیْهَا یَنْتَهِیْ مَایُهْبَطُ بِهٖ مِنْ فَوْقِهَا فَیُقْبَضُ مِنْهَا قَالَ ﴿اِذْیَغْشَی السِّدْرَةَ مَایَغْشٰی﴾ (النجم : ۱۶) قَالَ فَرَاشٌ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ فَاُعْطِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا اُعْطِیَ الصَّلَوٰاتِ الْخَمْسَ وَاُعْطِیَ خَوَاتِیْمَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ وَغُفِرَلِمَنْ لَمْ یُشْرِكْ بِاللّٰهِ مِنْ اُمَّتِهٖ شَیْئًا ۔الْمُقْحِمَاتُ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی اور سدرۃ المنتہی جو چھٹے آسمان پر ہے اس تک پہنچے اور سدرۃ المنتہی پر ہر اس چیز کا عروج منتہی ہو جاتا ہے جو زمین سے جاتی ہے اور وہاں سے اسے لے لیا جاتا ہے اور وہیں تک عرش سے اترنے والی چیز رک جاتی ہے اور وہاں سے اسے وصول کرلیا جاتا ہے۔ اور فرمایا: جب سدرہ کو ڈھانپ رہی تھی وہ چیز جو ڈھانپ رہی تھی، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سونے کے پتنگے اسے ڈھانپ رہے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں عطا کی گئیں۔ ایک تو پنجگانہ نمازیں عطا کی گئیں۔ دوسرے سورۃ البقرہ کی اختتامی آیات کا تحفہ عطا کیا گیا۔ تیسرے اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے اس شخص کے تمام مہلک گناہوں کی مغفرت کردی جس نے ذرہ برابر بھی شرک نہ کیا ہو۔

## تشریح

"الٰی سدرة المنتهی" سدرہ بیری کے درخت کو کہتے ہیں اور "المنتهی" انتہاء کے معنی میں ہے چونکہ یہ درخت آسمانوں کے اوپر ہے تو جو مخلوق اس درخت سے نیچے ہے وہ اوپر نہیں جاسکتی ان کے لئے یہ درخت انتہاء ہے اور جو مخلوق اس درخت سے اوپر ہے وہ اس سے نیچے نہیں آسکتی ہے اس لئے یہ درخت دونوں جانبوں کے لئے آخری حد ہے اس حدیث میں بھی یہی مذکور ہے۔ "السادسة" اس حدیث میں واضح طور پر مذکور ہے کہ سدرۃ المنتہی چھٹے آسمان پر موجود ہے۔

## سوال

یہاں ایک مشہور سوال ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں تمام احادیث میں تصریح موجود ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان میں ہے حالانکہ زیر بحث حدیث میں واضح طور پر مذکور ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان پر موجود ہے۔؟

## جواب

اس سوال کا ایک جواب یہ ہے کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح روایتیں وہی ہیں جس میں ساتویں آسمان کی تصریح ہے وہ روایات کثیر بھی ہیں اور مشہور بھی ہیں گویا قاضی عیاض اس روایت کو مرجوح قرار دیتے ہیں جس میں چھٹے آسمان کا ذکر ہے۔
دوسرا جواب یہ ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کا درخت اصل میں ساتویں آسمان پر موجود ہے مگر اس کی جڑ چھٹے آسمان تک نیچے آگئی ہیں لہذا دونوں روایتوں میں تضاد نہیں بلکہ یہ تطبیق کی بہترین صورت ہے۔علامہ نووی لکھتے ہیں کہ سدرۃ المنتہیٰ اتنا بڑا درخت ہے کہ ساتویں آسمان اور جنت پر سایہ کیے ہوئے ہے۔
"فراش من ذهب" سونے کے پرواتوں کو فراش الذهب کا کہا گیا ہے یہ ایک قسم کے سنہرے رنگ کے فرشتے ہیں جو سدرۃ المنتہیٰ پر اڑتے بیٹھتے رہتے ہیں اور اس کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔
"غفر" یہ مجہول کا صیغہ ہے اور المقحمات اسکا نائب فاعل ہے" مقحمات "مقحمۃ کی جمع ہے کبائر اور بڑے بڑے تباہی والے گناہوں کو کہتے ہیں اس لفظ میں معتزلہ اور خوارج پر واضح رد ہے جو مرتکب کبیرہ کو مخلد فی النار کہتے ہیں جبکہ یہاں بڑے بڑے گناہوں کی معافی کا عام اعلان ہوگیا ہے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصی تحفہ دیا گیا ہے۔

۴۳۲۔وَحَدَّثَنِي أَبُو الرَّبِيعِ الزَّهْرَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبَّادٌ وَهُوَ ابْنُ الْعَوَّامِ أَخْبَرَنَا الشَّيْبَانِيُّ قَالَ سَأَلْتُ زِرَّ بْنَ حُبَيْشٍ عَنْ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى﴾ (النجم:۹) قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى جِبْرِيلَ لَهُ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ۔

حضرت سلیمان شیبانیؒ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت زر بن حُبیش سے اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿فکان قاب قوسین او ادنی﴾ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو ہیں۔

## تشریح

"قاب قوسین" یہ عبارت اصل میں یوں ہے" قابی قوس "قوس کمان کو کہتے ہیں اور قاب اس فاصلہ کو کہتے ہیں جو کمان کے

موڑ ے ہوئے سرے سے لیکر تیر چڑھانے کے چلہ تک ہوتا ہے کمان کے مڑے ہوئے دوسرے ہوتے ہیں تو ایک کمان میں دوقاب ہوتے ہیں درمیان میں چلہ ہوتا ہے یہ دونوں قاب ایک دوسرے کے بہت قریب ہوئے ہیں یہاں قرب بیان کیا ہے یا قاب مثل اور مقدار کے معنی میں "ای مقدار قوسین" یا قوسین ذراعین یعنی دو ہاتھ کے معنی میں ہے ای قد ذراعین قاب کو قاد اور قید اور قیب بھی کہتے ہیں ابن کثیر نے کہا "قاب قوسین ای بقدرھما اذامد" یعنی دو کمانوں کی لمبائی کی مقدار۔

"رأی جبریل" یہ حضرت ابن مسعود کا مسلک ہے جس کا تذکرہ آئندہ آرہا ہے کہ لیلۃ المعراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا یا نہیں اس میں صحابہؓ کے دور سے اختلاف چلا آرہا ہے ابن مسعود حضرت جبریل کی روایت پر سورت نجم کی آیتوں کو حمل کرتے ہیں حضرت عائشہ کا مسلک بھی یہی ہے آئندہ تفصیل آئے گی فرشتوں کے مختلف پر ہوتے ہیں جبریل امین کے چھ سو پر ہیں۔

۴۳۳۔ حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ زِرٍّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰى﴾ (النجم: ۱۱) قَالَ رَاٰى جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَهٗ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حق تعالیٰ کے ارشاد ﴿ما کذب الفؤاد ما رای﴾ کے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا ان کے چھ سو بازو ہیں۔

۴۳۴۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا اَبِيْ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ الشَّيْبَانِيِّ سَمِعَ زِرَّبْنَ حُبَيْشٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ ﴿لَقَدْرَاٰى مِنْ اٰيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى﴾ (النجم: ۱۸) قَالَ رَاٰى جِبْرِيْلَ فِيْ صُوْرَتِهٖ لَهٗ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ﴿لقد رای من آیات ربه الکبری﴾ بے شک دیکھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں، تو اس سے مراد یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو ہیں۔

نوٹ:

شرح مسلم کی تحریر کے سلسلے میں اس باب کی احادیث کی تشریح کو میں نے عرب امارات کے شہر "العین" میں مولانا تقی اور مولانا سعید کے گھر میں رات کے ایک بجے کے ٹائم میں لکھا ہے۔

فضل محمد نزیل العین متحدہ عرب امارات ۲۴ شعبان ۱۴۳۲ھ ۲۵ جولائی ۲۰۱۱ء

## باب معنی قول الله عز و جل ﴿ولقد راه نزلة اخری﴾

## کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں اپنے رب کو دیکھا

اس باب میں امام مسلم نے اٹھ احادیث کو بیان کیا ہے۔

۴۳۵۔ حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ﴿وَلَقَدْرَاٰهُ نَزْلَۃً اُخْرٰی﴾ (النجم:۱۳) قَالَ رَاٰی جِبْرِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَلَقَدْرَاٰهُ نَزْلَۃً اُخْرٰی﴾ کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کو دیکھا۔

### تشریح

''قال رأى جبريل عليه السلام''

اس مسئلہ میں صحابہ کرام کا آپس میں اختلاف رہا ہے کہ آیا معراج کی رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے یا نہیں کیا ہے حضرت عائشہ، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابوھریرہ رضوان اللہ علیہم کا موقف یہ ہے کہ معراج کی رات آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا محدثین اور متکلمین کی ایک جماعت کا موقف بھی یہی ہے۔

دوسری طرف حضرت ابن عباسؓ اور حضرت کعب اور حضرت ابوذر غفاری رضوان اللہ علیہم کا موقف یہ ہے کہ آنحضرت نے معراج کی رات میں رب تعالیٰ کو دیکھا ہے حضرت حسن بصریؒ اور احمد بن حنبل اور ان کے موافقین کا موقف بھی یہی ہیں ایک تیسرا فریق اس طرف گیا ہے کہ اس مسئلہ میں توقف اور سکوت اختیار کرنا چاہئے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔

بہرحال جمہور امت خلفاً وسلفاً معراج میں دیدار کے قائل ہیں۔

اصل اختلاف سورت نجم کی آیت'' ولقد راه نزلة اخرى اور ایت ثم دنى فتدلىٰ فكان قاب قوسين او ادنىٰ ''سے پیدا ہوا ہے۔ حضرت عائشہؓ اور ان کے موافقین ان ایتوں کو حضرت جبرئیل کی رؤیت پر حمل کرتے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ اور ان کے موافقین اس کے کچھ حصوں کو جبرئیل امین اور کچھ حصوں کو اللہ تعالیٰ کی رؤیت پر حمل کرتے ہیں۔ احادیث مقدسہ میں بھی بعض احادیث سے رؤیت کی نفی معلوم ہوتی ہے اور بعض سے اثبات معلوم ہوتا ہے اس لئے علماء کے ایک فریق نے اس میں توقف کا قول کیا ہے جو علامہ طیبیؒ کا موقف ہے۔ حضرت عائشہؓ نے رؤیت کا سخت انکار کیا ہے اور ایت ''لا تدركه الابصار'' سے استدلال کیا ہے نیز'' ما كان لبشر ان يكلمه الله الا وحيا او من وراء حجاب '' ایت سے بھی استدلال کیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت منقول ہے'' اتعجبون ان تكون الخلة لابراهيم والكلام لموسىٰ والرؤية

لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم ''(نووی)'' وعن عکرمۃ سئل ابن عباس هل رأی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ربه قال نعم ''(نووی)'' وعن شعبة عن قتادة عن انسؓ قال رأی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ربه ''(نووی)''

نیز'' راٰہ بقلبه اور راٰہ بفوادہ مرتین ''مسلم میں موجود ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ اس مسئلہ میں رابطہ کیا اور پوچھا کہ '' هل رأی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ربه؟فأخبره انه رآہ ''(نووی) حضرت حسن بصریؒ اس مسئلہ میں قسم کھاتے تھے کہ نبی مکرمؐ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے۔ (نووی)

علامہ نووی، قاضی عیاض اور صاحب تحریر کا موقف یہی ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے رب کو دیکھا ہے علامہ نووی نے تو اپنی شرح میں انتہائی شدت کے ساتھ اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے اور حضرت عائشہ کی دلیل'' لاتدرکه الابصار '' ایت کا جواب یہ دیا ہے کہ اس سے احاطہ اور اک کی نفی ہے مطلق رؤیت کی نفی نہیں ہے دوسری ایت کا جواب یہ ہے کہ وہ ایت عام مخصوص البعض ہے کہ احادیث سے اس میں تخصیص آگئی ہے دیگر جوابات بھی ہے یہ ایک کافی ہے۔

علامہ نووی وغیرہ علماء نے حضرت عائشہ کے استدلال کا یہ جواب بھی دیا ہے کہ اگر ان کے پاس صریح حدیث ہوتی تو وہ ایتوں سے استنباط نہ فرماتی معلوم ہوا حدیث سے نفی رؤیت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

بندہ عاجز فضل محمد یوسف زئی کہتا ہے کہ معراج کا یہ عظیم سفر اور رب تعالیٰ سے یہ خصوصی ملاقات اور اس کا اتنا بڑا اہتمام اور پھر مقام بھی لامکان اس کا تقاضا ہے کہ دیدار کے بغیر ملاقات نہیں ہوئی ہوگی۔

سورت نجم کی یہ ایت'' مازاغ البصر وماطغی '' کا تو واضح مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک نگاہ نہ دیدار الٰہی سے ادھر ادھر ہوگئی اور نہ آگے تجاوز کر گئی بلکہ ٹھیک ٹھیک اپنے رب کی طرف دیکھنے میں لگی ہوئی تھی۔ سورت نجم کی ایت ''افرأیتم اللات والعزی ومناۃ الثالثة الاخری '' تو بہانگ دھل بتا رہی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے رب کو دیکھ لیا! اے کفار کیا تم نے کبھی لات منات اور عزیٰ کو دیکھا ہے؟ جس کے تم نے مجسمے بنا تے ہو اور ان کی عبادت کرتے ہو کیا اس کی کوئی حقیقت ہے یا صرف تصوراتی ڈھکوسلوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہو؟۔

## محاکمہ

صحابہ کرامؓ کے اس اختلاف میں تطبیق پیدا کرنے کے لئے علماء نے اس طرح محاکمہ کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اللہ تعالیٰ کی ذات محضہ کے دیدار کا انکار کیا ہے انوارات کا انکار نہیں کیا ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے تجلیات کے ساتھ دیدار کا قول کیا ہے ذات محضہ کا دعویٰ نہیں کیا ہے تو دونوں کے اقرار و انکار میں کوئی منافات و تضاد نہیں ہے۔

۴۳۶۔ حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا حَفْصٌ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَاٰہُ بِقَلْبِهٖ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دیکھا۔

۴۳۷۔ حَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُوسَعِيدٍ الْأَشَجُّ جَمِيعًا عَنْ وَكِيعٍ قَالَ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ زِيَادِ بْنِ الْحُصَيْنِ أَبِي جَهْمَةَ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاى﴾ (النجم: ۱۱) ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً أُخْرٰى﴾ قَالَ رَاٰهُ بِفُؤَادِهِ مَرَّتَيْنِ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿ما کذب الفؤاد ما رأی﴾ ﴿ولقد راٰہ نزلۃ اخری﴾ سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے قلب کی آنکھ سے دوبارہ دیکھا۔

۴۳۸۔ حَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِبْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنِ الْأَعْمَشِ حَدَّثَنَا أَبُوجَهْمَةَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ۔

ابوجہمہ کے واسطہ سے اعمش سے اسی سند کے ساتھ سابقہ روایت کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے قلب کی آنکھ سے دوبارہ دیکھا ہے منقول ہے۔

۴۳۹۔ **حَدَّثَنَا** زُهَيْرُبْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ دَاوٗدَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ كُنْتُ مُتَّكِئًا عِنْدَ عَائِشَةَ فَقَالَتْ يَا أَبَاعَائِشَةَ! ثَلَاثٌ مَنْ تَكَلَّمَ بِوَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ قُلْتُ مَاهُنَّ؟ قَالَتْ مَنْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَبَّهُ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ قَالَ وَكُنْتُ مُتَّكِئًا فَجَلَسْتُ فَقُلْتُ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ! أَنْظِرِينِي وَلَا تُعْجِلِينِي أَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ﴾ التكوير: ۲۳) ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً أُخْرٰى﴾ فَقَالَتْ أَنَا أَوَّلُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ سَأَلَ عَنْ ذٰلِكَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّمَا هُوَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ أَرَهُ عَلٰى صُورَتِهِ الَّتِي خُلِقَ عَلَيْهَا غَيْرَ هَاتَيْنِ الْمَرَّتَيْنِ رَأَيْتُهُ مُنْهَبِطًا مِنَ السَّمَاءِ سَادًّا عِظَمُ خَلْقِهِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ فَقَالَتْ أَوَلَمْ تَسْمَعْ أَنَّ اللّٰهَ يَقُولُ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ (الانعام: ۱۰۳) أَوَلَمْ تَسْمَعْ أَنَّ اللّٰهَ يَقُولُ ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْمِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْيُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ﴾ (الشوری: ۵۱)؟ قَالَتْ وَمَنْ زَعَمَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَمَ شَيْئًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ وَاللّٰهُ يَقُولُ ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾ (المائدة: ۶۷) قَالَتْ وَمَنْ زَعَمَ أَنَّهُ يُخْبِرُ بِمَا يَكُونُ فِي غَدٍ فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ وَاللّٰهُ يَقُولُ ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ﴾ (النمل: ۶۵)

مسروق فرماتے ہیں کہ میں ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ اے ابوعائشہ! تین باتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک بات بھی کسی نے کہی بے شک اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت

بڑا جھوٹ باندھا۔ میں نے عرض کیا کہ وہ تین کیا ہیں؟ فرمایا جس نے یہ خیال کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ تھوپا ہے۔ مسروق کہتے ہیں کہ میں ٹیک لگائے ہوئے تھا کہ یہ سن کر اٹھ بیٹھا اور کہا کہ اے ام المؤمنین! ذرا مجھے مہلت دیجئے اتنی جلدی نہ کیجئے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا ﴿ولقد راٰہ بالافق المبین﴾ اور اللہ نے فرمایا ﴿ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ﴾ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں اس امت میں پہلی فرد ہوں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جبرئیل علیہ السلام تھے۔ میں نے ان کو ان کی تخلیقی صورت میں دومرتبہ کے علاوہ نہیں دیکھا میں نے انہیں آسمان سے اترتے دیکھا اور ان کے ظاہری جسم کی بڑائی نے زمین وآسمان کے مابین خلا کو بھر دیا تھا۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا؟ ﴿لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر﴾ اور کیا تم نے نہیں سنا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا ... علیّ حکیم﴾ تک۔ اور فرمایا۔ ۲۔ جس نے یہ خیال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی کتاب میں سے کچھ چھپایا ہے تو بے شک اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ مسلط کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿یا ایہا الرسول بلغ ...﴾ اور فرمایا کہ جس نے یہ خیال کیا کہ حضور علیہ السلام آئندہ کل کی باتیں جانتے تھے تو بے شک اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا تو فرمان ہے ﴿قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ﴾۔

## تشریح

"یا ابا عائشہ" یہ مسروق بن اجدع کی کنیت ہے ان کو مسروق اس لئے کہتے ہیں کہ بچپن میں چوری ہوگئے تھے پھر مل گئے تو نام ہی مسروق پڑ گیا بہت بڑے تابعی ہیں اور حضرت عائشہؓ کے شاگرد ہیں زیر بحث حدیث میں انھوں نے حضرت عائشہ سے مباحثہ ومناظرہ کیا ہے حضرت عائشہ نے مضبوط جوابدیا۔

"الفریۃ" بدترین جھوٹ کو "الفریۃ" کہتے ہیں۔ "ولا تعجلی" یعنی مسروق پردے کے پیچھے ٹیک لگائے ہوئے تھے اس لئے اہم مسئلہ کے لئے وہ سیدھے بیٹھ گئے اور ام المؤمنین سے کہا کہ آپ جلدی نہ کریں اور میرے سوال کا جواب دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ" اور "ولقد راٰہ بالافق المبین" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں تو میں نے حضور اکرمؐ سے خود پوچھا تھا آنحضرت نے فرمایا کہ اس سے جبریل کی رؤیت مراد ہے۔ ساتھ والی روایت میں حضرت عائشہ نے "سبحان اللہ" کا لفظ استعمال کیا ہے یہ انتہائی تعجب کے وقت عرب استعمال کرتے ہیں اس روایت میں "لقد قف شعری" کے الفاظ بھی آتے ہیں اس کا مطلب یہ

ہے کہ تم نے اتنی بڑی بات کردی ہے کہ اس سے میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

اس حدیث سے بریلوی حضرات کا بھی رگڑا لگ گیا جو آنحضرت کو عالم الغیب بما کان وما یکون مانتے ہیں واقعی یہ لوگ بڑے طوفانی جھوٹ بولتے ہیں۔

۴۴۰۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَهَّابِ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ عُلَيَّةَ وَزَادَ قَالَتْ وَلَوْ كَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاتِمًا شَيْئًا مِمَّا أُنْزِلَ عَلَيْهِ لَكَتَمَ هٰذِهِ الْآيَةَ ﴿وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشٰهُ﴾ (الاحزاب:۳۷)۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہے اس اضافہ کے ساتھ کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اوپر نازل ہونے والی کتاب میں سے کچھ چھپانے والے ہوتے تو یہ آیت چھپا لیتے ﴿واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ......ان تخشاہ﴾ تک۔

۴۴۱۔ وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ هَلْ رَأَى مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبَّهُ؟ فَقَالَتْ سُبْحَانَ اللّٰهِ! لَقَدْ قَفَّ شَعْرِي لِمَا قُلْتَ وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِقِصَّتِهِ وَحَدِيثُ دَاوُدَ أَتَمُّ وَأَطْوَلُ۔

حضرت مسروق ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی زیارت کی ہے؟ فرمانے لگیں سبحان اللہ! تیری بات سے تو میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے، آگے سارا واقعہ بیان فرمایا۔ مگر داؤد کی روایت مکمل اور لمبی ہے۔

۴۴۲۔ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ عَنِ ابْنِ أَشْوَعَ عَنْ عَامِرٍ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ فَأَيْنَ قَوْلُهُ ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهِ مَا أَوْحٰى﴾ (النجم:۸۔۱۰) قَالَتْ إِنَّمَا ذَاكَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَأْتِيهِ فِي صُورَةِ الرِّجَالِ وَإِنَّهُ أَتَاهُ فِي هٰذِهِ الْمَرَّةِ فِي صُورَتِهِ الَّتِي هِيَ صُورَتُهُ فَسَدَّ أُفُقَ السَّمَاءِ۔

مسروق ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ (بقول آپ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا) تو اللہ تعالیٰ کے قول ﴿ثم دنی فتدلی فکان قوب قوسین او ادنیٰ فاوحی الی عبدہ ما اوحی﴾ کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا کہ وہ تو جبرئیل علیہ السلام تھے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عموماً مردوں کی صورت میں آیا کرتے تھے، اس بار اپنی خاص حقیقی صورت میں آئے تھے اور پوری افق کو مسدود کردیا تھا۔

## باب فی قوله علیه السلام نور انی اراه

## نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کہ میں نور کو کیسے دیکھ سکتا ہوں

اس باب میں امام مسلم نے دو حدیثوں کو بیان کیا ہے

۴۴۳۔ حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ اِبْرَاھِیْمَ عَنْ قَتَادَۃَ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ شَقِیْقٍ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ رَاَیْتَ رَبَّکَ ؟ قَالَ نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ فرمایا: وہ تو نور ہے میں کہاں سے اسے دیکھتا۔

### تشریح

''نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ'' حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ کیا آپ نے معراج کی رات رب تعالیٰ کو دیکھا تھا؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک نور ہے میں اس کو کیسے دیکھ سکتا ہوں۔ ساتھ والی روایت میں آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے نور کو دیکھا۔ ان دونوں روایتوں کے راوی حضرت ابوذر غفاری ہیں چونکہ یہ پردۂ غیب کا مسئلہ ہے پھر اللہ تعالیٰ جو قیاس، گمان اور وہم سے بالاتر ہیں اس لئے آنحضرت نے رویت کے اس مسئلہ کو ابہام کے درجہ میں رکھا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہاں نور سے کیا مراد ہے تو علامہ مازری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں مفعول ہ کی ضمیر منصوب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انوارات کے پردوں نے مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات دیکھنے سے منع کر دیا یہ اسی طرح ہے جو دوسری حدیث میں ہے کہ ''وحجابه النور'' تو یہ کوئی الگ پردے نہیں ہیں جس نے اللہ تعالیٰ کو گھیر لیا ہو یہ محال ہے بلکہ ان پردوں سے اللہ تعالیٰ کے انوارات کے پردے مراد ہیں جو دیکھنے والے کی آنکھوں کے سامنے حائل بن جاتے ہیں جیسے سورج کے لئے اس کی شعائیں ہیں۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو نور نہیں کہا گیا ہے کیونکہ نور خود اجسام کے قبیلے سے ہے جس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں ہو سکتا ہے اور جہاں اطلاق ہوا ہے اس سے منور کرنے والی ذات مراد ہے۔

یہاں ''نُوْرٌ اَنّٰی اراہ'' روایت بھی ہے اس کا مطلب یہ ہو جائے گا اللہ تعالیٰ نور ہے اس نور کو دیکھا ہے۔ پھر اس روایت کا مطلب اور ''رأیت نورا'' کا مطلب ایک ہو جائے گا۔ بعض علماء سے میں نے سنا کہ وہ اس طرح پڑھنے کو بھی جائز کہتے تھے ''نورانی اراہ'' یعنی میں نے ایک نورانی بادشاہ کو دیکھا۔ بہرحال یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور متشابہات کی اقسام میں سے ہیں اس لئے مایلیق بشانہ کا عقیدہ رکھنا چاہئے جو کچھ واقع ہوا اس پر ہمارا ایمان ہے۔

۴۴۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا أَبِي ح وَحَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ كِلَاهُمَا عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي ذَرٍّ لَوْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَسَأَلْتُهُ فَقَالَ عَنْ أَيِّ شَيْءٍ كُنْتَ تَسْأَلُهُ؟ قَالَ كُنْتُ أَسْأَلُهُ هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ؟ قَالَ أَبُو ذَرٍّ قَدْ سَأَلْتُ فَقَالَ رَأَيْتُ نُورًا۔

حضرت عبداللہ بن شقیق فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تو آپ سے ضرور پوچھتا۔ انہوں نے کہا کہ کس چیز کے بارے میں پوچھتے؟ میں نے کہا کہ میں آپ سے پوچھتا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ سوال تو میں نے حضور علیہ السلام سے کیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے نور دیکھا۔

## باب في قوله عليه السلام ان الله لاينام

## اللہ تعالیٰ سوتے نہیں ہیں اور ان پر نور کے پردے ہیں

اس باب میں امام مسلم نے تین احادیث کو بیان کیا ہے۔

۴۴۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَامَ فِينَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ فَقَالَ إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَنَامُ وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَنَامَ يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهُ يُرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ حِجَابُهُ النُّورُ وَفِي رِوَايَةِ أَبِي بَكْرٍ النَّارُ لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهَى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ وَفِي رِوَايَةِ أَبِي بَكْرٍ عَنِ الْأَعْمَشِ وَلَمْ يَقُلْ حَدَّثَنَا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر پانچ باتیں ارشاد فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔ (۱) بے شک اللہ تعالیٰ سوتا نہیں ہے اور نہ ہی سونا اس کی شان کے مناسب ہے (۲) جھکاتا ہے ترازو کو اور اونچا کرتا ہے (۳) رات کے اعمال دن کے اعمال سے قبل اور (۴) دن کے اعمال رات کے اعمال سے قبل اس کی جانب اٹھائے جاتے ہیں۔ اس کا حجاب نور ہے۔ ابوبکر بن ابی شیبہ کی روایت میں یہ ہے کہ اس کا پردہ وحجاب آگ ہے۔ اور اگر وہ اس حجاب کو ہٹا دے تو اس کے وجہ کریم کی شعاعیں حد نظر تک مخلوق کو جلا کر بھسم کر دیں۔

## تشریح

''لاینام'' نیند تو احساس وعقل اور شعور کو ختم ہونے کا نام ہے اور اس کا تعلق اجسام حیوانی سے ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ذات اس منزہ و مبرا ہے اس ''نوم'' کا اطلاق محال ہے اس لئے آیت ''لاتاخذہ سنۃ ولانوم'' میں بھی اس کی نفی آتی ہے اور اس حدیث میں بھی اسکی نفی آئی اور اللہ تعالیٰ کے لئے یہ مناسب ہی نہیں ہے کیونکہ رات کے ڈھائی بجے میں مثلاً اگر ایک مظلوم اپنے رب کے سامنے فریاد کر رہا ہو اور مجبوری میں اس کو پکار رہا ہو اور خالق سویا ہوا ہو تو یہ نہ مناسب بات ہوگی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نیند اور اونگھ سے پاک ہے۔

''یخفض القسط ویرفعہ'' قاضی عیاضؒ نے اس کے دو مطلب بیان کیے ہیں ایک مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عدل وانصاف کا ترازو قائم کیا ہے اس سے لوگوں کے اعمال وزن ہو کر اوپر جاتے ہیں اور اوپر سے ان کے ارزاق نیچے آتے ہیں یہ ایک تشبیہ کی صورت ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ''القسط'' سے لوگوں کے رزق کا حصہ مراد ہے اس حصہ کو اللہ تعالیٰ گھٹاتا ہے اور پھر بڑھاتا ہے جس کے لئے جو چاہتا ہے وہی دیتا ہے اس کے ضمن میں دنیا کی قیمتوں کے گھٹانے بڑھانے کا مفہوم بھی آسکتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے یہ مطلب زیادہ واضح ہے۔

''عمل اللیل قبل عمل النھار'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں انسانوں کے اعمال جو اوپر جاتے ہیں تو دن کے اعمال سے پہلے رات کے اعمال اور رات کے اعمال سے پہلے دن کے اعمال بلند ہو کر چلے جاتے ہیں کیونکہ فرشتوں کی ڈیوٹی صبح وشام میں تبدیل ہوتی ہے تو وہی فرشتے ان اعمال کو پے در پے اوپر آسمانوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں۔

''سُبُحَاتُ وَجْھِہٖ'' یہ سبحۃ کی جمع ہے اس سے مراد وہ انوارات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے بمنزلہ پردوں کے ہیں۔ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ تمام اہل لغت اور شارحین حدیث ''سبحات'' کا ترجمہ اللہ تعالیٰ کے نور و جلال اور رونق وجمال سے کرتے ہیں اور حجاب سے مراد مانع ہے اس مانع کی تعبیر نور و انوار اور نار سے اس لئے کی گئی ہے کہ عادۃً اس کی شعاعیں دیکھنے اور ادراک کرنے سے منع بن جاتی ہیں اور یہاں یہی مقصود ہے۔

''ماانتھی الیہ بصرہ'' اس سے کوئی محدود دائرہ مراد نہیں ہے بلکہ ساری مخلوقات اور جمیع کائنات مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ پوری مخلوقات پر حاوی اور محیط ہے مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات ظاہر ہو جائے اور تجلیات کے یہ موانع دور ہو جائے تو ذات کا جلال ساری مخلوقات کو جلا کر رکھ دی گی۔ (کذا فی النووی)

''من خلقہ'' علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہاں ''من'' تبعیض کے لئے نہیں ہے بلکہ بیان کے لئے ہے اس سے بھی آپ پر اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ محدود نہیں ہے کہ بعض مخلوق پر ہو اور بعض پر نہ ہو بلکہ نگاہ عام ہے اور محیط ہے اسی لئے امام مسلمؒ نے اگلی روایت میں فرمایا کہ ایک روایت میں ''من خلقہ'' کا لفظ موجود بھی نہیں ہے۔ تا کہ محدود ہونے کا وہم بھی پیدا نہ ہو۔

۴۴۶۔ **حَدَّثَنَا** اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ اَخْبَرَنَا جَرِيْرٌ عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَرْبَعِ كَلِمَاتٍ ثُمَّ ذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ اَبِيْ مُعَاوِيَةَ وَلَمْ يَذْكُرْ مِنْ خَلْقِهِ وَقَالَ حِجَابُهُ النُّوْرُ۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہے۔اس میں پانچ کے بجائے چار کلمات کا ذکر ہے اور اس میں حجاب اس کا نور ہے اس کا ذکر نہیں ہے۔

۴۴۷۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ اَبِيْ عُبَيْدَةَ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَرْبَعٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنَامُ وَلَا يَنْبَغِيْ لَهُ اَنْ يَنَامَ يَرْفَعُ الْقِسْطَ وَيَخْفِضُهُ وَيُرْفَعُ اِلَيْهِ عَمَلُ النَّهَارِ بِاللَّيْلِ وَعَمَلُ اللَّيْلِ بِالنَّهَارِ۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور چار باتیں ارشاد فرمائیں۔(۱) اللہ عزوجل سوتے نہیں اور نہ ہی سونا ان کی شان کے لائق ہے (۲) میزان اعمال کو جھکاتے اور اونچا کرتے ہیں (۳) دن کے اعمال رات کو اس کے سامنے لائے جاتے ہیں (۴) اور رات کے اعمال دن کے اعمال کو اس کے سامنے لائے جاتے ہیں۔

**نوٹ:**

رؤیت باری تعالیٰ سے متعلق ان ابواب مذکورہ احادیث کی تشریح اور تحریر میں نے عرب امارات کے سفر کے دوران دبئی میں حاجی نورالامین بن محمد امین صاحب کے ہاں قیام کے وقت لکھی یہاں ایک مدرسہ ہے جو "انس بن مالک" کے نام سے موسوم ہے۔اسی میں میرا قیام ہے دو دن بعد عمرہ پر جانا ہے۔

فضل محمد بن نور محمد یوسف زئی نزیل دبئی جمعہ ۲۸ شعبان ۱۴۳۲ھ بمطابق ۲۹ جولائی ۲۰۱۱ء

"باب ذکر المسیح" سے لے کر یہاں تک میں اس پوری تحریر کی تصحیح اور اس پر نظر ثانی چار رمضان ۱۴۳۲ھ میں بیت اللہ کے سامنے صفا پہاڑی کی جڑ میں پتھروں کے پاس بیٹھ کر کر رہا ہوں۔ظہر کی میٹھی میٹھی اذان ہو رہی ہے۔اللھم ادخلنی الجنة بغیر حساب

## باب اثبات رؤية المؤمنين في الآخرة ربهم

## قیامت میں مسلمانوں کا اپنے رب کے دیدار کا بیان

اس باب میں امام مسلم نے تین احادیث کو بیان کیا ہے۔

۴۴۸۔ **حَدَّثَنَا** نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ وَاَبُوْ غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ جَمِيْعًا عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ

عَبْدِالصَّمَدِ وَاللَّفْظُ لِاَبِیْ غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْعَبْدِالصَّمَدِ حَدَّثَنَا اَبُوْعِمْرَانَ الْجَوْنِیُّ عَنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ قَیْسٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ جَنَّتَانِ مِنْ فِضَّۃٍ آنِیَتُھَا وَمَافِیْھَا وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَھَبٍ آنِیَتُھُمَا وَمَافِیْھِمَا وَمَابَیْنَ الْقَوْمِ وَبَیْنَ اَنْ یَنْظُرُوْا اِلٰی رَبِّھِمْ اِلَّا رِدَاءُ الْکِبْرِیَاءِ عَلٰی وَجْھِہٖ فِیْ جَنَّۃِ عَدْنٍ۔

حضرت عبداللہ بن قیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشادفرمایا: دوجنتیں ایسی ہوں گی کہ ان کے برتن اور دوسری تمام چیزیں سونے کی ہوں گی۔اوراہل جنت اورحق تعالیٰ کے درمیان جنت عدن میں سوائے ایک عظمت وبزرگی کی چادر کے کچھ حائل نہ ہوگا۔

"وبین ان ینظروا"

## تشریح

## دیدارِالٰہی کا بیان

قال اللہ تعالیٰ﴿وجوہ یومئذناضرۃ الی ربھاناظرۃ﴾

اہل السنۃ والجماعۃ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ قیامت اورعالم آخرت میں مؤمنین اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گےاور یہ نہ شرعاً محال ہے اور نہ عقلاً محال ہے لہٰذا بلاوجہ دیدارِالٰہی کا انکارمکابرہ اورمجادلہ ہے۔دوسری طرف اہل اہواء وخوارج ومعتزلہ نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کا دیکھنااوردنیا وآخرت میں اس کا دیدارمحال ہے لہٰذا رؤیت باری تعالیٰ نہیں ہوگی۔

### سوال

اگرکوئی یہ سوال کرے کہ جسمانی آنکھ کے لئے ضروری ہے کہ شی مرئی جسم ہو،تا کہ اس پرنظرجم سکےاور یہ بھی ضروری ہے کہ اس شی مرئی کے لئے جہت ہو،تا کہ آنکھیں اس کی طرف متوجہ ہوسکیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ شی مرئی کسی خاص مکان ومقام پرموجود ہوتا کہ وہ نگاہوں کی گرفت میں آسکےاور یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت اورقدم کی صفت کی منافی ہیں لہٰذا دیدارالٰہی ناممکن ہے۔

### جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ قادرمطلق ذات ہےاس کے لئے یہ کوئی مشکل نہیں کہ وہ سرکی انہی موجودہ آنکھوں کی بصارت میں ایسی بصیرت پیدا کردے جس طرح بصیرت اس رب نے دل کے اندر پیدا کی ہے پھرآنکھوں کی اسی بصیرت کی بدولت یہ انسان جسمانی جسم کے بغیرنیزمکان اورجہت کے تعین کے بغیران آنکھوں سے کسی چیز کاادراک کرلےتواس میں استحالہ نہیں ہے۔

## دلائل

معتزلہ اور خوارج عدم رویت باری تعالیٰ پر قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں ﴿لاتدرکہ الابصار﴾ ان کے نزدیک اس آیت کا تعلق دنیا و آخرت دونوں سے ہے لہٰذا قیامت میں بھی دیدار نہیں ہوگا، معتزلہ وخوارج عقل کو بھی اپنے استدلال میں استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنکھوں کے سامنے جسم کا ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانی حوادثات سے پاک ہے اس لئے ان کا دیکھنا محال ہے۔

اہل سنت والجماعت دیدار الٰہی کے اثبات کے لئے قرآن کریم کی آیت ﴿وجوہ یومئذ ناضرة الی ربہا ناظرة﴾ کو بطور استدلال پیش کرتے ہیں اور مذکورہ باب کی کثیر احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں نیز دیدار الٰہی پر اجماع بھی منعقد ہے، اہل سنت قرآن کی اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں ﴿للذین احسنوا الحسنی وزیادة﴾ یعنی جن لوگوں نے نیک کام کیے ان کے لئے حسنیٰ یعنی جنت بھی ہے اور کچھ زیادہ بھی ہے، یہ زیادہ دیدار الٰہی تو ہے۔

اہل سنت اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں ﴿کلاانہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون﴾ طرز استدلال اس طرح ہے کہ کفار کو دیدار الٰہی سے بطور سزا روکا جائے گا لہٰذا مؤمنین کو یہ سزا نہیں ہوگی بلکہ دیدار ہوگا۔ ایک بزرگ نے ایک معتزلی شخص سے کہا کہ سچ بتاؤ تمہیں دیدار الٰہی کی تمنا ہے یا نہیں اس نے کہا کہ تمنا تو ہے بزرگ فرمانے لگے کہ پھر تو دیدار محال نہیں بلکہ ممکن ہوا کیونکہ محال کی تمنا نہیں ہوتی ہے بلکہ ممکن کی چاہت ہوتی ہے۔

### جواب

معتزلہ خوارج اور مرجئہ اہل باطل نے جس آیت سے استدلال کیا ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں دیدار کی نفی کا تعلق دنیا سے ہے کہ دنیا میں ایسا نہیں ہوسکتا۔

### دوسرا جواب

یہ ہے کہ "لاتدرکہ الابصار" میں احاطہ کی نفی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر نگاہ کا احاطہ نہیں ہوسکتا، دیکھنا اور چیز ہے اور احاطہ ادراک اور چیز ہے۔

### تیسرا جواب

یہ کہ ﴿لاتدرکہ الابصار﴾ والی نفی کی آیت میں کئی احتمالات کی گنجائش ہے جبکہ دیدار کے اثبات والی آیت ﴿الی ربہا ناظرة﴾ صریح ہے اس میں احتمالات نہیں ہیں۔

چوتھا جواب

دراصل معتزلہ اور خوارج کی عقلی دلیل کا جواب ہے اگرچہ ان کی عقلی دلیل کا جواب اس سے پہلے شروع بحث میں دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے رؤیت کے لئے اگر جسامت ضروری ہے تو شاید یہ دنیا کی بصارت کے لئے ہوگی آخرت کی بصارت میں نئی قوت آئے گی نیز رؤیت کے لئے جہت ضروری چیز نہیں ہے، ہر جہت سے بھی رؤیت ہوسکتی ہے جس طرح علم ہر جہت سے آتا ہے اس کے لئے کسی جہت کی ضرورت نہیں ہے جس طرح ہر طرف سے علم آتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ جب کسی کو دیکھتا ہے تو اس کے لئے بھی جہت کا ہونا ضروری نہیں ہے لہٰذا یہ عقلی تصور صحیح نہیں ہے کہ دیدار الٰہی کے لئے جہت اور مکان کا ہونا ضروری ہے۔

## دیدار الٰہی کی اقسام اور مقامات

پہلا دیدار حساب وکتاب کے وقت اللہ تعالیٰ کا ایک عام دیدار ہوگا جو میدان محشر میں ہوگا اس میں تمام مخلوقات شامل ہوں گی خواہ مسلم ہوں خواہ غیر مسلم ہوں نفی کا تعلق اس دیدار سے نہیں ہے پھر کبھی دیدار نہیں ہوگا نفی کا تعلق میدان محشر کے بعد کے دیدار سے ہوسکتا ہے۔ دوسرا دیدار جنت میں ہوگا یہ مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے جو ایک بار نہیں بلکہ بار بار ہوگا، اس کا ثبوت قرآن وحدیث میں ہے اسی طرح راجح قول یہ ہے کہ جنتی عورتیں بھی دیدار الٰہی میں شریک ہونگی اسی طرح راجح قول کے مطابق فرشتے اور جنات بھی جنت میں دیدار الٰہی سے لطف اندوز ہوں گے۔ دنیا میں دیدار الٰہی اگرچہ ممکن ہے مگر غیر واقع ہے جو شخص دنیا میں دیدار الٰہی کا دعویٰ کرے گا وہ گمراہ ہوجائے گا۔

اب رہی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کرلیا تھا یا نہیں؟ تو اس میں حضرت عائشہ اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابوہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رائے یہ ہے کہ دیدار نہیں ہوا تھا لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ کی یہ رائے ہے کہ دیدار ہوا تھا اور یہی راجح ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے دیدار کی نفی اور اثبات دونوں منقول ہیں، علامہ طیبی رحمہ اللہ کے نزدیک توقف بہتر ہے۔ معراج سے متعلق احادیث میں اگرچہ دیدار کے اثبات اور نفی دونوں کا احتمال ہے مگر جمہور صحابہ اور جمہور علماء نے دیکھنے کو راجح قرار دیا ہے معراج کی روایات کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انورات اور تجلیات مختلف ہیں بعض تجلیات ''قاھرۃ للبصر'' ہیں اور بعض ''غیر قاھرۃ للبصر'' ہیں تو جو تجلیات ''قاھرۃ للبصر'' ہیں ان کے ہوتے ہوئے تو آدمی دیدار کرہی نہیں سکتا اور بعض تجلیات جو قاھر للبصر نہیں ہیں ان کی موجودگی میں ایک طرح کا دیدار ہوسکتا ہے، معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے مسئلہ کو بھی انہی تجلیات وانوارات تنوع اور اقسام کے اعتبار سے حل کیا جاسکتا ہے۔

لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے معراج میں دیدار کا جو انکار کیا ہے تو وہ ذات باری تعالیٰ کے دیدار اور انہی خاص تجلیات کا انکار

ہے جن کی طرف حدیث میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے "نسوراني اراه" "وہ تو ایک تجلی ہے میں اس کو کہاں دیکھ سکتا ہوں؟ ادھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جس دیدار کا اثبات کیا ہے وہ الگ انوارات وتجلیات ہیں جن کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے "رئیت نورا" میں نے ایک خاص نور دیکھا تھا یہ مسئلہ ایک اور انداز سے معراج کے ابواب میں بھی لکھا گیا ہے۔

تجلیات وانوارات کی اس تقسیم کی طرف آئندہ حدیث میں واضح اشارہ کیا گیا ہے جو کافی شافی ہے آخر میں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ آیا خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو علماء نے لکھا ہے کہ یہ ممکن ہے لیکن یہ ایک تجلی اور تصور اور علمی مشاہدہ ہے جس سے آدمی تسلی حاصل کر سکتا ہے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے متعلق بھی یہ کہا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو میں نے پوچھا کہ کونسا عمل آپ کو سب سے زیادہ پسند ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تلاوت قرآن، امام احمدؒ صاحب نے پوچھا کہ معانی اور مطالب سمجھنے کے ساتھ یا اس کے بغیر؟ فرمایا: خواہ معانی سمجھنے کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر ہو۔

بہر حال یہ مسئلہ باب الرؤیا میں تفصیل سے آئے گا۔

۴۴۹۔ **حَدَّثَنَا** عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَبْنُ مَيْسَرَةَ قَالَ حَدَّثَنِيْ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيّ حَدَّثَنَا حَمَّادُبْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيّ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ لَيْلٰى عَنْ صُهَيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَادَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ قَالَ يَقُوْلُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى تُرِيْدُوْنَ شَيْئًا اَزِيْدُكُمْ ؟ فَيَقُوْلُوْنَ اَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا ؟ اَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ ؟ قَالَ فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ فَمَا اُعْطُوا شَيْئًا اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ اِلٰى رَبِّهِمْ عَزَّوَجَلَّ۔

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا کچھ اور مزید چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ: کیا آپ نے ہمارے چہروں کو سفید روشن نہیں کر دیا؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کر دیا؟ اور جہنم سے نجات نہیں دے دی؟ فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ حجاب کھول دیں گے پس انہیں رب العالمین جل وعلا کے دیدار اور اسے دیکھنے سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہو گی جو انہیں دی گئی ہیں۔

۴۵۰۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُبْنُ هَارُوْنَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ وَزَادَ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ (یونس: ۲۶)

اس سند سے بھی سابقہ حدیث منقول ہیں۔ اتنا اضافہ ہے کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿للذين احسنوا الحسنى وزيادة﴾ (نیکوکاروں کے لئے نیکی ہے اور مزید بھی) مزید سے مراد یہی دیدار حق ہے۔

## باب معرفة طريق الرؤية

## دیدارِ الٰہی کے طریقوں کا بیان

اس باب میں امام مسلم نے چھ احادیث کو بیان کیا ہے۔

۴۵۱ ـ **حَدَّثَنِي** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ أَنَّ أَبَاهُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ نَاسًا قَالُوا لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَارَسُولَ اللّٰهِ! هَلْ نَرَى رَبَّنَايَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ؟ قَالُوا لَايَارَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ هَلْ تُضَارُّونَ فِي الشَّمْسِ لَيْسَ دُونَهَا سَحَابٌ؟ قَالُوا لَا يَارَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ فَإِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ كَذٰلِكَ يَجْمَعُ اللّٰهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ شَيْئًا فَلْيَتَّبِعْهُ فَيَتَّبِعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُالشَّمْسَ الشَّمْسَ وَيَتَّبِعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الْقَمَرَ الْقَمَرَ وَيَتَّبِعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُالطَّوَاغِيتَ الطَّوَاغِيتَ وَتَبْقَى هٰذِهِ الْأُمَّةُ فِيهَامُنَافِقُوهَا فَيَأْتِيهِمُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي صُورَةٍ غَيْرِصُورَتِهِ الَّتِي يَعْرِفُونَ فَيَقُولُ أَنَارَبُّكُمْ فَيَقُولُونَ نَعُوذُبِاللّٰهِ مِنْكَ هٰذَا مَكَانُنَاحَتَّى يَأْتِيَنَا رَبُّنَا فَإِذَاجَاءَ رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ فَيَأْتِيهِمُ اللّٰهُ تَعَالَى فِي صُورَتِهِ الَّتِي يَعْرِفُونَ فَيَقُولُ أَنَارَبُّكُمْ فَيَقُولُونَ أَنْتَ رَبُّنَا فَيَتَّبِعُونَهُ وَيُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ جَهَنَّمَ فَأَكُونُ أَنَاوَأُمَّتِي أَوَّلَ مَنْ يُجِيزُ وَلَايَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ إِلَّا الرُّسُلُ وَدَعْوَى الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ اللّٰهُمَّ! سَلِّمْ سَلِّمْ وَفِي جَهَنَّمَ كَلَالِيبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ هَلْ رَأَيْتُمُ السَّعْدَانَ؟ قَالُوا نَعَمْ يَارَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ فَإِنَّهَا مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ غَيْرَأَنَّهُ لَايَعْلَمُ مَاقَدْرُ عِظَمِهَا إِلَّااللّٰهُ تَخْطَفُ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ فَمِنْهُمُ الْمُوبَقُ يَعْنِي بِعَمَلِهِ وَمِنْهُمُ الْمُجَازَى حَتَّى يُنَجَّى حَتَّى إِذَا فَرَغَ اللّٰهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ الْعِبَادِ وَأَرَادَ أَنْ يُخْرِجَ بِرَحْمَتِهِ مَنْ أَرَادَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ أَمَرَ الْمَلَائِكَةَ أَنْ يُخْرِجُوا مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ لَايُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا مِمَّنْ أَرَادَ اللّٰهُ تَعَالَى أَنْ يَرْحَمَهُ مِمَّنْ يَقُولُ لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ فَيَعْرِفُونَهُمْ فِي النَّارِ يَعْرِفُونَهُمْ بِأَثَرِ السُّجُودِ تَأْكُلُ النَّارُ مِنِ ابْنِ آدَمَ إِلَّا أَثَرَ السُّجُودِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ أَنْ تَأْكُلَ أَثَرَالسُّجُودِ فَيَخْرُجُونَ مِنَ النَّارِ وَقَدِ امْتَحَشُوا فَيُصَبُّ عَلَيْهِمْ مَاءُ الْحَيَاةِ فَيَنْبُتُونَ مِنْهُ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ ثُمَّ يَفْرُغُ اللّٰهُ تَعَالَى مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ الْعِبَادِ وَيَبْقَى رَجُلٌ مُقْبِلٌ بِوَجْهِهِ عَلَى النَّارِ وَهُوَآخِرُ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا الْجَنَّةَ فَيَقُولُ أَيْ رَبِّ! اصْرِفْ وَجْهِي عَنِ النَّارِ فَإِنَّهُ قَدْ قَشَبَنِي رِيحُهَا وَأَحْرَقَنِي ذَكَاؤُهَا فَيَدْعُو اللّٰهَ مَاشَاءَ أَنْ يَدْعُوَهُ ثُمَّ يَقُولُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى هَلْ عَسَيْتَ إِنْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ بِكَ أَنْ تَسْأَلَ غَيْرَهُ! فَيَقُولُ لَاأَسْأَلُكَ غَيْرَهُ وَيُعْطِي رَبَّهُ مِنْ عُهُودٍ وَمَوَاثِيقَ مَاشَاءَ اللّٰهُ فَيَصْرِفُ اللّٰهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ فَإِذَا أَقْبَلَ عَلَى الْجَنَّةِ

وَرَآهَا سَكَتَ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَسْكُتَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَىْ رَبِّ اَقْدِمْنِىْ اِلٰى بَابِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهُ اَلَيْسَ قَدْ اَعْطَيْتَ عُهُوْدَكَ وَمَوَاثِيْقَكَ لَاتَسْاَلُنِىْ غَيْرَ الَّذِىْ اَعْطَيْتُكَ وَيْلَكَ يَاابْنَ آدَمَ ! مَااَغْدَرَكَ! فَيَقُوْلُ اَىْ رَبِّ ! وَيَدْعُو اللّٰهَ حَتّٰى يَقُوْلَ لَهُ فَهَلْ عَسَيْتَ اِنْ اَعْطَيْتُكَ ذٰلِكَ اَنْ تَسْاَلَ غَيْرَهُ فَيَقُوْلُ لَا وَعِزَّتِكَ فَيُعْطِى رَبَّهُ مَاشَاءَ اللّٰهُ مِنْ عُهُوْدٍ وَمَوَاثِيْقَ فَيُقَدِّمُهُ اِلٰى بَابِ الْجَنَّةِ ـ فَاِذَا قَامَ عَلٰى بَابِ الْجَنَّةِ انْفَهَقَتْ لَهُ الْجَنَّةُ فَرَاٰى مَافِيْهَا مِنَ الْخَيْرِ وَالسُّرُوْرِ فَيَسْكُتُ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَسْكُتَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَىْ رَبِّ ! اَدْخِلْنِى الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَهُ اَلَيْسَ قَدْ اَعْطَيْتَ عُهُوْدَكَ وَمَوَاثِيْقَكَ اَنْ لَاتَسْاَلَ غَيْرَ مَااُعْطِيْتَ وَيْلَكَ يَاابْنَ آدَمَ ! مَااَغْدَرَكَ ! فَيَقُوْلُ اَىْ رَبِّ ! لَااَكُوْنَنَّ اَشْقٰى خَلْقِكَ فَلَايَزَالُ يَدْعُو اللّٰهَ حَتّٰى يَضْحَكَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى مِنْهُ فَاِذَا ضَحِكَ اللّٰهُ مِنْهُ قَالَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ فَاِذَا دَخَلَهَا قَالَ اللّٰهُ لَهُ تَمَنَّهْ فَيَسْاَلُ رَبَّهُ وَيَتَمَنّٰى حَتّٰى اِنَّ اللّٰهَ لَيُذَكِّرُهُ مِنْ كَذَا وَكَذَا حَتّٰى اِذَا انْقَطَعَتْ بِهِ الْاَمَانِىُّ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ذٰلِكَ لَكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ ـ قَالَ عَطَاءُ بْنُ يَزِيْدَ وَاَبُوْسَعِيْدِ الْخُدْرِىُّ مَعَ اَبِىْ هُرَيْرَةَ لَايَرُدُّ عَلَيْهِ مِنْ حَدِيْثِهِ شَيْئًا حَتّٰى اِذَا حَدَّثَ اَبُوْهُرَيْرَةَ اِنَّ اللّٰهَ قَالَ لِذٰلِكَ الرَّجُلِ ذٰلِكَ لَكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ قَالَ اَبُوْسَعِيْدٍ وَعَشَرَةُ اَمْثَالِهِ مَعَهُ يَااَبَاهُرَيْرَةَ ! قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ مَاحَفِظْتُ اِلَّا قَوْلَهُ ذٰلِكَ لَكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ قَالَ اَبُوْسَعِيْدٍ اَشْهَدُ اَنِّىْ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلَهُ ذٰلِكَ لَكَ وَعَشَرَةُ اَمْثَالِهِ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ وَذٰلِكَ الرَّجُلُ آخِرُ اَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُوْلًا الْجَنَّةَ ـ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہم روز قیامت اپنے پروردگار کو دیکھ سکیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں کوئی زحمت اٹھانی پڑتی ہے چودھویں کے چاند دیکھنے میں؟ انہوں نے کہا نہیں یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں مطلع صاف ہونے کی صورت میں سورج کے دیکھنے میں زحمت ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب حق تعالیٰ کو دیکھو گے۔ حق تعالیٰ قیامت کے روز تمام لوگوں کو جمع فرمائیں گے اور ارشاد ہوگا کہ جو جس چیز کی عبادت کرتا تھا وہ اسی کے پیچھے جائے۔ تو سورج کا پجاری، سورج کے اور چاند کا پجاری چاند کے اور شیاطین وطاغوت کا پجاری ان طواغیت کے پیچھے چل پڑے گا اور یہ امت محمدیہ مع منافقین کے باقی رہ جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ دوسری صورت میں ان کے پاس آئیں گے اس صورت کے علاوہ جس کو وہ پہچانتے ہوں گے۔ اور کہیں گے میں تمہارا رب ہوں۔ وہ کہیں گے نعوذ باللہ منک، جب تک ہمارا رب آئے ہم یہیں بیٹھے ہیں۔ جب ہمارا رب آئے گا تو ہم اسے پہچان لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسی صورت میں آئیں گے جس کو وہ جانتے ہوں گے اور فرمائیں گے کہ میں تمہارا رب ہوں۔ وہ کہیں گے ہاں! آپ ہمارے رب ہیں پھر وہ اس کے ساتھ ہو جائیں گے پھر پل صراط کو جہنم کے

اوپر رکھ دیا جائے گا تو میں اور میری امت سب سے پہلے اسے عبور کریں گے۔ اور اس روز کسی کو گفتگو کی اجازت نہ ہوگی سوائے انبیاء علیہم السلام کے۔ اور ان کا کلام اس دن یہ ہوگا ''اللھم سلم سلم'' ''اے اللہ! بچائیے، بچائیے'' اور جہنم میں آنکڑے ہیں سعدان کے کانٹوں کی طرح۔ کیا تم نے جھاڑی (سعدان) کو دیکھا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا جی ہاں یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سعدان کے کانٹوں کی طرح ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کتنے بڑے ہوں گے۔ اور لوگوں کو ان کے اعمال کی وجہ سے جہنم میں اچک لیں گے پھر بعض تو ان سے ایسے ہوں گے جو اپنے اعمال کے سبب ہلاک ہو جائیں گے اور بعض ان میں وہ ہوں گے جنہیں ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا یہاں تک کہ نجات مل جائے گی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلوں سے فارغ ہو جائیں گے اور اپنی رحمت سے جسے چاہیں گے جہنم سے نکالنے کا ارادہ فرمائیں گے تو ملائکہ کو حکم دیں گے کہ جہنم سے ان لوگوں کو نکال دو جنہوں نے اس کے ساتھ ذرہ بھر بھی شرک نہ کیا ہو۔ ان لوگوں میں سے جن پر اللہ رحمت کرنا چاہتا ہے جو لا الہ الا اللہ کہنے والے ہیں ملائکہ ان کو آگ کے اندر پہچان لیں گے کیونکہ پیشانی پر سجدہ کے نشان ہوں گے آگ انسان کا پورا جسم کھا جائے گی سوائے سجدہ کے مقام کہ اللہ نے آگ پر حرام کر دیا ہے۔ سجدہ کے نشان والے مقام کو کھانے سے چنانچہ وہ لوگ جہنم سے نکالے جائیں گے تو جل بھسم ہوں گے، پھر ان پر آبِ حیات بہایا جائے گا اس کے نتیجہ میں ان کے جسم پھر ایسے اُگ آئیں گے جیسے دانہ سیلاب کے کیچڑ میں اُگ جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلوں سے فارغ ہوں گے۔ ایک شخص جس کا جہنم کی طرف منہ ہوگا وہ اہل جنت میں سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا کہے گا کہ اے میرے رب! میرا چہرہ آگ سے پھیر دیجئے۔ کیونکہ آگ کی لپٹوں نے مجھے شدید اذیت وہلاکت میں ڈال دیا ہے اور اس کی گرمی اور شعلوں نے مجھے جھلسا دیا ہے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے اس کی مشیت کے مطابق دعا کرتا رہے گا جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا تو اس کے علاوہ تو کچھ نہ مانگے گا اگر میں یہ بات پوری کر دوں؟ وہ اللہ عزوجل سے بڑے بڑے عہد معاہدے کرے گا جب تک اللہ چاہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ جہنم سے پھیر دیں گے۔ جب وہ جنت کی طرف رخ کرے گا اور اسے دیکھے گا تو خاموش رہ جائے گا جب تک اللہ کو منظور ہوگا، پھر کہے گا اے میرے رب! مجھے جنت کے دروازہ تک پہنچا دیجئے۔ اللہ فرمائیں گے کیا تو نے بڑے وعدے اور معاہدے نہیں کیے تھے کہ جو میں تجھے دے چکا ہوں اس کے علاوہ کچھ نہ مانگے گا؟ برا ہو تیرا ابن آدم! تو کتنا دغاباز ہے۔ وہ کہے گا اے میرے رب! اور دعا کرتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اگر میں تجھے یہ بھی دے دوں تو اور سوال تو نہ کرے گا؟ وہ کہے گا آپ کی عزت کی قسم! نہیں کروں گا۔ اور پھر اللہ کی مشیت کے مطابق عہد معاہدے کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اسے جنت کے دروازہ تک لے جائیں گے۔ جب وہ جنت کے دروازہ کھڑا ہوگا ساری بہشت اس کے سامنے آجائے گی اور اس میں جو نعمتیں اور عیش

وسرور دیکھے گا تو جب تک خدا کو منظور ہوگا خاموش رہے گا پھر کہے گا اے میرے رب! مجھے جنت میں داخل فرما دیجئے۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کیا تو نے مجھے بڑے عہد معاہدہ نہیں دیئے تھے کہ جو میں تجھے عطا کر چکا ہوں اس کے علاوہ سوال نہیں کرے گا؟ تیری بربادی ہو اے ابن آدم! تو کتنا دھوکہ باز ہے! وہ کہے گا اے میرے رب! میں آپ کی مخلوق میں سب سے زیادہ بدبخت نہیں ہونا چاہتا۔ اور مسلسل اللہ عزوجل سے دعا کرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ جل جلالہ ہنسنے لگ جائیں گے اس سے، اور جب اللہ تعالیٰ کو ہنسی آئے گی تو فرمائیں گے اچھا جا جنت میں داخل ہو جا۔ جب وہ جنت میں داخل ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ اب تمنائیں کرو اللہ رب العالمین سے مانگے گا اور تمنائیں کرے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے یاد دلائیں گے کہ فلاں فلاں چیز مانگ ۔ پھر جب اس کی تمام تمنائیں اور آرزوئیں پوری ہو کر ختم ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے یہ سب تیرے لئے ہے اور اسی کے مثل اور بھی اس کے ساتھ۔ عطا بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اور اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے موافق ہی تھے۔ مگر جب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسے کہیں گے یہ سب تیرے لئے اور اس کے مثل اور بھی، تو ابو سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا دس گنا اس کے مثل ملیں گے۔ اے ابو ہریرہ! ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے تو سوائے اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا یہ سب تیرے لئے اور اس کے مثل اور بھی اور یاد نہیں۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ قول یاد کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سب تیرے لئے ہے اور اس جیسی دس۔ پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ دخول جنت کے اعتبار سے سب سے آخری جنتی ہوگا۔

## تشریح

''ھل تضارون'' کیا آفتاب عالمتاب جب آسمان پر روشن ہو تمہیں اس کے دیکھنے میں کوئی دقت ہوتی ہے؟ اگر نہیں تو اللہ تعالیٰ کے دیدار میں بھی دقت نہیں ہوگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نعم سے جواب نہیں دیا بلکہ ایک مشاہداتی مثال سے ایسا جواب دیا جو عام فہم بھی تھا اور حقیقت پر مبنی بھی تھا جو چیز جتنی بلندی پر ہوتی ہے اتنی ہی آسانی سے نظر آتی ہے آج تک کسی انسان نے کسی کو دھکا نہیں دیا ہوگا کہ پرے ہٹ میں سورج کو دیکھنا چاہتا ہوں یہی مثال چاند کی بھی ہے۔

''طواغیت'' طاغوت کی جمع ہے بت مراد ہیں۔

''فیاتیھم اللہ'' یہ لفظ متشابہات میں سے ہے متشابہات دو قسم پر ہیں ایک وہ ہیں جن کے معنی بھی سمجھ سے بالاتر ہیں اور معنی مراد سمجھنا بھی دشوار ہے جیسے حروف مقطعات ہیں، دوسرے وہ ہیں کہ معانی سمجھ میں آتے ہیں معانی مراد سمجھ سے بالاتر ہوتی ہیں زیر بحث حدیث میں یہی قسم مذکور ہے، جمہور کا عقیدہ ہے کہ اس کا ترجمہ ہوگا مگر ساتھ کہا جائے گا ما یلیق بشانہ۔

''کلالیب'' یہ کلوب کی جمع ہے لوہے کے مڑے ہوئے سلاخ جس کو آنکڑے کہتے ہیں باب شفاعت میں تفصیل سے لکھا گیا ہے وہاں تفصیل سے انتظار کریں۔ ''الموبق'' یعنی اپنے عمل کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں گے۔ ''المجازی'' یعنی گذر جائیں گے بچ جائیں گے۔ ان کے اعمال کا بدلہ چکا کر ان کو نجات مل جائے گی۔ ''امتحشوا'' احترقوا، کے معنی میں ہے یعنی کوئلہ کی طرح جلے ہوئے ہونگے "الحبة" بقلة الحمقاء اس دانہ کو کہتے ہیں تفصیلات باب الشفاعۃ آرہی ہیں۔

''قشبنی ای احرقنی'' یعنی آگ کے شعلوں نے مجھے جلا کر رکھ دیا ہلاک کر کے رکھا۔ ''ذکاء ھا'' آگ کے شعلے مراد ہیں۔

''ماأغدرك'' تم کتنے غدار ہو؟ دھوکہ باز ہو؟ ''اشقی خلقك'' یعنی تمام مخلوق میں سب سے زیادہ بدبخت میں نہ بنوں، یہ بہت عمدہ انداز ہے سوال کا۔ ''انفہقت له الجنة'' یعنی جنت کے بہار اور سبزہ زار کھل کر لہلہانے لگ جائے گا تو یہ شخص پھر سوال کریگا۔

۴۵۲۔ **حَدَّثَنَا** عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ أَخْبَرَنَا أَبُوالْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَعَطَاءُ بْنُ يَزِيْدَ اللَّيْثِيُّ أَنَّ أَبَاهُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُمَا أَنَّ النَّاسَ قَالُوا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ وَسَاقَ الْحَدِيْثَ بِمِثْلِ مَعْنٰى حَدِيْثِ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ سَعْدٍ۔

اس سے پہلے روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے درمیان یہ اختلاف ہوا کہ ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوگنی کے بجائے دس گنا فرمایا تھا۔ جب کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دوگنی روایت کر رہے تھے۔ لیکن ممکن ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سہو ہوا ہو۔ جیسے کہ خود فرمایا مجھے تو دوگنا ہی یاد ہے بہرحال سابقہ سند کی طرح یہ روایت حضرت ابوہریرہ سے منقول ہے۔

۴۵۳۔ **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ هٰذَا مَاحَدَّثَنَا أَبُوهُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيْثَ مِنْهَا وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَدْنٰى مَقْعَدِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ أَنْ يَقُوْلَ لَهُ تَمَنَّ فَيَتَمَنّٰى وَيَتَمَنّٰى فَيَقُوْلُ لَهُ هَلْ تَمَنَّيْتَ؟ فَيَقُوْلُ نَعَمْ! فَيَقُوْلُ لَهُ فَإِنَّ ذٰلِكَ مَاتَمَنَّيْتَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ۔

ہمام بن منبہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ حدیثیں ہیں جو ہم سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیں۔ پھر کئی حدیثیں ذکر کیں اور کہا کہ انہیں میں سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو ادنیٰ ترین جنتی ہوگا اس سے کہا جائیگا کہ تمنا کر وہ تمنا کرے گا پھر اس سے کہا جائے گا تو تمنائیں کر چکا؟ وہ کہے گا ہاں! پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے جو تو نے آرزو کی ہے تجھے وہ بھی مل گیا اور اس کے مثل اور بھی۔

۴۵۴۔ **حَدَّثَنِي** سُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنِي حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي

سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ نَاسًا فِي زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ۔ قَالَ هَلْ تُضَارُّوْنَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ بِالظَّهِيْرَةِ صَحْوًا لَيْسَ مَعَهَا سَحَابٌ؟ وَهَلْ تُضَارُّوْنَ فِي رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ صَحْوًا لَيْسَ فِيْهَا سَحَابٌ؟ قَالُوْا لَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ مَا تُضَارُّوْنَ فِي رُؤْيَةِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا كَمَا تُضَارُّوْنَ فِي رُؤْيَةِ اَحَدِهِمَا اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ لِيَتَّبِعْ كُلُّ اُمَّةٍ مَا كَانَتْ تَعْبُدُ فَلَا يَبْقٰى اَحَدٌ كَانَ يَعْبُدُ غَيْرَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ مِنَ الْاَصْنَامِ وَالْاَنْصَابِ اِلَّا يَتَسَاقَطُوْنَ فِي النَّارِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يَبْقَ اِلَّا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ مِنْ بَرٍّ وَفَاجِرٍ وَغُبَّرِ اَهْلِ الْكِتَابِ فَيُدْعَى الْيَهُوْدُ فَيُقَالُ لَهُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ؟ قَالُوْا نَعْبُدُ عُزَيْرًا ابْنَ اللّٰهِ فَيُقَالُ كَذَبْتُمْ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ صَاحِبَةٍ وَلَا وَلَدٍ فَمَاذَا تَبْغُوْنَ؟ قَالُوْا عَطِشْنَا يَارَبِّ فَاسْقِنَا فَيُشَارُ اِلَيْهِمْ اَلَا تَرِدُوْنَ؟ فَيُحْشَرُوْنَ اِلَى النَّارِ كَاَنَّهَا سَرَابٌ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَيَتَسَاقَطُوْنَ فِي النَّارِ ثُمَّ يُدْعَى النَّصَارٰى فَيُقَالُ لَهُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ؟ قَالُوْا كُنَّا نَعْبُدُ الْمَسِيْحَ ابْنَ اللّٰهِ فَيُقَالُ لَهُمْ كَذَبْتُمْ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ صَاحِبَةٍ وَلَا وَلَدٍ فَيُقَالُ لَهُمْ مَاذَا تَبْغُوْنَ؟ فَيَقُوْلُوْنَ عَطِشْنَا يَارَبَّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُشَارُ اِلَيْهِمْ اَلَا تَرِدُوْنَ؟ فَيُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ كَاَنَّهَا سَرَابٌ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَيَتَسَاقَطُوْنَ فِي النَّارِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يَبْقَ اِلَّا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ تَعَالٰى مِنْ بَرٍّ وَفَاجِرٍ اَتَاهُمْ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى فِي اَدْنٰى صُوْرَةٍ مِنَ الَّتِيْ رَاَوْهُ فِيْهَا قَالَ فَمَاذَا تَنْتَظِرُوْنَ؟ تَتْبَعُ كُلُّ اُمَّةٍ مَا كَانَتْ تَعْبُدُ قَالُوْا يَارَبَّنَا! فَارَقْنَا النَّاسَ فِي الدُّنْيَا اَفْقَرَ مَا كُنَّا اِلَيْهِمْ وَلَمْ نُصَاحِبْهُمْ فَيَقُوْلُ اَنَا رَبُّكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ لَا نُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا حَتّٰى اِنَّ بَعْضَهُمْ لَيَكَادُ اَنْ يَنْقَلِبَ فَيَقُوْلُ هَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ آيَةٌ فَتَعْرِفُوْنَهٗ بِهَا؟ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ فَلَا يَبْقٰى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ لِلّٰهِ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهٖ اِلَّا اَذِنَ اللّٰهُ لَهٗ بِالسُّجُوْدِ وَلَا يَبْقٰى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ اتِّقَاءً وَرِيَاءً اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ ظَهْرَهٗ طَبَقَةً وَاحِدَةً كُلَّمَا اَرَادَ اَنْ يَسْجُدَ خَرَّ عَلٰى قَفَاهُ ثُمَّ يَرْفَعُوْنَ رُءُوْسَهُمْ وَقَدْ تَحَوَّلَ فِي صُوْرَتِهِ الَّتِيْ رَاَوْهُ فِيْهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ اَنْتَ رَبُّنَا ثُمَّ يُضْرَبُ الْجِسْرُ عَلٰى جَهَنَّمَ وَتَحِلُّ الشَّفَاعَةُ وَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا الْجِسْرُ؟ قَالَ دَحْضٌ مَزِلَّةٌ فِيْهَا خَطَاطِيْفُ وَكَلَالِيْبُ وَحَسَكٌ تَكُوْنُ بِنَجْدٍ فِيْهَا شُوَيْكَةٌ يُقَالُ لَهَا السَّعْدَانُ فَيَمُرُّ الْمُؤْمِنُوْنَ كَطَرْفِ الْعَيْنِ وَكَالْبَرْقِ وَكَالرِّيْحِ وَكَالطَّيْرِ وَكَاَجَاوِيْدِ الْخَيْلِ وَالرِّكَابِ فَنَاجٍ مُسَلَّمٌ وَمَخْدُوْشٌ مُرْسَلٌ وَمَكْدُوْسٌ فِي نَارِ جَهَنَّمَ حَتّٰى اِذَا خَلَصَ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ النَّارِ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ! مَا مِنْ اَحَدٍ مِنْكُمْ بِاَشَدَّ مُنَاشَدَةً لِلّٰهِ فِي اسْتِيْفَاءِ الْحَقِّ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لِلّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا كَانُوْا

يَصُومُونَ مَعَنَا وَيُصَلُّونَ وَيَحُجُّونَ فَيُقَالُ لَهُمْ أَخْرِجُوا مَنْ عَرَفْتُمْ فَتُحَرَّمُ صُوَرُهُمْ عَلَى النَّارِ فَيُخْرِجُونَ خَلْقًا كَثِيرًا قَدْ أَخَذَتِ النَّارُ إِلَى نِصْفِ سَاقَيْهِ وَإِلَى رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ يَقُولُونَ رَبَّنَا مَا بَقِيَ فِيهَا أَحَدٌ مِمَّنْ أَمَرْتَنَا بِهِ فَيَقُولُ ارْجِعُوا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ دِينَارٍ مِنْ خَيْرٍ فَأَخْرِجُوهُ فَيُخْرِجُونَ خَلْقًا كَثِيرًا ثُمَّ يَقُولُونَ رَبَّنَا! لَمْ نَذَرْ فِيهَا أَحَدًا مِمَّنْ أَمَرْتَنَا بِهِ ثُمَّ يَقُولُ ارْجِعُوا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ نِصْفِ دِينَارٍ مِنْ خَيْرٍ فَأَخْرِجُوهُ۔ فَيُخْرِجُونَ خَلْقًا كَثِيرًا ثُمَّ يَقُولُونَ رَبَّنَا! لَمْ نَذَرْ فِيهَا مِمَّنْ أَمَرْتَنَا أَحَدًا ثُمَّ يَقُولُ ارْجِعُوا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ فَأَخْرِجُوهُ فَيُخْرِجُونَ خَلْقًا كَثِيرًا ثُمَّ يَقُولُونَ رَبَّنَا لَمْ نَذَرْ فِيهَا خَيْرًا۔ وَكَانَ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ يَقُولُ إِنْ لَمْ تُصَدِّقُونِي بِهَذَا الْحَدِيثِ فَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ (النساء: ۴۰) فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ شَفَعَتِ الْمَلَائِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّونَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُونَ وَلَمْ يَبْقَ إِلَّا أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ فَيَقْبِضُ قَبْضَةً مِنَ النَّارِ فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُوا خَيْرًا قَطُّ قَدْ عَادُوا حُمَمًا فَيُلْقِيهِمْ فِي نَهَرٍ فِي أَفْوَاهِ الْجَنَّةِ يُقَالُ لَهُ نَهَرُ الْحَيَاةِ فَيَخْرُجُونَ كَمَا تَخْرُجُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ أَلَا تَرَوْنَهَا تَكُونُ إِلَى الْحَجَرِ أَوْ إِلَى الشَّجَرِ مَا يَكُونُ إِلَى الشَّمْسِ أُصَيْفِرُ وَأُخَيْضِرُ وَمَا يَكُونُ مِنْهَا إِلَى الظِّلِّ يَكُونُ أَبْيَضَ۔ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ! كَأَنَّكَ كُنْتَ تَرْعَى بِالْبَادِيَةِ قَالَ فَيَخْرُجُونَ كَاللُّؤْلُؤِ فِي رِقَابِهِمُ الْخَوَاتِمُ يَعْرِفُهُمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ هَؤُلَاءِ عُتَقَاءُ اللَّهِ الَّذِينَ أَدْخَلَهُمُ اللَّهُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوهُ وَلَا خَيْرٍ قَدَّمُوهُ ثُمَّ يَقُولُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ فَمَا رَأَيْتُمُوهُ فَهُوَ لَكُمْ فَيَقُولُونَ رَبَّنَا أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ فَيَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي أَفْضَلُ مِنْ هَذَا فَيَقُولُونَ يَا رَبَّنَا! أَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ هَذَا؟ فَيَقُولُ رِضَايَ فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہم روزِ قیامت اپنے رب کو دیکھیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اور فرمایا: کیا تم کو دوپہر میں جب کہ آسمان کھلا ہوا ہو اور بادل نہ ہوں سورج کے دیکھنے میں کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ اور کیا چودھویں رات کے چاند کو جب کہ آسمان ابر آلود نہ ہو دیکھنے میں کچھ تکلیف ہوتی ہے؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! نہیں۔ فرمایا: تمہیں قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ کو دیکھنے میں تکلیف نہیں ہوگی مگر اتنی ہی جتنی چاند سورج میں سے کسی ایک کو دیکھنے میں ہوتی ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسری تمام چیزوں کے پجاری خواہ بتوں کے پجاری ہوں یا شیطان کے، سب کے سب جہنم کی آگ میں جاگریں گے۔ یہاں تک کہ صرف اللہ کے عبادت گزار ہی باقی رہ جائیں گے خواہ نیک ہوں یا بد۔ اور چند بقیہ اہل کتاب رہ جائیں گے۔ پھر یہودیوں کو بلایا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا تم کس کی بندگی کرتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ ہم تو عزیر ابن اللہ کی پرستش

کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ تم نے جھوٹ بولا۔ اللہ تعالیٰ نے نہ تو بیوی کو اختیار کیا نہ ہی بیٹے کو پھر اب تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم پیاسے ہیں ہمیں سیراب کر دیجئے۔ ان کی طرف اشارہ کیا جائے گا کہ جاؤ پیتے کیوں نہیں؟ پھر ان سب کو جہنم کی آگ کی طرف جھونک دیا جائے گا اور وہ انہیں ایک سراب کی مانند لگے گی جس میں ایک کو دوسرا کھا رہا ہے پس وہ جہنم میں جا گریں گے۔ پھر اس کے بعد عیسائیوں کو بلایا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا تم کس کی بندگی کیا کرتے تھے؟ وہ کہیں ہم حضرت مسیح ابن اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ ان سے کہا جائے گا تم نے جھوٹ بولا اللہ تعالیٰ نے نہ تو بیوی کو اختیار فرمایا نہ ہی اولاد کو۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ اچھا تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہم پیاسے ہیں ہمیں پانی پلا دیجئے۔ انہیں اشارہ کیا جائے گا کہ وہاں جا کر پیتے کیوں نہیں؟ پھر ان سب کو جہنم کی طرف جمع کیا جائے گا وہ انہیں سراب کی مانند لگے گی کہ اس میں ایک دوسرے کو کھا رہا ہے۔ پھر وہ سب جہنم میں جا گریں گے۔ اور سوائے اللہ کی بندگی کرنے والوں کے کوئی باقی نہیں رہے گا۔ نیک ہوں یا بد۔ پھر اللہ رب العالمین ان کے پاس آئیں گے ایسی صورت میں جوان کے لئے اس صورت کے مشابہ نہ ہوگی جسے وہ دیکھ چکے تھے۔ اللہ فرمائیں گے تم کس بات کے انتظار میں ہو؟ ہر گروہ اپنے اپنے معبود کے پیچھے جا چکا ہے۔ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے ان لوگوں سے دنیا میں علیحدگی رکھی جب کہ ہم ان کے بہت زیادہ محتاج تھے، اور نہ ہی ان کی صحبت ومجالست اختیار کی، وہ کہے گا میں تمہارا رب ہوں، تو وہ کہیں گے نعوذ باللہ ہم تجھ سے پناہ مانگتے ہیں اللہ کی، ہم اللہ کے ساتھ ذرا بھی شرک نہیں کرتے، دو یا تین بار اس طرح کہیں گے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض پھر جانے کے قریب ہو جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان کوئی ایسی نشانی ہے جس کے ذریعہ تم اسے پہچان لو، وہ کہیں گے ہاں، پھر اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھول دیں گے، چنانچہ دنیا میں جو شخص اپنے دل کی چاہت کے ساتھ اللہ کو سجدہ کرتا تھا ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا وہاں پر سجدہ کرنے سے۔ اور دنیا میں جو کسی خوف سے یا ریاکاری کی نیت سے سجدہ کیا کرتا تھا ایسے لوگوں میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا مگر اللہ تعالیٰ اس کی کمر کو ایک سیدھا تختہ بنا دیں گے۔ جب بھی وہ سجدہ کا ارادہ کرے گا تو وہ چاروں شانے چت گر پڑے گا۔ پھر سب لوگ اپنے سر اوپر اٹھائیں گے تو اس وقت تک اللہ تعالیٰ اپنی پہلی صورت میں آ چکے ہوں گے اور کہیں گے میں تمہارا رب ہوں۔ وہ کہیں گے کہ جی! آپ ہمارے رب ہیں۔ اس کے بعد ایک پل جہنم کے اوپر رکھا جائے گا اور شفاعت شروع ہوگی۔ اور وہ کہیں گے اے اللہ! بچائیے، بچائیے۔ حضور علیہ السلام سے کہا گیا یا رسول اللہ! یہ پل کیسا ہوگا؟ فرمایا وہ پھسلنے کا مقام ہوگا لغزش کا مقام ہوگا اس میں آنکڑے اور کانٹے ہوں گے جیسے نجد کی ایک جھاڑی میں کانٹے ہوتے ہیں اور اسے ''سعدان'' کہا جاتا ہے اس پر سے مؤمنین تو پلک جھپکنے میں اور بجلی کی سی تیزی سے اور ہوا کی تیزی کے مانند اور پرندہ کی پرواز کے مثل اور گھوڑوں کی تیز رفتاری کی طرح اور اونٹ کی سواری کی رفتار کی طرح گزر جائیں گے۔ اور بعض تو بالکل صحیح سالم نجات پا جائیں گے جہنم سے اور بعض کچھ تکلیف وزحمت کے بعد پار کر جائیں گے اور بعض زخمی ہو کر جہنم کی آگ میں جا گریں گے یہاں تک کہ جب مؤمنین جہنم سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے

تو اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی اللہ سے اتنا پرزور اصرار نہیں کرے گا اپنے حق کے لئے بھی جتنا وہ مؤمنین اپنے ان بھائیوں کے لئے جو جہنم میں ہوں گے اللہ سے جھگڑا کریں گے۔ کہیں گے اے ہمارے رب! وہ ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے، نمازیں پڑھتے تھے، حج کیا کرتے تھے، ان سے کہا جائے گا کہ اچھا! جس کو تم جانتے ہو اسے جہنم سے نکال لو، پھر ان کی صورتیں جہنم پر حرام کردی جائیں گی۔ چنانچہ وہ بہت سی خلقت کو نکال لیں گے جہنم سے کہ ان میں سے بعض کو تو آگ نے نصف پنڈلی تک کھالیا ہوگا اور بعض کو گھٹنوں تک۔ پھر وہ کہیں گے اے ہمارے رب! جن کے نکالنے کا آپ نے ہمیں حکم دیا تھا ان میں سے کوئی باقی نہیں رہا۔ پھر اللہ عزّ وجل فرمائیں گے جاؤ واپس اور جس کے قلب میں بھی تم ایک دینار کے برابر ایمان پاؤ اسے نکال لو۔ چنانچہ وہ پھر بہت سی مخلوق کو نکالیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب! جن کے نکالنے کا آپ نے ہمیں حکم دیا تھا ہم نے ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے لوٹ جاؤ اور جس کے قلب میں نصف دینار کے برابر بھی خیر پاؤ اسے نکال لو۔ چنانچہ وہ پھر بہت سی خلقت کو نکالیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب! جن کے نکالنے کا آپ نے ہمیں حکم فرمایا ہم نے ان میں سے کسی ایک کو نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے لوٹ جاؤ اور جس کے قلب میں بھی تم ذرہ بھر بھی ایمان پاؤ اسے نکال لو۔ پھر بہت سے لوگوں کو نکالیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے اب تو اس جہنم میں ایمان والا چھوڑا ہی نہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اس موقع پر فرماتے ہیں کہ اگر تم میری اس بات کو سچ نہ سمجھو تو اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو ﴿ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ...... سے ...... عظیما﴾ اللہ تعالیٰ ظلم نہیں فرمائیں گے ذرہ بھر بھی اور اگر ایک ذرا سی نیکی ہوگی تو اسے دوگنا چوگنا کردے گا اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ملائکہ نے سفارش کرلی، انبیاء علیہم السلام بھی شفاعت کرچکے اور مؤمنین بھی اب سوائے ارحم الراحمین کے کوئی باقی نہیں رہا۔ چنانچہ اللہ ایک مٹھی جہنم سے نکالیں گے ان لوگوں کو جنہوں نے کبھی کوئی نیکی نہ کی تھی اور جل کر کوئلہ ہوچکے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ایک نہر میں جو جنت کے دروازہ پر ہوگی "نہر حیاۃ" اس کا نام ہوگا ڈالدیں گے وہ نہر سے ایسے نکلیں گے جیسے دانہ نکلتا ہے سیلابی کیچڑ سے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ کسی پتھر یا درخت کے پاس ہوتا ہے، جو سورج کے رخ پر ہو تو وہ زرد یا سبز اُگتا ہے اور جو سائے میں ہو تو سفید لگتا ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ایسا لگتا ہے کہ آپ جنگل وصحرا میں جانور چراتے رہے ہیں پھر وہ اس نہر سے موتیوں کی طرح روشن اور شاداب نکلیں گے ان کے گردنوں میں مہر ہوگی اہل جنت ان کو پہچانیں گے اور کہیں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کیے ہوئے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے کسی عمل کے بغیر جنت میں اور کوئی نیکی کیے بغیر جنت میں داخل کیا ہے پھر ان سے کہا جائے گا کہ جاؤ جنت میں داخل ہوجاؤ۔ جنت میں جو کچھ تم دیکھو وہ تمہارا ہے۔ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! آپ نے تو ہمیں اتنی نعمت عطا کردی ہے کہ اتنی تو سارا جہان میں کسی کو عطا نہیں کی اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میرے پاس تمہارے لئے اس سے بھی زیادہ افضل نعمت ہے۔ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ان نعمتوں سے بڑھ کر کونسی نعمت ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میری رضاء وخوشنودی پس آج کے بعد کبھی میں تم پر ناراض نہیں ہوں گا۔

کتاب الایمان

## تشریح

''وغبر اهل الكتاب'' ای مابقی من اهل الكتاب ،یعنی اہل کتاب کے بچے کچھے لوگ رہ جائیں گے ''الا تردون'' یعنی اس پانی پر جاتے کیوں نہیں یہ لوگ پانی نما سراب کے پیچھے چلے جائیں گے تو آگے دوزخ میں گر جائیں گے اس سے یہود اہل کتاب مراد ہیں نصاریٰ بعد میں آئیں گے۔ ''کذبتم'' یعنی تم جھوٹ بولتے ہو تم نے شیطان کو پوجا ہے یہ سارا چکر شیطان کا ہے اوپر سے عزیر و عیسیٰ علیہما السلام کی تصویر دکھادی اور اندر سے شیطان کام کر رہا تھا آج پول کھل گیا۔

''مخدوش مرسل'' زخمی ہوجائے گا مگر چھوٹ جائے گا ''ومکدوس'' یعنی ٹکڑے ہوکر دوزخ میں گرادیا جائے گا۔

''فی رقابهم الخواتم'' گلوں میں ایک خاص قسم کے پٹے ہونگے گویا مہر لگی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ لوگ ہیں باب شفاعت میں تفصیلات ہیں امام مسلم نے مختلف ابواب میں محشر کی احادیث کو نقل کیا ہے جو ایک قسم تکرار ہے۔

میں نے باب شفاعت کی تحریر قلندر آباد میں پہلے لکھدی تھی اب کراچی میں واقعہ اسریٰ کے ابواب لکھ رہا ہوں پڑھنے والے کو سوچنا چاہئے۔

''اصیفر و احیضر'' تعجب کے لئے تصغیر لائی گئی ہے اصفر و اخضر مراد ہے نرم و نازک کی طرف اشارہ ہے۔ ''دحض مزلة'' یعنی پل صراط تو لغزش اور پھسلنے کی جگہ ہے۔

۴۵۵۔ قَالَ مُسْلِمٌ قَرَأْتُ عَلٰى عِيْسَى بْنِ حَمَّادٍ زُغْبَةَ الْمِصْرِيِّ هٰذَا الْحَدِيْثَ فِي الشَّفَاعَةِ وَقُلْتُ لَهٗ أُحَدِّثُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ عَنْكَ أَنَّكَ سَمِعْتَ مِنَ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ؟ فَقَالَ نَعَمْ قُلْتُ لِعِيْسَى بْنِ حَمَّادٍ أَخْبَرَكُمُ اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِيْ هِلَالٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ أَنَّهٗ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَنَرٰى رَبَّنَا؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تُضَارُّوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ الشَّمْسِ إِذَا كَانَ يَوْمٌ صَحْوٌ؟ قُلْنَا لَا وَسُقْتُ الْحَدِيْثَ حَتّٰى انْقَضٰى آخِرُهٗ وَهُوَ نَحْوُ حَدِيْثِ حَفْصِ بْنِ مَيْسَرَةَ وَزَادَ بَعْدَ قَوْلِهٖ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوْهُ وَلَا قَدَمٍ قَدَّمُوْهُ فَيُقَالُ لَهُمْ لَكُمْ مَا رَأَيْتُمْ وَمِثْلُهٗ مَعَهٗ ـ قَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيُّ بَلَغَنِيْ أَنَّ الْجِسْرَ أَدَقُّ مِنَ الشَّعْرَةِ وَأَحَدُّ مِنَ السَّيْفِ ـ وَلَيْسَ فِيْ حَدِيْثِ اللَّيْثِ فَيَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِيْنَ وَمَا بَعْدَهٗ فَأَقَرَّ بِهٖ عِيْسَى بْنُ حَمَّادٍ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ سے روایت انہوں نے فرمایا کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم اپنے رب کے دیدار سے بہرور ہوسکیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں ایسے دن جب کہ مطلع صاف ہو سورج دیکھنے میں دشواری ہوتی ہے؟ ہم نے عرض کیا نہیں۔ آگے اخیر تک سابقہ حدیث کے مثل ہی بیان کیا اس اضافہ کے

ساتھ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بغیر کسی عمل کے جنت دی اور بغیر کسی ایسے عمل کے جو انہوں نے آگے بھیجا ہو۔ان سے کہا جائے گا جو کچھ بھی تمہیں جنت میں نظر آرہا ہے تمہارا ہے اور اسی جیسا اور بھی۔ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ پل صراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔لیث کی روایت میں "ان عتقاء اللہ" (اللہ کے آزاد کردہ لوگوں) کا یہ قول نہیں ہے کہ اے ہمارے رب! آپ نے ہمیں وہ کچھ عطا کیا جو سارے جہانوں میں کسی کو عطا نہیں کیا۔

۴۵۶۔ **وَحَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَعْفَرُبْنُ عَوْنٍ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ بِاِسْنَادِهِمَا نَحْوَ حَدِيْثِ حَفْصِ بْنِ مَيْسَرَةَ اِلٰى آخِرِهِ وَقَدْ زَادَ وَنَقَصَ شَيْئًا ۔

عمرو بن یحییٰ سے اسی سند کے ساتھ روایت منقول ہے اور اس میں ہے کہ انہیں ایسی نہر میں ڈالا جائیگا جس کا نام حیاۃ ہوگا۔اور اس میں راوی نے شک نہیں کیا اور خالد کی روایت ہے جیسا کہ کوڑا کچرا بہاؤ کے ایک جانب آگ آتا ہے اور وہیب کی روایت میں ہے جیسے دانہ کالی مٹی جو بہاؤ میں ہوتی ہے اگ آتا ہے یا اس مٹی میں جسے پانی بہا کر لاتا ہے۔

## باب اثبات الشفاعة واخراج الموحدين من النار

## شفاعت کا ثبوت اور دوزخ سے موحدین کے نکالنے کا بیان

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے۔

۴۵۷۔ **وَحَدَّثَنِيْ** هَارُوْنُ بْنُ سَعِيْدٍ الْاَيْلِيُّ حَدَّثَنَا اِبْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى بْنِ عُمَارَةَ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُدْخِلُ اللّٰهُ اَهْلَ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ يُدْخِلُ مَنْ يَّشَاءُ بِرَحْمَتِهٖ وَيُدْخِلُ اَهْلَ النَّارِ النَّارَ ۔ ثُمَّ يَقُوْلُ انْظُرُوْا مَنْ وَّجَدْتُّمْ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَاَخْرِجُوْهُ فَيُخْرَجُوْنَ مِنْهَا حُمَمًا قَدِامْتَحَشُوْا فَيُلْقَوْنَ فِيْ نَهْرِ الْحَيَاةِ اَوِ الْحَيَا فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ اِلٰى جَانِبِ السَّيْلِ اَلَمْ تَرَوْهَا كَيْفَ تَخْرُجُ صَفْرَاءُ مُلْتَوِيَةً ؟

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب اپنی مشیت سے جنت میں اہل جنت کو داخل کر دیں گے اور جہنمیوں کو جہنم میں داخل کر دیں گے تو فرمائیں گے دیکھو اور جس کے دل میں تم رائی کے برابر بھی ایمان پاؤ اسے نکال دو۔چنانچہ جہنم میں سے وہ لوگ نکلیں گے کہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے۔پھر وہ نہر حیاۃ یا نہر حیاء میں ڈال دیئے جائیں گے اس میں سے نکلنے کے بعد ایسے اگیں گے جیسے دانہ اگتا ہے سیلاب کے اطراف میں۔کیا تم نہیں دیکھتے کہ کیسا زرد لپٹا ہوا نکلتا ہے۔

## تشریح

"مثقال حبة من خردل من ایمان" مثقال مقدار کے معنی میں ہے اور حبۃ خردل رائی کے دانے کو کہتے ہیں رائی سرسوں کے تخم کو کہتے ہیں زیت خردل سرسوں کے تیل کو کہتے ہیں۔ "حمما" یہ حمۃ کی جمع ہے کوئلہ کو کہتے ہیں" قد امتحشوا" امتحاش جلنے کے معنی میں ہے "ای احترقوا" یعنی جلے ہوئے کوئلے کی طرح ہونگے۔

"فی نهر الحیاة او الحیا" یہاں شک کے طور پر روایت ہے اور یہ شک مالک کی روایت میں ہے امام بخاری نے اس کو شک کے بغیر ذکر کیا ہے اور لفظ حیاۃ اختیار کیا ہے حیات زندگی کے معنی میں ہے اور حیا بارش کو کہتے ہیں، مقامات حریری میں شعر ہے

اریٰ قربہ قربی و مغناہ غنیۃ    ورؤیتہ ریا و محیاہ لی حیا

یہاں اس شعر میں حیا بارش کو کہا گیا ہے نہر حیاۃ ہو یا نہر حیا ہو ایک ہی چیز ہے دراصل قیامت میں عرش کے نیچے سے ایک بارش برس جائے گی اس سے مردے زندہ ہونگے یہ نہر اور حوض اسی پانی کا ہوگا جس میں جلے ہوئے دوزخی ڈال دیئے جائیں گے تو سب کے سب چمک کر نکل آئیں گے اس چمک اور تازگی کی تشبیہ اس پودے سے دی گئی ہے جو سیلاب کے بعد ایک دانہ سے اگ کر پیدا ہوتا ہے اس دانہ کو "الحبة" کہا گیا ہے اس کو بقلة الحمقاء بھی کہتے ہیں یعنی بیوقوف دانہ کیونکہ یہ پتھر لکڑی ہر چیز پر اگ آتا ہے اور نہایت نرم و نازک اور خوبصورت تر و تازہ ہوتا ہے۔

"صفراء ملتویة" صفرا پیلے رنگ کو کہتے ہیں اگر چہ یہ پودا تازہ تازہ پیلا بھی ہوتا ہے۔ مگر ملا علی قاری نے اس کا ترجمہ "خضراء" یعنی سبز سے کیا ہے چونکہ یہ پودا نہایت نرم اور کمزور ہوتا ہے اس لئے اکثر مڑا ہوا ہوتا ہے اس لئے ملتویة کا لفظ ساتھ لگایا گیا ہے اس کے ساتھ حمیلة السیل، حمیل السیل او رجانب السیل، اور حمئة کا لفظ بھی لگایا گیا ہے سب اسی دانہ کی تفصیلات ہیں، اگلی روایت میں "الغثاءة" کا لفظ ہے جو سیلاب کی خس و خاشاک کو کہتے ہیں روایات میں وہ اس طرح بھی ہے "تنبت الحبة فی غثاء السیل" حمئة کیچڑ کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ شفاعت کے ذریعہ سے دوزخ سے رہا شدہ لوگ اس طرح تر و تازہ اٹھیں گے جس طرح یہ پودا ہوتا ہے البتہ اس میں ان لوگوں کی کمزوری کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ ابتداء میں یہ پودا کمزور ہوتا ہے۔

بہر حال یہ لوگ اس نہر سے نکل کر جنت میں داخل ہونگے اس حدیث سے واضح طور پر شفاعت ثابت ہوگئی معتزلہ ویسے خرافات بکتے ہیں کہ شفاعت نہیں ہے مرجئہ پر بھی رد ہے شفاعت کی کچھ تفصیل ملاحظہ ہو۔

## شفاعت کی تعریف

شفاعت سفارش کو کہتے ہیں یہ ایک رتبہ ہے جو قیامت میں اللہ تعالیٰ انبیاء کرام صحابہ کرام شہداء عظام علماء کرام حفاظ قرآن اور اولیاء کرام کو عطا فرمائے گا پھر فرشتوں کو شفاعت کا اعزاز ملے گا آخر میں اللہ تعالیٰ اپنی سخاوت و رحمت کا ظہور فرمائیں گے

اور گناہ گار مسلمان دوزخ سے چھوٹ جائیں گے۔ احادیث میں شفاعت کی اصطلاح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استعمال کی گئی ہے چنانچہ آپ کے ناموں میں سے ایک نام ''شفیع المذنبین'' ہے تو شفاعت کی اہل بحث آنحضرت سے متعلق ہے۔

## شفاعت کی قسمیں

شفاعت کی دو بڑی قسمیں ہیں ایک شفاعت کبریٰ ہے دوسری شفاعت صغریٰ ہے شفاعت کبریٰ کا تعلق عام انسانوں سے ہے وہ اس طرح ہے کہ قیامت کے میدان میں جب لوگ حساب وکتاب کے انتظار میں ہونگے تو سخت تکلیف میں مبتلا ہونگے لوگ آپس میں مشورہ کریں گے کہ اس تکلیف سے کیسے نکلیں گے چنانچہ یہ طے پائے گا کہ انبیاء کرام سے درخواست کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ حساب وکتاب شروع فرمادے چنانچہ میدان محشر کے پھنے ہوئے لوگوں کا ایک جرگہ حضرت آدم علیہ السلام پھر نوح علیہ السلام پھر ابراہیم علیہ السلام پھر موسیٰ علیہ السلام پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چلا جائے گا یہ انبیاء شفاعت کرنے سے عذر فرمائیں گے پھر یہ جرگہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آجائیگا آنحضرت فرمادیں گے کہ ہاں اس شفاعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب کیا ہے آنحضرت ''مقام محمود'' میں جاکر اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوجائیں گے اور عجیب محامد سے اللہ تعالیٰ کی تعریف فرمائیں گے پھر اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ اے محمد! سر اٹھالو مانگ کیا مانگتے ہو ''سل تعطہ واشفع تشفع'' یعنی تجھے دیا جائیگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے کہ اے اللہ! میدان محشر میں لوگ پریشان ہیں آپ حساب کتاب شروع فرمائیں اللہ تعالیٰ فرمائیگا تم جاؤ میں آتا ہوں اس طرح شفاعت کبریٰ کا مرحلہ مکمل ہوجائیگا اور حساب کتاب کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق آجائیں گے قرآن میں ہے ﴿ویحمل عرش ربك فوقهم يومئذ ثمانية﴾ اس کے بعد آنحضرت اپنی امت کے لئے شفاعت کریں گے یہ شفاعت صغریٰ کا مرحلہ ہے جو شفاعت کبریٰ کے ساتھ ضمنی طور پر شروع ہوجائیگا احادیث میں دونوں کا ذکر ایک ساتھ ہے مگر اس میں خلط ملط نہیں کرنا چاہئے یہ دو الگ الگ شفاعتیں ہیں ایک کا تعلق عام انسانوں سے ہے اور دوسری کا تعلق خاص امت محمدیہ کے ساتھ ہے شفاعت صغریٰ جب شروع ہوجائے گی تو پھر تمام امتوں میں مذنبین کے لئے شفاعت کا عمل شروع ہوجائے گا۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ شفاعت کی ساری قسمیں پانچ ہیں۔

۱۔ میدان محشر کے ہولناک مصائب سے نکالنے کے لئے شفاعت کبریٰ ہے۔

۲۔ دوسری قسم یہ ہے کہ حساب کتاب کے بغیر ایک طبقہ کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔

۳۔ تیسری قسم یہ ہے کہ ایک طبقہ حساب کتاب میں عذاب کا مستحق بن جائے گا لیکن شفاعت کے ذریعہ سے وہ عذاب سے بچ جائے گا۔

۴۔ چوتھی قسم یہ ہے کہ گناہ گار مسلمانوں کو دوزخ سے بذریعہ شفاعت نکال لیا جائے گا۔

۵۔ پانچویں قسم ان جنتیوں کی شفاعت کا ہے جن کو ادنیٰ درجات سے اعلیٰ درجات کی طرف ترقی ہو جائے گی۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ابو طالب کے عذاب کی تخفیف بھی شفاعت کی ایک قسم ہے۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ شفاعت کی ایک قسم ان لوگوں کی شفاعت ہے جن کے گناہ اور ثواب برابر ہوں گے اور وہ اعراف میں ہوں گے اور آنحضرت ان کی شفاعت کر کے جنت میں داخل کرا دیں گے۔

## گناہ گار مسلمانوں کی شفاعت میں معتزلہ کا اختلاف

علامہ ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ معتزلہ اور خوارج نے شفاعت کا انکار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ گناہ گار مسلمان دوزخ میں چلے جانے کے بعد کسی شفاعت سے باہر نہیں نکلیں گے وہ مخلدفی النار ہیں۔

معتزلہ وخوارج نے قرآن کریم کی ایت ﴿فما تنفعهم شفاعة الشافعين﴾ (سورت اسراء:۷۹) سے استدلال کیا ہے۔

جمہور اہل سنت والجماعت کے ہاں گناہ گار مسلمانوں کے لئے شفاعت قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

زیر بحث احادیث میں ایت ﴿عسىٰ ان يبعثك ربك مقاما محمودا﴾ میں مقام محمود سے مقام شفاعت مراد ہے، زیر بحث احادیث میں شفاعت کا بھرپور انداز سے بیان ہے یہ احادیث تواتر کے درجہ تک پہنچتی ہیں لہٰذا شفاعت کا انکار گمراہی ہے اور اس کا اقرار ایمان وعقیدہ کا حصہ ہے۔

باقی معتزلہ نے جس ایت سے شفاعت کی نفی پر استدلال کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایت کفار کے بارے میں ہے کہ کافر کو کسی کی شفاعت فائدہ نہیں پہنچا سکتی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ایت میں شفاعت غالبہ کی نفی ہے کیونکہ کفار مکہ کا عقیدہ تھا کہ ہمارے بنائے ہوئے معبود زبردستی ہماری شفاعت کریں گے کیونکہ اس میں کچھ اولیاء کی مورتیں ہیں کچھ انبیاء کی مورتیں ہیں کچھ فرشتے ہیں جو بنات اللہ ہیں ان کی بات اللہ تعالیٰ رد نہیں کر سکتا ہے ﴿ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفى﴾ ﴿هؤلاء شفعاء نا عند الله﴾ اس قسم کی شفاعت غالبہ کی نفی مراد ہے۔

علامہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں یا خالص کفار کا ذکر ہے اور یا خالص مؤمنین کا ذکر ہے تیسرا فریق جو فساق فجار مسلمانوں کا ہے اس کا ذکر عموماً احادیث میں ہے تو اس ایت کا تعلق عصاۃ المؤمنین سے نہیں ہے بلکہ کفار سے ہے، لہٰذا معتزلہ وخوارج کا استدلال باطل ہے۔ (فتح الملہم)

۴۵۸۔ **وَحَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ ح وَحَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ أَخْبَرَنَا خَالِدٌ كِلَاهُمَا عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَا فَيُلْقَوْنَ فِي نَهَرٍ يُقَالُ لَهُ الْحَيَاةُ وَلَمْ يَشُكَّا وَفِي حَدِيثِ خَالِدٍ كَمَا تَنْبُتُ الْغُثَاءَةُ فِي جَانِبِ السَّيْلِ وَفِي حَدِيثِ وُهَيْبٍ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي حَمِئَةٍ أَوْ حَمِيلَةِ السَّيْلِ۔

عمرو بن یحییٰ سے اسی سند کے ساتھ منقول ہے اور اس میں ہے کہ انہیں ایسی نہر میں ڈالا جائے گا جس کا نام حیاۃ ہوگا اور اس میں راوی نے شک نہیں کیا اور خالد کی روایت ہے جیسا کہ کوڑا کچرا بہاؤ کے ایک جانب آگ آتا ہے اور وہیب کی روایت میں ہے جیسے دانہ کالی مٹی میں جو بہاؤ میں ہوتی ہے آگ آتا ہے یا اس سے مٹی میں جیسے پانی بہا کر لاتا ہے۔

۴۵۹۔ وَحَدَّثَنِي نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا بِشْرٌ يَعْنِي ابْنَ الْمُفَضَّلِ عَنْ أَبِي مَسْلَمَةَ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا أَهْلُ النَّارِ الَّذِينَ هُمْ أَهْلُهَا فَإِنَّهُمْ لَا يَمُوتُونَ فِيهَا وَلَا يَحْيَوْنَ وَلَكِنْ نَاسٌ مِنْكُمْ أَصَابَتْهُمُ النَّارُ بِذُنُوبِهِمْ أَوْ قَالَ بِخَطَايَاهُمْ فَأَمَاتَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى إِمَاتَةً حَتَّى إِذَا كَانُوا فَحْمًا أُذِنَ بِالشَّفَاعَةِ فَجِيءَ بِهِمْ ضَبَائِرَ ضَبَائِرَ فَبُثُّوا عَلَى أَنْهَارِ الْجَنَّةِ ثُمَّ قِيلَ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! أَفِيضُوا عَلَيْهِمْ فَيَنْبُتُونَ نَبَاتَ الْحِبَّةِ تَكُونُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ كَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كَانَ بِالْبَادِيَةِ۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہاں تک اہل جہنم کا تعلق ہے جو اہل ہیں (کفار و مشرکین) وہ تو نہ اس میں مریں گے اور نہ جئیں گے (کہ زندگی موت سے بدتر ہوگی) لیکن کچھ لوگ تم میں سے (مسلمانوں میں سے) ایسے ہوں گے اپنے گناہوں کے سبب جہنم میں داخل ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو ایک طرح کی موت دے دیں گے یہاں تک کہ وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے اور جنت کی نہروں پر انہیں پھیلا دیا جائے گا پھر شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور یہ لوگ گروہ در گروہ لائے جائیں گے اور جنت کی نہروں پر انہیں پھیلا دیا جائے گا۔ پھر کہا جائے گا اے اہل جنت! ان پر پانی بہاؤ۔ (اس کے نتیجے میں) وہ اس طرح دوبارہ اگیں گے جیسے دانہ کیچڑ میں تیزی سے اگتا ہے۔ لوگوں میں سے ایک آدمی نے کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ آنحضرت صحرا نشینی کرتے رہے ہیں۔

## تشریح

''فاماتهم الله اماتة ''یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ایک قسم موت دیدیگا مطلب یہ ہے کہ کفار تو دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے نہ ان کو موت آئے گی اور نہ حیاۃ کی طرح حیاۃ ہوگی ﴿لا یموتون فیها ولا یحیی﴾ لیکن جو گناہ گار مسلمان ہونگے ان کو عذاب دینے کے بعد اللہ تعالیٰ موت دیدیگا وہ ایک زمانے تک دوزخ کی آگ میں مرے پڑے ہونگے اور کمزور حالت میں ہونگے دوزخ سے نکل کر نہر حیات میں نہا کر خوبصورت انداز سے جنت میں جائیں گے۔ ''ضبائر ضبائر'' یہ ضبارۃ کی جمع ہے منتشر جماعتوں کو کہتے ہیں ایک روایت میں ضبارات بھی ہے معنی ایک ہی ہے یعنی جماعات ''فبثوا'' نصر سے پھیلانے کے معنی میں ہے۔

''قد كان بالبادية ''یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیلاب کے بعد دشت و بیابان کی جو کیفیت بیان فرمائی اور خس و خاشاک میں پودے اُگنے کی جو کیفیت بیان کی تو ایسا لگ رہا تھا کہ آنحضرت بادیہ نشین ہیں کہ وہاں کے سارے احوال آپ کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔

۴۶۰۔ وَحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي مَسْلَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ

اَبَانَضْرَۃَ عَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِہٖ اِلٰی قَوْلِہٖ فِیْ حَمِیْلِ السَّیْلِ وَلَمْ یَذْکُرْ مَابَعْدَہٗ۔

ابوسعید خدریؓ رسول اکرمؐ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں اور اس میں یہیں تک ہے جیسے دانہ اس مٹی میں اگتا ہے جسے پانی بہا کر لاتا اور اس کے بعد کا تذکرہ نہیں۔

## باب آخر اھل النار خروجا

## دوزخ میں سے سب سے آخر میں نکلنے والے لوگ

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تین احادیث کو بیان کیا ہے۔

۴۶۱۔ **حَدَّثَنَا** عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ الْحَنْظَلِیُّ کِلَاھُمَا عَنْ جَرِیْرٍ قَالَ عُثْمَانُ حَدَّثَنَا جَرِیْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ عَنْ عُبَیْدَۃَ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ آخِرَ اَھْلِ النَّارِ خُرُوْجًا مِنْھَا وَآخِرَ اَھْلِ الْجَنَّۃِ دُخُوْلًا الْجَنَّۃَ رَجُلٌ یَخْرُجُ مِنَ النَّارِ حَبْوًا فَیَقُوْلُ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی لَہٗ اِذْھَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّۃَ فَیَاْتِیْھَا فَیُخَیَّلُ اِلَیْہِ اَنَّھَا مَلْاٰی فَیَرْجِعُ فَیَقُوْلُ یَارَبِّ! وَجَدْتُھَا مَلْاٰی فَیَقُوْلُ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی لَہٗ اِذْھَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّۃَ قَالَ فَیَاْتِیْھَا فَیُخَیَّلُ اِلَیْہِ اَنَّھَا مَلْاٰی فَیَرْجِعُ فَیَقُوْلُ یَارَبِّ! وَجَدْتُھَا مَلْاٰی فَیَقُوْلُ اللّٰہُ لَہٗ اِذْھَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّۃَ فَاِنَّ لَکَ مِثْلَ الدُّنْیَا وَعَشَرَۃَ اَمْثَالِھَا اَوْ اِنَّ لَکَ عَشَرَۃَ اَمْثَالِ الدُّنْیَا قَالَ فَیَقُوْلُ اَتَسْخَرُبِیْ اَوْ اَتَضْحَکُ بِیْ وَاَنْتَ الْمَلِکُ؟ قَالَ لَقَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ضَحِکَ حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُہٗ۔ قَالَ فَکَانَ یُقَالُ ذَاکَ اَدْنٰی اَھْلِ الْجَنَّۃِ مَنْزِلَۃً۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں واقف ہوں اس بات سے کہ جہنم سے سب سے آخر میں کون نکلے گا اور سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا، ایک شخص جہنم سے گھسٹتا ہوا نکلے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے جا جنت میں داخل ہوجا۔ وہ جنت میں آئے گا تو اسے یہ خیال ہوگا کہ جنت تو بھر چکی ہے۔ چنانچہ وہ لوٹ جائے گا اور کہے گا اے رب! میں تو اس بھرا ہوا پاتا ہوں اللہ عز وجل فرمائیں گے جا، جا کر جنت میں داخل ہوجا، وہ پھر آئے گا تو دوبارہ اسے یہ خیال ہوگا کہ جنت تو اہل جنت سے لبریز ہے۔ وہ واپس لوٹے گا اور کہے گا اے رب! جنت تو بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے جا جنت میں داخل ہوجا بیشک! تیرے لئے دنیا کے برابر دس جنتیں ہیں۔ وہ عرض کرے گا: آپ مجھ سے ہنسی مذاق اور ٹھٹھا کرتے ہیں حالانکہ آپ تو بادشاہ ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ آپ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کی داڑھ کے دانت نظر آنے لگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سب سے

ادنیٰ درجے کا جنتی ہوگا مرتبہ کے اعتبار سے۔

## تشریح

"حبوا" یہ گھٹنوں کے بل چلنے کو کہتے ہیں۔ علامہ نووی نے یہاں اس باب کو باندھا ہے جس کی بالکل ضرورت نہیں تھی کیونکہ سابق باب کا مضمون اور احادیث ایک جیسی ہیں آنے والے باب کی بھی ضرورت نہیں تھی فتح الملہم میں یہ دونوں ابواب نہیں ہیں میں چونکہ نووی کے نسخے کا پابند ہوں اس لئے باب رکھنے میں مجبور ہوں۔ (فضل محمد غفرلہ حال مقیم قلندر آباد ایبٹ آباد)۔

"یخیل" یعنی ان کے خیال میں جنت ایسی نظر آئے گی گویا وہ بالکل بھری ہوئی ہے۔ "اتسخربی او تضحك بی" ان دو الفاظ میں راوی کو شک ہوگیا کہ کونسا لفظ ہے اس لئے دونوں کو نقل کیا اگر واقعۃً "اتضحك" کا لفظ ہو تو وہ اتسخر کے معنی میں ہوگا کیونکہ "سخریۃ" اور مذاق اڑانے والا عادۃً ہنستا ہی ہے تو ضحك سے مجازاً "سخریہ" مراد ہے۔

## سوال

اب سوال اور اعتراض یہ ہے کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی طرف ضحک اور "سخریہ" کی نسبت کیسے کی یہ تو اللہ تعالیٰ کی شان میں بڑی گستاخی ہے؟

## جواب

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اتسخر میں ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! آپ تو رب العالمین بادشاہ علی الاطلاق ہو جو کچھ دس گنا دنیا آپ نے مجھے دی ہے یہ بالکل حق بات ہے اس میں کوئی مذاق نہیں ہے لیکن مجھے تعجب اس پر ہے کہ آپ نے میرے ساتھ جو اتنا بڑا احسان کیا ہے میں اس کا مستحق کہاں ہوں؟ یہ جواب ابوبکر صیرفی نے دیا ہے۔

## دوسرا جواب

اس سوال کا دوسرا جواب قاضی عیاضؒ نے دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ کلام اس شخص کی زبان سے نہایت خوشی کے نتیجہ میں بے اختیار نکلا ہے جب اس نے اتنے بڑے انعام کا سنا تو وہ زبان کو ضبط نہ کر سکا اور اس پر اس طرح کلمات جاری ہوگئے اس نے ان کلمات کا حقیقی مراد نہیں لیا اس کی مثال اسی طرح ہے کہ جب ایک مایوس شخص کو جنگل میں سامان کے ساتھ اس کی گمشدہ اونٹنی سر پر کھڑی مل گئی تو اس نے خوشی میں بے اختیار کہا "اللھم انت عبدی وانا ربك"۔ (فتح الملہم)

قاضی عیاض کا یہ جواب بہت اچھا اور عام فہم ہے "فجزاہ اللہ خیرا"۔

"بدت نواجذہ" "نواجذ ناجذ کی جمع ہے اس سے کناروں کے دانت مراد ہیں ممکن ہے کہ انیاب ہوں یا ضواحک ہوں یا اضراس ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کبھی کبھی آنحضرت نے تبسم سے زیادہ ہنسی کو بھی اختیار کیا ہے تو حضرت عائشہ صدیقہ نے جو فرمایا کہ

آنحضرت تبسم ہی فرماتے تھے وہ آنحضرت کی عام عادت تھی گاہ گاہ زیادہ بھی ہنسے ہیں جس نے دیکھنے والوں کو کتنا محظوظ کیا ہوگا ۔

وہ لب کہ جیسے ہو شاخِ گلاب پر غنچہ　　　جو بات بھی نہ کرے با کمال لگتا ہے

۴۶۲۔ **وَحَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَاَبُوكُرَیْبٍ وَاللَّفْظُ لِاَبِیْ كُرَیْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُومُعَاوِیَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ عُبَیْدَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَعْرِفُ آخِرَ اَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا مِنَ النَّارِ رَجُلٌ یَخْرُجُ مِنْهَا زَحْفًا فَیُقَالُ لَهُ انْطَلِقْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ فَیَذْهَبُ فَیَدْخُلُ الْجَنَّةَ فَیَجِدُ النَّاسَ قَدْاَخَذُوا الْمَنَازِلَ فَیُقَالُ لَهُ اَتَذْكُرُ الزَّمَانَ الَّذِیْ كُنْتَ فِیْهِ؟ فَیَقُوْلُ نَعَمْ فَیُقَالُ لَهُ تَمَنَّ فَیَتَمَنّٰی فَیُقَالُ لَهُ لَكَ الَّذِیْ تَمَنَّیْتَ وَعَشْرَةُ اَضْعَافِ الدُّنْیَا قَالَ فَیَقُوْلُ اَتَسْخَرُبِیْ وَاَنْتَ الْمَلِكُ؟ قَالَ فَلَقَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُهُ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں جہنم سے سب سے آخر میں نکالے جانے والے کو جانتا ہوں۔ وہ شخص پیٹھ کے بل جہنم سے نکلے گا، اس سے کہا جائے گا چل اور جنت میں داخل ہو جا۔ وہ جائے گا اور جنت میں داخل ہوگا تو دیکھے گا کہ لوگوں نے جنت میں سب جگہیں لے لیں ہیں پھر اس سے کہا جائے گا کیا تجھے وہ زمانہ یاد ہے جس میں تو تھا وہ کہے گا جی ہاں! پھر فرمایا جائے گا تمنا کر، وہ تمنا کرے گا، پھر اس سے کہا جائے گا جو تو نے تمنائیں کی ہیں سب تیرے لئے ہیں۔ اور اس سے دس گناہ زیادہ ہیں۔ وہ کہے گا کہ آپ بادشاہ ہو کر مجھ سے ہنسی مذاق فرماتے ہیں؟ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے دانت ظاہر ہو گئے۔

۴۶۳۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ آخِرُ مَنْ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ رَجُلٌ فَهُوَ یَمْشِیْ مَرَّةً وَیَكْبُوْ مَرَّةً وَتَسْفَعُهُ النَّارُ مَرَّةً فَاِذَا مَاجَاوَزَهَا الْتَفَتَ اِلَیْهَا فَقَالَ تَبَارَكَ الَّذِیْ نَجَّانِیْ مِنْكِ لَقَدْ اَعْطَانِیَ اللّٰهُ شَیْئًا مَااَعْطَاهُ اَحَدًا مِنَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْنَ فَتُرْفَعُ لَهُ شَجَرَةٌ فَیَقُوْلُ اَیْ رَبِّ! اَدْنِنِیْ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ فَلِاَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا وَاَشْرَبَ مِنْ مَائِهَا فَیَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ یَاابْنَ آدَمَ! لَعَلِّیْ اِنْ اَعْطَیْتُكَهَا سَاَلْتَنِیْ غَیْرَهَا فَیَقُوْلُ لَا یَارَبِّ! وَیُعَاهِدُهُ اَنْ لَا یَسْاَلَهُ غَیْرَهَا وَرَبُّهُ یَعْذِرُهُ لِاَنَّهُ یَرٰی مَالَاصَبْرَ لَهُ عَلَیْهِ فَیُدْنِیْهِ مِنْهَا فَیَسْتَظِلُّ بِظِلِّهَا وَیَشْرَبُ مِنْ مَائِهَا ثُمَّ تُرْفَعُ لَهُ شَجَرَةٌ هِیَ اَحْسَنُ مِنَ الْاُوْلٰی فَیَقُوْلُ اَیْ رَبِّ اَدْنِنِیْ مِنْ هٰذِهِ لِاَشْرَبَ مِنْ مَائِهَا ثُمَّ تُرْفَعُ لَهُ شَجَرَةٌ هِیَ اَحْسَنُ مِنَ الْاُوْلٰی فَیَقُوْلُ اَیْ رَبِّ! اَدْنِنِیْ مِنْ هٰذِهِ لِاَشْرَبَ مِنْ مَائِهَا وَاَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا لَااَسْاَلُكَ غَیْرَهَا فَیَقُوْلُ یَاابْنَ آدَمَ

! اَلَمْ تُعَاهِدْنِي اَنْ لَاتَسْاَلَنِي غَيْرَهَا؟ فَيَقُوْلُ لَعَلِّي اِنْ اَدْنَيْتُكَ مِنْهَا تَسْاَلُنِي غَيْرَهَا ؟ فَيُعَاهِدُهُ اَنْ لَّايَسْاَلَهُ غَيْرَهَا وَرَبُّهُ يَعْذِرُهُ لِاَنَّهُ يَرٰى مَالَاصَبْرَلَهُ عَلَيْهِ فَيُدْنِيْهِ مِنْهَا فَيَسْتَظِلُّ بِظِلِّهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَائِهَا ثُمَّ تُرْفَعُ لَهُ شَجَرَةٌ عِنْدَ بَابِ الْجَنَّةِ هِيَ اَحْسَنُ مِنَ الْاُوْلَيَيْنِ ، فَيَقُوْلُ اَيْ رَبِّ ! اَدْنِنِي مِنْ هٰذِهِ لِاَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا وَاَشْرَبَ مِنْ مَائِهَا لَااَسْاَلُكَ غَيْرَهَا فَيَقُوْلُ يَاابْنَ آدَمَ ! اَلَمْ تُعَاهِدْنِي اَنْ لَّاتَسْاَلَنِي غَيْرَهَا ؟ قَالَ بَلٰى يَارَبِّ! هٰذِهِ لَااَسْاَلُكَ غَيْرَهَا وَرَبُّهُ يَعْذِرُهُ لِاَنَّهُ يَرٰى مَالَاصَبْرَ لَهُ عَلَيْهِ فَيُدْنِيْهِ مِنْهَا فَاِذَااَدْنَاهُ مِنْهَا فَيَسْمَعُ اَصْوَاتَ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ اَيْ رَبِّ ! اَدْخِلْنِيْهَا فَيَقُوْلُ يَاابْنَ آدَمَ اِمَايَصْرِيْنِي مِنْكَ؟ اَيُرْضِيْكَ اَنْ اُعْطِيَكَ الدُّنْيَاوَمِثْلَهَا مَعَهَا ؟ قَالَ يَارَبِّ ! اَتَسْتَهْزِئُ مِنِّي وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ۔ فَضَحِكَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ اَلَاتَسْاَلُوْنِي مِمَّ اَضْحَكُ ؟ فَقَالُوْا مِمَّ تَضْحَكُ ؟ قَالَ هٰكَذَا ضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا مِمَّ تَضْحَكُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ مِنْ ضِحْكِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ حِيْنَ قَالَ اَتَسْتَهْزِئُ مِنِّي وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ؟۔ فَيَقُوْلُ اِنِّي لَااَسْتَهْزِئُ مِنْكَ وَلٰكِنِّي عَلٰى مَااَشَاءُ قَادِرٌ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سب سے آخر میں جو داخل ہوگا وہ شخص کبھی پاؤں پر چلے گا اور کبھی اوندھے منہ کے بل گر پڑے گا اور جہنم کی آگ اسے جلاتی رہے گی۔ جب دوزخ کی حد سے باہر ہو جائے گا تو اس کی طرف منہ کر کے کہے گا بڑی مبارک ہے وہ ذات جس نے مجھے تجھ سے نجات دی۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے وہ کچھ عطا کردیا ہے کہ اولین وآخرین میں سے کسی کو نہیں دیا۔ پھر اس کے سامنے ایک درخت بلند کیا جائے گا وہ کہے گا اے رب! مجھے اس درخت سے قریب کر دیجئے تا کہ میں اس کے سائے تلے آجاؤں اور اس کا پانی پیوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے ابن آدم! اگر میں تیری یہ خواہش پوری کر دوں تو تو مجھ سے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں مانگے گا۔ وہ کہے گا اے میرے رب! نہیں اور اللہ سے عہد کرے گا کہ اس کے علاوہ سوال نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول کریں گے کیونکہ وہ درخت کے معاملہ میں اس کی بے صبری دیکھتے ہوں گے۔ چنانچہ اسے اس کے قریب کر دیا جائے گا۔ وہ اس کے سائے تلے رہے گا، اس کا پانی پیئے گا پھر ایک دوسرا درخت اس کے سامنے کیا جائے گا جو پہلے سے زیادہ خوبصورت اور اچھا ہوگا، وہ کہے گا اے میرے رب! مجھے اس درخت سے قریب کر دیجئے تا کہ اس پانی پیوں اور اس کے سائے سے فائدہ اٹھاؤں اس کے علاوہ میں آپ سے کچھ نہ مانگوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے ابن آدم! کیا تو نے مجھ سے عہد نہ کیا تھا کہ کوئی اور سوال نہ کرے گا؟ اگر میں تجھے اس کے قریب کر دوں گا تو تو پھر کچھ اور مانگے گا؟ وہ پھر عہد کرے گا کہ اسکے علاوہ کچھ اور نہ مانگے گا۔ اور اللہ رب العالمین اسکے معذرت قبول کریں گے کیونکہ اس کی بے صبری کو دیکھتے ہوں گے۔ لہٰذا اسے اس دوسرے درخت کے قریب کر دیں گے، وہ اس کے سائے تلے آرام کرے گا اور اسکا پانی پئے گا۔ پھر اس کے سامنے ایک

اور درخت جنت کے دروازہ کے بالکل قریب کیا جائیگا جو پہلے دونوں سے زیادہ حسین ہوگا۔ وہ کہے گا اے رب! مجھے اس کے قریب کر دے تاکہ میں اس کے سائے تلے رہوں پانی پیئوں۔ اس سے بعد میں آپ سے کچھ نہ مانگوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تو نے مجھ سے عہد نہ کیا تھا کہ کچھ اور نہ مانگے گا؟ وہ کہے گا کیوں نہیں اے میرے رب! بس یہ سوال اور پورا کر دیجئے اس کے بعد کچھ اور نہ مانگوں گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی بے صبری کی وجہ سے اس کی معذرت قبول کر کے اسے تیسرے درخت سے قریب کر دیں گے، جب وہ اس درخت کے قریب ہوگا تو اہل جنت کی آوازیں سنے گا، تو کہے گا اے میرے رب! مجھے اس میں داخل کر دیجئے! اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے ابن آدم! تیرا بار بار مانگنا کب ختم ہوگا؟ کیا تو اس پر راضی ہے کہ میں تجھے دنیا دیدوں اور اس کے مثل ایک اور بھی وہ کہے گا اے میرے رب! آپ رب العالمین ہیں اور مجھ سے مذاق فرماتے ہیں؟ یہ کہہ کر ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہنس پڑے اور فرمایا کہ کیا تم لوگ مجھ سے پوچھو گے نہیں کہ میں کیوں ہنسا؟ لوگوں نے پوچھا کیوں ہنسے؟ فرمایا کہ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہنسے تھے تو صحابہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا کہ آپ کیوں ہنسے یا رسول اللہ! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہنسنے کی وجہ سے کیونکہ جب اس نے کہا کہ آپ مجھ سے رب العالمین ہو کر مذاق فرماتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تجھ سے مذاق نہیں کر رہا لیکن میں ہر چیز پر قادر ہوں۔

## تشریح

"ویکبو مرۃ" کبا یکبو، منہ کے بل گرنے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کبھی سیدھا چل رہا ہے کبھی منہ کے بل گر رہا ہے، گرتا اٹھتا ہے "وتسفعہ النار" یعنی کبھی دوزخ کی آگ اس کو تھپیڑ مار کر جھلس دیتی ہے "جاوزھا" یعنی دوزخ سے نکل کر پیچھے مڑ کر آگ کو خطاب کرتا ہے کہ جا خوار! تجھ سے میری جان چھوٹ گئی یہ کہہ کر پھر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔

"فترفع لہ شجرۃ" یعنی جنت کے سامنے درخت نمودار ہوگا جس کو یہ شخص دیکھے گا تو سوال کریگا کہ اے اللہ مجھے اس کے سائے تک پہنچا دو "ویعاھدہ" یعنی یہ شخص اللہ تعالیٰ کو پکا وعدہ دیگا کہ کوئی اور سوال نہیں کروں گا "ویعذرہ ربہ" یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کو وعدہ خلافی پر معذور سمجھے گا کیونکہ اس شخص کے سامنے ایسی نعمتیں ہونگی جس سے کوئی آدمی بلا مانگے صبر نہیں کر سکے گا۔

"یارب ھذہ" یعنی یہ آخری سوال ہے میرے رب! اس کے بعد کوئی سوال نہیں کرونگا۔

"مایصرینی" یہ صیغہ صری یصری صریا ضرب سے مضارع کا صیغہ ہے اس کا معنی چھڑانا تکلیف رفع کرنا اور کسی چیز کو کسی سے کاٹ کر رکھنا ہے اس صیغہ کے دیگر معانی بھی آتے ہیں اور دیگر ابواب سے بھی یہ صیغہ آتا ہے میں نے جو ترجمہ اختیار کیا ہے اس کے لئے "عن" کا صلہ آتا ہے یعنی "مایصرینی عنک" تیری تکلیف سے مجھے کون چھڑائے گا۔

فتح الملہم میں اس کا مطلب یوں بیان کیا ہے "ای شیء یرضیک ویقطع السوال بینی وبینک"۔

''من ضحك رب العالمين'' ایسے الفاظ متشابہات میں سے ہیں جس کا مطلب ''ما يليق بشانه'' سے بیان کیا جاتا ہے مراد اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا ہے ''زحفا'' رینگنے اور سُرین کے بل چلنے کو کہتے ہیں یہ تمام روایات معتزلہ اور ان کے غلط عقیدہ پر واضح رد کرتی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار ہے اور شفاعت کا انکار کرتے ہیں ان روایات میں مرجئہ پر بھی واضح رد ہے جو کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ معاصی کے ارتکاب سے کوئی نقصان نہیں ہوتا اگر نقصان نہیں ہوتا تو یہ لوگ دوزخ میں کیوں ڈالے گئے اور پھر شفاعت سے کیوں نکالے گئے۔

## باب ادنى اهل الجنة منزلة فيها

## سب سے ادنیٰ جنتی کا مقام

اس باب میں امام مسلم نے تئیس احادیث کو بیان کیا ہے۔

٤٦٤ ـ **حَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَبِيْ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرُبْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ اَبِيْ صَالِحٍ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ اَبِيْ عَيَّاشٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَدْنٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً رَجُلٌ صَرَفَ اللّٰهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ قِبَلَ الْجَنَّةِ وَمَثَّلَ لَهُ شَجَرَةً ذَاتَ ظِلٍّ فَقَالَ اَيْ رَبِّ ! قَدِّمْنِيْ اِلٰى هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اَكُوْنُ فِيْ ظِلِّهَا وَسَاقَ الْحَدِيْثَ بِنَحْوِ حَدِيْثِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَلَمْ يَذْكُرْ فَيَقُوْلُ يَاابْنَ آدَمَ ! مَايَصْرِيْنِيْ مِنْكَ؟ اِلٰى آخِرِ الْحَدِيْثِ وَزَادَ فِيْهِ وَيُذَكِّرُهُ اللّٰهُ تَعَالٰى سَلْ كَذَا وَكَذَا فَاِذَا انْقَطَعَتْ بِهِ الْاَمَانِيُّ قَالَ اللّٰهُ هُوَ لَكَ وَعَشَرَةُ اَمْثَالِهِ قَالَ ثُمَّ يَدْخُلُ بَيْتَهُ فَتَدْخُلُ عَلَيْهِ زَوْجَتَاهُ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ فَتَقُوْلَانِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَاكَ لَنَا وَاَحْيَانَا لَكَ قَالَ فَيَقُوْلُ مَا اُعْطِيَ اَحَدٌ مِثْلَ مَا اُعْطِيْتُ ـ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت میں رتبہ کے اعتبار سے سب سے ادنیٰ جنتی وہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ پہلے اس کا چہرہ جہنم سے جنت کی طرف پھیر دیں گے اور اسے ایک درخت سایہ دار دکھائیں گے۔ وہ کہے گا اے میرے رب! مجھے اس درخت سے قریب کر دیجئے تاکہ میں اس کے سائے میں آجاؤں۔ آگے سابقہ حدیث کے مانند ذکر فرمایا۔ اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے یاد دلائیں گے کہ فلاں فلاں چیز مانگ، جب اس کی تمام آرزوئیں ختم ہو جائیں گی تو اللہ عزوجل فرمائیں گے کہ یہ سب تیرے لئے ہیں اور دس گناہ اس کے مثل اور بھی ہیں۔ پھر وہ جنتی اپنے گھر میں داخل ہوگا تو حورعین میں سے اس کی دونوں بیویاں اس کے پاس آئیں گی اور کہیں گی کہ تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے تجھے ہمارے واسطے اور ہمیں تیرے لئے زندہ فرمایا، وہ کہے گا کسی کو اتنا کچھ نہیں دیا گیا جتنا مجھے دیا گیا۔

## تشریح

"احیاک لنا" اس لفظ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مرنے کے بعد کسی کو زندہ کیا گیا بلکہ مطلب مطلق پیدا کرنا اور زندہ رکھنا ہے حورعین جنت کی عورتیں ہیں کہتے ہیں کہ دنیا کی مؤمن عورتوں کو اللہ تعالیٰ جنت میں حوروں کا مقام عطا کریگا تو ہر جنتی کو ان سے دو حوریں ملیں گی۔ اس روایت میں "مایصربنی منك" کا لفظ نہیں ہے امام مسلم کا انداز بھی بتا رہا ہے کہ یہاں باب باندھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی فتح الملہم میں بھی باب اثبات الشفاعۃ کے بعد آخر تک کوئی باب نہیں مگر میں نووی کی ترتیب سے مجبور ہوں۔

٤٦٥ ۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو الْأَشْعَثِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مُطَرِّفٍ وَابْنِ أَبْجَرَ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ رِوَايَةً إِنْ شَاءَ اللَّهُ ح: وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا مُطَرِّفُ بْنُ طَرِيفٍ وَعَبْدُ الْمَلِكِ بْنِ سَعِيدٍ سَمِعَا الشَّعْبِيَّ يُخْبِرُ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ سَمِعْتُهُ عَلَى الْمِنْبَرِ يَرْفَعُهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح: وَحَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ الْحَكَمِ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنَا مُطَرِّفٌ وَابْنُ أَبْجَرَ سَمِعَا الشَّعْبِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ يُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ سُفْيَانُ رَفَعَهُ أَحَدُهُمَا أُرَاهُ ابْنَ أَبْجَرَ قَالَ سَأَلَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ رَبَّهُ مَا أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً؟ قَالَ هُوَ رَجُلٌ يَجِيءُ بَعْدَ مَا أُدْخِلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ فَيُقَالُ لَهُ ادْخُلِ الْجَنَّةَ فَيَقُولُ أَيْ رَبِّ! كَيْفَ؟ وَقَدْ نَزَلَ النَّاسُ مَنَازِلَهُمْ وَأَخَذُوا أَخَذَاتِهِمْ؟ فَيُقَالُ لَهُ أَتَرْضَى أَنْ يَكُونَ لَكَ مِثْلُ مُلْكِ مَلِكٍ مِنْ مُلُوكِ الدُّنْيَا؟ فَيَقُولُ رَضِيتُ رَبِّ! فَيَقُولُ لَكَ ذَلِكَ وَمِثْلُهُ وَمِثْلُهُ وَمِثْلُهُ وَمِثْلُهُ فَقَالَ فِي الْخَامِسَةِ رَضِيتُ رَبِّ! فَيَقُولُ هَذَا لَكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ وَلَكَ مَا اشْتَهَتْ نَفْسُكَ وَلَذَّتْ عَيْنُكَ فَيَقُولُ رَضِيتُ رَبِّ! قَالَ رَبِّ! فَأَعْلَاهُمْ مَنْزِلَةً؟ قَالَ أُولَئِكَ الَّذِينَ أَرَدْتُ غَرَسْتُ كَرَامَتَهُمْ بِيَدِي وَخَتَمْتُ عَلَيْهَا فَلَمْ تَرَ عَيْنٌ وَلَمْ تَسْمَعْ أُذُنٌ وَلَمْ يَخْطُرْ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ قَالَ وَمِصْدَاقُهُ فِي كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾ ۔(السجدۃ: ۱۳)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے پوچھا کہ اہل جنت میں سب سے ادنیٰ رتبہ والا جنتی کون ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ شخص تمام اہل جنت کے جنت میں داخل ہونے کے بعد آئیگا اور اس سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ وہ کہے گا اے میرے رب! میں کیسے داخل ہوں، لوگ تو سب اپنی اپنی جگہوں پر فروکش ہو چکے ہیں اور سب نے اپنی اپنی جگہیں بنالی ہیں اس سے کہا جائے گا کہ کیا تو اس پر راضی ہے کہ تجھے دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کے برابر سلطنت دے دی جائے؟ وہ کہے گا اے میرے رب! میں راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تیرے لئے اتنا ہی ہے جتنا دنیا کے کسی بادشاہ کی سلطنت۔ اور اس کے ایک گنا زیادہ، دوگنا زیادہ، تین گنا زیادہ، پانچویں میں وہ کہے گا اے رب

میں خوش ہوں اس پر، تو فرمائیں گے اللہ تعالیٰ تیرے لئے دس گنا ہیں اور جو تو خواہش کرے وہ پوری ہے اور جو تجھے دیکھنے میں اچھا لگے وہ بھی تیرے لئے ہے۔وہ کہے گا اے میرے رب میں راضی ہوں۔موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تو اعلیٰ درجہ کے جنتی کا کیا حال ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ تو وہ لوگ ہیں جنہیں میں نے خود منتخب کیا، ان کے اعزاز واکرام کی چیزوں کو میں نے اپنے ہاتھ سے جمایا اور ان پر مہر لگائی پس کسی آنکھ نے ان کی نعمتوں کو دیکھا نہیں، کسی کان نے ان کا تذکرہ سنا نہیں اور نہ ہی کسی بشر کے قلب میں اس کا خیال آیا۔پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا: اس کا مصداق اللہ کی کتاب میں یہ آیت ہے ﴿فلا تعلم نفس.....﴾ (سورۃ الم سجدہ)

## تشریح

''سأل موسیٰ ربه'' یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ سب سے کم تر جنتی کون آدمی ہے؟۔

''اخذاتهم'' اس کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ سب لوگوں نے اپنا اپنا مرتبہ اور کرامت وشرافت اور درجہ حاصل کرلیا اب میرے لئے کیا رہ گیا ہے۔دوسرا مطلب یہ ہے کہ سب لوگوں نے اپنی اپنی جگہ اور اپنا اپنا مقام پکڑلیا ہے اب میرے لئے جگہ کہاں ہے؟ آنے والی روایت میں اَخَسّ کا لفظ آیا ہے وہ بھی ادنیٰ اور کم تر کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

بہر حال یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال کا پہلا حصہ ہے جو ادنیٰ جنتی کے بارے میں ہے۔

''قال رب فاعلاهم منزلة'' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال کا یہ دوسرا حصہ ہے جو اعلیٰ درجہ کے مؤمن کے بارے میں ہے۔

''اردت'' یہ اخترت اور اصطفیت کے معنی میں ہے یعنی ان لوگوں کو میں نے پسند کیا اور چن لیا ہے۔

''غرست'' کاشت کرنے اور غلہ بونے اور پودا لگانے کو غرس کہتے ہیں یہاں ''غرستُ'' کنایہ ہے کہ ان لوگوں کی عزت وکرامت اور قبولیت میں کوئی تغیر نہیں آئیگا ان کو میں نے ہمیشہ کے لئے منتخب کیا ہے اور اس اعزاز واکرام پر اپنی مہر ثبت کردی۔

''ختمت عليها'' اسی مہر کی تفصیل وتصدیق ہے آگے تفصیل میں فرمایا کہ ان لوگوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کی گئی ہیں جو نہ کسی نے سنی ہیں نہ دیکھی ہیں اور نہ کسی کے دل پر اس کا خیال گذرا ہے تصدیق کے لئے قرآن کی آیت موجود ہے۔

زیر بحث حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں ثقات راویوں کا اختلاف ہے اور مرفوع وموقوف میں جب ثقات کا اختلاف آجاتا ہے تو اصول حدیث کے مطابق وہ حدیث مرفوع شمار ہوتی ہے لہٰذا یہ حدیث مرفوع ہے۔

٤٦٦ ـ **وَحَدَّثَنَا** اَبُوْ كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ الْاَشْجَعِيُّ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ اَبْجَرَقَالَ سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ يَقُوْلُ سَمِعْتُ الْمُغِيْرَةَ بْنَ شُعْبَةَ يَقُوْلُ عَلَى الْمِنْبَرِ اَنَّ مُوْسٰى سَاَلَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ عَنْ اَخَسِّ اَهْلِ الْجَنَّةِ مِنْهَا حَظًّا وَسَاقَ الْحَدِيْثَ بِنَحْوِهٖ ـ

اس سند سے بھی سابقہ حدیث الفاظ کے معمولی تغیر کے ساتھ منقول ہے۔وہ یہ کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ منبر پر بیان

کرتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا سب سے کم مرتبہ کا جنتی کون ہے؟۔

٤٦٧۔ **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ نُمَیْرٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنِ الْمَعْرُوْرِ ابْنِ سُوَیْدٍ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اٰخِرَ اَھْلِ الْجَنَّۃِ دُخُوْلًا الْجَنَّۃَ وَاٰخِرَ اَھْلِ النَّارِ خُرُوْجًا مِنْھَا رَجُلٌ یُؤْتٰی بِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَیُقَالُ اعْرِضُوْا عَلَیْہِ صِغَارَ ذُنُوْبِہٖ وَارْفَعُوْا عَنْہُ کِبَارَھَا فَتُعْرَضُ عَلَیْہِ صِغَارُ ذُنُوْبِہٖ فَیُقَالُ عَمِلْتَ یَوْمَ کَذَا وَکَذَا کَذَا وَکَذَا وَعَمِلْتَ یَوْمَ کَذَا وَکَذَا کَذَا وَکَذَا فَیَقُوْلُ نَعَمْ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّنْکِرَ وَھُوَ مُشْفِقٌ مِنْ کِبَارِ ذُنُوْبِہٖ اَنْ تُعْرَضَ عَلَیْہِ فَیُقَالُ لَہٗ فَاِنَّ لَکَ مَکَانَ کُلِّ سَیِّئَۃٍ حَسَنَۃً فَیَقُوْلُ رَبِّ ! قَدْ عَمِلْتُ اَشْیَاءَ لَا اَرَاھَا ھٰھُنَا فَلَقَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ضَحِکَ حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُہٗ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں آخری جنتی کو اور سب سے آخر میں جہنم سے نکالے جانے والے کو جانتا ہوں۔ ایک شخص قیامت کے دن لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اس کے صغیرہ گناہ اس کے سامنے پیش کرو۔ کبیرہ گناہوں کو رہنے دو۔ چنانچہ اس کے صغائر اس کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا تو نے فلاں فلاں دن اور فلاں فلاں دن یہ کام کیا اور فلاں فلاں روز یہ کام کیا وہ کہے گا ہاں! انکار کی مجال نہ ہوگی۔ اور کبیرہ گناہوں سے ڈر رہا ہوگا کہ وہ بھی پیش کئے جائیں گے۔ اس سے کہا جائے گا تیرے لئے ہر گناہ کے عوض ایک نیکی ہے۔ تو وہ کہے گا اے میرے رب! میں نے تو اور بھی گناہ کئے تھے یہاں میں انہیں نہیں دیکھ رہا! ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بے شک میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے دانت نظر آئے۔

## تشریح

''وارفعوا عنہ کبارھا'' یعنی اس شخص کے چھوٹے چھوٹے گناہ ان کے سامنے رکھ کر گن لو اور بڑے بڑے گناہوں کو چھپالو۔

''اشیاء لا اراھا'' یعنی جب اس شخص نے دیکھا کہ ہر چھوٹے گناہ کے بدلے ایک ثواب ملتا ہے تو وہ سوچنے لگتا ہے کہ جب چھوٹے گناہ پر ثواب ملتا ہے تو بڑے گناہ پر بڑا ثواب ملے گا تو اس نے بڑے گناہوں کے حاضر کرنے کے لئے کہا کہ وہ بھی حاضر کیا جائے تاکہ میرے ثواب میں اضافہ ہو جائے یہ انسان کے تلوّن خیالی اور بوقلمون طبیعت کا ایک عجیب نظارہ ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خوب ہنسے ہیں کہ کہاں اس شخص کا ڈرنا کہ گناہ کا پتہ نہ چلے اور کہاں یہ مطالبہ کرنا کہ گناہ لائے جائیں۔

٤٦٨۔ **وَحَدَّثَنَا** ابْنُ نُمَیْرٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِیَۃَ وَوَکِیْعٌ ح وَ حَدَّثَنَا اَبُوْ بَکْرِ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ ح وَ حَدَّثَنَا اَبُوْ کُرَیْبٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِیَۃَ کِلَاھُمَا عَنِ الْاَعْمَشِ بِھٰذَا الْاِسْنَادِ۔

اس سند کے ساتھ بھی اعمش کی یہ روایت منقول ہے۔

۴۶۹۔ **حَدَّثَنِی** عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ سَعِيدٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ كِلَاهُمَا عَنْ رَوْحٍ قَالَ عُبَيْدُاللّٰهِ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ الْقَيْسِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ ابْنَ عَبْدِاللّٰهِ يَسْأَلُ عَنِ الْوُرُودِ؟ فَقَالَ نَجِيءُ نَحْنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَنْ كَذَا وَكَذَا انْظُرْ أَيْ ذٰلِكَ فَوْقَ النَّاسِ قَالَ فَتُدْعَى الْأُمَمُ بِأَوْثَانِهَا وَمَا كَانَتْ تَعْبُدُ الْأَوَّلُ فَالْأَوَّلُ ثُمَّ يَأْتِينَا رَبُّنَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَيَقُولُ مَنْ تَنْظُرُونَ؟ فَيَقُولُونَ نَنْظُرُ رَبَّنَا فَيَقُولُ أَنَا رَبُّكُمْ فَيَقُولُونَ حَتّٰى نَنْظُرَ إِلَيْكَ فَيَتَجَلّٰى لَهُمْ يَضْحَكُ قَالَ فَيَنْطَلِقُ بِهِمْ وَيَتَّبِعُونَهُ وَيُعْطٰى كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ مُنَافِقٍ أَوْ مُؤْمِنٍ نُورًا ثُمَّ يَتَّبِعُونَهُ وَعَلٰى جِسْرِ جَهَنَّمَ كَلَالِيبُ وَحَسَكٌ تَأْخُذُ مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ يُطْفَأُ نُورُ الْمُنَافِقِينَ ثُمَّ يَنْجُو الْمُؤْمِنُونَ فَتَنْجُو أَوَّلُ زُمْرَةٍ وُجُوهُهُمْ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ سَبْعُونَ أَلْفًا لَا يُحَاسَبُونَ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ كَأَضْوَءِ نَجْمٍ فِي السَّمَاءِ ثُمَّ كَذٰلِكَ ثُمَّ تَحِلُّ الشَّفَاعَةُ وَيَشْفَعُونَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ شَعِيرَةً فَيُجْعَلُونَ بِفِنَاءِ الْجَنَّةِ وَيَجْعَلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ يَرُشُّونَ عَلَيْهِمُ الْمَاءَ حَتّٰى يَنْبُتُوا نَبَاتَ الشَّيْءِ فِي السَّيْلِ وَيَذْهَبُ حُرَاقُهُ ثُمَّ يَسْأَلُ حَتّٰى تُجْعَلَ لَهُ الدُّنْيَا وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهَا مَعَهَا۔

ابوالزبیر کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو سنا، ان سے پوچھا گیا قیامت کے روز لوگوں کے آنے کے حال کے بارے میں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم آئیں گے قیامت کے روز اس طرح۔ (دیکھو) لوگوں سے اوپر ہم آئیں گے۔ پھر ساری امتوں کو بلایا جائے گا ان کے معبودوں اور بتوں کے ساتھ جن کی وہ پوجا کرتے تھے ایک ایک کر کے۔ پھر ہمارا پروردگار آئے گا اس کے بعد اور فرمائے گا تم کس کو دیکھ رہے ہو؟ وہ کہیں ہم اپنے رب عزّ وجل کو دیکھ رہے ہیں؟ وہ فرمائے گا میں ہوں تمہارا رب، وہ کہیں گے کہ یہاں تک کہ ہم تجھے دیکھیں چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے سامنے تجلّی فرمائے گا ضحک فرماتے ہوئے۔ وہ اس کے ساتھ چلیں گے اور اس کی اتباع کریں گے اور ہر انسان کو خواہ منافق ہو یا مؤمن ایک نور دیا جائے گا وہ اس کے پیچھے چلیں گے۔ جہنم کے اوپر جو پل ہے اس میں آنکڑے اور کانٹے ہوں گے اور اچک لیں گے جسے اللہ چاہے گا، منافقین کا نور بجھا دیا جائے گا اور مؤمنین کو نجات دی جائے گی۔ چنانچہ مؤمنین کا پہلا گروہ نجات پائے گا۔ ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح دمکتے ہوں گے وہ ستر ہزار ہوں گے ان کا حساب نہیں کیا جائے گا۔ پھر ان کے بعد جو لوگ ہونگے ان کے چہرے آسمان کے تاروں کی طرح روشن چمکدار ہوں گے۔ پھر ان کے بعد والوں کا یہی حال ہوگا اس کے بعد شفاعت کا سلسلہ شروع ہوگا اور مؤمنین سفارش کرینگے، یہاں تک کہ ہر وہ شخص جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہو اور اس کے قلب میں جو کے دانے کے برابر ایمان اور نیکی ہوگی اسے جہنم سے نکالا جائے گا۔ وہ جنت کے صحن میں جمع کئے جائیں گے اور اہل جنت ان پر پانی کا چھڑکاؤ کریں گے یہاں

تک کہ وہ اس طرح جی اٹھیں گے جیسے اسیلاب میں کوئی چیز اگتی ہے اور ان کی ساری جلن جاتی رہے گی۔ پھر وہ مانگیں گے اللہ تعالیٰ سے یہاں تک کہ انہیں دنیا اور اس کے مثل دس گنا عطا کر دی جائے گی۔

## تشریح

''عن الورود'' ورود سے پل صراط پر چلنا مراد ہے مگر پل صراط چونکہ دوزخ پر ہے لہٰذا ہر آدمی گویا دوزخ میں داخل ہو کر پھر جنت کی طرف جائیگا اس سے قرآن کریم کی اس ایت کی طرف اشارہ ہے ﴿وان منکم الا واردھا کان علی ربک حتماً مقضیاً﴾۔ (مریم:۷۱)

اللہ تعالیٰ اپنے اسی قسم کو پورا کرنے کے لئے تمام انسانوں کو دوزخ کے اوپر سے گذاریں گے یہی ورود فی النار ہے۔

''نجیء نحن یوم القیامۃ عن کذا و کذا انظر ای ذلک'' اس روایت میں تقدیم و تاخیر بھی ہے اور تغییر وتصحیف بھی ہے حذف واسقاط بھی ہے اور مزید یہ کہ یہ روایت حضرت جابر پر موقوف بھی ہے، تو سوال یہ ہے کہ امام مسلم نے کیسے اپنی کتاب صحیح مسلم میں اس کو نقل کیا ہے؟ نقل کرنے کا جواب تو یہ ہے کہ امام مسلم کی عادت ہے کہ وہ کبھی کبھی پہلے موقوف روایت کو نقل کرتے ہیں پھر بعد میں فوراً اسی روایت کو مرفوع نقل کرتے ہیں یہاں بھی اس موقوف روایت کے بعد فوراً اس کو مرفوع نقل کردیا کہ حضرت جابر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو سنا، یہ سوال تو ختم ہوگیا لیکن روایت کے الفاظ میں جو گڑ بڑ ہے اس کو صحیح کرنے کے لئے یوں سمجھو کہ ''نجیء نحن یوم القیامۃ عن کذا و کذا'' جو الفاظ ہیں یہ اصل میں اس طرح ہیں کہ ''نجیء نحن یوم القیامۃ عن کوم فوق الناس'' یا الفاظ اس طرح ہیں ''یحشر الناس یوم القیامۃ علی تل وامتی علی تل'' اب یہاں دو لفظ ہیں ایک لفظ ''کوم'' ہے دوسرا لفظ ''تل'' ہے دونوں کا معنی ایک ہے ٹیلہ کو کہتے ہیں۔ زیر بحث حدیث میں راوی صحیح الفاظ کو بھول گئے مگر تنبیہ کردی کہ ''انظر ای ذلک'' یعنی دیکھ لو ان دو الفاظ میں یہاں کونسا لفظ ہے میں بھول گیا ہوں یہ الفاظ جملہ معترضہ ہے جو فوق الناس اور علی تل کے درمیان واقع ہے صاف روایت اس طرح بنے گی جس کو امام طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے ''فیرقی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وامتہ علی کوم فوق الناس''۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اصل عبارت اس طرح ہے ''نجیء یوم القیامۃ علی کوم'' ۔ قاضی عیاض مزید فرماتے ہیں کہ کعب بن مالک کے طریق سند میں یہ حدیث اس طرح ہے۔ ''یحشر الناس یوم القیامۃ علی تل وامتی علی تل'' ان تمام روایتوں کا مطلب یہ ہے کہ قیامت میں ہم اوپر ٹیلے سے آئیں گے لوگ نیچے ہونگے ہم اوپر سے نیچے آئیں گے فوق الناس کا یہی مطلب ہے اور حدیث کے بیان کرنے کا بھی یہی مقصد ہے کہ ہم اوپر ہونگے لوگ نیچے ہونگے یہ اس امت کے اعزاز کی طرف اشارہ ہے راوی یا کاتب اصل الفاظ بھول گئے تو آخر میں فوق الناس کا لفظ لگا کر بات قارئین پر چھوڑ دی۔

''فیتجلی لھم'' یعنی اپنے تجلی کیساتھ ظاہر ہو کر آجائیں گے یہ متشابہ الفاظ ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے ''مایلیق بشانہ'' کیا جاتا ہے

مراد راضی ہوتا ہے۔ ''جسر'' پل صراط مراد ہے جیم پر کسرہ بھی ہے اور زبر بھی جائز ہے۔ ''کلالیب'' یہ کلوب کی جمع ہے کلوب لوہے کی اس سیخ اور سلاخ کو کہتے ہیں جس کا سر مڑا ہوا ہو جس کے ذریعہ سے نان بائی تندور سے روٹی نکالتا ہے اس کو کنڈے بھی کہہ سکتے ہیں اردو میں اس کا ترجمہ آنکڑے سے کیا گیا ہے اس کو خمدار کانٹے بھی کہہ سکتے ہیں ''باب رؤیة اللہ'' میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

''حسك'' اس کو حسیکة او حسکة بھی کہتے ہیں اس کو شوك السعدان بھی کہتے ہیں سعدان ایک پودا ہے جس کو اونٹ بہت شوق سے کھاتے ہیں اس میں مضبوط کانٹے ہوتے ہیں جو جوسی کی طرح گول ہوتے ہیں حسک سے یہی کانٹے مراد ہیں۔

''ویذهب حراقه'' یعنی چہرہ کی جلن کا اثر دور ہو جائے گا۔

''دارات وجوههم'' دارات جمع ہے اس کا مفرد دارة ہے یہ اس دائرہ کے معنی میں ہے جو پورے چہرہ پر محیط ہوتا ہے گویا چہرہ کی گولائی کو کہا جاتا ہے سجدہ لگانے کی جگہ مراد ہے یہ لفظ آنے والی روایت میں ہے دوزخ کی آگ سجدہ کی جگہ پر اثر نہیں کرتی ہے۔

۴۷۰۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ عَنْ عَمْرٍو سَمِعَ جَابِرًا یَقُوْلُ سَمِعَهُ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِاُذُنَیْهِ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ یُخْرِجُ نَاسًا مِنَ النَّارِ فَیُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کانوں سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ بے شک اللہ عز وجل کچھ لوگوں کو جہنم سے نکالیں گے اور انہیں جنت میں داخل فرمائیں گے۔

۴۷۱۔ **حَدَّثَنَا** اَبُو الرَّبِیْعِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ قَالَ قُلْتُ لِعَمْرِو بْنِ دِیْنَارٍ اَسَمِعْتَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ یُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ یُخْرِجُ قَوْمًا مِنَ النَّارِ بِالشَّفَاعَةِ ؟ قَالَ نَعَمْ۔

حماد بن زید کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن دینار سے کہا کیا آپ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی ہے جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عز وجل جہنم سے ایک جماعت کو شفاعت کی وجہ سے نکالیں گے؟ انہوں نے کہا: ہاں!۔

۴۷۲۔ **حَدَّثَنَا** حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ الزُّبَیْرِیُّ حَدَّثَنَا قَیْسُ بْنُ سُلَیْمٍ الْعَنْبَرِیُّ قَالَ حَدَّثَنِیْ یَزِیْدُ الْفَقِیْرُ حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ قَوْمًا یُخْرَجُوْنَ مِنَ النَّارِ یَحْتَرِقُوْنَ فِیْهَا اِلَّا دَارَاتِ وُجُوْهِهِمْ حَتّٰی یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک ایک قوم جہنم سے نکالی جائے گی، اس میں ان کے پورے جسم جل جائیں گے سوائے ان کے چہروں کے حتی کہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

۴۷۳۔ وَحَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ يَعْنِي مُحَمَّدَ بْنَ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ حَدَّثَنِي يَزِيدُ الْفَقِيرُ قَالَ كُنْتُ قَدْ شَغَفَنِي رَأْيٌ مِنْ رَأْيِ الْخَوَارِجِ فَخَرَجْنَا فِي عِصَابَةٍ ذَوِي عَدَدٍ نُرِيدُ أَنْ نَحُجَّ ثُمَّ نَخْرُجَ عَلَى النَّاسِ قَالَ فَمَرَرْنَا عَلَى الْمَدِينَةِ فَإِذَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ "جَالِسٌ إِلَى سَارِيَةٍ" عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ قَالَ فَإِذَا هُوَ قَدْ ذَكَرَ الْجَهَنَّمِيِّينَ قَالَ فَقُلْتُ لَهُ يَا صَاحِبَ رَسُولِ اللّٰهِ ! مَا هٰذَا الَّذِي تُحَدِّثُونَ ؟ وَاللّٰهُ يَقُولُ ﴿إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ﴾ (آل عمران: ۱۹۲) وَ﴿كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا﴾ (السجدة: ۲۰) فَمَا هٰذَا الَّذِي تَقُولُونَ ؟ قَالَ فَقَالَ أَتَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَهَلْ سَمِعْتَ بِمَقَامِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي الَّذِي يَبْعَثُهُ اللّٰهُ فِيهِ ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَإِنَّهُ مَقَامُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَحْمُودُ الَّذِي يُخْرِجُ اللّٰهُ بِهِ مَنْ يُخْرِجُ قَالَ ثُمَّ نَعَتَ وَضْعَ الصِّرَاطِ وَمَرَّ النَّاسِ عَلَيْهِ قَالَ وَأَخَافُ أَنْ لَا أَكُونَ أَحْفَظُ ذَاكَ قَالَ غَيْرَ أَنَّهُ قَدْ زَعَمَ أَنَّ قَوْمًا يَخْرُجُونَ مِنَ النَّارِ بَعْدَ أَنْ يَكُونُوا فِيهَا قَالَ يَعْنِي فَيَخْرُجُونَ كَأَنَّهُمْ عِيدَانُ السَّمَاسِمِ قَالَ فَيَدْخُلُونَ نَهَرًا مِنْ أَنْهَارِ الْجَنَّةِ فَيَغْتَسِلُونَ فِيهِ فَيَخْرُجُونَ كَأَنَّهُمُ الْقَرَاطِيسُ فَرَجَعْنَا قُلْنَا وَيْحَكُمْ ! أَتُرَوْنَ الشَّيْخَ يَكْذِبُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟ فَرَجَعْنَا فَلَا وَاللّٰهِ مَا خَرَجَ مِنَّا غَيْرُ رَجُلٍ وَاحِدٍ أَوْ كَمَا قَالَ أَبُو نُعَيْمٍ ۔

یزید الفقیر فرماتے ہیں کہ میرے دل میں خوارج کی ایک بات جاگزین ہوگئی تھی۔ پھر ہم ایک بڑی جماعت کیساتھ حج کے لئے عازم سفر ہوئے تاکہ بعد میں لوگوں پر نکل جائیں جب ہم مدینہ طیبہ سے گزرے تو دیکھا کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک ستون کے پاس بیٹھے لوگوں کو حدیث بیان کررہے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، معلوم ہوا وہ جہنمیوں کا تذکرہ کررہے تھے۔ تو میں نے ان سے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی! یہ آپ کیا بیان کررہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ ﴿انك من تدخل النار فقد اخزيته﴾ اور فرماتے ہیں کہ ﴿كلما ارادوا ان يخرجوا منها اعيدوا فيها﴾ اس کے باوجود یہ آپ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم نے قرآن پڑھا ہے؟ میں نے کہا ہاں، فرمایا تو کیا تم نے سنا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کے بارے میں جس پر وہ بھیجے جائیں گے۔ میں نے کہا ہاں! انہوں نے فرمایا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے مقام محمود یہ وہی مقام ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا جہنم سے نکالے گا۔ پھر اس کے بعد جابرؓ نے پل صراط کا ذکر فرمایا اور اس پر سے لوگوں کے گذرنے کا ذکر کیا اور مجھے یہ ڈر ہے کہ میں اسے یاد نہ رکھ سکوں گا مگر یہ کہ انہوں نے فرمایا: کچھ لوگ دوزخ سے نکالے جائیں گے اس میں جانے کے بعد اور جب نکالے جائیں گے تو وہ تل

کی لکڑی کے مانند ہوں گے۔ پھر وہ جنت کی نہروں میں داخل ہوں گے۔ اس میں غسل کریں گے اور کاغذ کی مانند سفید ہو کر نکلیں گے۔ (یزید کہتے ہیں) پھر ہم وہاں سے نکلے۔ ہم نے لوگوں سے کہا تمہاری بربادی ہو کیا یہ شیخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھ رہا ہے؟ (یعنی سچ کہہ رہا ہے) پھر ہم سب حج سے واپس لوٹے اور خدا کی قسم! ہم میں سے مسلک اعتزال وخوارج کی طرف کوئی نہیں نکلا سوائے ایک شخص کے۔

## تشریح

''یزید الفقیر'' یہ راوی یزید بن صہیب کوفی ہے ان کی کنیت ابوعثمان ہے اس کو فقیر مالی تنگی کی وجہ سے نہیں کہتے ہیں بلکہ ان کی ریڑھ کی ہڈی میں زخم لگا تھا جس کی وجہ سے اس کی کمر جھک گئی تھی اور تکلیف ہوتی تھی فقار الظہر ریڑھ کے مہرہ کو کہتے ہیں۔

''قد شغفنی'' یعنی مجھے خوارج کی اس رائے میں بہت دلچسپی تھی کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار ہوگا کبھی جہنم سے نہیں نکلے گا۔

''ثم نخرج علی الناس'' یعنی کسی مضبوط پکے خارجی سے خوارج کا عقیدہ خوب سیکھ لیں گے اور پھر اس کو پھیلانے اور سمجھانے کے لئے لوگوں کے پاس جائیں گے۔

''الذی تقولون'' آپ لوگ یہ کیا بات کرتے ہو کہ مرتکب کبیرہ دوزخ سے نکل آئے گا حالانکہ قرآن میں اس کے بارے میں ہے کہ ایسا شخص دوزخ سے باہر نہیں آسکتا ہے کیونکہ جو شخص دوزخ میں گیا وہ ذلیل اور خوار ہو جاتا ہے نیز وہ باہر نکلنے کی کوشش بھی کریگا مگر اس کو اندر لوٹایا جائے گا۔ ''نعت'' یعنی پل صراط کے رکھنے اور لوگوں کے گذرنے کا قصہ بیان کیا۔

''ومر الناس'' یعنی پل صراط پر لوگوں کے گذرنے کا پورا قصہ بیان کیا۔ مر کا لفظ مصدر ہے الناس کی طرف مضاف ہے۔

''واخاف ان لا اکون احفظ'' یعنی مجھے خوف رہا کہ میں پورا یاد نہ کرسکوں گا تو پھر بیان کرنا مشکل ہو جائیگا۔

''قد زعم'' یہ زعم قال کے معنی میں یہاں استعمال ہوا ہے یعنی صحابی نے کہا۔

''عیدان السماسم'' اس لفظ میں بہت پریشانی ہے کہ یہ کیا چیز ہے اور مطلب کیا ہے عیدان تو عود کی جمع ہے لکڑی کو کہتے ہیں اب السماسم کیا چیز ہے تو اس میں کچھ اقوال ہیں۔ ایک قول تو علامہ ابن اثیر جزری کا ہے وہ کہتے ہیں کہ سماسم سمسم کی جمع ہے اور سمسم وہی معروف بیج ہے جو تل کے نام سے مشہور ہے اور جس سے تیل نکالا جاتا ہے۔ اس تل کو حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس کے پودے کاٹے جاتے ہیں پھر اس کو دھوپ میں پھیلا کر رکھے جاتے ہیں جب دھوپ میں اس کی لکڑی خوب سوکھ جاتی ہے تو خوب کالی پڑ جاتی ہے گویا کوئلہ ہے پھر اس کے دانے الگ کیے جاتے ہیں تو کالے ہونے کی وجہ سے جہنمیوں کی تشبیہ ان لکڑیوں کے ساتھ دیدی گئی ہے۔ دوسرا قول قاضی عیاض رحمہ اللہ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ سماسم نہیں ہے یہ اس لفظ میں تحریف ہے اصل لفظ الساسم ہے جو شیشم کے معنی میں ہے اور شیشم آبنوس کی لکڑی کو کہتے ہیں یہ لکڑی سیاہ تر ہوتی ہے اور اسی میں جہنمیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

علامہ نووی نے پہلے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ قاضی عیاض نے دوسرے قول کو راجح کہا ہے۔

''کانھم القراطیس'' یہ قرطاس کی جمع ہے یعنی ان کے چہرے غسل کے بعد کاغذ کی طرح سفید ہونگے اور چمکتے ہونگے۔

''فرجعنا'' یزید فقیر کہتے ہیں کہ ہم حج سے واپس آگئے تو ہم نے کہا کہ لوگو! تم کو ہلاکت ہو کیا ایسے روشن چہرے والے بوڑھے صحابی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بول سکتے ہیں تم خود جھوٹے ہو چنانچہ ان میں سے سب نے مسلک اعتزال اور مسلک خوارج سے توبہ کرلیا مگر ایک بوڑھے نے توبہ نہیں کیا۔

''او کما قال ابو نعیم'' ابو نعیم فضل بن دکین راوی کی کنیت ہے جو امام مسلم کے شیخ ہیں یہاں ''او کما قال'' احتیاط کے طور پر کہا گیا ہے اور یہ راویوں کے آداب میں سے ایک ادب ہے کہ جب کوئی راوی روایت بالمعنی کرتا ہے تو آخر میں بطور احتیاطا او کما قال کہتا ہے تاکہ الفاظ میں اونچ نیچ اور تغیر کی ذمہ داری سے بچ جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے نقل کرنے کے بعد بھی علماء اس طرح کہتے ہیں بشرطیکہ حدیث زبانی طور پر نقل کیا جا رہا ہو۔

۴۷۴۔ **حَدَّثَنَا** هَدَّابُ بْنُ خَالِدٍ الْاَزْدِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ عِمْرَانَ وَثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ اَرْبَعَةٌ فَيُعْرَضُوْنَ عَلَى اللّٰهِ فَيَلْتَفِتُ اَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ اَيْ رَبِّ! اِذْ اَخْرَجْتَنِيْ مِنْهَا فَلَا تُعِدْنِيْ فِيْهَا فَيُنْجِيْهِ اللّٰهُ مِنْهَا۔

> حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم سے چار آدمی نکالے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک کی طرف متوجہ ہوں گے تو وہ کہے گا اے رب! جب آپ نے مجھے جہنم سے نکال ہی دیا ہے تو دوبارہ مجھے اس میں نہ لوٹائیے گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اسے نجات دے دیں گے۔

## تشریح

''یخرج من النار اربعۃ'' شاید یہ چار آدمی دوزخ میں بہت چیختے چلاتے ہونگے اس لئے ان کو دوزخ سے نکالا گیا اور پھر واقعہ ملا دو اس طرح ہوا جو اس حدیث میں ہے۔

ترمذی میں دو آدمیوں کا قصہ ہے کہ دوزخ میں بہت شور کر رہے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے نکالنے کا حکم دیدیا اور پھر ان سے پوچھا کہ اتنا چیخ کر شور کیوں کرتے تھے ان دونوں نے کہا کہ ہم اس لئے چیخ کر رو رہے تھے کہ آپ ہم پر رحم کریں اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ میرا رحم تم پر یہ ہے کہ دونوں پھر جہنم میں چلے جاؤ چنانچہ ایک تو جا کر دوزخ میں چھلانگ لگادیگا جس پر آگ ٹھنڈی ہوجائے گی۔ دوسرے سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم اپنے ساتھی کی طرح دوبارہ دوزخ میں کیوں نہیں گئے؟ وہ فرمائے گا کہ اے اللہ! جب

آپ نے مجھے دوزخ سے نکالا تو مجھے امید ہوگئی تھی کہ آپ مجھے دوبارہ دوزخ میں نہیں ڈالیں گے اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھے تیری امید حاصل ہو جائے گی دونوں جنت میں چلے جاؤ، یہاں بھی ان چار آدمیوں کا قصہ شاید اسی طرح ہو۔

٤٧٥ ـ **حَدَّثَنَا** اَبُوْ كَامِلٍ فُضَيْلُ بْنُ حُسَيْنِ الْجَحْدَرِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْغُبَرِيُّ وَاللَّفْظُ لِاَبِيْ كَامِلٍ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَهْتَمُّوْنَ لِذٰلِكَ وَقَالَ ابْنُ عُبَيْدٍ فَيُلْهَمُوْنَ لِذٰلِكَ فَيَقُوْلُوْنَ لَوِ اسْتَشْفَعْنَا عَلٰى رَبِّنَا حَتّٰى يُرِيْحَنَا مِنْ مَكَانِنَا هٰذَا قَالَ فَيَاْتُوْنَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُوْلُوْنَ اَنْتَ آدَمُ اَبُو الْخَلْقِ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ وَنَفَخَ فِيْكَ مِنْ رُوْحِهٖ وَاَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوْا لَكَ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّكَ حَتّٰى يُرِيْحَنَا مِنْ مَكَانِنَا هٰذَا فَيَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ فَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ الَّتِيْ اَصَابَ فَيَسْتَحْيِيْ رَبَّهُ مِنْهَا وَلٰكِنِ ائْتُوْا نُوْحًا اَوَّلَ رَسُوْلٍ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَالَ فَيَاْتُوْنَ نُوْحًا عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ فَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ الَّتِيْ اَصَابَ فَيَسْتَحْيِيْ رَبَّهُ تَعَالٰى مِنْهَا وَلٰكِنِ ائْتُوْا اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ الَّذِي اتَّخَذَهُ اللّٰهُ خَلِيْلًا فَيَاْتُوْنَ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ الَّتِيْ اَصَابَ فَيَسْتَحْيِيْ رَبَّهُ مِنْهَا وَلٰكِنِ ائْتُوْا مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ الَّذِيْ كَلَّمَهُ اللّٰهُ وَاَعْطَاهُ التَّوْرَاةَ قَالَ فَيَاْتُوْنَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ الَّتِيْ اَصَابَ فَيَسْتَحْيِيْ رَبَّهُ مِنْهَا وَلٰكِنِ ائْتُوْا عِيْسٰى رُوْحَ اللّٰهِ وَكَلِمَتَهُ فَيَاْتُوْنَ عِيْسٰى رُوْحَ اللّٰهِ وَكَلِمَتَهُ فَيَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَلٰكِنِ ائْتُوْا مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدًا قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَاْتُوْنِيْ فَاَسْتَاْذِنُ عَلٰى رَبِّيْ فَيُؤْذَنُ لِيْ فَاِذَا اَنَا رَاَيْتُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِيْ مَا شَاءَ اللّٰهُ فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَاْسَكَ قُلْ تُسْمَعْ سَلْ تُعْطَهْ اِشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَرْفَعُ رَاْسِيْ فَاَحْمَدُ رَبِّيْ بِتَحْمِيْدٍ يُعَلِّمُنِيْهِ رَبِّيْ ثُمَّ اَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِيْ حَدًّا فَاُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَاُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ اَعُوْدُ فَاَقَعُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِيْ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَدَعَنِيْ ثُمَّ يُقَالُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ يَا مُحَمَّدُ! قُلْ تُسْمَعْ سَلْ تُعْطَهْ اِشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَرْفَعُ رَاْسِيْ فَاَحْمَدُ رَبِّيْ بِتَحْمِيْدٍ يُعَلِّمُنِيْهِ ثُمَّ اَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِيْ حَدًّا فَاُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَاُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ قَالَ فَلَا اَدْرِيْ فِي الثَّالِثَةِ اَوْ فِي الرَّابِعَةِ قَالَ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ! مَا بَقِيَ فِي النَّارِ اِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ اَيْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُوْدُ قَالَ ابْنُ عُبَيْدٍ فِيْ رِوَايَتِهٖ قَالَ قَتَادَةُ اَيْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُوْدُ ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز سب لوگوں کو جمع فرمائیں گے پھر وہ کوشش کریں گے یا ان کے دل میں الہام ہوگا کہ اس مصیبت سے نجات حاصل کریں۔ وہ کہیں گے کہ کاش ہم اپنی سفارش کروائیں اپنے پروردگار کے پاس تا کہ ہمیں اس مکان سے نجات مل جائے

اور راحت حاصل ہو۔ چنانچہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور کہیں گے آپ آدم علیہ السلام ہیں ساری مخلوق کے باپ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور اپنی روح آپ میں ڈال دی اور ملائکہ کو حکم دیا تو انہوں نے آپ کو سجدہ کیا لہٰذا اپنے رب کے پاس ہماری سفارش کر دیجئے تا کہ وہ ہمیں اس مقام سے راحت دے۔ آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں آج اس قابل نہیں۔ پھر وہ اپنی خطاء یاد کریں گے اور رب ذوالجلال سے اس خطا کی بناء پر شرمائیں گے۔ وہ کہیں گے البتہ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ پہلے پیغمبر ہیں جنہیں اللہ نے مبعوث فرمایا چنانچہ وہ نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ کہیں گے کہ میرا یہ مقام نہیں اور اپنی خطا کو یاد کریں گے جوان سے دنیا میں سرزد ہوئی تھی اور اپنے رب سے شرمائیں گے اور کہیں گے کہ لیکن تم ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ انہیں تو اللہ نے اپنا خلیل اور دوست بنایا ہے۔ چنانچہ سب ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ کہیں گے کہ میں تو اس قابل نہیں اور وہ بھی دنیا میں اپنی خطا کو یاد کر کے اپنے رب سے حیا فرمائیں گے۔ اور کہیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ ان سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور ان کو تورات عطا فرمائی، وہ سب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو کہیں گے کہ میں تو اس لائق نہیں ہوں، وہ بھی دنیا میں اپنی خطا کو یاد کر کے حیاء کریں گے لیکن تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے کلمہ کن سے پیدا کیا اور اس کی طرف روح ہیں لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے یہ میرا مقام نہیں البتہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ کہ اللہ کے ایسے بندے ہیں جن کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ میرے پاس آئیں گے تو میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا، مجھے اجازت ملے گی جب میں اس کا دیدار کروں گا تو سجدہ میں گر پڑوں گا اور جب تک اللہ کو منظور ہوگا وہ مجھے اسی حالت میں رہنے دے گا پھر کہا جائے گا اے محمد! سر اٹھایئے اور سفارش کیجئے، سفارش قبول کی جائے گی، چنانچہ میں اپنا سر اٹھاؤں گا، اپنے رب کی تعریف کروں گا جیسا کہ میرا رب مجھے اپنی تعریف سکھلائے گا۔ پھر میں سفارش کروں گا تو میرے لئے ایک حد متعین کر دی جائے گی میں اس حد کے مطابق لوگوں کو جہنم سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کروں گا میں پھر لوٹ کر رب کے پاس جاؤں گا اور سجدہ کروں گا تو میرا رب مجھے رہنے دے گا اسی حالت میں جب تک اسے منظور ہوگا۔ پھر مجھ سے کہا جائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھایئے، کہیئے آپ کی بات سنی جائے گی۔ مانگئے آپ کو دیا جائیگا، شفاعت فرمایئے، آپ کی شفاعت کو قبول کیا جائے گا۔ چنانچہ میں اپنا سر اٹھاؤں گا اپنے رب کی تعریف جیسے اس نے مجھے سکھلائی کروں گا، پھر شفاعت کروں گا تو میرے لئے ایک حد مقرر کی جائے گی میں اس حد کے اندر اندر لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔ میں نہیں جانتا کہ پھر تیسری بار یا چوتھی بار آپ نے فرمایا کہ میں کہوں گا اے میرے رب! اب تو دوزخ میں کوئی باقی نہیں رہا سوائے اس کے جسے قرآن نے روک رکھا ہے۔ یعنی قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق جن پر خلود واجب ہوگا۔

کتاب الایمان

## تشریح

''فیھتمون ذلك ''یعنی میدان محشر میں پڑے رہنے سے تنگ آجائیں گے تو سوچیں گے پریشان ہونگے خلاصی کے لئے کوئی اہتمام کریں گے ایک روایت میں ''فیلھمون'' کا لفظ ہے دونوں کا معنی قریب قریب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو الہام ہوجائے گا کہ انبیاء کرام کی طرف رجوع کرکے شفاعت کا دروازہ کھٹکھٹاؤ''خلقك اللہ بیدہ ''یہ اضافت تشریفیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنے مقدس ہاتھوں سے بنایا ہے ایک حدیث میں ہے کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اے اللہ! یہ انسان دنیا میں مزے کررہے ہیں ان کو آپ دنیا دیدیں اور ہمیں آخرت دیدیں اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ میں نے تم کو کلمہ ''کن'' سے پیدا کیا ہے اور انسان کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے اگر یہ راہ راست پر رہا تو دنیا وآخرت دونوں ان کو دوں گا یعنی ان کے بنانے میں مجھے محنت کرنی پڑی ہے اور تم کو صرف کلمہ کن سے پیدا کیا ہے یہ تفصیل بندہ نے وضاحت کے لئے اور سمجھانے کے لئے کی ہے۔

''لست ھناکم ''یعنی میں اس مقام شفاعت کے لئے مناسب نہیں ہوں میں تمہیں کہہ رہا ہوں ''ھنا''اسم اشارہ مکانیہ ہے اور کم خطاب ہے''ذلکم اللہ ربکم ''یعنی یہ جو صفات والا اللہ ہے تمہیں کہہ رہا ہوں یہ تمہارا رب ہے ان مقامات میں اسم اشارہ کسی چیز کی طرف ہوتا ہے مگر خطاب کسی اور مخاطب کو ہوتا ہے جیسے کیف تی کن میں اشارہ حضرت عائشہ کو ہے اور کن خطاب دیگر ازواج کو ہے۔

''فیذکر خطیئتہ ''یعنی حضرت آدم علیہ السلام اپنے ایک غلطی کو ذکر فرمائیں گے یہاں مناسب ہے کہ عصمت انبیاء سے متعلق کچھ بات ہوجائے۔

## عصمت انبیاء کا مسئلہ

قاضی عیاض ؒفرماتے ہیں کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ انبیاء کرام نبوت ملنے سے پہلے بھی اور نبوت ملنے کے بعد بھی کفر وشرک سے معصوم ہوتے ہیں اسی طرح انبیاء کرام قبل النبوۃ اور بعد النبوۃ ارتکاب کبیرہ سے بھی معصوم ہوتے ہیں اسی طرح انبیاء کرام ان چھوٹے گناہوں سے بھی معصوم ہوتے ہیں جس کے ارتکاب سے تحقیر وتوہین پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح انبیاء کرام اپنے تبلیغی اور تعلیمی اقوال میں بھی صغائر وکبائر سے معصوم ہوتے ہیں ہاں جو امور انبیاء کرام کے فعل سے متعلق ہوں اور وہ صغائر کے قبیل سے ہوں تو اس میں علماء کا اختلاف ہے علماء کے ایک طبقے نے اس کے ارتکاب کو بھی ممنوع قرار دیا ہے مگر جمہور کا خیال ہے کہ بھول کر اس طرح ارتکاب ہوسکتا ہے مگر اس پر دوام نہیں ہوسکتا بلکہ یہ ایک لغزش ہوتی ہے جیسے گرنے کی لغزش میں آدمی فوراً اٹھ جاتا ہے اس میں دوام نہیں ہوتا۔

ان صورتوں کے علاوہ جملہ صغائر کے ارتکاب کے بارے میں علماء محققین کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء کرام تمام صغائر کے ارتکاب سے معصوم

ہیں اور قرآن وحدیث میں ان کی طرف غلطی کی جونسبت ہے اس میں تاویل کرنا پڑے گی کہ یا سہو کی بنیاد پر ہوئی ہے یا شان رفیع کے پیش نظر حسنات الابرار سیئات المقربین کے طور پر ہے اور یہی راجح مذہب ہے (هذه خلاصة مافي النووي وفتح الملهم)۔

''اول رسول'' یعنی حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں جو قوم کفار کی طرف بھیجے گئے ہیں اور قوم سے مقابلہ ہوا نبی اور رسول میں جو فرق ہے وہ اس جملہ سے واضح ہو جاتا ہے ابتدائی خطبہ میں اس پر کلام کر چکا ہوں۔

''عيسى روح الله'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے کسی لغزش کا تذکرہ نہیں کیا لیکن دیگر تفصیلی روایات میں ہے کہ وہ فرمائیں گے کہ لوگوں نے مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ میرا مؤاخذہ نہ ہو جائے۔

''فيحدلي حدا'' یعنی ایک حد بندی ہو جائے گی کہ اس حد تک شفاعت کر سکتے ہو اس سے آگے نہیں کر سکتے ہو۔

''حبسه القرآن'' قرآن میں جن لوگوں کو مخلد في النار کہا گیا ہے وہ اندر رہ جائیں وہ قرآن کی یہ آیت ہے ﴿ان الله لايغفران يشرك به ويغفرمادون ذلك لمن يشآء﴾

۴۷۶۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ عَدِيٍّ عَنْ سَعِيْدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَمِعُ الْمُؤْمِنُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَهْتَمُّوْنَ بِذٰلِكَ اَوْيُلْهَمُوْنَ ذٰلِكَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ اَبِيْ عَوَانَةَ وَقَالَ فِي الْحَدِيْثِ ثُمَّ آتِيْهِ الرَّابِعَةَ اَوْاَعُوْدُ الرَّابِعَةَ فَاَقُوْلُ يَارَبِّ! مَابَقِيَ اِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْاٰنُ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز مؤمنین جمع ہوں گے اور ان کے دل میں یہ بات ڈالی جائے گی یا وہ کوشش کریں گے۔ آگے سابقہ حدیث کی مانند ہی ذکر فرمایا۔ باقی اس میں اضافہ ہے کہ میں چوتھی مرتبہ اپنے پروردگار کے پاس آؤں گا یا لوٹوں گا اور عرض کروں گا اے پروردگار! اب تو دوزخ میں ان لوگوں کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہا جنہیں قرآن نے روک رکھا ہے۔

۴۷۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْهَمُوْنَ لِذٰلِكَ بِمِثْلِ حَدِيْثِهِمَا وَذَكَرَ فِي الرَّابِعَةِ فَاَقُوْلُ يَارَبِّ! مَابَقِيَ فِي النَّارِ اِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْاٰنُ اَيْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُوْدُ۔

اس سند سے بھی سابقہ حدیث معمولی فرق سے منقول ہے۔ انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام مؤمنوں کو جمع فرمائے گا اور ان کے دل میں یہ بات ڈالی جائے گی ...الخ۔ باقی اس حدیث میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا میں چوتھی مرتبہ عرض کرونگا کہ اے پروردگار! اب تو جہنم میں ان لوگوں کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہا جنہیں قرآن کے حکم نے روک دیا یعنی دوزخ میں ہمیشہ رہنے کے مستحق ہیں۔

۴۷۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِنْهَالٍ الضَّرِيْرُ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ اَبِيْ عَرُوْبَةَ وَهِشَامٌ صَاحِبُ

الدَّسْتَوَائِيُّ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح: وَحَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاذٌ وَهُوَ ابْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ شَعِيرَةً ثُمَّ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ بُرَّةً ثُمَّ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ ذَرَّةً زَادَ ابْنُ مِنْهَالٍ فِي رِوَايَتِهِ قَالَ يَزِيدُ فَلَقِيتُ شُعْبَةَ فَحَدَّثْتُهُ بِالْحَدِيثِ فَقَالَ شُعْبَةُ حَدَّثَنَا بِهِ قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَدِيثِ إِلَّا أَنَّ شُعْبَةَ جَعَلَ مَكَانَ الذَّرَّةِ ذُرَةً قَالَ يَزِيدُ صَحَّفَ فِيهَا أَبُو بِسْطَامٍ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم سے نکالا جائے گا ہر وہ شخص جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے قلب میں جو کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوا۔ پھر جہنم سے وہ شخص نکالا جائے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے قلب میں گیہوں کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو۔ پھر جہنم سے وہ شخص نکالا جائے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے قلب میں چیونٹی کے برابر بھی ایمان ہو۔ ابن منہال کی روایت میں یہ ہے کہ یزید بن زریع نے کہا کہ میں شعبہ سے ملا اور ان سے یہ حدیث بیان کی تو شعبہ نے فرمایا ہمیں یہ حدیث قتادہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اور انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ملی ہے۔ البتہ شعبہ نے ذَرّہ کے بجائے ذُرہ کا لفظ استعمال کیا۔ یزید نے کہا کہ ابو بسطام نے اس میں تصحیف کی ہے۔

## تشریح

''الشعیرۃ'' جو کے دانے کو شعیرہ کہتے ہیں جو کا دانہ گندم سے بڑا ہوتا ہے اس لئے اس کو پہلے ذکر کیا پھر ''بُرۃ'' گندم کا ذکر کیا گیا پھر ''ذرۃ'' کا ذکر کیا گیا کیونکہ ذرہ اس معمولی چیز کا نام ہے جو کھڑکی یا روشندان سے اندر آنے والی دھوپ میں نظر آتی ہے یہاں راوی نے اس کو ذال کے پیش کے ساتھ بنا کر ذُرَۃ کر دیا جو مکی کے دانہ کو کہتے ہیں حالانکہ جو اور گندم کے بعد ذرہ تو سمجھ میں آسکتا ہے کہ چھوٹا ہے لیکن مکی کا دانہ کیسے سمجھ میں آئے گا وہ تو سب سے بڑا ہے۔ اس لئے شیخ یزید نے کہا کہ ابو بسطام نے یہ تصحیف کی ہے۔ شعبہ کی کنیت ابو بسطام ہے ذَرۃ زبر کے ساتھ ''ذر'' کا مفرد بھی ہے جو بالکل چھوٹی سی چیونٹی کو کہتے ہیں یہاں چیونٹی بھی مراد لی جاسکتی ہے مگر مکی کا دانہ نہیں لیا جاسکتا اگرچہ غلوں کے دانوں کے تسلسل میں مکی کا ذکر بہت مناسب ہے۔

۴۷۹۔ **حَدَّثَنِي** أَبُو الرَّبِيعِ الْعَتَكِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا مَعْبَدُ بْنُ هِلَالٍ الْعَنَزِيُّ ح: وَحَدَّثَنَاهُ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا مَعْبَدُ بْنُ هِلَالٍ الْعَنَزِيُّ قَالَ انْطَلَقْنَا إِلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَتَشَفَّعْنَا

بِثَابِتٍ فَانْتَهَيْنَا إِلَيْهِ وَهُوَ يُصَلِّي الضُّحٰى فَاسْتَأْذَنَ لَنَا ثَابِتٌ فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ وَأَجْلَسَ ثَابِتًا مَعَهُ عَلٰى سَرِيْرِهٖ فَقَالَ لَهٗ يَا أَبَا حَمْزَةَ إِنَّ إِخْوَانَكَ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ يَسْأَلُوْنَكَ أَنْ تُحَدِّثَهُمْ حَدِيْثَ الشَّفَاعَةِ، قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ فَيَأْتُوْنَ آدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ لَهُ اشْفَعْ لِذُرِّيَّتِكَ فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِإِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِنَّهٗ خَلِيْلُ اللّٰهِ فَيَأْتُوْنَ إِبْرَاهِيْمَ فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِنَّهٗ كَلِيْمُ اللّٰهِ تَعَالٰى فَيُؤْتٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِعِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِنَّهٗ رُوْحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ فَيُؤْتٰى عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُوْتٰى فَأَقُوْلُ أَنَا لَهَا فَأَنْطَلِقُ فَأَسْتَأْذِنُ عَلٰى رَبِّيْ فَيُؤْذَنُ لِيْ فَأَقُوْمُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَأَحْمَدُهٗ بِمَحَامِدَ لَا أَقْدِرُ عَلَيْهِ الْآنَ يُلْهِمُنِيْهِ اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ أَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ لِيْ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُوْلُ رَبِّ! أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ فَيُقَالُ انْطَلِقْ فَمَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ بُرَّةٍ أَوْ شَعِيْرَةٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنْهَا فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ثُمَّ أَرْجِعُ إِلٰى رَبِّيْ فَأَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ أَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ لِيْ يَا مُحَمَّدُ! ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُوْلُ يَا رَبِّ! أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ فَيُقَالُ لِيْ انْطَلِقْ فَمَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنْهَا فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ثُمَّ أَعُوْدُ إِلٰى رَبِّيْ فَأَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ أَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ لِيْ يَا مُحَمَّدُ! ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُوْلُ يَا رَبِّ! أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ فَيُقَالُ لِيْ انْطَلِقْ فَمَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ أَدْنٰى أَدْنٰى أَدْنٰى مِنْ مِثْقَالِ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ـ هٰذَا حَدِيْثُ أَنَسٍ الَّذِيْ أَنْبَأَنَا بِهٖ قَالَ فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهٖ فَلَمَّا كُنَّا بِظَهْرِ الْجَبَّانِ قُلْنَا لَوْ مِلْنَا إِلَى الْحَسَنِ فَسَلَّمْنَا عَلَيْهِ وَهُوَ مُسْتَخْفٍ فِيْ دَارِ أَبِيْ خَلِيْفَةَ قَالَ فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ فَسَلَّمْنَا عَلَيْهِ قُلْنَا يَا أَبَا سَعِيْدٍ جِئْنَا مِنْ عِنْدِ أَخِيْكَ أَبِيْ حَمْزَةَ فَلَمْ نَسْمَعْ مِثْلَ حَدِيْثٍ حَدَّثَنَاهُ فِي الشَّفَاعَةِ قَالَ هِيْهِ! فَحَدَّثْنَاهُ الْحَدِيْثَ فَقَالَ هِيْهِ! قُلْنَا مَا زَادَنَا قَالَ قَدْ حَدَّثَنَا بِهٖ مُنْذُ عِشْرِيْنَ سَنَةً وَهُوَ يَوْمَئِذٍ جَمِيْعٌ وَلَقَدْ تَرَكَ شَيْئًا مَا أَدْرِيْ أَنَسِيَ الشَّيْخُ أَوْ كَرِهَ أَنْ يُحَدِّثَكُمْ فَتَتَّكِلُوْا قُلْنَا لَهٗ حَدِّثْنَا فَضَحِكَ وَقَالَ خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ مَا ذَكَرْتُ لَكُمْ هٰذَا إِلَّا وَأَنَا أُرِيْدُ أَنْ أُحَدِّثَكُمُوْهُ ـ قَالَ ثُمَّ أَرْجِعُ إِلٰى رَبِّيْ فِي الرَّابِعَةِ فَأَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ أَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ لِيْ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُوْلُ يَا رَبِّ! ائْذَنْ لِيْ فِيْمَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَيْسَ ذَاكَ لَكَ أَوْ قَالَ لَيْسَ ذَاكَ إِلَيْكَ وَلٰكِنْ وَعِزَّتِيْ وَكِبْرِيَائِيْ وَعَظَمَتِيْ وَجِبْرِيَائِيْ لَأُخْرِجَنَّ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ـ

قَالَ فَأَشْهَدُ عَلَى الْحَسَنِ أَنَّهُ حَدَّثَنَا بِهِ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ أُرَاهُ قَالَ قَبْلَ عِشْرِينَ سَنَةً وَهُوَ يَوْمَئِذٍ جَمِيعٌ ۔

معبد بن ہلال العنزی کہتے ہیں کہ ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی طرف چلے اور ثابت سے سفارش کروائی۔ پھر ہم ان کے پاس جا پہنچے چاشت کے وقت وہ نماز پڑھ رہے تھے چاشت کی۔ ثابت نے ہمارے لئے اجازت مانگی۔ پھر ہم ان کے پاس داخل ہوئے۔ انہوں نے ثابت کو اپنے ساتھ اپنی چارپائی پر بٹھایا۔ پھر ثابت نے کہا کہ اے ابوحمزہ! بے شک آپ کے یہ بصرہ والے بھائی آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان سے شفاعت کی حدیث بیان کردیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو لوگ ایک دوسرے کے پاس گھبراہٹ کے مارے آئیں گے جائیں گے۔ پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اپنی اولاد کے لئے سفارش کیجئے؟ وہ کہیں گے میں اس کے قابل نہیں ہوں۔ لیکن تم ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ وہ خلیل اللہ ہیں۔ وہ سب ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو ابراہیم علیہ السلام بھی کہیں گے کہ میں اس مقام کے لئے نہیں ہوں۔ لیکن تمہیں موسیٰ علیہ السلام کے پاس جانا چاہئے کہ وہ کلیم اللہ ہیں۔ لوگ ان کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے کہ میں تو اس مقام کے لئے نہیں تمہیں لازم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ روح اللہ اور اس کا کلمہ ہیں، انہیں عیسیٰ علیہ السلام کے پاس لے جایا جائے گا وہ کہیں گے کہ میرا یہ مقام نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، چنانچہ وہ میرے پاس لائے جائیں گے میں کہوں گا کہ ہاں! یہ کام میں ہی کروں گا میں چلوں گا اور اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا، مجھے اجازت دی جائے گی۔ پھر میں رب العالمین کے روبرو کھڑا ہوں گا اور اس کی ایسی تعریف کروں گا کہ ابھی میں اس تعریف کے کرنے پر قادر نہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی وقت وہ تعریف میرے دل میں الہام کرے گا۔ پھر میں سجدہ میں جا پڑوں گا تو مجھ سے کہا جائے گا اے محمد! سر اٹھایئے اور کہئے آپ کی بات سنی جائے گی اور مانگئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں کہوں گا اے میرے رب! میری امت! میری امت! مجھے کہا جائے گا جایئے اور جس کے قلب میں بھی گیہوں یا جو کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو، اسے دوزخ سے نکال لیجئے۔ میں جاؤں گا پھر واپس آؤں گا اپنے رب کے پاس اور اسی طرح اس کی تعریف کروں گا پھر سجدہ میں پڑ جاؤں گا۔ مجھ سے کہا جائیگا اے محمد! سر اٹھایئے، کہئے آپ کی بات سنی جائے گی، مانگئے عطا کیا جائے گا، شفاعت کیجئے شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں پھر کہوں گا اے میرے رب! میری امت! میری امت! مجھ سے کہا جائے گا جایئے اور جس کے قلب میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو، اسے نکال لیجئے۔ میں جاؤں گا اور یہ کام کرکے لوٹوں گا اپنے رب کے پاس پھر اسی طرح اس کی تعریف کرونگا، پھر سجدہ میں گر پڑوں گا، مجھ سے کہا جائے گا اے محمد! سر اٹھایئے کہئے بات سنی جائے گی، مانگئے دیا جائیگا، شفاعت کیجئے قبول ہوگی، میں کہوں گا اے میرے رب! میری امت! میری امت! مجھ

کہا جائیگا جایئے اور جس کے قلب میں رائی کے دانہ سے کم اور کم اور بھی کم ایمان ہو اسے جہنم سے نکال لیجئے۔ میں جاؤں گا اور یہ کام کروں گا۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو انہوں نے ہم سے بیان کی۔ پھر ہم ان کے پاس سے نکلے، جب ہم جبان کے صحراء میں بلندی پر پہنچے تو ہم نے آپس میں کہا کاش ہم حسن بصریؒ کے پاس بھی جائیں۔ انہیں سلام کرتے چلیں وہ دارابی خلیفہ میں روپوشی اختیار کیے ہوئے تھے، چنانچہ ہم ان کے پاس گئے اور انہیں سلام کیا اور کہا کہ اے ابو سعید! ہم آپ کے بھائی ابوحمزہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے آرہے ہیں انہوں نے شفاعت کے متعلق ایسی حدیث ہم سے بیان کی کہ ہم نے کبھی سنی نہ تھی انہوں نے فرمایا بتاؤ۔ پھر ہم نے حسنؒ سے تمام حدیث بیان کر دی۔ انہوں نے کہا اور بیان کرو۔ ہم نے کہا ہم سے تو اس سے زیادہ نہیں بیان کی۔ وہ کہنے لگے یہ حدیث انہوں نے ہم سے بیس سال قبل بیان کی تھی اور اس وقت وہ طاقتور تھے اور انہوں نے کچھ باتیں چھوڑ دی ہیں مجھے نہیں معلوم کہ شیخ بھول گئے ہیں یا انہوں نے تم سے بیان کرنا مناسب نہ خیال کیا کہ کہیں تم اسی پر توکل و بھروسہ کر کے بیٹھ جاؤ۔ ہم نے کہا آپ وہ بیان کر دیجئے۔ حسن بصریؒ اس پر ہنس پڑے اور فرمایا کہ انسان کی خلقت میں عجلت اور جلدی ہے میں نے یہ ساری بات اسی لئے ذکر کی تھی تاکہ بقیہ حدیث بھی تم سے بیان کروں۔ میں پھر چوتھی بار بھی اپنے رب کے پاس لوٹوں گا اور اسی طرح اس کی تعریف کروں گا، پھر سجدہ میں پڑ جاؤں گا تو اللہ رب العالمین فرمائیں گے اے محمد! سر اٹھایئے! کہئے آپ کی بات سنی جائے گی، مانگئے آپ کو عطا کیا جائے گا، سفارش کیجئے آپ کی سفارش قبول ہوگی۔ میں کہوں گا اے میرے رب! مجھے ہر اس شخص کے بارے میں اجازت دیجئے جس نے بھی لا الہ الا اللہ کہا ہے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے یہ تمہارا اختیار نہیں، لیکن میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! میری کبریائی کی قسم! میری عظمت کی قسم! میری جبروت کی قسم! میں ضرور بالضرور ہر اس شخص کو جہنم سے نکالوں گا جس نے بھی لا الہ الا اللہ کہا ہوگا۔ معبد کہتے ہیں کہ میں گواہ بناتا ہوں حسن بصریؒ پر کہ انہوں نے ہم سے یہ حدیث بیان کی اور انہوں نے اسے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا میرا خیال ہے کہ یہ بھی فرمایا کہ بیس برس قبل اور ان دنوں وہ تندرست تھے۔

## تشریح

''تشفعنا بثابت'' یعنی حضرت انس کے دوست ثابت کے ذریعہ سے ہم نے اجازت لینے کی سفارش کردی ''وھو یصلی الضحیٰ'' معلوم ہوا چاشت کی نماز ثابت ہے۔ ''علی سریرہ'' یعنی ثابت کو حضرت انس نے چارپائی پر اپنے ساتھ بٹھالیا اس سے معلوم ہوا کہ فضلاء علماء کا اکرام کرنا چاہئے۔ ''ماج الناس'' یہ اختلاط کے معنی میں ہے اسی سے سمندر کا موج ہے کہ پانی ایک دوسرے سے مل جاتا ہے گھبراہٹ میں ایسا ہوتا ہے۔ ''اخر ساجدا'' سجدہ میں گر پڑنا مراد ہے یہ بھی جائز ہے کہ پہلے حمد ہو پھر

سجدہ ہوا اور اس کا عکس بھی جائز ہے۔ "رب امتی امتی" یہ شفاعت کبریٰ کے ضمن میں شفاعت صغریٰ کی بات آگئی ہے خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔ "بظهر الجبان" جبان پہاڑ کا نام ہے اور ظہر پشت کو کہتے ہیں یعنی جب ہم جبان پہاڑ کے اوپر پہنچ گئے۔

"لو ملنا" یہ مائل ہونے کے معنی میں مراد ملنا ہے یعنی اگر ہم حسن بصری سے مل لیں تو اچھا ہوگا۔ "مستخف" یعنی حسن بصریؒ ابو خلیفہ کے گھر میں چھپے بیٹھے تھے روپوش تھے کیونکہ حجاج بن یوسف کا ظلم عام تھا۔ "فلم نسمع" یعنی شفاعت کے حوالہ سے ہم نے اس طرح عجیب حدیث کبھی نہیں سنی تھی جو حضرت انس سے سنی۔ "هیه" یعنی لاؤ مجھے سناؤ۔ "وقد ما زادنا" یعنی انس نے اس سے زیادہ ہمیں بیان نہیں کیا ہے تو ہم مزید کہاں سے لائیں۔ "جمیع" یعنی بیس سال پہلے جب حضرت انس ہٹے کٹے کامل جوان تھے اس وقت ہمیں زیادہ سنایا تھا اب معلوم نہیں بھول گئے یا اس لئے تم کو بیان نہیں کیا تا کہ تم عمل میں سستی نہ کرو یا معتزلہ وخوارج کا زور ہے مصلحت نہیں تھی۔ "قلنا له حدثنا" یعنی آپ اس بقیہ حدیث کو بیان کریں۔ اس پر حسن بصریؒ ہنسنے لگے اور فرمایا انسان جلد باز پیدا ہوا ہے میں نے جس حقیقت کی طرف اشارہ کیا اس کا مقصد یہی ہے کہ میں وہ حدیث مکمل بیان کرنا چاہتا ہوں۔

"وجبریائی" جبروت عظمت سلطنت قہر وجبر سب اس کے معانی ہیں۔

۴۸۰۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَمُحَمَّدُبْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَیْرٍ وَاتَّفَقَا فِیْ سِیَاقِ الْحَدِیْثِ اِلَّامَایَزِیْدُ اَحَدُهُمَا مِنَ الْحَرْفِ بَعْدَالْحَرْفِ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَااَبُوْ حَیَّانَ عَنْ اَبِیْ زُرْعَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمًا بِلَحْمٍ فَرُفِعَ اِلَیْهِ الذِّرَاعُ وَكَانَتْ تُعْجِبُهُ فَنَهَسَ مِنْهَا نَهْسَةً فَقَالَ اَنَا سَیِّدُالنَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَهَلْ تَدْرُوْنَ بِمَ ذَاكَ ؟ یَجْمَعُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ فِیْ صَعِیْدٍ وَاحِدٍ فَیُسْمِعُهُمُ الدَّاعِیْ وَیَنْفُذُهُمُ الْبَصَرُ وَتَدْنُو الشَّمْسُ فَیَبْلُغُ النَّاسَ مِنَ الْغَمِّ وَالْكَرْبِ مَالَا یُطِیْقُوْنَ وَمَالَا یَحْتَمِلُوْنَ فَیَقُوْلُ بَعْضُ النَّاسِ لِبَعْضٍ اَلَاتَرَوْنَ مَااَنْتُمْ فِیْهِ ؟ اَلَاتَرَوْنَ مَاقَدْبَلَغَكُمْ ؟ اَلَاتَنْظُرُوْنَ مَنْ یَشْفَعُ لَكُمْ اِلٰی رَبِّكُمْ ؟ فَیَقُوْلُ بَعْضُ النَّاسِ لِبَعْضٍ اِئْتُوْا اٰدَمَ فَیَاْتُوْنَ اٰدَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَیَقُوْلُوْنَ یَااٰدَمُ ! اَنْتَ اَبُوالْبَشَرِ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِیَدِهٖ وَنَفَخَ فِیْكَ مِنْ رُّوْحِهٖ وَاَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوْا لَكَ اِشْفَعْ لَنَا اِلٰی رَبِّكَ اَلَاتَرٰی اِلٰی مَانَحْنُ فِیْهِ ؟ اَلَاتَرٰی اِلٰی مَاقَدْبَلَغَنَا ؟ فَیَقُوْلُ اٰدَمُ اِنَّ رَبِّیْ غَضِبَ الْیَوْمَ غَضَبًا لَمْ یَغْضَبْ قَبْلَهٗ مِثْلَهٗ وَلَنْ یَّغْضَبَ بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ وَاِنَّهٗ نَهَانِیْ عَنِ الشَّجَرَةِ فَعَصَیْتُهٗ نَفْسِیْ نَفْسِیْ اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ اِذْهَبُوْا اِلٰی نُوْحٍ فَیَاْتُوْنَ نُوْحًا عَلَیْهِ السَّلَامُ فَیَقُوْلُوْنَ یَانُوْحُ ! اَنْتَ اَوَّلُ الرُّسُلِ اِلَی الْاَرْضِ وَسَمَّاكَ اللّٰهُ عَبْدًا شَكُوْرًا اِشْفَعْ لَنَا اِلٰی رَبِّكَ اَلَاتَرٰی مَانَحْنُ فِیْهِ ؟ اَلَاتَرٰی مَاقَدْ بَلَغَنَا ؟ فَیَقُوْلُ لَهُمْ اِنَّ رَبِّیْ قَدْغَضِبَ الْیَوْمَ غَضَبًا لَمْ یَغْضَبْ قَبْلَهٗ مِثْلَهٗ وَلَنْ یَّغْضَبَ بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ وَاِنَّهٗ قَدْ كَانَتْ لِیْ دَعْوَةٌ دَعَوْتُ بِهَا عَلٰی قَوْمِیْ نَفْسِیْ نَفْسِیْ اِذْهَبُوْا اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَیَاْتُوْنَ اِبْرَاهِیْمَ فَیَقُوْلُوْنَ اَنْتَ نَبِیُّ اللّٰهِ وَخَلِیْلُهٗ مِنْ اَهْلِ

الْاَرْضِ اِشْفَعْ لَنَا اِلٰی رَبِّكَ اَلَا تَرٰی اِلٰی مَانَحْنُ فِیْهِ ؟ اَلَا تَرٰی اِلٰی مَاقَدْبَلَغَنَا ؟ فَیَقُوْلُ لَهُمْ اِبْرَاهِیْمُ اِنَّ رَبِّیْ قَدْغَضِبَ الْیَوْمَ غَضَبًا لَمْ یَغْضَبْ قَبْلَهٗ مِثْلَهٗ وَلَا یَغْضَبُ بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ وَذَكَرَ كَذَبَاتِهٖ نَفْسِیْ نَفْسِیْ اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ اِذْهَبُوْا اِلٰی مُوْسٰی فَیَاْتُوْنَ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ فَیَقُوْلُوْنَ یَامُوْسٰی ! اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَضَّلَكَ اللّٰهُ بِرِسَالَاتِهٖ وَبِتَكْلِیْمِهٖ عَلَی النَّاسِ اِشْفَعْ لَنَا اِلٰی رَبِّكَ اَلَا تَرٰی اِلٰی مَانَحْنُ فِیْهِ ؟ اَلَا تَرٰی مَاقَدْبَلَغَنَا ؟ فَیَقُوْلُ لَهُمْ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ اِنَّ رَبِّیْ قَدْغَضِبَ الْیَوْمَ غَضَبًا لَمْ یَغْضَبْ قَبْلَهٗ مِثْلَهٗ وَلَنْ یَغْضَبَ بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ وَاِنِّیْ قَتَلْتُ نَفْسًا لَمْ اُوْمَرْ بِقَتْلِهَا نَفْسِیْ نَفْسِیْ اِذْهَبُوْا اِلٰی عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ فَیَاْتُوْنَ عِیْسٰی فَیَقُوْلُوْنَ یَاعِیْسٰی ! اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلَّمْتَ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَلِمَةٌ مِّنْهُ اَلْقَاهَا اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاشْفَعْ لَنَا اِلٰی رَبِّكَ اَلَا تَرٰی مَانَحْنُ فِیْهِ اَلَا تَرٰی مَاقَدْ بَلَغَنَا ؟فَیَقُوْلُ لَهُمْ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ اِنَّ رَبِّیْ قَدْغَضِبَ الْیَوْمَ غَضَبًا لَمْ یَغْضَبْ قَبْلَهٗ مِثْلَهٗ وَلَنْ یَغْضَبَ بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ وَلَمْ یَذْكُرْ لَهٗ ذَنْبًا نَفْسِیْ نَفْسِیْ اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ اِذْهَبُوْا اِلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَیَاْتُوْنِیْ فَیَقُوْلُوْنَ یَامُحَمَّدُ ! اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَخَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَغَفَرَاللّٰهُ لَكَ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَاتَاَخَّرَ اِشْفَعْ لَنَا اِلٰی رَبِّكَ اَلَا تَرٰی مَانَحْنُ فِیْهِ ؟ اَلَا تَرٰی مَاقَدْبَلَغَنَا ؟ فَاَنْطَلِقُ فَاٰتِیْ تَحْتَ الْعَرْشِ فَاَقَعُ سَاجِدًا لِرَبِّیْ ثُمَّ یَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَیَّ وَیُلْهِمُنِیْ مِنْ مَحَامِدِهٖ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَیْهِ شَیْئًا لَمْ یَفْتَحْهُ لِاَحَدٍ قَبْلِیْ ثُمَّ یُقَالُ یَامُحَمَّدُ ! اِرْفَعْ رَاْسَكَ سَلْ تُعْطَهْ اِشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَرْفَعُ رَاْسِیْ فَاَقُوْلُ یَارَبِّ ! اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ فَیُقَالُ یَامُحَمَّدُ اَدْخِلِ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِكَ مَنْ لَاحِسَابَ عَلَیْهِ مِنْ بَابِ الْاَیْمَنِ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِیْمَاسِوٰی ذٰلِكَ مِنَ الْاَبْوَابِ ۔ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ ! اِنَّ مَابَیْنَ الْمِصْرَاعَیْنِ مِنْ مَصَارِیْعِ الْجَنَّةِ لَكَمَا بَیْنَ مَكَّةَ وَهَجَرٍ اَوْكَمَابَیْنَ مَكَّةَ وَبُصْرٰی ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا اور دست کا گوشت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا گیا کہ وہ آپ کو بہت مرغوب تھا، آپ نے دانتوں سے اسے کاٹا اور نوچا اور پھر فرمایا کہ قیامت کے روز میں لوگوں کا سردار ہوں گا اور کیا تم جانتے ہو یہ کیسے ہوگا؟ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اوّلین وآخرین کو ایک میدان میں جمع فرمائیں گے اور ایک بلانے والے کی آواز انہیں سنائی دے گی اور نگاہیں ان سب کو دیکھیں گی اور سورج قریب ہو جائے گا۔ لوگوں کو اتنی شدید اذیت اور غم وکرب ہوگا کہ اس کے برداشت کی طاقت اور تحمل نہ ہوگا اور بعض لوگ بعض سے کہیں گے کیا تم دیکھتے نہیں کہ تم کس حال میں ہو؟ کیا تمہیں اپنی تکلیف کا احساس نہیں جو تمہیں پہنچ رہی ہے؟ کیا تم کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھتے جو تمہارے رب کے سامنے تمہاری سفارش کر سکے؟ پھر وہ آپس میں کہیں گے کہ آدم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے

اور کہیں گے: اے آدم! آپ تمام بشر کے باپ ہیں۔ اللہ نے آپ کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا ہے اور آپ کے اندر اپنی روح پھونکی ہے۔ ملائکہ کو حکم دیا تو آپ کو انہوں نے سجدہ کیا آپ اپنے رب سے ہمارے لئے سفارش فرمایئے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس حال میں ہیں؟ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہمیں کیا اذیت پہنچی ہے؟ آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ آج میرا رب بہت غضب میں ہے اتنے غضب میں اس سے قبل کبھی نہ تھا اور نہ ہی کبھی بعد میں اتنے غضب میں ہوگا، اور اس نے مجھے درخت کے پاس جانے سے منع فرمایا تھا اور میں نے اس کی نافرمانی کی تھی۔ مجھے تو اپنی جان کی فکر ہے، میرے علاوہ کسی کے پاس جاؤ، نوح کے پاس جاؤ۔ وہ سب نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور کہیں گے کہ اے نوح! آپ زمین پر خدا کے پہلے پیغمبر ہیں اللہ نے آپ کا نام شکر گزار بندہ رکھا ہے۔ اپنے رب سے ہمارے لئے سفارش کر دیجئے، کیا آپ ہمارے حال کو نہیں دیکھتے؟ کیا آپ ہماری اذیت کو نہیں دیکھتے جو ہمیں پہنچی ہے؟ نوح علیہ السلام ان سے کہیں گے کہ آج میرا رب اتنا شدید غضب میں ہے کہ نہ اس سے پہلے کبھی اتنے غضب میں تھا، نہ آئندہ کبھی ہوگا، میری ایک بددعا تھی جو میں نے اپنی ہی قوم پر کی تھی، مجھے تو اپنی جان کی فکر ہے۔ تم لوگ ابراہیم السلام کے پاس جاؤ۔ وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آپ اللہ کے نبی اور اس کے خلیل ہیں۔ اہل زمین میں سے، اپنے رب سے ہماری سفارش کر دیجئے۔ کیا آپ ہماری حالت نہیں دیکھتے؟ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہمیں کیا تکلیف پہنچی ہے؟ ابراہیم علیہ السلام ان سے فرمائیں گے، آج تو میرا رب بے شک اتنا سخت غضبناک ہے کہ نہ اس سے قبل کبھی اتنا غضبناک تھا نہ آئندہ ہوگا اور وہ اپنی خلاف واقعہ باتوں کو یاد کریں گے مجھے تو اپنی فکر ہے۔ میرے علاوہ کسی کے پاس جاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے موسیٰ! آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اللہ نے آپ کو اپنی رسالت کے ذریعہ فضیلت بخشی اور اپنے آپ سے ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا تمام لوگوں میں سے۔ اپنے رب سے ہماری شفاعت کر دیجئے، آپ ہمارے حال کو نہیں دیکھتے؟ ہمیں پہنچنے والی اذیت کو نہیں دیکھتے؟ موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: میرا رب آج اتنا غصہ میں ہے کہ نہ پہلے کبھی اتنے غصہ میں ہوا ہے اور نہ آئندہ ہوگا۔ اور میں نے تو ایک شخص کو جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا قتل کر دیا تھا، مجھے اپنی فکر ہے۔ تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں، پنگھوڑے (گود) میں آپ نے لوگوں سے بات کی، آپ اس کا کلمہ ہیں جسے اس نے مریم علیہا السلام کو القاء فرمایا تھا اور اس کی روح ہیں۔ پس آپ ہی ہمارے لئے سفارش کیجئے اپنے رب سے۔ کیا آپ ہماری حالت نہیں دیکھتے؟ ہمیں جو تکلیف پہنچی کیا اسے نہیں دیکھتے؟ عیسیٰ علیہ السلام ان سے فرمائیں گے آج میرا رب ایسے غصہ میں ہے کہ پہلے کبھی نہ ہوا نہ آئندہ ہوگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کسی گناہ کا ذکر نہیں کیا۔ وہ کہیں گے مجھے اپنی فکر ہے، میرے علاوہ کسی کے

پاس جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ وہ میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں ،خاتم الانبیاء ہیں اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے ہیں۔ اپنے رب سے ہماری سفارش کر دیجئے کیا آپ ہمارے حال پر نظر نہیں فرماتے؟ ہمیں جو تکلیف پہنچی اسے نہیں دیکھتے؟ چنانچہ میں چلوں گا اور عرش الٰہی کے نیچے آؤں گا اور اپنے پروردگار عز وجل کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں گا، اللہ تعالیٰ میرے اوپر کھول دیں گے اور اپنی تعریفات ومحامد مجھے الہام فرمائیں گے۔ اور اپنی بہترین ثناء میرے دل میں ڈال دیں گے کہ ایسی تعریف اس سے قبل کسی کو القاء نہیں کی گئی ہوگی۔ پھر فرمائیں گے اے محمد! اپنا سر اٹھایئے مانگئے آپ کو دیا جائے گا، سفارش کیجئے قبول کی جائے گی، میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور کہوں گا اے رب! میری امت، میری امت۔ کہا جائے گا اے محمد! اپنی امت میں سے جن لوگوں پر کوئی حساب نہیں انہیں باب الایمن سے جو جنت کے دروازوں میں سے ہے جنت میں داخل کیجئے۔ اور میری امت کے افراد باب الایمن کے علاوہ دوسرے دروازوں میں بھی دوسرے لوگوں کے شریک ہوں گے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے جنت کے دروازوں میں سے دو کے درمیان مکہ اور ہجر (یمن کا ایک شہر ہے) کے درمیان فاصلہ ہے یا مکہ سے بصرہ تک کا فاصلہ ہے۔

## تشریح

''الذراع'' بکری کے سامنے دو پاؤں میں سے ہر ایک کو ذراع کہتے ہیں جس کو اردو میں دستی کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دستی بہت پسند تھی ''فنھسہ'' یعنی دانتوں سے آپ نے گوشت کاٹ کر کھالیا ''نہشہ'' کا معنی بھی اسی طرح ہے۔

''انا سید الناس یوم القیامۃ'' اس سرداری کی وجہ آنحضرت نے خود اس حدیث میں بیان کیا ہے۔

''فی صعید واحد'' یعنی ایک کھلے چٹیل میدان میں اللہ تعالیٰ سب کو اکٹھا فرما دیگا یہ میدان محشر ہوگا جو سرزمین شام پر قائم ہوگا تاکہ لوگوں کا حساب کتاب ہو جائے۔ ''یسمعھم الداعی'' یعنی لوگ اس طرح ساتھ ساتھ ہونگے اور کھلے میدان میں اس طرح ہموار ہونگے کہ کوئی آواز دینے والا جب آواز دیگا تو اس جانب سے آواز دوسری جانب پہنچ جائے گی آواز پہنچانا مشکل نہیں ہوگا۔ ''وینفذھم البصری'' یعنی لوگ اس طرح جڑے ہوئے ہونگے اور اس طرح قریب قریب ہونگے اور اس طرح برابر کھڑے ہونگے کہ اگر کوئی دیکھنے والا ایک جانب سے دیکھے گا تو دوسری جانب تک بلا تکلف نظر آر پار نکل جائے گی اور سب کے سب نظر آجائیں گے کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ ''ماقد بلغکم'' یعنی جو مصیبت تمہارے سر پر ٹوٹ پڑی ہے یہ تمہیں نظر آتی ہے؟ اس کا کوئی حل نکال لو یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ تم اس حالت کو نہیں دیکھتے ہو جس نے تم کو یہاں تک پہنچایا ہے اور مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے، لہٰذا کسی سفارشی کو تلاش کرو تاکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہاری شفاعت کرے۔ ''نفسی نفسی'' یعنی میرا نفس زیادہ مستحق ہے کہ اس کی بچاؤ کی کوشش کی جائے۔ یہ مطلب بھی لیا جاسکتا ہے کہ مجھے اپنے نفس کی فکر پڑی ہے میں تمہاری

کیا مذکر سکتا ہوں یہ تواضعاً بھی ہے لیکن غضب کے وقت مقربین بارگاہ زیادہ کانپ جاتے ہیں۔

''وذکر کذباتہ'' یہ حقیقت میں جھوٹ نہیں تھا بلکہ ''توریہ'' کی صورت تھی کہ ظاہری معنی کچھ تھا اور باطنی معنی کچھ اور تھا ایک تو ''انی سقیم'' کا لفظ تھا دوسرا ''بل فعلہ کبیرھم'' کا جملہ تھا تیسرا ''ھذہ اختی'' کا جملہ تھا مگر امام مسلم نے زیر بحث حدیث میں ''ھذا ربی'' کو تیسرا جملہ نقل کیا ہے دیگر روایات میں مصر کا واقعہ مذکور ہے جس میں ''ھذہ اختی'' کہا ہے۔

''وھم شرکاء الناس'' یعنی دائیں جانب جنت کے پاس دروازہ ان کے لئے مختص ہے مگر دوسرے دروازوں میں بھی یہ امت باقی لوگوں کے ساتھ شریک ہیں جس دروازہ سے داخل ہونا چاہتے ہیں داخل ہو سکتے ہیں یہ اس امت کا اکرام ہوگا۔

''مصراعین'' دروازہ کے دو چوکھٹ مراد ہیں ای عضادتین، یہ اس دروازہ کی وسعت کی طرف اشارہ ہے۔''ھجر'' یہ بحرین کے ایک بہت بڑے شہر کا نام ہے ایک ھجر مدینہ کے پاس ہے وہ نہیں ہے نہ وہ مراد ہے۔''بصری'' یہ شام کے علاقوں میں سے ایک علاقہ ہے اس کو ''حوران'' بھی کہتے ہیں یہ مکہ سے ایک مہینہ کی مسافت پر واقع ہے''تزلف'' تقرب کے معنی میں ہے کہ مزین کر کے جنت قریب کر دی جائے گی آئندہ حدیث میں یہ لفظ آیا ہے۔''ماتقدم من ذنبک'' یہاں ایک بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذنب کی نسبت کس طرح کی گئی ہے آپ تو معصوم ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے صغائر اور غیر اختیاری لغزش مراد ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سے خلاف اولیٰ امور کی مغفرت کی طرف اشارہ ہے تیسرا جواب یہ کہ اس سے وہ نیکیاں مراد ہیں جو آپ کی شان عالی کے فروتر ہوں یہ وہی ضابطہ ہے کہ ''حسنات الابرار سیئات المقربین'' چوتھا جواب یہ ہے کہ جہاں آپ کی طرف ذنب کی نسبت کی گئی ہے وہ بفرض محال ہے۔ تفسیر کبیر میں نو جوابات ہیں۔ بہرحال دیگر انبیاء کے گناہ بھی نہیں تھے اور ان سے جو لغزش ہوئیں وہ معاف بھی ہو گئیں لیکن آنحضرت کی ان لغزشوں کو گارنٹی کے ساتھ معاف کر دیا گیا ہے اس لئے باقی انبیاء کرام معافی کے باوجود خوف میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ دیا کیونکہ آپ کو کسی قسم مواخذہ کا خوف نہیں تھا۔

۴۸۱۔ **حَدَّثَنِي** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ وُضِعَتْ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصْعَةٌ مِنْ ثَرِيدٍ وَلَحْمٍ فَتَنَاوَلَ الذِّرَاعَ وَكَانَتْ أَحَبَّ الشَّاةِ إِلَيْهِ فَنَهَسَ نَهْسَةً فَقَالَ أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ نَهَسَ نَهْسَةً أُخْرَى فَقَالَ أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَلَمَّا رَأَى أَصْحَابَهُ لَا يَسْأَلُونَهُ قَالَ أَلَا تَقُولُونَ كَيْفَهْ؟ قَالُوا كَيْفَهْ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِمَعْنَى حَدِيثِ أَبِي حَيَّانَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ وَزَادَ فِي قِصَّةِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ وَذَكَرَ قَوْلَهُ فِي الْكَوْكَبِ هَذَا رَبِّي وَقَوْلَهُ لِآلِهَتِهِمْ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا وَقَوْلَهُ إِنِّي سَقِيمٌ قَالَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنَّ مَا بَيْنَ الْمِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَصَارِيعِ الْجَنَّةِ إِلَى

عِضَادَتَیِ الْبَابِ لَکَمَا بَیْنَ مَکَّۃَ وَھَجَرٍ اَوْ ھَجَرٍ وَمَکَّۃَ ۔ قَالَ لَا اَدْرِیْ اَیَّ ذٰلِکَ قَالَ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گوشت اور ثرید کا پیالہ رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت میں سے دست کا گوشت لیا اور بکری کے گوشت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ مرغوب دست ہی تھی۔ آپ نے منہ سے اسے نوچا۔ پھر فرمایا کہ قیامت کے روز میں سب لوگوں کا سردار ہوں گا۔ پھر دوبارہ دانتوں سے گوشت کو نوچا اور فرمایا کہ میں قیامت کے روز سب لوگوں کا سردار ہوں گا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال نہیں کررہے ہیں تو آپ نے فرمایا تم نے پوچھا نہیں کہ کیسے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کیسے یارسول اللہ! فرمایا جس دن اللہ رب العالمین کے سامنے سب لوگ دست بستہ کھڑے ہوں گے۔ آگے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سابقہ حدیث کے مانند ذکر فرمایا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ اضافہ بیان کیا کہ ابراہیم علیہ السلام ستارہ کے بارے میں اپنی بات کو یاد کریں گے اور قوم کے معبودان باطلہ کے بارے میں اپنی بات یاد کریں گے کہ آپ نے فرمایا تھا، یہ ان کے بڑے بت نے کیا ہے اور اپنے اس قول ﴿انی سقیم﴾ کو یاد کریں گے۔ اور فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جنت کے دروازوں میں سے دو پھاٹکوں کے درمیان دروازہ کی چوکھٹوں تک اتنا اضافہ ہے جتنا کہ مکہ مکرمہ سے ہجر یا ہجر سے مکہ کے درمیان ہے۔

۴۸۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَرِیْفِ بْنِ خَلِیْفَۃَ الْبَجَلِیُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَیْلٍ حَدَّثَنَا اَبُوْمَالِکٍ الْاَشْجَعِیُّ عَنْ اَبِیْ حَازِمٍ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَاَبُوْمَالِکٍ عَنْ رِبْعِیِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَیْفَۃَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی النَّاسَ فَیَقُوْمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی تُزْلَفَ لَھُمُ الْجَنَّۃُ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی النَّاسَ فَیَقُوْمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی تُزْلَفَ لَھُمُ الْجَنَّۃُ فَیَاْتُوْنَ اٰدَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَا اَبَانَا! اِسْتَفْتِحْ لَنَا الْجَنَّۃَ فَیَقُوْلُ وَھَلْ اَخْرَجَکُمْ مِنَ الْجَنَّۃِ اِلَّا خَطِیْئَۃُ اَبِیْکُمْ اٰدَمَ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِکَ اِذْھَبُوْا اِلٰی اِبْنِیْ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلِ اللّٰہِ قَالَ فَیَقُوْلُ اِبْرَاھِیْمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِکَ اِنَّمَا کُنْتُ خَلِیْلًا مِنْ وَّرَاءَ وَرَاءَ اعْمِدُوْا اِلٰی مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ الَّذِیْ کَلَّمَہُ اللّٰہُ تَکْلِیْمًا فَیَاْتُوْنَ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ فَیَقُوْلُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِکَ اِذْھَبُوْا اِلٰی عِیْسٰی کَلِمَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَرُوْحِہٖ فَیَقُوْلُ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِکَ فَیَاْتُوْنَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیَقُوْمُ وَیُؤْذَنُ لَہٗ وَتُرْسَلُ الْاَمَانَۃُ وَالرَّحِمُ فَتَقُوْمَانِ جَنَبَتَیِ الصِّرَاطِ یَمِیْنًا وَّشِمَالًا وَیَمُرُّ اَوَّلُکُمْ کَالْبَرْقِ قَالَ قُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَیُّ شَیْءٍ کَمَرِّ الْبَرْقِ؟ قَالَ اَلَمْ تَرَوْا اِلَی الْبَرْقِ کَیْفَ یَمُرُّ وَیَرْجِعُ فِیْ طَرْفَۃِ عَیْنٍ؟ ثُمَّ

كَمَرِّ الرِّيحِ ثُمَّ كَمَرِّ الطَّيْرِ وَشَدِّ الرِّجَالِ تَجْرِي بِهِمْ أَعْمَالُهُمْ وَنَبِيُّكُمْ قَائِمٌ عَلَى الصِّرَاطِ يَقُولُ رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ حَتَّى تَعْجِزَ أَعْمَالُ الْعِبَادِ حَتَّى يَجِيءَ الرَّجُلُ فَلَا يَسْتَطِيعُ السَّيْرَ إِلَّا زَحْفًا قَالَ وَفِي حَافَتَيِ الصِّرَاطِ كَلَالِيبُ مُعَلَّقَةٌ مَأْمُورَةٌ تَأْخُذُ مَنْ أُمِرَتْ بِهِ فَمَخْدُوشٌ نَاجٍ وَمَكْدُوسٌ فِي النَّارِ ۔ وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي هُرَيْرَةَ بِيَدِهِ! إِنَّ قَعْرَ جَهَنَّمَ لَسَبْعِينَ خَرِيفًا ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو جمع فرمائیں گے پھر مؤمنین کھڑے ہوں گے یہاں تک کہ جنت ان کے قریب لائی جائے گی وہ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے ہمارے ابا جان! ہمارے لئے جنت کو کھلوایئے، وہ کہیں گے ارے جنت سے تمہیں کس نے نکالا؟ تمہارے باپ آدم کی غلطی نے ہی تو نکالا، میں تو اس مقام پر نہیں، تم میرے بیٹے ابراہیم خلیل اللہ کے پاس جاؤ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے میں اس مقام پر نہیں، میں اللہ کا خلیل ہوں لیکن پرے پرے تم موسیٰ علیہ السلام کا قصد کرو۔ جن سے اللہ نے کلام فرمایا۔ وہ سب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ وہ کہیں گے میں تو اس کا مقام کے لئے نہیں۔ تم جاؤ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس وہ اللہ کا کلمہ اور روح ہیں، عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میں اس کا مقام پر نہیں۔ تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوں گے اور انہیں اجازت دی جائے گی۔ پھر امانت اور صلہ رحمی کو بھیجا جائے گا اور وہ دونوں پل صراط کے دونوں طرف کھڑے ہو جائیں گے، دائیں بائیں۔ تم میں سے پہلا آدمی بجلی کی سی تیزی سے پل صراط عبور کرے گا۔ پھر آدمی دوڑنے کی رفتار سے پل عبور کرے گا اپنے اعمال کے مطابق ان کے اعمال انہیں دوڑائیں گے اور تمہارے اپنے نبی پل صراط پر کھڑے ہوں گے اور کہہ رہے ہونگے اے میرے رب! بچالیجئے، بچالیجئے! یہاں تک کہ بندوں کے اعمال عاجز آ جائیں گے یہاں تک کہ ایک آدمی آئے گا اور چلنے کی طاقت نہ رکھے گا مگر گھسٹ گھسٹ کر اور پل صراط کے دونوں کناروں پر لٹکے ہوئے آنکڑے ہوں گے جو مامور ہوں گے اس بات پر کہ جس کے بارے میں انہیں حکم دیا جائے گا اسے پکڑ لیں، پس بہت سے زخموں سے چور ہو کر نجات پا جائیں گے اور بہت سے وہ ہوں گے کہ الٹ الٹ کر جہنم میں گریں گے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں ابو ہریرہ کی جان ہے جہنم کی گہرائی ستر برسوں کی مسافت تک ہے۔

## تشریح

''مــــــن وراء وراء'' یعنی خُلّت اور دوستی پیچھے پیچھے ہے آج میں رب العالمین کے سامنے نہیں جا سکتا ہوں کیونکہ رب العالمین انتہائی جلال وجبروت میں ہے۔ قصیدہ بردہ میں۔

ولن یضیق رسول جاهك بی اذ الکریم تحلی باسم منتقم

کم نہ ہوگا آپ کا رتبہ شفاعت سے میری جلوگر جب ہو باسم منتقم وہ ذی کرم

"وشد الرجال" پیدل دوڑنے کے معنی میں ہے "تجری بهم اعمالهم" یعنی پل صراط پر تیز دوڑنا اور آہستہ چلنا اعمال کی بنیاد پر ہوگا اگر اعمال کمزور ہوں گے تو آدمی سرین کے بل رینگ کر چلے گا گھسیٹتا ہوا چلا جائے گا اور اگر اعمال کامل ہوں گے تو برق خاطف وغیرہ کی طرح جائے گا۔ "فمخدوش ناج" یعنی سلاخوں سے زخمی زخمی ہو کر رہ جائے گا مگر بچ جائیگا۔ "ومکدوس" یعنی ٹکڑے ہو کر ھلاک ہو جائے گا یہ لفظ مکردس بھی ہے سب کا معنی ایک ہی ہے کہ پاؤں اور ہاتھوں سے باندھ کر الٹ پلٹ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ "حافتی الصراط" "حافة" طرف جانب اور کنارہ کو کہتے ہیں۔ "وترسل الامانة والرحم" یہ اہتمام شان کی بنیاد پر کہا گیا کہ ان دونوں کو انسان کا جسم دیا جائے گا یہ دونوں وہاں پل صراط کے درمیان کھڑے ہونگے اور حساب وکتاب کے فیصلہ کے بعد بھی یہ اپنا حساب چیک کریں گے اگر اس میں کوئی ناکام ہوا تو دوزخ میں جائے گا "یقرع" کھٹکھٹانے کے معنی میں ہے۔ "تبعا" تبع اور تابع کا مطلب یہ ہے کہ میرے متبعین زیادہ ہونگے یہ معجزہ قرآن کی برکت ہے یہ لفظ آنے والی روایت میں ہے۔

۴۸۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَوَّلُ النَّاسِ يَشْفَعُ فِي الْجَنَّةِ وَأَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبَعًا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں لوگوں میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو جنت میں سفارش کرے گا اور پیروکاروں کے اعتبار سے انبیاء میں میں ہی سر فہرست ہوں گا۔

۴۸۴۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبَعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن انبیاء میں سب سے زیادہ پیروکاروں والا ہوں گا اور میں ہی سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔

۴۸۵۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ زَائِدَةَ عَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ قَالَ قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَوَّلُ شَفِيعٍ فِي الْجَنَّةِ لَمْ يُصَدَّقْ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مَا صُدِّقْتُ وَإِنَّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيًّا مَا يُصَدِّقُهُ مِنْ أُمَّتِهِ إِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جنت میں سب سے پہلا شفیع ہوں گا اور کسی کی انبیاء میں سے اتنی تصدیق نہیں کی گئی جتنی میری تصدیق کی گئی اور بے شک انبیاء میں سے بعض نبی ہوں گے کہ ان کی امت میں سے سوائے ایک آدمی کے کسی نے ان کی تصدیق نہیں کی ہوگی۔

## تشریح

''اول شـفـیـع '' یعنی دخول جنت کے لئے بھی سب سے پہلے آنحضرت کی شفاعت ہوگی یہ شفاعت صغریٰ ہے جو گناہ گاروں کے لئے ہوگی تو شفاعت کبریٰ اور شفاعت صغریٰ دونوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے شافع محشر ہونگے بعض نے جنت میں رفع درجات کے لئے بھی آپ کی شفاعت کا مطلب لیا ہے۔ ''ماصدقت'' ما مصدریہ ہے ای مثل تصدیقی امتی، معلوم ہوا کہ تبعین کا زیادہ ہونا متبوع کی عظمت کی دلیل ہے آنحضرت کا معجزہ چونکہ قرآن ہے اور قرآن تا قیام قیامت ہے اس لئے ایمان لانے والے زیادہ ہونگے نیز آپ کی نبوت کا دورانیہ بھی بہت لمبا ہے تو تبعین زیادہ ہونگے اللہ تعالیٰ اور لمبا کرے۔

''الا رجـل واحـد '' یعنی ایسے انبیاء بھی ہونگے جن پر صرف ایک آدمی ایمان لایا ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ ہمت ہارنا اچھا کام نہیں آدمی کو ہمت کی کمر باندھنی چاہیے آگے کوئی مانے یا نہ مانے اس کو ثواب تو پورا ملیگا۔

۴۸۶۔ وَحَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ النَّاقِدُ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آتِي بَابَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَسْتَفْتِحُ فَيَقُولُ الْخَازِنُ مَنْ أَنْتَ ؟ فَأَقُولُ مُحَمَّدٌ فَيَقُولُ بِكَ أُمِرْتُ لَا أَفْتَحُ لِأَحَدٍ قَبْلَكَ ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے روز جنت کے دروازہ پر آؤں گا، دروازہ کھلواؤں گا، دربان جنت کہے گا آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کہے گا مجھے آپ ہی کے لئے حکم دیا گیا تھا کہ آپ سے قبل کسی کے لئے میں دروازہ نہ کھولوں گا۔

## باب اختباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعوۃ الشفاعۃ لامتہ

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی شفاعت کے لئے ایک دعا چھپا رکھی ہے

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے بارہ احادیث کو بیان کیا ہے۔

۴۸۷۔ حَدَّثَنِي يُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَالِكُ ابْنُ أَنَسٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ يَدْعُوهَا فَأُرِيدُ أَنْ أَخْتَبِئَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کی ایک خاص دعا ہوتی ہے جس کے ذریعے سے وہ دعا کرتا ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنی دعا کو چھپاؤں قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لئے۔

## تشریح

''لکل نبی دعوۃ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے بطور اعزاز واکرام ہر نبی کو دعاء مانگنے اور اس کو قبول کرنے کا حق عطا فرمایا ہے ہر نبی نے اپنی دعا دنیا میں استعمال کر کے ختم کر دی یا اپنی قوم پر بددعاء کی یا کسی اور اچھے کام میں اس کو صرف کیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کو موخر کر دیا اور پوشیدہ رکھا قوم نے ہر طرح ستایا مگر آپ نے ان پر بددعائیں نہیں کی اور دعا کے اس حق کو آخرت میں اپنی امت کی شفاعت کے لئے رکھا یہ بہت بڑا عظیم اقدام تھا کیونکہ قیامت میں امت کے گناہ گار لوگ کتنی مجبوری میں ہونگے یہ آنحضرت کا کمال شفقت تھی پھر اس میں حد بندی بھی نہیں ہے بلکہ تمام گناہ گاروں کے لئے عام رحمت ہے واقعی آپ رحمۃ للعالمین ہیں۔ اس باب کی تمام احادیث کا تعلق شفاعت صغریٰ سے ہے اس باب کو الگ رکھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی مگر علامہ نووی نے ایسا کیا تو ہم بھی مجبور ہیں علامہ عثمانیؒ نے اس باب کو باندھا ہی نہیں ہے بلکہ مسلسل احادیث کو بیان کیا ہے انہوں نے بہت اچھا کیا۔

''ان شاء اللہ'' یہ تبرک کے لئے آنحضرت نے استعمال فرمایا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مامور بھی تھے۔

''نائلۃ'' یعنی یہ دعا ان شاء اللہ حاصل ہوگی اور امت تک اس کے فوائد پہنچیں گے۔

یہاں سوال یہ ہے کہ انبیاء کرام کی مقبول دعائیں تو بہت ہیں تو ان احادیث میں ایک قبول شدہ دعا کے عطا کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قبول شدہ دعاء سے مراد اپنی امت کی ہلاکت اور تباہی کی دعا ہے تو یہ درحقیقت کفار کے حق میں بددعا کی بات ہے اور امت سے امت دعوت کفار مراد ہیں آپ نے کفار پر بددعائیں کی باقی انبیاء نے کی۔

''اختبیٔ'' یہ اختباء سے ہے چھپانے کے معنی میں ہے مراد باقی رکھنا ہے تاکہ قیامت میں کام آجائے یہ تینوں الفاظ آنے والے روایتوں میں مذکور ہیں۔

۴۸۸۔ **وحَدَّثَنِي** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهِ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةً فَأَرَدْتُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ أَنْ أَخْتَبِئَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کی ایک خاص دعا ہوتی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ان شاء اللہ اپنی دعا کو اپنی امت کی قیامت کے روز شفاعت کے لئے چھپا کر رکھوں گا۔

۴۸۹۔ **حَدَّثَنِي** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهِ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ أَبِي سُفْيَانَ بْنِ أَسِيدِ بْنِ جَارِيَةَ الثَّقَفِيُّ مِثْلَ ذَلِكَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اس سند کے ساتھ بھی یہی روایت حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے۔

۴۹۰۔ **حَدَّثَنِی** حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ عَمْرَو بْنَ أَبِي سُفْيَانَ بْنِ أَسِيدِ بْنِ جَارِيَةَ الثَّقَفِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَاهُرَيْرَةَ قَالَ لِكَعْبِ الْأَحْبَارِ إِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ يَدْعُوهَا فَأَنَاأُرِيدُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ أَنْ أَخْتَبِئَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ فَقَالَ كَعْبٌ لِأَبِي هُرَيْرَةَ أَنْتَ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُوهُرَيْرَةَ نَعَمْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کعب بن احبار سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کی ایک دعا ہوتی ہے جس سے وہ دعا کرتا ہے میرا ان شاء اللہ ارادہ ہے کہ اپنی دعا کو چھپائے رکھوں قیامت کے روز اپنی امت کی شفاعت کے لئے۔ کعب احبار نے یہ سن کر فرمایا ابوہریرہؓ سے کیا آپ نے خود براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں!۔

۴۹۱۔ **حَدَّثَنَا** أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُوكُرَيْبٍ وَاللَّفْظُ لِأَبِي كُرَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَاأَبُومُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَهِيَ نَائِلَةٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لَايُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کی ایک مستجاب دعا ہوتی ہے، ہر نبی نے اپنی دعا جلدی مانگ لی، اور میں نے اپنی دعا کو چھپایا ہوا ہے اپنی امت کی قیامت کے روز شفاعت کے لئے اور انشاء اللہ میری شفاعت و دعا میری امت کے ہر شخص کو ملے گی بشرطیکہ اللہ کے ساتھ کسی قسم شرک کرتے ہوئے نہ مرا ہو۔

۴۹۲۔ **حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عُمَارَةَ وَهُوَابْنُ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ يَدْعُو بِهَا فَيُسْتَجَابُ لَهُ فَيُؤْتَاهَاوَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے لئے ایک مستجاب دعا ہوتی ہے نبی وہ دعا مانگتا ہے تو وہ قبول ہوتی ہے اور اسے دیا جاتا ہے، اور بے شک میں نے اپنی دعا کو اپنی امت کے واسطے چھپا رکھا ہے تاکہ قیامت کے روز شفاعت کروں۔

۴۹۳۔ **حَدَّثَنَا** عُبَيْدُاللَّهِ بْنُ مُعَاذٍالْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَاشُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدٍ وَهُوَابْنُ زِيَادٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَاهُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ دَعَابِهَا فِي أُمَّتِهِ فَاسْتُجِيبَ لَهُ وَإِنِّي أُرِيدُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ أَنْ أُؤَخِّرَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے لئے ایک دعا ہوتی ہے جو وہ اپنی امت کے حق میں مانگتا ہے تو وہ قبول کی جاتی ہے اور میرا ارادہ انشاء اللہ اپنی دعا کو مؤخر کرنے کا ہے قیامت کے روز اپنی امت کی شفاعت کے لئے۔

۴۹۴۔ **حَدَّثَنِي** أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا وَاللَّفْظُ لِأَبِي غَسَّانَ قَالُوا حَدَّثَنَا مُعَاذٌ يَعْنُونَ ابْنَ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا أَنَسُ ابْنُ مَالِكٍ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ دَعَاهَا لِأُمَّتِهِ وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر نبی کی ایک دعا ہوتی ہے جسے وہ اپنے امت کے لئے مانگا کرتا ہے اور میں نے اپنی دعا اپنی امت کی شفاعت کے واسطے قیامت کے دن کے لئے چھپا رکھی ہے۔

۴۹۵۔ **وَحَدَّثَنِيهِ** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَابْنُ أَبِي خَلَفٍ قَالَا حَدَّثَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ۔

اس سند سے بھی قتادہ سے سابقہ روایت منقول ہے۔

۴۹۶۔ **حَدَّثَنَا** أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ح: وَحَدَّثَنِيهِ إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيدٍ الْجَوْهَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ جَمِيعًا عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ قَتَادَةَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ وَكِيعٍ قَالَ قَالَ أُعْطِيَ وَفِي حَدِيثِ أَبِي أُسَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ۔

قتادہ سے اسی سند کے ساتھ یہ روایت بھی منقول ہے مگر وکیع کی روایت میں "أعطی" کا لفظ اور اسامہ کی حدیث میں عن النبی کا لفظ ہے۔

۴۹۷۔ **وَحَدَّثَنِي** مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ قَالَ فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ۔

اس سند کے ساتھ بھی یہ روایت قتادہ سے انس والی حدیث کی طرح منقول ہے۔

۴۹۸۔ **وَحَدَّثَنِي** مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ أَبِي خَلَفٍ حَدَّثَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ قَدْ دَعَا بِهَا فِي أُمَّتِهِ وَخَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

حضرت جابر بن عبداللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر ایک نبی کے لئے ایک دعا ہے جو اس نے اپنی امت کے لئے مانگی ہے اور میں نے اپنی دعا اپنی امت کی شفاعت کے واسطے قیامت کے دن کے لئے محفوظ کر لی ہے۔

## باب دعاء النبی لامته وبكائه شفقة عليهم

## آنحضرت کا اپنی امت کے لئے رو رو کر دعا مانگنا

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے صرف ایک حدیث کو نقل کیا ہے۔

۴۹۹۔ حَدَّثَنِي يُونُسُ بْنُ عَبْدِالْأَعْلَى الصَّدَفِيُّ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرُو ابْنُ الْحَارِثِ أَنَّ بَكْرَبْنَ سَوَادَةَ حَدَّثَهُ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالَى فِي إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ﴿رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي﴾ (ابراهيم:۳۶) وَقَالَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ ﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (المائده:۱۱۸) فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ اللّٰهُمَّ أُمَّتِي أُمَّتِي وَبَكَى فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يَاجِبْرِيلُ! اذْهَبْ إِلَى مُحَمَّدٍ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ فَاسْأَلْهُ مَا يُبْكِيكَ فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسَأَلَهُ فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ بِمَا قَالَ وَهُوَ أَعْلَمُ فَقَالَ اللّٰهُ يَاجِبْرِيلُ! اذْهَبْ إِلَى مُحَمَّدٍ فَقُلْ إِنَّا سَنُرْضِيكَ فِي أُمَّتِكَ وَلَا نَسُوءُكَ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تلاوت فرمائی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے۔ ﴿رب انهن اضللن كثيرا ......﴾ اے میرے رب! بے شک انہوں نے گمراہ کیا بہت سے لوگوں کو پس جو میری پیروی کرے تو وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو بلاشبہ آپ بہت معاف کرنے والے رحم کرنے والے ہیں۔ اور یہ آیت تلاوت فرمائی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے: ﴿ان تعذبهم......﴾ اگر آپ انہیں عذاب دیں تو وہ بے شک آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ انہیں بخش دیں تو بلاشبہ آپ بہت زبردست اور حکمت والے ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ بلند فرمائے اور فرمایا: اے اللہ! میری امت! میری امت اور رونے لگے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: اے جبرئیل! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور اگرچہ تیرا رب خوب جانتا ہے پوچھو کہ کیوں آہ وزاری فرماتے ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا اس سے انہیں باخبر کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ تو اس کو زیادہ جانتا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے فرمایا: اے جبرئیل! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور کہو کہ: بے شک ہم آپ کی امت کے بارے میں آپ کو خوش اور راضی کر دیں گے اور آپ کو ناراض نہیں کریں گے۔

## تشریح

''الصدفی ''یونس صدفی اپنے قبیلہ''صدف'' کی طرف منسوب ہے۔

''فرفع یدیہ ''دعا میں دونوں ہاتھ اُٹھانا دعا کے آداب میں سے ہے آنحضرت نے نوافل کے بعد دعا میں ہاتھ اُٹھائے ہیں اور دعا مانگی بھی ہے تعزیت میں آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی ہے صلوۃ استسقاء میں آپ نے بھرے مجمع میں دونوں ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی ہے لہٰذا فرائض کے بعد ہاتھ اُٹھا کر اجتماعی دعا کو بدعت نہیں کہا جا سکتا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس کو لمعات میں مستحب لکھا ہے مفتی ہند مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ نے ''النفائس المرغوبۃ فی الدعا بعد المکتوبۃ'' ایک جامع اور عمدہ رسالہ دعا سے متعلق لکھی ہے کہ سنت کے بعد التزام سے دعا ثابت نہیں ہے اور فرائض کے بعد ثابت ہے یہ الگ بات ہے کہ فرائض کے بعد متعین طور پر اجتماعی حیثیت سے رفع یدین کے ساتھ دعا صریح حدیث سے ثابت نہیں ہے صرف اشارات ہیں قیاسات ہیں استنباطات ہیں اور عام فقہاء کا تعامل ہے نور الایضاح کتاب میں فرائض کے بعد دعا کے لئے باب باندھا گیا ہے۔ حضرت شاہ انور شاہ صاحب نے فیض الباری میں فرائض کے بعد دعا کو ثابت کیا ہے۔

''انا سنرضیك فی امتك''یعنی آپ پریشان نہ ہوں رونے کی ضرورت نہیں ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کریں گے ﴿ولسوف یعطیك ربك فترضی ﴾ ایت کی طرف اشارہ ہے اس پر آنحضرت نے فرمایا کہ خدا کی قسم! میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے راضی کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ امت کے لئے یہ حدیث تمام نصوص میں سب سے زیادہ پُر امید حدیث ہے اور اس میں نبی مکرم کی بڑی شان نمایاں ہے اور اس میں آپ کی اپنی امت پر بڑی شفقت عیاں ہے اور اس میں اس امت کی بڑی بشارت اور مقام ہے۔

''ولا نسوك ''یعنی ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں غمگین نہیں کریں گے یہ گویا ''انا سنرضیك'' کی تاکید ہے۔

## باب بیان ان من مات علی الکفر فھو فی النار

## جو شخص کفر پر مرا وہ دوزخ میں ہوگا

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے صرف ایک مختصری حدیث نقل کی ہے۔

۵۰۰ـ حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَیْنَ اَبِیْ ؟ قَالَ فِی النَّارِ فَلَمَّا قَفّٰی دَعَاہُ فَقَالَ اِنَّ اَبِیْ وَاَبَاكَ فِی النَّارِ ـ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ! میرا باپ کہاں ہے؟ فرمایا جہنم میں، جب وہ پیٹھ پھیر کر چلا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا کہ میرا باپ اور تیرا باپ

دونوں جہنم میں ہیں۔

## تشریح

"قفی" یہ باب تفعیل سے مڑ کر جانے کے معنی میں ہے قفا گردن کو کہتے ہیں پیٹھ پھیر کر جانے کے معنی میں ہے۔ "دعاہ" یعنی اس سوال کے کرنے والے اور مڑ کر جانے والے شخص کو آنحضرت نے بلایا اور پھر فرمایا۔

"ان ابی و اباك فی النار" اس شخص کو شاید شدید کوفت ہوئی ہوگی تو اس کی تسلی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ صرف تیرا مسئلہ نہیں ہے بلکہ جاہلیت کے دور میں مرنے والے سب دوزخ میں ہیں خواہ تیرا باپ ہو یا میرا باپ ہو اس حدیث سے ایک مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی حیثیت کیا ہے۔

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا ایمان

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مضبوط جگر تھا کہ اپنے آباواجداد کے بارے میں ساری وعیدات سننے کے باوجود اسلام کو سینہ سے لگائے رکھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ابوطالب مسلمان ہو جاتا تو مجھے اپنے باپ کے اسلام قبول کرنے سے ان کے اسلام پر زیادہ خوشی ہوتی اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کے ایمان پر بہت خوش ہو جاتے تو یہ ہماری خوشی ہوتی۔ بہر حال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کے بارے میں علماء کرام فقہاء عظام اور شارحین حدیث کے مختلف اقوال ہیں لیکن خلاصہ اور نچوڑ کو اگر دیکھا جائے تو کل تین آراء اور تین اقوال ہیں۔

### پہلا قول

آنحضرت کے والدین کے بارے میں پہلا قول یہ ہے کہ ان کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا۔ علامہ نووی امام مسلم امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں امام مسلم نے تو زیر بحث حدیث نقل کی ہے اور علامہ نووی شرح میں لکھتے ہیں کہ جو شخص بھی کفر پر مرا وہ دوزخ میں جائے گا اور جو عرب فترت کے زمانہ میں مر چکے ہیں اور انہوں نے عام عرب کی طرح بت پرستی کی ہے وہ بھی دوزخ میں جائیں گے اور چونکہ فترت کے زمانہ کے لوگوں تک حضرت ابراہیم کی دعوت پہنچ چکی تھی لہٰذا "وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا" کے استثنیٰ میں وہ نہیں ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کی طرف فقہ اکبر میں یہ قول منسوب ہے کہ آپ نے فرمایا "ان والدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماتا علی الکفر" امام مسلم نے ایک اور حدیث کی تخریج اس طرح کی ہے "استاذنت ربی ان استغفر لامی فلم یاذن لی" اسی طرح زیر بحث حدیث بھی ہے۔ (فتح الملہم)

### دوسرا قول

دوسرا قول اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ اپنی کتاب الزواجر میں فرماتے ہیں

"ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم قد اکرمہ اللہ تعالیٰ بحیاۃ ابویہ لہ حتی آمنا بہ کما فی حدیث صححہ القرطبی وابن ناصر الدین حافظ الشام فانتفعا بالایمان بعد الموت علی خلاف القاعدۃ اکراما لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔ (کذا فی ردالمحتار)

اسی طرح ابن عابدین شامی فرماتے ہیں کہ جن احادیث میں یا امام ابوحنیفہؒ کے قول میں آنحضرت کے والدین کے کفر پر خاتمے کا جو ذکر ہوا ہے وہ ابن حجر کے قول کے منافی نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کفر والی بات بہت پہلے کی ہو اور ایمان کی بات بعد کی ہو اور مذکورہ حدیث میں باپ سے چچا ابوطالب مراد ہو چچا پر باپ کا اطلاق مشہور و معروف ہے۔ اسی طرح علماء کے ایک طبقہ نے زمانہ فترت سے بھی استدلال کیا ہے کہ اس زمانہ کے لوگ نجات یافتہ ہیں متکلمین اشاعرہ فرماتے ہیں کہ جو آدمی دعوت اسلام کے پہنچنے سے پہلے مر گیا وہ دوزخ سے بچ گیا البتہ ماتریدیہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچی مگر انہوں نے نہ کفر کیا اور نہ توحید کا عقیدہ رکھا تو ایسے لوگوں پر عذاب نہیں ہوگا لیکن اس طرح دور میں اگر ان لوگوں نے کفر کا عقیدہ رکھا تو وہ دوزخ میں جائیں گے خلاصہ یہ کہ فترت کے دور سے بھی علماء نے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت کے والدین سے بت پرستی کی کوئی بات معلوم نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ علماء کے ایک طبقہ نے آنحضرت کے تمام آباؤ اجداد کو اہل توحید قرار دیا ہے اور قرآن کی آیت "تقلبك في الساجدين" سے استدلال کیا ہے گو یہ استدلال کمزور ہے۔ (کذا فی فتح الملہم)

بعض محققین نے کہا ہے کہ اہل فترت کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کا امتحان ہوگا تو ان کے پاس ہونے یا ناکام ہونے سے پہلے جنتی یا دوزخی کا فیصلہ نہیں ہو سکتا ہے۔ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ جو لوگ فترت کے زمانہ میں مر چکے ہیں یا مجنون مرے ہیں قیامت کے روز ان کا امتحان ہوگا۔ یہ سب استدلالات آنحضرت کے والدین کے ایمان پر خاتمے کے لئے کیے جاتے ہیں۔ علامہ سیوطی نے آنحضرت کے والدین کے ایمان پر ایک کتاب لکھی ہے راقم الحروف کہتا ہے کہ میں بھی آنحضرت کے والدین کی نجات کا قائل ہوں، بندہ کے دل کے اندر جھانک کر دیکھو تو وہاں آنحضرت کے والدین کے ایمان پر خاتمے کا جذبہ نظر آئے گا۔

## تیسرا قول

آنحضرت کے والدین کے ایمان کے بارے میں تیسرا قول یہ ہے کہ اس میں آدمی کو خاموشی اختیار کرنی چاہئے اکابر علماء دیوبند کا بھی یہی نظریہ ہے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے خاموشی پر عمدہ کلام پیش کیا ہے فرمایا

وبالجملة كما قال بعض المحققين انه لا ينبغي ذكر هذه المسئلة الا مع مزيد الادب وليست من المسائل

التی یضر جھلھا او یسأل عنھا فی القبر او فی الموقف فحفظ اللسان عن التکلم فیھا الا بخیر اولی و اسلم ۔

(فتح الملہم ج ۱ ص ۳۶۰)

## باب فی قولہ تعالیٰ وانذر عشیرتک الاقربین

## اپنے قریبی رشتہ داروں کے ڈرانے کا بیان

اس باب میں امام مسلم نے نو احادیث کو بیان کیا ہے۔

۵۰۱۔ **حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا أُنْزِلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ (الشعراء: ۲۱۴) دَعَا رَسُولُ اللَّهِ قُرَيْشًا فَاجْتَمَعُوا فَعَمَّ وَخَصَّ فَقَالَ يَا بَنِي كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِي مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِي عَبْدِشَمْسٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِي عَبْدِمَنَافٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِي هَاشِمٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِي عَبْدِالْمُطَّلِبِ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا فَاطِمَةُ! أَنْقِذِي نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَأَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وانذر عشیرتک الاقربین﴾ یعنی آپ ڈرایئے اپنے برادری والوں کو قریبی رشتہ داروں کو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو بلایا۔ وہ سب جمع ہو گئے تو عموماً سب کو ڈرایا پھر خصوصیت سے ڈراتے ہوئے فرمایا: اے بنی کعب بن لوئی! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اے بنی مرۃ بن کعب! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اے بنو عبد شمس! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اے بنی عبد مناف! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اور اے بنی ہاشم! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اے بنو عبدالمطلب! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اے فاطمہ! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ کیونکہ میں تمہارے معاملہ میں اللہ کے آگے کوئی اختیار نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ تم سے ایک رشتہ اور قرابت ہے جسے میں تر کرتا رہوں گا اس کی تری سے۔

## تشریح

"عشیرتک الاقربین" قریبی رشتہ دار اور قبیلہ کے خاص افراد کو عشیرہ کہتے ہیں اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ نزول وحی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کے چند افراد کو اسلام کی دعوت دی تو حضرت خدیجہ اور گھر کے دیگر چار، پانچ آدمی مسلمان ہو گئے قریش کے بعض افراد کو پتہ چلا تو کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عجیب عجیب باتیں کرنے لگے ہیں یہ خود بھی مجنون

ہوگیا ہے اور اپنے گھر والوں کو بھی مجنون بنادیا ہے اس کی تردید میں سورۃ قلم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ما انت بنعمة ربك بمجنون﴾ اور فرمایا ﴿وان یکاد الذین کفروا لیزلقونك بابصارهم لما سمعوا الذکر ویقولون انه لمجنون﴾ قریبی رشتہ داروں کے ڈرانے کا حکم جب آگیا تو آنحضرت نے کھانے کا اہتمام کیا اور رشتہ داروں کو بلایا تاکہ اسلام کی دعوت دیں، جب لوگوں نے کھانا کھایا تین چار آدمیوں کا کھانا تھا مگر بطور معجزہ اس میں برکت آگئی کم وبیش چالیس افراد نے پیٹ بھر کر کھایا تو ابولہب نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جادوگر ہیں اس نے کھانے پر جادو کیا تو زیادہ ہوگیا اس افراتفری میں آنحضرت اپنے دل کی بات ظاہر نہ کرسکے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ دعوت پر رشتہ داروں کو بلایا اور ان کو اسلام کی دعوت دے دی وہ لوگ بھاگ گئے سورۃ ''ص'' کی ابتدائی آیتوں کا تعلق اسی واقعہ سے ہے اس خاص دعوت اسلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خفیہ طور پر تین سال تک چلائی پھر ﴿فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین﴾ آیت اتری اور آپ کو عام دعوت اسلام دینے کا حکم ہوا، آنحضرت عرب کی عادت کے مطابق کوہ صفا پر آکر کھڑے ہوگئے اور قریش کو اس طرح بلایا ''یا صباحاہ واصباحاہ'' ہائے صبح کے وقت دشمن کا حملہ ہونے والا ہے اس آواز کو جب قریش نے سنا تو دوڑ دوڑ کر آگئے کہ صادق الامین اپنی کسی مجبوری میں مدد کے لئے پکار رہا ہے کوئی خود آیا کسی نے اپنا نمائندہ بھیجا تو دیکھتے ہی دیکھتے ''صفا'' پہاڑی لوگوں سے بھر گئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنی ذات کے بارے میں ان سے سوال کیا کہ میں نے چالیس سال تمہارے اندر گذارے ہیں کیا تم لوگوں نے مجھے کبھی جھوٹا پایا ہے؟ سب نے کہا کہ ہم نے بارہا تجربہ بھی کیا ہے لیکن آپ کو ہم نے سچا ہی پایا ہے آپ نے فرمایا کہ میں پہاڑ کی چوٹی پر ہوں مجھے دونوں طرف نظر آتے ہیں اگر میں کہوں کہ پہاڑ کے اس دامن سے ایک لشکر جرار تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو تم مانو گے؟ سب نے کہا مانیں گے تب آپ نے فرمایا

''یاایھاالناس قولوا لاالہ الا اللہ تفلحوا انی نذیرلکم بین یدی عذاب شدید''۔

اس پر ابولہب کھڑے ہوگئے اور کہا ''تبالك سائر الیوم الهذا جمعتنا؟'' یعنی تجھے مسلسل ہلاکت کا سامنا ہو تم نے اس بات کے لئے ہمیں جمع کیا تھا۔ اس پر ﴿تبت یدا ابی لهب وتب﴾ سورت اتری۔

آنحضرت نے اس دعوت میں عام قریش کو بھی مخاطب کیا اور خاص رشتہ داروں کا نام لیکر بھی مخاطب کیا لیکن دو منٹ پہلے جو لوگ آنحضرت کو صادق الامین کہتے تھے حق کے اعلان کے دو منٹ بعد سب نے کہا کہ ''فقال الکافرون هذا ساحر کذاب'' زیر بحث باب کی احادیث کا تعلق اسی عام اور خاص دعوت کے ساتھ ہے۔

## سوال

یہاں پر سوال یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے اس حدیث اور واقعہ کو کیسے بیان کیا ان کا تو ابھی وجود بھی نہیں تھا اسی طرح حضرت

فاطمہ اور حضرت عائشہ کا نام کیسے لیا گیا یہ حضرات اس وقت کہاں موجود ہو سکتے ہیں؟

## جواب

حضرت ابو ہریرۃ اور حضرت ابن عباسؓ نے جو اس واقعہ کو نقل کیا ہے تو یا تو یہ روایت مراسیل صحابہ میں سے ہے کہ ان حضرات نے دوسرے صحابہ سے سنا یا واقعہ میں تعدد ماننا ہوگا کہ یہ دعوت مکہ میں بھی چلائی گئی اور مدینہ میں بھی چلائی گئی جس میں حضرت فاطمہ حضرت ام سلمہ حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ کا نام لیا گیا ہے۔

"فعم وخص" یعنی آنحضرت نے اپنے اعلان میں عام قریش کا نام بھی لیا اور عموم کے بعد اپنے خاندان کے خاص افراد کا نام بھی لیا اور دعوت دیدی "انقذوا انفسکم من النار" یعنی ایمان لے آؤ اسلام قبول کرلو تو دوزخ سے چھوٹ جاؤ گے لہٰذا اپنی جانوں کو آگ سے چھڑالو۔ "رحما" یعنی صلہ رحمی ہے اس کا حق ہے وہ میں ہر حالت میں پورا کروں گا۔

"سابلھا ببلالھا" بل یبل بلاو بلالاو بلالا، تر کرنے کے معنی میں ہے صلہ رحمی جوڑنے کے لئے تر کرنے کا لفظ بولا جاتا ہے اور صلہ توڑنے کے لئے "یبس" یعنی خشکی کا لفظ بولا جاتا ہے گویا صلہ رحمی ایک کھیت اور زمین کی مانند ہے اس کو احسان اور محبت کا پانی ملے گا تو تروتازہ رہیگی ورنہ خشک ہو جائے گی۔

۵۰۲۔وَحَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَحَدِيثُ جَرِيرٍ أَتَمُّ وَأَشْبَعُ۔

عبدالملک بن عمیر سے اسی سند کے ساتھ سابقہ روایت منقول ہے۔ اور جریر کی حدیث اکمل اور پوری ہے۔

۵۰۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَيُونُسُ بْنُ بُكَيْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ (الشعراء: ۲۱۴) قَامَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَى الصَّفَا فَقَالَ يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ! يَا صَفِيَّةُ بِنْتَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا سَلُونِي مِنْ مَالِي مَا شِئْتُمْ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت ﴿وانذر عشیرتک الاقربین﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑ پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے فاطمہ بنت محمد! اے صفیہ بنت عبدالمطلب! اے بنی عبدالمطلب! میں تمہارے معاملہ میں اللہ کے سامنے کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا مجھ سے میرا جو مال مانگنا چاہو تو مانگ لو۔

## تشریح

"علی الصفا" صفا پہاڑی بیت اللہ کے بالکل ساتھ ہے صرف چند گز کا فاصلہ ہے حجاج کرام سعی اسی صفا اور مروہ کے درمیان کرتے ہیں۔ "سلونی من مالی" یعنی دنیا اور مال کا مسئلہ اگر ہے تو اس کا حل میں نکال سکتا ہوں تم مجھ سے مانگو میں کہیں سے

لا کر تم کو دے سکتا ہوں لیکن آخرت کی کامیابی کے لئے اور دوزخ سے بچ کر جنت میں جانے کے لئے ایمان کی ضرورت ہے وہ تمہارا کام ہے کہ ایمان لاؤ میں نے بھرپور دعوت دیدی ہے آگے کام تمہارا ہے۔

٥٠٤۔ **وَحَدَّثَنِي** حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ الْمُسَيَّبِ وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أُنْزِلَ عَلَيْهِ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ اللَّهِ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا يَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللَّهِ! لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ رَسُولِ اللَّهِ! سَلِينِي بِمَا شِئْتِ لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت ﴿وانذر عشیرتک الاقربین﴾ نازل ہوئی: تو آپ نے فرمایا اے خاندان قریش اللہ سے اپنی جانوں کو خرید لو میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ اے بنی عبد المطلب! میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا۔ اے عباس بن عبد المطلب! میں کام نہ آؤں گا تمہیں اللہ کے آگے کچھ بھی۔ اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی! میں تمہیں بھی اللہ کے سامنے کسی چیز سے بے نیاز نہ کرسکوں گا۔ اے فاطمہ بنت محمد! مجھ سے جو چاہے مانگ لے لیکن میں اللہ کے سامنے تیرے کسی کام نہ آؤں گا۔

٥٠٥۔ **وَحَدَّثَنِي** عَمْرٌو النَّاقِدُ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا زَائِدَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ ذَكْوَانَ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هَذَا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سابقہ روایت کی طرح یہ روایت نقل بھی کرتے ہیں۔

٥٠٦۔ **حَدَّثَنَا** أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ الْمُخَارِقِ وَزُهَيْرِ بْنِ عَمْرٍو قَالَا لَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ قَالَ انْطَلَقَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى رَضْمَةٍ مِنْ جَبَلٍ فَعَلَا أَعْلَاهَا حَجَرًا ثُمَّ نَادَى يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافَاهُ إِنِّي نَذِيرٌ إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُكُمْ كَمَثَلِ رَجُلٍ رَأَى الْعَدُوَّ فَانْطَلَقَ يَرْبَأُ أَهْلَهُ فَخَشِيَ أَنْ يَسْبِقُوهُ فَجَعَلَ يَهْتِفُ يَا صَبَاحَاهُ۔

حضرت قبیصہ بن المخارق رضی اللہ عنہ اور زہیر بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیت کریمہ ﴿وانذر عشیرتک الاقربین﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی ایک چٹان کی طرف گئے اور اس کی بلند ترین پتھر پر چڑھے اور آواز لگائی اے بنی عبد مناف! میں ڈرانے والا ہوں۔ میری اور تمہاری مثال ایک ایسے آدمی کی ہے کہ جس نے کسی دشمن کو دیکھا اور اپنے گھر والوں کو بچانے کے لئے چل پڑا، پھر اسے ڈر ہوا کہ دشمن کہیں اس سے جلدی نہ پہنچ جائے تو وہ اس سے چیخنے لگا: یا صباحاہ۔

## تشریح

''الی رضمة من جبل ''جبل سے مراد وہی صفا کی پہاڑی ہے اور ''رضمة'' کی جمع رضام اور رضم ہے یہاں بڑی بڑی چٹانوں کو کہتے ہیں جو ایک دوسرے پر پڑی ہوئی ہوں چنانچہ کوہ صفا کی یہ چٹانیں اب بھی نظر آتی ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر پڑی ہوئی ہیں۔

''یربأ اهله'' یربا فتح یفتح سے نگرانی اور حفاظت کرنے کے معنی میں ہے کہ کوئی دشمن اچانک حملہ نہ کرے ربیئہ جاسوس کو بھی کہتے ہیں جو بلند جگہ پر بیٹھ کر حالات کا جائزہ لیتا ہے اور اس باز کو بھی کہتے ہیں جو اپنے شکار کے لئے بلند جگہ پر بیٹھ کر ادھر ادھر دیکھتا ہے ''فخشی ان یسبقوہ ''یعنی یہ نگران آدمی اپنی قوم کی نگرانی کرتا ہے جب دشمن آتا ہے تو یہ دوڑ کر قوم کو اطلاع کرتا ہے لیکن جب ان کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہ جانے میں شاید دشمن ان سے آگے نکل جائیں گے اور نقصان پہنچادیں گے آواز چونکہ جلدی پہنچتی ہے اس لئے یہ آدمی اسی جگہ سے چیخ چیخ کر آواز دیتا ہے ''واصباحاہ'' ہائے صبح کے وقت دشمن حملہ کرنے آرہا ہے اس دشمن سے شیطان کا لشکر مراد ہے ظاہری لشکر نہیں، آنحضرت نے قوم کے بچاؤ کے لئے اپنی تشبیہ اسی خیر خواہ نگران سے دی ہے جو چوکس ہو کر نگرانی کر رہا ہو۔

۵۰۷۔ **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰى حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ عَنْ اَبِيهِ حَدَّثَنَا اَبُو عُثْمَانَ عَنْ زُهَيْرِ بْنِ عَمْرٍو وَقَبِيصَةَ بْنِ الْمُخَارِقِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِهِ۔

حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کرتے ہیں۔

۵۰۸۔ **وَحَدَّثَنَا** اَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا اَبُو اُسَامَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ وَرَهْطَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى صَعِدَ الصَّفَا فَهَتَفَ يَا صَبَاحَاهُ فَقَالُوا مَنْ هٰذَا الَّذِي يَهْتِفُ؟ قَالُوا مُحَمَّدٌ فَاجْتَمَعُوا اِلَيْهِ فَقَالَ يَا بَنِي فُلَانٍ! يَا بَنِي فُلَانٍ! يَا بَنِي فُلَانٍ! يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! فَاجْتَمَعُوا اِلَيْهِ فَقَالَ اَرَاَيْتَكُمْ لَوْ اَخْبَرْتُكُمْ اَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ بِسَفْحِ هٰذَا الْجَبَلِ اَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟ قَالُوا مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كَذِبًا قَالَ فَاِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ، فَقَالَ اَبُو لَهَبٍ تَبًّا لَكَ! اَمَا جَمَعْتَنَا اِلَّا لِهٰذَا؟ ثُمَّ قَامَ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ السُّورَةُ ﴿تَبَّتْ يَدَا اَبِي لَهَبٍ وَقَدْ تَبَّ﴾ كَذَا قَرَاَ الْاَعْمَشُ اِلٰى آخِرِ السُّورَةِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب آیت کریمہ ﴿وانذر عشيرتك الاقربين﴾ ورهطك منهم المخلصين، (یہ دوسری آیت منسوخ ہے) اب صرف ﴿وانذر عشيرتك الاقربين﴾ باقی ہے، نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور صفا پر چڑھ گئے اور نعرہ بلند کیا یا صباحاہ! لوگوں نے کہا یہ کون پکار رہا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ محمد ہے، چنانچہ سب جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنی فلاں! اے بنی فلاں!

اے بنی عبد مناف! اے بنی عبد المطلب، سب آپ کے پاس جمع ہو کر آ گئے تو آپ نے فرمایا: تمہاری کیا رائے ہے اگر میں تمہیں بتلاؤں کہ اس پہاڑ کے نیچے دامن سے گھوڑے نکل رہے ہیں تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ وہ کہنے لگے کہ ہم نے آپ کے بارے میں کبھی جھوٹ کا تجربہ نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک تمہیں ڈرانے والا ہوں سخت عذاب سے جو سامنے آ چکا ہے۔ پھر ابولہب نے کہا: تیرے لئے ہلاکت ہو کیا تو نے ہمیں کسی اور وجہ سے نہیں جمع کیا سوائے اس ایک وجہ کے، پھر وہ کھڑا ہوا تو یہ سورت نازل ہوئی ﴿تبت یدا ابی لھب﴾۔

## تشریح

''ورھطك منھم المخلصین'' علامہ نووی فرماتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ جملہ قرآن کا حصہ تھا مگر بعد میں منسوخ ہو گیا اس میں عموم کی طرف اشارہ ہے کہ کفار کو بھی ڈرائیں اور مخلص مؤمنین کو بھی ڈرائیں۔

''ارئیتکم'' ای اخبرونی یعنی مجھے بتادو ''خیلا'' شہسوار دستے اور لشکر کو کہتے ہیں مراد شیطان کا لشکر ہے نبی اکرم کو نظر آ گیا عام انسانوں کو نظر نہیں آ رہا تھا ''بسفح ھذا الجبل'' سفح پہاڑ کی اترائی اور چوڑائی اور کنارہ کو کہتے ہیں یہاں یہی کنارہ اور دامن مراد ہے ''ماجربنا علیك كذبا'' تفصیل میں یہ الفاظ ہیں ''قالوا جربناك مرارا فما رئینا فیك الا صدقا'' ''فانی نذیر لكم'' نذیر کا لفظ قرآن میں بار بار آیا ہے عرب معاشرہ میں یہ لفظ رسول کے لئے مشہور تھا تو فانی نذیر درحقیقت ''فانی رسول'' تھا یہی وجہ ہے کہ مخاطبین میں سے کسی کو اس لفظ سے اشتباہ پیدا نہیں ہوا بلکہ سب کو معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت اور رسالت کا اعلان کر دیا ہے۔ کاہنوں کے ہاں بھی نذیر کا لفظ مشہور تھا چنانچہ مکہ مکرمہ کی ایک کاہنہ عورت نے جب محترمہ آمنہ کو دیکھا تو کہنے لگی کہ یہ عورت یا خود نذیرہ ہے یا اس کے پیٹ سے نذیر پیدا ہو گا ایک اور کاہنہ عورت نے آنحضرت کو دیکھا تو کہا ''انت نذیر'' خواجہ عبد اللہ کو بھی کاہنوں نے پہچان لیا تھا کہ یہ یا خود نذیر ہو گا یا اس سے نذیر پیدا ہو گا، چنانچہ خواجہ عبد اللہ پر یہود نے قتل کرنے کے لئے کئی حملے کیے۔

''اما جمعتنا الا لھذا'' ہمزہ استفہامیہ ہے اور ما نافیہ ہے اسی لئے استثنی آ گیا ہے۔ ''وقد تب'' مصحف عثمانی میں ''قد'' کا لفظ نہیں ہے۔ یہ حضرت ابن مسعود کی قرأت ہے اعمش کی قرأت نہیں ہے وہ صرف ناقل ہیں۔

یا صباحاہ، یا عبد منافاہ وغیرہ الفاظ ندبہ کے لئے ہیں مصیبت کے وقت یہ الفاظ بولے جاتے ہیں۔

۵۰۹۔ وَحَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَاَبُوْ كُرَیْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِیَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ قَالَ صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ الصَّفَا فَقَالَ یَاصَبَاحَاهُ بِنَحْوِ حَدِیْثِ اَبِیْ اُسَامَةَ وَلَمْ یَذْكُرْ نُزُوْلَ الْاٰیَةِ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾۔

اعمش سے اسی سند کے ساتھ یہ روایت منقول ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی پر چڑھے،

اور یا صباحاہ پکارا جیسا کہ ابو اسامہ کی روایت میں مذکور ہے مگر اس میں آیت ﴿وانذر عشیرتک الاقربین﴾ کا نزول مذکور نہیں۔

## باب شفاعة النبي صلى الله عليه وسلم لابي طالب

## ابوطالب کے تخفیف عذاب کے لئے آنحضرت کی شفاعت

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے۔

۵۱۰۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ وَمُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِالْمَلِكِ الْأُمَوِيُّ قَالُوا حَدَّثَنَا أَبُوعَوَانَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ نَوْفَلٍ عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ أَنَّهُ قَالَ يَارَسُولَ اللهِ! هَلْ نَفَعْتَ أَبَاطَالِبٍ بِشَيْءٍ فَإِنَّهُ كَانَ يَحُوطُكَ وَيَغْضَبُ لَكَ؟ قَالَ نَعَمْ هُوَفِي ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ وَلَوْلَا أَنَالَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ نے ابوطالب کو کوئی نفع پہنچایا؟ کیونکہ وہ آپ کی حفاظت کیا کرتے تھے اور آپ کے لئے غصہ ہوتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! وہ جہنم کے اوپر والے درجہ میں ہیں اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتے۔

### تشریح

"یحوطك" یعنی آپ کی حفاظت کے لئے ہر طرف سے آپ کو حفاظتی گھیرے میں لیتا تھا "ویغضب لك" یعنی آپ کے لئے لوگوں پر غصہ ہوتا تھا اور قول وفعل سے آپ کا دفاع کرتا تھا اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دفاع کا ایک ظاہری ذریعہ بنایا تھا ابوطالب مسلمان نہیں ہوا اس لئے قریش کے ساتھ تعلقات استوار تھے وہ اگر آنحضرت پر حملہ کرتے تو ابوطالب آڑے آتا تھا وہ لوگ ابوطالب کی بات ٹھکرا نہیں سکتے تھے کیونکہ عقیدہ ایک تھا کفار نے کئی مرتبہ کہا کہ آپ درمیان سے ہٹ جائیں تاکہ ہم کھل کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ختم کردیں۔

ایک دفعہ ابوطالب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اب میں بوڑھا ہوگیا ہوں میں قریش کا اکیلے مقابلہ نہیں کرسکتا ہوں آپ قریش کے ساتھ میری زندگی میں صلح کرلیں تاکہ مجھے اطمینان ہوجائے آنحضرت نے فرمایا کہ بیشک آپ درمیان سے ہٹ جائیں میں اپنے مدعا کو نہیں چھوڑ سکتا ہوں یہاں تک کہ یا میں مرجاؤں یا اللہ کا دین غالب آجائے گا۔ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند اتار کر رکھ دیں میں پھر بھی اپنے مدعا سے پیچھے نہیں ہٹوں گا یہ کہہ کر آنحضرت غمزدہ ہوکر جانے لگے تو ابوطالب نے آپ کو واپس بلایا اور کہا کہ پورے عرب کے مقابلے میں آپ اکیلے کھڑے ہیں اگر آپ کے ساتھ

آپ کا رب نہ ہوتا تو آپ اکیلے نہیں ٹھہر سکتے اب آپ جو چاہیں کہہ دیں دین کو بیان کریں میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں گا۔ اگر ابوطالب کھل کر مسلمان ہو جاتے وہ وہ خلیج بن کر نبی اکرم کی مدد نہیں کر سکتے چونکہ ابوطالب نے آنحضرت کو بچپن میں کندھوں پر اٹھایا آنحضرت کا بدن مبارک ابوطالب کے پورے جسم کے ساتھ لگ گیا تھا اس لئے دوزخ کی آگ ظاہری بدن پر اثر نہیں کرسکتی تھی لہذا پاؤں کے تلووں میں آگ کا ایک انگارہ رکھدیا گیا جس سے دماغ جوش مارنے لگا۔ ابوطالب کی موت کفر پر آئی تھی مکمل تفصیلات اس سے پہلے حدیث ۱۳۲ کی تشریح میں لکھی جا چکی ہیں۔

''ضحضاح'' زمین کے اوپر حصہ پر جب اتنا پانی ہو جو ٹخنوں تک پہنچ جائے اس نرم پانی کو ضحضاح کہتے ہیں یہاں یہ لفظ پانی کے بجائے آگ کے نرم حصہ کے لئے استعمال کیا گیا ہے آگ کا اوپر سطح مراد ہے اس کے مقابلے میں ''الدرك الاسفل'' کے الفاظ آتے ہیں۔ دوسری حدیث میں ضحضاح کا تقابل ''غمرات'' سے کیا گیا ہے غمرات جمع ہے اس کا مفرد غمرة ہے گہرے پانی کو کہتے ہیں آگ کی بڑی لپٹوں کو غمرات کہتے ہیں۔ ''وجدته'' یعنی میں نے اس کو قیامت کے دن عذاب کا مستحق پایا۔ ''فاخرجته'' یعنی میں نے اس کی شفاعت کی تو قیامت کے دن وہ آگ کے اوپر سطح پر ہوگا۔

۵۱۱۔ **حَدَّثَنَا** ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ سَمِعْتُ الْعَبَّاسَ يَقُولُ قُلْتُ يَارَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ أَبَاطَالِبٍ كَانَ يَحُوطُكَ وَيَنْصُرُكَ وَيَغْضَبُ لَكَ فَهَلْ نَفَعَهُ ذٰلِكَ؟ قَالَ نَعَمْ وَجَدْتُهُ فِي غَمَرَاتٍ مِنَ النَّارِ فَأَخْرَجْتُهُ إِلَى ضَحْضَاحٍ۔

حضرت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! بے شک ابوطالب آپ کی بہت حفاظت اور مدد کرتے تھے، اور آپ کی خاطر غصہ ہوتے تھے، تو کیا یہ سب کام انہیں نفع دیں گے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہاں، میں نے انہیں جہنم کے سخت مقامات میں پایا لہذا میں انہیں اوپر کے طبقہ تک نکال لایا۔

۵۱۲۔ **وَحَدَّثَنِيهِ** مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُالْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ أَخْبَرَنِي الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ ح، وَحَدَّثَنَاهُ أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِ حَدِيثِ أَبِي عَوَانَةَ۔

حضرت سفیان کے واسطے حضرت ابن عباسؓ یہ روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوعوانہ کی روایت کی طرح نقل کرتے ہیں۔

۵۱۳۔ **وَحَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ الْهَادِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ

رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذُكِرَ عِنْدَهُ عَمُّهُ أَبُو طَالِبٍ فَقَالَ لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُجْعَلُ فِي ضَحْضَاحٍ مِنَ النَّارِ يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ يَغْلِي مِنْهُ دِمَاغُهُ ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے چچا ابوطالب کا ذکر کیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید قیامت کے روز میری شفاعت انہیں فائدہ پہنچائے گی اور انہیں جہنم کے سب سے ہلکے عذاب میں رکھا جائے گا جو ان کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس سے ان کا دماغ ابلنے لگے گا۔

## باب اهون اهل النار عذابا

## دوزخ میں سب سے کم عذاب والا شخص

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے چار احادیث کو بیان کیا ہے۔

٥١٤۔ **حَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ أَبِي عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَدْنَى أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَنْتَعِلُ بِنَعْلَيْنِ مِنْ نَارٍ يَغْلِي دِمَاغُهُ مِنْ حَرَارَةِ نَعْلَيْهِ ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جہنم میں سب سے ہلکا عذاب اس شخص کو ہوگا کہ اسے دو جوتے آگ کے پہنائے جائیں گے جس سے اس کا بھیجا ان جوتوں کی حرارت سے جوش مارنے لگے گا۔ (العیاذ باللہ)

٥١٥۔ **وَحَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَهْوَنُ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا أَبُو طَالِبٍ وَهُوَ مُنْتَعِلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جہنم میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب کو ہوگا اور وہ دو جوتے پہنے ہوئے ہوں گے ان سے ان کا دماغ ابلنے لگے گا۔

٥١٦۔ **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا إِسْحَاقَ يَقُولُ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَخْطُبُ وَهُوَ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَرَجُلٌ يُوضَعُ فِي أَخْمَصِ قَدَمَيْهِ جَمْرَتَانِ يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ ۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ خطبہ دے رہے تھے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سے سنا فرمایا: عذاب کے اعتبار سے اہل جہنم میں قیامت کے روز ایک شخص ہوگا اس کے تلووں میں دو انگارے رکھے جائیں گے جن سے اس کا دماغ ابلنے لگے گا۔

## تشریح

''فی اخمص قدمیه'' اخمص پاؤں کے تلوے کو کہتے ہیں شاعر ساحر نے کہا۔

فبأیما قدم سعیت الی العلی ادم الھلال لاخمصیك حذاء

''جمرتان'' یہ جمرۃ کا تثنیہ ہے آگ کا شعلہ جب ختم ہوجائے اور کوئلہ میں سرخ آگ موجود ہو اسی کو جمرۃ کہتے ہیں جس کو اردو میں انگارہ کہتے ہیں ''یغلی'' ابلنے اور جوش مارنے اور کھولنے کو کہتے ہیں، قرآن میں ہے ﴿فماتنفعهم شفاعة الشافعین﴾

## سوال

اب سوال یہ ہے کہ آنحضرت کی شفاعت سے ابو طالب کو فائدہ ہوا یہ آیت اور حدیث میں تعارض ہے کیونکہ کافر کے لئے شفاعت نہیں ہے۔

## جواب

اس کا ایک جواب شارحین نے یہ دیا ہے کہ ایک شفاعت مطلق عذاب کے ختم کرنے کے لئے ہے قرآن میں اسی کی نفی ہے اب کافر کا عذاب شفاعت سے بالکل ختم نہیں ہوسکتا ہے تخفیف آسکتی ہے تو ابو طالب کے عذاب میں شفاعت سے تخفیف آگئی ہے آیت کے مطابق عذاب کی نفی نہیں ہے۔

## دوسرا جواب

یہ ہے کہ ابو طالب کے بارے میں شفاعت آنحضرت کی خصوصیات میں سے ہے جس پر دوسرے کو قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے۔
''المرجل'' دیگچی اور دیگ کو کہتے ہیں چاروں حدیثوں کے مختلف الفاظ کو ترتیب دیکر یوں کہا جاسکتا ہے کہ ابو طالب کو دوزخ میں صرف آگ کے دو جوتے پہنائے جائیں گے جس کے تسمے ہونگے یہ تسمے بھی آگ کے ہونگے اور چپل بھی آگ کے ہونگے لیکن ان کے اندر آگ کے دو انگارے ہونگے جو تلووں کے ساتھ لگے ہونگے جس سے اندر جسم میں آگ سرایت کرجائے گی اور دماغ ابل پڑیں گے یہ ابو طالب کے بارے میں ہے ابو طالب خود سمجھے گا کہ مجھ سے زیادہ عذاب کسی کو نہیں ہورہا ہے۔ حالانکہ ان کو سب سے کم عذاب ہورہا ہوگا، اعاذنا اللہ من قلیل النار و کثیرھا۔

۵۱۷۔ وَحَدَّثَنَا اَبُوبَكْرِبْنُ اَبِی شَیْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُو اُسَامَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِی اِسْحَاقَ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا مَنْ لَهُ نَعْلَانِ وَشِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ یَغْلِیْ مِنْهُمَا

دِمَاغُهُ كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ مَا يَرَى اَنَّ اَحَدًا اَشَدُّ مِنْهُ عَذَابًا وَاِنَّهُ لَاَهْوَنُهُمْ عَذَابًا ۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل دوزخ میں سب سے کم تر عذاب اس کو ہوگا جس کے دو جوتے اور دو تسمے آگ کے ہوں گے جن سے ان کا دماغ ایسے جوش مارے گا جیسے ہانڈی جوش مارتی ہے۔ اور اس کا خیال ہوگا کہ کسی کو بھی اتنا شدید عذاب نہ ہوا ہوگا اور حقیقتاً اسے سب سے ہلکا عذاب ہوگا۔

## باب من مات علی الکفر لاینفعه عمل

## جو شخص کفر پر مر گیا اس کو کوئی عمل فائدہ نہیں دے سکتا

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے صرف ایک حدیث نقل کی ہے۔

۵۱۸۔ حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ دَاوُدَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اِبْنُ جُدْعَانَ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَصِلُ الرَّحِمَ وَيُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ فَهَلْ ذَاكَ نَافِعُهُ؟ قَالَ لَايَنْفَعُهُ اِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا رَبِّ اغْفِرْلِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ابن جدعان جو جاہلیت میں صلہ رحمی کیا کرتا تھا، مسکین کو کھانا کھلاتا تھا، تو کیا یہ اعمال اسے فائدہ دیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے یہ اعمال اسے نفع نہ دیں گے اس نے کبھی یہ نہیں کہا اے میرے رب! قیامت کے روز میرے گناہوں کو بخش دیجئے۔

### تشریح

''قال لاینفعه'' یعنی ابن جدعان کو اس کی نیکی اور صلہ رحمی کا کوئی ثواب نہیں ملے گا کیونکہ وہ کافر تھا اور کفر پر مرا ہے جس نے زندگی میں کبھی ایک بار بھی رب اغفرلی خطیئتی یوم الدین نہیں کہا تو وہ قیامت کا منکر ہے لہٰذا آخرت میں اس کو صلہ رحمی اور اطعام طعام اور خدمت خلق اور مکارم اخلاق سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ کافر کو اس کا نیک عمل قیامت میں فائدہ نہیں پہنچا سکتا نہ عذاب ختم ہوگا اور نہ اس میں تخفیف ہوگی نہ ان کو کوئی ثواب ملے گا ہاں بعض کفار اپنے جرائم کے اعتبار سے دوسرے کفار سے عذاب میں کم ہونگے۔ (نووی)

مثال کے طور پر بش ملعون ایک لاکھ مسلمانوں کا قاتل ہے اور اوباما ملعون دو لاکھ کا قاتل ہے تو جو دو لاکھ کا قاتل ہے اس کا جرم زیادہ ہے تو عذاب بھی زیادہ ہوگا۔

## ابن جدعان کے احوال

ابن جدعان کا نام عبداللہ تھا اس کا تعلق بنو تیم بن مرہ سے تھا یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قبیلہ اور خاندان کا آدمی تھا اسی لئے حضرت

عائشہ نے ان کے بارے میں آنحضرت سے سوال کیا عبداللہ بن جدعان ابتدا میں نہایت لوفرآوارہ شخص تھا اپنے علاقہ میں ایک قتل کیا پھر دوسرا قتل کیا اس کا باپ تاوان بھر بھر کر تھک گیا سب نے اتفاق سے اس کو علاقہ سے نکال دیا باپ نے کہا کہ میرا سارا مال تم نے ضائع کیا جاؤ کہیں دفع ہو جاؤ، ابن جدعان خودکشی کی غرض سے گھر سے نکلا اور مارا مارا پھرتا تھا جہاں کہیں غار نظر آتا تھا اس میں گھس کر سوراخوں میں پاؤں مارتا تھا کہ کوئی اژدھا ڈنگ مار کر ختم کردے ایک غار میں جب گیا تو اس کے اندر ایک سانپ نظر آیا جس کی آنکھیں موتیوں کی طرح چمک رہی تھیں اس نے ٹٹولا تو اندازہ ہوا کہ یہ سانپ مصنوعی ہے وہ واقعی مصنوعی تھا اس سے آگے جا کر ابن جدعان کو بنی جرہم کے زمانے کا ایک بہت بڑا خزانہ مل گیا جس پر تاریخ لکھی ہوئی تھی اور اس وقت کے بادشاہ کے کچھ اشعار بھی تھے ان کی لاشیں بھی تھیں ابن جدعان وہ پورا خزانہ اٹھا کر گھر لے آیا باپ کو بڑا مال دیا رشتہ داروں کو وافر مال دیا اب ابن جدعان سب کی آنکھوں کا تارا بن گیا اور قوم نے ان کو اپنا سردار بنا دیا طبعی طور پر یہ آدمی سخی تھا اور اس نے سخاوت کے دروازے کھول دیئے لوگوں کو دیگ پکا پکا کر کھلایا راستوں میں ستون بنا دیئے اور اس میں بلندی پر کھانا پانی رکھتا تا کہ اونٹ پر سوار مسافر کو نیچے اترنا نہ پڑے اور چلتے چلتے کھانا حاصل کرے اس کی دیگ اتنی بڑی تھی کہ سیڑھی لگا کر اس میں کھانا پکاتے تھے اور پھر نکالتے تھے ایک ضعیف روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ ابن جدعان کی دیگ کے سایہ میں بیٹھ گیا تھا اسی طویل منظر کے پیش نظر حضرت عائشہؓ نے اس شخص کے ان نیکیوں کے بارے میں سوال کیا لیکن آنحضرت نے جواب میں فرمایا یہ شخص آخرت کو نہیں مانتا تھا اس لئے زندگی بھر ایک بار بھی رب اغفرلی خطیئتی یوم الدین نہیں پڑھا لہٰذا اس کو خدمت خلق پر کچھ ثواب نہیں ملے گا۔ علامہ ابیؒ نے اس حدیث کی شرح میں مذکورہ تفصیل لکھی ہے۔

## باب موالاۃ المؤمنين ومقاطعة غيرهم

## مؤمنین سے محبت اور غیروں سے مقاطعت

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے صرف ایک حدیث کو نقل کیا ہے۔

۵۱۹۔ **حَدَّثَنِي** اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ ابْنِ اَبِيْ خَالِدٍ عَنْ قَيْسٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِهَارًا غَيْرَ سِرٍّ يَقُوْلُ اَلَا اِنَّ آلَ اَبِيْ يَعْنِيْ فُلَانًا لَيْسُوْا لِيْ بِاَوْلِيَاءَ اِنَّمَا وَلِيِّيَ اللّٰهُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علی الاعلان زور سے سنا آہستہ اور خفیہ نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگاہ ہو جاؤ! بیشک فلاں شخص کی اولاد میرے اقرباء و اعزہ میں شامل نہیں اور بے شک میرا ولی و کارساز تو اللہ اور نیک مؤمنین ہیں۔

## تشریح

''جھارا غیر سر'' ''غیر سر'' تاکید کے لئے ہے راوی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آنحضرت نے یہ بات پوشیدہ طور پر نہیں کہی تھی بلکہ کھل کر واضح الفاظ میں اعلان فرمایا۔ ''ال ابی یعنی فلانا'' علامہ نووی فرماتے ہیں کہ بعض راویوں نے کنایہ کے ساتھ ذکر کیا ہے نام لینے میں فساد کا خطرہ تھا یہ خطرہ یا اپنے بارے میں یا غیر کے بارے میں یا دونوں کے بارے میں تھا۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس کنایہ سے حکم بن ابی العاص مراد ہے ابن دقیق العید نے اس رائے کو رد کر دیا ہے۔

حافظ ابن حجر کا خیال ہے کہ اس سے ابو العاص ابن امیہ کی ال مراد ہیں۔ ابن متین فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نام نہیں لیا تا کہ ان کافروں کی مسلمان اولاد کو تکلیف نہ پہنچے۔

''لیسوا لی باولیاء'' یعنی وہ لوگ چونکہ مسلمان نہیں ہیں ان میں خیر بھی نہیں ہے اس لئے وہ میرے دوست اور حمایتی نہیں ہیں میرے دوست اور حمایتی صالح مؤمنین ہیں یعنی میرے ساتھ دوستی کا مدار ایمان واسلام ہے۔ دور دراز علاقے کا مسلمان میرا دوست ہے اور ایک قریب کا رشتہ دار کافر میرا دوست نہیں ہے۔ یہاں خونی رشتہ کارگر نہیں ہے بلکہ ایمانی رشتہ درکار ہے شاعر نے کہا۔

گر بامنے در یمنے نزد منے گر بے منے نزد منے در یمنے

## باب دخول طوائف من المسلمين الجنة بغير حساب

## مسلمانوں کی ایک جماعت کا بغیر حساب جنت میں داخل ہونا

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ نے نو احادیث کو بیان کیا ہے۔

۵۲۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَلَّامِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ الْجُمَحِيُّ حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ يَعْنِي ابْنَ مُسْلِمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِي الْجَنَّةَ سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أُدْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ ثُمَّ قَامَ آخَرُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أُدْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ مجھے بھی ان میں شامل فرمادیں۔ حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی اے اللہ! اس کو بھی ان میں شامل کردے۔ پھر ایک دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور کہا یا رسول اللہ! اللہ سے دعا فرمایئے مجھے بھی ان میں شامل کردے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عکاشہ تم سے سبقت لے گیا۔

## تشریح

''سبعون الفاً بغیر حساب'' حساب وکتاب کے بغیر یہ ستر ہزار آدمی کچھ صفات کے ساتھ مشروط ہیں جو آئندہ حدیث میں آرہی ہیں یہاں ستر ہزار کا ذکر ہے لیکن دیگر تفصیلی روایات میں ہے کہ ہر ایک ہزار کیساتھ ستر ہزار اور ہونگے وہ بھی حساب وکتاب کے بغیر جنت میں داخل ہونگے اور پروردگار عالم کی تین لپیں بھر کر اس پر مستزاد ہونگے (کما فی الترمذی) تو یہ کروڑوں کی تعداد میں ہونگے۔''فقال رجل'' اس سے حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ مراد ہیں جو اسی حدیث کے آخر میں مذکور ہیں۔

''ثم قام اخر'' اب تک معلوم نہ ہو سکا کہ یہ شخص کون تھا مگر خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب ''الاسماء المبھمة'' میں لکھا ہے کہ یہ شخص حضرت سعد بن عبادہؓ تھے۔

''سبقك بها عكاشة'' آنحضرتؐ نے عجیب پیرایہ میں جواب دیا جس سے اس شخص کی دل آزاری نہیں ہوئی اگر آپ فرماتے ہیں''لست منهم'' تو دل آزاری ہو جاتی، اب سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امتیاز کو صرف حضرت عکاشہؓ کے ساتھ خاص کیوں کیا؟ تو اس کے کئی جوابات اور احتمالات ہیں۔

ا۔ ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت کا مقصد یہ ہے کہ صفتِ توکل اور عدم التداوی کی صفت اور عدم التطیر وغیرہ موعودہ صفات میں آپ سے عکاشہ سبقت لے گئے ہیں لہٰذا یہ درجہ صرف انہیں کو مل گیا۔

۲۔ علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ حضرت عکاشہ نے اخلاص کے ساتھ یہ درجہ مانگا تو حضرت نے دیدیا اب دوسرے کے لئے نفی فرمادی تاکہ مانگنے کا یہ سلسلہ ختم ہو جائے اگر دوسرے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نعم کہدیتے تو تیسرا چوتھا کھڑا ہو جاتا اس لئے آپؐ نے مادہ ختم کر دیا تاکہ تسلسل شروع نہ ہو جائے۔

۳۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عکاشہ کا معاملہ وحی سے معلوم ہوا دوسروں کا معلوم نہ ہوا۔

۴۔ علامہ سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں آنحضرت سے جب حضرت عکاشہ نے سوال کیا تو وہ قبولیت دعا کا وقت تھا تو آنحضرت نے ہاں کر دی لیکن دوسرے شخص نے جب مطالبہ کیا تو اب قبولیت دعا کا وقت ختم ہو چکا تھا اس لئے آپ نے منع کر دیا اس کی تائید میں ایک روایت بھی ہے''سبقك بها عكاشة وبردت الدعوة''یعنی دعا کی قبولیت کا وقت ٹھنڈا پڑ گیا ہے وحی کے مطابق ایک آدمی کی جگہ تھی وہ پُر ہو گئی اب مزید گنجائش نہیں ہے۔

## عکاشہ کون ہیں؟

عکاشہ نام عکش الشعر سے ہے بالوں کے موڑنے اور بٹنے کے معنی میں ہے۔ قرطبی نے یہی کہا ہے۔ علامہ سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ ''عكش القوم اذاحمل عليهم حملة'' کے معنی میں ہے۔ بعض نے کہا کہ عکاشہ مکڑی کو کہتے ہیں نیز چیونٹی کے بل کو بھی کہتے ہیں۔ حضرت عکاشہ کا تعلق قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تھا جو بنو امیہ کے حُلفاء میں سے تھے۔ حضرت عکاشہ قدیم الاسلام تھے مکہ

سے مدینہ کی طرف ہجرت کی بدر میں شریک ہوئے اور شدید جنگ لڑی جب آپ کی تلوار ٹوٹ گئی تو آنحضرت نے ان کو ایک شاخ دیدی جوان کے ہاتھ میں بہترین تلوار بن گئی آپ نے مختلف غزوات میں حصہ لیا یہاں تک کہ ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے ساتھ مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑے آپ اپنے ساتھی کے ساتھ ایک غیر آباد جنگل میں جارہے تھے کہ طلیحہ اسدی مرتد نے آپ کو گرفتار کرلیا اور پھر شہید کیا اور یہ شعر پڑھا۔

عشية غادرت ابن اقرم ثاويا وعكاشة الغنمي تحت حبال

یعنی اس شام کے وقت جب میں نے ابن اقرم کو گرا کر چھوڑا اور عکاشہ غنمی کو رسیوں کے نیچے مرا ہوا چھوڑا۔

۵۲۱۔ **وَحَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ زِيَادٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بِمِثْلِ حَدِيْثِ الرَّبِيْعِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ربیع والی روایت کی طرح نقل کرتے ہیں۔

۵۲۲۔ **وَحَدَّثَنِي** حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى اَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِي يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَدْخُلُ مِنْ اُمَّتِي زُمْرَةٌ هُمْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا تُضِيْءُ وُجُوْهُهُمْ اِضَاءَةَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ۔ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَقَامَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ الْاَسَدِيُّ يَرْفَعُ نَمِرَةً عَلَيْهِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے: میری امت کا ایک گروہ جنت میں داخل ہوگا وہ ستر ہزار ہوں گے۔ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح دمکتے ہوئے ہوں گے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عکاشہ بن محصن الاسدی کھڑے ہوئے اپنی چادر اٹھاتے ہوئے اور فرمایا کہ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے ان میں شامل فرمالے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! اسے ان ستر ہزار میں شامل فرمالیجئے۔ پھر انصار کے ایک شخص کھڑے ہوئے اور کہا یارسول اللہ! اللہ سے دعا کیجئے کہ مجھے ان میں شامل کردے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عکاشہ تم پر سبقت لے گئے۔

۵۲۳۔ **وَحَدَّثَنِي** حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِي حَيْوَةُ قَالَ حَدَّثَنِي اَبُوْ يُوْنُسَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِي سَبْعُوْنَ اَلْفًا زُمْرَةٌ وَاحِدَةٌ مِنْهُمْ عَلَى صُوْرَةِ الْقَمَرِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے ستر ہزار کی

ایک جماعت جنت میں داخل ہوگی بعض ان میں سے چاند چہرہ ہوں گے۔

۵۲۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ الْبَاهِلِيُّ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنْ مُحَمَّدٍ يَعْنِي ابْنَ سِيرِينَ قَالَ حَدَّثَنِي عِمْرَانُ قَالَ قَالَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ قَالُوا وَمَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ هُمُ الَّذِينَ لَا يَكْتَوُونَ وَلَا يَسْتَرْقُونَ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ فَقَامَ عُكَّاشَةُ فَقَالَ ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ أَنْتَ مِنْهُمْ قَالَ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ! ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے ستر ہزار افراد جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں دیتے، نہ ہی منتر وغیرہ کرتے ہیں اور اپنے رب پر توکل اور بھروسہ کرتے ہیں۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اللہ کے رسول! دعا کیجئے اللہ سے کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل کردے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان میں سے ہو، ایک اور آدمی کھڑے ہوئے اور کہا کہ اے اللہ کے نبی! اللہ سے دعا کیجئے کہ مجھے بھی ان میں شامل کردے۔ فرمایا: عکاشہ تم پر سبقت لے گئے۔

## تشریح

"لا یکتوون" اکتوی، لوہے سے داغ دینے کو کہتے ہیں، یعنی ضرورت کے بغیر داغ نہیں لگاتے یا وہ داغ نہیں لگاتے جس کو عرب لوگ موثر حقیقی سمجھتے تھے اس حدیث کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو جائز علاج کو بھی توکل کی بنیاد پر ترک کرتے ہیں یہ خاص الخاص لوگ ہیں "لایقاس المولك بالحدادین"۔

## منتر اور دم درود کی دو قسمیں

"ولا یسترقون" یعنی قرآن وحدیث کے علاوہ منتر جنتر سے علاج نہیں کرتے ناجائز گنڈے تعویذ نہیں کرتے۔ منتر جنتر دو قسم پر ہے ایک جاہلیت کا منتر ہے جس کو اسلام نے مطلقاً منع کردیا ہے اگر یہاں "رقیہ" سے جاہلیت کے جنتر منتر مراد ہیں تو یہ ادنیٰ مؤمن کے لئے بھی جائز نہیں ہے یہ متوکلین کا معیار کیسے بنے گا، شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں منتر کا جو ذکر کیا گیا ہے اس سے جاہلیت کے ٹونے ٹوٹکے اور مشرکانہ منتر مراد ہیں۔ جن کا قرآن وحدیث سے کوئی تعلق نہیں میں کہتا ہے اگر ایسا ہے تو پھر ان لوگوں کی کیا خصوصیت رہ گئی ٹوٹکے تو سب کے لئے حرام ہے منتر کی دوسری قسم رقیہ اور دم درود اور علاج معالجہ ہے اگر اس حدیث میں مطلقاً دم درود اور علاج معالجہ کے ترک کرنے کا ذکر ہے تو یہ خواص کا توکل ہے جو علاج کے موقع پر کہتے ہیں "والطبیب امرضنی" کہ طبیب نے تو مجھے بیمار کردیا ہے علاج کی کیا ضرورت ہے۔

"ولا یتطیرون" یعنی بدشگونی سے بچتے ہیں جو جاہلیت کے برے عقاید میں سے ایک عقیدہ تھا۔ اب مندرجہ بالا صفات کا خلاصہ یہ نکلا کہ جاہلیت کا منتر جنتر تو مطلقاً منع ہے اور اگر جائز دم درود ترک کرنا مراد ہے تو اس سے بچنا بھی کامل مخلصین کی صفت ہے گویا حدیث میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ علاج کرنا بھی جائز ہے اور اس کا ترک کرنا بھی جائز ہے پہلا درجہ عوام الناس کا ہے اور دوسرا درجہ کامل مخلصین کا ہے اس کے بعد تیسرا درجہ انبیاء کرام اور صدیقین کا ہے کہ دنیا کے اسباب کا وجود اور عدم ان کی نظروں میں برابر ہوتا ہے اس درجہ کو فنانی اللہ اور باقی باللہ کا درجہ کہتے ہیں۔

بہر حال اسباب کا استعمال جائز ہے اس پر بھروسہ اور اتکال جائز نہیں ہے۔

## توکل کی تعریف اور درجات

۱۔ سہیل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ نے توکل کی تعریف اس طرح کی ہے

التوکل ھو الاسترسال مع اللہ تعالیٰ علی ما یرید۔ (نووی)

یعنی اللہ تعالیٰ کی چاہت اور ارادہ پر اس کے مطابق چلنے کا نام توکل ہے۔

۲۔ وقیل التوکل ان یستوی الاکثار والتقلل۔ (نووی)

یعنی اللہ تعالیٰ پر ایسا اعتماد ہو کہ مال کے کم ہونے یا زیادہ ہونے سے کوئی فرق نہیں آتا ہو۔

بہر حال توکل اعتماد اور بھروسہ کو کہتے ہیں اور اصطلاح عام میں قضائے الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا نام توکل ہے۔ صوفیاء کرام کی تعریف میں تھوڑا فرق ہے سر سقطیؒ فرماتے ہیں کہ بلاچوں وچراں بس اور بے بسی کو نظر انداز کرنے کا نام توکل ہے۔

بہر حال توکل اسباب کے تعطل کا نام نہیں اسباب کا استعمال جائز ہے اس پر اتکال ناجائز ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں کہ "بر توکل زانوے اشتر ببند" یعنی پہلے اونٹ کو باندھ لو اسباب اختیار کرلو پھر توکل کرو۔ توکل کے تین درجات ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ توکل کا پہلا درجہ یہ ہے کہ اسباب کو تو استعمال کیا جائے لیکن نظر رب تعالیٰ پر ہو اور موثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھا جائے۔

۲۔ توکل کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ اسباب نگاہ میں ہوں مگر اس کو استعمال نہ کیا جائے۔

۳۔ توکل کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ نظر صرف خالق پر ہو اسباب کو خاطر میں بالکل نہیں لاتا ہو، توکل کا یہ درجہ سب سے اعلیٰ وارفع ہے توکل کی جو ترتیب یہاں لکھی گئی ہے اس میں ادنیٰ توکل سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔

۵۲۵۔ حَدَّثَنِی زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالصَّمَدِ بْنُ عَبْدِالْوَارِثِ حَدَّثَنَا حَاجِبُ ابْنُ عُمَرَ أَبُو خُشَيْنَةَ الثَّقَفِيُّ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ الْأَعْرَجِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ

اُمَّتِیْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا بِغَیْرِ حِسَابٍ قَالُوْا مَنْ هُمْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ هُمُ الَّذِیْنَ لَایَسْتَرْقُوْنَ وَلَایَتَطَیَّرُوْنَ وَلَایَكْتَوُوْنَ وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا وہ کون ہوں گے؟ یارسول اللہ! فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جو (غلط) تعویذ (وغیرہ) نہیں کرتے اور نہ ہی بدفالی وغیرہ لیتے ہیں، نہ ہی داغ دیتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

۵۲۶۔ **حَدَّثَنَا** قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِیْزِ یَعْنِی ابْنَ اَبِیْ حَازِمٍ عَنْ اَبِیْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِیْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا اَوْ سَبْعُمِائَةِ اَلْفٍ لَایَدْرِیْ اَبُوْحَازِمٍ اَیُّهُمَا قَالَ مُتَمَاسِكُوْنَ آخِذٌ بَعْضُهُمْ بَعْضًا لَایَدْخُلُ اَوَّلُهُمْ حَتّٰی یَدْخُلَ آخِرُهُمْ وُجُوْهُهُمْ عَلٰی صُوْرَةِ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے ستر ہزار افراد ضرور جنت میں داخل ہوں گے یا فرمایا سات لاکھ جنت میں داخل ہوں گے ابوحازم کو یاد نہیں دونوں میں سے کیا فرمایا تھا۔ اور وہ سب ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے ہوں گے جب تک ان کا آخری آدمی جنت میں نہ داخل ہوگا پہلا بھی داخل نہ ہوگا۔ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح دمکتے ہوئے ہوں گے۔

۵۲۷۔ **حَدَّثَنَا** سَعِیْدُبْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا هُشَیْمٌ اَخْبَرَنَا حُصَیْنُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ كُنْتُ عِنْدَسَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ فَقَالَ اَیُّكُمْ رَاَی الْكَوْكَبَ الَّذِی انْقَضَّ الْبَارِحَةَ؟ قُلْتُ اَنَا ثُمَّ قُلْتُ اَمَا اِنِّیْ لَمْ اَكُنْ فِیْ صَلَاةٍ وَلٰكِنِّیْ لُدِغْتُ قَالَ فَمَاذَا صَنَعْتَ؟ قُلْتُ اِسْتَرْقَیْتُ قَالَ فَمَا حَمَلَكَ عَلٰی ذٰلِكَ؟ قُلْتُ حَدِیْثٌ حَدَّثَنَاهُ الشَّعْبِیُّ فَقَالَ وَمَاحَدَّثَكُمُ الشَّعْبِیُّ؟ قُلْتُ حَدَّثَنَا عَنْ بُرَیْدَةَ بْنِ حُصَیْبٍ الْاَسْلَمِیِّ اَنَّهُ قَالَ لَارُقْیَةَ اِلَّا مِنْ عَیْنٍ اَوْ حُمَةٍ فَقَالَ قَدْاَحْسَنَ مَنِ انْتَهٰی اِلٰی مَاسَمِعَ وَلٰكِنْ حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُرِضَتْ عَلَیَّ الْاُمَمُ فَرَاَیْتُ النَّبِیَّ وَمَعَهُ الرُّهَیْطُ وَالنَّبِیَّ وَمَعَهُ الرَّجُلُ وَالرَّجُلَانِ وَالنَّبِیَّ لَیْسَ مَعَهُ اَحَدٌ اِذْ رُفِعَ لِیْ سَوَادٌ عَظِیْمٌ فَظَنَنْتُ اَنَّهُمْ اُمَّتِیْ فَقِیْلَ لِیْ هٰذَا مُوْسٰی وَقَوْمُهُ وَلٰكِنْ اُنْظُرْ اِلَی الْاُفُقِ فَنَظَرْتُ فَاِذَا سَوَادٌ عَظِیْمٌ فَقِیْلَ لِیْ اُنْظُرْ اِلَی الْاُفُقِ الْآخَرِ فَاِذَا سَوَادٌ عَظِیْمٌ فَقِیْلَ لِیْ هٰذِهِ اُمَّتُكَ وَمَعَهُمْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَیْرِ حِسَابٍ وَلَاعَذَابٍ، ثُمَّ نَهَضَ فَدَخَلَ مَنْزِلَهُ فَخَاضَ النَّاسُ فِیْ اُولٰئِكَ الَّذِیْنَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَیْرِ حِسَابٍ وَلَاعَذَابٍ فَقَالَ بَعْضُهُمْ فَلَعَلَّهُمُ الَّذِیْنَ صَحِبُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ فَلَعَلَّهُمُ الَّذِیْنَ وُلِدُوْا فِی الْاِسْلَامِ فَلَمْ یُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَیْئًا وَذَكَرُوْا اَشْیَاءَ فَخَرَجَ عَلَیْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَاالَّذِيْ تَخُوْضُوْنَ فِيْهِ ؟ فَاَخْبَرُوْهُ فَقَالَ هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَرْقُوْنَ وَلَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ فَقَامَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ فَقَالَ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ فَقَالَ اَنْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ فَقَالَ سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ ۔

حضرت حصین بن عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سعید بن جبیرؒ کے پاس تھا، انہوں نے فرمایا تم میں سے کسی نے وہ ستارہ دیکھا تھا جو کل رات ٹوٹا تھا؟ میں نے کہا کہ میں نے دیکھا تھا۔ پھر میں نے کہا کہ میں نماز میں مشغول نہ تھا بلکہ مجھے ڈس لیا گیا تھا پھر سعیدؒ نے پوچھا کہ تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا کہ میں نے تعویذ وغیرہ کیا انہوں نے کہا تعویذ کس وجہ سے کیا؟ میں نے کہا ایک حدیث کی بنا پر جسے شعبیؒ نے ہم سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ شعبیؒ نے تم سے کون سی حدیث بیان کی ہے؟ میں نے کہا انہوں نے ہم سے بریدہ بن حصیب الاسلمی رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا: تعویذ وغیرہ نہیں مگر نظر بد یا بچھو وغیرہ کے ڈنک میں۔ سعید بن جبیر نے فرمایا کہ جس نے جو کچھ سنا اور اس کے مطابق عمل کیا اس نے اچھا کیا۔ لیکن ہم سے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے تمام امتوں کو پیش کیا گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک نبی ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ ایک چھوٹا سا گروہ ہے، اور بعض نبی وہ ہیں کہ ان کے ساتھ ایک یا دو آدمی ہیں اور بعض کے ساتھ ایک بھی آدمی نہیں تھا اسی اثناء میں ایک بہت بڑا مجمع میری نگاہوں کے سامنے لایا گیا، میں نے خیال کیا کہ یہ میری امت ہے، تو مجھ سے کہا گیا یہ موسیٰ علیہ السلام کی امت ہے، لیکن آپ افق پر نگاہ رکھیے، میں نے افق پر نگاہ دوڑائی تو ایک عظیم الشان جماعت نظر آئی، پھر مجھ سے کہا گیا کہ دوسرے افق پر نگاہ ڈالیے میں نے دیکھا تو ایک بہت ہی کثیر مجمع تھا۔ مجھ سے کہا گیا یہ آپ کی امت ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار ایسے لوگ ہیں جو جنت میں بغیر حساب وعذاب کے داخل ہوں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے دولت کدہ میں داخل ہو گئے، ادھر لوگ اس غور وخوض میں پڑ گئے کہ وہ کون لوگ ہیں جو جنت میں بغیر حساب وعذاب کے داخل ہوں گے؟ بعض نے کہا کہ شاید وہ لوگ ہوں، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی، بعض نے کہا نہیں شاید یہ وہ لوگ ہوں جو حالتِ اسلام میں پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ کیساتھ بالکل شرک نہیں کیا، اور بھی بہت سی باتیں لوگوں نے کہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا تم لوگ کس بارے میں غور وخوض کر رہے ہو؟ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ خود تعویذ وغیرہ کرتے ہیں، نہ کرواتے ہیں، بدشگونی لیتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل

فرمادے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان میں سے ہو، پھر ایک دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور کہا کہ یا رسول اللہ! اللہ سے دعا کیجئے کہ مجھے بھی ان میں شامل کردے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عکاشہ تم سے سبقت لے گیا۔

۵۲۸۔ **حَدَّثَنَا** اَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ فُضَیْلٍ عَنْ حُصَیْنٍ عَنْ سَعِیْدِ ابْنِ جُبَیْرٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَیَّ الْاُمَمُ ثُمَّ ذَكَرَ بَاقِیَ الْحَدِیْثِ نَحْوَ حَدِیْثِ هُشَیْمٍ وَلَمْ یَذْكُرْ اَوَّلَ حَدِیْثِهٖ۔

سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے سامنے امتیں پیش کی گئی بقیہ حدیث ہشیم والی روایت کی طرح ہے مگر اس میں شروع کا حصہ مذکور نہیں۔

## باب بیان کون ھذہ الامة نصف اھل الجنة

## امت محمدیہ اہل جنت کے نصف کے برابر ہوگی

اس باب میں امام مسلم رحمہ اللہ پانچ احادیث کو بیان کیا ہے۔

۵۲۹۔ **حَدَّثَنَا** هَنَّادُ بْنُ السَّرِیِّ حَدَّثَنَا اَبُوالْاَحْوَصِ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنْ عَمْرِوبْنِ مَیْمُوْنٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَاتَرْضَوْنَ اَنْ تَكُوْنُوْا رُبُعَ اَهْلِ الْجَنَّةِ ؟ قَالَ فَكَبَّرْنَا ثُمَّ قَالَ اَمَاتَرْضَوْنَ اَنْ تَكُوْنُوْا ثُلُثَ اَهْلِ الْجَنَّةِ ؟ قَالَ فَكَبَّرْنَا ثُمَّ قَالَ اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ تَكُوْنُوْا شَطْرَ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَسَاُخْبِرُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ مَاالْمُسْلِمُوْنَ فِی الْكُفَّارِ اِلَّا كَشَعْرَةٍ بَیْضَاءَ فِیْ ثَوْرٍ اَسْوَدَ اَوْ كَشَعْرَةٍ سَوْدَاءَ فِیْ ثَوْرٍ اَبْیَضَ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم اہل بیت جنت کا ایک چوتھائی حصہ ہو؟ ہم نے یہ سن کر نعرۂ تکبیر بلند کیا پھر آپ فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم جنت کا ایک تہائی حصہ ہو؟ ہم نے پھر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا آدھا حصہ ہوگے۔ اور اس کی وجہ میں تم سے بیان کرتا ہوں کہ مسلمان کفار کے اندر ایسے ہیں جیسے ایک سفید بال سیاہ بیل میں یا ایک سیاہ بال سفید بیل میں۔

### تشریح

''فکبرنا'' معلوم ہوا خوشی کے موقع پر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرنا جائز ہے خواہ مساجد میں ہو یا میدان جہاد کے میدان کارزار میں ہو۔
''شطر اھل الجنة'' شطر آدھے کو کہتے ہیں یہاں یہی مراد ہے یہ بہت بڑا اعزاز ہے پہلے ربع کی بشارت آئی پھر اضافہ ہو کر ثلث کی بشارت آئی پھر نصف کی بشارت آئی یہ بہت بڑا اعزاز واکرام ہے امت کے اکرام سے بڑھ کر نبی مکرم کا اعزاز واکرام ہے کہ

سب سے زیادہ امتی آپ کے ہونگے۔ "کشعرۃ بیضاء فی ثور اسود" بیل جب کالا ہوتا ہے تو پورا کالا ہوتا ہے عام رنگ کے خلاف کوئی بال نہیں ہوتا لہٰذا اس لفظ سے بھی شطر الامۃ ہی مراد لیا گیا ہے۔

## سوال

یہاں سوال یہ ہے کہ "شعرۃ بیضاء" کے الفاظ قلت کے لئے استعمال ہوتے ہیں جب ملت اسلامیہ اتنی قلیل ہوگی تو اس قلت کو کس طرح بشارت کے لئے پیش کیا گیا؟۔

## جواب

یہ قلت دنیا کے تمام انسانوں کے اعتبار سے ہے صرف اہل جنت کے اعتبار سے نہیں ہے یعنی اگر پوری انسانیت کو دیکھا جائے تو تم "شعرۃ بیضافی ثور اسود" کی طرح کم ہو لیکن اہل ایمان اور اہل جنت کے اعتبار سے تم اتنے زیادہ ہونگے کہ ساری مخلوق جو جنت میں ہوگی تم اس کے نصف کے برابر ہونگے یہ بڑی فضیلت اور بشارت ہے جو آنحضرت نے دی ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی بڑا اعزاز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تو فترت کے زمانہ میں بھی کئی لوگوں نے ایمان لایا یمن کے بادشاہ تبع کو جب حقیقت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہوا تو وہ ایمان لے آئے یہ یہودی مذہب پر تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سات سو سال پہلے گذرے ہیں انہوں نے ایمان لانے کے بعد ایک پرچہ پر یہ اشعار لکھدیئے ابو موسیٰ اشعریؓ تبع بادشاہ کی اولاد میں سے تھے اسی لئے آنحضرت نے مدینہ پہنچتے وقت ان کے مکان میں قیام فرمایا بلکہ تبع نے یہ مکان اسی غرض سے بنایا تھا ان کے اشعار، علامہ آبی نے یوں نقل کیے ہیں۔

| | |
|---|---|
| شہدت علی احمد انہ | رسول من اللہ باری النسم |
| لہ امۃ سمیت فی الزبور | بامۃ احمد خیر الامم |
| فلو مد دھری الی دھرہ | لکنت وزیرا لہ و ابن عم |
| و قاتلت بالسیف اعدائہ | و کشفت عن قلبہ کل غم |

(الآبی ج ۱ ص ۶۲۰)

۵۳۰- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِي اِسْحَاقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قُبَّةٍ نَحْوًا مِنْ اَرْبَعِيْنَ رَجُلًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَرْضَوْنَ اَنْ تَكُوْنُوْا رُبُعَ اَهْلِ الْجَنَّةِ؟ قَالَ قُلْنَا نَعَمْ فَقَالَ اَتَرْضَوْنَ اَنْ تَكُوْنُوْا ثُلُثَ اَهْلِ الْجَنَّةِ؟ فَقُلْنَا نَعَمْ فَقَالَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! اِنِّي لَاَرْجُوْا اَنْ تَكُوْنُوْا نِصْفَ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَذَاكَ اَنَّ الْجَنَّةَ لَا يَدْخُلُهَا اِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ وَمَا اَنْتُمْ فِي اَهْلِ الشِّرْكِ اِلَّا كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ

الاسْوَدِ اَوْ كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْاَحْمَرِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خیمہ میں تقریباً ۴۰ افراد کے ساتھ بیٹھے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم لوگ کل اہل جنت کا ایک چوتھائی حصہ ہو؟ ہم نے کہا کہ ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس پر بھی راضی ہو کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی حصہ ہو؟ ہم نے کہا کہ جی ہاں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے بے شک مجھے امید ہے کہ تم لوگ اہل جنت کا نصف ہوں گے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جنت میں سوائے مسلمان کے کوئی داخل نہیں ہوگا اور مشرکوں میں تمہاری مقدار ایسی ہے جیسے ایک سفید بال سیاہ بیل میں ہو یا ایک سیاہ بال سفید بیل میں ہو۔

۵۳۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبِيْ حَدَّثَنَا مَالِكٌ وَهُوَابْنُ مِغْوَلٍ عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْنَدَظَهْرَهُ اِلٰى قُبَّةِ اَدَمٍ فَقَالَ اَلَا ، لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّانَفْسٌ مُسْلِمَةٌ اَللّٰهُمَّ ! هَلْ بَلَّغْتُ؟ اَللّٰهُمَّ ! اشْهَدْ اَتُحِبُّوْنَ اَنَّكُمْ رُبُعُ اَهْلِ الْجَنَّةِ ؟ فَقُلْنَا نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! فَقَالَ اَتُحِبُّوْنَ اَنْ تَكُوْنُوْا ثُلُثَ اَهْلِ الْجَنَّةِ ؟ قَالُوْا نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ اِنِّيْ لَاَرْجُوْا اَنْ تَكُوْنُوْا شَطْرَ اَهْلِ الْجَنَّةِ مَااَنْتُمْ فِيْ سِوَاكُمْ مِنَ الْاُمَمِ اِلَّاكَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِي الثَّوْرِ الْاَبْيَضِ اَوْكَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي الثَّوْرِالْاَسْوَدِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے خطاب فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پشت مبارک ایک چمڑے کے خیمہ سے ٹیک دی اور فرمایا: خبردار! جنت میں سوائے مسلمان کے کوئی داخل نہیں ہوگا۔ اے اللہ! کیا میں نے آپ کا پیغام پہنچا دیا؟ اے اللہ! آپ گواہ رہیے۔ کیا تم پسند کرتے ہو کہ تم اہل جنت کے ایک چوتھائی ہو؟ ہم نے کہا جی ہاں! یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا! تم یہ بات پسند کرتے ہو کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی ہو جاؤ؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ! پھر آپ نے فرمایا: بیشک مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا آدھا حصہ ہو گے تم دوسری امتوں میں نہیں ہو نگے مگر اتنے ہی جیسے ایک سیاہ بال سفید بیل میں یا ایک سفید بال سیاہ بیل میں ہوتا ہے۔

۵۳۲۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ الْعَبْسِيُّ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يَاآدَمُ! فَيَقُوْلُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ! وَالْخَيْرُفِيْ يَدَيْكَ ! قَالَ يَقُوْلُ اَخْرِجْ بَعْثَ النَّارِ قَالَ وَمَابَعْثُ النَّارِ؟ قَالَ مِنْ كُلِّ اَلْفٍ تِسْعَمِائَةٍ وَّتِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ قَالَ فَذَاكَ حِيْنَ يَشِيْبُ الصَّغِيْرُ﴿وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَالنَّاسَ سُكٰرٰى وَمَاهُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ﴾

(الحج: ۲) قَالَ فَاشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّنَا ذٰلِكَ الرَّجُلُ؟ فَقَالَ اَبْشِرُوْا فَاِنَّ مِنْ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ اَلْفٌ وَمِنْكُمْ رَجُلٌ قَالَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ! اِنِّىْ لَاَطْمَعُ اَنْ تَكُوْنُوْا رُبْعَ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَحَمِدْنَا اللّٰهَ وَكَبَّرْنَا ثُمَّ قَالَ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ اِنِّىْ لَاَطْمَعُ اَنْ تَكُوْنُوْا ثُلُثَ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَحَمِدْنَا اللّٰهَ وَكَبَّرْنَا ثُمَّ قَالَ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ! اِنِّىْ لَاَطْمَعُ اَنْ تَكُوْنُوْا شَطْرَ اَهْلِ الْجَنَّةِ اِنَّ مَثَلَكُمْ فِى الْاُمَمِ كَمَثَلِ الشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِىْ جِلْدِ الثَّوْرِ الْاَسْوَدِ اَوْ كَالرَّقْمَةِ فِىْ ذِرَاعِ الْحِمَارِ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عزّ وجل فرمائیں گے اے آدم! وہ کہیں گے، میں حاضر ہوں، آپ کی اطاعت وخدمت میں اور ہر طرح کی خیر آپ کے دست قدرت میں ہے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جہنمیوں کو نکال لو؟ وہ کہیں گے کس مقدار سے جہنمی؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ہر ہزار میں سے نوسوننانوے نکال لو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی وقت ہوگا جب بچہ بوڑھا ہو جائیگا اور ہر حاملہ عورت اپنا حمل نکال دیگی اور تو دیکھے گا لوگوں کو مدہوش نشہ میں مگر وہ مدہوش نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب بڑا شدید ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہ پر یہ بات نہایت شاق گذری لہٰذا انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! نہ معلوم ہم میں سے وہ خوش قسمت مرد کون ہوگا؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا خوش ہو جاؤ کہ یاجوج ماجوج سے ہزار کافر اور تم میں سے ایک کافر برابر ہوں گے، پھر آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں یہ امید رکھتا ہوں کہ تم اہل جنت میں سے ایک چوتھائی ہونگے۔ ہم نے اللہ کی تعریف وکبریائی بیان کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مجھے بلاشبہ یہ امید ہے کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی ہونگے۔ ہم نے اللہ کی تعریف وبڑائی بیان کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دوبارہ فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے بلاشبہ مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا نصف حصہ ہونگے۔ دوسری امتوں کے مقابلہ میں تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک سفید بال سیاہ بیل کی کھال میں یا گدھے کے اگلے دست پر ایک داغ۔

۵۲۳۔ حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ ح: وَحَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ كِلَاهُمَا عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ غَيْرَ اَنَّهُمَا قَالَا مَا اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ فِى النَّاسِ اِلَّا كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِى الثَّوْرِ الْاَسْوَدِ اَوْ كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِى الثَّوْرِ الْاَبْيَضِ وَلَمْ يَذْكُرَا اَوْ كَالرَّقْمَةِ فِىْ ذِرَاعِ الْحِمَارِ۔

اس سند سے بھی اعمش سے روایت اس میں یہ الفاظ ہیں کہ تم آج کے دن اور لوگوں کے سامنے ایسے ہو جیسے ایک سفید بال کالے بیل میں یا ایک سیاہ بال سفید بیل میں اور گدھے کے پیر کے نشان کا تذکرہ نہیں کیا یہاں سابقہ حدیث الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ منقول ہے۔

کتاب الایمان

## تشریح

''بعث النار'' بعث مبعوث کے معنی میں ہے یعنی جن لوگوں کو دوزخ بھیجنا ہے ان کو الگ کر دو حضرت آدم فرمائیں گے کہ اے اللہ کس حساب سے الگ کردوں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ایک ہزار افراد سے صرف ایک کو چھوڑ دو باقی نوسوننانوے دوزخ روانہ کردو، اس موقع پر لوگوں میں شدید اضطراب پھیل جائے گا چھوٹے بچے بوڑھے ہوجائیں گے لوگ مدہوش اور بے ہوش ہوجائیں گے۔علماء نے لکھا ہے کہ میدان محشر کے چند مواضع میں سے ایک یہی مقام ہے جو انتہائی سخت ہے اور کسی کو کسی کی خبر نہیں ہوگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو تسلی دیدی کہ نوسوننانوے یاجوج ماجوج سے ہونگے لہٰذا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔''الرقمة'' دھبہ کو رقمہ کہا گیا ہے مراد وہی چند سفید بال ہیں''ذراع الحمار ''یعنی گدھے کی ٹانگ میں جو سفید دھبہ کبھی ہوتا ہے تم ساری انسانیت کے مقابلہ میں اتنے قلیل ہو مگر پھر بھی جنت میں سب کے مقابلے میں آدھے ہونگے حدیث ۵۰۲ میں ''فی اهل الشرك '' کا لفظ آیا ہے اور حدیث نمبر ۵۳۱ میں ''فی سواکم من الامم '' کا جملہ آیا ہے یہ سب اس توجیہ کی تائید ہے کہ اس امت کا تقابل پوری انسانیت کے ساتھ کیا گیا ہے صرف اہل جنت کے ساتھ موازنہ نہیں ہے۔زیر بحث حدیث میں بھی ''ان مثلکم فی الامم '' کا جملہ آیا ہے اس میں بھی عموم ہے کہ تقابل تمام امم سے ہے۔

الحمد للہ آج بروز جمعہ ۱۹ شعبان ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۲ جولائی ۲۰۱۱ء کو بندہ عاجز صحیح مسلم کی اردو شرح ''تحفة المنعم '' کی تحریر سے فارغ ہوا۔مقدمہ مسلم اور صحیح مسلم کی کتاب الایمان مکمل طور پر آج پایہ تکمیل تک پہنچ گیا۔جس کو میں نے جمعہ ۲۵ فروری ۲۰۱۱ء میں شروع کیا تھا دن رات ایک کر کے اس عظیم محنت سے پانچ ماہ کے قلیل عرصہ میں آج میں سبکدوش ہوا۔

میں اپنے پروردگار کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں اور اپنی قلبی آواز کے ساتھ کہتا ہوں۔

اللهم لك الحمد كله ولك الشكر كله

ولك الخلق كله ولك الملك كله اليك يرجع الامر كله

بيدك الخير كله اسألك الخير كله واعوذبك من الشر كله

وصلى الله تعالىٰ على خير البرية

محمد المصطفىٰ صلى الله عليه وسلم

صفوة البرية سيد الانبياء والمرسلين وخاتم النبيين

وعلى اله واصحابه وازواجه واهل بيته اجمعين

فضل محمد عفرلہ یوسف زئی حال کراچی

۲۰ شعبان ۱۴۳۲ھ ۲۳ جولائی ۲۰۱۱ء

کتاب الایمان

# مولانا فضل محمد یوسف زئی صاحب کی دیگر تصنیفات

- توضیحات شرح مشکوٰۃ (آٹھ جلدیں)
- علمی خطبات کامل
- دعوت جہاد
- محمد رسول اللہ جنگ کے میدان میں
- فتوحات شام
- فتنہ ارتداد اور جہاد فی سبیل اللہ
- فتوحات مصر و فارس
- جنگ بدر
- جنگ احد
- جنگ خندق
- فتح مکہ
- جنگ موتہ
- جنگ خیبر
- غزوہ تبوک
- جنگ حنین
- صفحہ عالم پر نقوش جہاد
- اسلامی خلافت
- اعلاء کلمۃ اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ
- سبیل اللہ
- اسلامی تحریکات اور منافقین کا کردار
- تسہیل العروض والقوافی
- امام غزالی کا خط
- قوم ثمود کیسے تباہ ہوئی؟
- زلزلے کیوں آتے ہیں؟
- وعظ و بیان
- حق و باطل کی پہچان
- سقوط طالبان، کس کا فائدہ کس کا نقصان؟
- قتال الکفار
- ختم بخاری (جیبی سائز)